دوم

ترجمہ واضافات

مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی (مفتی دار العلوم دیوبند)

مکتبہ فیض القرآن دیوبند

کشف الاسرار

اُردو ترجمہ وشرح

دُرِّمختار

جلد دوم

کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح

مصنفہ

فقیہ، محدّث، عالم، حافظ حدیث

حضرت علاء الدین حصکفیؒ

ترجمہ واضافات

مولانا محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی

مفتی دار العلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ فیض القرآن دیوبند (یوپی)

Pin.247554

نام کتاب	:	کشف الاسرار ترجمہ وشرح درّ مختار
تالیف	:	فقیہ، محدث، عالم، حافظ حدیث حضرت علامہ علاء الدین حصکفیؒ
ترجمہ واضافات	:	مولانا محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی مفتی دار العلوم دیوبند
باہتمام	:	تاج عثمانی ابن جناب مشہود اقبال صاحب عثمانی
کمپیوٹر ڈیزائننگ	:	حسینیہ کمپیوٹر سینٹر مدنی منزل، دیوبند
کمپیوٹر کتابت	:	نواز پبلی کیشنز دیوبند، رفاہ کمپیوٹر، نئی دہلی۔
قیمت	:	
مطبوعہ	:	جون ۱۹۹۹ء

ناشر

مکتبہ فیض القرآن نزد مسجد چھتہ دیوبند،
ضلع سہارنپور (یوپی)
Ph:01336 - 22401

فہرست مضامین

کشف الاسرار شرح اردو در مختار جلد دوم

صحت کے زمانے کی نماز حالت بیماری میں

البتہ مریض اپنی صحت کی حالت میں قضا شدہ نماز کو اپنے مرض میں جس طرح پڑھنے پر قدرت رکھتا ہوگا اسی طرح ادا کرے گا یعنی حالت صحت کی نماز قضا ہوئی تھی اب اگر اس نماز کو بیماری کے زمانے میں بیٹھ کر پڑھے گا تو بوجہ عذر اس کی یہ نماز جائز ہوگی لیکن اگر حالت بیماری کی قضاء شدہ نماز حالت صحت میں بیٹھ کر پڑھے گا تو درست نہیں ہوگی کیونکہ اس وقت اسکو کوئی عذر نہیں ہے۔

فروع سافر السلطان قصر تزوج المسافر ببلد صار مقيماً على الاوجه طهرت الحائض و بقي لمقصدها يوما تتم في الصحيح و كصبي بلغ بخلاف كافرا سلم عد مشترك بين مقيم و مسافر ان تهائيها قصر في نوبة المسافر و الا يفرض عليه القعود الاول و يتم احتياطاً و لا يأتم بقميم اصلا و هو مما يلغز قال لنساء ه من لم تدر منكن كم ركعة فرض في يوم و ليلة فهي طالق فقالت احداهن عشرون والثانية سبعة عشر و الثالثة خمسة عشر والرابعة احد عشر لم يطلق لان الاولىٰ ضمت الوتر والثانية تركته والثالثة ليوم الجمعة والرابعة للمسافر والله اعلم.

بادشاہ بھی اپنی مملکت میں مسافر ہوتا ہے

شارح کی طرف سے اضافہ شدہ مسائل اگر بادشاہ سفر کرے گا تو وہ بھی قصر پڑھے گا یعنی سفر شرعی کی نیت سے بادشاہ بھی مسافر کے حکم میں ہو جاتا ہے، یہ دھوکہ نہیں ہونا چاہئے کہ چونکہ ساری مملکت کا وہ مالک ہے لہٰذا وہ اپنی مملکت میں جہاں ہوگا مقیم ہی رہے گا۔

شادی کی جگہ مرد حکماً مقیم ہو جاتا ہے

مسافر جب کسی شہر میں شادی کرلے گا تو وہ وہاں مقیم کے حکم میں ہو جائے گا مرجح قول یہی ہے یعنی اس کے باوجود کہ اس نے نہ وہاں اقامت کی نیت کی ہے اور نہ وطن بنایا ہے لیکن پھر بھی وہ صرف شادی کرنے کی وجہ سے مقیم کے حکم میں قرار دے دیا جائے گا بحر الرائق میں اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ حدیث شریف میں یہ آیا ہے جو شخص کسی شہر میں شادی کرے وہ اسی شہر کا شمار ہوتا ہے اور بعض فقہاء نے لکھا ہے اگر اس کی نیت پندرہ دنوں کے اندر ہی چلے جانے کی ہوگی تو وہ مسافر نہیں ہوگا اور یہ اختلاف مرد مسافر کے باب میں ہے عورت کے باب میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ وہ متفقہ طور پر صرف شادی سے مقیم ہو جاتی ہے یعنی عورت اپنی سسرال میں حکماً مقیم ہے وہ پوری نماز پڑھے گی۔

منزل سے پہلے حائضہ کا پاک ہونا اور کافر کا مسلمان ہونا

ایک حیض والی عورت اس وقت پاک ہوئی جب اس کی منزل مقصود دو دن کی مسافت پر رہ گئی تھی یا اسی طرح ایک لڑکا دو منزل باقی رہ گیا تھا کہ بالغ ہو گیا تو اس صورت میں یہ دونوں پوری نماز پڑھیں گے قصر نہیں کریں گے لیکن اگر کسی کافر کی منزل مقصود دو دن کی دوری پر رہ گئی تھی کہ وہ مسلمان ہو گیا تو اس صورت میں یہ قصر پڑھے گا، وجہ یہ ہے کہ حائضہ عورت اور نابالغ لڑکے کا عذر حیض اور عدم بلوغ کا جاتے رہنا غیر اختیاری تھا اور کافر کا عذر اختیاری تھی اس لئے یہ فرق ہوگا کیوں کہ کافر ہر وقت مسلمان ہو سکتا تھا اس لئے اس کے حق میں سفر کا حکم ابتدا سے معتبر قرار دیا

گیا بخلاف حائضہ کہ وہ اپنا عذر بطور خود دور کرنے پر قادر نہیں تھی(کذا فی الشامی)

مشترک غلام کیسے نماز ادا کرے

ایک غلام دو شخصوں میں مشترک ہو ان میں ایک مقیم ہو اور دوسرا مسافر، اگر اس کی خدمت کی باری مقرر کر لی گئی ہو تو وہ مسافر آقا کی باری میں قصر نماز پڑھے گا اور مقیم آقا کی باری میں پوری، لیکن اگر باری نہیں مقرر ہوئی ہے تو احتیاطاً اس غلام پر قعدہ اولیٰ فرض ہو گا اور وہ پوری نماز پڑھتا رہے گا اور اس کی وجہ یہ ہے ایک آقا کے لحاظ سے وہ مقیم ہے اور دوسرے آقا کے لحاظ سے مسافر اسی کے ساتھ یہ بھی حکم ہے کہ ایسا غلام کسی مقیم کی ہر گز اقتدا نہیں کرے گا نہ وقت کے اندر اور نہ وقت کے بعد، اس غلام کا حکم ان مسائل میں سے ہے جو معمہ کے طور پر پوچھے جاتے ہیں (اور وہ اس طرح سوال کیا جاسکتا ہے کہ بتاؤ وہ کون شخص ہے جو فرض نماز چار رکعتیں پڑھے گا اور درمیانی قعدہ اس پر فرض ہو گا، اور وہ کون شخص ہے، جس کے لئے مقیم کے پیچھے نماز پڑھنی درست نہیں ہے، اور وہ کون شخص ہے جو نہ مقیم ہے اور نہ مسافر ہی۔ اور وہ کون شخص ہے جو ایک دن قصر نماز پڑھے گا اور ایک دن پوری نماز)

ایک سوال کے مختلف جوابات اور ان کی درستی

ایک شخص نے اپنی چار بیویوں سے کہا کہ تم میں سے جو یہ نہ جانے کہ دن رات میں کتنی رکعتیں فرض ہیں تو اس کو طلاق، شوہر کے اس کہنے کے بعد ایک بیوی نے بتایا کہ دن رات میں بیس رکعتیں فرض ہیں اور دوسری نے کہا سترہ رکعتیں فرض ہیں، تیسری نے کہا کہ دن رات میں پندرہ رکعتیں فرض ہیں اور چوتھی نے کہا کہ دن رات میں گیارہ رکعتیں فرض ہیں تو اس صورت میں ان چاروں میں سے کسی کو طلاق نہیں ہو گی کیوں کہ سبھوں کو رکعتوں کا علم صحیح تھا وہ اس طرح کہ پہلی جس نے بیس رکعتیں بتائیں اس نے فرض عملی ہونے کی وجہ سے شامل کر لیا دوسری کا جواب اس وجہ سے صحیح ہے کہ اس نے وتر کی رکعتوں کو چھوڑ دیا صرف فرض رکعتوں کو بتایا اور تیسری کا جواب اس لئے درست قرار پائے گا کہ اس نے جمعہ کے دن کی رات دن کی رکعتیں بتائیں کہ اس دن وتر کو چھوڑ کر پندرہ ہی رکعتیں ہوتی ہیں اور چوتھی کا جواب اس لئے صحیح قرار پایا کہ مسافر کی رکعتوں کی تعداد بتائی کہ وہ گیارہ ہی ہوتی ہیں اور وتر کو شامل نہیں کیا واللہ اعلم۔

باب الجمعة

بتثليث الميم وسكونها هى فرض عين يكفر جاحدها لثبوتها بالدليل القطعي كما حققه الكمال و هى فرض مستقل آكد من الظهر وليست بدلا منه كما حرر الباقانى معزيا لسرى الدين ابن الشحنه و قد افتيت مرارا لعدم صلوٰة الاربع بعدها بنية اخر ظهر لخوف اعتقاد عدم فرضية الجمعة و هو الاحتياط فى زماننا و اما من لايخاف عليه مفسدة منها فالاولىٰ ان تكون

فی بیته خفیة و یشترط لصحتها سبعة اشیاء الاول المصر و هو ما لا یسع اکبر مساجده اهله المکلفین بها و علیه فتوی اکثر الفقهاء مجتبی لظهور التوانی فی الاحکام و ظاهر المذهب انه کل موضع له امیرٌ و قاض یقدر علی اقامةالحدود کما حورناه فیما علقناه علی الملتقی و فی القهستانی اذن الحاکم ببناء الجامع فی الرستاق اذن بالجمعة اتفاقا علی ما قاله السرخسی و اذا اتصل به الحکم صار مجتمعاً علیه فلیحفظ او فناءه بکسر الفاء و هو ما حوله اتصل به اولاً کما حرره ابن الکمال وغیره لاجل مصالحه کدفن الموتیٰ ورکض الخیل المختار للفتوی تقدیره بفرسخ ذکره الولوالجی

نماز جمعہ اور اس سے متعلق احکام و مسائل

جمعہ کا نام جمعہ اس لئے رکھا گیا کہ یہ لوگوں کے جمعہ ہونے کا دن ہوتا ہے، اور جمعہ میں تمام محلوں کے مسلمان یکجا ہوتے ہیں، جمعہ کے متعلق اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ یہ نماز جمعہ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی آیت جمعہ بھی مدنی ہے اور صلوٰۃ المسافر کے بعد صلوٰۃ الجمعہ کا باب اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ ان دونوں میں اس بات میں مناسبت ہے کہ مسافر کی نماز بھی آدھی رہ جاتی ہے اور جمعہ کی نماز کی رکعتیں بھی، کیونکہ ظہر کی چار رکعتیں ہیں اور جمعہ کی صرف دو رکعتیں، مقیم چار رکعتیں پڑھتا ہے اور مسافر صرف دو رکعتیں لفظ "جمعہ" میں جیم کو پیش ہے اور میم کو تینوں حرکتیں دی جاسکتی ہیں اور اسے ساکن بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

جمعہ کی نماز فرض ہے اور اس کا انکار کرنے والا کافر ہے اس لئے کہ یہ نماز جمعہ دلیل قطعی سے ثابت ہے جیسا کہ محقق کمال الدین نے ثابت کیا ہے، اور دلیل قطعی یہ آیت قرآنی ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَ انُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللہ، اسی حدیث رسول اور اجماع سے بھی اس کا فرض ہونا ثابت ہے، اور نماز جمعہ ایک مستقل فرض ہے اور نمازِ ظہر سے زیادہ موکد ہے جمعہ ظہر کا بدلہ نہیں ہے جیسا کہ باقانی نے اس کی سری الدین کی طرف نسبت کرنے کے سلسلہ میں تحقیق کی ہے۔

جمعہ کے زیادہ موکد کہنے کا منشا یہ ہے کہ ترک جمعہ پر جو وعید آتی ہے وہ ظہر کے ترک کے مقابلہ میں سخت ہے پھر جمعہ میں جو شرطیں ہیں وہ ظہر میں نہیں ہیں، باقی یہ کہنا کہ جمعہ مستقل فرض ہے جمعہ کا بدل نہیں ہے یہ اس قول کے خلاف ہے جو باب شروط الصلوٰۃ میں گذرا جہاں اس کو ظہر کا بدل کہا گیا ہے یہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ ظہر ساقط ہوجاتا ہے اور جمعہ کی فرضیت عائد ہوجاتی ہے گو جمعہ کا وقت وہی ہے جو ظہر کا وقت ہے، اور یہی وجہ ہے کہ احناف کہتے ہیں کہ جمعہ کی نماز چھوٹ جانے سے پہلے اگر کوئی ظہر پڑھ لے گا تو اس کا یہ فعل مکروہ تحریمی قرار پائے گا اور اس کو جمعہ پڑھنا پڑے گا۔

احتیاط الظہر اور اس کی تاریخ

بحرالرائق میں ہے کہ میں نے جمعہ کی نماز کے بعد چار رکعت آخر ظہر کی نیت سے اس خطرہ کی بنیاد پر پڑھنے سے منع کیا ہے کہ جاہل یہ نہ سمجھیں کہ جمعہ فرض

نہیں ہے چنانچہ ایسا فتویٰ بار بار دیا ہے اور ہمارے زمانے میں احتیاط کا یہی تقاضا ہے اور جس شخص کے جمعہ کی طرف سے عقیدہ کے خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے گھر میں ان چاروں رکعتوں کو چھپ کر پڑھ لے، بعض جاہل یہ کہتے تھے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک جمعہ فرض نہیں ہے صاحب بحر الرائق کہتے ہیں یہ وبا ہمارے زمانہ میں بھی موجود تھی چنانچہ جمعہ کے بعد بعض جاہل چار رکعت مزید اخیر ظہر کی نیت سے پڑھتے تھے کہ جو آخری ظہر میں نے پڑھی ہے اس کو ادا کر رہا ہوں، اس سے ممکن تھا کہ جاہلوں میں ایسا عقیدہ گھر کر جائے کہ جمعہ فرض نہیں ہے اس لئے اس خطرہ کو ختم کرنے کے لئے میں نے فتویٰ دیدیا کہ اس نماز کو ہرگز نہ پڑھا جائے۔ چنانچہ آج کل بھی یہی فتویٰ ہے کہ احتیاط الظہر کے نام سے جو چار رکعت نماز بعد جمعہ پڑھی جاتی ہے اسے نہیں پڑھا جائے اور اسی پر خواص وعوام کا عمل بھی ہے)

جمعہ کے صحیح ہونے کی شرطیں پہلی شرط اس کا بڑی آبادی ہونا

جمعہ کی صحت اور درستی کے لئے سات شرطیں ہیں پہلی شرط جمعہ کے صحیح ہونے کی اس جگہ کا شہر ہونا ہے جہاں نماز جمعہ ادا کی جارہی ہو، یعنی ایسی بڑی آبادی جس کی سب سے بڑی مسجد میں اس شہر کے یہ باشندے نہ سما سکیں جن پر جمعہ کی ادائیگی ضروری ہے ماحصل یہ ہے اس میں عورتوں، نابالغ لڑکوں اور مسافروں کے سوا اس قدر مسلمان بستے ہوں کہ اس کی سب سے بڑی مسجد میں نہ سما سکیں، اور شہر کی یہ تعریف جو ابھی کی گئی ہے اس پر اکثر فقہاء کا فتویٰ ہے کذا فی المجتبیٰ اور یہ فتویٰ اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ احکام کے نفاذ میں لوگ سستی کرنے لگے تھے (یعنی ظاہر مذہب میں شہر کی تعریف یہ کی گئی ہے وہاں قاضی ہو اور حدود قائم کئے جاتے ہوں مگر فقہاء نے اسلامی احکام پر عمل میں سستی کو دیکھ کر بعد میں یہ دوسری تعریف اختیار کی جو اوپر گذری)

ظاہر مذہب یہ ہے کہ شہر وہ جگہ ہے کہ جہاں قاضی اور کوئی حاکم ہو اور وہ حدود کے قائم کرنے کی قدرت رکھتا ہو، چنانچہ ہم نے ملتقی الابحر کے حاشیہ میں اسے صاف طور سے بیان کیا ہے قہستانی میں ہے کہ حاکم اگر کسی دیہات میں جامع مسجد بنانے کی اجازت دے تو اس کی یہ اجازت متفقہ طور پر جمعہ کی اجازت ہوگی جیسا کہ سرخسی نے بیان کیا ہے اور جب اس اجازت کی وجہ سے جمعہ کی اجازت حاصل ہوگئی تو یہ بالاجماع جمعہ کی اجازت تسلیم کی جائے گی اس مسئلہ کو یاد رکھنا چاہئے ماحصل یہ ہے کہ جب کسی بڑی آبادی میں جس میں بازار بھی ہو، جب وہاں حاکم وقت جامع مسجد بنانے کی اجازت دیدے تو یہ گویا وہاں جمعہ کے فرض ہونے کا اعلان ہے اس کے بعد اختلاف کی گنجائش نہیں رہتی)

فناءِ مصر

جمعہ کے صحیح ہونے کی شرط فنائے مصر بھی ہے اور ''فنائے مصر'' شہر کے ارد گرد والی جگہ ہے جو شہر کے منافع کے لئے ہو، جیسے مردوں کے دفن کرنے کے لئے گھوڑ دوڑ کے لئے، خواہ یہ جگہ شہر سے ملی ہو، یا ملی ہوئی نہ ہو، چنانچہ اس کو ابن کمال نے واضح طور پر بیان کیا ہے، فناء کے باب میں فتویٰ کے لئے مختار یہ ہے کہ اس کا اندازہ ایک فرسخ یعنی تین میل کے اندر کا لحاظ رکھا جائے اس کو ولوالجی نے بیان کیا ہے۔

(شامی نے لکھا ہے کہ بعض محققین نے فنائے مصر کی تعریف کر کے چھوڑ دیا ہے اس کی کچھ حد مقرر نہیں کی ہے اور بعضوں نے اس کی مسافت بھی مقرر کردی ہے اور اس مسافت کے سلسلہ میں نو اقوال ہیں، کسی نے کہا کہ شہر کی آواز وہاں

پہنچتی ہو، کسی نے کہا کہ شہر کی اذان وہاں سنائی دیتی ہو، کسی نے کہا شہر سے چار سو ہاتھ کے فاصلہ کے اندر ہو، کسی نے ایک میل کہا کسی نے دو میل کسی نے تین میل، مگر صحیح یہ ہے کہ ہر شہر کی اپنی ضرورت کے لحاظ سے مسافت مختلف ہو سکتی ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ تعریف کر کے چھوڑ دیا جائے کہ وہ جگہ شہر کے مصالح کے لئے ہو، حد متعین نہ کرے)

والثانی السلطان ولو متغلبا او امرأة فیجوز امرها باقامتها لا اقامتها او ماموره باقامتها ولو عبد ا ولی عمل ناحیة وان لم تجز انکحته واقضیته واختلف فی الخطیب المقرر من جهة الامام الاعظم او من جهة نائبه هل یملك الاستنابة فی الخطبة فقیل لا مطلقاً ای لضرورة اولا الا ان یفوض الیه ذالك وقیل ان لضرورة جازو الا لا وقیل نعم یجوز مطلقاً بلا ضرورة لانه علی شرف الفوات لتوقته فکان الامر به اذنا بالاستخلاف دلالة ولا کذلك القضاء وهو الظاهرمن عباراتهم ففی البدائع کل من ملك الجمعة ملك اقامة غیره وفی النجعة فی تعداد الجمعة لابن جرباش انما یشترط الاذن لاقامتها عند بناء المسجد ثم لا یشترط بعد ذلك بل الاذن مستصحب لکل خطیب وتمامه فی البحر وما قیده الزیلعی لا دلیل علیه وما ذکره ملا خسر وغیره رواه ابن الکمال فی رساله خاصه برهن فیها علی الجواز بلا شرط واطنب فیپا وابدع ولکثیر من الفوائد اودع وفی مجمع الانهر انه جائز مطلقاً فی زماننا لانه وتع فی تاریخ خمس واربعین وتسعمائة اذن عام وعلیه الفتویٰ وفی السراجیة لوصلی احدٌ بغیر اذن الخطیب لا یجوز الا اذا اقتدی به من له ولایة الجمعة ویؤید ذلك انه یلزم اداء النفل بجماعة واقره شیخ الاسلام مات والی مصر فجمع خلیفة او صاحب الشرط بفتحتین حاکم السیاسیة او القاضی الماذون له فی ذلك جاز لان تفویض امرالعامة الیهم اذن بذلك دلالة فلقاضی القضاة بالشام ان یقیمها وان یولی الخطباء بلا اذن صریح ولا تقریر الباشا وقالوا یقیمها امیر البلد ثم الشرطی ثم القاضی ثم من ولاه قاضی القضاة ونصب العامة الخطیب غیر معتبر مع وجود من ذکر اما مع عدمهم فیجوز للضرورة۔

جمعہ کے صحیح ہونے کی دوسری شرط

جمعہ کے صحیح ہونے کی دوسری شرط یہ ہے کہ بادشاہ ہو، گو اس نے غلبہ حاصل کر کے یہ حیثیت حاصل کی ہو، یا وہ عورت ہو، لہٰذا اس کے حکم سے جمعہ قائم کرنا درست ہوگا خود عورت جمعہ قائم اس معنی کر نہیں کر سکتی کہ وہ امام بن کر جمعہ پڑھائے یا خطبہ دے (منشا یہ ہے کہ خلفیۃ المسلمین کے لئے مرد ہونا شرط ہے لیکن اگر کوئی عورت غلبہ حاصل کر کے اس منصب کو حاصل کر لے تو اس کے حکم سے جمعہ قائم کرنا درست ہوگا)

یا وہ شخص جس کو بادشاہ وقت نے جمعہ قائم کرنے کی اجازت دے رکھی ہو، اگرچہ وہ غلام ہی کیوں نہ ہو، کہ اس کو کسی خطہ کا عامل بنایا گیا ہو، لیکن اس غلام مامور کے کیئے ہوئے نکاح اور فیصل کیئے ہوئے مقدمات جائز نہیں ہوں گے، اس لئے یہ دونوں امر اس کے نافذ ہوتے ہیں جس کو غیر پر ولایت حاصل ہو اور غلام کا حال یہ ہے کہ اس کو خود اپنی ذات پر ولایت حاصل نہیں ہے اس کا دوسرا مالک ہوتا ہے۔

خطیب کا نائب مقرر کرنا

ایسے خطیب جو خلیفہ کی طرف سے یا اس کے نائب کی طرف سے مقرر ہیں ان کے اندر اختلاف ہے کہ وہ بطور خود بلا حاکم کی اجازت اپنی جگہ دوسرے کو خطبہ کے لئے خطیب بنا سکتا ہے یا نہیں، بعضوں نے کہا ہے کہ اسے ایسا کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے خواہ ضرورت کی وجہ سے ہو یا بلا ضرورت، البتہ اگر بطور مختار بنادیا ہو تو بے شک حق ہے اور بعضوں نے کہا کہ اگر اس کو اپنی جگہ دوسرے کو خطیب بنانے کی ضرورت تھی اور بنادیا تو یہ بنانا جائز ہے اور اگر ضرورت نہیں تھی اور پھر بھی بنادیا تو یہ قائم مقام بنانا جائز نہیں ہے، اور تیسرا قول یہ ہے بلا ضرورت بھی اس کو نائب بنانے کی اجازت ہے یعنی ایسا کرنا اس کے لئے جائز ہے، خواہ ضرورت کی وجہ سے ایسا کرے یا بلا ضرورت ایسا کرے دونوں حال میں اور اس کی وجہ یہ ہے جمعہ کا ایک محدود وقت ہے کہ اس کے نکل جانے سے جمعہ فوت ہو جاتا ہے لہٰذا جب اس کو جمعہ ادائے جمعہ کی اجازت ہے تو ضمنی طور پر دلالتاً اس کو اپنا نائب مقرر کرنے کی بھی اجازت ہے البتہ قاضی بنانے میں یہ صورت جائز نہیں ہوگی کیونکہ وہ محدود وقت میں محصور نہیں ہوتا ہے۔

چنانچہ فقہاء کی عبارتوں سے ظاہر ہے کہ ایسے خطیب کو اپنے نائب مقرر کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے بدائع میں ہے کہ ہر وہ شخص جو جمعہ کا مالک ہے وہ اپنے قائم مقام بنانے کا بھی مالک ہوگا۔ اور "لمعہ فی تعدد الجمعہ" نامی کتاب میں ہے جو ابن مجر باش کی تصنیف ہے کہ بے شک اقامت جمعہ کی اجازت حاصل کرنے کی شرط صرف مسجد کے بنانے کے وقت ہے اس کے بعد اجازت حاصل کرنا شرط نہیں ہے۔ بلکہ ہر خطیب کو بدستور سابق اجازت رہتی ہے اور اس کی تفصیل بحر الرائق میں ہے وہاں دیکھی جائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بادشاہ وقت ایک دفعہ ایک شخص کو جمعہ کے قائم کرنے کی اجازت دیدے تو اس کو حق ہوتا ہے کہ وہ اپنی جگہ دوسرے کو اس کی اجازت دیدے، اور زیلعی نے یہ قید لگائی ہے کہ اس کو بے وضو ہونے کے سوا اپنی جگہ دوسرے کو اس کی اجازت دے دے، اور زیلعی نے یہ قید لگائی ہے کہ اس کو بے وضو ہونے کے سوا اپنی جگہ دوسرے کو خلیفہ بنانے کی اجازت نہیں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے (پھر یہاں خطبہ میں خلیفہ بنانے کی بحث ہے نماز میں خلیفہ بنانے کی بحث نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ خطبہ بلا وضو بھی درست ہے) اور جس کو ملا خسرو وغیرہ نے ذکر کیا ہے اس کا ابن کمال انے اپنے ایک

خاص رسالہ میں رد کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ سلطان کی اجازت کی شرط کے بغیر خلیفہ بنانا جائز ہے اور اپنے اس قول کو دلائل سے مدلل کیا ہے، اس رسالہ میں نئے ڈھنگ سے اس مسئلہ پر بھی بحث کی ہے اور بہت سے فوائد پر روشنی ڈالی ہے (ملا خسرو نے یہ لکھا ہے کہ جب تک بادشاہ کی طرف سے اس کو نائب بنانے کا اختیار نہ دیا گیا ہو وہ اپنا نائب نہیں بنا سکتا ہے)

مجمع الانہر میں ہے کہ ہمارے اس زمانہ میں خطیب کو اپنے نائب بنانے کا مطلقاً اختیار ہے یعنی خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو، اس لئے ۹۴۵ھ میں سلطان کی طرف سے عام اجازت دیدی گئی ہے کہ ہر خطیب دوسرے شخص کو اپنا نائب بنا سکتا ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے (شامی کہتے ہیں کہ غالباً شارح کے زمانہ کے علماء کا فتویٰ مراد ہے، اور فتاویٰ سرجیہ میں ہے کہ اگر کسی شخص نے خطیب کی اجازت کے بغیر نماز جمعہ پڑھائی تو نماز درست نہیں ہوگی، ہاں جب اس شخص کی اقتداء وہ شخص کرے جس کو جمعہ کا اختیار ہے تو وہ ضمناً اجازت سمجھی جاتی ہے اور نماز درست ہوگی اور اگر والی آیا اور اس نے اس شخص کے پیچھے نماز نہیں پڑھی تو اس کی امامت درست نہیں ہوگی، اور اس کی اس سے تائید ہوتی ہے نفل کا جماعت سے ادا کرنا لازم آئے گا جو مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ جب جمعہ کی نماز درست نہیں ہوئی تو یہ نماز نفل کے حکم میں ہوگئی اور نفل کی جماعت مکروہ تحریمی ہے، مگر حلبی نے لکھا ہے کہ وہ جماعت نفل مکروہ ہے جو نفل کی نیت سے شروع ہوتی ہو، جو فرض کی نیت سے شروع کی گئی ہے اور وہ نفل ہوگئی ہے وہ مکروہ تحریمی نہیں ہوگی۔

قاضی وحاکم کی طرف اجازت جمعہ

شہر کے والی کی موت واقع ہوگئی (یا وہ فساد کے خوف سے جمعہ میں نہیں آیا) چنانچہ اس والی کے خلیفہ نے یا حاکم فوجداری نے یا اس قاضی نے نماز جمعہ پڑھوائی جس کو اقامت جمعہ کی اجازت ہے تو یہ نماز درست ہوگی، اس لئے کہ جب عوام کے امور ان کے سپرد ہے تو دلالتاً یہ جمعہ کے قائم کرنے کی بھی اجازت ہے، لہٰذا شام کے قاضی القضاۃ کے لئے جمعہ کا قائم کرنا اور بادشاہ کی صریح اجازت کے بغیر خطیبوں کو اختیار دینا جائز ہے (شامی نے کہا ہے کہ اگر اس قاضی القضاۃ کو خطیبوں کے تقرر کی عام اجازت ہے تو مضائقہ نہیں۔

فقہاء نے جمعہ قائم کرنے کے اختیار کے سلسلہ میں یہ ترتیب بیان کی ہے کہ اولاً حاکم شہر جمعہ قائم کرے پھر اس کے حاکم سیاست کو ہے پھر قاضی شہر کو، پھر اس شخص کو جس کو قاضی القضاۃ نے مقرر کیا ہو، ان مذکورہ اشخاص کے ہوتے ہوئے عوام کا خطیب کو مقرر کرنا قابل اعتبار نہیں ہے۔

یعنی جب ان میں سے کوئی اجازت نہ دے اور عوام خود مقرر کرلیں تو وہ امام قابل اعتبار نہیں ہوگا۔ البتہ جب یہ مذکورہ ذمہ داران نہ ہو تو ضرورت کی وجہ سے عوام خطیب کا تقرر کرسکتے ہیں مبسوط میں ہے کہ اگر حاکم کافر ہو تو اس صورت میں مسلمانوں کے لئے بطور خود جمعہ قائم کرنا درست ہے، اور مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی قاضی ہوجائے گا اور پھر اس قاضی کا فرض ہے کہ وہ عوام سے مسلمان امیر منتخب کرنے کی درخواست کرے کذا فی الشامی)

وجازت الجمعة بمنىٰ فى الموسم فقط لوجود الخليفة و امير الحجاز او العراق اومكة ووجود الاسواق والسكك وكذا كل ابنية نزل بها الخليفة

وعدم التعييد بمنىٰ للتخفيف لاتجوز لاميرا لموسم لقصور ولايته على امور الحج حتى لو اذن له جاز ولا بعرفات لانها مفازة وتودى فى مصرٍ واحدٍ بمواضع كثيره مطلقاً على المذهب وعليه الفتوىٰ شرح المجمع العينى وامامة فتح القدير دفعا للحرج وعلى المرجوح فالجمعة لمن سبق تحريمه وتفسد بالمعية والاشتباه فيصلى بعدها آخر ظهر وكل ذلك خلاف المذهب فلا يعول عليه كما حرره فى البحر وفى مجمع الانهر معزيا للمطلب والاحوط نية آخر ظهر ادركت وقته لان وجوبه عليه بآخر الوقت فتنبه۔

منیٰ میں جمعہ صرف موسم حج میں

صرف موسم حج میں منیٰ کے اندر نماز جمعہ جائز ہے کیوں کہ اس وقت خلیفہ یا امیر حجاز، یا امیر عراق یا حاکم مکہ موجود ہوتا ہے اس وقت بازار اور کوچے بھی ہوتے ہیں، اسی طرح اُن تمام مقامات میں نماز جمعہ درست ہے جہاں سلطان موجود ہو خلاصہ یہ ہے کہ منیٰ موسم حج میں شہر کے حکم میں ہو جاتا ہے اور کوئی نہ کوئی حاکم وقت بھی ہوتا ہے اور موسم حج کے علاوہ دنوں میں منٰی گاؤں کے حکم میں ہے وہاں جمعہ جائز نہیں ہے اور سلطان جب اپنی سلطنت میں دورہ کرے تو گو وہ مسافر کے حکم میں ہو، مگر وہ جس شہر میں اترے گا وہاں جمعہ درست ہوگا) اور منیٰ میں اس وجہ سے عید نہیں ہے کہ ان دنوں میں حاجی حج کے افعال میں مشغول ہوتے ہیں لہٰذا ان کو ہلکا رکھنے کے لئے نماز عید ان سے ساقط کردی گئی ہے۔

میدان عرفات میں جمعہ جائز نہیں

امیر حج کے موجود ہونے کی وجہ سے جمعہ درست نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ اس کی ولایت صرف حج کے کاموں تک محدود ہوتی ہے لیکن اگر اس کو خلیفہ کی طرف سے اجازت عام ہو تو اس کی موجودگی میں بھی جمعہ جائز ہوگا اور عرفات میں بھی جمعہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ وہ جنگل ہے اس میں کوئی عمارت نہیں ہے، صرف میدان ہی میدان ہے۔

نماز جمعہ ایک شہر کی متعدد جگہوں میں ادا ہو جاتی ہے خواہ وہ شہر چھوٹا ہو خواہ بڑا، اس شہر کے درمیان سے دریا گذرتا ہو یا گذرتا نہ ہو، نماز جمعہ دو مسجدوں میں ادا کی جائے یا دو سے زیادہ مسجدوں میں، مذہب صحیح یہی ہے کہ اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ عینی کی شرح مجمع اور فتح القدیر کے باب الامامۃ میں مذکور ہے، ایک شہر میں تعداد جمعہ کی اجازت تکلیف کو دور کرنے کے لئے ہے تاکہ لوگ تنگی میں مبتلا نہ ہوں اور ان کو زیادہ دور نہ چلنا پڑے)

تعداد جمعہ نہ مانا جائے تو کیا حکم ہوگا

اگر قول موجود کو تسلیم کر لیا جائے کہ ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ جائز نہیں ہے تو اس صورت میں اس مسجد کا جمعہ درست ہوگا جس کا تحریمہ پہلے ہوگا اور اس جگہ کا جمعہ فاسد ہوگا جس کا تحریمہ بعد میں ہوگا، اور ساتھ ہونے اور اشتباہ پڑنے کی صورت میں جب جمعہ فاسد ہوگا تو ایسے لوگوں کو جمعہ کی سنتوں کے بعد چار رکعت آخر ظہر کی نیت سے نماز ظہر پڑھنی چاہئے لیکن یہ سب مذہب

قوی کے خلاف ہے اور قابل اعتبار نہیں ہے جیسا کہ بحر الرائق میں بیان کیا گیا ہے۔

(پہلے بھی گذر چکا ہے کہ جمعہ کے بعد صرف اس شبہ کیوجہ سے ظہر پڑھنا کہ جمعہ درست نہیں ہوا، جائز نہیں ہے، اور اب اسی بحر الرائق والے قول پر عمل ہے، گو بعض علماء اس احتیاط کے باقی رکھنے کو درست سمجھتے ہیں)

اخیر ظہر کی نماز جو بطور احتیاط جمعہ کی فرض اور سنتوں کے بعد پڑھی جائے اس کی نیت کے متعلق مجمع الانہر نامی کتاب میں دوسری کتاب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ نیت اس طرح کرے کہ "سب سے بعد والا ظہر جس کا میں نے پایا اور ابھی ادا نہیں کیا ہے وہ پڑھ رہا ہوں" اس لئے کہ وجوب ظہر اس پر اخیر وقت میں ہوگا (اس نیت کا منشا یہ ہے کہ اگر جمعہ جائز نہ ہوا ہو تو اس کی جگہ ظہر ہو جائے اور اگر جمعہ درست ہو گیا ہو گا تو قضا شدہ ظہر جو کبھی کا اس کے ذمہ چلا آرہا ہے وہ ادا ہو گا)

الثالث وقت الظهر فتبطل الجمعة بخروجه مطلقًا ولولا حقا بعذر نوم اوزحمة على المذهب لان الوقت شرط الاداء لا شرط الافتتاح والرابع الخطبة فيه فلو خطب قبله وصلى فيه لم تصح والخامس كونها قبلها لان شرط الشئ سابق عليه بحضرة جماعة تنعقد بهم ولو كانوا صما اونياما فلو خطب وحده لم يجز على الاصح كما فى البحر عن الظهيرية لان الامر بالسعى للذكر ليس الا لاستماعه والمامور جمع وجزم فى الخلاصة بانه يكفى حضور واحد وكفت تحميدة او تهليلة اوتسبيحة للخطبة المفروضة مع الكراهة وقالالابد من ذكر طويل واقله قدر التشهد الواجب بنيتها فلو حمد لعطاسه او تعجبا لم ينب عنها على المذهب كما فى التسمية على الذبيحة لكن ذكر فى الذبائح انه ينوب فتامل۔

وقت کا ہونا ضروری ہے جمعہ کے ادا ہونے کی تیسری شرط یہ ہے کہ نماز ظہر کا وقت ہو، لہٰذا جب جمعہ پڑھتے ہوئے ظہر کا وقت نکل جائے گا تو جمعہ کی نماز مطلقاً باطل ہو جائے گی گو مقتدی اپنے عذر (جیسے نیند یا بھیڑ) کی وجہ سے لاحق ہو گیا ہو مذہب معتمد یہی ہے اس لئے کہ وقت کا پایا جانا ادائیگی کے لئے شرط ہے صرف شروع کرنے کی وقت میں شرط نہیں ہے (جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ جمعہ کے اخیر حصہ میں اگر عصر کا وقت آجائے گا تو جمعہ باطل نہیں ہوگا یہ قول صحیح نہیں ہے مثلاً نوادر میں مذکور ہے کہ کوئی امام جمعہ کی نماز پڑھا رہا تھا اور ایک مقتدی بھیڑ کی وجہ سے رکوع اور سجدے پر قادر نہیں ہو سکا یہاں تک کہ امام نے سلام پھیر دیا اس کے بعد معاً عصر کا وقت ہو گیا، تو وہ مقتدی جمعہ کی نماز پوری کرے گا نوادر کا یہ مسئلہ درست نہیں ہے، بلکہ اس کو اب قاعدہ میں ظہر کی قضا پڑھنا ہوگی کیونکہ وقت باقی نہیں رہا، جب ادائے گی نماز کے لئے وقت کا ہونا شرط ہے تو پوری نماز از اول تا آخیر وقت کے اندر ہونی چاہئے تھی حاصل یہ ہے کہ، اگر ابتدائے نماز میں وقت تھا، اور اخیر میں وقت۔ باقی رہا تو نماز نہیں ہوگی)

خطبہ کا وقت کے اندر اور نماز سے پہلے ہونا

صحت جمعہ کی چوتھی شرط یہ ہے کہ جمعہ میں وقت کے اندر خطبہ پایا جائے لہٰذا اگر جمعہ کا خطبہ جمعہ داخل ہونے سے پہلے پڑھ لیا اور نماز جمعہ وقت کے اندر پڑھی تو نماز جمعہ درست نہیں ہوگی اور پانچویں شرط یہ ہے کہ خطبہ جمعہ کی نماز سے پہلے پایا جائے اس لئے کسی شئ کی شرط اس شئ سے پہلے پائی جاتی ہے، خطبہ ان لوگوں کی موجودگی میں ہو جن کی موجودگی سے جمعہ کی نماز ہو جاتی ہے یعنی مقتدی عاقل بالغ اور مرد ہوں گو وہ بہرے یا سوئے ہوئے ہوں، چنانچہ امام تنہا خطبہ اس طرح پڑھے کہ کوئی مقتدی موجود نہ ہو تو مذہب اصح یہ ہے کہ جمعہ درست نہیں ہوگا، بحر الرائق میں فتاویٰ ظہیریہ سے نقل کیا ہے کہ جمعہ کے دن یہ حکم دیا گیا ہے کہ ذکر کے لئے دوڑ کر جاؤ "فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ" اس سے مراد یہی ہے کہ ذکر خطبہ سننے کے لئے سعی کرو اور جس لفظ سے سعی کا حکم دیا گیا ہے وہ جمع کا صیغہ ہے (فَاسْعَوْا) لہٰذا ایک شخص کا حاضر ہونا کافی نہیں ہوگا اور سوتے ہوئے یا بہرے کا پایا جانا کافی اس لئے ہے کہ گو سننا نہیں پایا جاتا ہے مگر وہ خطبہ پڑھنے والے کے سامنے موجود ہوتے ہیں، اگر ان کو عذر نہ ہوتا تو سن سکتے تھے اور خلاصہ نامی کتاب میں ہے کہ ایک مقتدی کا پایا جانا کافی ہوتا ہے (مگر خلاصہ کا یہ قول صحیح نہیں ہے اس لئے کہ جماعت کا حاضر ہونا شرط ہے جیسا کہ گذرا۔

خطبہ جمعہ اور اس کی تعداد

خطبہ میں فرض کے ادا ہونے کے لئے ایک مرتبہ الحمد للہ یا ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ یا ایک مرتبہ سبحان اللہ پڑھ دینا کافی ہے گو یہ کراہت سے خالی نہیں ہوتا، مگر صاحبینؒ کہتے ہیں کہ خطبہ میں ذکر طویل کا پایا جانا ضروری ہے اور اس ذکر طویل کی مقدار کم از کم واجب تشہد کے برابر ہو (آج کل عمل ذکر طویل پر ہی ہے تاکہ سبھوں کے نزدیک خطبہ بلا کراہت ادا ہو جائے اور یہی بہتر ہے) پس اگر کوئی اپنی چھینک کی وجہ سے الحمد للہ کہدے یا تعجب کی کوئی بات دیکھ کر الحمد للہ کہدے تو یہ خطبہ کے قائم مقام نہیں ہوگا مذہب صحیح یہی ہے، جس طرح جانور ذبح کرتے وقت چھینکنے والے کا الحمد للہ کہنا کافی نہیں ہوتا ہے گو کتاب الذبائح میں مصنف نے لکھا ہے کہ چھینکنے والے کا الحمد للہ کہنا خطبہ کے قائم مقام ہو جاتا ہے لہٰذا اس میں غور کر لیا جائے (کتاب الذبائح میں مصنف نے اس طرح لکھا ہے کہ "اگر ذبح کرتے وقت چھینک آگئی اور الحمد للہ کہدیا تو ذبیحہ حلال نہیں ہوگا صحیح تر قول یہی ہے بخلاف خطبہ کے" اس سے ظاہر یہی ہے کہ چھینک کی وجہ سے اگر خطبہ میں الحمد للہ کہدے گا، تو وہ خطبہ کے لئے بھی کافی ہو جائیگا اور صراحت کی ساتھ بیان کیا ہے یہ الحمد للہ کہنا خطبہ کے قائم مقام نہیں ہوتا ہے اور یہی صحیح ہے، کتاب الذبائح والا قول ضعیف ہے)

ويُسنُّ خطبتان خفيفتان وتكره زيادتهما على قدر سورة من طوال المفصل بجلسة بينهما بقدر ثلث آيات على المذهب وتاركها مسئ على الاصح لتركه قراءة قدر ثلث آيات ويجهر بالثانية لاكا لاولى ويبدأ بالتعوذ سراوينـدب ذكر الخلفاء الراشدين والعمين لا الدعاء للسلطان وجوزه القهستاني ويكره تحريما وصفه بما ليس فيه ويكره تكلمه فيها الالامر

بمعروف لانه منها ومن السنة جلوسه فی مخدعه عن يمين المنبر وليس السواد وترك السلام من خروجه الی دخوله فی الصلوٰة وقال الشافعی اذا استویٰ علی المنبر سلم مجتبیٰ وطهارة وستر عورة قائما۔

خطبہ کا مسنون طریقہ جمعہ میں دو ہلکے خطبہ تین آیتوں کے برابر مسنون ہیں اس طرح کہ ان دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا پایا جائے، معتمد مذہب یہی ہے اور اس درمیانی جلسہ کا ترک کرنے والا برا کرنے والا ہے شارح نے کہا کہ دونوں خطبوں کو اس قدر لمبا کرنا کہ وہ طوال مفصل کی ایک سورت کے برابر ہو جائے مکروہ ہے، جس طرح یہ مکروہ ہے کہ کوئی خطیب تین آیتوں کے برابر بھی خطبہ نہ پڑھے یعنی خطبہ کو نہ اس قدر طول دے کہ وہ طوال مفصل کے برابر ہو جائے اور نہ اتنا مختصر کرے کہ تین آیتوں کی مقدار بھی باقی نہ رہے (دونوں خطبہ کے درمیان اتنی دیر بیٹھنا چاہئے کہ خطیب کے تمام اعضاء اپنی جگہ آجائیں اس نشست میں کوئی خاص دعا منقول نہیں ہے، دونوں خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بھی درست نہیں ہے۔

جمعہ کے ان دونوں خطبوں کو بلند آواز سے پڑھے، پہلے خطبہ کی نسبت دوسرے میں آواز ہلکی کرے اور خطبہ شروع کرنے سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بھی پڑھے یعنی پہلے اعوذ باللہ پھر حمد و ثنا، پھر شہادتین پھر درود شریف پھر نصائح اور آیات قرآنی، اور خطبہ میں مستحب یہ ہے کہ خلفاء راشدین کا ذکر کرے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ کا بھی، بادشاہ کے خطبہ میں دعا مانگنا مستحب نہیں ہے البتہ قہستانی میں اس کو جائز کہا گیا ہے، مگر بادشاہ کے لئے ایسے اوصاف بیان کرنے جو اس میں نہ ہوں مکروہ تحریمی ہے، اس سے بچنا چاہئے۔

خطبہ کی حالت میں گفتگو خطیب کا خطبہ کی حالت میں گفتگو کرنا مکروہ ہے البتہ جب امر بالمعروف کرنا ہو تو مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ یہ بھی خطبہ میں داخل ہے، کیونکہ اچھی باتوں کا حکم کرنا خطبہ کا جز ہے، طحطاوی نے خطبہ میں گفتگو کو مکروہ تحریمی لکھا ہے۔

سنت یہ ہے کہ خطیب منبر کے دائیں جانب بیٹھے، اور سیاہ لباس پہنے اور جب اپنی جگہ سے خطبہ کے لئے چلے اس وقت سے لیکر نماز میں داخل ہونے کے وقت تک کسی کو سلام نہ کرے، امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ خطیب جب منبر پر بیٹھ چکے تو سلام کر سکتا ہے کذا فی المجتبیٰ (مخدع اس خلوتخانہ کو کہتے ہیں جو پہلے مسجد میں بنا ہوتا تھا، اب اس کا رواج نہیں ہے، خطبہ سے پہلے محراب میں امام کا نماز پڑھنا مکروہ ہے کذا فی الشامی)

خطیب کا پاک ہونا اور ستر کا چھپانا خطبہ دیتے ہوئے امام کا پاک رہنا اور ستر کو چھپائے رکھنا بھی مسنون ہے اور یہ بھی مسنون ہے کہ خطبہ کھڑے ہو کر دے، (یہ تینوں چیزیں شرط نہیں ہیں بلکہ سنت ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ بے وضو اگر کوئی خطبہ دے یا بیٹھ کر دے، تو یہ جائز ہوگا، مگر کراہت کے ساتھ، اسی طرح خطبہ کی حالت میں ستر کھل جائے، تو بھی خطبہ ادا ہو جائے گا، ان صورتوں میں خطبہ کا اعادہ واجب نہیں ہوگا۔

وهل هی قائمة مقام ركعتين الاصح لاذكره الزيلعی بل كشطرها فی

الثواب ولو خطب جنبا ثم اغتسل وصلی جاز ولو فصل باجنبی فان طال بان رجع لبیة فتغدیٰ او جامع واغتسل استقبل خلاصة ای لزوما لبطلان الخطبة سراج لکن سیجئ انه لا یشترط اتحاد الامام والخطیب۔

خطبہ کی حیثیت

ایک سوال یہ ہے کہ کیا خطبۂ جمعہ دو رکعتوں کے قائم مقام ہے؟ جواب یہ ہے کہ صحیح تر مسئلہ یہ ہے کہ خطبہ دو رکعتوں کے قائم مقام نہیں ہے اس کو زیلعی نے ذکر کیا ہے البتہ خطبہ ثواب میں نماز جمعہ کے آدھے کے مانند ہے (یہ جو صحابہ کے قول میں آیا ہے کہ خطبہ نصف صلوٰۃ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ خطبہ کا ثواب آدھے جمعہ کے برابر ہوتا ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ خطبہ واقعی دو رکعتوں کے قائم مقام ہے تاکہ کوئی یہ حکم لگادے کہ جو شرطیں نماز کے لئے ہوتی ہیں وہ خطبہ کے لئے بھی ہونی ضروری ہیں)

حالت جنابت کا خطبہ

اگر کسی خطیب نے حالت جنابت میں خطبہ دیا، اور خطبہ سے فارغ ہو کر غسل کرے اور پاک ہو کر نماز پڑھائی تو یہ نماز اور خطبہ جائز ہے، لیکن اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ خطبہ لوٹالے، کذافی البحر۔

خطبہ اور نماز کے درمیان فصل

اگر خطبہ اور نماز کے درمیان اجنبی کام کے ذریعہ امام فصل کرے اور وہ فصل اس قدر طویل ہو کہ مثلاً امام خطبہ پڑھا کر جائے دن کا کھانا کھائے یا گھر میں جا کر بیوی سے ہمبستر ہو، پھر غسل کر کے آئے تو ان صورتوں میں اس کو دوبارہ از سر نو خطبہ پڑھنا ہوگا، کذافی الخلاصہ، یعنی خطبہ کا از سر نو پھر سے پڑھنا واجب ہے اس وجہ سے کہ مذکورہ صورت میں اس کا پہلا خطبہ باطل ہو چکا ہے۔

نماز کوئی پڑھائے اور خطبہ کوئی دے

رکن آگے یہ بات بھی آرہی ہے کہ نماز جمعہ میں امام اور خطیب کا ایک ہونا شرط نہیں ہے یعنی ان دونوں کا ایک شخص کو انجام دینا ضروری نہیں ہے، بلکہ خطبہ کوئی پڑھے اور نماز کوئی اور پڑھادے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، مثلاً ایک شخص خطبہ دے کر دوسرے شخص سے کہے کہ تم مری جگہ نماز پڑھادو اور وہ یہ انتظام کر کے گھر چلا جائے اور دوسرا نماز پڑھادے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

والسادس الجماعة واقلها ثلثة رجال ولو غیر الثلثة الذین حضرو الخطبة سوی الاما م با لنص لانه لا بد من الذاکر وهو الخطیب وثلاثة سواه بنص فاسعوا الی ذکر الله فان نفروا قبل سجوده وقالا قبل التحریمة بطلت وان بقی ثلثة رجال ولذا اتی بالتاء اونفروا بعد سجوده او عاد واوادرکوه راکعا اونفروا بعد الخطبة وصلی بآخرین لا تبطل واتمها جمعة۔

نماز جمعہ کے لئے جماعت کی شرط

جمعہ کے صحیح ہونے کی چھٹی شرط یہ ہے کہ نماز جمعہ جماعت سے ادا کی

جائے جس میں امام کے علاوہ کم سے کم تین مرد ہوں جو نص کا تقاضا ہے گو ان تین کے علاوہ خطبہ میں اور بھی شریک ہوں فَاسْعَوْا اِلیٰ ذِکْرِ الله آیت قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ذکر کرنے والا ہو وہ امام اور خطیب ہوا، اور جمع کا صیغہ ہے وہ چاہتا ہے کہ امام کے سوا تین شخص اور ہوں، (اب یہ مرد خواہ آزاد ہوں، غلام ہوں، مسافر ہوں، بیمار ہوں، امی ہوں، یا گونگے، ہر حال میں تین کی شرط پوری ہو جائے گی اور جمعہ درست ہوگا، البتہ مرد کی قید سے عورتیں اور نابالغ لڑکے نکل گئے کہ صرف ان کے ہونے سے شرط پوری نہیں ہوگی، امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ تین مرد کی شرط امام کے ساتھ ہے کذا فی الطحطاوی مگر فتویٰ پہلے قول پر ہے)

لہٰذا اگر امام کے سجدہ کرنے سے پہلے جماعت کے لوگ چلے جائیں گے تو جمعہ باطل ہو جائے گا (اور از سر نو ظہر کی نماز ادا کرنی ہوگی) اور صاحبین کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ سے پہلے جماعت کے لوگ چل دیں گے تب تو جمعہ باطل ہوگا، لیکن اگر تحریمہ میں موجود رہے اور اس کے بعد گئے تو جمعہ باطل نہیں ہوگا، امام تنہا جمعہ کی نماز پوری کرے گا اس کی نماز جمعہ ہو جائے گی اور از سر نو ظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

نماز جمعہ سے کچھ لوگ تو چلے گئے لیکن تین مرد جماعت میں رہ گئے، یا امام کے سجدہ کرنے کے بعد جو لوگ جماعت میں شریک تھے سب چلے گئے یا وہ تحریمہ اور خطبہ کے بعد تو چلے گئے تھے مگر پھر بعد میں آ کر امام کے ساتھ رکوع میں مل گئے یا خطب کے بعد وہ لوگ چلے گئے جو خطبہ میں شریک تھے، اور امام نے دوسرے تین مقتدیوں کے ساتھ نماز جمعہ پڑھی جو خطبہ میں شریک نہیں تھے، تو ان صورتوں میں جمعہ باطل نہیں ہوگا اور امام اپنی نماز جمعہ ہی پوری کرے گا (سجدہ کرنے کے بعد جماعت شرط نہیں ہے)

والسابع الاذن العام من الامام وهو يحصل بفتح ابواب الجامع للواردين كافى فلا يضر غلق القلعة للعدوا ولعادة قديمة لان الاذن العام مقرر لاهله وغلقه لمنع العدو لا المصلے نعم لو لم يغلق لكان احسن كما فى مجمع الانهر معزيا لشرح عيون المذاهب قال وهذا اولى مما فى البحر والمنح فليحفظ فلو دخل امير حضناً او قصره و اغلق بابه و صلّى باصحابه لم تنعقد ولو فتحه واذن للناس بالدخول جاز وكره فالامام فى دينه ودنياه الى العامة محتاج فسجان من تنزه عن الاحتياج۔

شرکت عام کی اجازت

جمعہ کی صحت کے لئے ساتویں شرط یہ ہے کہ امام اور خلیفہ کی طرف سے شرکت کی عام اجازت ہو، اور یہ اذن عام (عام اجازت) جامع مسجد کے دروازہ کو تمام نمازیوں کے لئے کھلا ہوا رکھنے سے حاصل ہوتا ہے یعنی جن لوگوں پر جمعہ واجب ہے ان کے آنے کے لئے کوئی روک ٹوک نہ ہو، ماحصل یہ ہے کہ عام اجازت کے لئے اعلان کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد کے دروازہ کا کھلا رکھنا اور جمعہ کے لئے

آنے والے والوں کا روکا نہ جانا عام اجازت کے لئے اتنا کافی ہے، للذا کہیں رواج کی وجہ سے دروازہ بند کر دیا جاتا ہے، اور بند کرنا دشمنوں کے لئے ہوا کرتا ہے نمازیوں کو روکنا مقصد نہیں ہوتا جب نمازی آتے ہیں قلعہ کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ بحر الرائق اور منح الغفار میں جو عبارت ہے اس سے یہ مذکورہ عبارت اچھی ہے۔

شاہی قلعہ اور محل میں نماز جمعہ

اگر خلیفہ وقت قلعہ میں یا اپنے محل میں داخل ہو اور اس کے دروازے بند کر دے اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز جمعہ پڑھے تو اس کی نماز جمعہ نہیں ہوگی (البتہ دروازہ کھول دے اور لوگوں کو داخلہ کی عام اجازت دے دے تو نماز جمعہ ہو جائے گی مگر اس کا یہ فعل مکروہ ہوگا کہ اس نے جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے کے بجائے محل میں ادا کی کذا فی الطحطاوی)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ خلیفہ وقت اپنے دین اور اپنی دنیا دونوں میں عوام کا محتاج ہے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اس احتیاج سے پاک ہے خلیفہ کو جمعہ اور عیدین میں بھی جو عبادت ہے عوام اور جماعت کی ضرورت ہوتی ہے اور سلطنت کی حفاظت کے لئے بھی عوام کی ضرورت ہے جو اس کی دنیا ہے۔

وشرط لافتراضها تسعة تختص بها اقامة بمصر اما المنفصل عنه فان كان يسمع النداء تجب عليه عند محمدؒ وبه يفتى كذا فى الملتقى وقدمنا عن الواوالجية تقديره بفرسخ ورجح فى البحر اعتبارعوده لبيته بلا كلفة وصحة والحق بالمريض الممرض والشيخ الفانى وحرية والاصح وجوبها على مكاتب ومبعض واجير ويسقط من الاجر بحسابه ولو بعيداً والاولو اذن له مولاه وجبت وقيل يخير جوهره ورجح فى البحر التخيير وذكورة محققة وبلوغ وعقل ذكره الزيلعى وغيره وليسا خاصين ووجود بصر فتجب على الاعور وقدرته على المشى جزم فى البحر بان سلامة احدهما له كافٍ فى الوجوب لكن قال الشمنى وغيره لا تجب على مفلوج الرجل و مقطوعها وعدم حبس وعدم خوف وعدم مطر شديد ووحل وثلج ونحوهما وفاقد ها اى هذه الشروط اوبعضها ان اختار العزيمة وصلاها وهو مكلف بالغ عاقل وقعت فرضاً عن الوقت لئلا يعود على موضوعه بالنقض وفي البحر هى افضل الا للمرأة۔

فرضیت جمعہ کی شرطیں

جمعہ کے فرض ہونے کے نو شرطیں ہیں جو جمعہ ہی کے ساتھ خاص ہیں (ماتن نے گیارہ شرطیں لکھی ہیں اور دو میں عقل اور بلوغ کا اضافہ کیا ہے، مگر یہ دونوں شرطیں جمعہ کے

ساتھ خاص نہیں ہیں اس لئے شارح نے صرف نو کا ذکر کیا ہے جو جمعہ کے لئے مخصوص ہیں)

پہلی شرط مقیم ہونا

فرضیت جمعہ کی پہلی شرط شہر میں مقیم ہونا ہے، للہٰذا جمعہ مسافر پر واجب نہیں اور نہ اس شخص پر واجب ہے جو شہر سے علیحدہ ہے البتہ اگر شہر سے اس طرح قریب ہے کہ جمعہ کی اذان جو شہر میں ہوتی ہے وہ وہاں تک پہونچتی ہے، تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر جمعہ واجب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، جیسا کہ ملتقی میں مذکور ہے اور ہم پہلے ولوالجیہ سے نقل کر چکے ہیں کہ شہر سے متصل ہونے کا اندازہ میل سے تین میل ہے اور بحر الرائق میں اس قول کو ترجیح دیا گیا ہے کہ نمازی اس قدر قریب ہو کہ وہ وہاں نماز جمعہ پڑھ کر باسانی پلٹ آئے اس کو کوئی مشقت پیش نہ آئے (مگر وہاں یہ بتایا جا چکا ہے کہ تحقیق یہ ہے کہ میل کا کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ فناء الشہر سے مراد وہ جگہ ہے جہاں شہر کے منافع کی چیزیں ہوں)

دوسری شرط تندرستی

فرضیت جمعہ کی دوسری شرط تندرستی ہے یعنی بیمار پر جمعہ واجب نہیں ہے اور بیمار ہی کے حکم میں وہ شخص بھی ہے جو اس بیمار کی دیکھ بھال کرنے پر اس طرح لگا ہوا ہے کہ اگر وہ چلا جائے تو بیمار کو خبر گیری نہ ہو سکے یعنی اس پر بھی جمعہ واجب نہیں، اور شیخ فانی بھی بیمار کے حکم میں ہے یعنی اس پر بھی جمعہ واجب نہیں ہے، شیخ فانی سے بہت بوڑھا شخص مراد ہے جو چلنے پھرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

تیسری شرط آزاد ہونا

فرضیت جمعہ کی تیسری شرط آزاد ہونا ہے یعنی غلام پر جمعہ واجب نہیں ہے مگر غلام کے سلسلہ میں صحیح تر قول یہ ہے کہ مکاتب غلام پر جمعہ واجب ہے، اور اس غلام پر جمعہ واجب ہے جس کا ایک حصہ آزاد ہو چکا ہے اور بقیہ کے لئے کمائی کرتا ہو، اور اسی طرح جمعہ مزدور پر بھی واجب ہے اگر مزدور جامع مسجد سے دور ہو تو اس کی مزدوری جمعہ میں جانے کے اوقات میں حساب سے وضع ہو جائے گی۔ لیکن اگر جامع مسجد کے قریب ہو تو نماز جمعہ پڑھنے سے اس کی مزدوری میں سے کوئی حصہ وضع نہیں ہوگا (مثلاً نماز جمعہ کے لئے اتنی دور جانا پڑتا ہے کہ چوتھائی دن لگ جاتا ہے تو ایک چوتھائی کے حصہ کی مزدوری ساقط ہو جائے گی، آج کل مزدور کے لئے آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی سرکاری طور پر طے ہے اب اگر یہ اوقات وہ پورے کرتا ہے تو وضع کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، یا جمعہ کی اجازت حاصل ہو تو بھی وضع کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ سرکاری دفتروں میں جمعہ کے لئے ایک گھنٹہ وقت قانونی طور پر حاصل ہوتا ہے)

غلام کو اگر اس کے آقا نے جمعہ کی اجازت دے رکھی ہے تو اس پر نماز جمعہ واجب ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ غلام کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جمعہ پڑھے، یا ظہر، اور بحر الرائق میں اسی اختیار کو ترجیح دیا گیا ہے۔

چوتھی شرط مرد ہونا

فرضیت جمعہ کی چوتھی شرط اس کا مرد یقینی طور پر ہونا اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت اور خنثیٰ مشکل پر جمعہ واجب نہیں ہے۔

پانچویں چھٹی شرط عاقل وبالغ ہونا

جمعہ کے فرض ہونے کی پانچویں شرط یہ ہے وہ بالغ ہو اور چھٹی شرط یہ ہے کہ وہ عاقل ہو، اس کا حاصل یہ ہے کہ جمعہ نابالغ اور پاگل پر واجب نہیں ہے، اس کو زیلعی وغیرہ نے ذکر کیا ہے، مگر یہ دونوں شرطیں جمعہ کے ساتھ خاص نہیں ہیں بلکہ ہر فرض کے فرض ہونے کے

لئے شرط ہے

ساتویں شرط بینا ہونا

ساتویں شرط بینا ہونا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ کانے پر جمعہ واجب ہے شامی نے کہا ہے کہ اسی طرح چوندھے پر بھی جمعہ واجب ہے البتہ اندھے پر جمعہ واجب نہیں اگرچہ اس کو پہنچانے والا موجود ہو۔

آٹھویں شرط چلنے پر قادر ہونا

آٹھویں شرط یہ ہے کہ نمازی چلنے پر قادر ہو، بحر الرائق میں ہے کہ ایک پاؤں کا صحیح سالم ہونا جمعہ کے وجوب کے لئے کافی ہے مراد یہ ہے کہ لنگڑ پر جمعہ واجب ہے، جو چل سکتا ہو، لیکن شمنی وغیرہ نے کہا ہے کہ اس شخص پر جمعہ واجب نہیں ہے جس کے پیر پر فالج پڑگیا ہو جس کا پیر کٹا ہوا ہو، یہاں شمنی کی مراد یہ ہے کہ وہ چلنے پر قدرت نہ رکھتا ہو۔

نویں اور دسویں شرط قید نہ ہونا اور خوف کا نہ ہونا

نوی شرط یہ ہے کہ وہ قید نہ ہو، دسویں شرط یہ ہے کہ حاکم اور دشمن کا خوف نہ ہو۔

گیارہویں شرط سخت بارش کا نہ ہونا

اور گیارہویں شرط یہ ہے کہ سخت بارش کیچڑ اور برف وغیرہ نہ ہو، وغیرہ میں سخت آندھی اور طوفان داخل ہے۔

جس شخص میں یہ تمام شرائط پائی جائیں یا ان میں سے بعض نہ پائی جائیں اگر وہ عزیمت پر عمل کرنے اور جمعہ پڑھے در آنحالیکہ وہ عاقل بالغ ہو تو اس کی نماز جمعہ ہو جائے گی اور وقتی فرض سے وہ سبکدوش ہو جائیگا اور بحر الرائق میں ہے تمام عذر والوں کے حق میں جمعہ وقتی نماز ظہر سے افضل ہے البتہ صرف عورت کے لئے جمعہ پڑھنا افضل نہیں اس لئے کہ اس کی نماز گھر کے اندر باہر کی نماز سے افضل ہے۔

رخصت کے مقابلہ میں عزیمت استعمال ہوتا ہے رخصت میں شارع کی طرف سے تخفیف ہوتی ہے اور عزیمت میں مشقت اٹھانا پڑتی ہے، مسافر مریض وغیرہ کو مشقت سے بچانے کے لئے شریعت نے ان پر جمعہ کو فرض قرار نہیں دیا، اور ظہر پڑھنے کی اجازت دی ہے، اب اگر ان میں سے کوئی رخصت پر خود عمل نہ کرے اور عزیمت کو اختیار کرے اور بجائے ظہر کے جمعہ پڑھے تو جمعہ ادا ہو جائے گا اب اگر جمعہ کو جائز نہ کہیں تو یہ اس کے حق میں شقت کے حکم میں ہو جائے گا اور جو سہولت حاصل تھی وہ باقی نہ رہ سکے گی۔

ویصلح للامامة فیها من صلح لغیرها فجازت لمسافر وعبد ومریض وتنعقد الجمعة بهم ای بحضور هم باالطریق الاولی وحرم لمن لا عذر له صلوة الظهر قبلها اما بعدها فلا یکره غایة فی یومها بمصر لکونه سببا لتفویت الجمعة وهو حرام فان فعل ثم ندم وسعی عبربه اتباعاً للآیة ولو کان فی المسجد لم تبطل الا بالشروع قید بقوله الیها لانه لو خرج

لحاجة او مع فراغ الامام اولم يقمها اصلا لم تبطل فى الاصح فالبطلان به مقيد بامكان ادراكها بان انفصل عن باب داره والامام فيها ولو لم يدركها لبعد المسافة فالاصح انه لا تبطل سراج بطل ظهره لا اصل الصلوٰة ولا ظهر من اقتدیٰ به ولم يسع ادركها او لا بلا فرق بين معذور وغيره على المذهب۔

امام جمعہ کا مستحق

جو شخص دوسری نمازوں کے امام ہونے کی لیاقت رکھتا ہے وہ نماز جمعہ کے امام ہونے کے بھی لائق ہوتا ہے لہٰذا مسافر، غلام اور بیمار نے لئے جمعہ کی امامت کرانا درست ہے اور ان لوگوں کے موجود ہونے سے بھی جمعہ کی نماز ہو جاتی جائز ہو گی یعنی اگر یہی لوگ مقتدی ہوں اور انہی میں کا ایک امام ہو تو بھی نماز جمعہ جائز ہو گی۔

جمعہ کے دن نماز ظہر

جن لوگوں کے لئے کوئی عذر شرعی نہ ہو ان کے لئے جمعہ کے دن جمعہ سے پہلے شہر میں ظہر کی نماز کا ادا کرنا حرام ہے لیکن نماز جمعہ کے بعد ظہر کا ادا کرنا ان کے لئے مکروہ نہیں کذا فی فتح القدیر۔ ظہر کا جمعہ سے پہلے ادا کرنا اس لئے حرام ہے کہ وہ جمعہ کے فوت کرنے کا سبب بنتا ہے اور جمعہ کا فوت کرنا حرام ہے لہٰذا جو چیز حرام کا سبب ہو گی وہ خود حرام قرار پائے گی۔ (شامی نے کہا "فی یومہا" کا منشا یہ ہے کہ اس دن کی ظہر کا پڑھنا حرام ہے پہلے کا فوت شدہ ظہر ادا کرنا حرام نہیں ہے اور شہر کی قید اس وجہ سے لگائی گئی ہے کہ گاؤں میں جمعہ سے پہلے ظہر کی نماز کا ادا کرنا حرام نہیں ہے اور نہ اس میں کچھ کراہت ہے اس وجہ سے کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں۔

جمعہ کے دن ظہر کی نماز کب ہو گی اور کب نہ ہو گی

پس اگر غیر معذور جمعہ سے پہلے ظہر پڑھ لے پھر وہ اپنے اس فعل پر شرمندہ ہو اور جمعہ کی نماز کے لئے چل پڑے اس طرح کہ وہ ان سے گھر کے دروازہ سے جدا ہو جائے تو اس صورت میں اس کی نماز ظہر کی فرضیت باطل ہو جانے کی اصل نماز باطل نہ ہو گی بلکہ اس کی وہ نماز نفل کے حکم میں ہو جائے گی خواہ اس کو جمعہ کی نماز ملے یا نہ ملے اس شخص کی نماز ظہر باطل نہیں ہو گی جس نے غیر معذور کے پیچھے نماز پڑھی ہو گی اور جمعہ کے لئے سعی نہیں کی ہو گی اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ معذور ہو یا نہ ہو صحیح مذہب یہی ہے۔

شارح نے بتایا ہے کہ ماتن نے چلنے کو سعی سے اس لئے تعبیر کیا کہ تاکہ آیت کی اتباع ہو سکے اس لئے وہاں فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ کا لفظ آیا ہے، اور ماتن نے یہ قید جو لگائی ہے کہ وہ جمعہ کی سعی کی نیت سے نکلے اس کی وجہ یہ ہے کہ ظہر پڑھنے والا اپنے کسی کام سے نکلے یا امام کے فارغ ہو چکنے کے بعد نکلے یا امام نے جمعہ سرے سے قائم ہی نہیں کیا ہو تو ان صورتوں میں ظہر باطل نہیں ہو گا اس لئے اس صورت میں اس کی سعی جمعہ کے لئے نہیں ہوئی ہے پس سعی الی الجمعہ کے ساتھ جمعہ کا باطل ہونا اس وقت مقید ہے جب کہ جمعہ کا پالینا ممکن ہو، لہٰذا مسافت کی دوری کی وجہ سے اگر جمعہ نہیں پایا ہے تو صحیح تر قول یہ ہے کہ ظہر باطل نہیں ہو گا کذا فی السراج۔

(شامی نے لکھا ہے کہ شارح کا جمعہ پالینے کے امکان کی قید لگانا صحیح نہیں ہے)

وکرہ تحریما لمعذور مسجون ومسافر اداء الظھر بجماعۃ فی مصر قبل الجمعۃ وبعد ھا لتقلیل الجماعۃ وصورۃ المعارضۃ وافاد ان المساجدتغلق یوم الجمعۃ الا الجامع وکذا اھل مصر فاتتھم الجمعۃ فانھم یصلون الظھر بغیر اذان ولا اقامۃ ولا جماعۃ ویستحب للمریض تاخیرھا الی فراغ الامام وکرہ ان لم یوخر ھو الصحیح ومن ادرکھا فی تشھد او سجود سھو ھو علی القول بہ فیھا یتمھا جمعۃ خلافاً لمحمدؒ کما یتم فی العید اتفاقاً کما فی عید الفتح لکن فی السراج انہ عند محمد لم یصر مدرکا لہ وینوی جمعۃ لا ظھراً بالاتفاق فلو نوی الظھر لم یصح اقتداء ہ ثم الظاھر انہ لا فرق بین المسافر وغیرہ نھر بحثا۔

معذور کا جمعہ کے دن ظہر کا ادا کرنا

معذور قیدی، اور مسافر کا شہر میں جمعہ کی نماز سے پہلے یا اس کے بعد ظہر ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے اس وجہ سے کہ اس سے جمعہ کی جماعت میں کمی آجاتی ہے اور جمعہ سے مقابلہ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے قضاء ظہر کا اس دن جماعت سے ادا کرنا مکروہ نہیں ہے اسی طرح گاؤں والوں کے لئے بھی ظہر کی جماعت مکروہ نہیں ہے بہر حال شہر میں جمعہ کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ اس کے مقابلہ میں دوسری جماعت نہ کی جائے۔

جامع مسجد کے سوا دوسری مسجدیں جمعہ کے دن بند رکھی جائیں

اس مکروہ تحریمی سے یہ بھی نکالا ہے کہ جمعہ کے دن جامع مسجد کے سوا تمام اور مسجدیں بند رکھی جائیں تاکہ کوئی اس دن دوسری نماز کی جماعت نہ کر سکے، اور اس کا موقع باقی نہ رہے اسی طرح ان لوگوں کا ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے جن کی نماز جمعہ فوت ہو گئی ہو، ایسے لوگ ظہر کی نماز بغیر اذان، بغیر تکبیر اور بغیر جماعت پڑھیں گے بیمار کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ اپنی نماز کو اس وقت تک نہ پڑھے جب تک امام نماز جمعہ سے فارغ نہ ہو جائے، اگر وہ امام کے فارغ ہونے کا انتظار کئے بغیر پڑھے گا تو یہ اس کے لئے مکروہ تنزیہی ہوگا صحیح مذہب یہی ہے۔

نماز جمعہ کی اخیر رکعت میں التحیات میں ملنے والا

وہ شخص جو جمعہ کی نماز میں التحیات میں آکر ملے یا سجدہ سہو میں آکر ملے یا سجدہ سہو کے تشہد میں آکر ملے وہ نماز جمعہ ہی پوری کرے گا یہ شیخین کے نزدیک ہے جس طرح عید کی نماز میں التحیات میں جو آکر ملے گا وہ بالاتفاق عید ہی کی نماز پوری کرے گا چنانچہ فتح القدیر کے باب العید میں صراحت ہے کہ اگر کوئی عید کے تشہد یا سجدہ سہو میں آکر ملے گا تو وہ بالاتفاق دو رکعتیں عید کی ہی پڑھے گا لیکن سراج نامی کتاب میں ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک تشہد میں آکر ملنے

والے کی نماز عید نہیں ہوگی، وہ بقیہ نماز نفل کی طرح پوری کرے۔ عید کی طرح پوری نہ کرے، جمعہ کے باب میں بھی امام محمدؒ کا قول یہی ہے کہ جو شخص جمعہ کی ایک رکعت سے کمتر میں آکر ملے گا وہ ظہر کی نماز پوری کرے گا، جمعہ پوری نہیں کرے گا، شامی نے کہا کہ پہلا قول صحیح ہے کہ تشہد میں ملنے والا عید ہی کی نماز پوری کرے گا۔

نماز جمعہ میں جو شخص تشہد میں آکر امام کے ساتھ ملا ہے وہ بالاتفاق جمعہ کی نیت کرے گا ظہر کی نیت نہیں کرے گا، اگر وہ ملنے والا ظہر کی نیت سے آکر ملے گا اس کی اقتداء درست نہیں ہوگی کیونکہ امام کی نیت سے موافقت باقی نہیں رہے گی، جو مقتدی کے لئے ضروری ہے، اس مسئلہ میں مسافر اور غیر مسافر کے اندر کوئی فرق نہیں ہے جو بھی تشہد میں آکر ملے گا وہ جمعہ کی نماز ہی پوری کرے گا۔

واذا خرج الامام من الحجرة ان كان والافقيامه للصعود شرح المجمع فلا صلوٰة ولا كلام الى تمامها وان كان فيها ذكر الظلمة فى الاصح خلا قضاء فائتة لم يسقط الترتيب بينها وبين الوقتية فانها لا تكره سراج وغيره لضرورة صحة الجمعة والا لا ولو خرج وهو فى السنة او بعدقيامه لثالثة النفل يتم فى الاصح ويخفف القراء ة وكل ماحرم فى الصلوٰة حرم فيها اے فى الخطبة خلاصه وغيرها فيحرم اكلٌ وشرب وكلام ولو تسبيحاً او رد سلام او امر ا بمعروف بل يجب عليه ان يستمع ويسكت بلا فرق بين قريب وبعيد فى الاصح محيط ولا يرد تحذير من خيف هلاكه لانه يجب لحق آدمى وهو محتاج اليه والانصات لحق الله تعالىٰ ومبناه على المسامحة وكان ابويوسفؒ ينظر فى كتابه ويصححه والا صح انه لاباس بان يشير برأسه او يده عنه روية منكر والصواب انه يصلى على النبى صلى الله عليه وسلم عند سماع اسمه فى نفسه ولا يجب تشميت عاطس ولا رد سلام به يفتى وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب لخطبة نكاح وخطبة عيد على المعتمد وقالا لا بأس بالكلام قبل الخطبة وبعدها واذ جلس عند الثانى والخلاف فى كلام يتعلق بالآخرة اما غيره فيكره اجماعاً وعلى هذا فالترقية المتعارفه فى زماننا تكره عنده لا عندهما واما ما يفعله الموذنون حال الخطبة من الترضى ونحوه فمكروه اتفاقا وتمامه فى البحر والعجب من المرقے ينهى عن الامر بالمعروف بمقتضى حديثه ثم يقول انصتوا رحمكم الله قلت الا

ان یحمل علی قولهما فتنبه۔

خطبہ کے لئے امام کے نکلنے کے بعد دوسری نماز وغیرہ نہ پڑھی جائے

امام حجرہ میں ہو اور وہ وہاں سے خطبہ کے لئے نکلے یا مسجد میں ہو اور خطبہ کے لئے منبر پر چڑھنے کے لئے کھڑا ہوا تو اس کے بعد اس وقت تک نہ کوئی نماز ہے اور نہ کوئی بات چیت جب تک امام خطبہ پورا نہ کرے اگرچہ خطبہ میں ظالموں کا تذکرہ ہی کیوں نہ ہو صحیح تر قول یہی ہے (اس کے مقابلہ میں ایک قول یہ ہے کہ جب خطبہ میں ظالموں کا ذکر ہو تو کلام کرنا درست ہے مگر فتویٰ پہلے قول پر ہے)

خطبے کے وقت میں کوئی نماز جائز نہیں ہے سوا اُن قضاء نمازوں کے کہ ان میں اور وقتی نماز (جمعہ) میں ترتیب ساقط نہ ہوئی ہو، اس وقت اس فوت شدہ نماز کا پڑھنا مکروہ نہیں ہے بلکہ اس کا پڑھنا واجب ہے، اس لئے کہ جمعہ کی صحت اس کے پڑھنے پر موقوف ہے، البتہ اگر ترتیب واجب نہ ہو تو خطبہ کے وقت میں قضاء کا پڑھنا بھی مکروہ ہے۔

خطبہ شروع کرتے وقت اگر سنت پڑھ رہا ہو

امام جمعہ خطبہ کے لئے اس وقت نکلا کہ نمازی سنت پڑھ رہا تھا یا وہ نفل کی تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو رہا تھا تو اس صورت میں نمازی اپنی سنت اور نفل پوری کرے گا صحیح تر مذہب یہی ہے البتہ ان نمازوں میں قرأت مختصر بقدر واجب کرے گا۔

جو چیزیں نماز میں حرام ہیں وہ خطبہ میں بھی حرام ہیں کذا فی الخلاصہ، چنانچہ اس اصول کی بنیاد پر خطبہ کے وقت کھانا پینا، اور بات چیت کرنا حرام ہے اگرچہ وہ تسبیح یا سلام کا جواب اور امر بالمعروف ہی کیوں نہ ہو۔

خطبہ جمعہ کا سننا اور خاموش رہنا

جمعہ میں شریک ہونے والے پر واجب یہ ہے کہ وہ خطبہ سنے اور خاموش رہے، اس میں کوئی تمیز نہیں ہے کہ وہ شخص امام کے قریب ہے، یا اس سے دور ہے، یعنی خطبہ کے وقت دور والا جو خطبہ کی آواز نہیں سنتا ہے اس پر بھی واجب ہے کہ وہ کان لگائے رکھے اور خاموش رہے۔

اگر کسی کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہو تو اس وقت البتہ خطبہ میں شریک ہونے والے پر لازم ہے کہ وہ اس کو خبردار کر دے اور بچانے کی سعی کرے خواہ بولنا پڑے خواہ کچھ کرنا پڑے اس لئے یہ ایک انسانی فریضہ جو اس پر عاید ہوتا ہے اور اس کی ادائیگی اس پر ضروری ہے، للہذا اس مسئلہ سے خاموش رہنے والے مسئلہ پر اعتراض نہیں ہوتا ہے، باقی خطبہ کے وقت خاموش رہنا حقوق اللہ میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ اس بات پر اس سے درگذر فرما سکتا ہے۔

امام ابو یوسفؒ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب وہ خطیب سے اس قدر دور ہوتے تھے کہ آواز نہیں پہونچتی تھی تو آپ اپنی کتاب دیکھا کرتے تھے اور اس کی تصحیح کرتے رہتے تھے (شامی نے لکھا ہے کہ اس کی بنیاد اُس ضعیف قول پر ہے جس میں صراحت ہے کہ اگر خطیب سے دور ہو اور آواز نہیں پہنچ رہی ہو تو بات کرنا اور کتاب دیکھنا جائز ہے۔

وقت خطبہ اشارہ سے منع کرنا

جمعہ کے خطبہ کے وقت اگر کسی کو کوئی بری حرکت یا بری بات کرتے دیکھے تو صحیح تر قول کے مطابق کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ اپنے سر یا ہاتھ کے اشارہ

سے اس کو روکے، البتہ زبان سے منع کرنا حرام ہے کذا فی الطحطاوی۔

خطبہ کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی خطیب سے سنے تو اس باب میں درست قول یہ ہے کہ اپنے جی میں آپ پر درود بھیجے، زبان سے نہ پڑھے اور بعض کہتے ہیں کہ آہستہ زبان ہی سے پڑھے۔

خطبہ کی حالت میں سلام کا جواب دینا

خطبہ سننے کی حالت میں چھینکنے والے اور سلام کرنے والے کا جواب دینا واجب نہیں ہوتا ہے مفتی بہ قول یہی ہے، طحطاوی نے لکھا ہے کہ چھینکنے والا چھینکنے کے بعد الحمد للہ کہے تو بہت آہستہ کہے (مگر یہاں بھی بہتر یہی ہے کہ جی میں کہے زبان سے نہ کہے۔

دوسرے خطبوں کے وقت کان لگانا

جس طرح جمعہ کا خطبہ سننا نماز جمعہ میں شریک ہونے والوں کو ضروری ہے کہ اسی طرح دوسرے خطبوں میں شریک ہونے والے پر بھی واجب ہے کہ وہ اس کو سنے جیسے نکاح کا خطبہ، ختم قرآن اور خطبہ عیدین ہے، یعنی ان خطبوں کا سننا بھی موجود رہنے والوں پر واجب ہے قول معتمد یہی ہے۔

صاحبین امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب تک امام خطبہ شروع نہ کرے اس سے پہلے اور خطبہ کے قائم ہو جانے کے بعد کلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اس وقت بھی کلام میں مضائقہ نہیں ہے جب امام دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھا ہو، مگر یہ اختلاف اس کلام میں ہے جو آخرت سے متعلق ہو کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ اس سے بھی منع کرتے ہیں اور صاحبین اس میں مضائقہ نہیں سمجھتے، باقی وہ بات چیت جس کا تعلق آخرت سے نہ ہو وہ بالاتفاق خطبہ کے ہوتے ہوئے مکروہ ہے۔

امام کے سامنے آیت صلوٰۃ پڑھنا

اسی اختلاف میں وہ ترقیہ بھی داخل ہے جو ہمارے (یعنی مصنف کے) زمانہ میں مروج تھا یعنی یہ ترقیہ امام اعظمؒ کے نزدیک مکروہ ہے اور صاحبین اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے (ترقیہ کی صورت یہ ہوتی تھی کہ مؤذن جو تکبیر کہتا تھا وہ پہلے امام کے سامنے کھڑا ہو کر یہ پوری آیت پڑھتا تھا اِنَّ اللہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ الخ پھر وہ حدیث پڑھتا تھا جس میں لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو اس وقت کسی سے یہ کہنا کہ تم چپ رہو یہ کہنا بھی لغو ہے)

صحابہ کے نام رضی اللہ عنہم کی آواز بلند کرنا

اذان دینے والے خطبہ ہوتے وقت "رضی اللہ عنہ" اور اس طرح کے دوسرے جملوں کی جو صدا لگاتے ہیں وہ بالاتفاق مکروہ ہے اور اس کی پوری تفصیل بحر الرائق نامی کتاب میں ہے (عرب کے بعض شہروں میں رواج یہ تھا کہ امام کی زبان پر خطبہ میں خلفاء راشدین وصحابہ کرام کا نام آتا تھا تو مؤذن بلند آواز سے "رضی اللہ عنہم" کہتے تھے اور جب سلطان کا نام آتا تھا تو وہ "خلد اللہ ملکہ" اور دوسرے دعائیہ کلمات بلند آواز سے کہتے تھے)

جو لوگ امام کے سامنے ترقیہ میں حدیث اور آیت پڑھتے ہیں ان پر تعجب ہے کہ ایک طرف تو ایسی حدیث سناتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ امام جب خطبہ کے لئے نکلے اس وقت بالکل خاموش رہو، اور دوسری طرف خود یہ کہہ کر کہ تم

خاموش رہو اللہ تم پر رحم کرے اس حدیث کی خلاف ورزی کرتے ہیں شارح کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ وہ صاحبین کے اُس قول پر عمل کرتے ہیں جس میں انہوں نے کہا ہے کہ خطبہ سے پہلے امر بالمعروف کرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔

ووجب السعی الیها وترك بیع ولو مع السعی وفی المسجد اعظم وزرا با الاذان الاول فی الاصح وان لم یکن فی زمان الرسول بل فی زمن عثمانؓ وافاد فی البحر صحة اطلاق الحرمة علی المکروه تحریما ویؤذنُ ثانیاً بَینَ یدیه ای الخطیب افاد بوحدة الفعل ان المؤذن ان کان اکثر من واحد اذنوا واحد بعد واحد ولا یجتمعون کما فی الجلابی والتمرتاشی ذکره القهستانی اذا جلس علی المنبر فاذا اتم اقیمت ویکره الفصل بامرالدنیا ذکره العینی

اذان جمعہ کے بعد کام دھام چھوڑ کر نمازی کی تیاری

پہلی اذان جمعہ کے بعد نماز جمعہ کے لئے جانا اور خرید و فروخت کا چھوڑ نا دینا واجب ہے گو یہ پہلی اذان عہد نبوی میں نہیں تھی بلکہ اس اذان کا رواج عہد عثمانی میں ہوا، شارح نے بتایا کہ مسجد جاتے ہوئے بھی خرید و فروخت چھوڑ دینا ضروری ہے اور مسجد میں خرید و فروخت کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

(یہاں بیع سے مراد ہر وہ کام ہے جو نماز جمعہ میں حارج ہو لہٰذا خرید و فروخت کے سوا دوسرے کام میں بھی اذان اول کے بعد مشغول رہنا مکروہ تحریمی ہے البتہ مسجد جاتے ہوئے اس طرح خرید و فروخت کرنا جس سے جمعہ کے لئے جانے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، سراج نامی کتاب میں لکھا ہے کہ مکروہ نہیں ہے، شارح نے بھی باب البیع الفاسد کے اخیر میں ''لاباس'' کا جملہ لکھا ہے (یعنی اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے)

پہلی اذان جمعہ

اذان اول کے سلسلہ میں بھی اختلاف ہے کہ یہ کون سی اذان ہے بعض فقہاء نے کہا کہ اول وہ اذان ہے جو امام کے سامنے اس کے منبر پر بیٹھنے کے بعد ہوتی ہے، یہ کہتے ہیں کہ شروع ہونے کے اعتبار سے اذان اول یہی ہے کہ عہد نبوی، اور صدیقی اور دور خلافت فاروقی میں صرف یہی اذان ہوا کرتی تھی۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آدمی بہت زیادہ ہو گئے تو اپنے دور میں ایک اذان اور بڑھا دی، مگر اس سلسلہ میں صحیح یہ ہے کہ پہلی اذان وہ ہو گی جو وقت کے بعد پہلے ہوتی ہے اور زوال کے بعد منارہ مسجد سے نئے پکاری جاتی ہے)

بحر الرائق میں لکھا ہے کہ مکروہ تحریمی کے لئے حرمت کا لفظ بولنا صحیح ہے) یہ اس کا جواب ہے کہ صاحب ہدایہ نے اذان اول کے وقت خرید و فروخت کو حرام لکھا ہے حالانکہ وہ مکروہ تحریمی ہے جواب کا ماحصل یہ ہے مکروہ تحریمی کو حرام لکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ درست ہے۔

دوسری اذان جمعہ

موذن دوسری اذان اس وقت خطیب کے سامنے کھڑا ہو کر دے گا جب وہ منبر پر بیٹھ جائے،

شارح نے بتایا ہے کہ ماتن "یؤذن" واحد کا صیغہ یہاں لایا ہے اس سے یہ فائدہ ہوا جب اذان دینے والے ایک سے زیادہ ہوں تو وہ ایک ساتھ مل کر نہ کہیں بلکہ یکے بعد دیگرے جیسا جلابی اور تمر تاشی میں صراحت ہے اس کو قہستانی نے ذکر کیا ہے۔

خطبہ اور تکبیر کے درمیان فصل

امام جب خطبہ پورا کرلے گا تو اس کے بعد تکبیر کہی جائے گا، خطبہ اور تکبیر کے درمیان کسی دنیاوی امر کیوجہ سے فاصلہ کرنا مکروہ ہے، اس کو عینی نے اپنے شرح میں ذکر کیا ہے (ماحصل یہ ہے کہ خطبہ کے ختم ہوتے ہی تکبیر شروع کردی جائے اور دنیاوی امر کی قید کا منشا یہ ہے کہ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وجہ سے خطبہ کے بعد تکبیر میں کچھ تاخیر ہوجائے تو یہ مکروہ نہیں ہے اور خطیب دوسرے خطبہ میں جو منبر کی آخری سیڑھی سے پہلی سیڑھی پر آتے ہیں پھر اوپر چڑھتے ہیں یہ بدعت ہے۔

بحر الرائق نے لکھا ہے کہ منبر کا قبلہ کے بائیں جانب ہونا مسنون ہے، اسی طرح یہ بھی مسنون ہے کہ امام نماز جمعہ میں بسلسلہ قرأت سورہ جمعہ اور منافقون پڑھے یا سورہ اعلیٰ اور غاشیہ پڑھے۔

لاینبغی ان یصلے بالقوم غیر الخطیب لانهما کشیء واحد فان فعل بان خطب صبی بان السلطان وصلی بالغ جاز هو المختار ولاباس بالسفر یومها اذا خرج من عمر ان المصر قبل خروج وقت الظهر کذا فی الخانیة لکن عباده الظهیریة وغیرها بلفظ دخول بدل خروج وقال فی شرح المنیة والصحیح انه یکره السفر بعد الزوال قبل ان یصلیها ولا یکره قبل الزوال القروی اذا دخل المصر یومها ان نوی المکث ثمة ذلك الیوم لزمته الجمعة وان نوی الخروج من ذلك الیوم قبل وقتها او بعده لا تلزمه لکن فی النهر ان نوی الخروج بعده لزمته وقیل لا کما لا تلزم لو قدم مسافر یومها علی عزم ان لایخرج یومها ولم ینو الاقامة نصف شهر۔

جمعہ میں خطابت وامامت

یہ مناسب نہیں ہے کہ خطیب کے علاوہ دوسرا شخص جمعہ کی امامت کرے، اس لئے کہ خطبہ اور نماز دونوں ایک چیز کے درجہ میں ہیں، لہٰذا دونوں کا فاعل ایک ہی شخص کا ہونا مناسب ہے (گویہ بھی جائز ہے کہ خطبہ کوئی اور دے اور امامت کوئی اور کرے) پس اگر ایسا ہو کہ خطیب جدا ہو اور امام جدا ہو، اس طرح کہ ایک نابالغ لڑکا سلطان کی اجازت سے جمعہ کا خطبہ دے اور دوسرا بالغ اسی نماز جمعہ کی امامت کرے تو یہ جائز ہے اور مذہب مختار یہی ہے لڑکے کے خطبہ کی قید لگا کر اس بات کو بتانا چاہا ہے کہ نابالغ لڑکے کا خطبہ پڑھنا جائز ہے، ناجائز نہیں، اور خطبہ میں سلطان کی اجازت کی قید کا مطلب یہ ہے کہ اجازت کی شرط خطبہ میں ہے نماز میں نہیں ہے کذا فی الطحطاوی)

جمعہ کے دن سفر

جمعہ کے دن ظہر کے وقت داخل ہونے سے پہلے جب شہر کی آبادی سے نکل چکا ہو تو اس دن سفر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (یہاں سفر سے مراد ایسی جگہ ہے جہاں کے باشندوں پر

واجب نہیں ہے کذافی الشامی) اور شرح المنیہ میں لکھاہے کہ جمعہ کے دن زوال کے بعد جمعہ پڑھنے سے پہلے سفر کرنا مکروہ ہے البتہ زوال سے پہلے سفر کرنا مکروہ نہیں ہے، کیونکہ زوال سے پہلے جمعہ فرض نہیں ہوتا ہے۔

گاؤں کا باشندہ جب جمعہ کے دن شہر آئے گاؤں کے رہنے والے پر جمعہ واجب نہیں ہے اگر جمعہ کے دن شہر میں داخل ہو اور وہ اس دن وہاں قیام کی نیت کرے، تو اس پر جمعہ لازم ہوگا اور اگر اسی دن سے چلے جانے کا ارادہ اور نیت ہو خواہ جمعہ سے پہلے ہو یا جمعہ کے بعد اس پر جمعہ لازم نہیں ہوگا، لیکن نہر الفائق میں یہ ہے کہ اگر شہر سے واپسی کی نیت کی ہے تو اس پر جمعہ کی نماز لازم ہوگی اور اگر جمعہ کے بعد واپسی کی نیت نہیں ہے بلکہ پہلے ہے تو لازم نہیں، اور شرح المنیہ میں ہے کہ اگر اس کی نیت جمعہ کی نماز کے وقت تک ٹھہرنے کی ہے تو اس پر جمعہ لازم ہوگا اور دوسرا ضعیف قول یہ ہے کہ لازم نہیں ہوگا، جیسے اس مسافر پر جمعہ لازم نہیں ہوتا جو جمعہ کے دن شہر میں اس عزم کے ساتھ آیا ہے کہ وہ اس دن شہر سے نہیں واپس ہوگا اور نہ اس نے شہر میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ رہنے کی نیت کی ہے، البتہ اگر وہ اقامت کی نیت کرلے گا تو اس پر جمعہ لازم ہوگا۔

يخطب الامام بسيف في بلدة فتحت به كمكة والا لاكالمدينه وفى الحاوى القدسى اذا فرغ الموذنون قام الامام والسيف فى يساره وهو متكى عليه وفى الخلاصه ويكره ان يتكى على قوس اوعصا فروع سمع النداء وهو ياكل تركه ان خاف فوت جمعه او مكتوبه لا جماعة رستاقى يسعى يريد الجمعة وحوائجه ان معظم مقصوده الجمعة نال ثواب السعى اليها وبهذا يعلم ان من شرك فى عبادته فالعبره للاغلب الافضل حلق الشعر وقلم الظفر بعدها لا باس بالتخطى مالم ياخذ الامام فى الخطبة ولم يوذ احدا الا ان لا جد الا فرجة امامه فيتخطى اليها للضرورة ويكره التخطى للسوال بكل حال.

بوقت خطبہ تلوار یا عصا جو شہر قوت سے فتح ہوا ہے جیسے مکہ مکرمہ وہاں امام جمعہ کا خطبہ تلوار کے سہارے دے گا اور اگر وہ شہر قوت سے فتح نہیں ہوا ہے (جیسے مدینہ منورہ) تو وہاں تلوار لے کر خطبہ نہیں دے گا۔ حاوی قدسی میں ہے کہ موذن جب امام کے سامنے دوسری اذان دے چکے تو امام اس طرح کھڑا ہو کر خطبہ دے، کہ تلوار اس کے بائیں طرف ہو جس پر وہ سہارا لئے ہوئے ہو (لیکن بحر الرائق میں لکھاہے کہ تلوار حمائل کرکے خطبہ دے اور نہر الفائق میں ہے کہ تلوار کو حمائل کرکے اس کی نوک زمین پر رکھے اور اس پر ہاتھ کا سہارا دے تاکہ دونوں باتیں حاصل ہو جائیں) اور خلاصہ نامی کتاب میں لکھاہے کہ خطبہ میں لاٹھی یا تلوار کا سہارا لینا مکروہ ہے (لیکن خلاصہ کی اس عبارت پر لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ابوداؤد کی حدیث میں صراحت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لاٹھی

کے سہارے خطبہ دیا ہے، چنانچہ محیط میں ہے کہ جس طرح خطبہ میں کھڑا ہونا سنت ہے اسی طرح خطبہ میں لاٹھی کا سہارا لینا بھی مسنون ہے کذافی الشامی)

کھاتے ہوئے اذان جمعہ ہو تو

کوئی کھانے کی حالت میں اذان سنے اور اس کو جمعہ چھوٹ جانے کا خطرہ ہو یا فرض نماز کے فوت ہونے کا، تو اس صورت میں وہ کھانا کھانا چھوڑ دے، لیکن اگر جماعت کے چھوٹنے کا خوف نہ ہو تو کھانا کھانا نہیں چھوڑے (کیونکہ پہلے گذر چکا ہے کہ جس کھانے سے دل لگا ہو وہ ایسا عذر ہے جس کے لئے جماعت چھوڑی جاتی ہے)

دیہاتی جب جمعہ کی نیت سے شہر آئے

ایک دیہات کا رہنے والا جمعہ اور اپنی دوسری ضرورتوں کے ارادہ سے شہر روانہ ہوا، اس صورت میں اگر اہم مقصد اس کا جمعہ پڑھنا ہے تو اس کو جمعہ کے لئے چلنے کا ثواب ملے گا اس مسئلہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اپنی عباعت میں شرک کرے اور کوئی دوسرا مقصد شامل کرلے تو جو زیادہ غالب ہو اس کا اعتبار ہوگا (مثلاً حج میں تجارت کا ارادہ کرلے مگر غالب ہو حج کا ارادہ تو حج کا ثواب ملے گا ورنہ نہیں)

ناخن اور بال بنوانا

بال بنوانا اور ناخن ترشوانا جمعہ کے بعد بہتر ہے (تاتارخانیہ میں لکھا ہے کہ نماز جمعہ سے پہلے بالوں اور ناخنوں کا بنوانا اچھا نہیں ہے، کیونکہ جمعہ میں حج کی سی ایک کیفیت ہے تو جس طرح حج میں بعد فراغت حج بال بنواتے ہیں اسی طرح یہاں جمعہ کے دن بھی بعد نماز جمعہ بہتر ہوگا)

جب تک امام خطبہ شروع نہ کرے اس وقت تک لوگوں کی گردن پھاند کر آگے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے مگر شرط یہ ہے کہ کسی کو تکلیف نہ دے، لیکن اگر وہ اپنے سامنے خالی جگہ کے علاوہ کوئی جگہ نہ پائے تو اس خالی جگہ کو پُر کرنے کے لئے گردن پھاند کر آگے جاسکتا ہے، اس لئے کہ ضرورت ہے (ماحصل یہ ہے کہ خطبہ ہونے کی حالت میں گردن پھاند کر آگے جانا جائز نہیں ہے اور نہ کسی کو اپنے اس عمل سے تکلیف پہنچانا ہی درست ہے، البتہ اگر جگہ نہ ہو اور آگے جگہ خالی ہو تو گردن پھاند کر آگے جانے میں مضائقہ نہیں خواہ کسی کو اس سے تکلیف ہی کیوں نہ ہو)

جمعہ میں سائل کا سوال کرنا

سوال کے لئے گردنوں کا جمعہ کے دن پھاندنا ہر حال میں مکروہ ہے خواہ کسی کو ایذا ہو یا نہ ہو (مسجد میں مانگنے اور سائل کو دینے کے باب میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ اگر سائل نمازیوں کے سامنے سے نہ گذرے اور نہ گردنوں کو پھاندے اور نہ اصرار کے ساتھ مانگے تو مانگنا اور دینا دونوں درست ہے، ورنہ مکروہ ہے۔

وسئل عليه السلام عن ساعة الاجابة فقال ما بين جلوس الامام الى ان يتم الصلوٰة وهو الصحيح وقيل وقت العصر واليه ذهب المشائخ كما فى التاتار خانية وفيها سئل بعض المشائخ دليلة الجمعة افضل ام يومها فقال يومها وذكر في احكامات الاشباه مما اختص به يومها قراة الكهف

فیا ومن فهم عطفه على قوله ويكره افراده بالصوم وافرا وليلته بالقيام فقد وهم وفيه تجتمع الارواح وتزار القبور ويامن الميت من عذاب ابقرومن مات فيه وفى ليلته امن من عذاب القبرو ولا تسجرفيه جهنم وفيه يزور اهل الجنة ربهم تعالىٰ

وہ ساعت جس میں دعا قبول ہوتی ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ جمعہ کی وہ ساعت کون سی ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے، آپ نے فرمایا کہ جب امام خطبہ دینے کے لئے بیٹھتا ہے اس وقت سے لے کر نماز کے پورا ہونے تک ہے، اور یہی قول صحیح ہے، ایک دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ساعت عصر کے وقت ہے اور مشائخ اسی طرف گئے ہیں۔ جیسا کہ تاتارخانیہ میں مذکور ہے۔

صحیحین میں ایک حدیث آئی ہے کہ جمعہ کے اندر ایک ساعت ایسی ہے کہ جب کوئی بندہ اس میں کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے پھر اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عطا کرتا ہے اس ساعت کے تعیین میں اختلاف ہے کہ وہ کون سی ساعت ہے، اس سلسلہ میں بائیس اقوال ہیں، اس میں دو قول زیادہ صحیح ہیں ایک امام کے خطبہ کے لئے بیٹھنے کے وقت سے لے کر نماز ختم ہونے تک، دوسرا قول یہ کہ وہ جمعہ کی آخری ساعت ہے جس کو یہاں عصر کے وقت سے شارح نے تعبیر کیا ہے

جمعہ کا دن افضل ہے یا رات

تاتارخانیہ میں یہ بھی ہے کہ بعض مشائخ سے سوال کیا گیا کہ بتائیں جمعہ کی رات افضل ہے یا اس کا دن، انہوں نے جواب میں فرمایا کہ جمعہ کا دن افضل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی رات کو بھی فضیلت صرف نماز جمعہ ہی کی وجہ سے ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ نماز جمعہ دن میں شروع ہوتی ہے)

جمعہ کو سورہ کہف پڑھنا

اور کتاب الاشباہ کے احکام جمعہ میں مذکور ہے، کہ جمعہ کو جن امور کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے ان میں سے اس دن سورہ کہف کا پڑھنا بھی ہے خواہ جمعہ کی رات میں ہو یا دن میں، کیونکہ سورہ کہف کے متعلق حدیث میں ہے کہ جو کوئی جمعہ کے دن سورہ کہف پڑھتا ہے وہ اس جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک بلکہ تین دن زیادہ تک محفوظ رہتا ہے۔

قرأت کہف کا عطف جن لوگوں نے اس کا لا یکرہ افرادہ بالصوم الخ پر سمجھا ہے اس سے غلطی ہوئی ہے، اس وجہ سے کہ اس کی وجہ سے اس نے ایک مسنون چیز کو مکروہ میں شامل کر دیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، اس کا عطف "یکرہ" پر نہیں ہے۔

فضائل جمعہ اور اس کی اہمیت

جمعہ کے دن ارواح اکٹھی ہوتی ہیں اور اسی دن قبروں کی زیارت ہوتی ہے اور اس دن مردے عذاب قبر سے محفوظ ہوتے ہیں اور جو شخص جمعہ کے دن یا اس کی رات میں مرتا ہے وہ عذاب قبر سے محفوظ ہوتا ہے جمعہ کے دن دوزخ گرم نہیں کی جاتی، اور جمعہ کے دن اہل جنت اپنے پروردگار کے دیدار سے مشرف ہوتے ہیں، اشباہ میں تفصیل ہے کہ جمعہ کو بہت سی باتوں میں خصوصیت حاصل ہوتی ہے مثلاً

اس دن نماز جمعہ کا لازم ہونا نماز جمعہ کے لئے جماعت کا شرط ہونا، امام کے سوا تین مرد مقتدی کا موجود ہونا، نماز جمعہ سے پہلے خطبہ ہونا، اور اس میں مخصوص سورتوں کا استحباب کے طور پر پڑھنا، اس دن غسل کا مسنون ہونا، خوشبو لگانا، اچھا لباس پہننا، بال ناخن وغیرہ بنوانا، اس دن مسجد کو خوشبو سے معطر کرنا، جمعہ کی نماز کے لئے سویرے نکلنا، جب تک خطیب نہ نکلے عبادت میں مشغول رہنا، جمعہ کے دن مخصوص طور پر صرف اسی دن کا روزہ رکھنا، یا اس کی رات میں جاگنا مکروہ ہے، جمعہ کے فضائل اور بھی ہیں)

باب العیدین

سمی به لان لله فيه عوائد الاحسان ولغوده بالسرور غالباً او تفاولاً و يستعمل فى كل يوم فيه مسرة ولذا قيل عيدٌ وعيدٌ صرن مجتمعة وجه الحبيب ويوم العيد والجمعة فلو اجتمعا لم يلزم الا صلوة احدهما وقيل الاولى صلوٰه الجمعة وقيل صلوٰة العيد كذا فى القهستانى عن التمر تاشى قلت قدر اجعت التمر تاشى فرايته حكاه عن مذهب الغير وبصيغة التمريض فتنبه وشرع فى الاولى من الهجرة تجب صلوتهما الاصح على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المقدمة سوى الخطبة فانها سنة بعد ها وفى القنية صلوٰه العيد فى القرى تكره تحريما اى لانه اشتغال بما لايصح لان المصر شرط الصحة۔

عیدین کی نماز اور اس کے احکام کی تفصیل

اس باب میں عیدالفطر اور عیدالاضحی کے احکام بیان ہوں گے (جمعہ کے بعد عیدین کو اس وجہ سے بیان کیا ہے کہ دونوں میں مناسبت ہے مثلاً دونوں میں قرأت بلند آواز سے ہوتی ہے، یہ دونوں میں نمازوں کے لئے جماعت شرط ہے، تنہا یہ نمازیں نہیں پڑھی جاتی ہیں پھر یہ کہ عیدین کی نمازیں انہیں لوگوں پر واجب ہے جن پر جمعہ واجب ہے، جمعہ کو پہلے اور عید کے بعد میں اس لئے بیان کیا کہ جمعہ کا ثبوت کتاب اللہ سے ہے اور سال میں بکثرت آتا ہے، اور عیدین کا ثبوت قرآن سے نہیں ہے بلکہ حدیث سے ہے پھر یہ نماز بھی سال میں صرف ایک ایک بار پڑھی جاتی ہے)

عیدنام رکھنے کی وجہ

عیدکا نام عیداس وجہ سے رکھا گیاکہ اس دن بندوں پر اللہ تعالیٰ کے انعامات بار بار ہوتے ہیں اور عام طور پر یہ دن خوشی کے ساتھ پلٹ کر آتا ہے یا بطور فال عید کہاکہ پھر خوشی لے کر واپس آئے۔

عید کا استعمال ہر اس دن کے لئے ہوتا ہے جس میں خوشی ہو اور اسی خوشی کی مناسبت سے کسی نے یہ شعر کہا، جس کا ترجمہ یہ ہے۔

تین عیدین جمع ہو گئی ہیں، محبوب کا دیکھنا، عید کا دن اور جمعہ کا دن یہ تینوں خوشی کے اوقات ہیں۔

عیداور جمعہ کا اجتماع

اگر جمعہ اور عید دونوں ایک دن جمع ہو جائیں تو صرف ایک کی نماز لازم ہوتی ہے، بعضوں نے کہاکہ اس دن جمعہ کی نماز اولیٰ اور افضل ہے اور بعضوں نے کہا عید کی نماز افضل و بہتر ہے، قہستانی نے تمر تاشی سے ایسا ہی نقل کیا ہے، شارح کہتے ہیں میں نے تمر تاشی دیکھا تو اس طرح نہیں ہے بلکہ اس نے غیر کا مذہب کمزور قول کے ساتھ نقل کیا ہے، للذا غلطی میں نہیں پڑنا چاہئے۔

(اس سلسلہ میں صحیح وہ ہے جو جامع صغیر میں ہے، وہ یہ کہ اگر ایک دن میں عید اور جمعہ دونوں جمع ہو جائے تو نماز عید سنت ہے اور نماز جمعہ فرض ہے اور ان دونوں نمازوں میں سے کوئی ترک نہ کی جائے، بلکہ دونوں ادا کی جائیں، پہلا قول جو نقل ہواکہ دونوں میں ایک نماز پڑھے یہ احناف کا قول نہیں ہے، بلکہ دوسرے ائمہ کا قول ہے اور وہ کمزور قول ہے کذافی الشامی)

تاریخ عید

پہلی نماز میں عید ہجری کے پہلے سال میں مشروع ہوئی (ابو داود میں حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے دیکھاکہ یہاں لوگ سال کے دو دنوں میں کھیلا کرتے ہیں، آپ نے ان سے دریافت کیا یہ کیسے دن ہیں انہوں نے کہاکہ یہ وہ دن ہیں جن میں ہم حالت سفر میں کھیلا کرتے تھے، یہ سن کر آپ نے فرمایاکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان دنوں کو عید الفطر اور عید الاضحیٰ سے بدل دیا ہے کذافی الطحطاوی)

عیدوجمعہ دونوں ضروری

صحیح تر قول کے مطابق عید الفطر اور عید اضحیٰ دونوں کی نماز اس شخص پر واجب ہے جس پر جمعہ واجب ہے اپنی تمام شرطوں کے ساتھ جو جمعہ کے سلسلہ میں پہلے گذریں، سوائے خطبہ عید کے کہ یہ سنت ہے اور جمعہ کا خطبہ واجب ہے، للذا اس میں تو فرق ہے بقیہ میں نہیں (پھر جمعہ کا خطبہ نماز سے پہلے ہوتا ہے اور عیدین کا نماز کے بعد)

دیہات میں نماز عید

قنیہ نامی کتاب میں مذکور ہے کہ دیہاتوں میں عید کی نماز مکروہ تحریمی ہے کیونکہ عیدین کی نماز پڑھنا ایسی نمازوں میں مشغول ہونا ہے جو دیہات میں درست نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عیدین کی نماز کے لئے شہر کا ہونا شرط ہے، دیہات میں درست نہیں ہے۔

وتقدم صلوتها على صلوة الجنازة اذا اجتمعتا لانه واجب عيناً والجنازة

كفاية وتقدم صلوة الجنازة على الخطبة وعلى سنه المغرب وغيرها والعيد على الكسوف لكن فى البحر قبيل الاذان عن الحلبى الفتوى على تاخير الجنازة عن السنة واقره المصنف كانه الحاقاً لها بالصلوٰة لكن فى آخر احكام دين الاشباه ينبغى تقديم الجنازة والكسوف حتى على الفرض اما لم يضق وقته فتامل۔

نماز عید اور نماز جنازہ

اگر عید اور جنازہ کی نمازیں جمع ہو جائیں تو پہلے عید کی نماز پڑھی جائے گی پھر جنازہ کی نماز، اس لئے کہ عید کی نماز واجب العین ہے یعنی ہر عاقل بالغ مسلمان پر واجب ہے اور جنازہ کی نماز فرض کفایہ ہے کہ کچھ لوگوں کے پڑھنے سے سبھوں کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔

اور جنازہ کی نماز خطبہ عید اور مغرب وغیرہ کی سنتوں سے پہلے پڑھی جائے گی۔ کیونکہ جنازہ کی نماز فرض ہے اور خطبہ عید اور سنتیں مسنون ہیں، اور عید کی نماز سورج کی گہن کی نماز پر مقدم ہوگی (اگر سورج گہن عید کے دن اور عید کی نماز کے اوقات میں اتفاق سے ہو جائے، عموماً ایسا ہوا نہیں کرتا ہے، اس وجہ سے کہ سورج گہن مہینہ کے پورے ہونے کے بعد ہوا کرتا ہے اور عید ابتدائے ماہ میں ہوتی ہے)

جنازہ فرض وسنت نمازوں کے بعد

لیکن بحر الرائق نے باب الاذان سے ذرا پہلے حلبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ نماز جنازہ وقتی نمازوں کی سنتوں کے بعد پڑھی جائے۔ اور مصنف نے بھی اسی کو برقرار رکھا ہے اور اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ سنتوں کو فرض نمازوں کے ساتھ ملحق قرار دیا ہے کہ وہ فرض نماز کے تابع ہیں لہٰذا فرض نماز کے بعد سنت پڑھے پھر نماز جنازہ (مفتی بہ قول یہی ہے) الاشباہ میں لکھا ہے کہ مناسب یہ ہے کہ نماز جنازہ اور سورج گہن کی نماز کو فرض پر مقدم کرے اگر فرض نماز کا وقت تنگ نہ ہو، لہٰذا اس مسئلہ میں تامل کر لیا جائے اس کہنے کا منشاء یہ ہے کہ جنازہ کی تاخیر میں لاش کے بگڑنے کا خوف ہے اور سورج گہن کی نماز کے موخر کرنے میں آفتاب کے روشن اور صاف ہو جائے کا لیکن پہلے لکھا جا چکا کہ فتویٰ پہلے قول پر ہے اس پر نہیں ہے)

وندب يوم الفطر اكله حلوا لو و تراولوقرويا قبل خروجه الى صلوٰتها واستياكه واغتساله وتطيبه بما له ريح لا لون ولبسه احسن ثيابه ولو غير ابيض وا اداء فطرته صح عطفه على اكله لان الكلام كله قبل الخروج ومن ثم اتى بكلمة ثم خروجه ليفيد تراخيه عن جميع ما مر ما شيا الى الجبانة وهى المصلى العام والواجب مطلق التوجه والخروج اليها اى الجبانة لصلوٰة العيد سنة وان وسعهم المسجد الجامع هو الصحيح ولا باس باخراج منبر اليها لكن في الخلاصة لابأس ببنائه دون اخراجه لاباس بعوده

راکبا دونه وندب کونه من طریق آخر واظهار البشاشة واکثار الصدقة والتختم والتهنیة یتقبل الله منا ومنك لا تنکر۔

مستحبات عید عید الفطر کے دن مستحب یہ ہے کہ نماز عید کے لئے جانے سے پہلے میٹھی چیز کھائے (اور کھجور وغیرہ) طاق عدد کھائے مثلاً ایک، تین پانچ اگرچہ وہ دیہات کا رہنے والا ہو) عید کے دن یہ بھی مستحب ہے کہ مسواک کرے، غسل کرے اور خوشبو لگائے جس میں خوشبو تو ہو مگر رنگ نہ ہو، اپنے کپڑوں میں سے بہتر اور عمدہ کپڑا پہنے گو وہ سفید نہ ہو (یہاں مستحب سے مراد سنت ہے اس لئے یہ چیزیں عید کے دن مسنون ہیں، مستحب بول کر سنت مراد لینا درست ہے البتہ اس کے برعکس جائز نہیں)

صدقہ فطر یہ بھی مستحب ہے کہ نماز عید کے لئے جانے سے پہلے صدقہ فطر نکالے، پھر نماز عید کے لئے گھر سے نکلے اور عیدگاہ کی طرف روانہ ہو، (صدقہ فطر نکالنا واجب ہے) اسی طرح مطلقاً عید کی نماز کے لئے نکلنا واجب ہے اور عیدگاہ جانا سنت ہے گو جامع مسجد تمام لوگوں کی گنجائش رکھتی ہو، منبر کے عیدگاہ لے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن خلاصہ نامی کتاب میں لکھا ہے کہ منبر عیدگاہ کے اندر بنا دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، البتہ منبر لیجانے میں مضائقہ ہے۔ اس سے بچنا بہتر ہے، (اس دور میں بلکہ پہلے سے مفتی بہ عمل یہی چلا آرہا ہے کہ عیدگاہ میں اگر منبر بنا دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ وہیں بنا دینا بہتر ہے اور آج کل اسی پر عمل ہے) عیدگاہ سے نمازی اگر سواری سے واپس ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے مگر مستحب یہ ہے کہ واپسی دوسرے راستے سے ہو یعنی جس راستہ سے گیا ہے اس کے علاوہ راستہ سے واپسی ہو، (بخاری شریف میں ہے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہی کرتے تھے کہ ایک راستہ سے جاتے تھے دوسرے راستے سے واپس ہوتے تھے۔

اظہار مسرت وغیرہ اس دن میں خوشی کا ظاہر کرنا اور زیادہ خیرات کرنا بھی مستحب ہے، انگوٹھی پہننا اور مبارکباد دینا بھی مستحب ہے اس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں سے اور تم لوگوں سے اسے قبول فرمائے، اس مبارکبادی کا انکار نہیں کیا جاتا ہے (کیونکہ صاحب حلیہ نے صحیح سندوں کے ساتھ اس سلسلہ کے بہت سے آثار صحابہ کرامؓ سے نقل کیئے ہیں، البتہ محیط نامی کتاب میں مذکور ہے کہ نماز عید کے بعد مصافحہ کرنا ہر حال میں مکروہ ہے، کیونکہ صحابہ کرام سے ایسا ثابت نہیں ہے بلکہ یہ رافضیوں کا طریقہ ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عید بعد معانقہ کرنے کا ہندوستان میں جو رواج ہے وہ بے اصل اور مکروہ ہے)

ولایکبر فی طریقها ولا ینتقل قبلها مطلقاً یتعلق بالتکبیر والتنفل کذا قرره المصنف تبعاللبحر لکن تعقبه فی النهر ورجح تقییده بالجهر زاد فی البرهان وقالا الجهر به سنة کالاضحی وهورواية عنه ووجها ظاهر قوله تعالیٰ ولتکملوا العدة ولتکبروا الله علی ما هدا کم ووجه الاول ان رفع

الصوت بالذکر بدعة فیقتصر علی موردالشرع انتهی وکذا لایتنفل بعد ها فی مصلاها فانه مکروه عند العامة وان تنفل بعدها فی البیت جاز بل یندب التنفل باربع وهذا للخواص اما العوام فلا یمنعون من تکبیر ولانتفل اصلا لقلة رغبتهم فی الخیرات بحر وفی حامشه بخط ثقة وکذا صلوٰة رغائب وبراء ة وقدر لان علیا رضی الله عنه رای رجلا یصلی بعد العید فقیل اما تمنعه یا امیر المومنین فقال اخاف ان ادخل تحت الوعید قال الله تعالیٰ ارایت الذی ینهٰی عبدا اذا صلیٰ۔

عید گاہ جاتے ہوئے

عید الفطر میں عید گاہ جاتے ہوئے راستے بدلتے میں تکبیر نہیں کہے گا نہ بلند آواز سے اور نہ آہستہ اور عید الفطر کے دن نماز سے پہلے مطلقاً نفل نہیں پڑھے گا نہ گھر میں اور نہ عید گاہ میں لیکن نہر الفائق میں عید گاہ جاتے ہوئے تکبیر صرف بلند آواز سے کہنے کو روکا گیا ہے اور اسی کو انہوں نے ترجیح دی ہے۔

برہان نامی کتاب میں یہ زیادہ کیا ہے کہ صاحبین کے نزدیک عید گاہ جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہنا اس طرح سنت ہے جس طرح عید الاضحی میں، اور اس طرح ایک روایت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے بھی نقل ہوئی ہے اور بلند آواز سے عید الفطر میں تکبیر کہنے کی وجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ظاہر ہے ولتکملوا العدة ولتکبر واالله علیٰ ما هدا کم (تاکہ تم گنتی پوری کرو اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت عطاء کی) اس آیت سے نعمتوں کا اظہار مقصود ہے اور بلند آواز سے خدا کی بڑائی ظاہر کرنا بھی نعمت ہے اور وہ جو پہلی روایت ہے کہ بلند آواز سے تکبیر نہ کہی جائے اس کی وجہ یہ ہے ذکر اللہ میں آواز بلند کرنا بدعت ہے، لہٰذا جہاں بلند آواز کی صراحتاً اجازت ہے وہاں اس کو جائز رکھا جائے گا، دوسری جگہ کا اس پر قیاس درست نہیں ہوگا۔

عید کے بعد نماز نفل

اسی طرح عید الفطر کے دن عید کی نماز کے بعد بھی کوئی عید گاہ میں نفل نماز نہیں پڑھے گا، کہ یہ اکثر فقہاء کے نزدیک مکروہ (تحریمی) ہے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھنا ثابت نہیں ہے، ہاں عید کی نماز کے بعد اگر کوئی گھر آکر نفل پڑھے تو یہ جائز ہے بلکہ گھر آکر چار رکعت نفل پڑھنا مستحب ہے۔

فتح القدیر میں لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کی نماز سے گھر واپس ہو کر دو رکعت پڑھتے تھے، اور قہستانی نے چار رکعت کو افضل کہا ہے، اور یہ تکبیر نہ کہنے اور نفل پڑھنے سے کسی حال میں روکا نہیں جائے گا، اس لئے کہ عموماً ان کو نیک کاموں کی رغبت نہیں ہوتی ہے کذا فی البحر (خواہ عوام بلند آواز سے تکبیر کہیں یا آہستہ، اسی طرح وہ نوافل نماز عید سے پہلے پڑھیں یا بعد میں، (کذا فی الطحطاوی)

نماز شب برات اور نماز شب قدر

بحر الرائق کے حاشیہ میں ایک معتبر عالم کے ہاتھ سے یہ لکھا ہوا ہے کہ اسی طرح عوام کو رغائب شب برات اور شب قدر کی نماز سے نہ روکا

جائے (مگر پہلے یہ بتایا جاچکا ہے کہ ان نمازوں کے باب میں جو روایتیں آئی ہیں وہ سب موضوع ہیں للٰذا شارح کا ثقہ کے حوالہ سے یہاں یہ نقل کرنا درست نہیں ہے (کذا فی الشامی)

عید کے دن عوام کو نفل سے منع نہ کیا جائے

عید الفطر کے دن عوام کو نفل سے اس روایت کی وجہ سے روکا نہیں جائے گا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ عید بعد نفل پڑھ رہا ہے کسی نے آپ سے عرض کیا کہ یا امیر المومنین آپ اس کو منع کیوں نہیں کرتے آپ نے فرمایا مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں میں وعید میں داخل نہ ہو جاؤں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ا ر آیت الذی ینھی عبداً اذا صلی (کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو بندہ کو جب وہ نماز پڑھتا ہے تو روکتا ہے۔

ووقتها من الارتفاع قدر رمح فلا يصح قبله بل تكون نفلا محرما الى الزوال باسقاط الغاية فلو زالت الشمس وهو فى اثنائها فسدت كما فى الجمعة كذا فى السراج وقدمناه فى الاثنى عشرية ويصلى الامام بهم ركعتين مثنيا قبل الزوائد وهي ثلاث تكبيرات فى كل ركعة ولو زاد تابعه الى ستة عشر لانه ما ثو ر الا ان يسمع من المكبرين فياتى بالكل ويوالى ندبا بين القرأتين ويقراء كاالجمعة ولوادرك المؤتم الامام فى القيام بعد ما كبر كبر فى الحال برا ئى نفسه لانه مسبوق ولو سبق بركعة يقرء ثم يكبر لئلا يتوالى التكبيرات فلو لم يكبر حتى ركع الامام قبل ان يكبر المؤتم لا يكبر فى القيام ولكن يركع ويكبر فى للركوع على الصحيح لان الركوع حكم القيام ولكن يركع ويكبر فى الركوع على الصحيح لان الركوع حكم القيام فالاتيان بالواجب اولى من المسنون كما لو ركع الامام قبل ان يكبر فان الامام يكبر فى الركوع ولا يعود الى القيام ليكبر فى ظاهر الرواية فلو عاد ينبغى الفساد نهر ويرفع يديه فى الزوائد وان لم ير امامه ذالك الا اذا كبر راكعاً كما مر فلا يرفع يديه على المختار لان اخذ الركبتين سنة فى محله وليس بين تكبيراته ذكر مسنون ولذا يرسل يديه ويسكت بين كل تكبيرتين مقدار ثلث تسبيحات هذا يختلف بكثرة الزحام وقلته۔

نماز عید کا وقت

نماز عید کا وقت آفتاب کے ایک نیزہ کے برابر اونچا ہونے سے لے کر زوال سے ذرا پہلے تک ہے، للٰذا اگر آفتاب کے نیزہ برابر اونچا ہونے سے پہلے عید کی نماز پڑھی جائے گی تو وہ درست نہیں

ہو گی بلکہ وہ نفل حرام ہو گی، یعنی ایسی نفل نماز جس سے روکا گیا ہے (ایک نیزہ کی مقدار تین گز (چھ ہاتھ) ہے کذا فی الشامی) چنانچہ اگر عید کی نماز میں ہوتے ہوئے ہی آفتاب ڈھل جائے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی جیسے جمعہ پڑھتے ہوئے اگر عصر کا وقت آجاتا ہے تو جمعہ فاسد ہو جاتا ہے کذا فی السراج، اس کو ہم پہلے بارہ اختلافی مسائل میں ذکر کر چکے ہیں، (فاسد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز جو پڑھ رہا تھا وہ نہیں ہو گی البتہ اسے نفل نماز کا ثواب مل جائے گا (کذا فی الشامی)

نماز عید کی ترکیب

امام لوگوں کو عید کی دو رکعت نماز پڑھائے گا اس طرح کہ پہلے سبحانک اللھم الخ پڑھے گا پھر تین تکبیر زوائد کہے گا، تکبیر زوائد ہر رکعت میں تین تین ہے اگر امام تکبیر زوائد دونوں رکعتوں میں ملا کر چھ سے زیادہ کہے گا تو مقتدی سولہ تکبیروں تک میں اس کی پیروی کرے گا اس لئے کہ اتنی تکبیروں تک کا ذکر حدیث میں ہے اور اگر مقتدی تکبیر زوائد امام سے نہیں سن رہا ہے، بلکہ مکبر سے سن رہا ہے تو مکبّر سولہ سے زیادہ کہے گا تو اس میں بھی اس کی مقتدی پیروی کرے گا، اس وجہ سے کہ ہو سکتا ہے مکبر نے غلطی کی ہو (تکبیر زوائد کا طریقہ یہ ہے کہ امام تکبیر تحریمہ کے بعد ثنا پڑھے گا اس کے بعد تین زائد تکبیر کہے گا پھر اعوذ، بسم اللہ کے ساتھ قرأت کرے گا اور رکوع سجدہ کرے گا، دوسری کے لئے جب کھڑا ہو گا تو پہلے قرأت کرے گا اور قرأت ختم کر کے تین زائد تکبیریں کہے گا اور چوتھی تکبیر کہتا ہوا رکوع میں چلا جائے گا تو پہلے قرأت ختم کر کے تین زائد تکبیریں کہے گا اور چوتھی تکبیر کہتا ہوا رکوع میں چلا جائے گا چنانچہ آگے لکھتے ہیں) کہ مستحب یہ ہے کہ امام دونوں قرات لگاتار کرے (مطلب یہ ہے کہ پہلی رکعت میں تکبیر زوائد قرأت سے پہلے کہے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد کہے اس طرح دونوں قرأت کے درمیان تکبیر زوائد حائل نہیں ہو گی) اور نماز عید میں جمعہ جیسی قرأت کرے یعنی پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں ہل اتاک حدیث الغاشیہ۔

نماز عید میں اخیر رکعت میں ملنے کا حکم

اگر مقتدی امام کو قیام میں اس وقت پائے جب وہ تکبیر زوائد کہہ چکا تھا، تو مقتدی اس وقت اپنے مذہب کے مطابق تکبیر زوائد کہہ لے، کیونکہ وہ مسبوق ہے اور مسبوق اپنی نماز میں امام کا تابع نہیں ہوتا ہے چنانچہ حنفی تین تکبیر زوائد کہہ کر امام کے ساتھ ملے گا اور اگر اس مقتدی کی ایک رکعت چھوٹ گئی ہے تو جب وہ اپنی رکعت پوری کرنے چلے تو پہلے قرأت کرے اور پھر قرأت کے بعد تکبیر زوائد کہے اور اس کے بعد رکوع میں جائے، تاکہ اس کی تکبیریں لگاتار نہ ہو جائیں بلکہ دونوں قرات کا فاصلہ ہو جائے۔

نماز عید کا مسبوق نماز کس طرح پوری کرے

پس اگر مقتدی نے ابھی تکبیر نہیں کہی تھی کہ امام رکوع میں چلا گیا تو اس صورت میں مقتدی قیام میں تکبیر نہ کہے، بلکہ وہ امام کے ساتھ رکوع کرے اور رکوع میں ہی تکبیر زوائد کہہ لے صحیح قول یہی ہے اس وجہ سے کہ رکوع کے لئے قیام کا حکم ہے لہٰذا اس میں مسنون کے ادا کرنے سے بہتر یہ ہے کہ واجب کو ادا کرے (مسنون رکوع کی تسبیح ہے اور واجب تکبیر زوائد رکوع میں تکبیر کہنے کا حکم اس وقت ہے جب دوسری رکعت میں ملنے والے مقتدی کو خوف ہو کہ اگر تکبیر زوائد کہہ کر رکوع میں گیا تو اس وقت تک امام رکوع سے سر اٹھا لے گا کذا فی الطحطاوی)

جس طرح خود امام عید کی دوسری رکعت میں قرأت کے بعد تکبیر زوائد کہے بغیر رکوع میں چلا جائے تو یہ امام بھی رکوع میں تکبیر زوائد کہے گا، تکبیر زوائد کے لئے رکوع سے قیام کی طرف واپس نہیں ہوگا، ظاہر الروایت یہی ہے، اگر وہ رکوع سے تکبیر زوائد کے لئے لوٹے گا تو قاعدہ میں اس کی نماز فاسد ہو جانی چاہئے کذا فی النہر (حلبی نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے اس صورت اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، اس کا جرم یہی تو ہے کہ اس نے واجب کے لئے فرض چھوڑ دیا ہے مگر یہ نماز کی درستی کے لئے مخل نہیں ہے)

نماز عید میں تکبیر زوائد

نماز عید میں تکبیر کہنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان میں اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھائے، اگرچہ اس کا امام ہاتھ کے اٹھانے کا قائل نہ ہو، مگر جب ان تکبیرات زوائد کو رکوع میں ادا کرے گا تو دونوں ہاتھوں کو وہ کانوں تک نہیں اٹھائے گا مذہب مختار یہی ہے، اس لئے کہ رکوع میں نمازی کا اپنے دونوں گھٹنوں کو پکڑنا سنت ہے اور تکبیرات زوائد میں گو ہاتھوں کا اٹھانا بھی سنت ہے مگر یہ اس کا محل نہیں ہے لہٰذا اسے اختیار کیا جائے گا۔

عید کی تکبیرات زوائد کے درمیان کوئی ذکر مسنون نہیں ہے، اسی وجہ سے حکم ہے کہ تکبیر کہہ کر ہاتھوں کو چھوڑ دے کیونکہ ہاتھوں کا باندھنا وہاں مسنون ہے جہاں کوئی ذکر مسنون ہو اور ہر دو تکبیروں کے درمیان تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار خاموش رہے۔ شارح نے کہا کہ سکوت کی مقدار جماعت کی کثرت و قلت پر ہے یعنی اگر مجمع کثیر ہے تو دو تکبیروں کے درمیان وقفہ زیادہ کرے اور کم ہو تو کم، مقصد یہ ہے کہ اشتباہ باقی نہ رہنے پائے۔

ویخطب بعدها خطبتين وهما سنة فلو خطب قبلها صح واساء لترك السنة وما يسن في الجمعة ويكره يسن فيها ويكره والخطب ثمانٍ بل عشر ويبدأ بالتحميد فی ثلث خطبة جمعة واستسقاء ونكاحٍ وينبغی ان تكون خطبة الكسوف وختم القرآن كذالك ولم اره ويبدا بالتكبير فی خمس خطبة العيدين وثلث خطب الحج الا ان التی بمكة وعرفة يبدأ فيها بالتكبير ثم بالتلبية ثم بالخطبة كذا فی خزانة ابی الليث ويستحب ان يستفتح الاولٰی بتسع تكبيرات تترى اے متتابعات والثانية لبيع هو السنة و ان يكبر قبل نزوله من المنبر اربع عشرة واذا صعد عليه لا يجلس عندنا معراج و ان يعلم الناس فيها احكام صدقة الفطر ليوديها من لم يودها وينبغی تعليمهم فی الجمعة التی قبلها ليخرجوها فی محلها ولم اره وهكذا كل حكم احتيج اليه لان الخطبة شرعت للتعليم۔

نماز عید کا خطبہ عید کی نماز ختم کرنے کے بعد دو خطبے پڑھے کہ اس کا پڑھنا سنت ہے، اگر کوئی نماز عید سے پہلے ہی خطبہ پڑھ دے تو یہ گو درست ہے مگر برا کرنے والا ہوگا، اس لئے کہ اس نے سنت کی خلاف ورزی کی، اور سنت کو چھوڑ دیا، اور جو چیزیں نماز جمعہ میں مسنون اور مکروہ ہیں وہی چیزیں نماز عید میں بھی مسنون اور مکروہ ہیں، (طحطاوی نے بتایا کہ دو چیزوں میں جمعہ اور عید کے اندر فرق ہے ایک یہ کہ عید میں خطبہ سے پہلے تکبیر کہنا مسنون ہے اور جمعہ میں یہ مسنون نہیں دوسرے یہ کہ جمعہ میں خطبہ شروع کرنے سے پہلے منبر پر امام کا بیٹھنا مسنون ہے اور عید میں بیٹھنا مسنون نہیں)

خطبات کی تعداد اور اس کا طریقہ کل خطبے آٹھ بلکہ دس ہیں، ان میں تین خطبہ الحمد للہ سے شروع کئے جائیں گے جمعہ کا خطبہ استسقاء کا خطبہ اور نکاح کا خطبہ، اور مناسب یہ ہے کہ اسی طرح کسوف اور ختم قرآن کا خطبہ بھی الحمد للہ سے شروع کیا جائے لیکن ان دونوں کا حکم میں نے صراحت کے ساتھ نہیں دیکھا ہے، اور پانچ خطبات اللہ اکبر سے شروع کئے جائیں عید الفطر اور عید الاضحی کے خطبے اور حج کے تین خطبوں کو، مگر یہ جو کہ خطبہ مکہ اور عرفہ میں دیا جائے اس میں پہلے اللہ اکبر کہے پھر لبیک کہے، پھر خطبہ شروع کرے، ابو اللیث کی کتاب خزانۃ الروایات میں ایسے ہی ہے، اور جو خطبہ ۱۱ر ذی الحجہ کو منیٰ میں ہوتا ہے اس میں تکبیر کے بعد لبیک نہ کہے کذا فی الطحطاوی۔

نماز عید کا خطبہ کیسے دیا جائے عید کے خطبہ میں مستحب یہ ہے کہ پہلے خطبہ میں اولاً مسلسل نو مرتبہ اللہ اکبر کہے اور دوسرے خطبہ میں سات مرتبہ، یہ سنت ہے، اور مستحب یہ ہے کہ منبر سے اترنے سے پہلے چودہ مرتبہ اللہ اکبر کہے، اور جب عید کے خطبہ کے لئے منبر پر چڑھے تو خطبہ سے پہلے نہ بیٹھے ہمارے نزدیک یہی طریقہ مسنون ہے کذا فی المعراج، منبر پر بیٹھنا در اصل اذان ختم ہونے کے انتظار میں ہوتا ہے اور عید کے خطبہ میں اذان ہے نہیں کہ بیٹھے۔

خطبہ میں خطیب کیا بیان کرے خطبہ میں امام لوگوں کو صدقہ فطر کے احکام بتائے، تاکہ جس نے فطرہ ادا نہیں کیا ہے وہ ادا کرے اور مناسب یہ ہے کہ عید سے پہلے جو جمعہ ہو اس میں لوگوں کے سامنے احکام فطرہ بیان کر دے تاکہ لوگ وقت پر صدقہ فطر ادا کر دیں، اور میں نے اس بات کو کہیں صراحت کے ساتھ نہیں دیکھا ہے (شامی نے لکھا ہے کہ حدیث میں یہ مضمون آیا ہے شارح نے وہیں سے لیا ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید سے دو دن پہلے خطبہ دیتے اور اس میں صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم دیتے تھے)

امام کو چاہئے کہ جن احکام کے بتانے کی ضرورت ہو، خطبہ میں ان کو بیان کرے، اس لئے کہ خطبہ اسی کام کے لئے شروع ہوا ہے۔

ولا یصلیها وحده ان فاتت مع الامام ولو بالافساد اتفاقاً فی الاصح کما فی تیمم البحر وفیها یلغز ای رجل افسد صلوۃ واجۃ علیه ولا قضاء علیه ولوامکنه الذهاب الی امام اخر فعل لانها تودی بمصر واحدٍ بمواضع

کثیرة اتفاقاً فان عجز صلی اربعا کالضحی وتوخر بعذرکمطر الی الزوال من الغد فقط فوقتها من الثانی کالاول وتکون قضاء لااداء کما سیجیء فی الاضحیة وحکی القهستانی قولین۔

اگر عید کی نماز فوت ہو جائے

اگر عید کی نماز امام کے ساتھ فوت ہو جائے اگرچہ یہ فوت ہونا فاسد کر دینے سے ہو، وہ تنہا اس فوت شدہ نماز کو ادا نہیں کرے گا، اسی میں سب کا اتفاق ہے اور یہی صحیح تر مذہب ہے، جیسا کہ بحرالرائق باب التیمم میں مذکور ہے اور اسی مسئلہ میں بطور چیستان پوچھا جاتا ہے کہ وہ کون شخص ہے جو اپنے ذمہ واجب نماز کو فاسد کر ڈالتا ہے اور اس کے باوجود اس کی قضا اس پر نہیں ہے (لیکن اگر کوئی بغیر عذر شرعی عید بقر عید کی نماز چھوڑ دے گا تو وہ ترک واجب کا مرتکب ہو گا اور گنہ گار ہو گا اس باب میں صحیح تر مذہب کے مقابلہ میں امام ابو یوسفؒ کا ایک قول یہ ہے کہ اگر کوئی عید کی نماز فاسد کر دے گا تو اس پر قضا لازم ہو گی، مگر مفتی بہ پہلا قول ہے واللہ اعلم کذا فی الطحطاوی)

عید کی نماز کی تاخیر

اگر کوئی عذر ہو جیسے بارش وغیرہ تو صرف دوسرے دن کے زوال تک عید کی نماز موخر کی جائے گی (یعنی دوسرے دن زوال سے ذرا پہلے پڑھ لینا ضروری ہو گا اس کے بعد موخر کرنے کی اجازت نہیں ہے، گویا دوسرے دن کے زوال کے بعد عید ادا کرنے کا موقع باقی نہیں رہتا ہے) گویا دوسرے دن تک عید کی نماز کا وقت ایسا ہی رہتا ہے جیسے پہلے دن۔ مگر دوسرے دن یہ نماز قضا ہو گی ادا نہیں ہو گی، جیسا کہ کتاب الاضحیہ میں اس کا تذکرہ آئے گا اور قہستانی نے دو قول نقل کیا ہے (ایک یہ کہ دوسرے دن عید کی نماز قضا ہو گی دوم یہ کہ ادا ہو گی اس کو قضا نہیں کہا جائے گا کذا فی الطحطاوی)

واحکامها احکام الاضحیٰ لکن هنا یجوز تاخیرها الی ثالث ایام النحر بلاعذر مع الکراهة وبه ای بالعذر بدونها فالعذر هنا لنفی الکراهة وفی الفطر للصحة ویکبر جهرا اتفاقا فی الطریق قیل وفی المصلی وعلیه عمل الناس الیوم لا فی البیت ویندب تاخیر اکله عنها وان لم یضح فی الاصح ولو اکل لم یکره ای تحریماویعلم الاضحیة وتکبیر التشریق فی الخطبة ووقوف الناس یوم عرفة فی غیرها تشبیها فی الواقفین لیس بشیء هونکرة فی موضع النفی فتعم انواع العبادة من فرض وواجب ومستحب فیفید الا باحة وقیل یستحب ذلك كذا فی مسکین قال الباقانی لو اجتمعوا الشرف ذلك الیوم لسماع والوعظ بلا وقوف وکشف راس جاز بلاکراهة اتفاقاً۔

احکام عید الاضحیٰ عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں کے احکام یکساں ہیں دونوں کا وقت ایک سا ہے دونوں کے لئے شرطیں ایک سی ہیں لیکن اتنا فرق البتہ ہے کہ بقر عید کی نماز تیسرے دن یعنی بارھویں ذی الحجہ کے زوال سے پہلے تک عذر کی وجہ سے بلا کراہت موخر کی جاسکتی ہے اور بلا عذر بارھویں تک تاخیر کراہت کے ساتھ درست ہوگی، للذا بقر عید میں عذر کراہت دور کرنے کے لئے شرط ہے اور عید الفطر میں نماز کے درست ہونے کے لئے شرط ہے یعنی بقر عید میں بلا عذر بھی بارھویں تک نماز موخر کر سکتے ہیں گو وہ مکروہ ہے مگر بلا عذر عید الفطر کا دوسرے دن موخر کرنا درست نہیں ہے۔

عید گاہ جاتے ہوئے تکبیر عید الاضحیٰ میں عید گاہ جاتے ہوئے بلند آواز سے اللہ اکبر کہے جائیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ عید گاہ میں بھی بلند آواز سے اللہ اکبر کہے، البتہ گھر میں اللہ اکبر نہیں کہے گا آج کل اسی قول پر عمل ہے۔

عید الاضحیٰ کے دن کھانا بعد نماز عید عید الاضحیٰ میں مستحب یہ ہے کہ نماز عید کے بعد کھائے اگر اس نے قربانی نہ کی ہو، لیکن اگر کوئی نماز عید الاضحیٰ کے پہلے کھالے گا تو یہ مکروہ تحریمی نہیں ہوگا (بلکہ مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے کیونکہ بدائع میں صراحت ہے کہ چاہے کھائے چاہے نہ کھائے مگر مستحب یہ ہے کہ نماز بعد کھائے)

عید الاضحیٰ کا خطبہ عید الاضحیٰ کے خطبہ میں امام قربانی اور ایام تشریق کے مسائل واحکام بیان کرے (تاکہ لوگ ان احکام ومسائل سے واقف ہوں طحطاوی نے لکھا ہے کہ عید الاضحیٰ سے پہلے والے جمعہ میں ہی احکام قربانی وغیرہ بیان کردینا مناسب ہے)

قیام عرفات کی مشابہت عرفہ یعنی ۹ ر ذی الحجہ کو لوگوں کا عرفات کی مشابہت میں ٹھہرنا کوئی چیز نہیں ہے یعنی اس کی کوئی اصل نہیں ہے نہ فرض ہے نہ واجب اور نہ مستحب پس زیادہ سے زیادہ مباح ہو سکتا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ایسا کرنا مستحب ہے مگر یہ قول ضعیف ہے اسے ملا مسکین نے ذکر کیا ہے، باقانی نے لکھا ہے کہ اگر لوگ اس دن کی عظمت کے پیش نظر جمع ہوں اور وعظ سنیں اس طرح کہ وقوف نہ کریں اور نہ سر کھولیں تو ایسا کرنا بلا کراہت جائز ہوگا اور اس میں کسی کا اختلاف نہ ہوگا (اس طرح کا رواج ہمارے ہندوستان میں نہیں ہے اس لئے اس پر زیادہ بحث مناسب نہیں ہے اور اچھا ہے کہ یہ رواج نہیں ہے)

ویجب تکبیر التشریق فی الاصح للامر به مرة وان زاد علیها یکون فضلا قاله العینی صفته الله اکبر الله اکبر لااله الا الله والله اکبر الله اکبر ولله الحمد هو الماثور عن الخلیل والمختاران الذبیح اسمٰعیل وفی القاموس انه الاصح قال ومعناه مطیع الله عقب کل فرض عینی بلا فصل

یمنع البناء ادی بجماعته او قضی فیها منها من عامه لقیام وقته کالاضحیة مستحبة خرج جماعة النساء والعراة لا العبید فی الاصح جوهره۔

تکبیر تشریق صحیح تر مذہب یہ ہے کہ تکبیر تشریق ایک مرتبہ کہنا واجب ہے اس لئے کہ اس کا حکم دیا گیا ہے اگر کوئی ایک بار سے زیادہ کہے گا تو اس کو ثواب ہوگا جیسا کہ عینی نے بیان کیا ہے (بعض لوگوں نے تکبیر تشریق کہنے کو سنت کہا ہے۔ تکبیر تشریق کا حکم اس آیت سے ثابت کیا گیا ہے واذکروا اللہ فی ایام معدودات (یعنی گنے ہوئے دنوں میں اللہ کا ذکر کرو) اس آیت میں ایام معدودات سے مراد ایام تشریق ہونا بتایا گیا ہے)

تکبیر تشریق کا طریقہ تکبیر تشریق اس طرح کہے اللهُ اکبرُ الله اکبرُ لاَ الٰهَ اِلاَّ الله والله اکبرُ اللهُ اکبرُ ولله الحمدُ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے یہی کلمات منقول ہیں (فقہاء نے اس کی تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ اپنے لاڈلے حضرت اسمٰعیلؑ کو اللہ کے حکم سے ذبح کر رہے تھے تو حضرت جبرئیلؑ جنت سے ان کا فدیہ لے کر پہنچے اور انہیں خطرہ ہوا کہ کہیں جلدی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح نہ کر ڈالیں چنانچہ اس وقت ان کی زبان پر یہ کلمات آئے اللہ اکبر اللہ اکبر، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب حضرت جبریل کو دیکھا تو بول پڑے لا الہ الا اللہ، واللہ اکبر، اور جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو فدیہ آنے کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا اللہ اکبر وللہ الحمد، کذا فی الطحطاوی)

ذبیح کون ہے قول مختار یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں اور قاموس میں ہے کہ یہی قول زیادہ صحیح ہے، لفظ اسمٰعیل کا معنی عبرانی زبان میں مطیع اللہ (اللہ کی فرمانبرداری کرنے والا) ہے (اس باب میں اختلاف ہے کہ ذبح کرنے کا حکم حضرت اسحٰق کے متعلق ہوا تھا، یا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق، فقیہ ابو اللیث نے اپنی کتاب بستان میں ذکر کیا ہے کہ قرآن حدیث سے زیادہ مطابق قول یہ ہے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق ذبح کا حکم دیا گیا تھا کیونکہ قرآن پاک میں ذبح کا قصہ بیان کرنے کے بعد ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبح کا حکم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق تھا حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انا ابن الذبیحین میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں، ایک ذبیح آپ کے والد محترم حضرت عبد اللہ تھے اور دوسرے آپ کے جد اعلیٰ حضرت اسمٰعیل اور یہ بالاتفاق ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں کذا فی الطحطاوی)

تکبیر تشریق کب واجب ہے تکبیر تشریق ہر اس فرض عین نماز کے بعد متصلاً کہے گا جو جماعت مستحب کے ساتھ ادا کی گئی ہے جماعت کے ختم کے بعد متصلاً کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی ایسا مانع درمیان میں نہ آنے پائے جو بناء نماز کو روک دینے والا ہو، یعنی اگر نماز بعد اس طرح کا فاسد ہو جائے کہ مثلاً بول پڑے یا باہر چلا جائے یا کچھ کھا پی لے تو پھر تکبیر تشریق اسؑ کی وجہ سے ساقط ہو جائے گی۔ شارح نے کہا کہ اس فرض نماز کے بعد بھی تکبیر کہی جائے جو قضا اسی سال کی لی گئی ہے اس لئے کہ تکبیر کا وقت قائم ہے جس طرح قربانی اگر پہلے دن نہ کرے تو

دوسرے تیسرے دن کر لے کہ وہ بھی قربانی کے دن ہیں۔

جماعت مستحب کی قید سے عورتوں اور ننگوں کی جماعت نکل گئی کہ ان کی جماعت مستحب نہیں ہے، لیکن صحیح تر قول میں غلاموں کی جماعت خارج نہیں ہے یعنی ان کی جماعت کے بعد تکبیر تشریق واجب ہے اس لئے جماعت میں آزاد کا ہونا شرط نہیں ہے (یہاں فرض عین کی قید اس لئے لگائی تاکہ فرض کفایہ نکل جائے چنانچہ نماز جنازہ کے بعد تکبیر تشریق واجب نہیں ہے، یا فرض قضاء کی جماعت کے بعد تکبیر تشریق کے واجب ہونے کی تین شرطیں ہیں اول یہ کہ ایام تکبیر کے نماز کی قضا ہو، دوسرے یہ کہ یہ قضا ایام تکبیر میں ہی پڑھی جائے، تیسرے یہ کہ یہ اسی سال کی قضا پہلے سال نہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ اگر غیر ایام تکبیر کی قضا نماز اگر جماعت سے ان دنوں میں پڑھی جائے تو اس کے بعد تکبیر تشریق واجب نہیں ہوگی، اسی ایام تکبیر کی قضا اگر غیر ایام تکبیر میں جماعت سے پڑھے تو اس کے بعد بھی تکبیر تشریق نہیں ہے، اور دوسرے سال کی ایام تکبیر کی قضا اگر جماعت سے اس سال پڑھے گا تو اس کے بعد بھی تکبیر تشریق نہیں ہے)

اوله من فجر عرفة واٰخره الى عصر العيد بادخال الغاية فهى ثمان صلوات ووجوبه علىٰ امام مقيم بمصر وعلى مقتد مسافر اوقروى او امراة بالتبعية لكن المرأة تخافت ويجب على مقيم اقتدى بمسافر وقالا بوجوبه فوركل فرض مطلقا ولو منفردا او مسافرا او امرأة لانه تبع للمكتوبة الى عصر اليوم الخامس اٰخر ايام التشريق وعليه الاعتماد والعمل والفتوىٰ فى عامة الامصار وكافة الاعصار ولا باس به عقب العيد لان المسلمين توارثوه فوجب اتباعهم وعليه البلخيون ولا يمنع العامة من التكبير فى الاسواق فى الايام العشر وبه ناخذ بحرومجتبى وغيره وياتى الموتم به وجوبا وان تركه امامه لادائه بعد الصلوٰة قال ابويوسف صليت بهم المغرب يوم عرفه فسهوت ان اكبر فكبر بهم ابوحنيفة والمسبوق يكبر وجوبا كا للاحق لكن عقب القضاء لما فاته ولو كبر مع الامام لا تفسدولو لبى فسدت ويبداء الامام بسجود السهو لوجوبها فى تحريمتها ثم بالتكبير لوجوبه فى حرمتها ثم بالتلبية لو محرما لعدمهما خلاصه وفى الولوالجية لو بداء بالتلبية سقط السجود والتكبير والله اعلم۔

تکبیر تشریق ۹ر ذی الحجہ سے

تکبیر تشریق کی ابتداء نویں ذی الحجہ کی نماز فجر سے ہے اور ختم عید کی نماز عصر پر ہے پس یہ کل آٹھ نمازیں ہوئیں (پانچ نمازیں ۹ر ذی الحجہ کی فجر سے لے

کر عشاء تک اور تین نماز عید کے دن کی ہوئی فجر، ظہر اور عصر) اور تکبیر تشریق کا وجوب اس امام پر ہے جو شہر میں مقیم ہو اور مسافر مقتدی پر یا گاؤں کے رہنے والے مقتدی پر، یا عورت مقتدی پر امام کی پیروی کی وجہ سے، لیکن عورت مقتدی آہستہ تکبیر کہے گی، اور اس مقیم پر بھی تکبیر تشریق واجب ہے جو کسی مسافر کی اقتدا کرے، اور صاحبین کہتے ہیں کہ تکبیر تشریق ہر فرض کے بعد مطلقاً واجب ہے جو کسی مسافر کی اقتدا کرے، اور صاحبین کہتے ہیں کہ تکبیر تشریق ہر فرض کے بعد مطلقاً واجب ہے اگرچہ وہ تنہا ہو یا مسافر ہو یا عورت ہو، اس لئے کہ تکبیر فرض کے تابع ہے، للذا جن لوگوں پر نماز فرض ہوگی ان پر تکبیر تشریق بھی واجب ہونی چاہئے۔

۱۳ ذی الحجہ کی عصر تک

یہ تکبیر تشریق نویں ذی الحجہ کی نماز فجر سے لے کر پانچویں دن کی نماز عصر تک ہے یعنی ایام تشریق کے اخیر دن کی نماز عصر تک، جو ذی الحجہ کی تیرہویں تاریخ ہوتی ہے (اس طرح صاحبین کے قول کے مطابق جن فرض نمازوں کے بعد تکبیر تشریق کہی جائیں گی وہ کل ملا کر ۲۳ نمازیں ہوئیں) صاحبین کے ہی قول پر فتویٰ ہے اور اسی پر اعتماد اور عمل ہے تمام شہروں میں اور کل زمانوں میں، (اس لئے کہ یہ قول باعتبار دلیل قوی ہے کذا فی الطحطاوی)

عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق

عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد بھی تکبیر تشریق کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لئے مسلمان برابر اسی طرح کرتے آئے ہیں، للذا ان کی پیروی واجب ہے اور علماء بلخ کا یہی مسلک ہے (لا باس کا کلمہ کبھی مستحب کے موقع پر بھی بولا جاتا ہے للذا یہاں بھی مستحب کی ہی جگہ استعمال ہوا ہے منشا یہ ہے کہ عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق کہنا مستحب ہے

عام لوگوں کو عشرہ ذی الحجہ میں بازاروں کے اندر تکبیر تشریق سے روکا نہیں جائے گا، احناف نے اس کو اختیار کیا ہے کذا فی البحر والمجتبیٰ۔

تکبیر تشریق مقتدی پر

مقتدی پر واجب ہے کہ وہ بھی تکبیر تشریق کہے اگرچہ امام اس کو چھوڑ دے تاکہ نماز کے بعد تکبیر ادا ہو جائے، امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے نویں ذی الحجہ کو لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھائی اور تکبیر کہنا بھول گیا، للذا امام ابو حنیفہؒ نے لوگوں کو تکبیر کہلائی، یعنی انھوں نے تکبیر کہی اور آپ سے سن کر دوسرے مقتدیوں نے بھی کہی (اس سے معلوم ہوا کہ اگر امام تکبیر کہنا بھول جائے تو جس مقتدی کو یاد ہو وہ تکبیر کہہ کر یاد دلا دے، اس حکایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر شاگرد سے کہے کہ امامت کرو، تو اس کو آگے بڑھ جانا چاہئے، یہ بھی معلوم ہوا کہ استاذ کو چاہئے کہ اپنے لائق شاگرد کی عظمت کو ظاہر کرے تاکہ دوسرے لوگ بھی اس کی عزت کریں۔ لیکن ہر حال میں شاگرد کا فرض ہے کہ اپنے استاذ کی توقیر و عظمت میں ذرا بھی کوتاہی نہ ہونے دے)

لاحق و مسبوق پر تکبیر تشریق

مسبوق پر بھی واجب ہے کہ لاحق کی طرح اپنی نماز پوری کرنے کے بعد وہ بھی تکبیر تشریق کہے لیکن اگر مسبوق اور لاحق امام کے ساتھ تکبیر کہہ دے گا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی (باقی یہ کہنا اس کے لئے کافی نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ اس کے لئے بے محل ہے اس کو پھر اپنی بقیہ

نماز پوری کرنے کے بعد کہنا ہوگا) اور اگر مقتدی اپنے امام کے ساتھ لبیک لے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی (اس لئے کہ لبیک آدمیوں کے کلام کے مشابہ ہے کذا فی الشامی)

امام پہلے سجدہ سہو سے ابتداء کرے گا اس لئے کہ اس کا تکبیر تحریمہ کے باقی رہنے کی حالت میں کہنا واجب ہے (کہ نماز کی حالت باقی رہتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ سجدہ سہو میں امام کی اقتداء درست ہے) پھر تکبیر تشریق کہے کہ اس کا بلا فصل کہنا واجب ہے پھر اگر امام احرام باندھے ہو تو وہ لبیک کہے اس لئے کہ لبیک کہنا نماز کی تحریمہ کے اندر یا بلا فصل واجب نہیں ہے کذا فی الخلاصہ۔

ولوالجیہ میں ہے کہ اگر لبیک کہنے سے ابتدا کرے گا تو سجدہ سہو اور تکبیر تشریق کہنا ساقط ہو جائے گا (اس لئے کہ لبیک لوگوں کے کلام کے مشابہ ہے اور اس سے نماز قطع ہو جاتی ہے للذا اس کہنے کے بعد نہ تحریمہ باقی رہے گی جو سجدہ سہو کے لئے شرط ہے اور نہ اتصال باقی رہے گا جو تکبیر تشریق کے لئے ضروری ہے اس وجہ سے دونوں ساقط ہو جائیں گے کذا فی الشامی)

باب الكسوف

مناسبته اما من حيث الاتحاد او التضاد ثم الجمهور على انه بالكاف والخاء للشمس والقمر يصلى بالناس من يملك اقامة الجمعة بيان للمستحب وما فى السراج لابد من شرائط الجمعة الا الخطبة رده فى البحر عند الكسوف ركعتين بيان لاقلها وان شاء اربعا اواكثر كل ركعتين بتسليمة اوكل اربع مجتبىٰ وصفتها كالنفل اى بركوع واحد فى غير وقت مكروه بلا اذان ولااقامة ولا خطبة وينادى الصلوٰة جامعة ليجتمعو وتطيل فيها الركوع والسجود والقراء ة والا جهود والاذكار الذى هو من خصائص النافلة ثم يدعو بعد ها جالساً مستقبل القبلة او قائماً مستقبل الناس والقوم يومنون حتى ينجلى الشمس كلها وان لم يحضر الامام الجمعة صلى الناس فرادى فى منازلهم تحرزاً عن الفتنة كالخسوف للقمر

سورج گہن کی نماز سے متعلق مسائل واحکام

نماز عید اور سورج گہن کی نمازوں کے درمیان مناسبت اتحاد کے اعتبار سے ہے یا ایک کا دوسرے کے [illegible]

حیثیت سے، (اتحاد کا ماحصل یہ ہے کہ عید کی نماز بھی دن میں ہوتی ہے اور سورج گہن کی بھی اسی طرح نہ عید کی نماز کے لئے اذان و تکبیر ہوتی ہے اور نہ سورج گہن کی نماز کے لئے، اور ایک کا دوسرے کی ضد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عید میں خوشی اور امن کا اظہار ہوتا ہے اور سورج گہن میں خوف اور غم کا، اسی طرح عید میں جماعت شرط ہے سورج گہن میں جماعت شرط نہیں ہے، عید میں قرأت بلند آواز سے واجب ہے اور سورج گہن میں آہستہ کذا فی الشامی)

کسوف وخسوف میں فرق

جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ سورج گہن کے لئے کاف کے ساتھ کسوف، کا لفظ آتا ہے اور چاند گہن کے لئے خاء کے ساتھ خسوف، اور بعض کا قول یہ ہے کسوف اور خسوف میں سے ہر ایک لفظ سورج گہن اور چاند گہن دونوں کے لئے بولا جاتا ہے مگر جوہری نے کہا ہے کہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے، سورج گہن کی نماز کا ثبوت قرآن وحدیث سے بھی اور اجماع سے بھی، قرآن پاک میں ہے وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا (ہم نشانیاں نہیں بھیجتے ہیں مگر ڈرانے کے لئے) یعنی تاکہ بندے ڈر کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں اور اس کی طرف رجوع کریں اور اللہ کی طرف رجوع کا سب سے زیادہ بہتر طریقہ نماز ہے، حدیث بخاری میں ہے کہ سورج اور چاند گہن کسی آدمی کی موت کی وجہ سے نہیں ہوا کرتا ہے بلکہ یہ دونوں خدا تعالیٰ کی نشانیاں ہیں جو تم ان کو دیکھو تو نماز پڑھو اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سورج گہن کی نماز پڑھنا ثابت ہے پھر اس نماز پر امت کا اجماع بھی ہے کذا فی الطحطاوی)

نماز سورج گہن

مستحب یہ ہے کہ سورج گہن کی نماز کو وہ شخص پڑھائے جو جمعہ قائم کرنے کا ذمہ دار ہو (جیسے سلطان، قاضی یا نائب قاضی یا آج کل امام جامع مسجد یا ایسا عالم دین جو اس جگہ باوقار ہو) اور سراج نامی کتاب میں یہ جو کہا گیا ہے کہ سورج گہن کی نماز کے لئے وہ تمام صورتیں ضروری ہیں جو جمعہ کے لئے ہیں سوائے خطبہ کے اس کی صاحب بحر الرائق نے تردید کر دی ہے (اور اسبیجابی کے حوالے سے صراحت کی ہے کہ سورج گہن میں سلطان کا ہونا مستحب ہے شرط نہیں ہے)

وہ سورج گہن کی نماز دو رکعت کم از کم پڑھائے گا اور اگر چاہے تو چار رکعت پڑھا سکتا ہے اور اس سے زیادہ بھی مگر دو رکعت یا چار رکعت پر سلام ضرور پھیرے گا ایک تحریمہ سے دو رکعت پڑھے گا یا چار رکعت کذا فی المجتبیٰ، سورج گہن کی نماز نفل کی طرح پڑھی جائے گی ایسے وقت میں جو مکروہ نہ ہو نہ اس کے لئے اذان ہوگی اور نہ تکبیر، نہ خطبہ اور نہ قرأت میں جہر ہوگا اور ایک رکعت میں ایک ہی رکوع کیا جائے گا (امام شافعی کے نزدیک ایک رکعت میں دو رکوع ہیں اور ہمارے نزدیک صرف ایک، اور اگر سورج گہن ایسے وقت میں ہو جس میں نماز مکروہ ہوتی ہے تو اس وقت حکم یہ ہے کہ نماز نہیں پڑھی جائے گی لوگ صرف دعاء میں مشغول ہوں گے (یہ جو قید لگائی کہ سورج گہن والی نماز میں قرأت بلند آواز سے نہیں کی جائے گی یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے اور اسی پر عمل ہے یوں صاحبین قرأت میں جہر (بلند آواز) کے قائل ہیں، حدیث میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ عہد نبوی میں ایک مرتبہ سورج گہن اس دن ہوا جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کی وفات ہوئی، آپ نے اس دن خلاف معمول لوگوں کے اس وہم کو دور کرنے کے لئے خطبہ دیا کہ یہ سورج گہن صاحبزادے کی موت کی وجہ سے نہیں ہوا ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں لہٰذا اس واقعہ سے خطبہ پر استدلال نہیں ہوگا۔ کذا فی الطحطاوی)

نماز کسوف کی اطلاع

سورج گہن کے دن لوگوں کو پکار دیا جائے تاکہ لوگ جمع ہو جائیں یعنی اذان کے بجائے الصلوٰۃ جامعۃ کہہ کر اطلاع کر دی جائے، سورج کی نماز میں قرأت رکوع، سجدے اور دعاء و ذکر کو طول دیا جائے جو نفل نماز کے خواص ہیں، پھر نماز ختم کر کے قبلہ رخ بیٹھ کر یا لوگوں کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر اس وقت تک دعاء کرے، اور سارے لوگ آمین کہیں جب تک آفتاب پورے طور پر روشن نہ ہو جائے یعنی اس کی گئی ہوئی روشنی پلٹ نہ آئے (قرأت کے طول کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ اگر یاد ہو تو پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ پڑھے اور دوسری میں آل عمران اور یہ سورتیں یاد نہ ہوں تو ان کے برابر کوئی دوسری سورتیں، طحطاوی نے لکھا ہے کہ مسنون یہ ہے کہ گہن کا سارا وقت نماز اور دعا میں ختم ہو جائے اور نماز ہلکی اور مختصر ہو تو دعا لمبی کر دے اور دعا مختصر ہو تو قرأت لمبی کر دے، یہ بھی فقہاء نے کہا ہے کہ کھڑے ہو کر لوگوں کی طرف منہ کر کے دعا مانگنا بہتر ہے مگر دعاء کے لئے منبر پر نہ چڑھے)

امام جمعہ نہ ہو تو کون امامت کرے

اگر سورج گہن کے موقع سے جمعہ کا امام حاضر نہ ہو سکے (یا وہ شخص نہ ہو) جس کی ذمہ داری پر جمعہ ادا ہوتا ہے تو لوگ تنہا تنہا اپنے اپنے گھروں میں سورج گہن کی نماز پڑھیں گے، تاکہ جھگڑے سے محفوظ رہ سکیں (جس طرح چاند گہن میں (رات ہونے کی وجہ سے) تنہا تنہا پڑھا کرتے ہیں، (منشاء یہ ہے کہ جب بڑے مجمع میں کوئی ذمہ دار نہیں ہوتا ہے تو عموماً جھگڑے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے، اس سے بچنے کے لئے الگ الگ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے)

(سورج گہن میں جامع مسجد کے امام یا دوسرے ذمہ داروں کی اجازت سے محلہ کی مسجد کا امام بھی امامت کر سکتا ہے)

والریح الشدیدۃ والظلمۃ القویۃ نہارا والضوء القوی لیلا والفزع الغالب ونحو ذلک من الآیات المخوفۃ کالذلازل والصواعق والثلج والمطر الدائمین وعموم الامراض ومنہ الدعاء برفع الطاعون وقول ابن حجر بدعۃ ای حسنۃ وکل طاعون وباء ولا عکس وتمامہ فی الاشباہ وفی العینی صلوۃ الکسوف سنۃ واختار فی الاسرار وجوبہا وصلوٰۃ الخسوف حسنۃ وکذا البقیۃ وفی الفتح واختلف فی استنان صلوٰۃ الاستسقاء فلذا اخرھا.

بوقت سخت آسمانی حادثہ نماز

بہت تیز آندھی خواہ دن میں ہو خواہ رات میں، اسی طرح دن میں جب سخت تاریکی ہو جائے یا رات میں سخت روشنی ہو جائے اور جب دشمن وغیرہ کا خوف غالب ہو جائے یا اور کوئی خوفناک حوادث پیش آجائے جیسے سخت زلزلہ، بجلی کی کڑک، مسلسل برف باری، مسلسل سخت بارش، اور وبائی امراض کے عام ہونے کے وقت بھی تنہا تنہا نماز پڑھیں گے اور اسی میں یہ بھی داخل ہے کہ طاعون کی وجہ سے دو رکعت نفل پڑھ کر دعاء کی جائے اور ابن حجرؒ نے جو یہ کہا ہے کہ یہ بدعت ہے اس کی مراد بدعت حسنہ ہے، ہر طاعون وبا ہے لیکن ہر وبا طاعون نہیں، اس کی پوری تفصیل اشباہ میں مذکور ہے (حدیث میں ہے جب کوئی سخت ہیبتناک وقت ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے، اور اللہ تعالیٰ سے دعاء فرماتے، بارش رحمت ہے مگر جب مسلسل ہو تو وہ بلا ہو جاتی ہے۔

نماز کسوف وخسوف عینی میں ہے کہ سورج گہن کی نماز سنت ہے اور اسرار نامی کتاب میں اس کو ترجیح دیا ہے کہ واجب ہے، اور چاند کی نماز مستحسن ہے اور ایسی بقیہ نمازیں جو آندھی وغیرہ کے موقع پر پڑھی جاتی ہیں جن لوگوں نے نماز کسوف (سورج گہن) کو واجب کہا ہے انھوں نے حدیث کے صیغہ امر سے استدلال کیا ہے اور صاحب فتح القدیر نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں امر کا صیغہ استحباب کے لئے ہے کذا فی الطحطاوی)

فتح القدیر میں ہے کہ نماز استسقاء کے مسنون ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ مصنف نے اس باب کو باب الکسوف کے بعد رکھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب الاستسقاء

هو دعاء واستغفار لانه السبب لارسال الامطار بلا جماعة مسنونة بل هی جائزة وبلاخطبة وقالا تفعل كالعيد وهل يكبرالزوائد خلاف وبلا قلب رداء خلا فا لمحمد وبلا حضور ذمی وان كان الراجح ان دعاء الكافر قد يستجاب استدراجا واما قوله تعالى وما دعاء الكافرين الا فی ضلال ففی الآخرة شروح مجمع وان صلوا فرادیٰ جاز فهی مشروعة للمنفرد وقول التحفة وغيرها ظاهر الرواية لا صلوٰة ای بجماعة ويخرجون ثلثة ايام لانه لم ينقل اكثر منها متتابعات ويستحب للامام ان يامرهم بصيام ثلثة ايام قبل الخروج وباالتوبة ثم يخرج بهم فی الرابع مشاة فی ثياب غسييلة اومرقعة متذللين متواضعين خاشين لله ناكسين رؤوسهم ويقدمون الصدقة فی كل يوم قبل خروجهم ويجددون التوبة ويستغفرون للمسلمين وليستقون بالضعفاء والشيوخ واالعجائز والصبيان ويبعدون الاطفال عن امهاتهم ويستحب اخراج الدواب والاولى خروج الامام معهم وان خرجوا باذنه او بغيراذنه جاز ويجتمعون فی المسجد بمكة وبيت المقدس ولم يذكر المدينة كانه لضيقه وان دام المطر حتي اضر فلا باس بالدعاء بجسه وصرفه حيث

ینفع وان سقوا قبل خروجھم ندب ان یخرجوا شکر الله تعالیٰ۔

باران رحمت کی طلب کا بیان

(اس باب کی پہلے باب سے مناسبت ظاہر ہے کہ ان دونوں میں لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے، استسقاء کا معنی لغت میں ہے دوسرے سے پانی دینے کی درخواست، اور شریعت میں استسقاء کہتے ہیں خشک سالی کے موقع پر مخصوص طور پر اللہ تعالیٰ سے پانی برسانے کی درخواست کرنا، اور یہ ایسی جگہ مشروع ہے جہاں کھیتوں کے سینچنے اور چوپایوں کے پانی پلانے کے لئے جھیلیں اور نہریں نہ ہوں، یا ہوں مگر وہ کافی نہ ہوں، اور اگر وہ کافی ہوں تو پھر دعاء کے لئے باہر نہیں جانا چاہئے کذا فی الطحطاوی)

نماز استسقاء استسقاء اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی اور اپنے گناہوں کی معافی کی درخواست ہے اس لئے دعاء واستغفار بادل کے برسنے کا سبب ہے ہوتا ہے (یعنی امام کھڑا ہو کر قبلہ رو ہو کے ہاتھوں کو اٹھا کر دعا مانگے اور دوسرے لوگ قبلہ رو بیٹھے ہوئے آمین کہتے جائیں، اور امام دعاء میں یہ الفاظ کہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثاً من مغيث هَنِيأً مَرِيْئاً غَدَقًا عَاجِلاً غَيْرَ رَائِثٍ مُجَلِلاً سَيْحا طَبَقاً دَائِماً۔ یا اسی طرح کے دوسرے الفاظ کے ساتھ۔ دعاء آہستہ اور بلند آواز دونوں طرح کر سکتا ہے اور استغفار کو جو بارش کا سبب کہا گیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے فَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّاراً يُرْسِلُ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَاراً۔ اس آیت میں استغفار کو بادل کے برسنے کا سبب فرمایا گیا ہے کذا فی الطحطاوی)

نماز استسقاء کا طریقہ استسقاء یعنی پانی طلب کرنا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بغیر جماعت مسنون اور بلا خطبہ کے ہے۔ البتہ اس میں جماعت جائز ہے مکروہ نہیں ہے اور صاحبین کہتے ہیں کہ اس میں دعاء عید کی طرح کی جائے یعنی امام اذان تکبیر کے بغیر پہلے دو رکعت نماز جہر کے ساتھ پڑھائے پھر زمین پر کھڑا ہو اعصا کے سہارے سے خطبہ دے اور اس کے اکثر حصہ میں گناہوں سے معافی کی درخواست ہو۔ باقی تکبیر زوائد کہنے کے باب میں اختلاف ہے امام محمدؒ کہتے ہیں زوائد تکبیریں بھی کہیں جائیں گی مگر صاحبین سے روایت یہ آئی ہے تکبیر زوائد نہیں کہی جائیں گی کذا فی الشامی)

چادر کا پلٹنا اور دعاء کرتے وقت چادر کو پلٹا نہیں جائے گا البتہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ چادر پلٹی جائے گی، یعنی خطبہ کا کچھ حصہ پڑھ کر چادر اس طرح پلٹے کہ دایاں کنارہ بائیں طرف آجائے اور بایاں کنارہ دائیں جانب، نیچے کا رخ اوپر آجائے اور اوپر والا نیچے، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا۔ شامی نے لکھا ہے کہ فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے اور چادر صرف امام پلٹے گا، مقتدی نہیں پلٹے گا۔

نماز استسقاء میں ذمی کی شرکت کی بحث نماز استسقاء میں ذمی کافر حاضر نہیں ہوں گے اگرچہ راجح یہ ہے کہ کافر کی دعا بھی کبھی [illegible] عادت قبول کی جاتی ہے اور قرآن پاک میں جو یہ آیت آئی ہے وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِيْنَ اِلاَّ فِيْ ضَلاَلٍ (کافروں کی دعاء نہیں ہے مگر بھٹکنا) تو یہ آخرت کے سلسلہ

میں ہے کذا فی شروح مجمع (اس باب میں اختلاف ہے کہ کافر کی دعاء قبول ہوتی ہے یا نہیں بعض کہتے ہیں کہ قبول نہیں ہوتی اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ قبول ہوتی ہے چنانچہ جو قرآن میں ہے کہ شیطان جو سب سے بڑا کافر ہے اس نے اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگی اور وہ قبول ہوئی اور صدر شہید نے کہا ہے فتویٰ اسی پر ہے کہ کافر کی دعاء بھی قبول ہوتی ہے خصوصاً جب کہ وہ مظلوم ہو اور حدیث میں بھی ہے کہ مظلوم کی دعاء قبول ہوتی ہے گو وہ کافر ہو کذا فی الطحطاوی)

نماز استسقاء تنہا تنہا

استسقاء کی نماز اگر لوگ اکیلے اکیلے پڑھیں تو یہ بھی جائز ہے اس لئے نماز دراصل تنہا ہی کے لئے مشروع ہوئی ہے اور تحفہ وغیرہ نامی کتابوں میں جو یہ آیا ہے کہ ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ استسقاء میں نماز نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز نہیں ہے۔

بارش کے لئے تین دن تک نکلا جاسکتا ہے

لوگ استسقاء (طلب پانی) کے لئے تین دنوں تک مسلسل نکلیں گے اس سے زیادہ دنوں کے لئے باہر نکلنا منقول نہیں ہے اور امام کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ لوگوں سے کہیں کہ نکلنے سے پہلے تین دن تک روزہ رکھیں اور گناہوں سے توبہ کریں، پھر چوتھے دن امام ان لوگوں کو لے کر باہر چٹیل میدان میں جائے، اور سب کے سب پیدل چل کر جائیں ان کے بدن پر پرانے یا پیوند لگے ہوئے کپڑے ہوں، یہ سب اپنی صورتیں عاجزی اور پریشان حال لوگوں کی سی بنائے ہوئے ہوں اور خشوع و خضوع ان پر طاری ہو، اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے آگے گردنیں جھکی ہوئی ہوں۔

تین مقامات میں صحرا کے بجائے مسجد میں اجتماع

(جنگل اور صحرا میں جانے کا حکم مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اور بیت المقدس کے لوگوں کے لئے نہیں بلکہ ان تین مقامات کے علاوہ آبادیوں کے باشندوں کے لئے ہے، باقی ان جگہوں میں تو افضل مساجد بیت اللہ، مسجد نبوی اور بیت المقدس موجود ہیں یہ لوگ اپنی اپنی ان مسجدوں میں دعا کے لئے جائیں گے)

بارش کے لئے صحرا میں جانے سے پہلے صدقہ

ان تین دنوں میں جن میں عوام و خواص پانی کی دعا کے لئے آبادی سے باہر جائیں گے، ان میں یہ جانے سے پہلے ہر دن بقدر وسعت صدقہ کریں اور ہر دن از سر نو توبہ کریں اور مسلمانوں کے لئے استغفار کریں اور پھر ضعیفوں، بوڑھوں اور بچوں کے ذریعہ پانی برسانے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور چھوٹے بچوں کو ان کی ماؤں سے علیحدہ رکھیں (حدیث میں ہے کہ رزق تمہارے ضعیفوں کی بدولت ملتا ہے اس لئے فقہاء نے حکم دیا ہے کہ ان لوگوں کو دعا میں بھی آگے رکھیں اور بچے معصوم ہوتے ہیں ان کی دعاء قبول ہوتی ہے اس لئے ان کو بھی آگے رکھیں، بوڑھے اور ضعیف دعاء کریں، اور جوان اور بچے آمین کہیں اور ان کی وجہ سے لوگوں پر گریہ طاری ہو اور چھوٹے بچوں کو ماں سے جدا رکھنے میں بھی یہی مصلحت ہے دل نرم ہوں رقت طاری ہو، آہ و بکاء کا سماں پیدا ہو)

جانوروں کا باہر نکالنا

ان دنوں میں جانوروں کا باہر نکالنا بھی مستحب ہے کہ ان کی وجہ سے بھی رحمت خداوندی جوش میں آتی ہے (قحط سے یہ جانور بھی متاثر ہوتے ہیں اور اس زمانہ میں یہ بھی ہر طرح

قابل رحم ہوتے ہیں۔

بہتر یہ ہے کہ امام بھی عوام وخواص کے مجمع کے ساتھ ہی میدان اور صحرا جائیں اور اگر عوام وخواص امام کی اجازت سے باہر نکلیں یا اس کی اجازت کے بغیر تو بھی درست ہے، اس کے نکلنے پر موقوف نہیں ہے۔

مکہ مکرمہ، بیت المقدس اور مدینہ منورہ میں بارش کے لئے دعاء کی جگہ

مکہ مکرمہ میں جب استسقاء کے لئے جمع ہوں تو سب مل کر مسجد حرام میں آئیں اور بیت المقدس کے لوگ مسجد اقصیٰ میں اور مدینہ منورہ کے مسجد نبوی میں، ماتن نے مدینہ کو شاید اس لئے ذکر نہیں کیا کہ اس کی مسجد تنگ رہی ہے (مگر اب وہ بھی بہت وسیع اور کشادہ ہے، شامی نے لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں بارش کی دعا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کی جائے اور چوپایوں کو بوقت دعا ان مسجدوں کے باہر دروازوں پر کھڑا کیا جائے۔

مضر بارش کے بند ہونے کی دعاء

اگر کبھی مسلسل بارش ہو جس سے نقصان کا خطرہ پیدا ہو جائے اس وقت اس بارش کے بند ہونے کی دعا کرنے میں بھی مضائقہ نہیں ہے اور اس دعا کرنے میں کہ اللہ تعالیٰ اس بارش کو وہاں برسائیں جہاں مفید ہو (اس طرح دعاء کیجئے الہ العالمین (اسوقت جہاں بارش مفید ہو، وہاں برسا اور یہاں سے اس کو دوسری طرف منتقل فرمادے۔

نکلنے سے پہلے بارش پر شکریہ

اگر بارش کی دعاء کے لئے باہر جانے والے ہی تھے کہ بارش شروع ہو گئی تو مستحب یہ ہے کہ پھر بھی اللہ تعالیٰ کی شکر گذاری کے لئے باہر میدان میں جائیں (اور اس نعمت وفضل خداوندی کا وہاں جاکر شکریہ ادا کریں تاکہ خاطر خواہ بارش ہو)

باب صلوٰۃ الخوف

من اضافة الشیء لشرطه هی جائزة بعده علیه السلام عندهما ای عند ابی حنیفة ومحمد رحمهما الله تعالیٰ خلافا للثانی بشرط حضور عدو یقیناً فلو صلوا علی ظنه فبان خلافه اعاد واو سبع اوحیة عظیمة ونحوها وحان خروج الوقت کما فی مجمع الانهر ولم اره لغیره فلیحفظ قلت ثم رایت فی شرح البخاری للعینی انه لیس بشرط الا عندا لبعض عند التحام الحرب فیجعل الامام طائفة بازاء العدوارها باله ویصلی باخری رکعة فی الثنائی ومنه الجمعة والعید ورکعیتن فی غیره لزوما وذهبت الیه وجاء ت الاخری

فصلے بھم مابقی وسلم وحدہ وذھبت الیہ ندبا وجاء ت الطائفة الاولیٰ
واتموا صلوٰتھم بلا قراء ة لانھم لاحقون وسلموا ثم جاء ت الطائفة الاخریٰ
واتموا صلوتھم بقراء ة لانھم مسبوقون وھذا ان تنازعوا فی الصلوٰة خلف
واحدٍ والا فالافضل ان یصلی بکل طائفة امام وان اشتد خوفھم وعجزوا عن
النزول صلوا رکبانا فرادیٰ الا اذا کان ردیفا للامام فیصح الاقتداء بالایماء
الی جھة قدرتھم للضرورة وفسدت بمشیء بغیر اصطفاف وسبق حدث
ورکوب مطلقا وقتال کثیر لابقلیل کرمیة سھم والسابح فی البحر ان امکنہ
ان یرسل اعضاء ہ ساعة صلی بالایماء والا لا تصح کصلوٰة الماشی
والسالفُ وھو یضرب بالسیف ۔

حالت خوف اور جنگ میں نماز کے احکام ومسائل

بارش رُک جانے کیوجہ سے جب انسان خوف میں مبتلا ہوتا ہے تو بارش کے لئے دعا کرتا ہے تو استسقاء میں بھی خوف ہے اور جنگ اور خوف کا موقع تو خوف ہے ہی، یہی وجہ ہے کہ یہاں استسقاء کے بعد "صلوٰۃ خوف" کا بیان شروع کیا، شارح نے بتایا کہ صلوٰۃ الخوف میں شئی کی اپنی شرط کی طرف اضافت ہے یعنی یہ نماز اس وقت ہوگی جب خوف پایا جائے گا۔

آنحضرتؐ کے بعد نماز خوف کی اجازت

امام ابو حنیفہؒ وامام محمدؒ کے نزدیک نماز خوف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی جائز ہے شرط یہ ہے کہ دُشمن یقینی طور پر موجود ہو یا درندہ ہو یا اژدہا سانپ ہو یا اس جیسی دوسری خوفناک چیز ہو اور یہ نماز خوف اس وقت درست ہے جب کہ وقت ختم ہو رہا ہو جیسا کہ مجمع الانہر میں ہے، شارح کہتے ہیں یہ قید کسی اور کے کلام میں نہیں دیکھی۔ لہٰذا اسے یاد رکھا جائے، پھر عینی کی شرح بخاری میں دیکھا کہ وقت کا اخیر ہونا اس نماز خوف کے لئے شرط نہیں ہے البتہ بعض کے نزدیک وقت کے قریب الختم ہونے کو اس وقت شرط قرار دیا ہے جب کہ لڑائی اور قتال جاری ہو۔ شارح نے یہ بھی لکھا ہے کہ دشمن کی موجودگی میں یقین کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اگر لوگوں کو صرف دشمن کا اندیشہ ہو اور اس اندیشے کی وجہ سے صلوٰۃ الخوف ادا کریں اور بعد میں معلوم ہو کہ اندیشہ صحیح نہیں تھا اور دشمن موجود نہیں تھے۔ تو یہ نماز دوبارہ ازسر نو سب کے سب ادا کریں گے۔

امام ابو یوسفؒ کا مسلک

(امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صلوٰۃ خوف جائز نہیں ہے،) آپ کی موجودگی میں آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کا جو ثواب ہے وہ دوسرے کے پیچھے حاصل نہیں ہو سکتا تھا اس لئے صلوٰۃ خوف کی اجازت تھی کہ ہر ایک کو آپ کے پیچھے نماز ادا کرنے کا موقع مل سکے۔ اب آپ کے بعد یہ بات جاتی رہی، اب دو جماعت ہو سکتی ہے لہٰذا اب اس طور پر ادا کرنا جائز نہ ہوگا مگر فتویٰ امام ابو حنیفہؒ وامام محمدؒ کے قول پر ہی

ہے جو پہلے نقل ہوا)

موقع جنگ میں صلوٰۃ خوف

صلوٰۃ خوف جنگ میں اس طرح ادا ہو گی کہ امام ایک گروہ دشمن کے مقابلہ میں کردے گا کہ وہ خوف زدہ رہیں اور دوسرے گروہ کو بطور وجوب دو رکعت والی نماز میں ایک رکعت اور دو رکعت سے زیادہ والی نمازوں میں دو رکعت پڑھائے گا، جمعہ اور عید کی نماز دو رکعت والی میں داخل ہے، پہلا گروہ جس کو امام نے ایک یا دو رکعت پڑھائی ہے وہ دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے گا اور دوسرا گروہ جو وہاں مقابلہ میں تھا یہاں امام کے پیچھے نماز کے لئے آجائے گا اور امام ان کو بقیہ رکعت پڑھا کر تنہا سلام پھیر دے گا، اب مستحب یہ ہے کہ یہ دوسرا گروہ یہاں آجائے اور وہ سب بغیر قرأت اپنی اپنی نماز پوری کریں گے اور سلام پھیر کر ختم کریں گے، بغیر قرأت اس لئے پڑھیں گے کہ یہ لوگ لاحق کے حکم میں ہیں پھر دوسرا گروہ جس نے بعد میں امام کے ساتھ شرکت کی ہے وہ آئے گا اور وہ لوگ اپنی اپنی نماز قرأت کے ساتھ پوری کریں گے اس لئے کہ یہ لوگ مسبوق کے حکم میں ہیں۔

دونوں گروہ کیسے نماز ادا کریں

پہلا گروہ دو رکعت والی نماز میں ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھے گا اور پہلی رکعت کے دوسرے سجدے سے اٹھتے ہی دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے گا اور چار اور تین رکعت والی نماز میں پہلا گروہ امام کے ساتھ دو رکعت پڑھے گا اور التحیات سے فارغ ہو کر دشمن کے مقابلہ میں جائے گا۔ دوسرا گروہ آکر دو رکعت والی میں آخر کی ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھے گا اور تین رکعت والی میں بھی قعدہ اخیرہ میں امام کے ساتھ بیٹھے گا اور امام تنہا سلام پھیر دے گا تو پھر دشمن کے مقابلہ میں جائیں گے مگر یہ جانا ان کے لئے مستحب ہے واجب اور فرض نہیں، اگر فوراً نہ جائیں بلکہ امام کے سلام کے بعد وہ سب اسی جگہ اپنی بقیہ نماز پوری کرلیں تو ان کے لئے یہ بھی درست ہے۔

بوقت خوف نماز عید

عید کی قید سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ خوف صرف فرض نمازوں میں مختصر نہیں ہے بلکہ واجب نماز میں بھی ہوتی ہے مسافر دو رکعت والی نماز میں شمار ہو گا دشمن کے مقابلہ میں ایک رکعت کے بعد جانا پیدل ہو گا اور سوار ہو کر جائیں تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ واللہ اعلم)

صلوٰۃ خوف میں دو امام کی اجازت

صلوٰۃ خوف کا اس طرح پڑھنا جو اوپر بتایا گیا اس صورت میں ہے جب کہ مقتدی ایک امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے جھگڑا کریں، ورنہ افضل یہ ہے کہ ہر گروہ علیحدہ امام کے ساتھ نماز پڑھے (یعنی ایک گروہ دشمن کے مقابل ہو اور دوسرا گروہ اپنا ایک امام بنا کر اس کے پیچھے اپنی پوری نماز پڑھ لے پھر فارغ ہو کر یہ دشمن کے مقابل گروہ آکر اپنا دوسرا امام بنائے اور اس کے ساتھ پوری نماز ادا کرے۔

زیادہ خوف کیوقت سواری پر نماز

اور اگر بہت زیادہ خوف ہو اور سواری سے اترنا ان کے لئے دشوار ہو اور وہ اس پر قادر نہ ہوں تو یہ سب کے سب تنہا تنہا سوار ہو کر ہی نماز ادا کریں رکوع اور سجدے کے لئے سر سے اشارہ کریں اور جس سمت رُخ کر کے پڑھنا ممکن ہو، اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں کہ ایسے وقت مجبوری ہے اس کا تقاضا یہی ہے، البتہ جو شخص امام کی سوار کے پیچھے اس کے ساتھ بیٹھا ہو اس کے لئے درست ہے کہ

وہ حالت سواری میں امام کی اقتدا کرے اس لئے کہ دونوں کی جگہ متحد ہے۔

سواری پر نماز کب فاسد ہوتی ہے

سواری پر جو نماز پڑھی جا رہی ہے وہ اترنے سے فاسد ہو جاتی ہے اگر وہ اترا دشمن کے سامنے صف باندھنے اور وضو ٹوٹنے کی وجہ سے نہیں ہے، اسی طرح وہ نماز بہت قتال سے بھی فاسد ہو جاتی ہے معمولی قتال سے فاسد نہیں ہوگی، کیونکہ یہ عمل قلیل ہے اور بہت لڑنا عمل کثیر ہے اس لئے اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

دریا میں تیرنے والے کی نماز

جو شخص دریا میں تیر رہا ہو، اگر اس کے لئے اپنے اعضاء کو ایک ساعت ڈھیلا کرنا ممکن ہو تو وہ اشارہ سے اسی حالت میں نماز پڑھ لے، ورنہ اس کی نماز ایسے مسلسل تیرنے کی حالت میں درست نہیں ہوگی کہ اس کے اعضاء ڈھیلے نہ ہو سکیں جیسے اس شخص کی نماز درست نہیں ہوتی ہے جو پیدل چل رہا ہے اور اسی چلنے کی حالت میں نماز پڑھے، اور اس تلوار چلانے والے کی نماز بھی درست نہیں جو تلوار مار رہا ہو اور اسی حالت میں نماز پڑھے، (منشایہ ہے کہ تیرنے والے کو پانی سے نکل کر نماز پڑھنے کا موقع نہ ہو اسی طرح تلوار چلانے والے کو جب موقع نہ ہو تو یہ حکم ہے)

فروع الراكب ان كان مطلوبا تصح صلوٰته وان كان طالبا لالعدم خوفه شرعوا ثم ذهب العدو لم يجز انحرافهم وبعكسه جاز لا تشرع صلوٰة الخوف للعاصى فى سفره كما فى الظهيرة وعليه فلا تصح من البغاة صح انه عليه الصلوٰة والسلام صلاها فى اربع ذات الرقاع وبطن نخل وعسفان وذى قرد۔

چند جزئیات

شارح کی طرف سے اضافہ کردہ مسائل، اگر کوئی سوار ہو اور دوسرا اس کے پیچھے اس کو پکڑنے آ رہا ہو تو اس صورت میں سواری پر اس کی نماز درست نہیں ہے اس وجہ سے کہ اس کو کوئی خوف نہیں (اتر کر نماز پڑھ سکتا ہے)

صلوٰۃ خوف شروع کرنے کے بعد جب دشمن چلا جائے

کچھ لوگوں نے صلوٰۃ خوف شروع کی نماز جب شروع ہو چکی تھی کہ دشمن چلا گیا تو اس صورت میں ان سب کا اپنی جگہ سے ٹلنا جائز نہیں ہے جو گروہ جہاں ہو اس کو وہیں نماز ادا کر لینا چاہئے اور اگر اس کے برعکس ہو یعنی جب نماز شروع کی تھی تو دشمن کا کوئی خوف نہیں تھا، لیکن ابھی نماز ہی کی حالت میں تھا کہ دشمن کا خوف سامنے آ گیا تو اس صورت میں کچھ لوگ اسی حالت میں دشمن کے مقابلہ میں چلے جائیں گے تو بھی نماز ہو جائے گی، یہ جانا نماز کے لئے مخل نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ جانا ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے ہے کذا فی الطحطاوی)

سفر معصیت والے اور باغیوں کے لئے صلوٰۃ خوف جائز نہیں

جو شخص سفر معصیت کرے

یعنی وہ گنہ کے ارادہ سے سفر کر رہا ہو جیسے ڈکیتی اور چوری کی نیت سے تو اس کے لئے صلوٰۃ خوف جائز نہیں ہے جیسا کہ ظہیریہ میں آیا ہے اور اسی بنیاد پر باغیوں کے لئے صلوٰۃ خوف کا پڑھنا جائز نہیں ہے،

صلوٰۃ خوف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چار مقام پر نماز خوف پڑھنا ثابت ہے (١) غزوۂ ذات الرقاع میں آپ نے صلوٰۃ خوف پڑھی (اس غزوہ میں صحابہ کرام کے پاؤں زخمی ہو گئے اور ناخن گر گئے تھے اس کی وجہ سے انہیں پاؤں پر چیتھڑے لپیٹنے پڑے تھے اور اسی وجہ سے اس کا نام "ذات الرقاع" ہوا اس لئے کہ رقاع چیتھڑے اور پیوند کو کہتے ہیں ٣ھ میں غزوۂ خندق سے پہلے ہوا تھا (٢) بطن نخل میں بھی آپ نے صلوٰۃ خوف پڑھی تھی (بطن نخل ایک جگہ کا نام ہے)۔(٣) غزوہ عسفان میں بھی آپ نے نماز خوف پڑھی (یہ جگہ مکہ مکرمہ سے دو منزل کی دوری پر واقع ہے)(٤) غزوہ ذی قرد میں نماز خوف پڑھی (یہ جگہ مدینہ منورہ سے قریب ہے اس کو غزوہ غابہ بھی کہتے ہیں یہ غزوہ سن ٦ھ میں ہوا ان چار غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف پڑھی ہے)

(طحطاوی میں امداد الفتاح سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف چوبیس پڑھی اور یہاں صرف چار غزواۃ کا ذکر ہے تو ان میں تطبیق کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آپ نے غزوات میں سے صرف چار غزوات میں ہی نماز خوف پڑھی ہے باقی بیس مرتبہ دوسری جگہوں میں پڑھی ہو گی، یا صرف ان چار جگہوں میں ہی کل نمازوں کو ملا کر چوبیس نمازیں پڑھی ہوں۔ واللہ اعلم۔

بَابُ صلوٰۃ الجنازۃ

من اضافة الشیء الیٰ وهی بالفتح المیت وبالکسر السریر وقیل لغتان والموت صفة وجودیة خلقت لضد الحیوۃ وقیل عدمیة یوجه المحتضر وعلامته استرخاء قدمیه واعو جاج منخره وانخساف صدغیه القبلة علی یمنینه وهو السنة وجاز الاستلقاء علی ظهره وقد ماه الیها وهو المعتاد فی زماننا ولکن یرفع راسه قلیلا لیتوجه للقبلة وقیل یوضع کما تیسرعلی الاصح صححه فی المبتغی وان شق علیه ترک علی حاله والمرجوم لا یوجه معراج ویلقن ندبا وقیل وجوباً بذکر الشهادتین لان الاولی لا تقبل بدون الثانیة عنده قبل الغرغرة واختلف فی قبول توبة الیاس والمختار قبول توبة لا

ایمانه والفرق فی البزازیة وغیرها من غیر امره به لئلا یضجر واذا قالها مرة کفاه ولا یکرر علیه مالم یتکلم لیکون اخر کلامه لا اله الا الله ویندب قراءة لیس ورعد ولا یلقن بعد تلحیده وان فعل لا ینهی عنه وفی الجوهره انه مشروع عند اهل السنة ویکفی قوله یا فلان باابن فلان اذکر ما کنت علیه وقل رضیت بالله ربا وبا الاسلام دینا وبمحمد نبیاً قیل یارسول الله و ان لم یعرف اسمه قال ینسب الی آدم وحوا ومن لا یسال یبنغی ان لا یلقن والاصح ان الانبیاء علیهم السلام لا یسألون والاطفال المؤمنین وتوقف الامام فی اطفال المشرکین وقیل هم خدم اهل الجنة۔

نمازجنازہ سے متعلق احکام ومسائل

نماز خوف کے بعد نماز جنازہ کی مناسبت ظاہر ہے کہ خوف وقتال کا انجام عموماً موت کی صورت میں سامنے آتا ہے، للذا اس اعتبار سے موت سے یہ قریب تھا، پھر یہ کہ نماز جنازہ انسان کا آخری انجام ہے اور یہ نماز جنازہ دوسری نمازوں سے ممتاز بھی ہے کیونکہ اس نماز میں نہ رکوع ہے نہ سجدہ، نہ قرأت ہے اور نہ اذان، اور نہ تکبیر، اس لئے نمازوں کا بیان ختم کر کے اخیر میں اس نماز جنازہ کا باب رکھا۔

صلوٰۃ الجنازہ شارح نے بتایا کہ صلوٰۃ الجنازہ میں شئ کی اضافت اس شئ کے سبب کی طرف ہے یعنی یہاں میت ہی نماز کا سبب ہے، پھر یہ بتایا کہ لفظ ''جنازۃ'' جیم کے زبر کے ساتھ ہو تو اس کا معنی میت ہے اور اگر جیم کو زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو وہ تخت کے معنی میں ہے جس کو تابوت بھی کہتے ہیں، اور جس پر مردہ کو لٹاتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ جنازہ خواہ جیم کے زبر کے ساتھ ہو، خواہ زیر کے ساتھ، دونوں کے معنی مردہ کے آتے ہیں کذافی الشامی۔

موت وجودی صفت ہے یا عدمی موت ایک وجودی صفت ہے جو زندگی کے مقابل پیدا کی گئی ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ موت عدمی صفت ہے اس لئے کہ زندہ چیز سے حیات کو نیست کر دینے کا نام موت ہے، لفظ موت میں اختلاف ہے کہ یہ وجودی ہے یا عدمی، وجودی کہنے والوں کی دلیل یہ آیت خَلَقَ المَوْتَ وَالْحَيَاةَ اللہ تعالیٰ نے موت کو بھی وجود بخشا اور زندگی کو بھی، لیکن ان دونوں میں مقابلہ ضدین ہے دونوں جمع نہیں ہو سکتے، اور جو موت کو عدمی کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ زندگی سے جب حیات معدوم ہو جاتی ہے تو اسی کا نام موت ہوتا ہے للذا موت وحیات میں عدم اور ملکہ کا مقابلہ ہے اور اکثر نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے)

موت کی علامتیں جو شخص موت کے قریب پہونچ چکے سنت یہ ہے کہ اس کا چہرہ دائیں کروٹ کر کے قبلہ کی طرف پھیر دیا جائے، موت کے قریب ہونے کی پہچان یہ ہے کہ اس کے دونوں پاؤں ڈھیلے

پڑجائیں، اور اس کی ناک کا بانسا ٹیڑھا ہو جائے اور کنپٹیاں اندر کو دھنس جائیں محتضر باب افتعال سے اسم مفعول کا صیغہ ہے وہ شخص جس کے لئے موت موجود ہو جائے یا جس کے پاس موت کے فرشتے آموجود ہوں۔

قریب الموت کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اس کو چت پیٹھ کے بل لٹادیا جائے، اس طرح اس کے دونوں پیر قبلہ کی طرف ہوں، لیکن اس کا سر تھوڑا سا اونچا کر دیا جائے تاکہ چہرہ قبلہ کی طرف ہو جائے، شارح نے بتایا کہ ہمارے زمانہ میں اسی طرح لٹانا مروج ہے اور ایک قول یہ ہے کہ جیسے بھی سہولت ہو کیا جائے، مگر چہرہ قبلہ کی طرف ہو، صحیح تر مذہب اس باب میں یہی ہے۔ مجتبیٰ نامی کتاب میں اس قول کی تصحیح کی ہے، اور اگر قریب الموت شخص کو قبلہ رخ کرنے میں تکلیف اور اذیت ہو تو اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے، وہ شخص جس کو زنا کاری کی سزا کی وجہ سے سنگسار کیا گیا ہو اس کو قبلہ رخ نہیں کیا جائے گا اور ایسا معاملہ اس کے ساتھ زجراً کیا جائے گا۔ تاکہ دوسرے کو عبرت ہو۔

موت کے وقت شہادتین کی تلقین

مرتے وقت مستحب یہ ہے کہ مرنے والے کو شہادتین کی تلقین کی جائے اور بعضوں نے کہا کہ تلقین کرنا ان پر واجب ہے مگر یہ غرغرہ سے پہلے کیا جائے اس وجہ سے کہ پہلی شہادت دوسرے کے بغیر قبول نہیں ہوتی (تلقین کی مراد یہ ہے کہ مرنے والے کے پاس جو لوگ موجود ہوں وہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰه اس طرح پڑھیں کہ وہ آواز اس کے کان میں جائے اور یہ بھی ان کلمات کو بطور خود دہرا کر رطب اللسان ہو، بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ صرف لا الٰہ الا اللہ کی تلقین ہو، اور بعض نے دونوں جز کی تلقین کو کہا ہے، لا الٰہ الا اللہ بھی، اور محمد رسول اللہ بھی)

جان کنی کے وقت کی توجہ

جان کنی کے وقت کی توبہ قبول ہوتی یا نہیں اس میں اختلاف ہے مذہب مختار یہ ہے کہ اس کی توبہ مقبول ہوتی ہے البتہ اس وقت کا ایمان مقبول نہیں ہے اور ان دونوں کا فرق بزازیہ وغیرہ میں مرقوم ہے اس حالت میں ایمان کے سلسلہ میں قرآن میں صراحت ہے فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ان کا ایمان ان کو اس وقت کام نہیں آیا جب انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا، اور توبہ کے سلسلہ میں ارشاد ربانی ہے هُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ اللہ تعالیٰ وہ ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے)

تلقین شہادتین کی صورت

مگر مرنے والے کو تلقین کی وقت کلمہ شہادت کے پڑھنے کا حکم نہیں دیا جائے گا (بلکہ صرف نزدیک والے خود ہلکی آواز کے ساتھ پڑھیں گے پڑھنے کا حکم اس لئے نہیں دیا جائے گا کہ ہو سکتا ہے کہ دق ہو کر کہیں اپنی اس وقت کی تکلیف کی وجہ سے پڑھنے سے انکار نہ کر دے۔ جب قریب المرگ ایک مرتبہ کلمہ شہادت پڑھ لے تو بس یہ اس کے لئے کافی ہے۔ دوبارہ بار بار تلقین نہ کی جائے جب تک اس پڑھنے کے بعد وہ کوئی بات نہ کرے، تاکہ اس کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہو، اور اس پڑھنے کے بعد اگر وہ دوسری بات کرے تو پھر تلقین کی جائے۔ تاکہ آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہو۔

سورہ یٰسین پڑھنا

مستحب یہ ہے کہ مرنے والے کے پاس آخری وقت میں سورۂ یٰسین اور سورۂ رعد پڑھی جائے حدیث میں ان سورتوں کے پڑھنے کا حکم آیا ہے حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ سورہ رعد پڑھنے سے

جان آسانی سے نکلتی ہے کذا فی الشامی)

دفن ہو جانے کے بعد تلقین نہیں کی جائے گی اور اگر کوئی کرے تو اس کو روکا نہیں جائے گا (اس وجہ سے کہ حدیث میں صراحت ہے کہ لَقِنُوا مَوْتَاكُمْ اپنے مرنے والوں کو تلقین کرو، بعض نے یہاں اس سے حقیقی موت مراد لیا ہے، یعنی موت واقع ہو جانے کے بعد تلقین کا حکم لہٰذا جائز ہے اور بعض دوسروں نے قریب الموت کا معنی مراد لیا ہے اس لئے کہ آیت ربانی ہے اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى یعنی تم مردہ کو نہیں سنا سکتے ہو اس لئے انہوں نے کہا ہے کہ دفن کے بعد بھی تلقین میں کچھ نقصان نہیں فائدہ یہ ہے کہ اس کلمہ شہادت سے صاحب قبر کو انس ہوتا ہے، طحطاوی میں ہے کہ ظاہر آثار یہ ہے کہ تلقین نہ کی جائے)

مرتے وقت تلقین

جوہرہ نامی کتاب میں ہے کہ اہل سنت کے نزدیک تلقین جائز ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ مردہ کو قبر میں زندہ کرتا ہے جیسا کہ حدیث میں اس کی تفصیل موجود ہے کذا فی الطحطاوی تلقین میں فلاں ابن فلاں کہہ کر اس طرح خطاب کرنا کافی ہوتا ہے کہ اے فلاں ابن فلاں تو ان باتوں کو یاد کر جن پر تو دنیا میں قائم تھا یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ضروریات دین پر ایمان رکھتا تھا جب فرشتے سوال کریں تو اس طرح کہنا کہ میں رب العالمین کے رب ہونے اسلام کے دین ہونے اور محمد رسول اللہ کے نبی ہونے پر راضی ہوا، کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر مردہ کا نام معلوم نہ ہو تو آپ نے فرمایا اس کو آدم حوا کی طرف منسوب کر کے کہے یعنی مرد ہو تو کہے اے آدم کے بیٹے، اور عورت ہو تو کہے اے حوا کی بیٹی اور جن لوگوں سے قبر میں سوال نہیں ہوتا ہے مناسب یہ ہے کہ دفن ہونے کے بعد ان کو تلقین نہ کی جائے۔

قبر میں کن لوگوں سے سوال نہیں ہوتا

وہ لوگ جن سے قبر میں سوال نہیں ہوگا صحیح تر مذہب یہ ہے کہ ان میں انبیاء علیہم السلام ہیں، اور مسلمانوں کے نابالغ بچے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ نے مشرکین کے نابالغ بچوں کے سلسلہ میں توقف فرمایا ہے کہ ان سے قبر میں سوال کیا جائے یا نہیں، اور وہ دوزخ میں ہوں گے یا جنت میں، کہا جاتا ہے کہ اہل جنت کے خادم ہوں گے (قبر میں جن سے سوال نہیں ہوتا ہے ان میں شہید، غازی، صدیق، جو شخص جمعہ کے دن یا اس کی رات میں مرے، جو ہر رات سورۂ ملک پابندی سے پڑھتا رہا ہو کا اضافہ کیا ہے؛ مشرکین کے بچے کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑا جائے اس لئے کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ مشرکین کے بچے کیا کرتے۔ کذا فی الطحطاوی)

و يكره تمنه الموت و تمامه فى النهر سيجىء فى الحظر و ما ظهر منه من كلمات كفرية يستغفر فى حقه و يعامل معاملة موتى المسلمين حملا على انه فى حال زوال عقله و لذا اختار بعضهم زوال عقله قبل موته ذكره الكمال واذا مات تشد لحياه وتغمض عيناه تحسينا له يقول مغمضه بسم

الله و علی ملة رسول الله الهم یسر علیه امره و سهل علیه ما بعده و اسعده بلقائك و اجعل ما خرج الیه خیرا مما خرج الیه ثم تمد اعضاء ه و یوضع علی بطنه سیف او حدید لئلا ینتفخ و یحضر عنده الطیب و یخرج من عنده الحائض والنفساء و الجنب و یعلم به جبرانه و اقاربه و یسرع فی جهاذه و لایقرأ عنده القرآن الی ان یرفع الی الغسل کما فی القهستانی مغریا للنتف قلت و لیس فی النتف الی الغسل بل الی ان یرفع فقط و نسره فی البحر برفع الروح و عبارة الزیلعی وغیره تکره القراء ة عنده حتی یغسل و علله الشرء نبلالی فی امداد الفتاح تنزیها للقرآن من نجاسة المیت لتنجسه بالموت قیل نجاسة خبث و قیل حدث و علیه فینبغی جوازها کقراءة المحدث و یوضع کما مات کما تیسرّ فی الاصح علی سریر مجمر ونزا الی سبع فقط فتح ککفنه و عند موته فهی ثلث لاخلفه و لا فی القبر او کره قراء ة القرآن عنده الی تمام غسله عبارة الزیلعی حتی یغسل و عبارة النهر قبل غسله و تستر عورته الغلیظة فقط علی الظاهر من الروایة و قیل مطلقاً الغلیظة والخفیفة وصح صححه الزیلعی و فیره و یغسلها تحت خرقة السترة بعد لف خرقة مثلها علی یدیه لحرمة اللمس کالنظر و یجرد من ثیابه کما مات و غسله علیه السلام فی قمیصه من خواصه

موت کی تمنا کی کراہت

موت کی تمنا کرنی مکروہ ہے یعنی تکلیف اور کوفت سے تنگ ہو کر موت کی آرزو کرنا درست نہیں ہے اس کی تفصیل نہر الفائق نامی کتاب میں ہے اور اس کتاب کی پانچویں جلد میں کتاب الخطر والے باب میں یہ مسئلہ آرہا ہے (نہر الفائق میں یہ ہے کہ اگر مجبور اً دعا کرنا پڑے تو اس طرح کہے یا اللہ جب تک زندگی میرے لئے بہتر ہے مجھے زندہ رکھ، اور اگر میرے لئے موت بہتر ہو تو موت دے دے)

موت کے وقت کلمات کفر

مرنے والے سے جان کنی کے موقع پر جو کلمات کفر ظاہر ہوں، ان کی وجہ سے اس کے حق میں دعائے مغفرت کی جانی چاہئے اور اس کے ساتھ مسلمانوں کے مردوں کا سا معاملہ کیا جائے یعنی جان کنی کے موقع پر کفریہ کلمات نکلنے سے اس کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ مسلمان ہی مانا جائے گا اور سمجھا جائے گا کہ اس سے اس کی عقل کے زائل ہونے کی حالت میں یہ کلمات سرزد ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض فقہاء نے یہ مسلک اختیار کیا ہے اس وقت موت سے پہلے اس کی عقل جاتی رہتی ہے اس کو کمال نے ذکر کیا ہے۔ (خدا کا شکریہ

ہے کہ مسلمان کی زبان پر کبھی بھی مرنے کے وقت کلمات کفر سننے میں نہیں آیا، یہ خود علامت ہے کہ عقل و ہوش میں اس سے یہ نہیں ہوتا ہے اگر کبھی کسی سے خدانخواستہ ایسا ہو تو سمجھنا چاہئے کہ اس کی عقل ماؤف ہو گئی ہے)

موت کے فوراً بعد کرنے کا کام

مرنے والا جب مر چکے تو جو لوگ وہاں موجود ہوں یا اس وقت آجائیں ان کو چاہئے کہ اس کے جبڑے سر سے ملا کر باندھ دیئے جائیں (تاکہ منہ کھلا نہ رہنے پائے) اور اس کی آنکھوں کو بند کر دیا جائے (تاکہ وہ کھلی نہ رہنے پائیں) اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مرنے والے کا چہرہ اچھا معلوم ہوتا ہے (اور اگر منہ کھلا یا آنکھیں پھٹی رہ جاتی ہیں تو چہرہ خوف ناک بن جاتا ہے) جو آنکھیں اس وقت بند کرے وہ بند کرتے وقت یہ دعا پڑھے بسم الله و على ملة رسول الله اللهم يسر عليه امرء و استعده بلقائك و اجعل ما خرج اليه خيرا مما خرج عنه (اللہ تعالیٰ کے نام اور رسول اللہ کی ملت کی بنیاد پر اے اللہ اس مرنے والے پر اس کا معاملہ آسان فرما دے اور بعد آگے جو پیش آنے والا ہے اسے اس کے لئے سہل کر دے اور اس کو اپنے دیدار سے بہرہ ور فرما اور وہ جہاں جا رہا ہے اس کو اس دنیا سے بہتر کر جہاں سے نکل کر جا رہا ہے)

مردے کے پاس سے ناپاک مرد و عورت علیحدہ ہو جائیں

منہ اور آنکھوں کے بند کرنے کے بعد مردے کے اعضا کو سلیقہ سے اپنی اپنی جگہ پھیلا دیا جائے اور اس کے پیٹ پر تلوار یا لوہا رکھ دیا جائے تاکہ پیٹ پھولنے نہ پائے (شامی کا بیان ہے کہ لوہا اور آئینہ کی تاثیر یہ ہے کہ وہ پیٹ کو پھولنے نہیں دیتے اور اگر ان دونوں میں سے کوئی چیز نہ ملے تو کوئی بھاری چیز رکھ دی جائے پھر اس کے پاس خوشبو لائی جائے اور حیض و نفاس والی عورتیں اور ناپاک (جنبی) مرد اس کے نزدیک سے ہٹ جائیں)

مرنے کی اطلاع خوشبو اور کفن دفن کا انتظام

مرنے والے کی موت کی اطلاع اس کے پڑوسیوں اور خویش و اقارب کو کر دی جائے اور اس کے کفن دفن کے سامان میں جلدی کی جائے (حدیث میں ہے مسلمان کے مردہ کو اس کے گھر والوں کو نہیں روکنا چاہئے کذا فی الشامی) اور جب تک مردے کو غسل نہ دیا جائے اس وقت تک اسکے پاس قرآن پاک نہ پڑھا جائے، جیسا کہ قہستانی میں منف کی طرف منسوب کر کے درج ہے۔

موت کے وقت تلاوت

شارح کہتے ہیں کہ منف نامی کتاب میں " الى الغسل " کا لفظ نہیں ہے بلکہ صرف "الى ان يرفع" کا لفظ ہے۔ کہ، جب تک مردہ اٹھایا نہ جائے، اور بحر الرائق میں اٹھائے جانے کی تفسیر میت کی روح کے اٹھائے جانے سے کی گئی ہے یعنی صرف روح کے نکلنے تک قرآن پڑھے اور جب روح نکل جائے تو تلاوت بند کر دے اور زیلعی وغیرہ میں یہ ہے کہ مردے کے پاس قرآن پڑھنا مکروہ تحریمی ہے جب تک اس کو غسل نہ دے دیا جائے اور شرح نہلالی نے امداد الفتاح میں اس کی علت بیان کی ہے کہ میت سے قرآن کو علیحدہ رکھنا میت کے نجس ہونے کی وجہ سے ہے، کیونکہ مردہ موت کی وجہ سے نجس ہو جاتا ہے۔

مردہ کے ناپاک ہونے کی بحث

مردہ کی نجاست کو بعض نے حقیقی کہا ہے اور بعض نے حکمی قرار دیا ہے (جو لوگ حقیقی نجاست کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے جانداروں کی

طرح آدمی کا خون بھی پتلا ہوتا ہے لہٰذا جس طرح دوسرے مردار نجس ہوتے ہیں، اسی طرح آدمی بھی نجس ہو جاتا ہے، اور اکثر فقہاء کا قول یہی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگر مردہ مسلمان نہلانے سے پہلے کنویں میں گر جائے تو کنویں کا پانی ناپاک ہو جاتا ہے اور جو حکمی قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اپنے مُردوں کو نجس نہ سمجھو، مسلمان نہ زندہ ہونے کی حالت میں نجس ہوتا ہے اور نہ مرنے کے بعد، مگر اس حدیث کا مفہوم وہ یہ لیتے ہیں کہ مردہ کی نجاست حکمی ہے نہلا دینے سے پاک ہو جاتا ہے، دائمی طور پر وہ نجس نہیں ہوتا جیسے کافر کہ نہلانے کے بعد بھی نجس ہی رہتا ہے۔

مُردے کے پاس تلاوت

اگر مردہ کی نجاست حکمی قرار پائے تب تو بلاشبہ غسل سے پہلے بھی اس کے پاس قرأت جائز ہوگی جیسے بے وضو کا قرآن پڑھنا درست ہے (اور اگر نجس حقیقی کہا جائے تو غسل سے پہلے اس کے پاس تلاوت مکروہ ہوگی، طحطاوی نے کہا کہ اگر مردے کے پاس سے الگ تھلگ ہو کر تلاوت کی جائے تو کراہت نہیں ہوگی، شامی نے اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ اگر مردہ کو پاک چادر سے چھپا دیں اور وہاں تلاوت کریں تو بھی کراہت نہیں ہے البتہ اگر پاک چادر سے چھپایا ہوا نہ ہو تو کراہت ہوگی۔)

مرنے کے بعد بسائے ہوئے تخت پر

مرنے والا جوں ہی مرے جیسے بن پڑے اسکو ایک تخت یا چارپائی پر لٹا دیا جائے جس کو خوشبو کی دھونی دی جاچکی ہو، اور یہ خوشبو کی دھونی تین مرتبہ یا پانچ یا سات مرتبہ دی گئی ہو، اس سے زیادہ نہیں۔ کذا فی الفتح۔ جس طرح مردہ کے کفن کو خوشبو سے بساتے ہیں اسی طرح مردہ کے مرنے کے وقت بھی بسایا جائے پس خوشبو سے تین دفعہ بسانا ہوتا ہے (مرنے کے وقت، تخت پر رکھنے سے پہلے اور کفن پہنانے سے پہلے) ان تین دفعہ کے بعد نہیں ہے اور نہ قبر میں ہے، مرنے کے وقت بسانے کا مطلب یہ ہے کہ موت واقع ہونے کے فوراً بعد خوشبو جلائیں، اور یہ جو کہا گیا کہ مرنے کے فوراً بعد تخت پر رکھیں یہ اس وقت ہے جب وہ زمین پر مرا ہو، اس لیے کہ زمین کی نمی سے نعش کے بگڑنے کا خطرہ ہوتا ہے تخت یا چارپائی خواہ جنوباً، شمالاً رکھیں جس طرح قبر ہوتی ہے یا شرقاً، غرباً رکھیں کہ پاؤں قبلہ کی طرف ہو اور سر ذرا اونچا ہو، اور زیادہ صحیح یہ ہے جس طرح سہولت ہو اس طرح رکھا جائے کوئی قید نہیں ہے۔ (کذا فی الشامی)

غسل دینے سے پہلے مردے کے پاس تلاوت کی ممانعت

مردے کے پاس اس وقت تک قرآن پڑھنا مکروہ تحریمی ہے جب تک اس کو غسل نہ دیدیا جائے۔ زیلعی کی عبارت اس طرح ہے "حتی یغسل" اور نہر الفائق کی عبارت یہ ہے "قبلہ غسلہ" مفہوم دونوں کا وہی ہے جو اوپر لکھا گیا۔

غسل کے وقت پردہ

مردے کو غسل دینے میں ظاہر روایت یہ ہے کہ اس کا صرف ستر غلیظہ چھپایا جائے اور دوسرا قول یہ ہے کہ مطلقاً ستر چھپایا جائے خواہ وہ غلیظہ ہو یا خفیفہ، اور اسی دوسرے قول کو زیلعی نے صحیح کہا ہے۔ منشاء یہ ہے کہ ناف سے لے کر گھٹنے تک چھپایا جائے اس لیے کہ یہ پورا حصہ ستر میں داخل ہے۔ حدیث میں صراحت ہے زندہ اور مردہ کی ران نہ دیکھو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ران کا کھولنا حرام ہے۔

ستر والے حصہ پر تیمّم

ستر والا حصہ ہاتھ میں کپڑا لپیٹ کر اور تہبند کے نیچے ہاتھ لے جا کر دھوئے اس لیے کہ اس حصہ کو ہاتھ لگانا بھی ایسا ہی حرام ہے جس طرح اس کا دیکھنا حرام ہے، ایک تھیلا سا سی کر ہاتھ میں

پہنالے اور پھر اس سے دھوے، کہ جسم کا ہاتھ سے چھونا لازم نہ آئے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بچوں کے لیے ہاتھ میں کپڑا لپیٹنا اور تہبند رکھنا ضروری نہیں ہے۔

روح نکلنے کے بعد کپڑے نکال دیئے جائیں

روح کے پرواز ہوتے ہی مردہ کے جسم سے کپڑا نکال دیا جائے تاکہ کپڑوں کی گرمی سے جسم میں کوئی خرابی نہ آنے پائے، آنحضرت ﷺ کو آپ کی قمیص میں نہلایا جانا آپ کی خصوصیات سے ہے۔ (ابوداؤد میں ہے بوقت غسل لوگوں کو تردد ہوا کہ کپڑا نکال کر غسل دیا جائے یا کپڑے سمیت تو گھر کے گوشہ سے آواز آئی آپ کو کپڑے سمیت نہلاؤ۔ کذا فی الشامی)

و يؤضأ من يؤمر بالصلوة بلا مضمضة و استنشاق للحرج و قيل يفعلان بخرقة و عليه العمل اليوم و لو كان جنبا او حائضا او نفساء فعلا اتفاقا تيمّما للطهارة كما في امداد الفتاح مستمدا من شرح المقدسي و يبدأ بوجه و يمسح رأسه و يصب عليه ماء مغلى بسدر و رق النبق او حرض بضم فسكون الاشنان ان تيسر والا فماء خالص مغلى و يغسل راسه و لحيته بالخطمي نبت بالعراق ان وجد و الا فبالصابون و نحوه هذا لو كان بهما شعر حتى لو كان امرد او اجرد لا يفعل و يضجع على يساره ليبدأ بيمينه فيغسل حتى يصل الماء الى ما يلي التخت منه ثم على يمينه كذلك ثم يجلس مستندا بالبناء للمفعول اليه و يمسح بطنه رفيقا و ما خرج منه يغسله ثم بعد القعاده يضجعه على شقه الايسر و يغسله و هذه غسلة ثالثة ليحصل المسنون و يصب عليه الماء عند كل اضجاع ثلث مرات لما مر و ان زاد عليها او نقص جاز اذا لواجب مرة ولا يعاد غسله ولا وضؤوه بالخارج منه لان غسله ما وجب لرفع الحدث لبقائه بالموت بل للتنجسه بالموت كسائر الحيوانات الدموية الا ان المسلم يطهر بالغسل كرامة له و قد حصل بحر و شرح مجمع و ينشف في ثوب و يجعل الحنوط و هو بفتح الحاء العطر المركب من الاشياء الطيبة غير زعفران و ورس لكراهتهما للرجال و جعلهما في الكفن جهل على راسه و لحيته ندبا والكافور على مساجده كرامة لها ولا يسرح شعره اى يكره ذلك تحريما ولا يقص ظفره الا المكسور ولا شعره و لا يختن و لا بأس بجعل القطن على وجهه و في مخارقه كدبر وقبل و اذن و فم .

مردے کو وضو کرانا

جس شخص کو نماز کا حکم دیا جاتا ہے اس کو مرنے کے بعد بغیر کلی اور ناک میں پانی ڈالے ہوئے وضو کرائے گا اس لیے کلی کرانے اور ناک میں پانی ڈالنے میں تنگی ہے، ایک قول یہ ہے کہ کلی اور

ناک میں پانی ڈالنے کے بجائے کپڑا بھگو کر دونوں کو صاف کیا جائے گا اور آج کل اسی پر عمل ہے، اور اگر مرنے والا جنبی (ناپاک) ہو یا عورت حیض و نفاس والی ہو تو سب کا اتفاق ہے کپڑے سے اس کی ناک اور دانت اور مسوڑھے وغیرہ صاف کیے جائیں گے، تاکہ اس کی طہارت پوری ہو جائے۔ (سات سال کے بچہ، بچی کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ ان کو نماز کا حکم دیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو اس عمر سے کم کا مردہ ہوگا اسے وضو نہیں کرایا جائے گا۔ لیکن بقول شامی وضو کرا دینا بہتر ہے۔ واللہ اعلم) مردے کو وضو کرانے میں ابتداء چہرے سے ہوگی اور اس وضو میں سر کا مسح بھی کیا جائے گا۔ (استنجا میں اختلاف ہے۔ طرفین اسی کے قائل ہیں اور امام ابو یوسفؒ قائل نہیں ہیں اور استنجا پاک کرنے کی شکل بھی یہی ہوگی ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر وہ جگہ دھو دی جائے گی۔)

بیری کی پتی سے غسل

مردہ کو اس پانی سے غسل دیا جائے جس میں بیری کی پتی یا اُشنان گھاس ڈال کر جوش دیا گیا ہو، اگر یہ چیزیں مل سکیں ورنہ خالص پانی جوش دیئے ہوئے سے نہلایا جائے گا۔

مردے کے بال خطمی یا صابن سے دھوئے جائیں

مردے کے سر اور ڈاڑھی کے بال خطمی سے دھوئے جائیں اگر وہ مل جائے۔ اور اگر وہ نہ پائی جائے تو صابون سے یا اس جیسی دوسری چیز (جیسے ملتانی کی مٹی وغیرہ) سے دھویا جائے (تاکہ میل کچیل نکل جائے اور بدن صاف ستھرا ہو جائے) یہ حکم اس صورت میں ہے جب مرنے والے کے چہرہ اور سر پر بال ہوں اور اگر وہ بے آلایش ہو یا سر پر بال نہ ہوں تو پھر خطمی اور صابن سے دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔ شامی نے بتایا کہ خطمی عراق میں ایک گھاس ہوتی ہے۔

مردے کو نہلانے کا طریقہ

مردے کو نہلاتے وقت اس کے بائیں پہلو پر لٹایا جائے تاکہ دھونا اس کے دائیں سے شروع ہو، دائیں طرف اتنا پانی ڈالا جائے کہ وہ بدن کے اس حصہ تک پہنچ جائے جو تخت سے ملا ہوا ہے۔ پھر دائیں کروٹ پر لٹایا جائے اور بائیں پہلو پر اس طرح پانی بہایا جائے کہ وہ دائیں پہلو تک پہنچ جائے جو تخت سے ملا ہوا ہے، پھر نہلانے والا مردے کو ذرا سہارا دے کر بٹھائے اور آہستہ آہستہ اس کے پیٹ کو سہلایا جائے اور جو کچھ نکلے اس کو دھو دیا جائے، اس کے بعد نہلانے والا اس کو پھر بائیں کروٹ پر لٹائے اور غسل دے اور پھر تیسری بار پانی بہانا ہوگا تاکہ اس سے سنت حاصل ہو جائے، کیونکہ تین دفعہ پانی بہانا مسنون ہے اور لٹانے کے وقت تین مرتبہ پانی بہایا جائے کہ یہ مسنون طریقہ ہے اور اگر تین مرتبہ سے زیادہ یا کم ہر کروٹ پر پانی بہائے تو یہ بھی جائز ہے اور غسل ہو جائے گا، اس لیے کہ صرف ایک بار ہی تمام بدن کا دھونا غسل میں فرض ہے، تین مرتبہ مسنون ہے۔

دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں

اگر مردے کے پیٹ دبانے سے کوئی نجاست نکلے تو جیسا کہ گذرا اس کو وضو کرایا جائے گا مگر اس کی وجہ سے غسل اور وضو کو دہرایا نہیں جائے گا، مردہ کا نہلانا میت کے حدث کو دور کرنے کے لیے واجب نہیں ہوا ہے، کیوں کہ وہ تو بوجہ موت قائم ہے۔ نہلانا اس لیے واجب ہے کہ موت کی وجہ سے وہ ناپاک ہو گیا ہے جس طرح دوسرے خون والے جانور مرنے سے ناپاک ہو جاتے ہیں لیکن مسلمان مردہ اپنی شرافت و عظمت کی وجہ سے غسل کے ذریعہ پاک ہو جاتا ہے اور اس کو یہ پاکی نہلانے کی وجہ سے حاصل ہو چکی۔ کذا فی المجمع، (اب اگر کوئی نجاست نکلی ہے تو صرف اسی کو دور کرنا ضروری ہے وہ دھو ڈالی جائے گی، اس کی وجہ سے دوبارہ غسل کرانے کی ضرورت نہیں ہے)۔

مردے کو بعد غسل خوشبو ملنا

مردے کو نہلانے کے بعد اس کا پانی کسی پاک کپڑے سے خشک کرلیا جائے اور مستحب یہ ہے کہ اس کے بعد سر اور ڈاڑھی میں حنوط خوشبو ملی جائے اور اُن اعضاء میں کافور ملیں جو سجدہ میں زمین سے لگتے ہیں جیسے پیشانی، ناک، دونوں ہتھیلیاں، دونوں گھٹنے، دونوں پاؤں، اور ایسا ان اعضاء کی کرامت و عزت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ شارح نے کہا حنوط عطر مرکب کا نام ہے جو مختلف خوشبودار چیزوں سے بنتا ہے، جس خوشبو میں زعفران اور ورس نہیں ہوتا ہے، زعفران اور کسم اَن دونوں چیزوں کا استعمال مردوں کے لیے مکروہ ہے اور زعفران ورس کا کفن میں رکھنا جہالت ہے۔ لہٰذا اس سے بچنا چاہیے۔

تزئین کی ممانعت

مردے کے بالوں میں کنگھی نہیں کی جائے گی اس لیے کنگھی کرنا مکروہ تحریمی ہے اور نہ ناخن کترے جائیں گے۔ البتہ جو ناخن ٹوٹ کر لٹکا ہوگا اس کو کاٹ کر پھینک دیا جائے گا۔ اور نہ اس کے بال کاٹے جائیں گے اور نہ مردے کا ختنہ کیا جائے گا۔ (نہر الفائق میں ہے کہ مرنے کے بعد مردے کی تزئین جائز نہیں ہے) البتہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ مردے کے چہرہ پر یا اس کے سوراخوں کی جگہوں پر روئی رکھ دی جائے جیسے منہ، کان اور پاخانہ اور پیشاب کی جگہ، شرمگاہوں میں بعض علماء نے روئی رکھنے کو پسند نہیں کیا ہے۔ زیلعی میں اسی کی بہتری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ویوضع یداہ فی جانبیہ لا علی صدرہ لانہ من عمل الکفار ابن ملک و یمنع زوجھا من غسلھا و مسھا لا من النظر الیھا علی الاصح منیہ و قالت الائمۃ الثلثۃ یجوز لان علیھا غسل فاطمۃ رضی اللہ عنھا قلنا ھذا محمول علی ابقاء الزوجیۃ لقولہ علیہ السلام کل سبب و نسب ینقطع بالموت الا سببی و نسبی مع ان بعض الصحابۃ انکر علیہ شرح المجمع للعینی و ھی لا تمنع من ذلک و لو ذمیۃ بشرط بقاء الزوجیۃ بخلاف ام الولد والمدبرۃ والمکاتبۃ فلا یغسلنہ ولا یغسلھن علی المشھور مجتبی والمعتبر فی الزوجیۃ صلاحیتھا لغسلہ حالۃ الغسل لا حالۃ الموت فتمنع من غسلہ لو بانت قبل موتہ او ارتدت بعدہ ثم اسلمت او مست ابنہ بشھوۃ لزوال النکاح و جاز لھا غسلہ لو اسلم زوج المجوسیۃ فمات فاسلمت بعدہ یحل مسھا حینئذ اعتبارا بحالۃ الحیوٰۃ.

مُردے کے ہاتھوں کو اس کے بغل میں رکھا جائے

مردے کے دونوں ہاتھ اس کے دونوں پہلو میں رکھے جائیں گے اس کے سینہ پر ان کو نہیں رکھا جائے گا۔ اس وجہ سے کہ سینے پر مردے کے ہاتھوں کا رکھنا کفار کا طریقہ ہے اس کو ابن ملک نے ذکر کیا ہے۔

شوہر اپنی بیوی کو نہ غسل دے گا نہ چھوے گا

مردہ عورت کے شوہر کو اپنی مرنے والی بیوی کے نہلانے اور چھونے سے منع کیا جائے گا، البتہ دیکھنے سے روکا نہیں جائے گا۔ صحیح تر مذہب یہی ہے۔ کذا فی المنیہ۔ بقیہ تینوں اماموں کا قول ہے کہ شوہر کے لیے مرنے والی بیوی کو غسل دینا جائز

ہے، اس لیے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی اہلیہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تھا۔ ہم احناف اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا یہ نہلانا زوجیت کے قائم رہنے پر محمول ہے آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ بجز میرے سبب اور نسبت کے ہر سبب انسب موت کی وجہ سے منقطع ہو جاتا ہے اس کے علاوہ بعض حضرات صحابہ کرام نے اس نہلانے کا ان پر انکار کیا ہے۔ کذافی شرح المجمع المعنی، خانیہ میں لکھا ہے کہ اگر عورت کا کوئی محرم مرد ہو گا تو وہ اس کو اپنے ہاتھ سے تیمم کرائے گا اور اگر اجنبی ہو گا تو ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر تیمم کرائے گا، یہ اس صورت میں ہے کہ جب کہ وہاں عورت نہلانے والی نہ ہو۔

حضرت فاطمہؓ کے غسل کی بحث

حضرت فاطمہؓ کے متعلق لکھا ہے کہ ان کو حضرت ام ایمنؓ نے وفات کے بعد غسل دیا تھا، حضرت علیؓ کی طرف اس کی نسبت اس سبب سے کر دی گئی کہ یہ سارا انتظام انہوں نے ہی کیا تھا، اور اگر حضرت علیؓ کا غسل دینا ثابت بھی ہو جائے تو کہا جائے گا کہ یہ ان کی خصوصیات سے ہے اور خصوصیت کی وجہ وہ حدیث ہے جس میں نبی کریم ﷺ کا حضرت علیؓ سے ارشاد ہے کہ فاطمہ تمہاری زوجہ دنیا میں بھی ہیں اور آخرت میں بھی، دوسری حدیث وہ ہے جو متن میں اوپر بیان کی گئی، اس حدیث میں "سبب" سے قرابت سببی مراد ہے جیسے زوجیت اور دامادی، اور نسب سے مراد قرابت نسبی ہے۔ کذافی الشامی۔

عورت شوہر کو غسل دے سکتی ہے

البتہ عورت کو اپنے وفات شدہ شوہر کے غسل دینے سے نہیں روکا جائے گا۔ گو وہ عورت کتابیہ، ذمیہ ہی کیوں نہ ہو، صرف شرط یہ ہے کہ موت سے پہلے تک نکاح باقی رہا ہو، البتہ ام ولد، مدبرہ اور مکاتبہ باندی اپنے آقا کو مرنے کے بعد غسل نہ دے گی، اور نہ آقا ان باندیوں کو بعد موت غسل دے سکتا ہے، روایت مشہور یہی ہے، مجتبیٰ (اس کی وجہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد ام ولد اور مدبرہ میں ملک باقی نہیں رہتی ہے، اور مکاتبہ زر کتابت ادا کرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے۔)

بیوی کا نکاح سے نکل جانا

بیوی کا بوقت غسل لائق ہونا معتبر ہے نہ کہ موت کے وقت، لہٰذا وہ عورت جو شوہر کی موت سے پہلے بائن ہو چکی ہے اس کو فوت شدہ شوہر کو نہلانے سے منع کیا جائے گا، اسی طرح اس عورت کو بھی نہلانے سے منع کیا جائے گا جو شوہر کی موت کے بعد مرتد ہوئی پھر وہ مسلمان ہوئی، یا اپنے شوہر کے لڑکے کو شہوت کے ساتھ چھولیا، اس وجہ سے کہ اس کا تو نکاح ختم ہو گیا، کیوں کہ ارتداد سے بھی نکاح فسخ ہو جاتا ہے اور شوہر کے لڑکے کو شہوت کے ساتھ چھونے سے بھی، اور جس کو موت سے پہلے شوہر طلاق دے چکا ہے تو اس کے نکاح کے باقی رہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مجوسیہ جس کا شوہر مسلمان ہو

مجوسی عورت کا شوہر اگر مسلمان ہو کر مرا اور اس کے بعد اس کی بیوی اسلام لائی تو ایسی عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی زندگی کی حالت پر قیاس کر کے اپنے شوہر کو غسل دے اس لیے کہ اگر دنیا میں پہلے شوہر مسلمان ہوتا اور بعد میں بیوی، تو نکاح قائم رہتا اور عورت کے لیے اپنے اس شوہر کا چھونا درست رہتا، اسی طرح جب وہ شوہر کے مرنے کے بعد مسلمان ہوئی ہے تو اس صورت میں بھی ہاتھ لگانا درست رہے گا۔

وجد راس آدمی او احد شقیہ لا یغسل ولا یصلی علیہ بل یدفن الا ان یوجد اکثر من نصفہ ولو بلا راس و الافضل ان یغسل المیت مجانا فان ابتغی الغاسل الاجر جاز ان

كان ثمه غيره والا لا لتعينه عليه و ينبغي ان يكون حكم الحمال والحفار كذلك سراج و ان غسل الميت بغير نية اجزأ اى لطهارته لا لاسقاط الفرض عن ذمة المكلفين و للا قال لو وجد ميت في الماء فلا بد من غسله ثلثا لانا امرنا بالغسل فيحركه في الماء بنية الغسل ثلثا فتح و تعليله يفيد انهم لو صلوا عليه بلا اعادة غسله صح و ان لم يسقط وجوبه عنهم فتدبر و في الاختيار الاصل فيه تغسيل الملائكة لآدم عليه السلام و قالوا لولده هذه سنة موتاكم.

جسم کے حصہ پر کب نماز پڑھی جائے

کسی آدمی کا صرف سر پایا گیا، یا اس کا آدھا دھڑ پایا گیا، تو اس سر یا دھڑ کو نہ غسل دیا جائے گا اور نہ ان پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، بلکہ اسی طرح بغیر غسل اور بلا نماز جنازہ ان کو دفن کر دیا جائے گا۔ البتہ اگر کسی مسلمان کا آدھے سے زیادہ جسم کا حصہ پایا جائے گو وہ بلا سر کے ہو اس صورت میں اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔

مردے کے غسل اور اٹھانے کی اجرت

افضل یہ ہے کہ مسلمان مردہ کو مفت غسل دیا جائے، اس کی کوئی اجرت نہ لی جائے، لیکن اگر غسل دینے والا اس کی اجرت طلب کرے تو اس کا یہ طلب کرنا اس وقت جائز ہے، جب وہاں اس کے علاوہ دوسرا غسل دینے والا ہو، اور اگر اس کے سوا کوئی دوسرا نہلانے والا نہ ہو، تو پھر اس کے لیے اجرت مانگنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ ایسے وقت میں اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اس مردے کو اٹھائے اور اس کی قبر کھودے، اور مناسب یہ ہے کہ جنازہ اُٹھانے والے اور قبر کھودنے والے کا بھی یہی حکم ہو کہ اگر دوسرے لوگ موجود ہیں تو اجرت چاہنا جائز، ورنہ نہیں کیوں کہ دوسرے کے موجود نہ ہونے کی صورت میں اس پر یہ خدمت انجام دینا شرعاً واجب ہو جاتا ہے، اور اس طرح کی واجب طاعت پر اجرت لینی درست نہیں ہے۔

میت کو نہلانے میں نیت

میت کو بغیر نیت نہلانے سے بھی غسل ہو جاتا ہے اور وہ پاک ہو جاتا ہے۔ البتہ جن لوگوں پر یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے بغیر نیت کے ان کے ذمہ سے فرض ساقط نہیں ہوگا، اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ نیت طہارت کی شرط نہیں ہے بلکہ فرض کی ادائیگی کے لیے شرط ہے۔

پانی میں پائے جانے والے مردے کا غسل

اسی بنیاد پر مصنف نے کہا ہے کہ اگر پانی میں کوئی مردہ پایا جائے تو اس کو بھی تین مرتبہ نہلانا ضروری ہے، اس لیے کہ ہم کو مردے کے نہلانے کا حکم دیا گیا ہے، جب تک ہم اس کو نہیں نہلائیں گے فرض ادا نہیں ہوگا، اگر پانی میں پائے جانے والے مردا کو غسل کی نیت سے جب اسی پانی میں تین مرتبہ غوطہ دیں گے تو وہ پاک ہو جائے گا۔ اور فریضہ ادا ہو جائے گا۔ اور فتح القدیر میں علت بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ قول قابل اعتماد یہ ہے کہ نہلانے میں نیت شرط نہیں ہے چنانچہ اگر اس مردہ پر بغیر نیت نہلائے لوگ نماز جنازہ پڑھ دیں گے تو یہ نماز درست ہوگی اگرچہ ان کے ذمہ جو غسل کا وجوب عاید ہو رہا تھا وہ ساقط نہیں ہوگا۔

مردے کا غسل کب سے قائم ہے

اختیار نامی کتاب میں لکھا ہے کہ میت کے غسل دینے کی اصل یہ ہے کہ

فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو غسل دیا تھا، اور آپ کی اولاد سے کہا کہ تمہارے مردہ کے لیے یہی طریقہ ہے۔ (طحطاوی نے اس کے بعد لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کے غسل دینے کا طریقہ بہت قدیم ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ مردے کو غسل دیں، ان کا مکلف ہونا شرط نہیں ہے، چنانچہ آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے بعد آپ کی اولاد نے غسل نہیں دیا، بلکہ فرشتوں کے نہلانے پر ہی اکتفا کیا گیا، جو یقیناً مکلف نہیں تھے۔

فروع

لو لم يدرا مسلم امكافر و لا علامة فان في دارنا غسل و صلى عليه والا لا اختلط موتانا بكفار ولا علامة اعتبر الاكثر فان استووا غسلوا و اختلف في الصلوة عليهم و محل دفنهم كذفن ذمية حلى من مسلم قالوا و الاحوط دفنها على حدة و يجعل ظهرها الى القبلة لان وجه الولد لظهرها ماتت بين رجال او هو بين نساء تيَمَّمه المحرم فان لم يكن فالاجنبي بخرقة و ييمم الخنثى المشكل لو مراهقا والا فكغيره فيغسله الرجال والنساء يمم لفقد ماء و صلى عليه ثم وجدوه غسلوه وصلوا ثانيا و قيل لا.

مردہ جسکا حال معلوم نہ ہو شارح کی طرف سے بڑھائے ہوئے مسائل۔ ایسا مردہ جس کا حال معلوم نہ ہو کہ یہ مسلمان ہے یا کافر ہے اور نہ اُس پر مسلم و کافر کی کوئی علامت پائی جا رہی ہو، ایسا مردہ اگر دارالاسلام میں ہو تو اس کو احتیاطاً غسل دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اگر دارالحرب میں پایا جائے تو نہ غسل دیا جائے گا اور نہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

مسلمان ہونے کی پہچان (بدائع میں لکھا ہے کہ مسلمان کی بظاہر چار علامتیں ہیں: (۱) خضاب، (۲) ختنہ، (۳) سیاہ لباس، (۴) زیر ناف بال کا مونڈنا، لیکن ظاہر ہمارے اس زمانہ میں نہ سیاہ لباس مسلمان ہونے کی پہچان رہی اور نہ خضاب کا لگانا، البتہ ختنہ ہندوستان میں مسلمان ہونے کی پختہ پہچان ہے، اپنے دور کے اعتبار سے اگر کوئی مخصوص پہچان اور ہو تو اس کا اعتبار لیا جائے گا۔)

مسلمان اور کافر مُردے مل جائیں مسلمانوں کے مردے کفار کے مردوں کے ساتھ مل جائیں اور کوئی پہچان نہ ہو تو اس وقت اکثریت کا اعتبار ہوگا، یعنی اگر زیادہ تعداد مسلمان مردوں کی ہے تو سب مسلمان قرار دیئے جائیں گے اور ان پر نماز پڑھی جائے گی اور دعاء میں مسلمانوں کی نیت کی جائے گی اور کافر کی تعداد زیادہ ہے تو کسی پر نماز نہیں پڑھی جائے گی، نہلا کر اور کفن دے کر کفار کے قبرستان میں دفن کیے جائیں گے اور اگر گنتی میں دونوں برابر ہوں تو سب کو غسل دیا جائے گا اور نماز پڑھنے اور دفن کرنے میں اختلاف ہے۔ (بعض فقہاء کہتے ہیں کہ

نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور بعض کہتے ہیں کہ نماز نہیں پڑھی جائے گی، جو کہتے ہیں کہ نماز نہیں پڑھی جائے گی ان کی دلیل یہ ہے کہ بعض مسلمان ایسے ہیں کہ باوجود مسلمان ہونے کے ان پر نماز جنازہ نہیں ہوتی ہے جیسے راہزن اور باغی، اور کافر کا حال یہ ہے کہ ان پر کسی صورت میں نماز جائز نہیں۔ اس لیے کہ ارشاد خداوندی ہے و لاَ تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ اَبَدًا یعنی جو کافر مر جائے ان میں سے کسی پر آپ نماز نہ پڑھیں اور جو کہتے ہیں کہ نماز پڑھی جائے گی وہ کہتے ہیں کہ یقین کرنے میں مجبوری ہے، لیکن مسلمان کا قصد کرنے اور ان کی نیت کرنے میں تو مجبوری نہیں، للہذا جو مسلمان ہوں ان کی نیت کرکے نماز پڑھی جائے۔ شامی نے لکھا ہے کہ باقی تین اماموں کا بھی یہی مذہب ہے اور یہی رائے بہتر بھی معلوم ہوتی ہے، اسی طرح ان کے محل دفن میں بھی اختلاف ہے بعضوں نے کہا کہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہوں، اور بعضوں نے کہا کہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے، چنانچہ بندوانی نے کہا ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے علیحدہ قبرستان بنایا جائے کیوں کہ احتیاط اسی میں ہے۔ کذافی الحموی)

حاملہ کتابیہ کی تدفین

مسلمان اور کافر مردوں کے اس طرح ملے ہوئے ہونے میں کہ کوئی علامت نہ ہو، دفن میں اختلاف ہے جیسا کہ ابھی گذرا اس اختلاف کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ اختلاف ایسا ہے) جیسے اُس ذمیہ کتابیہ کے دفن کے اندر اختلاف ہے جو کسی مسلمان سے حاملہ ہو، اس میں فقہاء نے کہا کہ زیادہ احتیاط یہ ہے اس کتابیہ کو مسلمان قبرستان سے الگ تھلگ دفن کیا جائے اور اس ذمیہ کی پیٹھ قبلہ کی طرف کی جائے اس لیے کہ پیٹ کے بچہ کا رُخ ماں کی پیٹھ کی طرف ہوتا ہے (باپ کی وجہ سے بچہ مسلمان کے حکم میں ہے اس لیے دفن میں اس کا لحاظ رکھا جائے گا تاکہ بچہ کا رُخ قبلہ کی طرف رہے۔ (شامی نے لکھا ہے کہ یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب پیٹ کے بچہ میں جان پڑ گئی ہو، جس کی مدت کم از کم چار ماہ ہے اور اگر حمل چار ماہ سے کم کا ہوگا تو جان اس میں نہیں آئی ہوگی، للہذا سب کہتے ہیں کہ ایسی ذمیہ حاملہ کو غیر مسلم کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔)

مرد جہاں عورتوں میں مر جائے یا عورت مردوں میں

اگر کوئی عورت ایسی جگہ مر جائے جہاں صرف مرد ہوں، کوئی عورت نہ ہو، اسی طرح اگر کوئی مرد ایسی جگہ انتقال کر جائے جہاں عورتیں ہی عورتیں ہوں کوئی مرد نہ ہو، تو اس صورت میں جو اس کا محرم ہو وہ تیمم کرادے یعنی مرنے والی عورت کا محرم مرد تیمم کرادے اور اگر مرد مرا ہو تو جو عورت اس مرنے والے مرد کی محرم ہو، اس کو وہ تیمم کرادے اور اگر ان میں وہاں کوئی محرم نہ ہو، نہ عورت کا کوئی مردوں میں محرم ہو، اور نہ مرد کا عورتوں میں، تو اس صورت میں کوئی اجنبی مرد یا عورت اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر مردہ کو تیمم کرادے گا۔

خنثیٰ مشکل کا غسل

اسی طرح قریب البلوغ خنثیٰ مشکل کا انتقال ہو جائے تو اس کو بھی تیمم کرادیا جائے گا اور اگر وہ خنثیٰ مشکل نابالغ ہے، قریب البلوغ نہیں ہے تو وہ بچوں کے حکم میں ہے اس کو مرد بھی غسل دے سکتے ہیں اور عورت بھی غسل دے سکتی ہے۔

پانی نہ ہونے کی وجہ سے تیمّم کرایا گیا پھر پانی مل گیا

کہیں کوئی شخص مر گیا اور وہاں پانی نہ ہونے کی وجہ سے اس کو تیمم کرا کے لوگوں نے نماز جنازہ پڑھ دی، نماز جنازہ پڑھنے کے بعد ان کو پانی مل گیا تو اب ان کو چاہیے کہ اُس مردے کو غسل دیں اور اس پر دوبارہ نماز جنازہ

پڑھیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اب نہ غسل دیں اور نہ دوبارہ نماز جنازہ پڑھیں۔ (امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ صرف غسل دیدیا جائے دوبارہ نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، شامی نے لکھا ہے راجح اور اصول کے مطابق یہی قول ہے البتہ امام ابویوسفؒ غسل اور نماز جنازہ دونوں کے اعادہ کے قائل ہیں)

و یسن فی الکفن له ازار و قمیص و لفافة و تکره العمامة للمیت فی الاصح مجتبی و استحسنها المتاخرون للعلماء والاشراف و لا باس بالزیادة علی الثلثة ویحسن الکفن لحدیث حسنوا اکفان الموتی فانهم یتزاورون فیما بینهم و یتفاخرون بحسن اکفانهم ظهیریة ولها درع ای قمیص وازار و خمار و لفافة و خرقة تربط بها ثدیاها و بطنها و کفایة له ازار و لفافة فی الاصح و لها ثوبان و خمار و یکره اقل من ذلك و کفن الضرورة لهما مایوجد و اقله ما یعم البدن و عند الشافعی ما یستر العورة کالحی۔

مردوں کے لیے مسنون کفن

مرد کے لیے مسنون کفن تین کپڑے ہیں (۱) ازار یعنی چھوٹی چادر جو سر سے لے کر پاؤں تک ہو (۲) قمیص یعنی کفنی جو گردن سے پاؤں تک ہو مگر اس میں آستین نہ ہو (۳) لفافہ یعنی بڑی چادر یہ بھی سر سے پاؤں تک ہو گی بلکہ کچھ نکلی ہوئی ہو تاکہ دونوں کناروں کو باندھ سکیں۔

کفن میں عمامہ کی کراہت

صحیح ترمذہب یہ ہے کہ کفن میں عمامہ دینا مکروہ ہے۔ مجتبیٰ، البتہ متاخرین فقہاء نے علماء اور اشرف کے لیے کفن میں عمامہ کو مستحسن قرار دیا۔ مردے کو کفن دینا فرض کفایہ ہے مگر یہ تین کی تعداد مسنون ہے اور محیط نامی کتاب میں ہے کہ مردہ کو کسی حال میں پگڑی نہ باندھی جائے، خواہ وہ عالم ہو یا زاہد، اور زاہدی نے لکھا ہے کہ زیادہ صحیح یہی ہے کہ مردہ کو عمامہ دینا ہر حال میں مکروہ ہے۔ کذافی الشامی۔

تین سے زیادہ

کفن میں تین کپڑوں سے زیادہ دینا کوئی مضائقہ نہیں ہے (بعضوں نے یہی لکھا ہے مگر مجتبیٰ نامی کتاب میں ہے کہ تین سے زیادہ کپڑا دینا مکروہ ہے۔ کذافی الطحطاوی)

کفن بہتر ہو

کفن اچھا دیا جائے اس لیے کہ حدیث نبوی ہے کہ مرنے والوں کے لیے کفن عمدہ بناؤ کہ یہ مردے جب آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو اپنے عمدہ کفن ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ (یعنی اظہار مسرت کرتے ہیں کہ کفن سنت کے مطابق ملا۔ کذافی الظہیر یہ۔ اچھے کفن سے مراد یہ ہے کہ مرنے والا جیسا کپڑا اپنی زندگی میں عیدین اور جمعہ میں پہنا کرتا تھا اس طرح کا ہو، کفن سفید اور پاکیزہ ہو، یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ زیادہ قیمتی ہو اس لیے کہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔)

عورتوں کا کفن

اور عورتوں کے لیے مسنون کفن پانچ کپڑے ہیں (۱) قمیص یعنی کفنی جو گردن سے پاؤں تک ہو (۲) ازار، چھوٹی چادر جو سر سے پاؤں تک ہو (۳) اوڑھنی (دوپٹہ) جو سر سے لے کر رانوں تک ہوتی ہے (۴) لفافہ، بڑی چادر جو سر سے پیر تک ہو (۵) سینہ بند جو اس کی چھاتی اور پیٹ پر لپٹایا جائے۔ یہ بغل سے لے کر رانوں تک ہوتا ہے (قہستانی میں ہے کہ عورت کی کفنی کا گریبان سینہ پر ہونا چاہیے اور مرد کی کفنی کا گریبان مونڈھوں پر)

کفن کفایت

اور مرد کے لیے کفن کفایت دو کپڑے ہیں ایک ازار، چھوٹی چادر اور دوسرے لفافہ بڑی چادر، اور عورت کے

لیے کفایت تین کپڑے ہیں مذکورہ دو کپڑے اور ایک اوڑھنی باوجود قدرت ان سے کم کفن دینا مردیا عورت کو مکروہ ہے (مرد کے لیے دو کپڑے اس لیے کافی سمجھے گئے کہ مرد عموماً زندگی میں دو ہی کپڑے پہنا کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اگر وہ دو کپڑوں میں نماز پڑھے گا تو... بلا کراہت درست ہے، بحر الرائق میں لکھا ہے کہ مناسب یہ ہے کہ دو کپڑوں کی تعیین نہ کی جائے بلکہ کفن دینے والے کی صواب دید پر چھوڑ دیا جائے خواہ وہ ازار اور لفافہ دیں خواہ وہ کفنی اور لفافہ دیں، عورت کے لیے کفن کفایت میں اوڑھنی کا نام لیا گیا بقیہ دو کا نام نہیں لیا گیا، کہ وہ کفنی اور چادر ہو یا دو چادریں ہوں، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ متعین نہ کرنا ہی اولیٰ ہے۔ شامی نے لکھا ہے کہ ستر کے پیش نظر عورت کے لیے اوڑھنی کے علاوہ دو کپڑوں میں دونوں چادروں کا ہونا بہتر ہوگا، تاکہ سر اور گردن اور پاؤں سب ڈھکے ہوئے ہوں۔)

کفن ضرورت باقی کفن ضرورت مرد و عورت دنوں کے لیے وہ ہے جو بروقت میسر آجائے، اور اس کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ تمام بدن چھپ جائے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس کی مقدار یہ ہے کہ ستر کا حصہ چھپ جائے۔ اس لیے کہ جو حصہ ستر ہوتا ہے اور اس کا چھپانا ضروری ہوتا ہے (کل بدن چھپانے کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں حضرت مصعب بن عمرؓ صحابی کے متعلق آیا ہے کہ آپ جب غزوہ احد میں شہید ہوئے، تو آپ کے پاس صرف ایک چادر تھی دوسرا کوئی کپڑا نہیں تھا، اور چادر بھی ایسی تھی کہ جب پاؤں چھپایا جاتا تھا، تو سر کھل جاتا تھا، اور جب سر کو ڈھانکا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے، یہ دیکھ کر رسول ﷺ نے فرمایا کہ چادر سے سر ڈھانپ دو اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دو اس حدیث کو ... کہتے ہیں کہ اگر صرف ستر کا چھپانا کافی ہوتا جیسا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں، تو آنحضرت ﷺ پاؤں پر گھاس ڈا... فرماتے۔ کذا فی الطحطاوی)

تبسط اللفافة اوّلاً ثم يبسط الازار عليها و يقمص و يوضع على الازار و يلف يساره ثم يمينه ثم اللفافة كذلك ليكون الايمن على الايسر و هى تلبس الدرع و يجعل شعرها ضفيرتين على صدرها فوقه اى الدرع والخمار فوقه اى الشعر تحت اللفافة ثم يفعل كما مر و يعقد الكفن ان خيف انتشاره و خنثى مشكل كأمرأة فيه اى الكفن والمحرم كالحلال والمراهق كالبالغ و من لم يراهق ان كفن فى واحد جاز والسقط يلف ولا يكفن كالعضو من الميت.

کفن پہنانے کا طریقہ مردے کو کفن دینے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سب سے نیچے بڑی چادر بچھائی جائے پھر اس کے اوپر چھوٹی چادر بچھائی جائے اور مردہ کو کفنی پہنا کر اس پر ڈال دیا جائے۔ اس کے بعد دونوں چادروں کو اس طرح لپیٹا جائے کہ پہلے چھوٹی چادر کا بایاں حصہ لیا جائے پھر اس چادر کا دایاں حصہ اٹھایا جائے پھر اسی طرح پہلے بڑی چادر کا بایاں حصہ اٹھایا جائے پھر دایاں حصہ، گویا دونوں چادروں کا بایاں حصہ نیچے ہو اور دایاں اوپر۔

اور عورت کو نہلا کر کفنی پہنائی جائے اور اس کے بالوں کو دو چوٹی بنا کر اس کے سینے پر کفنی کے اوپر ڈال دیا جائے، اوڑھنی بال کے اوپر ہوگی اور چادروں کے نیچے، پھر اس طرح کرے جیسا کہ گذرا یعنی ہر ایک چادر الگ الگ لپیٹی جائے۔ چھوٹی پہلے پھر ...

بڑی، اور اس طرح بایاں حصہ نیچے ہو اور دایاں اوپر (شارح نے سینہ بند کا یہاں ذکر نہیں کیا کہ کہاں ہو، بحر الرائق میں ہے کہ بڑی چادر کے اوپر ہو تاکہ کفن کھلنے نہ پائے اور جوہرہ میں ہے کہ پہلے چھوٹی چادر لپیٹیں، اس کے اوپر سینہ بند باندھیں، اس کے اوپر بڑی چادر گو سینہ بند دونوں چادروں کے بیچ میں ہو۔ کذا فی الطحطاوی)

کفن کا باندھنا اگر کفن کے کھل جانے کا اندیشہ ہو تو اس کو کنارے سے باندھ دیا جائے۔

خنثیٰ مشکل کا کفن خنثیٰ مشکل کفن میں عورت کی مانند ہے یعنی احتیاط یہ ہے کہ اس کو کفن میں پانچ کپڑے دیئے جائیں کیوں کہ اگر وہ مرد ہوا تو زیادہ کپڑے دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اگر عورت ہوا تو کم دینا خلاف سنت ہوگا، البتہ اس کو ریشم اور زعفرانی رنگ کا کفن نہ دیا جائے کہ ہو سکتا ہے مرد ہو، گویا دونوں طرف احتیاط کا پہلو اختیار کیا جائے۔

محرم اور مراہق کا کفن کفن کے معاملہ میں محرم (حج کا احرام باندھنے والا) حلال کے حکم میں ہے، جو عام مردوں کو کفن دیا جاتا ہے وہی اس کو بھی دیا جائیگا جو احرام باندھے ہوئے ہونے کی حالت میں مرا ہے، اسی طرح مراہق (قریب البلوغ) بالغ کے حکم میں ہے، جس طرح اور جو بالغ کو کفن دیا جاتا ہے وہی اس مرنے والوں کو بھی دیا جائے گا جو مراہق (قریب البلوغ) ہے اور اسی حال میں وفات پائی (عام مرنے والے کا کفن جس طرح خوشبو میں بسایا جاتا ہے حالت احرام میں مرنے والے کا کفن بھی خوشبو میں بسایا جائے گا، جس طرح عام مردے کا سر کفن میں چھپایا جاتا ہے حالت احرام میں مرنے والے کا سر بھی کفن میں چھپایا جائے گا، اور جس طرح بالغ مرد کو تین اور بالغ عورت کو پانچ کپڑے کفن میں دیئے جاتے ہیں اسی طرح مراہق (قریب البلوغ) مرد کو تین اور قریب البلوغ کو پانچ کپڑے دیئے جائیں گے)

نابالغ کا کفن جو نابالغ مراہق (قریب البلوغ) نہ ہو، اگر اس کو ایک کپڑا بھی کفن میں دیا جائے تو یہ جائز ہے (حلیہ نامی کتاب میں لکھا ہے کہ جو بچہ حد شہوت کو ابھی نہ پہنچا ہو، اس کے لیے سب سے بہتر یہ ہے کہ اس کو بالغ کی طرح کفن دیا جائے اور اگر صرف کفن کے دو کپڑے دیدیئے جائیں تو یہ بھی جائز ہے، اور اگر صرف ایک کپڑا کفن میں دیا جائے تو بھی درست ہے۔ کذا فی الشامی)

مردہ بچہ کا کفن پیٹ کا بچہ جو پیدا ہوتے ہی مر جائے اس کو ایک کپڑے میں لپیٹا جائے اور مسنون کفن نہ دیا جائے، جس طرح کسی مردہ کا صرف ایک عضو اگر پڑا ہوا ملا ہے، تو اس کو بھی ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جائے گا اور مسنون کفن نہیں دیا جائے گا (اور یہی حال اس بچہ کا ہے جو مردہ پیدا ہو۔ کذا فی الشامی)

و آدمی منبوش طری لم یتفسخ یکفن کالذی لم یدفن مرۃ بعد اخری و ان تفسخ کفن فی ثوب واحد و الی ھنا صار المکفنون احد عشر والثانی عشر الشھید ذکرھا فی المجتبی ولا باس فی الکفن ببرود و کتان و فی النساء بحریر و مزعفر و معصفر لجوازہ بکل مایجوز لبسہ حال الحیوۃ واحبہ البیاض او ما کان یصلی فیہ

اگر مردہ کا کفن چوری ہو جائے

وہ مردہ آدمی جس کا کفن اتار لیا گیا ہو اور وہ تازہ ہو ابھی متغیر نہ ہوا ہو، اس کو ہر مرتبہ ایسا کفن دیا جائے گا جیسے اس مردے کو کفن دیا جاتا ہے جس کو سرے سے ابھی دفن نہیں کیا گیا ہے۔ یعنی مرد ہو تو تین کپڑے اور عورت ہو تو پانچ کپڑے۔ (ہر مرتبہ مطلب یہ ہے کہ پہلی مرتبہ کوئی کفن چرالے گا تو بھی دینا پڑے گا اور پھر دوبارہ چرالے گا تو بھی۔ اور سہ بارہ چوری ہو جائے اور مردہ کو تازہ پائے تو پھر کفن دے، جب تک اس مردہ کی لاش پھٹے گی کفن دیا جاتا رہے گا، اگر اُس مرنے والے کا مال موجود ہے تو اس سے کفن دیا جائے گا اور اگر وہ وارثوں میں تقسیم ہو گیا ہے تو کفن کی مقدار سبھوں سے واپس لی جائے گی۔

اور اگر مردہ پھٹ گیا ہو تو اس کو ایک کپڑے کا کفن دیا جائے گا (اسی طرح اگر کسی مسلمان کا کوئی کافر عزیز مر جائے تو وہ اس کو بھی ایک کپڑے کا کفن دے گا۔ کذافی البدائع)

جن لوگوں کو کفن دیا جاتا ہے

جن کو کفن دیا جاتا ہے ان کی تعداد گیارہ ہوئی، بارہواں شہید ہے اس کو مجتبیٰ میں ذکر کیا ہے۔ (پانچ کا متن میں تذکرہ ہے (۱) بالغ مرد (۲) بالغہ عورت (۳) خنثیٰ مشکل (۴) وہ شخص جس کا کفن چوری ہو گیا ہو (۵) وہ مردہ جو پھٹ گیا ہو، چھ شارح نے بیان کیے: (۱) احرام والا (۲) مراہق مرد (۳) مراہق عورت (۴) وہ جو مراہق نہ ہو، (۵) پیٹ کا بچہ جو فوراً مر گیا ہو (۶) مردہ کا کوئی عضو، اس طرح یہ گیارہ ہوئے اور بارہویں شہید جس کا بیان بعد میں آئیگا، شامی نے دو کا اضافہ کیا ہے: (۱) وہ بچہ جو مردہ پیدا ہوا ہو (۲) اور کافر مردہ، ان کو ملا کر کل چودہ ہوئے۔

کتان اور یمنی چادر کا کفن

کفن میں یمنی چادر اور کتان کے کپڑے دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور اسی طرح عورتوں کے کفن کے اندر ریشمی کپڑے، اور زعفران اور کسم کے رنگے ہوئے کپڑے دینے میں مضائقہ نہیں، اس لیے کہ ان کپڑوں کا مردوں کو کفن دینا جائز ہے جن کا استعمال زندگی میں ان کے لیے جائز تھا۔

سفید کفن

کفن کے کپڑوں میں سب سے زیادہ پسندیدہ سفید کپڑا ہے یا وہ رنگ جس رنگ کے کپڑوں میں وہ زندگی میں نماز پڑھا کرتا تھا۔

و كفن من لامال له على من تجب عليه نفقته فان تعدد و افعلى قدر ميراثهم واختلف في الزوج والفتوى على وجوب كفنها عليه عند الثاني و ان تركت مالا خانية و رجحه في البحر بانه الظاهر لانه ككسوتها و ان لم يكن ثمة من تجب عليه نفقته ففي بيت المال فان لم يكن بيت المال معمورا او منتظما فعلى المسلمين تكفينه فان لم يقدروا سألوا الناس له ثوبا فان فضل شيء رد للمتصدق ان علم و الا كفن به مثله والا تصدق به مجتبى و ظاهره انه لا يجب عليهم الا سؤال كفن الضرورة لا الكفاية و لو كان في مكان ليس فيه الا واحد و ذلك الواحد ليس له الا ثوب لا يلزمه تكفينه به و لا يخرج الكفن عن ملك المتبرع.

جس کے پاس مال نہ ہو
جس مرنے والے کا کچھ مال باقی نہ ہو، اس کا کفن اُس شخص پر واجب ہے جس پر اس کا نفقہ واجب تھا، اور اگر ایسے اشخاص کئی ہوں تو ان سب پر ان کے میراث کے مطابق کفن واجب ہوگا، اس کی تفصیل باب النفقہ میں آئے گی۔

بیوی کا کفن شوہر کے ذمہ
اس میں اختلاف ہے کہ شوہر پر اس کی بیوی کا کفن واجب ہے۔ یا نہیں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فتویٰ اس پر ہے کہ شوہر پر بیوی کو کفن دینا واجب ہے، اگرچہ اس عورت نے مال چھوڑا ہو۔ کذا فی الخانیہ، بحر الرائق میں اسی کو ترجیح دی ہے کہ ظاہر یہی ہے اس لیے کہ مرنے والی بیوی کا کفن ایسا ہے جیسے بیوی کی زندگی میں بیوی کا لباس (یعنی عورت کے پاس مال ہو نہ ہو، اسی طرح شوہر مالدار ہو یا نہ ہو، ہر صورت میں بیوی کا کفن شوہر پر واجب ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ شوہر پر بیوی کا کفن اس وقت واجب ہے جب بیوی نے کچھ نہ چھوڑا ہو، اصل اس باب میں یہ ہے کہ جس شخص پر اس کی زندگی میں مرنے والے کے لیے جبر کیا جانا جائز ہے بعد وفات اس پر کفن کے لیے بھی جبر کیا جائے گا۔)

ایسا مردہ جس کا کوئی وارث نہ ہو
اگر ایسا شخص موجود نہ ہو جس پر اس مردہ کا نفقہ واجب ہوتا ہو تو ایسے مردے کا کفن بیت المال سے دیا جائے گا، اور اگر بیت المال میں خزانہ یا جنس نہ ہو، یا ہو مگر انتظام کے ساتھ نہ ہو یعنی جن مصارف میں جو رقم صرف ہونی چاہیے اس میں صرف نہ ہوتی ہو، تو کفن عام مسلمانوں پر واجب ہوگا۔ یعنی جن لوگوں کو ایسے مرنے والے کی اطلاع ہوگی وہ انتظام کر کے دیں گے، اور یہ دینا ان پر واجب ہوگا، اور اگر یہ لوگ خود کفن نہ دے سکتے ہوں تو وہ سب لوگوں سے مانگیں گے اور اس چندہ سے کفن دیں گے، اگر اس چندہ کی رقم سے کچھ بچ رہے گی تو جنھوں نے دیا ہے وہ رقم ان کو واپس کر دی جائے گی، اگر معلوم ہو کہ فلاں فلاں نے یہ رقم دی تھی، اور اگر دینے والے کا پتہ نہ ہو یا وہ واپس نہ لے تو اس بچی ہوئی رقم سے اسی طرح کے دوسرے مردے کو کفن دیا جائے گا، اور اگر ویسا کوئی مردہ نہ ہو تو وہ رقم صدقہ کر دی جائے گی (مجتبیٰ) اس سے یہ ظاہر ہوا کہ کفن ضرورت کے مطابق مانگا جائے گا نہ کفن کفایت کے مطابق، طحطاوی نے کہا ہے کہ کفن دینا فرض کفایہ ہے، اگر واقف کار نہ دیں گے تو سب گنہ گار ہوں گے۔

جہاں صرف ایک شخص ہو
اور اگر مردہ ایسی جگہ ہو جہاں ایک شخص کے علاوہ کوئی دوسرا شخص موجود نہ ہو اور اس ایک کے پاس بھی ایک کپڑے سے زیادہ نہ ہو تو اس صورت میں اس شخص پر مردہ کو اپنے اس کپڑے میں کفن دینا لازم نہیں ہوگا اس وجہ سے کہ اس ایک کپڑے کا مردہ سے زیادہ زندہ محتاج ہے۔

کفن دینے والا کفن کا مالک ہوتا ہے
کفن جس نے بطور احسان دیا ہے وہ کفن احساناً دینے والے کی ملکیت سے نکلتا نہیں ہے، یعنی اگر کبھی مردہ کو کوئی جانور کھا جائے اور کفن رہ جائے تو وہ کفن اصل مالک کو پہنچے گا جس نے دیا تھا، مردہ کے وارث کو وہ کفن نہیں ملے گا۔

والصلوة عليه صفتها فرض كفاية بالاجماع فيكفر منكرها لانه انكر الاجماع قنيه كدفنه و غسله و تجهيزه فانها فرض كفاية و شرطها ستة اسلام الميت و طهارته مالم يهل عليه التراب فيصلى على قبره بلا غسل و ان صلى عليه او لا استحسانا و فى القنية الطهارة من

النجاسة في ثوب و بدن و مكان و ستر العورة شرط في حق الميت والامام جميعا فلو ام بلا طهارة والقوم بها اعيدت و بعكسه لا كما لو امت امرأة و لو امة لسقوط فرضها بواحد وبقي من الشروط بلوغ الامام تأمل و شرطها ايضا حضوره و وضعه و كونه هو او اكثره امام المصلي و كونه للقبلة فلا تصح على غائب و محمول على نحو دابة و موضوع خلفه لانه كالامام من وجه دون وجه لصحتها على الصبي و صلوة النبي صلى الله عليه وسلم على النجاشي لغوية او خصوصية و صحت لو وضعوا الراس موضع الرجلين و اساؤا ان تعمدوا و لو اخطأوا القبلة صحت ان تحروا والا لا مفتاح السعادة.

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اور اس کے احکام

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، یہ اجماع سے ثابت ہے لہٰذا جو اس کا منکر ہوگا اس کی تکفیر کی جائے گی کیوں کہ اس نے اجماع سے ثابت شدہ چیز کا انکار کیا ہے، جیسے مردہ کا دفن کرنا، اس کا غسل دینا اور اس کے دفن کفن کا سامان کرنا فرض کفایہ ہے (نماز جنازہ کے وجوب کا سبب مسلمان مردہ ہے اور نماز جنازہ کا وقت جنازہ کا حاضر ہو جانا ہے اور جن چیزوں سے دوسری وقتی نمازیں فاسد ہوتی ہیں، اُن سے نماز جنازہ بھی فاسد ہوتی ہے البتہ عورت کا محاذ میں ہونا نماز جنازہ کا مفسد نہیں ہے، اور اوقات مکروہہ میں یہ نماز جنازہ مکروہ ہے، نماز جنازہ پڑھاتے ہوئے اگر امام کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ اس میں اپنا خلیفہ بنا سکتا ہے)

نماز جنازہ کی شرطیں

نماز جنازہ کی چھ شرطیں ہیں اوّل مردہ کا مسلمان ہونا، دوم اس کا پاک ہونا یعنی اس کے بدن، کپڑے اور جگہ کا پاک ہونا اور پاکی اس وقت تک شرط ہے جب تک اس پر مٹی نہ ڈالی جائے اور قبر میں ڈالنے اور مٹی پڑ جانے کے بعد اس پر اس کو غسل دیئے بغیر نماز جنازہ استحساناً پڑھی جائے گی، اگرچہ پہلے اس پر نماز جنازہ پڑھی جا چکی ہو۔ (اس استحسان کی وجہ یہ ہے کہ جب جنازہ کو قدرت کے باوجود غسل نہیں دیا گیا اور اس کے باوجود اس پر نماز جنازہ پڑھی گئی، تو وہ نماز نہیں ہوئی، لیکن جب اس کو بغیر غسل دفن کیا جا چکا تو اب اس کو غسل دینے کی صورت باقی نہیں رہی اس لیے دوبارہ اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور یہ نماز جائز ہوگی۔ کذا فی الطحطاوی)

مردے کے بدن کے کپڑے وغیرہ کا پاک ہونا

قنیہ نامی کتاب میں ہے کہ مردے کا نجاست سے کپڑا پاک ہونا، بدن پاک ہونا، جگہ کا پاک ہونا اور ستر کا چھپانا شرط ہے۔ میت کے حق میں بھی اور امام کے حق میں بھی اگر امام نے بغیر وضو جنازہ کی امامت کی، لیکن مقتدی باوضو تھے تو یہ نماز لوٹائی جائے گی اور دوبارہ پڑھی جائے گی، اور اگر اس کے برعکس ہو یعنی مقتدی بے وضو ہوں اور امام باوضو تو نماز دوبارہ نہیں پڑھی جائے گی، اس لیے کہ جب امام کی نماز ہوگئی تو فرض کفایہ ادا ہو گیا، اس لیے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، بخلاف پہلی صورت کے کہ جب امام بے وضو تھا تو کسی کی بھی نماز نہیں ہوئی، لہٰذا دوبارہ پڑھنی ہوگی۔

ابتداءً پاک ہونا ضروری ہے

(جگہ کا پاک ہونے سے اُس چارپائی کا پاک ہونا مراد ہے جس پر جنازہ رکھا ہوا ہو، مردہ زمین پر ہو تو زمین کا پاک ہونا ضروری ہے ما حصل یہ ہے کہ مردہ جس چیز پر

ہو، اس کا پاک ہونا ضروری ہے۔ اور کپڑے اور بدن کا پاک ہونا ابتداء میں شرط ہے لہٰذا کفنانے کے بعد اگر مردے سے نجاست نکلے اور کفن ناپاک ہو جائے یا مردہ کا بدن نجس ہو جائے تو اس کو دھویا جائے گا، دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں ہے، اور دفع حرج کے طور پر نجاست نماز کے لیے مانع بھی نہیں ہے، البتہ اگر ناپاک کپڑے کا ابتداء ہی میں کفن دیا جائے گا تو نماز درست نہیں ہوگی۔ کذا فی الطحطاوی)

عورت جنازہ کی امامت کرے

اگر نماز جنازہ کی امامت کوئی عورت کرے خواہ وہ لونڈی ہی کیوں نہ ہو تو اس صورت میں نماز کا اعادہ نہیں ہوگا اس وجہ سے کہ ایک شخص کے نماز جنازہ پڑھنے سے بھی فرض ساقط ہو جاتا ہے۔

نماز جنازہ کی بقیہ شرطیں

نماز جنازہ کی تیسری شرط یہ ہے کہ اس نماز کا امام بالغ ہو، اس میں غور کرے، چوتھی شرط جنازہ کا موجود ہونا ہے، پانچویں شرط مردے کا زمین پر رکھا جانا ہے، چھٹی شرط یہ ہے کہ پورا جنازہ یا اس کا اکثر حصہ قبلہ کی جانب نمازی کے سامنے ہو۔

غائب کی نماز جنازہ

لہٰذا وہ مردہ جو سامنے موجود نہیں ہے اس کی نماز جنازہ درست نہیں ہوگی۔ اسی طرح اس کی نماز جنازہ بھی درست نہیں ہے جو جانور جیسے پر لادا ہوا ہو، یعنی کسی گاڑی پر ہو جس کا جوا جانور کے کندھوں پر ہو، یا وہ جنازہ لوگوں کے کندھوں پر ہو، اس لیے کہ ان صورتوں میں جنازہ کے لیے جو شرط ہے وہ شرط نہیں پائی گئی اور نہ اس جنازہ پر نماز درست ہوگی جو نمازی کے سامنے کے بجائے پیچھے رکھا ہوا ہو، اس لیے کہ مردہ ایک طرح سے امام کی مانند ہے اور دوسری طرح سے امام کی مانند نہیں ہے اس وجہ سے کہ بچہ پر نماز جنازہ درست ہوتی ہے۔

نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ

باقی نبی کریم ﷺ کا نجاشی پر نماز پڑھنا تو اس سے مراد یا تو دعا کرنا ہے یا کہا جائے گا کہ یہ آنحضرت ﷺ کی وصیت تھی (ماحصل یہ ہے کہ حدیث میں صلوٰۃ کے لفظ سے دعا مراد لی جائے، یا یہ کہا جائے کہ غائب پر نماز جنازہ آنحضرت ﷺ کے لیے مخصوص تھا۔ نجاشی حبشہ کا بادشاہ تھا اس کا نام اصمعہ تھا، اس کے موت کی خبر سرور کائنات ﷺ کو بذریعہ وحی ہوئی، آپ نے صحابہ کرام کو خبر دی، اور ان کے ساتھ اس کے لیے نماز پڑھی۔ شامی نے لکھا ہے کہ اس واقعہ میں صلوٰۃ کے معنی دعا کرنا بعید از قیاس ہے، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ جنازہ آپ کے سامنے کر دیا گیا ہو، آپ دیکھتے ہوں اور صحابہ کرام کو نظر نہ آتا ہو)

جنازہ الٹا رکھنا

اگر جنازہ کو اس طرح رکھیں کہ سر کی جگہ پاؤں ہو جائے اور پاؤں کی جگہ سر تو بھی نماز جنازہ درست ہو جائے گی، لیکن ایسا قصداً کرنا برا ہے اور مکروہ تنزیہی ہے۔

جب جنازہ سمت قبلہ میں نہ ہو

اگر غلطی سے قبلہ میں چوک ہو گئی یعنی جنازہ کی نماز بجائے قبلہ کے دوسری جانب منہ کر کے پڑھی، تو اس وقت درست ہوگی جب ان لوگوں نے قبلہ کے بارے میں تحری کی ہوگی یعنی معلوم کرنے کی سعی کی ہوگی اور غور و فکر کے بعد رائے قائم کی ہوگی اور اگر بلا تحری ایسا کیا ہوگا تو نماز درست نہیں ہوگی، کیوں کہ جب قبلہ مشتبہ ہو تو اس وقت حکم یہ ہے کہ تحری کی جائے یعنی بطور خود قبلہ کا یقین پیدا کرے کہ کس طرف ہے۔

و رکنها شیئان التکبیرات الاربع فالاولی رکن ایضا لاشرط فلذا لم یجز بناء اخری علیها والقیام فلم تجز قاعدا بلا عذر و سننها ثلثة التحمید و الثناء و الدعاء فیها ذکره الزاهدی وغیره و ما فهمه الکمال من ان الدعاء رکن والتکبیرة الاولی شرط رده فی البحر بتصریحهم بخلافه.

ارکان نمازِ جنازہ

نمازِ جنازہ کے دو رکن ہیں اول چار تکبیریں دوم نماز میں کھڑا ہونا، شارح نے کہا کہ اس سے معلوم ہوا کہ جنازہ کی پہلی تکبیر بھی رکن میں داخل ہے یہ شرط نہیں ہے، اس وجہ سے دوسری تکبیر کی بنا پہلی پر جائز نہیں اور جب نمازِ جنازہ میں کھڑا ہونا شرط ہے تو معلوم ہوا کہ بلا عذر بیٹھ کر جائز نہیں ہوتی ہے (بناء کی مراد یہ ہے کہ پہلی تکبیر کہی پھر اسی کے ساتھ دوسری تکبیر کی بھی نیت کر لی، وہ کہی نہیں، بقیہ دو کہی تو اس صورت میں نماز درست نہیں ہو گی کہ صرف تین تکبیریں پائی گئیں۔)

نمازِ جنازہ کی سنتیں

نمازِ جنازہ کی سنتیں تین ہیں: (۱) حمد کرنا (۲) ثنا کرنا (۳) اور نماز میں دعا کرنا۔ اس کو زاہدی وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور محقق کمال نے جو یہ سمجھا ہے کہ دعا رکن ہے اور تکبیر اولی شرط ہے، بحر الرائق نے اس کا رد کیا ہے کیوں کہ فقہاء سے اس کے خلاف صراحت موجود ہے شارح کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ حمد الگ چیز ہے اور ثنا الگ، حالاں کہ دونوں ایک ہیں اس لیے ثنا کی تفسیر میں ذکر آئے گا کہ اس سے مراد سبحانك اللهم وبحمدك پڑھنا ہے اس طرح حمد اور ثنا ایک سنت ہوئی، لہٰذا تیسری سنت میں درود کو ذکر کرنا چاہیے۔ محقق کمال نے دیکھا کہ نمازِ جنازہ کی حقیقت اور اس کا مقصود دعا ہے اس لیے انہوں نے دعا کو رکن کہہ دیا اور تکبیر اولیٰ کو تکبیر تحریمہ کی جگہ ہونے کی وجہ سے شرط ہے، بحر الرائق نے لکھا کہ یہ قول فقہاء کی تصریح کے خلاف ہے چنانچہ محیط میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ دعا سنت ہے، پھر مسبوق کے لیے نمازِ جنازہ میں فقہاء کہتے ہیں کہ وہ لگاتار تکبیریں کہے گا درود اور دعا کو ترک کر دے گا۔ سوال یہ ہے کہ اگر دعا رکن ہوتی تو مسبوق کے لیے اس کا ترک کرنا کیسے درست ہوتا، اور تکبیر اولی اگر شرط ہوتی تو دوسری تکبیر کی بنا اس پر ناجائز نہیں ہوتی، شامی نے کہا کہ شارح باب شروط الصلوٰۃ میں میت کے لیے دعا کو واجب پہلے لکھ چکے ہیں، لہٰذا کمال کا قول درست ہے، اور تکبیر اولی کے سلسلہ میں قول فیصل یہ ہے کہ وہ من وجہ شرط ہے اور من وجہ رکن ہے۔

و هی فرض علی کل مسلم مات خلا اربعة بغاة و قطاع طریق فلا یغسلون ولا یصلی علیهم اذا اقتلوا فی الحرب ولو بعده صلی علیهم لانه حد او قصاص و کذا اهل عصبة و مکابر فی مصر لیلا بسلاح و خناق خنق غیره مرة فحکمهم کالبغاة من قتل نفسة و لو عمدا یغسل و یصلی علیه به یفتی و ان کان اعظم وزرا من قاتل غیره و رجح الکمال قول الثانی بما فی مسلم انه علیه السلام اتی برجل قتل نفسه فلم یصل علیه لا یصلی علی قاتل احد ابویه اهانة له والحقه فی النهر بالبغاة.

چار شخصوں پر نماز جنازہ نہیں

جنازہ کی نماز ہر اس مسلمان پر فرض ہے جو وفات پا جائے، سوائے چار شخصوں کے۔(۱) باغی (۲) ڈاکو (۳) مکابر جو رات میں ہتھیار لیے پھرے (۴) گلا گھونٹنے والا جس نے کئی مرتبہ یہ کام کیا ہو، یہ سب باغیوں کے حکم میں ہیں، شارح نے کہا باغیوں کو نہ غسل دیا جائے گا اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اگر وہ گروہ لڑائی میں قتل ہوئے ہیں لیکن اگر جنگ کے بعد قتل ہوئے ہیں تو ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اس لیے کہ یہ قتل جو بعد لڑائی ہوا ہے یا حد ہے یا قصاص۔ اور جو شخص حد یا قصاص میں مارا جاتا ہے تو اس کو نہلایا بھی جاتا ہے اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جاتی ہے، شامی میں لکھا ہے کہ باغی اگر گرفتاری سے پہلے یا بعد اپنی موت سے مریں گے تو بھی ان کی نماز جنازہ ہوگی اور انہی باغیوں کے حکم میں وہ اہل عصبہ ہیں جو اپنی قوم کی حمایت میں ظلم کریں، اگر یہ اہل عصبہ یا مکابر مدد میں یا گلا گھونٹنے والا مقابلہ میں مارا جائے تو یہ بھی باغیوں کے حکم میں ہوں گے۔ ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

خودکشی والے کی نماز جنازہ

جو شخص خودکشی کرے اگرچہ عموماً اور قصداً ہو تو اس کو نہلایا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی فتویٰ اسی قول پر ہے۔ اگر وہ قاتل اپنے نفس کا بہت بڑا گنہ گار ہے بہ نسبت غیر کے قتل کرنے کے، کمال نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح دی ہے اُس حدیث کی بنیاد پر جو صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص خدمت نبوی ﷺ میں لایا گیا، جس نے بطور خود خودکشی کی تھی تو آپ نے اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ خودکشی کرنے والے کے جنازہ کو غسل تو دیا جائے گا مگر اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

خودکشی والے کی نماز جنازہ آنحضرت ﷺ نے کیوں نہیں پڑھی

شامی نے لکھا ہے کہ حدیث مذکورہ میں اس بات پر کوئی دلالت نہیں جاتی ہے کہ کسی نے بھی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی، یہ درست ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نہیں پڑھی، اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آپ کا منشا زجر و توبیخ ہے یعنی اس بات کو بتانا ہو کہ اس نے بہت برا کام کیا، پیغمبر اسلام اس کو بالکل پسند نہیں فرماتے، تاکہ آئندہ کوئی ایسا اقدام کرنے کی جرأت نہ کرے جیسے آپ نے مقروض پر بھی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی۔

والدین کے قاتل کی نماز جنازہ

جس نے اپنے ماں باپ میں سے کسی کو قتل کر ڈالا ہو، اس کی بھی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی تاکہ اس قاتل کی اہانت کا اظہار ہو سکے اور نہر الفائق میں والدین کے قاتل کو باغیوں کے ساتھ لاحق کیا ہے۔ کذا فی الطحطاوی۔

و هی اربع تکبیرات کل تکبیرة قائمة مقام رکعة یرفع یدیه فی الاولی فقط و قال ائمة بلخ فی کلها ویثنی بعدها و هو سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ و یصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم کما فی التشهد بعد الثانیة لان تقدیمها سنة الدعاء و یدعو بعد الثالثة بامور الآخرة والماثور اولی و قدم فیه الاسلام مع انه الایمان لانه منبئ عن الانقیاد فکانه دعاء فی حال الحیوة بالایمان والانقیاد دواما فی حال الوفات فالانقیاد و هو العمل غیر موجود و یسلم بلا دعاء بعد الرابعة بتسلیمتین ناویا المیت مع القوم.

ترکیب نماز جنازہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں، ان میں سے صرف پہلی تکبیر میں نمازی اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے گا بقیہ تین میں ہاتھ کانوں تک نہیں اٹھائے گا ان چار تکبیروں میں سے ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے، پہلی تکبیر کے بعد تمام لوگ ثناء پڑھیں گے اور وہ یہ ہے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالٰی جَدُّكَ وَ جَلَّ ثَنَاءُ كَ وَ لاَ اِلٰهَ غَيْرُكَ اور دوسری تکبیر کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود بھیجیں گے یعنی وہ درود پڑھیں جو نماز کے قعود میں التحیات کے بعد پڑھتے ہیں، یہ اس وجہ سے بھی کہ دعا سے پہلے درود کا پڑھنا دعاء کی سنت ہے اور تیسری تکبیر کے بعد امور آخرت سے متعلق دعا کریں گے اور دعائے ماثورہ پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ (جنازہ کی مشہور دعا یہ ہے، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَ مَيِّتِنَا وَ شَاهِدِنَا وَ غَائِبِنَا وَ صَغِيْرِنَا وَ كَبِيْرِنَا وَ ذَكَرِنَا وَ اُنْثَانَا اللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَاَحْيِهِ عَلَى الْاِسْلَامِ وَ مَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْاِيْمَانِ. اس کے علاوہ دعا بھی آنحضرت ﷺ سے منقول ہے، حدیث کی دعائے جنازہ میں سے کوئی دعا بھی پڑھ سکتا ہے اور جس کو دعائے جنازہ یاد نہ ہو وہ یہ مختصر دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَ لِوَالِدَيْنَا وَ لَهُ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ، کذا فی المنح)

اسلام کی تقدیم ایمان پر شارح نے بتایا ہے کہ دعائے جنازہ میں حدیث کے اندر اسلام کو ایمان پر مقدم کیا ہے باوجود اس کے کہ اسلام ہی کا دوسرا نام ایمان ہے اس کی تقدیم کی وجہ یہ ہے کہ اسلام فرماں برداری کی خبر دیتا ہے گویا زندگی کی حالت میں ایمان فرماں برداری دونوں کی دعا ہے اور وفات کی حالت میں صرف ایمان کی دعا ہے جس کا تعلق قلب سے ہے، فرماں برداری کی دعا نہیں ہے، اس لیے کہ یہ عمل کا نام ہے اور وفات کے بعد عمل کا موقع باقی نہیں رہتا۔ (اسلام کا ایک معنی باعتبار لغت ہے اور دوسرا باعتبار شریعت شرعی معنی میں اسلام و ایمان ایک ہے مگر لغت کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے اسلام کا تعلق عمل سے ہے اور ایمان کا دل سے، زندگی میں عمل بھی چاہیے اور قلبی تصدیق بھی، اور مرنے کے بعد انسان عمل کے لائق رہتا نہیں ہے صرف قلبی تصدیق ساتھ رہتی ہے) اور چوتھی تکبیر کے بعد بغیر کچھ پڑھے ہوئے سلام پھیر دے گا، سلام دائیں بائیں دونوں طرف پھیرے گا۔

سلام میں میت کی نیت سلام میں میت کے ساتھ قوم کی بھی نیت کرے گا (خانیہ میں لکھا ہے کہ سلام پھیرتے وقت سلام میں مردہ کی نیت نہیں کرے گا صرف مقتدیوں کی کرے گا جو نماز میں شریک ہیں، مردہ کی نیت اس وجہ سے نہیں کرے گا کہ مردہ سلام کا مخاطب نہیں رہتا ہے لیکن خیر الدین رملی نے کہا ہے کہ مردہ کی بھی نیت کرے گا اس لیے کہ آخر قبرستان میں جب زندہ حاضر ہوتا ہے تو مردوں کو خطاب کر کے السلام علیکم کہتا ہے، پھر کوئی وجہ نہیں کہ مردے کو سلام کا مخاطب قرار نہ دیا جائے۔)

و يسر الكل الا التكبير زيعلي وغيره لكن في البدائع العمل في زماننا على الجهر بالتسليم و في جواهر الفتاوى يجهر بواحدة ولا قراء ة و لا تشهد فيها و عين الشافعي الفاتحة في الاولى و عندنا تجوز بنية الدعاء و تكره بنية القراء ة لعدم ثبوتها فيها عنه عليه السلام و افضل صفوفها اٰخرها اظهار اللتواضع و لو كبر امامه خمسا لم يتبع لانه منسوخ فيمكث المؤتم حتى يسلم معه اذا سلم به يفتى هذا اذا سمع من الامام ولو من المبلغ

تابعه و ینوی الافتتاح بکل تکبیرة و کذا فی العید.

دعائیں وغیرہ آہستہ تکبیر کے سوا بقیہ تمام دعاؤں کو آہستہ ادا کرے۔ زیلعی وغیرہ میں ایسا ہی ہے۔ بدائع میں ہے کہ ہمارے زمانہ میں اس پر عمل ہے کہ سلام بلند آواز سے کہے اور جواہر الفتاویٰ میں ہے کہ پہلا سلام بلند آواز سے کہے اور دوسرا آہستہ۔

نماز جنازہ میں نہ تلاوت ہے اور نہ التحیات جنازہ کی نماز میں نہ قرأت (تلاوت قرآن) ہے اور نہ اس میں التحیات ہے، لیکن امام شافعیؒ نے متعین طور پر کہا ہے کہ نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ (الحمد شریف) پڑھے لیکن احناف کہتے ہیں کہ الحمد کا دعا کی نیت سے نماز جنازہ میں پڑھنا جائز ہے مگر قرأت کی نیت سے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اس لیے کہ الحمد کا قرأت کی نیت سے نماز جنازہ میں پڑھنا آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہے (لہٰذا تکبیر اولی کے بعد اگر کوئی بہ نیت دعا سورہ فاتحہ پڑھ لے گا تو وہ ثنا کے قائم مقام ہو جائے گی۔)

نماز جنازہ پچھلی صف میں نماز جنازہ کی تمام صفوں میں بہتر صف اس کی سب سے پچھلی صف ہے اس لیے کہ اس میں تواضع کا اظہار ہے۔

نماز جنازہ چار تکبیر سے زیادہ امام اگر نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد پانچویں تکبیر کہے تو حنفی مقتدی اس کی پیروی نہیں کریں گے، اس لیے کہ پانچویں مرتبہ تکبیر کہنا منسوخ ہے۔ لہٰذا مقتدی کو چاہیے کہ اس صورت میں وہ رُکا رہے، اور جب اس کا امام سلام پھیرے تو وہ بھی اس کے ساتھ سلام پھیرے، فتویٰ اسی پر ہے، یہ اس صورت میں ہے کہ جب وہ اپنے امام کو تکبیر کہتے ہوئے سنے، لیکن اگر وہ پانچویں تکبیر کسی مکبّر سے سنے گا تو وہ بھی کہے گا اور ہر تکبیر سے شروع والی تکبیر مراد لے گا۔ یہی حکم عیدین کی زوائد تکبیروں کا ہے کہ چھ زائد تکبیروں میں امام کی پیروی کرے گا لیکن اگر وہ چھ سے زیادہ تکبیریں کہے گا تو مقتدی اسکی پیروی نہیں کرے گا۔ البتہ جب مکبّر سے سنے گا تو پیروی کرے گا۔

چار سے زائد تکبیروں کی منسوخی نماز جنازہ میں چار سے زیادہ تکبیر کے منسوخ ہونے کی دلیل میں زیلعی نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ میں صرف چار تکبیریں کہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اس سے پہلے جن احادیث میں پانچ۔ سات یا نو تکبیریں مذکور ہیں وہ آپ کے اس فعل سے منسوخ ہیں۔ کذا فی الطحطاوی۔

ولا یستغفر فیها لصبی و مجنون و معتوه لعدم تکلیفهم بل یقول بعد دعاء البالغین اللہ اجعله لنا فرطا بفتحتین ای سابقا الی الحوض لیهیء الماء و هو دعاء له ایضا لتقدمه فی الخیر لا سیما و قد قالوا حسنات الصبی له لا لابویه بل لهما ثواب التعلیم وجعله لنا ذخرا بضم الذال المعجمة ذخیرة و شافعا و مشفعا مقبول الشفاعة و یقوم الامام ندبا بحذاء الصدر مطلقا للرجل والمرأة لانه محل الایمان والشفاعة لاجله والمسبوق ببعض التکبیرات لا یکبر فی الحال بل ینتظر تکبیر الامام لیکبر معه للافتتاح لما مر ان کل

تکبیرة کرکعة والمسبوق لا یبدأ بما فاته و قال ابو یوسف یکبر حین یحضر کما لا ینتظر الحاضر فی حال التحریمة بل یکبر اتفاقا للتحریمة لانه کالمدرك ثم یکبر ان ما فاتهما بعد الفراغ نسقا بلا دعاء ان خشیا رفع المیت علی الاعناق و ما فی المجتبی من ان المدرك یکبر الکل الحال شاذ نهر فلو جاء المسبوق بعد تکبیرة الامام الرابعة فاتته الصلوٰة لتعذر الدخول فی تکبیرة الامام و عند ابی یوسف یدخل البقاء التحریمة فاذا سلم الامام کبر ثلثا کما فی الحاضر و علیه الفتوی ذکره الحلبی وغیره.

بچے اور پاگل وغیرہ کا حکم نماز جنازہ میں بچے، پاگل اور بے عقل کے لیے دعائے مغفرت نہیں کی جائے گی اس لیے کہ یہ سب مکلف نہیں ہیں (شامی نے لکھا ہے کہ یہاں پاگل اور بے عقل سے ایسے لوگ مراد ہیں جو شروع سے لے کر موت کے وقت تک پاگل اور بے عقل رہے ہوں، باقی جو بالغ ہونے کے کچھ دنوں بعد پاگل اور بے عقل ہوئے ہوں ان کے لیے دعائے مغفرت کی جائے گی۔)

نابالغ اور پاگل کی دعائے جنازہ نابالغ بچوں اور پاگل اور بے عقل کے لیے نماز جنازہ میں بالغ کے لیے جو دعا ہے اس کی جگہ یہ دعاء پڑھی جائے گی۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَّ اجْعَلْهُ لَنَا ذُخْرًا وَ جعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّ و مُشَفَّعًا اے اللہ تو اس کو ہمارے لیے حوض کوثر پر پہلے سے تیار رہنے والوں میں بنادے اور اس کو ذخیرہ بنا اور ہمارے لیے اس کو سفارش کرنے والا اور سفارش قبول کیا ہوا بنا، شارح نے بتایا کہ فَرَطٌ فا اور راء کے زبر کے ساتھ ہے اس کے معنی ہے وہ شخص جو حوض کوثر پر پہلے پہنچ کر پانی تیار رکھے اور ذُخْرٌ ذال کے پیش کے ساتھ ہے اس کے معنی ذخیرہ کے ہیں اور مُشَفَّعًا کے معنی مقبول الشفاعۃ ہے۔

دعائے نابالغ پر ایک اعتراض کا جواب یہ دعا نابالغ کے لیے اس وجہ سے ہوئی کہ یہ لڑکے پہلے خیر کی طرف خود بڑھنے والے ہوتے ہیں، خصوصا اس وجہ سے بھی کہ فقہاء نے کہا ہے کہ بچوں کی نیکیاں ان کو ہی ملتی ہیں، اس کے ماں باپ کو نہیں ملتی ہیں، البتہ والدین کو تعلیم و تربیت دینے کا ثواب حاصل ہوگا۔

سوال یہ ہے کہ نماز جنازہ میں دعا میت کے لیے ہوتی ہے اور نابالغ کی دعا میں اس کے والدین کے لیے دعا کی گئی ہے ایسا کیوں؟ اوپر اس جواب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب بچہ کو پہلے حوض کوثر پر پانی پلانے کے لیے تیار رہنے کی دعا کی گئی ہے تو ضمناً پہلے بچہ کے لیے دعا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اس کو حوض کوثر پر پہنچائے تاکہ وہ خود بھی اس سے مستفیض ہو اور پھر وہ اپنے والدین کو بھی فائدہ پہنچائے۔

بالغ کی دعا نابالغ کے لیے نہیں بعض کتابوں میں اس کی صراحت موجود ہے کہ جو دعا بالغین کے لیے ہے وہ نابالغوں کی نماز جنازہ میں نہیں پڑھی جائے گی، بلکہ نابالغ کے لیے جو دعا حدیث میں آئی ہے اسی کے پڑھنے پر اکتفا کرے، فقہ کی کتابوں میں نابالغ کی پوری دعا اس طرح ہے، اللھم اجعله لنا فرطا و اجعله لنا

اجرا و اجعله لنا ذخرا و اجعله لنا شافعا و مشفعا اور اگر وہ لڑکے کے بجائے لڑکی ہو تو ضمیر مذکر (ہ) کو ضمیر مؤنث (ھا) سے بدل کر پڑھے اور شافعا و مشفعا کو شافعة و مشفعة پڑھا جائے۔

امام جنازہ کے سینہ کے برابر کھڑا ہو

مستحب یہ ہے کہ امام ہر حال میں جنازہ کے سینہ کے برابر کھڑا ہو، خواہ مرد ہو، خواہ عورت، بالغ ہو یا نابالغ، اس لیے کہ سینہ محل ایمان ہے اور اس کی شفاعت ایمان ہی کی وجہ سے آخرت میں ہوگی۔

نماز جنازہ میں بعد میں شریک ہونے والا

اور جو شخص نماز جنازہ میں آکر بعد میں ملے یعنی کچھ تکبیر امام کے ساتھ اس نے پائی ہو اور بعض تکبیریں چھوٹ گئی ہوں، وہ آتے ہی اللہ اکبر نہیں کہے گا بلکہ امام کی تکبیر کا انتظار کرے گا تاکہ اس کے ساتھ وہ افتتاح کا اللہ اکبر کہے پہلے گذر چکا ہے کہ ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے اور بعد میں آنے والا چھٹی ہوئی رکعتوں سے ابتدا نہیں کرتا ہے (یعنی مسبوق اپنی بقیہ رکعتوں کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد پوری کرتا ہے اسی طرح نماز جنازہ کے مسبوق کو چھٹی ہوئی تکبیروں کو امام کے سلام کے بعد کہنا چاہیے، اگر بعد میں آنے والا آتے ہی اللہ اکبر کہہ کر ملے گا تو اس کی نماز جنازہ بھی درست ہوگی مگر یہ اللہ اکبر چار تکبیروں میں شمار نہیں ہوگا)

امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں آنے والا جس وقت آکر ملے گا اللہ اکبر کہے گا (صورت مسئلہ یہ ہے کہ نماز جنازہ کا امام اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کر چکا تھا، اس کے بعد کوئی آکر ملا تو وہ کیا کرے آتے ہی اللہ اکبر کہہ کر ملے یا صرف مل جائے اور اللہ اکبر اس وقت کہے جب امام کہے، طرفین کہتے ہیں جب امام کہے تب وہ کہے، یوں آکر مل جائے اور امام ابویوسفؒ کہتے ہیں کہ جس وقت آکر ملے اسی وقت اللہ اکبر کہے اور دوسری تکبیر امام کے ساتھ کہے گویا یہ ان کے نزدیک مسبوق نہیں ہوگا اور طرفین کے نزدیک اس کی پہلی تکبیر رہ گئی لہٰذا وہ اس کو امام کے سلام کے بعد کہے گا، اور حکماً یہ مسبوق ہوگا)

شروع ہوتے وقت موجود رہنے والا

جس طرح وہ شخص جو امام کی پہلی تکبیر کے وقت موجود تھا اور اس نے امام کے ساتھ اللہ اکبر نہیں کہا تو اب یہ دوسری تکبیر کا انتظار نہیں کرے گا بلکہ وہ اللہ اکبر کہہ کر مل جائے گا اس پر طرفین اور امام ابویوسفؒ سب کا اتفاق ہے اس لیے کہ وہ موجود شخص مدرک کے مثل ہے کیوں کہ بوقت تحریمہ موجود تھا۔

مسبوق کیا کرے

امام کے فارغ ہونے کے بعد جن کی تکبیریں چھوٹ گئیں ہیں وہ ان چھٹی ہوئی تکبیروں کو بغیر درمیان میں دعا پڑھے ہوئے مسلسل کہے گا جب کہ ان کو خوف ہو کہ لوگ جنازہ کو اٹھالیں گے (مثلاً ایک شخص نماز جنازہ میں اس وقت آکر ملا جب امام دو تکبریں کہہ چکا تھا دو تکبیریں اس صورت میں وہ امام کے ساتھ کہے گا اور بقیہ دو کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد کہہ لے گا)

نماز جنازہ کا مسبوق اپنی بقیہ تکبیروں کو کب پورا کرے

مجتبیٰ نامی کتاب میں جو یہ لکھا ہوا ہے کہ مدرک اپنی کل فوت شدہ تکبیروں کو شریک ہوتے وقت فوراً کہے یہ خلاف قیاس ہے۔ کذا فی النہر۔

یعنی انھوں نے لکھا ہے کہ امام کے نماز شروع کرتے وقت ایک شخص موجود تھا، مگر وہ امام کے ساتھ نہ ملا دوسری تیسری تکبیر میں ملا تو جس تکبیر میں ملے گا اس کو کہنے کے بعد فوت شدہ کو بھی اسی وقت کہہ لے گا۔ شارح نے بتایا کہ یہ قول فقہاء کی تصریح کے خلاف ہے، کیوں کہ اکثر فقہاء یہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے امام کے سلام کے بعد فوت شدہ تکبیریں کہے گا)

پس اگر کوئی شخص امام کی چوتھی تکبیر کے بعد آیا ہے تو طرفین کہتے ہیں کہ اس کی نماز جنازہ فوت ہو گئی اس لیے کہ امام کی تکبیر میں شرکت کی کوئی صورت نہیں باقی رہی، اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک یہ نماز میں داخل شمار ہو گا کیوں کہ ان کے نزدیک تحریمہ باقی ہے، چنانچہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ بقیہ تین تکبیریں کہہ لے گا جیسے وہ شخص جو شروع سے موجود ہو اور امام کے ساتھ شریک نہیں ہوا، اور امام کے ساتھ اس وقت ملا جب وہ چوتھی تکبیر کہہ چکا (تو ایسا شخص متفقہ طور پر سلام کے بعد تین بقیہ تکبیریں کہے گا اور فتویٰ امام ابویوسفؒ کے قول پر ہے اس کو حلبی وغیرہ نے ذکر کیا (گویا طرفین کے نزدیک مسبوق کو امام کی تکبیر کا انتظار کرنا ہو گا، اس کی تکبیر کے ساتھ وہ شریک ہو سکتا ہے اور جب وہ چوتھی تکبیر بھی کہہ چکا تو اب انتظار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک سلام پھیرنے سے پہلے تکبیر تحریمہ باقی رہتی ہے۔ اس لیے آنے والا شریک ہو سکتا ہے۔ کذافی الشامی)

و اذا اجتمعت الجنائز فافراد الصلوة على كل واحدة اولى من الجمع و تقديم الافضل افضل و ان جمع جاز ثم ان شاء جعل الجنائز صفا واحدا و قام عند افضلهم و ان شاء جعلها صفا مما يلى القبلة واحد اخلف واحد بحيث يكون صدر كل جنازه مما يلى الامام ليقوم بحذاء صدر الكل و ان جعلها درجا فحسن لحصول المقصود وراعى الترتيب المعهود خلفه حالة الحيوة فيقرب منه الافضل فالافضل الرجل مما يليه فالصبى فالخنثى فالبالغة فالمراهقة والصبى الحر يقدم على العبد والعبد على المرأة و اما ترتيبهم فى قبر واحد لضرورة فبعكس هذا فيجعل الافضل مما يلى القبلة فتح.

ایک وقت میں متعدد جنازوں کی ایک نماز

جب کئی جنازے جمع ہو جائیں تو اس صورت میں ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ نماز جنازہ پڑھنا سب پر اکٹھے پڑھنے سے زیادہ بہتر ہے، اور اس جمع شدہ جنازے میں جو افضل ہو ترتیب میں اس کو مقدم کرنا اولیٰ ہے یعنی ان جمع شدہ نمازوں میں جو سب سے بہتر عمل والا ہو اس کی نماز جنازہ پہلے پڑھی جائے پھر اسی ترتیب سے بقیہ کی یوں تمام موجود نمازوں میں اکٹھے ایک نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔

اگر کئی جنازے جمع ہو جائیں اور ان سب پر ایک ہی نماز جنازہ پڑھنا چاہیں تو یہ جائز ہے، جب ایک ساتھ تمام جنازوں پر ایک نماز جنازہ پڑھی جائے گی تو اس کی صورت کے متعلق فقہاء لکھتے ہیں کہ ایک ساتھ نماز جنازہ پڑھنے میں تمام جنازوں کو چاہے ایک صف میں رکھ دیں اس طرح کہ ایک کا سر دوسرے کے پاؤں کی طرف ہو، اور ان میں سے اس جنازے کے سینے کے مقابل کھڑا ہو جو ان سب سے افضل ہو، اور اگر چاہے تو ان تمام جنازوں کو قبلہ کی طرف یکے بعد دیگرے برابر برابر رکھے بالکل

ایک صف میں، اس طرح کہ سب کے سینے ایک سیدھ میں ہوں، اور امام ان کے سینے کے مقابل کھڑا ہو اور اگر چاہے تو ان جنازوں کو زینے کی طرح رکھے، اس طرح کہ ایک کا سر دوسرے کے سر سے کچھ نیچے کرے یعنی ہر ایک جنازہ پہلے کی بہ نسبت تھوڑا سا بائیں طرف کو رہے ہر صورت میں ایک ساتھ نماز جنازہ ادا ہو جائے گی۔ (لیکن ان میں بہتر صورت دوسری معلوم ہوتی ہے، کہ سب جنازے ایک سیدھ میں امام کے آگے ہوتے ہیں اور امام سبھوں کے سینے کے مقابل کھڑا ہوتا ہے۔ واللہ اعلم)

امام کے قریب افضل ہو

ایک ساتھ بہت سے جنازوں کے جمع ہونے کی صورت میں متعین ترتیب کی رعایت رکھے جس طرح ان کی زندگی میں ترتیب رکھی جاتی تھی یعنی امام سے متصل سب سے افضل شخص کا جنازہ رکھا جائے پھر اس کا جس کا درجہ اس کے بعد ہو، مثلاً عالم دین ہو تو اس کو امام سے متصل مقدم کرے پھر جو درجہ میں اس سے کم ہو، پھر جو اس سے کم ہو اور اگر علم میں سب برابر ہوں تو عمر کا لحاظ کر کے ترتیب قائم کرے مثلاً پہلے سب سے بڑی عمر والے کا جنازہ امام کے قریب ہو پھر جو اس سے عمر میں کم ہو، پھر جو اس سے کم ہو۔

مختلف نوع جنازوں کی ترتیب

اگر مختلف قسم کے جنازے ہوں تو امام سے قریب پہلے مرد کا جنازہ ہو پھر بچہ کا، پھر خنثیٰ کا، پھر عورت بالغہ کا، پھر قریب البلوغ عورت کا، اس ترتیب میں آزاد بچہ کا جنازہ بالغ غلام پر مقدم ہوگا اور غلام مقدم ہوگا عورت پر۔

ایک قبر میں بہت مردے دفن کرنا اور اس کی ترتیب

اگر ایک قبر میں کسی مجبوری کی وجہ سے بہت سے مردوں کو دفن کرنا پڑ جائے تو وہاں ترتیب اس کے برعکس ہوگی یعنی افضل کا جنازہ قبلہ کی طرف سب سے پہلے رکھا جائے گا پھر اس کے پیچھے دوسرے کا جو رتبہ میں اس سے کم ہو، پھر اسی ترتیب سے (مجبوری کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ بلا ضرورت دو شخصوں کا ایک قبر میں دفن کرنا درست نہیں ہے، لیکن اگر کسی وجہ سے ایک قبر میں دو شخصوں کو دفن کرنا ہی پڑے، تو ہر دو کے درمیان مٹی ڈالی جائے گی یا کچی اینٹ کھڑی کی جائے گی تاکہ حکماً دو قبروں کی صورت ہو جائے)

و يقدم فى الصلوة عليه السلطان ان حضر او نائبه و هو امير المصر ثم القاضى ثم صاحب الشرط ثم خليفته ثم خليفة القاضى ثم امام الحى فيه ايهام و ذلك ان تقديم الولاة واجب و تقديم امام الحى مندوب فقط بشرط ان يكون افضل من الولى والا فالولى اولى كما فى المجتبى و شرح المجمع للمصنف و فى الدراية امام المسجد الجامع اولى من امام الحى اى مسجد محلته نهر ثم الولى بترتيب عصوبة الا نكاح الا الاب فيقدم على الابن اتفاقا الا ان يكون عالما والاب جاهلا فالابن اولى فان لم يكن له ولى فالزوج ثم الجيران و مولى العبد اولى من ابنه الحر لبقاء ملكه والفتوى على بطلان الوصية بغسله والصلوة عليه وله اى للولى و مثله كل من يقدم عليه من باب اولى الاذن لغيره فيها لانه

حقه فیملك ابطاله الا انه ان کان هناك من یساویه فله ای لذلك المساوی ولو اصغر سنًا المنع لمشارکته فی الحق اما البعید فلیس له المنع.

نماز جنازہ کی امامت

نماز جنازہ میں امامت کے لیے اگر بادشاہ موجود ہو، تو اس کو مقدم کیا جائے گا یا اس کے نائب کو، یا پھر قاضی کو، پھر حاکم سیاست کو، پھر اس کے خلیفہ کو، پھر اس کے بعد درجہ قاضی کے خلیفہ کا ہے، اور یہ سب نہ ہوں تو محلّہ کی مسجد کا امام مقدم سمجھا جائے گا۔

شارح نے بتایا کہ مصنف کی عبارت میں ابہام ہے اس لیے کہ اس کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ وغیرہ اور امام محلّہ دونوں کو درجہ بدرجہ مقدم کرنا یکساں ہے، حالاں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ بادشاہ وغیرہ اگر موجود ہوں تو اس کو امام بنانا واجب ہے اور یہ نہ ہوں تو امام محلّہ کا امام بنانا صرف مستحب ہے اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ امام محلّہ میت کے ولی سے افضل ہو، اور اگر ولی بہتر ہو تو اسی کا امام ہونا افضل ہے، چنانچہ مجتبیٰ اور شرح المجمع میں ایسا ہی ہے۔

جنازہ کی نماز میں امام مسجد اور ولی کی امامت

درایہ میں ہے کہ جامع مسجد کا امام جنازہ کی امامت کے لیے محلّہ کی مسجد کے امام سے بہتر ہے (محلّہ سے مراد مردہ کا محلّہ ہے کذا فی النہر)

متفقہ طور پر محلّہ کی مسجد کے امام کے بعد جنازہ کی امامت کا مستحق خود ولی ہے اور ولی میں ترتیب نکاح کرانے کی جو ترتیب عصبہ میں ہے وہی ہے البتہ میت کا باپ اسکے بیٹے پر متفقہ طور پر مقدم ہوگا۔ ہاں اگر اسکا بیٹا عالم ہو اور باپ جاہل ہو تو بیٹا بہتر ہوگا۔

عورت کی نماز جنازہ کا مستحق شوہر

اگر میت کا ولی نہ ہو اور مرنے والی عورت ہو تو اس کی نماز جنازہ کی امامت کے لیے اس کا شوہر اولیٰ ہے، پھر ہمسایہ کے لوگ اجنبی سے افضل ہیں اور اگر غلام مر گیا ہو تو اس کی نماز جنازہ کی امامت کے لیے اس کا آقا مرنے والے کے آزاد بیٹے سے افضل ہے، اس لیے کہ آقا کی ملک باقی ہے (قاعدہ میں آقا غلام میت کے تمام اقارب سے بہتر ہے، اور یہاں ملک سے حکمی ملک مراد ہے، ورنہ موت کے بعد آقا کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔ کذا فی الشامی)

مرنے والے کی وصیت غسل، کفن وغیرہ کے سلسلہ میں باطل ہے

فتویٰ اس پر ہے کہ اگر مرنے والا وصیت کر جائے کہ مجھے فلاں شخص غسل دے یا فلاں شخص نماز جنازہ پڑھائے تو یہ وصیت باطل ہے (اسی طرح اگر کسی نے وصیت کی ہے کہ کفن میں فلاں کپڑا مجھے دیا جائے یا مجھے فلاں جگہ دفن کیا جائے، تو یہ وصیت بھی باطل ہے، اس پر عمل ضروری نہیں ہے۔ کذا فی الشامی)

ولی جنازہ دوسرے سے امامت کرا سکتا ہے

ولی یا جس کو امامت کا حق ہے اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی جگہ دوسرے شخص کو امامت کی اجازت دے، اس لیے جب امامت اس کا حق ہے تو اس کو اپنے اس حق کے باطل کرنے کا بھی اختیار ہے، لیکن اگر ولی کے مساوی دوسرا ولی ہو، تو اس دوسرے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ غیر شخص کو امامت سے روک دے، خواہ یہ دوسرا ولی پہلے سے عمر میں چھوٹا ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ حق امامت میں یہ دوسرا ولی شریک ہے، البتہ ولی بعید کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔ (مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ مرنے والے کے

مثلاً دو بیٹے ہیں بڑے بیٹے نے زید کو اجازت دی کہ وہ نماز جنازہ پڑھا دے، اب چھوٹے بیٹے کو اختیار ہے کہ وہ زید کو امامت سے روک دے، مگر دور کا رشتہ دار ایسا نہیں کر سکتا ہے۔ اس کو روکنے کا حق حاصل نہیں ہے۔)

فان صلی غیرہ ای الولی ممن لیس له حق التقدم علی الولیٰ و لم یتابعه الولی اعاد الولی و لو علی قبرہ ان شاء لاجل حقه لا لاسقاط الفرض و کذا قلنا لیس لمن صلی علیها ان یعید مع الولی لان تکرارها غیر مشروع و الا ای و ان صلی من له حق التقدم کقاض او نائبه او امام الحی او من لیس له حق التقدم و تابعه الولی لا یعید لانهم اولی بالصلوة منه و ان صلی هو ای الولی بحق بان لم یحضر من یقدم علیه لا یصلی غیرہ بعدہ و ان حضر من له التقدم لکونها بحق اما لو صلی الولی بحضرة السلطان مثلا اعاد السلطان کما فی المجتبی وغیرہ و فیه حکم صلوة من لا ولایة له کعدم الصلوة اصلا فیصلی علی قبرہ مالم یتمذق و ان دفن واهیل علیه التراب بغیر صلوة او بها بلا غسل او ممن لا ولایة له صلی علی قبرہ استحسانا مالم یغلب علی الظن تفسخه من غیر تقدیر هو الاصح وظاهرہ انه لو شك فی تفسخه صلی علیه لکن فی النهر عن محمد لا کانه تقدیما للمانع.

اگر غیر مستحق بغیر ولی نماز جنازہ پڑھا دے

اگر جنازہ کی نماز اس شخص نے پڑھا دی جس کو ولی پر مقدم ہونے کا حق نہیں تھا، اور خود ولی میت نے اس امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی، تو اس ولی کو حق ہے کہ اگر وہ چاہے تو دوبارہ نماز جنازہ پڑھے، گو اس کی قبر پر نماز پڑھنی پڑے، اس لیے کہ یہ حق اس کو شرعاً حاصل ہے اگرچہ فرضیت دوسرے کے پڑھنے سے بھی ساقط ہو جاتی ہے، اور ولی نماز نہ پڑھے، تو کوئی گنہ گار نہیں ہوگا، ولی کو دوبارہ نماز جنازہ کی اجازت اس کے حقدار ہونے کی حیثیت سے دی گئی ہے۔ کذا فی الطحطاوی، ہم کہتے ہیں کہ جو شخص پہلے امام کے ساتھ نماز جنازہ پڑھ چکا ہے اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ پھر ولی کے ساتھ نماز جنازہ پڑھے، اس وجہ سے کہ دوبارہ نماز جنازہ مشروع نہیں ہے۔ (جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی دوبارہ نماز جنازہ پڑھی، وہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات تھی جو دوسروں کو حاصل نہیں)

مستحق نے اگر نماز جنازہ پڑھی ہے تو اعادہ نہیں ہے

اور اگر اوپر والی صورت کے بجائے یہ صورت ہو کہ نماز جنازہ بجائے غیر مستحق کے مستحق نے پڑھائی ہو، جیسے قاضی نے پڑھی جس کو ولی پر بھی فضیلت حاصل ہے یا اس کے نائب نے پڑھی ہو، یا محلّہ کے امام نے پڑھی ہو یا ایسے شخص نے جس کو آگے بڑھنے کا حق نہیں تھا مگر ولی نے اس کی اقتدا کر لی ہو تو ان تمام صورتوں میں ولی دوبارہ نماز جنازہ نہیں پڑھے گا، اس لیے کہ جن کو ولی پر امامت میں فضیلت حاصل ہے، وہ سب ولی سے افضل و بہتر ہیں اور جب ولی نے اس کے پیچھے نماز پڑھ لی تو یہ اس کی طرف سے ضمناً اجازت کے قائم مقام شمار ہوگی۔

ولی کے بعد دوسرے مستحق کو بھی نماز کی اجازت نہیں

اگر ولی نے اپنے استحقاق کی وجہ سے نماز جنازہ پڑھ لی، اس طرح کہ جو ولی پر مقدم تھے وہ نہیں آئے، تو ولی کے نماز پڑھ لینے کے بعد وہ حقدار لوگ دوبارہ نماز جنازہ نہیں پڑھیں گے اگر وہ بعد میں آجائیں، کیوں کہ ولی کی نماز ہوگئی کیوں کہ وہ مستحق تھا۔

سلطان کو اعادہ کا حق ہے

لیکن اگر سلطان کی موجودگی میں ولی نے نماز جنازہ پڑھی ہے تو سلطان کو نماز کے اعادہ کا حق ہے وہ لوٹا سکتا ہے، کما فی المجتبیٰ وغیرہ البتہ اس کو نماز پڑھنے کا استحقاق نہیں تھا اس کا پڑھنا مثل بالکل نہ پڑھنے کے ہے لہٰذا اس صورت میں ولی اس کی قبر پر اگر چاہے تو نماز پڑھ سکتا ہے، مگر اسی وقت تک جب تک وہ مردہ قبر میں پھٹا نہ ہو (اور پھٹنے کی مدت میں اختلاف ہے کم سے کم مدت تین دن بیان کی گئی ہے اور یہ دراصل جگہ اور موسم کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے لہٰذا مقامی تجربہ کاروں سے اندازہ لگوانا چاہیے)

بغیر نماز جنازہ اگر دفن ہوگیا ہو

اگر مردہ کو بغیر نماز جنازہ دفن کردیا گیا ہو اور اس پر مٹی ڈال دی گئی ہو، یا نماز تو پڑھی گئی مگر بغیر غسل دیئے ہوئے، یا ایسے شخص نے نماز پڑھی جس کو حق حاصل نہیں تھا، تو ان تمام صورتوں میں جب تک غالب گمان مردے کے پھٹنے کا نہ ہو، اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، استحسان کا تقاضہ یہی ہے پھٹنے کے لیے کوئی خاص مدت مقرر نہ کرنا زیادہ صحیح ہے، اور اس کے ظاہر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر قبر میں مردہ کے پھٹنے میں شک ہو تو اس صورت میں بھی اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی لیکن نہر الفائق میں امام محمدؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ شک کی صورت میں نماز نہیں پڑھی جائے گی، گویا انھوں نے مانع کو ترجیح دی ہے، (شامی نے لکھا ہے کہ جب مردہ بغیر نماز جنازہ دفن کردیا گیا ہو یا بغیر غسل دیئے ہوئے اور اُس پر جنازہ کی نماز پڑھی گئی ہو، اور دفن کردیا گیا ہو، تو ان دونوں صورتوں میں قبر پر نماز پڑھنی واجب ہے، اور تیسری صورت میں جب کہ اس شخص نے نماز پڑھی ہو، جس کو ولایت حاصل نہیں تھی اور دفن کردیا گیا ہو، تو صرف ولی کے لیے اس حق کی وجہ سے دوبارہ نماز پڑھنے کی اجازت ہے واجب نہیں۔

(پھٹنے کی مدت کی عدم تعیین کو اصح کہہ کر اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اس سلسلہ میں دوسرے اقوال بھی ہیں مثلاً بعض لوگ تین دن کہتے ہیں اور بعضوں نے دس دن کہا ہے اور بعضوں نے ایک مہینہ، عدم تعیین کو اصح اس لیے کہا گیا ہے کہ جگہ اور موسم کے تفاوت سے یہ پھٹنا بھی متفاوت ہوتا ہے)

و لم تجز الصلوة عليها راكبا ولا قاعدا بغيرعذر استحسانا وكرهت تحريما و قيل تنزيها في مسجد جماعة هو اى الميت فيه وحده او مع القوم واختلف في الخارجة عن المسجد وحده او مع بعض القوم والمختار الكراهة مطلقا خلاصة بناء على ان المسجد انما بني للمكتوبة و توابعها كنافلة و ذكر و تدريس علم و هو الموافق لاطلاق حديث ابى داوٗد من صلى على ميت في المسجد فلا صلوة له .

بلا عذر جنازہ کی نماز بیٹھ کر یا سوار ہو کر جائز نہیں

نماز جنازہ بغیر عذر بیٹھ کر یا سوار ہو کر جائز نہیں ہے؟ استحسان اسی کو چاہتا ہے (اس عبارت سے خود معلوم

ہوا کہ عذر ہو تو سوار ہو کر پڑھنا جائز ہے اور بیٹھ کر بھی، مثلاً کیچڑ ہو یا کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو تو مجبوری میں اس طرح نماز درست ہو گی۔

مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے جس مسجد میں نماز باجماعت ہوتی ہو، اس میں نماز جنازہ مکروہ تحریمی ہے اور بعضوں نے تنزیہی کہا ہے، اس طرح کہ صرف مردہ مسجد میں ہو، یا مردہ بھی مسجد میں ہو اور نماز جنازہ پڑھنے والے بھی، یا کچھ نمازی اندر ہوں اور بعض باہر، مختار قول یہ ہے کہ ہر صورت میں مکروہ ہے کذا فی الخلاصہ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مسجد فرض نمازوں کے لیے بنائی جاتی ہے یا فرض نمازوں کے توابع نفل وغیرہ کے لیے جیسے نوافل، ذکر اللہ، اور درس و تدریس، اور کراہت کا یہ قول ابو داؤد کی اس حدیث کے مطابق ہے جس میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس نے مردہ پر مسجد میں نماز جنازہ پڑھی تو اس کے لیے نماز نہیں اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ اس کے لیے کچھ ثواب نہیں۔ (جب کوئی عذر نہ ہو تو یہ کراہت ہے لیکن اگر کوئی عذر ہو تو مسجد میں نماز جنازہ مکروہ نہیں ہو گی۔ کذا فی الشامی)

و من ولد فمات يغسل و يصلى عليه و يرث و يورث و يسمى ان استهل بالبناء للفاعل اى وجد منه ما يدل على حيوٰته بعد خروج اكثره حتى لو خرج راسه فقط و هو يصح فذبحه رجل فعليه الغرة و ان قطع اذنه فخرج حيا فمات فعليه الدية والاّ يستهل غسل وسمى عند الثانى و هو الاصل فيفتى به على خلاف ظاهر الرواية كراما لبنى آدم كما فى ملتقى البحار و فى النهر عن الظهيرية و ان استبان بعض خلقه غسل و حشر هو المختار.

بچہ پیدا ہو کر مر جائے جو بچہ پیدا ہو کر آواز کے بعد مر جائے اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی، وہ بچہ دوسرے کا وارث ہو گا اور دوسرے لوگ اس کے وارث ہوں گے اس کا نام بھی رکھا جائیگا شارح نے بتایا کہ (اِنِ اسْتَهَلَّ) سے مراد یہ ہے کہ پیدا ہونے کے بعد اس میں کوئی ایسی بات پائی جائے جس سے اس کا زندہ ہونا معلوم ہو سکے، لیکن اس کے اکثر حصہ کے نکل آنے کے بعد، یہاں تک کہ اگر بچہ کا سر نکلا وہ چیخ رہا تھا اور اسی وقت کسی نے اس کو ذبح کر دیا تو اس قاتل پر غرہ واجب ہے اور اگر سر نکلنے کے بعد اس کان کاٹ لیا اور اس کے بعد وہ زندہ نکلا اور پھر وہ مر گیا تو اس پر خون بہا لازم ہو گا۔

ایسے بچہ کا کفن مصنف نے ایسے بچہ کے غسل اور نماز کا ذکر کیا مگر کفن کا ذکر نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات ظاہر تھی کہ جب غسل دیا جائے گا، اور نماز پڑھی جائے گی تو یقینی طور پر اسے کفن بھی دیا جائے گا۔ نام اس لیے رکھا جائے گا کہ وہ آدمی کا بچہ ہے اور اس کے نام رکھے جانے میں اس کی تعظیم ہے۔ استہلال چاند دیکھنے کے وقت جو آواز نکلتی ہے اسے کہتے ہیں پھر پیدائش کے وقت بچہ کے رونے کی آواز کو بھی استہلال کہنے لگے، اسی وجہ سے شارح نے کہا کہ رونا شرط نہیں ہے۔ بلکہ زندہ رہنے کی علامت کا پایا جانا شرط ہے اور ایسا بچہ زندہ کے حکم میں ہے لہٰذا وہ وارث و مورث دونوں ہو گا، غرہ بضم غین و تشدید راء مرد کے بیسویں حصہ کو کہتے ہیں اور مردہ کا خون بہا دس ہزار دراہم یا ایک ہزار دینار ہے۔ لہٰذا غرّہ کی قیمت پانچ سو درہم ہو گی یا پچاس دینار، پیٹ کے بچہ کے ضائع کرنے کی دیت غرّہ ہے اور کان کاٹنے کے بعد مرنے سے دیت اس وجہ

سے لازم ہوئی کہ موت کا سبب کان کاٹنے کو تسلیم کیا۔ اور شبہ کی وجہ سے قصاص سے بچ گیا۔ کذا فی الشامی۔

اگر بچہ نکلا اور علامتِ زندگی نہیں پائی گئی

اور بچہ کے اکثر حصہ نکلنے کے بعد زندگی کی کوئی علامت اگر نہیں پائی گئی تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کو نہلایا جائے گا، نام رکھا جائے گا، یہی قول زیادہ صحیح ہے اور ظاہر الروایۃ کے خلاف اسی پر فتویٰ دیا جائے گا اس لیے کہ آدمی کی تعظیم اسی صورت میں ہے۔ کذا فی المنتقی الاکبر۔

بچہ جس میں روح پڑ چکی ہے

نہر الفائق میں فتویٰ ظہیریہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جب بچہ کا بعض حصہ باہر ہو جائے تو اس کو غسل دیا جائے گا اور اس کا حشر ہوگا، مختار قول یہی ہے۔ فقہاء نے کہا کہ اگر اس میں روح پڑ چکی ہوگی تو حشر ہوگا اور بعض فقہاء نے کہا کہ اگر بعض حصہ ظاہر ہوا ہوگا تو حشر ہوگا، بہر حال اگر زندگی کی علامت نہیں ہے تو غسل دینے کے بعد ایک کپڑے میں لپیٹا جائے گا اور دفن کر دیا جائے گا اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

و ادرج فی خرقة و دفن ولم یصل علیه و کذا لا یرث ان انفصل بنفسه کصبی سبی مع احد ابویه لا یصلی علیه لانه تبع له ای فی احکام الدنیا لا العقبی لما مر انهم خدم اهل الجنة و لو سبی بدونه فهو مسلم تبعا للدار اوللسابی او به فاسلم هو او اسلم الصبی و هوعاقل ای ابن سبع سنین صلی علیه لصیرورته مسلما .

مشرکین کے بچے

اسی طرح وہ بچہ وارث نہیں ہوگا جو خود بخود علیحدہ ہوا ہو، جیسے وہ بچہ جو اپنے والدین میں سے کسی کے ساتھ قید کیا گیا ہے اگر وہ مر جائے گا تو اس کی نماز جنازہ نہیں ہوگی اس لیے کہ وہ احکام دنیا میں اپنے والدین کے تابع ہے البتہ آخرت کے احکام میں تابع نہیں ہے اس لیے کہ گذر چکا ہے کہ مشرکین کے بچے اہل جنت کے خادم ہوں گے (خود بخود کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ اگر کوئی حاملہ عورت کے پیٹ پر مار دے اور اس کی وجہ سے اس کے پیٹ سے بچہ مردہ نکل پڑے تو وہ وارث بھی ہوگا اور مورث بھی، کیوں کہ شریعت نے اس مجرم سے غرّہ دلوایا ہے تو معلوم ہوا کہ ضمناً اس نے اس کی زندگی کا حکم لگایا۔

نابالغ بچہ جو دار الاسلام میں گرفتار ہو

اور اگر نابالغ بچہ بغیر ماں باپ کے گرفتار ہوا ہے تو وہ دار الاسلام میں مسلم سمجھا جائے گا جب کہ گرفتار کرنے والا ذمی ہو، اور گرفتار کرنے والا مسلمان ہے اور اس کی تبعیت میں مسلمان شمار ہوگا، یا وہ نابالغ بچہ گرفتار ہوا اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی کے ساتھ اور وہ مسلمان ہو گیا یا خود لڑکا مسلمان ہو گیا اور وہ سمجھدار تھا یعنی اس کی عمر سات سال کی ہو چکی تھی اگر ایسا بچہ مر جائے گا تو اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی، اس لیے حکماً وہ مسلمان ہو چکا ہے، خواہ اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کے ساتھ ہونے کی وجہ سے خود اس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے۔

قالوا ولا ینبغی ان یسال العامی عن الاسلام بل یذکر عنده حقیقته و ما یجب الایمان به ثم یقال له هل انت مصدق بهذا فاذا قال نعم اکتفی به و لا یضر توقفه فی جواب ما الایمان ما

الاسلام فتح و یغسل المسلم و یکفن و یدفن قریبه کخاله الکافر الا صلی اما المرتد فیلقی فی حفرۃ کالکلب عند الاحتیاج فلو له قریب فالاولی ترکه لهم من غیر مراعاۃ السنۃ فیغسله غسل الثوب النجس و یلفه فی خرقۃ و یلقیه فی حفرۃ و لیس للکافر غسل قریبه المسلم.

عامی آدمی سے اسلام کے متعلق سوال

فقہاء نے کہاہے کہ عامی آدمی سے اسلام کے متعلق سوال نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اس کے سامنے اسلام کی حقیقت اور جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے اس کو ذکر کرنا چاہیے، بیان کر کے اس سے کہاجائے کہ تو کیااس کی تصدیق کر تا ہے اگر وہ اس کے جواب میں کہے کیوں نہیں، تصدیق کرتاہوں، تواس شخص کے مسلمان ہونے کے لیے اسی پر اکتفا کیا جائے گا۔

اور جب اس شخص سے پوچھا جائے کہ ایمان کیاہے اور اسلام کیاہے؟ اور وہ اس کے جواب میں سکوت اختیار کرے تو یہ اس کے لیے مضر نہیں ہے (کیوں کہ عوام ان تفصیلات سے ناواقف ہوتے ہیں، مگر وہ اس کے باوجود توحید ورسالت کا اقرار کرتے ہیں اور ان کے قائل ہوتے ہیں۔

مسلمان کا کافر رشتہ دار اور اس کا حکم

مسلمان کا قریبی رشتہ دار اصلی کافر، جیسے اس کا ماموں مرجائے تو بوقت ضرورت بلا سنت کی رو رعایت کے وہ اس کو نہلائے گا، کفن دے گا اور دفن کرے گا لیکن اگر اس کافر کے دوسرے رشتہ دار کافر موجود ہوں تو بہتر یہ ہے کہ مسلمان رشتہ دار اس کافر مردے کو اس کے کافر رشتہ داروں کے حوالہ کردے، خود غسل اور کفن دفن کا ذمہ دار نہ بنے۔

سنت کی رعایت نہ کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ نہلانے میں دائیں سے مثلاً شروع کرنا سنت ہے یا وضو کرانا سنت ہے کافر کے لیے یہ اہتمام نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کو اس طرح غسل دیا جائے گا جس طرح ناپاک کپڑے کو دھوتے ہیں، نہلانے کے بعد اس کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر ایک گڈھے میں ڈال دے گا نہ کفن میں سنت کی رعایت کرے گا اور نہ قبر کھودنے میں۔ اور نہ اس کے اندر لٹانے میں۔

لیکن کسی کافر کے لیے اپنے مسلمان رشتہ دار کو اس کے مرنے کے بعد غسل دینا جائز نہیں ہے (اسی طرح کافر کا مسلمان کی قبر میں اترنا تاکہ وہ مسلمان جنازے کو قبر میں لٹائے اور اتارے مکروہ ہے۔ کذا فی الشامی)

فاذا حمل الجنازۃ وضع ندبا مقدمها بسکر الدال و تفتح و کذا المؤخر علی یمینه عشر خطوات لحدیث من حمل جنازۃ اربعین خطوۃ کفرت عنه اربعین کبیرۃ ثم وضع مؤخرها علی یمینه کذلك ثم مقدمها علی یساره ثم مؤخرها کذلك فیقع الفراغ خلف الجنازۃ فیمشی خلفها وصح انه علیه السلام حمل جنازۃ سعد بن معاذ و یکرہ عندنا حمله بین عمودی السریر بل یرفع کل رجل قائمۃ بالید لا علی العنق کالامتعۃ ولذا کرہ حمله علی

ظهر و دابة والصبی الرضیع اوالفطیم او فوق ذلك قلیلاً یحمله او احد علی یدیه ولو راکبا و ان کان کبیرا حمل علی الجنازة و یسرع بها بلا خبب ای عدو سریع ولو به کره وکره تاخیر صلوته و دفنه لیصلی علیه جمع عظیم بعد صلوة الجمعة الا اذا خیف فوتها بسبب دفنه قنیه کما کره المتبعها جلوس قبل وضعها و قیام بعده ولا یقوم من فی المصلی لها اذاراها قبل وضعها ولا من مرت علیه هو المختار و ما ورد فیه منسوخ زیلعی و ندب المشی خلفها لانها متبوعة الا ان یکون خلفها نساء فالمشی امامها احسن اختیار و یکره خروجهن تحریما و تزجر النائحة ولا یترك اتباعها لاجلها و لا یمشی عن یمینها و یسارها و لو مشی امامها جاز و فیه فضیلة ایضا و لکن ان تباعد عنها او تقدم الکل او رکب امامها کره کما کره فیها رفع صوت بذکر او قراءۃ فتح.

جنازہ کس طرح لے جایا جائے

جب کسی جنازہ کو کوئی اٹھائے تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ اٹھانے والا پہلے جنازہ کے اگلے حصہ (سرہانے) کو اپنے دائیں کندھے پر اٹھائے اور دس قدم چلے پھر جنازے کے پچھلے حصہ (پیتانے) کو وہ اپنے دائیں کندھے پر رکھے اور دس قدم چلے، پھر اس کے اگلے حصہ سرہانے کو اپنے بائیں کندھے پر رکھ کر دس قدم لے چلے پھر اس کے پچھلے حصہ (پیتانے) کو اپنے بائیں کندھے پر رکھ کر دس قدم چلے، اس طرح چالیس قدم جنازہ اٹھانے میں صرف کرے پھر اس سے فراغت کے بعد جنازے کے پیچھے پیچھے چلے، اور یہ چالیس قدم اٹھانا اس لیے مستحب ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی کسی جنازے کو لے کر چالیس قدم چلے گا اس سے اس کے چالیس گناہ کبیرہ مٹ جائیں گے (کبیرہ وہ بڑے گناہ مراد ہیں جو دوسرے گناہوں کی نسبت بڑے ہوتے ہیں، یا اس سے خود گناہ کبیرہ مراد ہیں)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازے کو کندھا دینا

یہ درست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذؓ (صحابی) کا جنازہ اٹھایا ہے (حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ نے فرمایا کہ ان کی موت سے عرش خداوندی ہل گیا)

جنازہ کی چارپائی کس طرح اٹھائی جائے

جنازے کی چارپائی کے دوپایوں کے درمیانی حصہ کو پکڑ کر اٹھانا مکروہ ہے، بلکہ ہر شخص کو چاہیے کہ وہ چارپائی کا ایک پایہ ہاتھ سے پکڑ کر اٹھائے اور اپنے کندھے پر رکھے، شروع میں ہی گردن پر نہ اٹھائے جس طرح اسباب و سامان کو اٹھاتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے جنازہ کا اپنی پشت پر اور چوپائے پر لادنا بھی مکروہ ہے، کہ یہ طریقہ سامان کے اٹھانے کا ہے، جنازہ اٹھانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ چارپائی کے چار پایوں کو چار شخص ایک ایک پایہ ایک ایک شخص ہاتھ سے پکڑ کر اٹھائے اور اس کی پٹی اپنے اپنے کندھے پر رکھ کر چلے۔

چھوٹے بچہ کا جنازہ

شیرخوار بچہ یا وہ بچہ جس نے ابھی دودھ چھوڑا ہو، یا اس سے ذرا بڑا ہو تو اس کے جنازہ کو ایک شخص اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر چل سکتا ہے اگرچہ یہ ہاتھوں میں اٹھانے والا سوار ہو، اور اگر جنازہ اس عمر سے بڑے کا ہو تو اس کو چارپائی یا کھٹولے پر اٹھایا جائے گا، اور جنازہ کی چارپائی کو لے کر تیز چلیں مگر لے کر دوڑیں گے نہیں کیوں کہ دوڑ کر لے چلنا مکروہ ہے (اس لیے کہ دوڑ کر لے کر چلنے میں مردہ کو بھی تکلیف ہوگی اور جنازہ کے ساتھ چلنے والے لوگوں کو بھی)

جمعہ کی وجہ سے جنازہ کے دفن میں تاخیر

مردے کی نماز جنازہ یا اس کو دفن کرنے میں اس لیے تاخیر کرنا کہ نماز جمعہ کے بعد اس کی نماز جنازہ میں بہت بڑا مجمع اکٹھا ہوگا مکروہ ہے، ہاں اس خطرہ کی وجہ سے نماز جنازہ اور دفن میں دیر کرنا مکروہ نہیں ہے کہ جمعہ کی نماز سے پہلے دفن کفن میں لگنے سے جمعہ کی نماز فوت ہو جائے گی۔ کذافی القنیہ۔

جنازہ کے ساتھ والے کب بیٹھیں

جنازے کے پیچھے چلنے والوں کے لیے جنازہ کو کندھے سے اتار کر زمین پر رکھنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے اور جب جنازہ رکھا جا چکے تو کھڑا رہنا مکروہ ہے (حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب جنازہ نیچے رکھا جا چکے تو بیٹھ جاؤ، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس کے بعد کھڑا رہنا مکروہ تحریمی ہے)

جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا

جو شخص نماز پڑھنے کی جگہ بیٹھا ہو جب وہ جنازہ کو اس کے رکھے جانے سے پہلے دیکھے تو کھڑا نہ ہو، اور نہ وہ شخص کھڑا ہو، جس کے پاس سے ہو کر جنازہ گذرے قول مختار یہی ہے اور جنازہ کو دیکھ کر کھڑے ہونے کے سلسلہ میں جو کچھ آیا ہے وہ منسوخ ہے۔ کذافی الزیلعی۔ (یعنی بعض حدیث میں یہ جو آیا ہے کہ جب تم جنازہ کو دیکھو تو اس کے لیے کھڑے ہو جاؤ، یہاں تک کہ وہ تمہاری نگاہ سے اوجھل ہو جائے یا زمین پر رکھا جائے یہ حدیث منسوخ ہے اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صراحت منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پہلے جنازہ کو دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم فرمایا تھا پھر بعد میں آپ نے بیٹھے رہنے کا حکم فرمایا، مسلم نے اس روایت کو نقل کر کے کہا ہے کہ پہلے کھڑے ہونے کا حکم تھا مگر پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔)

جنازہ کے پیچھے چلنا مستحب ہے

جنازہ کے پیچھے چلنا مستحب ہے اس لیے کہ جنازہ کی حیثیت متبوع کی ہوتی ہے، اسی کی وجہ سے لوگ اس کے ساتھ چلتے ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ متبوع آگے ہوتا ہے اور تابع پیچھے، لیکن اگر کسی جنازے کے پیچھے عورتیں ہوں تو اس وقت مردوں کے لیے جنازہ کے آگے چلنا بہتر ہے۔ کذافی الاختیار۔

جنازہ میں عورتوں کی شرکت

عورتوں کا جنازہ کے ساتھ نکلنا مکروہ تحریمی ہے، مردہ پر نوحہ کرنے والی عورتوں کو ڈانٹ ڈپٹ کیا جائے گا، لیکن نوحہ کرنے والیوں کی وجہ سے جنازہ کے ساتھ قبرستان جانا چھوڑا نہیں جائے گا (حدیث میں ہے کہ ایک جنازے کے ساتھ عورتوں کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم جنازہ اٹھانے والوں کے ساتھ جنازہ اٹھاؤ گی؟ یا قبر میں جنازہ اُتارنے والوں کے ساتھ مردے کو قبر میں اتارو گی؟ یا نماز پڑھنے والوں کے

ساتھ نماز پڑھو گی؟ عورتوں نے عرض کیا ان میں سے کوئی کام ہم نہیں کریں گے، یہ سن کر آپ نے فرمایا پھر جاؤ ہٹو، یہ گناہ کا کام ہے تمہارے لیے ثواب کا کام نہیں ہے اور نوحہ کرنے والیوں کو دیکھ کر جنازہ کے ساتھ چلنا اس وجہ سے نہیں چھوڑا جائے گا کہ ایک بدعت کی وجہ سے کسی سنت کا ترک کرنا دانش مندی نہیں ہے پھر یہ کہ جنازے کی تدفین کا کام کیسے انجام پائے گا)

جنازہ سے دور دور چلنا

جنازہ سے دائیں بائیں ہٹ کر نہ چلیں البتہ اگر آگے ہو کر چلیں تو یہ جائز ہے، اور اس میں بھی فضیلت ہے لیکن اگر جنازے سے دور ہو گیا یا سارے لوگ آگے بڑھ گئے اور آگے آگے سوار ہو کر چلا تو یہ مکروہ ہے، جس طرح جنازہ کے آگے بلند آواز سے ذکر اللہ کرتے ہوئے یا تلاوت کرتے ہوئے چلنا مکروہ ہوتا ہے فتح القدیر (جنازہ کے پیچھے چلنا جب افضل ہے تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آگے چلنا گو افضل نہیں ہے مگر فی الجملہ اس میں بھی فضیلت ہو گی، اور جنازہ سے اس قدر دور ہو کر چلنا جس سے دیکھنے والے سمجھے کہ یہ جنازہ کے ساتھ نہیں ہے اس سے منع کیا گیا ہے، رہ گیا ذکر اللہ۔ دل میں کر سکتا ہے)

وحفر قبره في غير دار مقدار نصف قامة فان زاد فحسن و يلحد و لا يشق الا فی ارض رخوة ولا يجوز ان يوضع فيه مضربة و مخدرة و ما روى عن على فغير مشهور و لا ياخذ به ظهيرية ولا باس باتخاذ تابوت ولو من حجر او حديد له عند الحاجة كرخاوة الارض و يسن ان يفرش فيه التراب مات فی سفينة غسل و كفن و صلى عليه والقى فی البحر ان لم يكن قريبا من البر فتح ولا ينبغی ان يدفن الميت فی الدار ولو كان صغيرا لاختصاص هذه السنة بالانبياء عليهم السلام .

قبر کی کھودائی

مردے کے لیے قبر اس کے مکان کے علاوہ جگہ میں کھودی جائے۔ اس کی گہرائی نصف قد کے برابر ہو، اور اگر زیادہ ہو تو اور بہتر ہے، البتہ اس سے کم نہ ہو، قبر لحد (بغلی والی) بنائی جائے، سیدھی کھودی نہ جائے، جس کو اصطلاح میں شق کہتے ہیں، ہاں اگر وہاں کی مٹی نرم ہو، لحد نہ بن سکتی ہو دھنس جانے کا خطرہ ہو، تو اس صورت میں سیدھی قبر جسے شق کہتے ہیں کھودی جا سکتی ہے (اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ لحد ہمارے لیے ہے اور شق ہمارے غیروں کے لیے ہے، لحد کہتے ہیں گڑھا کھود کر قبلہ کی جانب اندر سے قبر بنائی جائے۔ قبر مردہ کے قد کے برابر لمبی ہو گی جس میں اس کو آسانی سے لمبا لٹایا جا سکے اور چوڑی اتنی کہ مردہ کو اس میں آسانی سے رکھا جا سکے۔

قبر میں گدّا رکھا جانا جائز نہیں ہے اور اس سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو روایت منقول ہے وہ مشہور نہیں ہے، اور نہ اس پر عمل ہے کذا فی الظہیریہ۔

قبر میں بستر رکھنا مکروہ ہے

(ظہیریہ میں حضرت علیؓ کے بجائے حضرت عائشہؓ کا ذکر ہے کہ انہوں نے قبر میں گدّا رکھوایا مگر یہ ثابت نہیں ہے، بلکہ دوسری حدیثوں میں اس کے خلاف مذکور ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ قبر میں مردہ کے لیے گدّا اور کسی چیز کے رکھوانے کو مکروہ جانتے تھے حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میرے جسم اور زمین کے درمیان میں کوئی چیز نہ حائل کی جائے مختصر یہ کہ قبر میں

گدا تکیہ اور چٹائی وغیرہ رکھوانا مکروہ ہے۔ کذا فی الشامی)

میت بہ ضرورت صندوق میں رکھ کر دفن کرنا

بوقت ضرورت مردے کے لیے تابوت بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں، چاہے وہ پتھر کا ہو یا لوہے کا، مثلاً وہاں کی زمین نرم اور گیلی ہو، اور مسنون یہ ہے کہ صندوق یا تابوت میں مٹی بچھادی جائے۔ (اور دائیں بائیں ہلکی کچی اینٹیں کھڑی کردی جائیں اور اوپر والے حصہ میں مٹی لپیٹ دی جائے۔ تاکہ ہر چہار طرف مٹی ہو جائے، بلاضرورت صندوق میں دفن کرنا مکروہ ہے)

سمندر میں کب مردہ کو ڈالا جائے

ایک شخص کشتی میں مر گیا (یا جہاز) میں مر گیا، تو اس کو غسل دیا جائے گا اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اگر وہ کشتی خشکی کے قریب نہیں ہوگی تو جنازہ کو سمندر میں ڈال دیا جائے گا فتح القدیر۔

مردہ مرنے والے گھر میں دفن نہ کیا جائے

مردہ کا گھر میں دفن کرنا مناسب نہیں ہے اگرچہ وہ بچہ ہی کیوں نہ ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ طریقہ انبیاء علیہم السلام کے لیے مخصوص ہے کذا فی الواقعات (یعنی جس مکان میں موت واقع ہو اس میں دفن کرنے سے متعلق یہ حکم بیان کیا گیا ہے)

واقعات و يستحب ان يدخل من قبل القبلة بان يوضع من جهتها ثم يحمل فيلحد و ان يقول واضعه بسم الله و بالله و على ملة رسول الله صلى الله عليه وسلم و يرجع اليها وجوبا و ينبغي كونه على شقه الايمن ولا ينبش ليوجه اليها وتحل العقدة للاستغناء عنها ويسوى اللبن عليه والقصب لاالاجر المطبوخ و الخشب لوحوله اما فوقه فلا يكره ابن ملك فائده عدد لبنات لحد النبي صلى الله عليه وسلم تسع بهنسي و جاز ذلك حوله بارض رخوة كالتابوت و لسجي اى يغطى قبرها و لو خنثى لا قبره الا لعذر كمطر و يهال التراب عليه و تكره الزيادة عليه من التراب لانه بمنزلة البناء و يستحب حثيه من قبل راسه ثلثا و جلوس ساعة بعد دفنه لدعاء و قراء ة بقدر ما ينحر الجزور و يفرق لحمه و لا باس برش الماء عليه حفظا الترابه عن الاندراس.

قبر میں کس طرح لٹایا جائے

مستحب یہ ہے کہ مردہ کو قبلہ کی طرف سے قبر میں داخل کرے یعنی قبلہ کی طرف جنازے کو رکھا جائے اور اُدھر سے ہی قبر میں اتارا جائے۔ پھر اٹھا کر لحد میں داخل کیا جائے، قبر میں اتارنے والے کیلئے مستحب ہے کہ یہ کہیں بسم اللّٰہ وَ بِاللّٰہ وَعَلٰی مِلَّۃ رَسُوْلِ اللّٰہ اور اس کا رخ قبلہ کی طرف کردیا جائے اور ایسا کرنا واجب ہے۔ (شامی نے لکھا ہے کہ تحفہ میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ مردہ کا قبلہ رُخ کرنا سنت ہے)

قبر میں لٹا کر بند کرنا

بہتر یہ ہے کہ مردہ کو دائیں کروٹ پر قبر میں لٹایا جائے، لیکن اگر قبلہ رخ نہیں رکھا تھا اور قبر بند کردی گئی ہو تو قبلہ رخ کرنے کے لیے اس کی قبر کھودی نہیں جائے گی اور مردہ کو قبر میں رکھنے

کے بعد اس کے کفن کی گرہیں کھول دی جائیں گی اس لیے کہ اب وہاں کپڑے کے کھلنے اور بکھرنے کا کوئی خدشہ نہیں ہے اور قبر کی کچی اینٹوں اور نرکل سے بند کیا جائے۔ پختہ اینٹیں اور تختے نہ لگائے جائیں یعنی اردگرد تختہ نہیں لگایا جائے گا، لیکن اوپر تختہ لگانا مکروہ نہیں ہے اس کو ملک نے ذکر کیا ہے۔

لحد نبوی کی کچی اینٹوں کی تعداد

آنحضرت ﷺ کی لحد میں نو کچی اینٹیں لگائی گئی تھیں بہنسی نے اس کو ذکر کیا ہے، طحطاوی نے لکھا ہے کہ کچی اینٹوں کے ساتھ نرکل کے مٹھے بھی تھے لیکن جہاں زمین نرم اور ڈھیلی ہو وہاں مردہ کے اردگرد کچی اینٹیں اور تختے بھی لگانے درست ہیں، جس طرح صندوق میں ڈال کر دفن کرنا بوقت ضرورت جائز ہے۔

عورت کے جنازے کو اُتارتے وقت پردہ

عورت کو قبر میں اتارتے وقت قبر پر پردہ کرنا چاہیے گو وہ خنثیٰ ہو جب قبر بند ہو جائے تو پردہ ہٹالیا جائے لیکن مرد کی قبر پر پردہ نہیں کیا جائے گا، ہاں اگر کوئی عذر ہو، جیسے بارش تو اس سے بچنے کے لیے البتہ سامان کیا جائے گا۔

قبر میں مٹی ڈالنا اور دعا

مردہ کو قبر میں رکھنے اور قبر یالحد بند کرنے کے بعد اس پر مٹی ڈالی جائے گی اور جتنی مٹی قبر سے نکلی ہو اس سے زیادہ مٹی ڈالنا مکروہ ہے۔ اس لیے کہ زائد مٹی دیوار کے حکم میں ہے اور مستحب یہ ہے کہ مٹی مردے کے سرہانے کی طرف سے ڈالی جائے اور تین مٹھی دونوں ہاتھوں سے ڈالی جائے، پہلی مٹھی مٹی کی جب ڈالے تو پڑھے "مِنهَا خَلَقْنَاكُمْ" دوسری میں پڑھے "وَ فِيهَا نُعِيدُكُمْ" اور مٹی کی تیسری مٹھی ڈالتے وقت یہ پڑھے "وَ مِنهَا نُخرِجُكُمْ تَارَةً أُخرىٰ" ابن ماجہ میں آنحضرت ﷺ سے اسی طرح کی روایت منقول ہے اور مردہ کو دفن کرنے کے بعد ایک ساعت دعاء اور قرأت کے لیے رکنا مستحب ہے ایک ساعت کی مراد اتنی دیر ہے کہ اونٹ ذبح ہو کر اس کا گوشت بٹ جائے۔

دعائے مغفرت

(قبر کی مٹی سے زیادہ قبر پر مٹی ڈالنے کی ممانعت اس لیے ہے کہ ابوداؤد کی حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے، اور دفن کے بعد میت کی دعا کے لیے بھی حدیث میں آیا ہے ابوداؤد میں حدیث ہے کہ مردہ جب دفن کیا جاچکتا تو آنحضرت ﷺ قبر پر کھڑے ہو جاتے اور فرماتے کہ اپنے بھائی کے لیے مغفرت اور ثابت قدم رہنے کی دعا کرو کہ اب اس سے قبر میں سوال ہوگا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ دفن کے بعد قبر پر سورہ بقرہ کا شروع اور اس کا اخیر حصہ پڑھنا مستحب جانتے تھے۔ کذا فی الشامی)

قبر پر پانی چھڑکنا

بعد دفن کے قبر پر پانی چھڑکنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے تاکہ اس کی مٹی اڑنے نہ پائے بلکہ محفوظ رہے (آنحضرت ﷺ نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ اور اپنے فرزند حضرت ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکوایا تھا۔

ولا يربع للنهي عنه و يسنم ندبا و في الظهيرية وجوبا قدر شبر ولا يجصص للنهي عنه ولا يطين ولا يرفع عليه بناء و قيل لا بأس به و هو المختار كما في كراهة السراجية و في جنائزها و لاباس بالكتابة ان احتيج اليها حتى لا يذهب الاثر ولا يمتهن.

قبر کیسی بنائی جائے

قبر کو چوکور نہ بنائی جائے اس لیے کہ اس سے روکا گیا ہے مستحب یہ ہے کہ کوہان نما بنائی جائے اور فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ قبر کو ایک بالشت اونچا کرنا واجب ہے قبر پختہ نہ بنائی جائے، اس لیے کہ اس سے منع کیا گیا ہے (کتاب الآثار میں امام محمدؒ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چوکور قبر بنانے سے منع کیا ہے اور مسلم میں حدیث آئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے اور اس پر عمارت بنانے سے روکا ہے کذا فی الشامی)

قبر کو لیپنا

قبر کو لیپا پوتا نہ جائے اور نہ اس پر کوئی عمارت بنائی جائے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور یہی قول مختار ہے جیساکہ فتاویٰ سراجیہ میں ہے (شامی نے لکھا ہے کہ سراجیہ میں قبر کے لیپنے کو مکروہ نہیں کہا گیا ہے اس کی عبارت یہ ہے ذکر فی تجرید ابی الفضل ان تطهيين القبور مكروه والمختار انه لا يكره یعنی ابوالفضل کی تجرید نامی کتاب میں مذکور ہے کہ قبروں کو لیپنا مکروہ ہے اور مختار قول یہ ہے کہ لیپنا مکروہ نہیں ہے، باقی قبر پر عمارت بنانے کا تذکرہ میں نے کہیں نہیں دیکھا کہ کسی نے اس کو مختار کہا ہو، جیسا کہ ماتن کی ظاہر عبارت سے سمجھ میں آتا ہے، طحطاوی نے شرنبلالیہ سے نقل کیا ہے قبر پر زینت کے لیے عمارت بنانا حرام ہے، اور دفن کے بعد اس کی مضبوطی کی نیت سے بنانا مکروہ ہے، باقی بنی ہوئی عمارت میں دفن کرنا مکروہ نہیں ہے)

قبر پر لکھنا

سراجیہ کے باب الجنائز میں مذکور ہے کہ قبر پر اگر لکھنے کی ضرورت اس وجہ سے ہو کہ قبر کا نشان مٹنے نہ پائے اور وہ پامال نہ ہو، تو لکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (مسلم شریف میں حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے، ان پر لکھنے اور عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ممانعت اُس وقت ہے جب اس کی ضرورت نہ ہو، اور لاباس کا لفظ بتاتا ہے کہ قبر پر نہ لکھنا ہی بہتر ہے، بعض کتاب میں ہے کہ قبر پر قرآن کا لکھنا اس وجہ سے مکروہ ہے کہ بوسیدہ ہو کر کلمات قرآن پامال نہ ہونے پائیں، حالاں کہ وہ واجب التعظیم ہیں۔

و لا يخرج منه بعد اهالة التراب الا لحق آدمي كان تكون الارض مغصوبة او اخذت بشفعة و يخير المالك عين اخراجه و مساواته بالارض كما جاز زرعه والبناء عليه اذا بلى و صار ترابا زيلعي حامل ماتت و ولدها حي يضطرب شق بطنها من الايسر و يخرج ولدها و لو بالعكس و خيف على الامام قطع و اخرج لو ميتا والا لا كما في كراهة الاختيار و لو بلغ مال غيره و مات هل يشق فيه قولان والاولى نعم فتح.

قبر سے مردے کو نکالنا منع ہے

مردے کو قبر میں ڈال کر جب مٹی ڈال دی جائے تو پھر اس کو نکالا نہیں جائے گا ہاں اس میں کسی انسان کا حق ہو، مثلاً قبر کی زمین غصب کی ہوئی ہو، اور مالک زمین مردے کا اس میں دفن رہنا پسند نہ کرے، یا جس زمین میں دفن کیا گیا ہو، اس کو کسی نے [illegible]عہ میں لے لیا ہو، اور وہ نہیں چاہتا ہو کہ مردہ اس زمین میں رہے، تو ایسے وقت کھودی جائے گی۔

مالک زمین کو اختیار

مالک زمین کو مردے کو نکالنے اور زمین کو ہموار کرنے کا اختیار دیا جائے گا، یعنی مالک زمین، زمین کے اندر اور باہر دونوں حصوں پر حق رکھتا ہے، کہ مردے کو اندر زمین میں رہنے دے اور اوپر

سے زمین برابر کردے اور وہ چاہے تو اندر بھی نہ رہنے دے، مردے کو نکال دے۔

قبر پر مکان اور کاشت جس طرح یہ جائز ہے کہ جب مردہ پرانا ہو کر مٹی ہو گیا ہو تو قبر کی زمین جوت دی جائے اور اس پر عمارت بنادی جائے۔ کذافی الزیلعی۔

حاملہ کے پیٹ کا بچہ اگر حاملہ عورت مر گئی اور اس کے پیٹ کا بچہ زندہ ہو اور حرکت کر رہا ہو، تو جائز ہے کہ عورت کا پیٹ بائیں طرف سے آپریشن کر کے اس سے اس کا بچہ نکال لیا جائے اور اگر معاملہ برعکس ہو، یعنی بچہ پیٹ میں مر گیا ہو اور عورت زندہ ہو اور اس کی وجہ سے ماں کے مر جانے کا خطرہ ہو، تو اس صورت میں اس مردہ بچہ کو کاٹ کر پیٹ سے نکالا جائے گا اور اگر پیٹ کا بچہ زندہ ہو تو سا کو کاٹ کر نہیں نکالا جائے گا، اس لیے کہ ماں کے مرنے کا وہم ہے اور وہم کی وجہ سے بچہ کا قتل کرنا جائز نہیں ہوگا۔

مال نگل کر مر جائے تو کیا حکم اگر کوئی شخص کسی دوسرے کا مال نگل کر مر جائے تو کیا اس کا پیٹ چیر کر وہ مال نکالا جائے گا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں اور بہتر یہ ہے کہ پیٹ چیر کر مال نکالا جائے گا۔ (لیکن اگر خود سے وہ مال پیٹ میں بلا قصد چلا گیا ہو تو مردہ کا پیٹ اس صورت میں چیرا نہیں جائیگا)

فروع الاتباع افضل من النوافل لو لقرابته او جوار او فيه صلاح معروف يندب دفنه في جهة موته و تعجيله و ستر موضع غسله فلا يراه الاغانم و من يعينه و ان رأى به ما يكره لم يجز ذكره لحديث اذكروا محاسن موتاكم و كفوا عن مساويهم لا باس بنقله قبل دفنه و بالاعلام بموته و بارثائه بشعر او غيره لكن يكره الافراط في مدحه لا سيما عند جنازته لحديث من تعزى بعزاء الجاهلية و بتعزية اهله و ترغيبهم في الصبر و باتخاذ طعام لهم و بالجلوس لها في غير مسجد ثلثة ايام و اولها افضل و تكره بعدها الالغائب و تكره التعزية ثانيا و عند القبر و عند باب الدار و يقول عظم الله اَجْرَكَ و اَحْسَنَ جزاء ك و غفر لميتك.

نفل پڑھنے سے بہتر جنازہ کے ساتھ جانا ہے شارح کے بڑھائے ہوئے مسائل، نفل پڑھنے سے بہتر یہ ہے کہ مردے کے ساتھ جایا جائے اگر مرنے والے کے ساتھ اس کی قرابت یا ہمسائیگی ہو، یا وہ نیک بخت ہو (بہتر اس وجہ سے ہے کہ اس میں ثواب زیادہ ہے اور حسن سلوک بھی ہے۔ کذافی الطحطاوی)

جہاں مرے وہیں کے قبرستان میں دفن مستحب یہ ہے کہ آدمی جس مقام پر مرا ہو، اس کو وہیں کے قبرستان میں دفن کیا جائے وہاں سے دوسرے مقام پر نقل نہ کیا جائے یہ بھی مستحب ہے کہ مرنے والے کے دفن میں جلدی کی جائے، اور جہاں اس کو غسل دیا جائے اس جگہ میں پردہ کیا جائے کہ غسل دلانے والوں اور اس کے معاون کے سوا دوسرے لوگ نہ دیکھیں، اور اگر مردہ میں کوئی ناگوار بات دیکھی جائے تو مستحب یہ ہے کہ اس کو کہیں بیان نہ کیا جائے بلکہ اس طرح کی بات کا بیان کرنا ناجائز ہے، اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ تم

اپنے مرنے والوں کی خوبیاں بیان کرو اور ان کی برائیوں کے بیان کرنے سے باز رہو۔

جنازے کا منتقل کرنا

اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ دفن سے پہلے مردے کو دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے (دفن کرنے کے بعد تو متفقہ طور پر منتقل کرنا درست نہیں ہے اور دفن سے پہلے منتقل کرنا بعضوں کے نزدیک درست ہے خواہ کتنا ہی فاصلہ ہو، اور بعضوں نے کہا ہے کہ اگر درمیان میں سفر کی مدت (۴۸ میل) نہ ہو تو منتقل کرنا درست ہے اور اس سے زیادہ فاصلہ ہو تو منتقل کرنا مکروہ ہے اور امام محمدؒ نے ایک دو میل کی فاصلہ کی قید لگائی ہے کہ اتنی دوری پر منتقل کرنا درست ہے اور اس سے زیادہ پر مکروہ ہے۔

مرنے کی اطلاع دوسروں کو دینا

اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ مرنے والے کی موت کی خبر دوسروں کو دی جائے، تاکہ لوگ تجہیز و تکفین میں شریک ہوں اور اس کا حق ادا کریں۔

مرثیہ کہنا

مرنے والے کے لیے مرثیہ کہنے میں بھی مضائقہ نہیں ہے اشعار میں یا غیر اشعار میں، لیکن تعریف میں مبالغہ کرنا مکروہ ہے بالخصوص جنازہ کے پاس رہ کر، اس حدیث کی وجہ سے جس میں اس کی ممانعت آئی ہے، اور کہا گیا ہے کہ جو کوئی ایام جاہلیت کے واویلا کی طرح واویلا کرے گا وہ ہم میں سے نہیں (جاہلیت کے واویلا سے مراد چیخنا، نوحہ کرنا، کپڑا پھاڑنا وغیرہ ہیں جو ناجائز ہیں)

تعزیت کرنا

مرنے والے متعلقین کی تعزیت کرنے، ان کو صبر دلانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ شرح منیۃ المصلی میں لکھا ہے کہ تعزیت مستحب ہے۔ (اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے بھائی کو کسی مصیبت میں صبر دلایا، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن کرامت کا لباس پہنائے گا)

میت کے گھر والوں کو کھانا دینا

میت کے گھر والوں کے لیے کھانا پکوانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے (فتح القدیر میں ہے کہ میت کے ہمسایوں اور دور کے رشتہ داروں کے لیے مستحب ہے کہ میت کے گھر والوں کے لیے اس قدر کھانا پکوائیں اور ان کے یہاں بھجوائیں کہ وہ سب دو شام شکم سیر ہو کر کھا سکیں، حدیث میں ہے کہ جب حضرت جعفرؓ کے موت کی خبر آئی تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جعفر کے متعلقین کے لیے کھانا تیار کراؤ)

تعزیت کرنا اور غم منانا

مسجد کے سوا دوسری جگہوں میں سوگ کے لیے تین دن بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، جس دن مردہ دفن ہو اس دن تعزیت کرنا افضل ہے اس لیے کہ اس دن غم اور وحشت زیادہ ہوتی ہے، لیکن تین دن کے بعد تعزیت مکروہ ہے۔ البتہ جو موجود نہ ہوں یا جس کو معلوم نہ ہو سکے وہ تین دن کے بعد بھی تعزیت کر سکتا ہے ان کے لیے مکروہ نہیں ہے، یا میت کا رشتہ دار مرنے کے دن ہو یا اس کے تین دن کے بعد آئے تو بھی اس کی تعزیت بعد میں کرنے میں کراہت نہیں۔

تعزیت میں کیا کہے اور دوبارہ تعزیت

ایک دفعہ تعزیت کر چکنے کے بعد دوبارہ تعزیت کرنا مکروہ ہے قبر کے پاس بھی تعزیت مکروہ ہے، اسی طرح گھر کے دروازہ پر تعزیت مکروہ ہے تعزیت میں اس طرح کہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اجر و ثواب میں زیادتی فرمائے، آپ کو صبر جمیل کی دولت سے نوازے

اور مرنے والے کی مغفرت فرمائے۔

وبزيارة القبور و لو للنساء لحديث كنت نهيتكم عن زيارات القبور الا فزوروها و يقول السلام عليكم دار قوم مؤمنين و انا ان شاء الله بكم لاحقون و يقرأ يٰسٓ و فى الحديث من قرأ الاخلاص احد عشر مرة ثم وهب اجرها للاموات اعطى من الاجر بعدد الاموات و يحفر قبر النفسه و قيل يكره و الذى ينبغى انه لا يكره تهيئه نحو الكفن بخلاف القبر يكره المشى فى طريق ظن انه محدث حتى اذا لم يصل الى قبره الا بوطئ قبر تركه لا يكره الدفن ليلا و لا اجلاس القارئين عند القبر و هو المختار عظم الذمى محترم انما يعذب الميت ببكاء اهله اذا اوصى بذلك كتب على جبهة الميت او عمامته او كفنه عهد نامه يرجى ان يغفر الله للميت اوصى بعضهم ان يكتب في جبهته و صدره بسم الله الرحمن الرحيم ففعل ثم رُئى فى المنام فسئل فقال لما وضعت فى القبر جاء تنى ملائكة العذاب فلما رأوا مكتوبا على جبهتى بسم الله قالوا آمنت من عذاب الله.

زیارت قبور

قبروں کی زیارت کرنے میں مضائقہ نہیں ہے، اگرچہ عورت زیارت کریں، اس حدیث کی وجہ سے جس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا لیکن اب سن لو کہ قبروں کی زیارت کیا کرو۔ (مگر بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ عورتوں کے لیے قبروں کی زیارت حرام ہے، شارح نے کہا کہ اس میں مضائقہ نہیں ہے یعنی خلاف اولیٰ ہے خیر الدین رملی نے تفصیل کی ہے کہ اگر عورتیں قبروں پر اس لیے جائیں کہ غم تازہ ہو اور قبروں پر رونا پیٹنا کریں تو اس صورت میں زیارت ہرگز جائز نہیں، اور جس حدیث میں زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی گئی ہے اس سے اسی طرح کی عورتیں مراد ہیں، اور اگر عورتیں قبروں پر اس لیے جائیں کہ عبرت حاصل کریں اور صلحاء کی قبروں پر بطور تبرک جائیں اور عورتیں بوڑھی ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں، اور اگر جوان ہوں تو ان کے لیے زیارت مکروہ ہے، البتہ مردوں کے واسطے زیارت قبر مستحب ہے اور افضل یہ ہے کہ جمعہ کے دن زیارت قبر کے لیے حاضر ہو، یا جمعہ سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد)

زیارت کرنے والا قبرستان میں کیا کرے

زیارت کرنے والا جب قبرستان میں جائے تو یہ الفاظ کہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِیْنَ وَ اِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ اور وہاں سورہ یٰسین پڑھے اور حدیث میں ہے کہ جو شخص گیارہ بار سورہ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب قبر والوں کو بخش دے تو مردوں کی گنتی کے برابر اس کو ثواب دیا جائے گا۔

زندگی میں قبر کھودنا

اپنے واسطے زندگی ہی میں قبر کھود کر رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور بعضوں نے کہا کہ یہ مکروہ ہے اور قاعدہ کے مطابق بات یہ ہے کہ کفن وغیرہ تیار کرنے میں کراہت نہیں ہے لیکن قبر تیار کرانے میں کراہت ہے (کراہت کی وجہ یہ لکھی ہے کہ یہ کسی کو معلوم نہیں ہے کہ وہ کہاں مرے گا لہٰذا متعین جگہ میں قبر

تیار کرانا اس نص کے خلاف ہوگا، طحطاوی نے لکھا ہے کہ قبر تیار کرانا نص قرآنی کے خلاف نہیں ہے اس لیے کہ اس قبر سے کسی نہ کسی کو فائدہ ہوگا۔ اس کے کام نہ آئے گی تو کسی اور کے کام آئے گی۔)

قبر سے ہوکر گذرنا قبرستان کے ایسے راستہ سے چلنا جس کے متعلق خیال ہو کہ یہ راستہ نیا ہے مکروہ ہے یہاں تک کہ اگر کسی قبر تک بغیر کسی قبر کو روندے بغیر نہیں پہنچ سکتا ہے تو اس قبر پر جانا چھوڑ دے۔

رات میں دفن کرنا اور قرآن پڑھوانا رات میں مردہ دفن کرنا مکروہ نہیں ہے (شرح منیہ میں ہے کہ دن میں دفن کرنا مستحب ہے کذا فی الشامی) قرآن پڑھنے والوں کو قبر کے پاس بٹھانا مکروہ نہیں ہے قول مختار یہی ہے (نور الایضاح میں لکھا ہے کہ قبر کے پاس تلاوت کے لیے اس لیے بٹھائے کہ تلاوت اچھی ہو، اور باعث عبرت ہو تو قول مختار میں یہ مکروہ نہیں ہے۔

ذمی کی ہڈی ذمی کافر کی ہڈی محترم ہے (لہٰذا اگر قبر میں اس کی ہڈی ملے تو اس کو توڑا نہ جائے اور نہ اس کی توہین کی جائے)

رونے سے عذاب گھر کے لوگوں کے رونے سے مردہ پر اس وقت عذاب ہوتا ہے جب اس نے رونے کی وصیت کی ہو (اس سے اس سلسلہ میں جو اختلافی قول ہے وہ بھی باقی نہیں رہتا ہے۔

عہد نامہ لکھنا میت کی پیشانی یا عمامہ یا اس کے کفن پر عہد نامہ لکھا گیا تو توقع ہے کہ میت کو بخش دیا جائے گا۔ (عہد نامہ کے الفاظ مختلف ہیں یہ ایک طرح کی دعا ہے) مگر بعض دوسرے علماء نے فتویٰ دیا ہے کہ قرآن یا اسمائے الٰہی کفن وغیرہ پر نہ لکھا جائے فتح القدیر میں ہے کہ قرآن اور اسماء الٰہی کا روپے محراب اور دیواروں پر لکھنا مکروہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ مردہ کے کفن یا جسم پر لکھنا بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا کہ وہاں اس کے ملوث ہونے کا اندیشہ ہے)

پیشانی پر بسم اللہ لکھنا کسی مرنے والے نے نصیحت کی تھی کہ میری پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا یعنی بسم اللہ الخ لکھ دی گئی، بعد میں کسی نے اس کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ کیا معاملہ ہوا، اس نے کہا کہ میں جب قبر میں ڈالا گیا تو میرے پاس عذاب کے فرشتے آئے، جب انہوں نے میری پیشانی پر بسم اللہ لکھی ہوئی دیکھی تو اس نے کہا کہ تو خدا کے عذاب سے بچ گیا (یہ لکھنا بغیر سیاہی صرف انگلی پھیر کر کیا گیا ہوگا اور اسی طرح لکھنے کو بعض فقہاء لکھتے ہیں روشنائی وغیرہ سے نہیں مگر یہ ظاہر ہے کہ شرعی احکام کا مدار خواب پر نہیں ہو سکتا ہے، اس لیے یہ کوئی دلیل نہیں بن سکتی ہے۔ واللہ اعلم)

باب الشهيد

فعيل بمعنى مفعول لانه مشهود له بالجنة او فاعل لانه حي عند ربه فهو شاهد هو كل مكلف مسلم طاهر فالحائض ان رأت ثلثة ايام غسلت والا لا لعدم كونها حائضا و لم يُعِد

علیه السلام غسل حنظلة لحصوله بفعل الملائكة بدليل قصة آدم قتل ظلما بغير حق بجارحة اى بما يوجب القصاص و لم يجب بنفس القتل مال بل قصاص حتى لو وجب المال بعارض كالصلح او قتل الاب ابنه لاتسقط الشهادة و لم يُرْتَثَّ فلو ارتث غسل كما سيجئ.

شہید سے متعلق احکام و مسائل

شہید کی بھی موت ہوتی ہے مگر اس کو جو فضیلت حاصل ہے اس کے پیش نظر اس کے احکام و مسائل کو ایک الگ باب کے تحت ذکر کیا گیا ہے، باب الجنائز کے تحت بیان نہیں کیا گیا۔

شہید فعیل کے وزن پر ہے مگر معنی میں مشہود لہ کے ہے اس وجہ سے کہ اس کے لیے جنت سامنے لے آئی جاتی ہے، یا شہید بمعنی شاہد ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ پروردگار کے پاس حاضر ہونے والا ہے (بتانا چاہتے ہیں کہ اس وزن پر جو صفت کا صیغہ آتا ہے وہ اسم مفعول کے معنی میں بھی آتا ہے اور اسم فاعل کے معنی میں بھی، یہاں دونوں معنی ہو سکتے ہیں، شہید بمعنی مشہود بھی اور شہید بمعنی شاہد بھی)

شہید کی تعریف جس شہید کا حکم بیان کیا جا رہا ہے یہ ہر وہ عاقل بالغ پاک مسلمان ہے جو ظلماً ناحق قتل کیا گیا ہو، (شہید کی یہ تعریف ان احکام کے پیش نظر کی گئی ہے جو آگے بیان کیے جائیں گے مطلق شہید کی تعریف یہ نہیں ہے، منشا یہ ہے کہ نابالغ اور دیوانہ شہید ہوگا تو اسے غسل دیا جائے گا اسی طرح حیض و نفاس والی عورت شہید ہوگی تو اسے بھی غسل دیا جائے گا، بالغ اور طاہر کی قید کا فائدہ یہی ہے)

حیض والی عورت نے اگر تین دن تک مسلسل خون آتے دیکھا ہے اس کے بعد وہ ظلماً ماری گئی تو اس کو غسل دیا جائے گا ورنہ غسل نہیں دیا جائے گا کیوں کہ جب تین دن تک مسلسل خون نہیں آیا تھا تو وہ حیض کا خون شمار نہیں ہوگا (بلکہ وہ استحاضہ کا خون ہو سکتا ہے)

حضرت حنظلہ کا واقعہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حنظلہؓ کو دوبارہ اس وجہ سے غسل نہیں دیا کہ فرشتوں نے ان کو غسل دیدیا تھا اور ایسا ہوتا ہے چنانچہ آدم علیہ السلام کو بھی فرشتوں نے ہی غسل دیا تھا (حضرت حنظلہ صحابیؓ ہیں ان کی بیوی نے بتایا تھا کہ یہ حالت جنابت میں جہاد میں تشریف لے گئے تھے، تو قاعدہ میں ان کو غسل دینا چاہیے تھا، مگر غسل اس وجہ سے نہیں دیا گیا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے بھائی حنظلہؓ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں)

شہادت میں قصاص کی شرط شہید وہ پاک عاقل بالغ مسلمان ہے جو ظلماً ناحق زخم لگانے والی چیز سے قتل کیا گیا ہو، اور وہ موجب قصاص ہو اور نفس قتل سے مال واجب نہ ہو بلکہ قصاص واجب ہو (جیسے تلوار، چاقو، چھری وغیرہ سے قتل کیا گیا ہو) لاٹھی وغیرہ سے مارا گیا ہوگا تو قصاص واجب نہیں ہوگا۔ لیکن کسی عارض کی

وجہ سے مال واجب ہوا ہوگا، قتل کی وجہ سے نہ ہوا ہوگا تو اس کی شہادت ساقط نہیں ہوگی جیسے قتل کے معاملہ میں مال پر کوئی صلح کرلے کہ نفس قتل کی وجہ واجب تو قصاص ہی تھا مگر صلح کی وجہ سے قصاص ساقط ہوگیا، یا باپ اپنے بیٹے کو قتل کردے یہاں بھی نفس قتل سے قصاص ہی واجب ہے، مگر باپ ہونے کی وجہ سے اس سے قصاص ساقط ہوجائے گا۔ ان دونوں صورتوں میں شہادت ختم نہیں ہوگی، بلکہ شہید باقی رہے گا، اور اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

شہید کو غسل نہ دینے کی شرط

غسل نہ دینے کی ایک شرط یہ ہے کہ زخمی ہونے کے بعد زندہ نہ رہا ہو، لہٰذا اگر زخمی ہونے کے بعد زندہ رہا ہوگا تو غسل دیا جائے گا جیسا کہ آئندہ آرہا ہے، (ارتثاث زخمی کو زندہ حالت میں میدان جنگ سے اٹھالانے کو کہتے ہیں)

وكذا يكون شهيدا لو قتله باغ او حربى او قاطع طريق و لو تسببا او بغير آلة جارحة فان مقتولهم شهيد باىّ آلة قتلوه لان الاصل فيه شهداء احد و لم يكن كلهم قتيل سلاح او وجد جريحا ميتا فى معركتهم المراد بالجراحة علامة القتل كخروج الدم من عينه او من اذنه او حلقه صافيا لا من انفه او ذكره او دبره او حلقه جامدا.

زندہ نہ پائے جانے کی صورتیں جن میں مقتول شہید شمار ہوتا ہے

اور اسی طرح زندہ نہ پائے جانے کی وجہ سے اس وقت شہید شمار ہوگا جس اس کو کسی باغی نے قتل کیا ہو، یا کافر حربی نے قتل کیا ہو، یا ڈاکو (رہزن) نے قتل کیا ہو، اگرچہ انہوں نے کسی سبب کی وجہ سے قتل کیا ہو، اور گو غیر دھار دار آلے سے قتل کیا ہو، مگر وہ شہید ہی ہوگا، اس لیے کہ ان لوگوں کا قتل کیا ہوا شہید ہی ہوتا ہے، گو انہوں نے کسی بھی ہتھیار اور آلے سے قتل کیا ہو، اس لیے کہ شہادت میں اصل غزوہ احد کے شہید ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ یہ سب کے سب ہتھیار سے قتل نہیں کیے گئے تھے (یہ جو کہا کہ اگرچہ انہوں نے کسی سبب سے قتل کیا ہو، یہاں سبب کی مثال یہ ہے کہ وہ کسی کافر حربی، یا باغی یا رہزن سوار کے پاؤں تلے دب کر یا کچل کر مر گیا ہو یا انہوں نے کسی مسلمان کے ہی گھوڑے کو بھڑ کا دیا ہو اور اس سے گر کر مر گیا ہو، یا انہوں نے جہاں جہاں رہتے ہوں وہاں آگ لگادی ہو اور اس کی وجہ سے وہ مر گئے ہوں ان تمام صورتوں میں مسلمان شہید ہی شمار ہوگا)

میدان کارزار کا زخمی

یا وہ شخص شہید شمار ہوگا جو میدان کارزار میں مردہ یا زخمی پایا گیا ہو، شارح نے بتایا کہ زخم سے مراد یہ ہے کہ اس کے جسم پر قتل کے نشانات ہوں خواہ ظاہر میں نشان ہو یا نہ ہو۔ مثلاً آنکھ، کان اور حلق سے صاف خون نکلنا مگر اس کی ناک، عضو تناسل، پاخانہ کے مقام یا حلق سے خون بستہ نکلنا علامت قتل نہیں ہے (شامی میں ہے کہ پہلی جگہ خون بستہ کہنا چاہیے اور دوسری جگہ صاف خون شارح نے برعکس کردیا ہے)

فينزع عنه ما لا يصلح للكفن و نراد ان نقص ما عليه عن كفن السنة و ينقص ان زاد لاجل ان يتم كفنه المسنون و يصلى عليه بلا غسل و يدفن بدمه و ثيابه لحديث زملوهم بكلومهم و يغسل من وجد قتيلا فى مصر او قرية فيما اى فى موضع تجب فيه

الدية ولو في بيت المال كالمقتول في جامع او شارع ولم يعلم قاتله او علم و لم يجب القصاص فان وجب كان شهيدا كمن قتله اللصوص ليلا في المصر فانه لا قسامة ولا دية فيه للعلم بانه قاتله اللصوص غاية الامر ان عينه لم تعلم فليحفظ فان الناس عنه غافلون او قتل بحد او قصاص اى يغسل و كذا بتعزير او افتراس سبع او جُرح و ارتُثّ و ذلك بان اكل او شرب او نام او تداوى و لو قليلا او آوى خيمة او مضى عليه وقت صلوة و هو يعقل و يقدر على ادائها او نقل من المعركة و هو يعقل سواء وصل حيا او مات على الايدى و كذا لو قام من مكانه الى مكان آخر بدائع لالخوف وطئ الخيل او اوصى بامور الدنيا و ان بامور الآخرة لا يصير مرتثا عند محمد و هو الاصح جوهره لانه من احكام الاموات او باع او اشترى او تكلم بكلام كثير و الا فلا وهذا كله اذا كان بعد انقضاء الحرب و لو فيها اى في الحرب لا يصير مرتثا بشيء مما ذكر و كل ذلك في الشهيد الكامل و الا فالمرتث شهيد الآخرة و كذا الجنب و نحوه و من قصد العدو فاصاب نفسه والغريق والحريق والغريب والمهدوم عليه والمبطون والمطعون والنفساء والميت ليلة الجمعة و صاحب ذات الجنب و من مات و هو يطلب العلم و قد عدّهم السيوطي نحو الثلثين.

شہید کی تجہیز و تکفین شہید کے بدن سے وہ چیز اتار لی جائے گی جو کفن کے لائق نہ ہوگی، اور اگر بدن پر کپڑے مسنون کفن سے کم ہوں گے تو وہ بڑھائے جائیں گے، اور لباس میں جو کپڑا کفن مسنون سے زیادہ ہوگا وہ کم کر دیا جائے گا، یہ کم و بیش اس لیے کیا جائے گا تاکہ مسنون کفن پورا ہو جائے۔ (لہٰذا پوستین، موزہ، ٹوپی، زرہ، ہتھیار اتار دیئے جائیں گے)

شہید کی نماز جنازہ شہید کی نماز جنازہ اس کو بغیر غسل دیئے ہوئے پڑھی جائے گی اور اس کو اس کے خون اور کپڑوں سمیت دفن کیا جائے گا اس لیے کہ حدیث نبوی ہے کہ شہیدوں کو ان کے کپڑوں میں ان کے زخموں کے ساتھ لپیٹو (یہ ارشاد آنحضرت ﷺ نے غزوہ اُحد کے شہیدوں کے لیے فرمایا تھا، انہی شہداء کے سلسلہ میں آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ان کے بدن سے لوہا اور پوستین اتار لو، اور ان کو انکے کپڑوں اور زخموں کے ساتھ دفن کرو)

دیت بیت المال سے اگر کوئی شخص شہر اور آبادی کی ایسی جگہ میں مقتول پایا جائے گا جس میں خون بہا واجب ہوتا ہے خواہ بیت المال سے ہو، اور اس کے قاتل کا پتہ نہ مل سکے یا قاتل کا پتہ ہو مگر اس پر قصاص واجب نہ ہوتا تو اس کو غسل دیا جائے گا بیت المال سے قصاص واجب ہونے کی صورت یہ ہے کہ مثلاً کوئی جامع مسجد میں یا شاہراہ پر قتل کیا ہوا پایا گیا تو اس کی دیت بیت المال سے دی جائے گی۔

شہر میں چوروں کا مقتول

اگر قاتل معلوم ہو اور اس کی وجہ سے قصاص بھی واجب ہو تو وہ مقتول بھی شہید ہوگا جیسے وہ شخص جس کو چوروں نے شہر کے اندر رات میں قتل کر دیا ہو تو اس صورت میں محلے والوں پر نہ قسامت ہے اور نہ دیت، اس لیے کہ یہ معلوم ہے کہ اس کے قاتل چور ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ بات ہے کہ متعین طور پر چوروں کا نام معلوم نہیں ہے، للہٰذا یہ مقتول شہید ہوگا۔

کس کو غسل دیا جائے گا کس کو نہیں

اور اس شخص کو بھی غسل دیا جائے گا جو حد یا قصاص میں قتل کیا جائے، اسی طرح جو شخص تعزیر میں قتل کیا گیا ہو یا اس کو درندوں نے پھاڑ ڈالا ہو یا وہ زخمی ہوا ہو اور زندہ ہو اور زندہ رہنے سے مراد یہ ہے کہ زخم لگنے کے بعد اس نے کھایا ہو، یا پیا ہو، یا سویا ہو، یا دوا علاج کیا ہو گو یا باتیں بہت مختصر سی ہوئی ہوں یا اس نے کسی خیمہ میں پناہ لی ہو، یا اس پر ایک نماز کا وقت گذر چکا ہو، اور وہ عقل و ہوش رکھتا ہو اور نماز کے ادا کرنے پر قادر ہو یا میدان جنگ سے ہوش کی حالت میں اٹھایا گیا ہو، خواہ وہ زندہ پہنچا ہو یا لاتے ہوئے ہاتھوں میں دم توڑ دیا ہو، اور اسی طرح اپنی جگہ سے اٹھ کر دوسری جگہ گیا ہو، تو ان تمام صورتوں میں اس کو غسل دیا جائے گا۔ اسی طرح اس کو میدان جنگ سے اس خوف سے اٹھا لیا گیا تھا کہ گھوڑے سے روندا جائے گا یا پس جائے گا تو اس کو غسل نہیں دیا جائے گا)

زخم کے بعد وصیت اور پھر موت

اگر زخمی نے زخم لگنے کے بعد دُنیا کے کاموں کے متعلق وصیت کی ہو تو وہ بھی زندہ شمار ہوگا اور اس کو مرنے کے بعد غسل دیا جائے گا، اور اگر اس نے امور آخرت کے متعلق وصیت کی ہو تو وہ امام محمدؒ کے نزدیک ایسا زندہ شمار نہیں ہوگا جس کو اصطلاح میں ارثاث کہتے ہیں اور یہی قول زیادہ صحیح ہے اس وجہ سے کہ امور آخرت سے متعلق وصیت اموات کے احکام سے ہے (للہٰذا اس کو غسل نہیں دیا جائے گا)

زخم لگنے کے بعد گفتگو

یا زخم لگنے کے بعد اس نے خرید و فروخت کیا ہو، یا بہت بات چیت کی ہو، تو وہ زندہ شمار ہوگا اور اس کو غسل نہیں دیا جائے گا البتہ اگر زخم کے بعد زیادہ بات نہ کر سکا ہو تو وہ زندہ شمار نہ ہوگا اور اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

درمیان جنگ علامت زندگی کا اعتبار نہیں

یہ سب باتیں جن کی وجہ سے شہادت ناقص ہوتی ہے اور جن کا اوپر ذکر ہوا ہے اس صورت میں ہے کہ لڑائی ختم ہو چکی ہو اور اگر یہ سب باتیں لڑائی کے درمیان پیش آئی ہوں تو وہ مرنے والا ان میں سے کسی وجہ سے مرثث شمار نہیں ہوگا یعنی زندہ رہنے والا نہیں سمجھا جائے گا اور تمام صورتوں میں وہ شہید کامل شمار ہوگا اور اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

شہید کامل اور شہید آخرت

اوپر یہ جو شرطیں ذکر کی گئی ہیں یہ سب شہید کامل کی ہیں، جو دنیا اور آخرت دونوں میں شہید قرار پایا ہے رہ نہ وہ شخص جو زخمی ہونے کے بعد زندہ رہتا ہے وہ بھی شہید آخرت ضرور ہوتا ہے یعنی شہادت کا ثواب پاتا ہے گو شہید دنیا نہیں ہوتا یعنی وہ بغیر غسل دفنایا نہیں جائے گا اسی طرح جو حالت جنابت اور اسی طرح کی دوسری چیزوں میں قتل کیا گیا ہو وہ بھی شہید آخرت ہے اور اس کو شہادت کا ثواب حاصل ہوگا۔

شہید کامل کی چھ شرطیں مذکور ہوئی ہیں: (۱) عاقل ہونا (۲) بالغ ہونا (۳) پاک ہونا (جنابت وغیرہ سے) (۴) ظلماً قتل ہونا یا جہاد میں قتل ہونا (۵) مالی عوض کا واجب نہ ہونا (۶) زخمی ہونے کے بعد مذکورہ بالا امور سے منقطع نہ ہونا۔

شہید دنیا کی مراد یہ ہے کہ اس کو غسل نہیں دیا جائے گا سوائے اس کے کہ وہ ناپاک (حالت جنابت میں) رہا ہو، اور شہید آخرت کی مراد یہ ہے کہ جو ثواب شہداء کے لیے ثابت ہے اس کو بھی حاصل ہو گا۔

شہید آخرت کی تعداد

آخرت کا شہید باعتبار ثواب وہ بھی ہو گا جس نے دشمن کو مارنے کا ارادہ کیا، اور وہ زخم خود اسی کو لگ گیا، اور شہید آخرت وہ بھی ہے جو ڈوب کر مرا ہو، جو جل کر مرا ہو، جو حالت سفر میں مرا ہو، جس پر مکان گر گیا ہو اور وہ اس میں دب کر مرا ہو، وہ جو پیٹ کی بیماری سے مرا ہو، جیسے دست استسقاء، وہ جو طاعون یعنی وبائی بیماری میں مرا ہو، وہ عورت جو حالت نفاس میں مری ہو، خواہ جننے کے وقت مری ہو یا مدت نفاس میں، وہ شخص جو جمعہ کی رات میں مرا ہو، وہ جو ذات الجنب کی بیماری میں مرا ہو، وہ جو طالب علمی کی حالت میں مرا ہو، خواہ وہ پڑھ رہا ہو، خواہ پڑھاتا ہو خواہ تصنیف و تالیف میں مشغول ہو، یہ سب کے سب شہید آخرت ہیں، ان سب کو شہادت کا ثواب ملے گا اور علامہ جلال الدین سیوطی نے شہید آخرت کی تعداد تقریباً تیس بتائی ہے، واللہ اعلم۔

علامہ سیوطی کے نزدیک

علامہ سیوطی نے اپنی ایک کتاب میں اس کی تفصیل اس طرح کی ہے: (۱) پیٹ کی بیماری میں مرنے والا، (۲) ڈوب کر مرنے والا (۳) دب کر مرنے والا (۴) ذات الجنب کی بیماری سے مرنے والا (۵) جو عورت پیٹ کے حمل وغیرہ کی وجہ سے مر جائے (۶) سل کی بیماری سے مرنے والا (۷) حالت سفر مرنے والا (۸) مرگی سے مرنے والا (۹) بخار میں مرنے والا (۱۰) اپنے گھر کی حفاظت کے سلسلہ میں مرنے والا (۱۱) مال کی حفاظت میں مرنے والا (۱۲) جان کی حفاظت کے سلسلہ میں مرنے والا (۱۳) ظلم سے مرنے والا (۱۴) عشق میں مرنے والا بشرطیکہ پارسا ہو اور عشق چھپا کر رکھتا ہو (۱۵) گلے میں پانی اٹک کر مرنے والا (۱۶) درندہ نے پھاڑ کر مارا ہو (۱۷) جس کو بادشاہ نے ظلماً مارا اور وہ مر گیا (۱۸) جس کو بادشاہ نے زبردستی پٹوایا ہو (۱۹) یا بادشاہ کے خوف سے چھپتا پھرتا ہو اور اسی حالت میں مر گیا (۲۰) جو سانپ بچھو کے ڈسنے سے مرا ہو (۲۱) جو علم شرعی کے طلب میں مرا ہو (۲۲) جو ثواب کی نیت سے اذان دیتا ہو اور مر گیا ہو (۲۳) جو سوداگر سچ بولتا ہو اور وہ مر گیا ہو (۲۴) جو اپنے بال بچوں اور ماتحتوں میں اللہ تعالیٰ کا حکم جاری کرتا ہو اور حلال کمائی سے ان کو کھلاتا ہو اور وہ مر گیا ہو (۲۵) جس کی جہاز میں متلی اور قے سے موت واقع ہوئی ہو (۲۶) جس عورت نے غیرت پر قائم رہ کر صبر کیا ہو اور مر گئی ہو (۲۷) جو شخص روزانہ ۲۵ مرتبہ یہ کلمات پڑھتا ہو اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِي فِي الْمَوتِ وَ فِي مَا بَعْدَ الْمَوتِ (۲۸) جو شخص پابندی کے ساتھ نماز چاشت پڑھتا ہو اور ہر مہینے میں تین روزے رکھتا ہو اور وتر کو ترک نہ کرتا ہو (۲۹) جو شخص امت میں فساد کے وقت سنت نبوی پر مضبوطی سے قائم ہو (۳۰) جس شخص نے اپنے مرض الموت میں چالیس بار لا الہ الاّ انت سبحانك انی کنت من الظالمین پڑھتا رہا ہو کذا فی الطحطاوی۔ شامی نے علماء مالکیہ کے حوالہ سے کچھ اور اضافہ کیا ہے۔ مثلاً جو ہر شب سورہ یٰسین پڑھے جو سواری کے جانور سے گر کر مر جائے، جو رات کو طہارت کے ساتھ سوئے اور مر جائے، جو شخص لوگوں کی زندگی بھر مدارات کرتا رہے، جو شخص ہر روز ہر روز سو بار درود شریف پڑھے، جو شخص سچے دل سے اللہ کی راہ میں قتل ہونے کی دعا مانگے، جو شخص ضرورت کے وقت لوگوں میں غلہ تقسیم کرے، جو شخص جمعہ کے دن انتقال کرے، ان تمام کے لیے احادیث میں شہادت کا ثواب آیا ہے اور یہ سب شہید آخرت شمار ہوں گے۔

باب الصلوة فی الکعبة

فی الباب زیادة علی الترجمة و هو حسن یصح فرض و نفل فیها وفوقها و لو بلا سترة لان القبلة عندنا هی العرصة والهواء الی عنان السماء و ان کره الثانی للنهی و ترک التعظیم منفردا او بجماعة و ان وصلیة اختلفت وجوههم فی التوجه الی الکعبة الا اذا جعل قفاه الی وجه امامه فلا یصح اقتداؤه لتقدمه علیه و یکره جعل وجهه لوجهه بلا حائل و لو لجنبه لم یکره فهی اربع وتصح لو تحلقوا حولها و لو کان بعضهم اقرب الیها من امامه ان لم یکن فی جانبه لتاخره حکما و لو وقف مستامنا لرکن فی جانب الامام و کان اقرب لم اره و ینبغی الفساد احتیاطا لترجیح جهة الامام و هذه صورته

امام مقتدی

وکذا لو اقتدوا من خارجها بامام فیها والباب مفتوح صح لانه کقیامه فی المحراب.

کعبہ میں نماز پڑھنے سے متعلق مسائل واحکام

اس باب میں کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کی کیفیت بیان کی گئی ہے، چنانچہ اس میں عنوان کی نسبت مضمون زیادہ ہے اور یہ اچھی بات ہے کہ عنوان سے زیادہ بیان کیا جائے زیادہ یہ ہے کہ کعبہ کے اگرد گرد اور اس کے اوپر نماز پڑھنے کے احکام اور طریقے بھی بیان کیے گئے ہیں۔

قبلہ زمین سے آسمان تک

کعبہ کے اندر اور اس کے اوپر فرض اور نفل نماز درست ہے اگرچہ بغیر سترہ ہو، اس لیے کہ ہمارے نزدیک قبلہ میدان سے لے کر آسمان تک کی فضا ہے۔ (امام مالک کے نزدیک کعبہ کے اندر نماز درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ جب کسی ایک طرف منہ کرے گا تو دوسری طرف اس کی پشت ہوگی اور وہ سمت بھی قبلہ ہی ہوگی) اور ہم یہ کہتے ہیں کہ کعبہ کے جس جز اور حصہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے گا نماز ہو جائے گی اس لیے کہ وہ بھی قبلہ ہی ہوگا، باقی کعبہ کے کسی حصہ کی طرف پشت کرنے یا ہونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے یہ ظاہر ہے کہ صرف کعبہ ہی قبلہ نہیں ہے بلکہ وہ جگہ زمین سے آسمان تک قبلہ کے حکم میں ہے۔

کعبہ کی چھت پر نماز

خانہ کعبہ کی چھت پر نماز مکروہ ہے اس لیے کہ اس سے منع کیا گیا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ تعظیم کعبہ کے بھی خلاف ہے (شرح ملتقی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سات جگہوں

میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، اول اونٹ کے بیٹھنے کی جگہ میں، دوم قبرستان میں، سوم نجاست ڈالنے کی جگہ میں، چہارم شاہراہ یعنی عام سڑک پر، پنجم جانوروں کے ذبح کرنے کی جگہ میں، ششم خانہ کعبہ کی چھت پر، ہفتم غسل خانہ کے اندر۔

کعبہ کے اندر نماز

کعبہ کے اندر تنہا بھی نماز صحیح ہے اور جماعت کے ساتھ بھی، اگرچہ جماعت میں مقتدیوں کے چہرے کعبہ کی مختلف سمت میں ہوں، البتہ اس صورت میں اقتداء اور نماز درست نہیں ہوگی جب مقتدی کی پشت امام کے چہرے کی طرف ہو، اس وجہ سے کہ اس صورت میں مقتدی امام کے آگے ہو جائے گا۔

مقتدی اور امام کا رُخ

مقتدی کے لیے مکروہ ہے کہ وہ اپنا چہرہ امام کے چہرے کی طرف کرے، اور دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو، اس لیے کہ یہ صورت پرستی کے مشابہ ہو جائے گا، اور اگر مقتدی اپنا منہ امام کے پہلو کی طرف کرے گا تو یہ مکروہ نہیں ہوگا، لہٰذا یہ چار صورتیں ہوئیں (اول یہ کہ مقتدی کا منہ امام کے منہ کی طرف ہو یہ صورت مکروہ ہے، دوم مقتدی کا منہ امام کے پہلو کی طرف ہو، یہ بلا کراہت جائز ہے، سوم مقتدی کا منہ امام کی پشت کی طرف ہو یہ بھی بلا کراہت درست ہے، چہارم یہ کہ مقتدی کی پشت امام کے منہ کی طرف ہو یا صورت جائز نہیں ہے کذا فی الطحطاوی)

کعبہ کے اردگرد نماز کی کیفیت

کعبہ کے گرد اگر حلقہ کر کے نماز ادا کریں تو یہ بھی جائز ہے۔ اگرچہ بعض مقتدی امام کے اعتبار سے کعبہ سے زیادہ قریب ہوں، بشرطیکہ امام کی سمت میں زیادہ قریب نہ ہوں، اور کعبہ سے قریب والوں کی نماز اس لیے درست ہے کہ وہ حکماً امام کے پیچھے ہی رہے گا (یہ کعبہ سے باہر نماز کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ کعبہ کے گرد اگر حلقہ کی صورت میں نماز درست ہوتی ہے، اس لیے کہ آنحضرت ﷺ کے وقت سے اس طرح نماز ہوتی آئی ہے، جو شخص امام کی نسبت سے کعبہ سے قریب تر ہے اس میں یہ دیکھا جائے گا کہ وہ شخص اسی طرف تو نہیں ہے جس طرف امام ہے اگر ایسا ہوگا تو اس کی نماز نہیں ہوگی کیوں کہ اس صورت میں مقتدی آگے ہو جائے گا اور امام پیچھے اور اگر مقتدی دوسری جانب میں ہے اور کعبہ سے بہ نسبت امام کے قریب تر ہے تو اس کی نماز ہو جائے گی۔

اگر کوئی مقتدی اس کونے کی سیدھ میں ہو جو امام کی جانب میں ہے اور بہ نسبت امام کے وہ کعبہ سے زیادہ قریب ہے تو اس مسئلہ کا حکم میں نے کہیں نہیں دیکھا اور احتیاط کی رو سے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی کی نماز فاسد ہو جانی چاہیے کیوں کہ امام کی جہت غالب ہوتی ہے اور اس کی صورت یہ ہے۔

امام کعبہ کے اندر ہو اور مقتدی باہر

اسی طرح اگر مقتدی کعبہ کے باہر رہ کر اُس امام کی اقتدا کرے، جو کعبہ کے اندر ہو اور کعبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہو، تو یہ اقتدا درست ہے اس لیے کہ یہ صورت ایسی ہو گئی جیسے امام محراب میں ہو اور مقتدی باہر اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس طرح مقتدی کی بھی نماز ہو جاتی ہے اور امام جو کعبہ کے اندر کھڑا ہے اس کے ساتھ اندر مقتدی ہوں، یا نہ ہوں دونوں صورتوں میں نماز جائز ہوگی۔ دروازہ کھلے رہنے کی قید اس لیے لگائی تا کہ اس سے امام کا حال معلوم ہوتا رہے کہ امام کب رکوع میں گیا اور کب سجدہ میں یوں اگر دروازہ بند ہوگا اور مکبّر اس کی آواز پہنچاتا رہے گا، تو بھی مقتدی کی نماز جائز ہوگی البتہ چوں کہ امام قد آدم اونچائی پر ہوگا اور مقتدی نیچے اس لیے کراہت آجائے گی، واللہ اعلم۔

كتاب الزكوٰة

قرنها بالصلوة فى اثنين و ثمانين موضعا فى التنزيل دليل على كمال الاتصال بينهما و فرضت فى السنة الثانية قبل فرض رمضان ولا تجب على الانبياء اجماعا هى لغة الطهارة والنماء و شرعا تمليك خرج الاباحة فلو اطعم يتيما ناويا الزكوٰة لا يجزيه الا اذا دفع اليه المطعوم كما لو كساه بشرط ان يعقل القبض الا اذا حكم عليه بنفقتهم مضمرات خلافا للثانى بزازية جزء مال خرج المنفعة فلو اسكن فقير اداره سنة ناويا لا يجزيه عينه الشارع وهو ربع عشر نصاب حولى خرج النافلة والفطرة من مسلم فقير ولو معتوها غير هاشمى و لا مولاه اى معتقه و هذا معنى قول الكنز تمليك المال اى المعهود اخراجه شرعا مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه فلا يدفع لاصله و فرعه.

زکوۃ سے متعلق احکام ومسائل

قرآن پاک میں زکوۃ کا بیان صلوۃ سے متصل بیاسی جگہوں میں ہے یہ دونوں کے کمال اتصال کی دلیل ہے، زکوۃ رمضان کے روزے کے فرض ہونے سے پہلے دوسری ہجری میں فرض ہوئی (طحطاوی نے لکھا ہے کہ بیاسی جگہ کی تعداد صحیح نہیں ہے، نماز کے ساتھ زکوۃ کا ذکر قرآن میں بتیس مقامات میں ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے استاذ نے اس کو شمار کیا ہے) زکوۃ انبیاء علیہم السلام پر بالاتفاق واجب نہیں ہے (عدم وجوب کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ انبیاء کرام اپنے پاس کی چیزوں کو امانت سمجھتے تھے، جہاں خرچ کا موقع ہوتا خرچ کرتے تھے، اور بے موقع خرچ کرنے سے منع فرماتے تھے، دوسری وجہ یہ ہے کہ زکوۃ اس شخص کے حق میں طہارت اور پاکیزگی ہے، جو گناہوں سے آلودہ ہو، اور انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں)

زکوۃ کے معنی اور یہ کہ اباحت سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی

زکوۃ کے معنی لغت میں پاک ہونا اور بڑھنا ہے اور شریعت میں زکوۃ نام ہے فقیر کو اس حصہ مال کا مالک بنادینا جو شارع نے متعین کردیا ہے، شارح نے بتایا کہ تملیک کی قید سے اباحت نکل گیا، جس کے معنی ہیں کسی چیز کا مباح کردینا، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی یتیم کو زکوۃ کی ادائیگی کی نیت سے کھانا کھلادے گا، تو وہ کافی نہیں ہوگا، اور زکوۃ ادا نہیں ہوگی، اس لیے کہ اس میں تملیک نہیں ہوتی ہے، ہاں اگر کھانا کا یتیم کو مالک بنا کر اس کے حوالہ کردے گا تو البتہ زکوۃ ادا ہوگی،

جیسے کوئی کسی مستحق اور یتیم کو کپڑا پہنادے، بشرطیکہ وہ یتیم قبضہ کو سمجھتا ہو، اور وہ چیز کو نہ پھینک دیتا ہو، مگر جب اس شخص پر یتیم کا نفقہ کا فیصلہ کر دیا گیا ہو گا تو اب کپڑا پہنانے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی، کذافی المضمرات (سمجھانہ جائے گا یہ اس پر از روئے فیصلہ ضروری تھا) یہ مسئلہ امام ابو یوسفؒ کے خلاف ہے کذافی البزازیہ (امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اباحت سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔)

(کسی پر یتیم کے نفقہ کے فیصلہ کی صورت یہ ہو گی کہ قاضی نے کسی وجہ سے کسی شخص کے ذمہ لازم کر دیا ہو کہ وہ اس کو نفقہ دیا کرے، اس فیصلہ کے بعد اگر وہ نفقہ کی چیز کو زکوٰۃ میں شمار کرے گا تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی اس لیے کہ قاضی کے حکم کی تعمیل اس پر واجب ہے اور وہ اسی کی تعمیل میں یہ خرچ کر رہا ہے لہٰذا اس کو زکوٰۃ کی ادائیگی میں سمجھنا کسی طرح درست نہیں ہو گا)

اباحت و تملیک میں فرق

(اباحت و تملیک میں فرق یہ ہے کہ اباحت سے اس چیز کا کام میں لانا مباح ہو جاتا ہے، وہ اس میں جو چاہے تصرف نہیں کر سکتا ہے، اور تملیک کے بعد اس کو اس مال میں ہر طرح کے تصرف کا حق ہو جاتا ہے کیوں کہ وہ مالک ہو جاتا ہے، مثلاً کھانا کھلانا ہے اس میں یتیم کو صرف کھانے کا اختیار رہتا ہے اس میں وہ دوسرا تصرف نہیں کر سکتا ہے، اور اگر کھانا دے کر اس کو مالک بنادے تو وہ اس میں جو چاہے تصرف کر سکتا ہے خواہ خود کھائے خواہ دوسرے کو کھلادے، یا فروخت کر دے)

نفع سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی

مال کے ایک ایسے حصہ کا مسلمان مستحق کو مالک بنا دینا زکوٰۃ ہے جس کو شارح نے مقرر کر دیا ہو، اور وہ حصہ اس نقد مال کا چالیسواں حصہ ہے جس پر سال گذر چکا ہو، شارح نے بتایا کہ "مال کا حصہ" کہنے سے "نفع" خارج ہو گیا یعنی نفع زکوٰۃ میں محسوب نہیں ہو گا مثلاً کسی نے کسی فقیر کو اپنے گھر میں سال بھر ادائے زکوٰۃ کی نیت سے رکھا، تو اس سے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی، اس لیے کہ اس صورت میں گھر والے نے نفع کا مالک بنایا ہے مال کا مالک نہیں بنایا۔ اور چالیسویں حصہ کی قید سے صدقہ نافلہ نکل گیا اور صدقہ فطر بھی، صدقہ نافلہ اس وجہ سے کہ اس کی کوئی تعیین نہیں ہوتی ہے اور صدقہ فطر اس وجہ سے کہ وہ مال کا چالیسواں حصہ نہیں ہوتا۔

تملیک المال اور تملیک جزء المال

مسلمان محتاج جس کو مالک بنایا ہے وہ گو ناقص العقل ہو تو بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی شرط یہ ہے کہ وہ نہ ہاشمی ہو اور نہ بنو ہاشم کا آزاد کردہ غلام ہو، اور صاحب کنز کے قول "تملیک المال" کی یہی مراد ہے یعنی اس مال کا مالک بنانا جس کا نکالنا شرعاً معلوم ہے (مصنف تنویر الابصار نے زکوٰۃ کی تعریف میں "تملیک جزء مال عینہ الشارع" کا جملہ لکھا ہے، اور صاحب کنز نے تملیک المال کہا ہے جزء المال کا لفظ نہیں کہا ہے، شارح کہتے ہیں مآل اور نتیجہ کے اعتبار سے دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے کیوں کہ کنز میں "المال" سے متعین مال مراد ہے، اس میں الف لام عہد کا ہے وہی مال جس کو شارع نے متعین کیا ہے۔

اپنی منفعت ختم کر دینا

مسلمان مستحق کو زکوٰۃ کے مال کا اس طرح مالک بنا دینا ہے کہ زکوٰۃ دینے والے کی ہر طرح کی منفعت اس مال سے منقطع ہو جائے۔ لہٰذا زکوٰۃ ادا کرنے والا اپنی زکوٰۃ نہ اپنے اصل (یعنی ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی) کو دے گا اور نہ اپنی فرع (بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی اور نواسہ، نواسی) کو دے گا اس لیے کہ ان کے دینے میں فی الجملہ اس کی منفعت ہے۔

لِلّٰہ تعالٰی بیان لاشتراط النیۃ و شرط افتراضھا عقل و بلوغ و اسلام و حریۃ والعلم بہ

ولو حکما ککونه فی دارنا وسببه ای سبب افتراضها ملك نصاب حولی نسبة للحول لحولانه علیه تام بالرفع صفة ملك خرج مال المکاتب اقول انه خرج باشتراط الحریة علی ان المطلق ینصرف الی الکامل و دخل ما ملك بسبب خبیث کمغصوب خلطه اذا کان له غیره منفصل عنه یوفی دینه فارغ عدن دین له مطالب من جهة العباد سواء کان لِلّٰه کزکوٰة و خراج او للعبد ولو کفالة او موجلا ولو صداق زوجته المؤجل للفراق او نفقة لزمته بقضاء اورضاء بخلاف دین نذر و کفارة و حج لعدم المطالب ولا یمنع الدین رجوب عشر و خراج و کفارة و فارغ عن حاجته الاصلیة لان المشغول بها کالمعدوم و فسره ابن الملك بما یدفع عنه الهلاك تحقیقا کثیابه او تقدیرا کدینه نام ولو تقدیرا بالقدرة علی الاستمناء ولو بنائبه.

شرائط فرضیت زکوٰۃ

زکوٰۃ کے فرض ہونے کی شرطیں یہ ہیں عاقل ہونا، بالغ ہونا، مسلمان ہونا، آزاد ہونا اور فرض ہونے کو جاننا، اگرچہ فرض ہونے کا علم حکم کی رو سے ہو، جیسے صاحب نصاب کا دارالاسلام میں ہونا کہ یہاں بے علمی عذر نہیں ہو سکتی ہے، ہاں اگر کوئی حربی کافر دارالحرب میں مسلمان ہوا اور چند سال وہاں رہا اور اس کو زکوٰۃ کے فرض ہونے کا علم نہیں ہوا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، ان قیود سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ نہ پاگل کے مال میں فرض ہے، نہ نابالغ بچے کے مال میں، نہ کافر اور غلام کے مال میں۔

زکوٰۃ کے فرض ہونے کا سبب اُس نصاب مال کا پورا مالک ہونا ہے جس پر سال گذر چکا ہو، اس قید سے مکاتب کا مال نکل گیا اس وجہ سے کہ اس پر مکاتب کو ملک کامل حاصل نہیں ہوتی ہے اور جب تک ملک کامل نہ ہو اس کے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے (یہاں سال سے مراد قمری سال ہے، شمسی سال مراد نہیں ہے، قمری سال شمسی سال سے نسبتاً چھوٹا ہوتا ہے۔

شارح کہتا ہے کہ میں کہتا ہوں کہ حریت کی شرط سے مکاتب تو نکل ہی چکا ہے اس کے علاوہ ایک بات یہ ہے کہ مطلق ملک سے ملک تام مراد ہوگی اس لیے کہ مطلق سے فرد کامل مراد ہوا کرتا ہے، لہٰذا ملک کامل ملک تام ہوگی (شارح کہنا چاہتا ہے کہ یہاں "تام" لانا ضروری نہیں تھا، یہ ایک علمی بحث ہے جس کی تفصیل یہاں بے فائدہ ہے، البتہ یہ بات طے ہے کہ تام کا لفظ لانا فائدہ سے خالی نہیں)

سبب خبیث والے مال کی زکوٰۃ

جس نصاب پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اس میں وہ مال بھی داخل ہوگا، جس کا مالک کوئی خبیث سبب سے ہوا ہوگا جیسے کسی نے چھینی ہوئی چیز کو اپنے مال میں ملا دیا، بشرطیکہ اس کے پاس اس مال مخلوط کے سوا دوسرا اتنا مال بھی پایا جاتا ہو، جس سے مال مغصوب والا قرض وہ ادا کر سکے۔

(مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس اپنا ذاتی مال پہلے سے تھا اس نے اس میں دوسرے کا مال چھین کر اس طرح ملا لیا کہ اب چھینا ہوا مال اس سے جدا نہیں ہو سکتا ہے امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی دوسرے کے مال کو اس طرح زبردستی لے کر ملا لے، تو یہ ضائع کر دینے کے حکم میں ہے اور اس پر اس چھینے ہوئے مال کا تاوان لازم ہوگا، لہٰذا جس نے ملایا ہے وہ اس چھینے

ہوئے مال کا مالک ہو گیا لہٰذا اب وہ سب کی زکوٰۃ ادا کرے گا، مگر شرط یہ ہے کہ چھیننے والے کے پاس اس ملے ہوئے مال کے علاوہ اتنا مال اور پایا جائے جس سے وہ اس تاوان لازم کو ادا کر سکے لیکن اگر اس کے پاس علیحدہ سے اس قدر مال نہیں ہے، تو اس چھیننے والے پر اس چھینے ہوئے مال کی جس کو ملالیا ہے زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی کیوں کہ یہ غیر کا حق ہے جو اس کے مال میں مل گیا ہے، صاحبین کے یہاں چھینے ہوئے مال کا چھیننے والا کسی حال میں مالک نہیں ہوتا ہے لہٰذا اس کی زکوٰۃ ان کے نزدیک واجب نہیں ہو گی)

مال کا قرض سے فارغ ہونا

زکوٰۃ کے واجب ہونے کا سبب نصاب کا مالک ہونا ہے لیکن یہ نصاب ایسا ہو جو اس قرض سے زائد ہو جس کا بندوں میں سے کوئی مطالبہ کا حق رکھتا ہو برابر ہے کہ یہ قرض مذکور اللہ تعالیٰ کا ہو جیسے زکوٰۃ و خراج، یا یہ قرض بندہ کا ہو گو وہ بطور کفالت ہو، یا وہ میعادی قرض ہو اگرچہ وہ اس کی بیوی کا مہر موجل ہو جس مہر کا موت یا طلاق کے وقت ادا کرنا ضروری ہوتا ہے، یا اس کے ذمہ بندہ کا قرض ایسا نفقہ ہو جو اس پر قاضی کے فیصلہ کی وجہ سے یا باہم رضامندی سے لازم ہو چکا ہو، بخلاف نذر (منت) کفارہ اور حج کے قرض کے، کہ ان قرضوں کا بندوں میں سے کوئی دنیا میں طلب کرنے والا نہیں ہے لہٰذا نصاب کا ایسے قرض سے زائد ہونا شرط نہیں ہے (زکوٰۃ والے قرض کے مطالبہ کا حق خلیفۃ المسلمین کے عامل کو ہوتا ہے گو بعد میں خود صاحب مال کو وکیل بنادیا گیا ہے کہ وہ خود بھی اس کو بلا طلب نکالے، زکوٰۃ جو ذمہ میں قرض ہو اس کی وجہ سے زکوٰۃ واجب نہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص بقدر نصاب کا مالک تھا اور اس پر دو تین سال گذر گئے، اور اس درمیانی سالوں کی زکوٰۃ اس نے ادا نہیں کی، پہلے سال جو زکوٰۃ اس پر واجب ہوئی ہے اگر اتنی رقم اس مالیت سے اگلے سال نکال دی جاتی ہے تو وہ مال نصاب کو نہیں پہنچتا ہے، لہٰذا دوسرے سال اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔ باقی مہر موجل کو بعض فقہاء نے مانع زکوٰۃ تسلیم نہیں کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ عادت یہ ہے کہ اس قرض کو کوئی مانگتا نہیں ہے اور قہستانی میں اسی کو صحیح کہا ہے، لہٰذا شارح کا قول مہر موجل کے باب میں ضعیف قرار دیا جائے گا، لیکن اگر کسی دور میں مہر موجل کی ادائگی ضروری سمجھی جاتی ہو اور لوگ وصول کرتے ہوں تو وہ مانع زکوٰۃ بنے گا اور شارح کا قول اپنی جگہ مضبوط رہے گا۔ واللہ اعلم)

عشر و خراج اور کفارہ کے لیے قرض مانع نہیں

البتہ عشر و خراج اور کفارہ کے واجب ہونے میں قرض مانع نہیں ہے، یعنی قرض ہونے کے باوجود عشر و خراج اور کفارہ ادا کرنا واجب ہو گا (اس لیے کہ عشر و خراج کا تعلق کھیت کی پیداوار سے ہے، جو ہر فصل کے موقع سے ہوتی رہتی ہے اور کفارہ کا تعلق ذمہ سے ہے اس میں مالدار و غریب کی کوئی تفریق نہیں ہے دونوں کو ادا کرنا لازم ہے زیادہ سے زیادہ غریب کو جب ملے تب ادا کرنا لازم ہو گا یعنی اس کے لیے تھوڑی ڈھیل اور مہلت ہے)

حاجات اصلیہ سے زیادہ ہونا

اس نصاب زکوٰۃ کا اس شخص کی حاجات اصلیہ سے زائد ہونا بھی ضروری ہے، اس لیے کہ جو مال اصلی ضرورتوں میں لگا ہوا ہے وہ نہ ہونے کے درجے میں ہے، ابن ملک نے ضرورت میں لگے ہوئے مال کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ مالک اس کے ذریعہ اپنے اوپر سے ہلاکت کو دور کرے خواہ حقیقت میں ہلاکت کو دور کرے جیسے اس کے کپڑے جن کو وہ استعمال کرتا ہے یا وہ ہلاکت تقدیری کو دور کرے جیسے ذمہ کا قرض جو اسے آج نہیں کل بہر حال دینا ہے (حاجت اصلیہ میں یہ چیزیں داخل ہیں روزمرہ کے اخراجات، رہنے کا مکان، لڑائی کے آلات، جاڑے گرمی کے کپڑے، پیشہ وروں کے اوزار و آلات، سواری کے جانور، اہل علم کی کتابیں)

مال کا بڑھنے والا ہونا

نصاب مذکور کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ وہ مال بڑھنے والا ہو، اگرچہ وہ تقدیراً بڑھنے والا ہو یعنی مالک اس کے بڑھانے پر قدرت رکھتا ہو اگرچہ وہ اپنے نائب اور قائم مقام کے ذریعہ ہی اس کو بڑھانے پر قدرت رکھتا ہو (زکوٰۃ کا مال دو طرح کا ہوتا ہے ایک خلقی جو ضروریات کے پورا کرنے کے لیے ہی پیدا کیا گیا ہے وہ چاندی اور سونا ہے ان دونوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، خواہ آدمی ان دونوں میں تجارت کی نیت کرے یا نہ کرے، دوسرا مال خفی ہے کہ اس میں آدمی کی نیت سے نمو کی لیاقت آتی ہے اور وہ سونا چاندی کے سوا دوسری چیزیں ہیں، پھر مال بڑھانا دو طرح سے ہوا کرتا ہے ایک حقیقی تجارت اور جانوروں سے بچے پیدا کرنے اور دوسرا تقدیری کہ اس میں تجارت کی قدرت ہو اس طرح کہ مال اپنے قبضہ میں ہو یا اپنے کسی نائب یا معتمد کے۔

ثم فرع علی سببه بقوله فلا زکوٰۃ علی مکاتب لعدم الملك التام ولا فی کسب ماذون ولا فی مرهون بعد قبضه ولا فیما اشتراه لتجارة قبل قبضه ومدیون للعبد بقدر دینه فین کی الزائد ان بلغ نصابا و عروض الدین کالهلاك عند محمد ورجحه فی البحر ولو له نصب صرف الدین لایسرها قضاء ولو اجناسا صرف لاقلها زکوٰۃ فان استویا کاربعین شاة و خمس ابل خیر ولا فی ثیاب البدن المحتاج الیها لدفع الحر والبرد ابن ملك واثاث المنزل ودار السکنی و نحوها و کذا الکتب و ان لم تکن لاهلها اذا لم تنو للتجارة غیر ان الاهل له اخذ الزکوٰۃ وان سادت نصبا الا ان تکون غیر فقه و حدیث و تفسیر او تزید علی نسختین منها هو المختار و کذلك آلات المحترفین الا ما یبقی اثر عینه کالعفص لدبغ الجلد ففیه الزکوٰۃ بخلاف ما لا یبقی کصابون یساوی نصابا وان حال الحول و فی الاشباه الفقیه لا یکون غنیا بکتبه المحتاج الیها الا فی دین العباد فتباع له ولا فی مال مفقود وجده بعد سنین وساقط فی بحر استخرجه بعدها ومغصوب لا بینة علیه فلو له بینة تجب لما مضی الا فی غصب السائمة فلا تجب و ان کان الغاصب مقرا کما فی الخانیة ومدفون ببریة نسی مکانه ثم تذکره و کذا الودیعة عند غیر معارفه بخلاف المدفون فی حرز واختلف فی المدفون فی کرم وارض مملوکة.

کن لوگوں پر زکوٰۃ نہیں

اس کے بعد مصنف نے زکوٰۃ کے سبب وجوب پر تفریع کی ہے کہ مکاتب پر زکوٰۃ اس وجہ سے نہیں ہے کہ اس کو اپنے مال پر ملک تام (پوری ملکیت) حاصل نہیں ہوتی ہے، کیوں کہ جب تک اس کے ذمہ کتابت کا مال باقی ہے اس میں اس کے آقا کا حق شامل ہے اسی طرح اس غلام کی کمائی میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے جس کو اس کے آقا نے تجارت کی اجازت دے رکھی ہے، بشرطیکہ مال اس غلام کے قبضہ میں ہو، رہن (گروی) رکھی ہوئی چیز میں زکوٰۃ نہیں ہے یعنی اگر کسی نے اپنا مال کسی کے پاس گروی رکھا ہے اور کئی سال تک اس شخص کے پاس وہ گروی رہا، دو

تین سال بعد اس نے گروی والا مال چھڑا لیا، تو اب زمانہ گروی کی زکوٰۃ مالک پر نہیں ہے، اس لیے کہ وہ مال اس کے قبضہ میں نہیں تھا اور اس کی زکوٰۃ اس شخص پر بھی نہیں ہے جس کے پاس وہ گروی تھا، اس لیے کہ وہ مال اس کی ملکیت میں داخل نہیں ہے اور اس مال میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے جس کو کسی نے تجارت کے لیے خریدا، مگر اس نے قبضہ نہیں کیا جس سے خریدا تھا اسی کے پاس سال بھر تک چھوڑ دیا، تو اس سال گذشتہ کی زکوٰۃ اس پر واجب نہیں ہو گی، اور جو شخص کسی دوسرے شخص کا قرضدار ہے اس پر اس قرض کے برابر مال کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، البتہ جو مال اس قرض سے جو اس کے ذمہ باقی ہے، زیادہ ہو، اور وہ زیادہ مال نصاب کو بھی پہنچتا ہو تو اس کی زکوٰۃ اس پر واجب ہو گی، مثلاً کسی کے پاس ڈیڑھ ہزار روپیہ ہو، اور وہ زیادہ مال نصاب کو بھی پہنچتا ہو تو اس کی زکوٰۃ اس پر واجب ہو گی، مثلاً کسی کے پاس ڈیڑھ ہزار روپیہ ہو، اور اس کے ذمہ پانچ سو روپے کسی کا قرض باقی ہے تو پانچ سو قرض والے روپیہ کی زکوٰۃ نہیں ہے ایک ہزار کی البتہ وہ زکوٰۃ دے گا، اور یہ اس کے ذمہ واجب ہے اس لیے کہ یہ نصاب کو پہنچتا ہے، لیکن اگر اس کے پاس سات سو روپیہ ہوتا اور پانچ سو قرض ہوتا تو دو سو روپے چونکہ نصاب کو نہیں پہنچتے ہیں اس لیے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت ہے اور آج کل چاندی کی قیمت بارہ روپے تولہ ہے اس حساب سے روپے کا نصاب سوا چھ سو روپے ہوگا۔

درمیانی سال کا قرض

درمیان سال میں قرض کا ہو جانا امام محمدؒ کے نزدیک مال کے ہلاک ہونے کے مانند ہے اور بحر الرائق میں اسی قول کو ترجیح دی گئی ہے (ایک شخص کے پاس ایسا مال تھا جس پر زکوٰۃ واجب تھی، مثلاً ایک ہزار روپیہ کا تھا چھ ماہ کے بعد اس کے ذمہ آٹھ سو روپے قرض ہو گئے اور ختم سال پر پھر ایک ہزار ہو گیا، اس صورت میں امام محمدؒ کہتے ہیں کہ اب از سر نو سال شمار ہوگا گذشتہ سال کی زکوٰۃ بھی اس پر نہیں ہو گی، لیکن امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ درمیان کا قرض جس کی تلافی اخیر سال میں ہو گئی، مانع زکوٰۃ نہیں ہے اس لیے کہ گذشتہ سال کی زکوٰۃ بھی اس پر لازم ہو گی، اور اگر یہ قرض سال پورا ہونے کے بعد ہوا تو بالاتفاق سب کے یہاں زکوٰۃ ساقط نہیں ہو گی، بلکہ اس پر لازم ہو گی۔

کئی نصاب والے قرض کہاں محسوب کریں

اگر صاحب مال کے پاس کئی طرح کے نصاب ہوں تو قرض کو اس نصاب کی طرف لگایا جائے گا جس سے قرض کا ادا کرنا سب سے زیادہ آسان ہو، اور اگر ایک قسم کے مال کی اس کے پاس مختلف جنسیں ہوں تو قرض اس نصاب میں لگایا جائے گا، جس کی زکوٰۃ سب سے کم ہو، اور اگر زکوٰۃ جنسیں یکساں ہوں جیسے چالیس بکریاں ہوں اور پانچ اونٹ کہ ان دونوں کی زکوٰۃ ایک ایک بکری ہے، تو صاحب مال کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ جس جنس کو چاہے قرض میں روک لے اور بقیہ جنسوں کی زکوٰۃ ادا کرے (کئی نصابوں کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس روپے اور اشرفیاں بھی بقدر نصاب ہوں اور مال تجارت بھی نصاب کے مطابق ہے، اور جانور بھی، تو اس صورت میں قرض پہلے اشرفیوں میں محسوب ہوگا، پھر اسباب تجارت میں، پھر مویشی میں)

(اور مختلف جنسوں کی مثال جیسے جانوروں کی زکوٰۃ میں بکریوں کا نصاب (۴۰) ہے گایوں کا (۳۰) اور اونٹ پانچ یعنی چالیس بکریوں میں ایک بکری زکوٰۃ ہے اسی طرح تیس گایوں میں ایک بچھڑا اور پانچ اونٹوں میں ایک بکری، یہاں قرض بکریوں میں محسوب ہوگا اور یا اونٹ میں، اس لیے کہ گایوں کا بچھڑا زیادہ قیمت رکھتا ہے اور بکری کی قیمت کم ہوتی ہے، اور یہ صورت اس وقت ہے جب صدقہ لینے والا موجود ہو، ورنہ صاحب مال کو اختیار ہے کہ قرض کو جس طرف چاہے لگا دے۔ کذا فی الشامی)

ضروریات کی چیزوں کی زکوٰۃ نہیں

اسی طرح زکوٰۃ نہ بدن کے کپڑوں میں ہے جن کی آدمی کو گرمی سردی میں ضرورت ہوتی ہے تاکہ گرمی سردی سے اپنی حفاظت کرے اور نہ گھر کے سامانوں میں اور نہ رہنے کے گھروں میں، اور نہ اس جیسی دوسری ضرورت کی چیزوں میں، جیسے دکانوں اور سرایوں میں، جن کا کرایہ ملتا ہو۔ کذا فی الطحطاوی۔

اہل علم کی کتابوں کی زکوٰۃ

اسی طرح کتابوں میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے اگرچہ وہ کتابیں اہل علم کے پاس نہ ہوں یعنی بے علم کے پاس ہوں تو بھی زکوٰۃ نہیں ہے مگر شرط یہ ہے کہ ان میں تجارت کی نیت نہ ہو، البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ اہل علم کے پاس خواہ کتنی بھی کتابیں ہوں اور گو وہ کئی نصابوں کے برابر ہوں، ان کے لیے زکوٰۃ لینی جائز ہے صرف ان کتابوں کی وجہ سے وہ صاحب نصاب نہیں ہوگا، بخلاف بے علم کے کہ اگر اس کے پاس کتابیں نصاب کی قیمت یا اس سے زیادہ کی ہوں گی، تو اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہوگا، لیکن اگر یہ کتابیں فقہ، حدیث، اور تفسیر کے علاوہ دوسرے فنون کی ہوں اور وہ نصاب کے برابر قیمت کی ہوں تو عالم کو بھی زکوٰۃ لینا درست نہیں ہوگا، یا یہ کہ کتابیں تو علوم دینیہ ہی سے متعلق ہوں مگر دو دو نسخوں سے زیادہ ہوں، تو بھی اس کو زکوٰۃ لینی جائز نہیں قول مختار یہی ہے (طحطاوی نے دو نسخوں سے زیادہ ہونے کے قول کو ضعیف کہا ہے وہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ لینے نہ لینے میں معتبر یہ ہے کہ اگر ایک ایک نسخہ سے بھی زیادہ ہوں گی تب بھی زکوٰۃ لینی درست نہیں ہے، فتح القدیر اور نہر الفائق میں اسی کو مختار کہا گیا ہے)

اہل صرفہ کے آلات پر زکوٰۃ نہیں

اسی طرح پیشہ وروں کے آلات اور اوزاروں میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے، البتہ جس آلہ کا اثر باقی رہے جیسے گس جو کھال کی دباغت کے لیے ہوتا ہے اس میں زکوٰۃ ہے اس کے خلاف جس کا اثر باقی نہ رہے اس میں زکوٰۃ نہیں ہے جیسے صابون گو یہ کئی نصابوں کے برابر ہو، اور گو اس پر سال گذر چکا ہو۔

پیشہ وروں کے آلات دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ آلہ جو کام کے بعد بھی باقی رہتے ہیں، جیسے بسولہ وغیرہ، دوسرے وہ آلے جو کام کے بعد باقی نہیں رہتے ہیں یہ بھی دو نوع کے ہوتے ہیں ایک نوع وہ کہ اس کا اثر باقی رہتا ہے جیسے کم زعفران جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں اور گس اور تیل جن سے کھالیں رنگی جاتی ہیں۔

دوسرے وہ نوع جس کا اثر باقی رہتا ہے، جیسے صابون۔ ان کی پہلی قسم (بسولہ وغیرہ، میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور دوسری قسم کی پہلی نوع کسم، زعفران وغیرہ میں زکوٰۃ ہے اور دوسری نوع صابون وغیرہ میں زکوٰۃ نہیں ہے)

فقہ کی کتابیں اور زکوٰۃ کا حکم

اشباہ نامی کتاب میں ہے کہ فقیہ اپنی ان کتابوں سے بے نیاز نہیں ہوتا جنکی اس کو ضرورت رہتی ہے (لہٰذا اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، بلکہ [illegible] زکوٰۃ لے بھی سکتا ہے اگر کتابوں کے سوا کچھ نہیں رکھتا) مگر وہ فقیہ بندوں کے قرض میں کتابوں کے مالک ہونے کی وجہ سے مالدار سمجھا جائے گا چنانچہ لوگوں کے قرض ادا کرنے کے لیے اس کی کتابیں بیچی جائیں گی۔

گذشتہ سالوں کی کن مالوں میں زکوٰۃ نہیں

اس گم شدہ مال میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے جو اس نے کئی برسوں بعد پایا ہو، یعنی گذرے ہوئے دنوں کی زکوٰۃ واجب نہیں

ہوگی اور نہ اس مال میں زکوٰۃ ہے جو دریا میں گر گیا ہو اور کئی برس کے بعد اس نے اس کو نکالا ہو، اور نہ اس مال میں زکوٰۃ ہے جو اس سے کسی نے زبردستی چھین لیا ہو اور اس کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہ ہو، اگر ثبوت ہوگا تو قبضہ میں آنے کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی، مگر سائمہ جانور جس کو زبردستی چھین لیا اس میں زکوٰۃ نہیں ہے اگرچہ غاصب نے اس کا اقرار کر لیا ہو جیسا کہ خانیہ میں ہے (سائمہ ان جانوروں کو کہتے ہیں جو سال کے اکثر حصہ میں جنگل وغیرہ میں چر کر گذارا کرتے ہوں) اور جانور والا اسے چرائے اور اس کا مقصد اس سے دودھ اور بچہ حاصل کرنا ہو، چوں کہ غصب کے بعد یہ چیز حاصل نہیں ہوتی ہے لہٰذا زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

اس مال میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے جس کو جنگل میں دفن کر دیا ہو اور وہ جگہ بھول گیا ہو، پھر اس کو یاد کیا کیوں کہ جگہ محفوظ نہیں تھی، اتفاق سے مال مل گیا، اسی طرح اس امانت میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے جو غیر آشنا لوگوں کے پاس ہو، لیکن اگر وہ امانت جان پہچان والوں کے پاس ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی، بخلاف اس مال کے جو کسی محفوظ جگہ میں دفن کیا گیا ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہے اور اس مال کی زکوٰۃ کے واجب ہونے میں اختلاف ہے جو کسی باغ یا مملوک زمین میں دفن کیا گیا ہو بعض زکوٰۃ کو واجب کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ زکوٰۃ نہیں ہے۔

ودين كان جحده المديون سنين ولا بينة له عليه ثم صارت له بان اقر بعدها عند قوم و قيده في مصرف الخانية بما اذا حلف عليه عند القاضي اما قبله فتجب لما مضى و ما اخذ مصادرة اى ظلما ثم وصل اليه بعد سنين لعدم النمو والاصل فيه حديث على لازكوٰة فى مال لضِمار و هو ما لايمكن الانتفاع به مع بقاء الملك ولوكان الدين على مقبر ملئ او على معسر او مفلس اى محكوم بافلاسه اوعلى جاحد عليه بينة و عن محمد لازكوٰة وهو الصحيح ذكره ابن ملك وغيره لأنّ البينة قد لا تقبل اوعلم به قاض سيجئ ان المفتى به عدم القضاء بعلم القاضى فوصل الى ملكه لزم زكوٰة ما مضى و سنفصل الدين فى زكوٰة المال.

جن قرضوں میں زکوٰۃ نہیں

اس قرض میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے جس کا قرضدار برسوں انکار کرتا رہا اور مالک کے پاس اس قرض کا کوئی ثبوت نہیں تھا، مگر بعد میں اس کا ثبوت اس طرح فراہم ہو گیا کہ خود قرض دار نے کچھ لوگوں کے سامنے برسوں کے بعد اُس قرض کا اقرار کیا۔

خانیہ کے باب المصرف میں زکوٰۃ کے واجب نہ ہونے کو اس بات کے ساتھ مقید کیا ہے کہ انکار کرنے والے قرضدار سے قاضی کے یہاں قسم لی گئی ہو، اس عبارت سے معلوم ہوا کہ انکار کرنے والا قرضدار اگر قسم سے پہلے قرض لینے کا اقرار کر لے گا تو مالک پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اور اس مال میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے جو زبردستی ظلماً لے لیا گیا ہو، اور پھر وہ چند سالوں کے بعد مالک تک پہنچ گیا ہو، اس طرح کے مالوں میں اس وجہ سے گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی ہے کہ ایسے مالوں میں (نمو) بڑھنا نہیں پایا جاتا ہے اور

نہ مالک کو ان میں بڑھانے کی قدرت رہتی ہے۔

اس طرح کے مالوں میں زکوٰۃ واجب نہ ہونے کی بنیادی وجہ حضرت علیؓ کی حدیث ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ مال ضمار میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور مال ضمار وہ مال ہے کہ مالک کی ملک رہتے ہوئے بھی مالک کے لیے اس سے فائدہ اٹھانا ممکن نہ ہو۔

اگر قرض ایسے شخص کے ذمہ ہے جو اقرار کرتا ہے مگر نادہند ہے اور ٹال مٹول کرنے کا عادی ہو، یا قرض کسی تنگ دست کے ذمہ ہے یا دیوالئے پر ہے جس کے افلاس کا حکم مشتہر ہو چکا ہے یا قرض ایسے شخص پر ہے جو انکار کرتا ہے مگر اس کا ثبوت مالک کے پاس موجود ہے یا اس قرض کے ہونے کو خود قاضی جانتا ہے اس طرح کے قرض جب مالک کی ملک میں وصول ہو کر پہنچیں گے تو ان تمام صورتوں میں اس پر گذرے ہوئے برسوں کی زکوٰۃ لازم ہوگی۔

شارح نے کہا کہ امام محمدؒ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ اگر انکار کرنے والے کے ذمہ قرض ہے تو ثبوت ہونے کے باوجود بھی مالک پر اس کی زکوٰۃ لازم نہیں ہوگی، اور یہی قول صحیح ہے اس کو ابن مالک اور دوسرے لوگوں نے ذکر کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات ثبوت قبول نہیں کیا جاتا ہے، لہٰذا اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہوتا ہے، باقی جس قرض کو قاضی جانتا ہے اس کے متعلق آگے آرہا ہے کہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ اگر قاضی اپنے علم کی بنیاد پر کسی معاملہ میں حکم دیگا تو اس کا یہ حکم صحیح نہیں ہوگا، جہاں مال کی زکوٰۃ کا بیان آرہا ہے وہاں قرض کی تفصیل کی جائے گی، یعنی یہ بتایا جائے گا کہ قرض کی تین قسمیں ہیں دَین قوی، دَین ضعیف، اور دین اوسط، ان میں سے ضعیف دَین پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

وسبب لزوم ادائها توجه الخطاب يعني قوله تعالى آتو الزكوة وشرطه اى شرط افتراض ادائها حولان الحول و هو فى ملكه وثمنية المال كالدراهم والدنانير لتعينهما للتجارة باصل الخلقة فتلزم الزكوة كيفما امسكهما و لو للنفقة اوالسوائم بقيدها الآتى اونية التجارة فى العروض اما صريحا ولا بد من مقارنتها لعقد التجارة كما سيجئ او دلالة بان يشترى عينا بعرض التجارة او يوجر داره التى للتجارة بعرض فتصير للتجارة بلانية صريحا و استثنوا من اشتراط النية ما يشتريه المضارب فانه يكون للتجارة مطلقا لانه لا يملك بمالها غيرها.

زکوٰۃ کی ادائیگی کی بنیادی دلیل

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لازم ہونے کا سبب اللہ تعالیٰ کا قول ہے جس میں حکم فرمایا گیا ہے آتو الزکوٰۃ زکوٰۃ دیا کرو (یعنی جب قرآن میں مکلفوں کو دینے کا حکم دیا گیا ہے تو اس کی دائیگی ان پر لازم ہے، شامی نے لکھا ہے کہ یہ آیت سبب حقیقی ہے اور پہلے جو ملک نصاب کو سبب قرار دیا گیا ہے وہ سبب مجازی تھا۔

شرائط زکوٰۃ

زکوٰۃ کی ادائیگی کے فرض ہونے کی شرط پورے ایک سال کا گذر جانا ہے، اس طرح کہ مال مالک کی ملک میں باقی رہے، اور ایک شرط یہ کہ مال ثمن ہو جیسے دراہم اور دوانیر، اس لیے کہ یہ دونوں اپنی اصل خلقت کے اعتبار سے تجارت کے لیے متعین ہیں، لہٰذا دراہم (چاندی) دنانیر (سونا) میں زکوٰۃ لازم طور پر ہوگی، خواہ ان دونوں کو کوئی کسی

طرح بھی روک کر رکھے، اگرچہ روزمرہ کے اخراجات کے لیے ایسا ہو گیا، یہ تو نقدی میں ہے اور جانوروں کی زکوٰۃ شرط ان جانوروں کا آنے والی قید کے ساتھ سائمہ ہونا بھی ہے یعنی سال کے بیشتر حصہ میں ان کا چرنے پر گزارا ہو) اور سامان کی زکوٰۃ کے لیے شرط تجارت کی نیت کا پایا جانا ہے (عقل و بلوغ وغیرہ کی شرط صاحب مال کے لیے تھی اور یہ شرطیں خود مال کے لیے ہیں، البتہ کھیتوں اور پھلوں کی زکوٰۃ میں حولانِ حول (برس کا گذرنا) شرط نہیں ہے)

اسباب میں تجارت کی نیت یا صراحتاً پائی جائے اور عقد تجارت سے یہ نیت ضروری طور پر متصل ہو، جیسا کہ آگے آرہا ہے یعنی معاملہ کے وقت یہ نیت کرلے کہ میری ملک میں جو چیز آرہی ہے وہ تجارت کے لیے ہے اب اگر کوئی سامان گھر کی نیت سے خریدے پھر بعد میں تجارت کی نیت کرلے، تو یہ تجارت کی نیت نہیں ہوگی اس کی تفصیل بعد میں آئے گی، یا اسباب میں تجارت کی نیت صراحتاً پائی نہیں جائے تو کم از کم دلالۃً پائی جائے اس طرح کہ کوئی متعین چیز تجارت کے سامان کے لیے خریدے، یا اجارہ پر اپنا وہ مکان دے جو تجارت کے لیے ہے تو یہ صریح نیت کے بغیر بھی تجارت کے لیے ہوگا۔

نیت کی شرط سے مستثنیٰ مال

علماء نے نیت کی شرط سے اُس مال کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جس مال کو مضارب خرید کرے، اس لیے کہ مضارب کا خریدنا مطلقاً تجارت کے لیے ہی ہوتا ہے کہ خواہ وہ اس کی نیت کرے خواہ نیت نہ کرے، کیوں کہ مضاربِ مالِ مضاربت سے تجارت کے لیے مال خریدنے کے سوا دوسرا اختیار نہیں رکھتا ہے۔

ولا تصح نية التجارة فيما خرج من ارضه العشرية اولخراجية او المستاجرة او المستعارة لئلا يجتمع الحقان و شرط صحة ادائها نية مقارنة له اى للاداء و لو كانت المقارنة حكما كما لو دفع الوكيل بلا نية ثم نوى والمال قائم فى يد الفقير او نوى عند الدفع للوكيل ثم دفع الوكيل بلانية او دفعها للذمى ليدفعها للفقراء جاز لان المعتبر نية الامر ولذا لوقال هذا تطوع او عن كفارتى ثم نواه عن الزكوة قبل دفع الوكيل صح و لوخلط زكوة موكليه ضمن و كان متبرعا الا اذا و كله الفقراء.

کہاں تجارت کی نیت درست نہیں

عشری یا خراجی یا اجارہ پر لی ہوئی یا مانگی ہوئی زمین میں جو پیداوار ہوتی ہے اس میں تجارت کی نیت درست نہیں ہوتی ہے تاکہ دو حق جمع نہ ہونے پائیں۔ (عاریت اور کرایہ کی زمین میں اس وقت نیت تجارت درست نہیں ہوگی جب وہ زمین عشری ہو یہاں دو حق سے مراد ایک عشر ہے اور دوسرا زکوٰۃ یا خراج اور زکوٰۃ، ان دونوں میں سے ایک ہی ادا کرنا ضروری ہے، عاریت اور کرایہ پر زمین لینے والے کی زمین اگر خراجی ہوگی تو نیت تجارت سے دو حق جمع نہیں ہوں گے کیونکہ کرایہ دار عاریت والے پر زکوٰۃ ہوگی اور مالک زمین پر خراج)

ادائے زکوٰۃ کی نیت

ادائے زکوٰۃ کے صحیح ہونے کی شرط ایسی نیت ہے جو ادا کے ساتھ ملی ہوئی ہو، اگرچہ یہ ادا کے ساتھ ملا ہوا ہونا حکماً ہو، مثلاً فقیر کو زکوٰۃ تو بلا نیت دی لیکن وہ مالِ زکوٰۃ اس کے پاس ابھی موجود ہی تھا کہ دینے والے نے زکوٰۃ کی نیت کرلی، یا کسی شخص نے زکوٰۃ کی ادائیگی کا کسی کو وکیل بنایا، اور زکوٰۃ کی نیت کرکے رقم ان کے حوالہ کی، پھر وکیل نے بغیر نیت مستحقین میں وہ رقم تقسیم کردی، یا کسی نے زکوٰۃ کی رقم کسی ذمہ دار کے سپرد کی، تاکہ وہ اس رقم

کو مستحقوں میں تقسیم کردے تو یہ درست ہے اس وجہ سے کہ دینے والے کی نیت کا اعتبار ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اگر مالک نے وکیل سے کہا کہ یہ صدقہ نافلہ کی رقم ہے یا میرے کفارہ کی رقم ہے لیکن ابھی وکیل نے وہ رقم فقراء، مساکین کو نہیں دی تھی کہ مالک نے اس سے زکوٰۃ کی نیت کرلی تو یہ درست ہے یعنی اگرچہ وکیل دینے کے وقت صدقہ نافلہ یا کفارہ ہی کی نیت کرے اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا بلکہ دینے سے پہلے مؤکل جو نیت کرے گا اس کا اعتبار ہوگا اور اسی مد میں وہ رقم شمار ہوگی، ذمی کی مثال دے کر یہ بتانا چاہا ہے کہ عبادت مالی میں کافر کو نائب بنانا جائز ہے، لیکن جس عبادت میں عبادت مالی اور بدنی دونوں جمع ہوں گی اس میں کافر کو وکیل بنانا درست نہیں ہوگا یہی وجہ ہے کہ حج میں کافر کی نیابت جائز نہیں ہے کیوں کہ حج عبادت مالی کے ساتھ عبادت بدنی بھی ہے۔ کذافی الشامی۔

وکیل زکوٰۃ پر تاوان

اگر وکیل اپنے مؤکل کی زکوٰۃ میں خلط ملط کردے گا تو وہ اس کا ضامن ہوگا اور اس کو تاوان دینا ہوگا اور اگر وہ خلط ملط والا مال مستحقوں کو دیدے گا تو اپنی طرف سے احسان کرنے والا شمار ہوگا۔ مؤکل کی طرف سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، مگر جب فقیروں نے اس کو اپنا وکیل بنادیا ہوگا تو پھر مؤکل کی طرف سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی (اور وکیل کے لیے مؤکل کی رقم کا اپنی رقم میں ملانا اس وقت درست نہیں ہے جب اس کو مؤکل نے اس کی اجازت نہ دی ہو، لیکن اگر اس نے صراحتًا یا دلالۃً ملانے کی اجازت دیدی ہوگی تو اس صورت میں ملانا جائز ہوگا کذافی الطحطاوی۔

وللوكيل ان يدفع لولده الفقير و زوجته لا لنفسه الا اذا قال ربها ضعها حيث شئت ولو تصدق بدراهم نفسه اجزاء ان كان على نية الرجوع و كانت دراهم الموكل قائمة او مقارنة لعزل ما وجب كله او بعضه ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالاداء للفقراء او تصدق بكله الا اذا نوى نذراً او واجبا آخر فيصح و يضمن الزكوة و لو تصدق ببعضه لاتسقط حصته عند الثاني خلافا للثالث واطلقه فعم العين والدين حتى لوابرأ الفقير عن النصاب صح وسقط عنه.

مالِ زکوٰۃ کے وکیل کے اختیارات

مال زکوٰۃ کا جو شخص وکیل ہے اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ زکوٰۃ کے مال میں سے محتاج و مستحق لڑکے اور بیوی کو دے لیکن خود اپنے لیے اس کا رکھ لینا جائز نہیں ہے، البتہ اس وقت وہ خود بھی اس زکوٰۃ کے مال کو لے سکتا ہے جب اس کے مالک نے کہہ دیا ہو کہ تم جس طرح چاہو اس رقم کو خرچ کرسکتے ہو، یعنی اگر وکیل مختار کل بنادیا گیا ہے تو وکیل مستحق زکوٰۃ ہونے کی صورت میں اپنے لیے بھی رکھ سکتا ہے، لیکن اگر وہ مستحق زکوٰۃ نہیں ہے تو وہ اپنے لیے اس میں سے نہیں رکھ سکتا ہے۔ کذافی الحلبی)

اگر وکیل نے خود اپنے روپے مؤکل کی زکوٰۃ میں رکھے ہیں تو یہ کافی ہوگا مگر شرط یہ ہے کہ وکیل کی نیت یہ ہو کہ وہ اپنے مؤکل کے روپوں میں سے اپنی دی ہوئی رقم واپس لے لے گا، دوسری چیز یہ کہ مؤکل کی رقم زکوٰۃ اس کے پاس موجود ہو، لہٰذا اگر مؤکل کی زکوٰۃ والی رقم ختم ہوچکی ہو یا اس نے اپنی دی ہوئی رقم کے واپس لینے کی نیت نہ کی ہو تو اس وقت مؤکل کی طرف سے یہ ادائیگی کافی نہیں ہوگی۔ کذافی الطحطاوی۔

ادائیگی زکوٰۃ کی شرط

زکوٰۃ کی ادائیگی کے درست ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ ادا کرتے وقت ادا کرنے والے کی یہ نیت ہو کہ جو کچھ مجھ پر زکوٰۃ واجب ہے اس کو اپنے سے علیحدہ کر رہا ہوں، خواہ کل زکوٰۃ کے علیحدہ کرتے وقت یہ نیت ہو یا زکوٰۃ کے بعض حصہ کے نکالتے وقت، مگر صاحبِ مال صرف زکوٰۃ کی رقم علیحدہ کر دینے سے ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ اس وقت بری الذمہ ہوگا جب وہ زکوٰۃ کی رقم فقیروں اور مستحقوں کو پہنچ جائے گی (مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کی نکالی ہوئی رقم اگر ضائع ہو گئی اور فقیروں اور مستحقوں کو وہ رقم نہیں پہنچ سکی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

ادائے زکوٰۃ کے درست ہونے کے لیے یا یہ شرط ہے کہ صاحبِ مال اپنا کل مال صدقہ کر دے، لیکن اگر اس نے اس صدقہ سے کسی نذر یا کسی دوسرے واجب کی ادائیگی کی نیت کی ہے تو اس کی نیت کے مطابق نذر یا دوسرا واجب ادا ہوگا اور زکوٰۃ کی ضمان اس کے ذمہ واجب رہے گی (اسی طرح زکوٰۃ کے واجب ہونے کے بعد اگر کوئی اپنا کل مال کسی غنی (مالدار) کو ہبہ کر دے گا تو بھی اس کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی بلکہ باقی رہے گی)

اگر کسی نے اپنے مال کا بعض حصہ صدقہ کر دیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس صدقہ کیے ہوئے حصہ کی زکوٰۃ اس کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوگی البتہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس حصہ کی زکوٰۃ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی (امام ابو حنیفہؒ اس مسئلہ میں امام محمدؒ کے ساتھ ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راجح امام محمدؒ کا ہی قول ہے۔ کذا فی الطحطاوی)

شارح کہتے ہیں کہ مصنف نے تصدق کا لفظ مطلقاً کہا ہے، کوئی قید نہیں لگائی ہے لہٰذا یہ موجود چیز کو بھی شامل ہے اور جو دوسرے کے ذمہ قرض ہے اس کو بھی شامل ہے چنانچہ اگر کسی صاحبِ مال کا روپیہ کسی مستحق زکوٰۃ کے ذمہ قرض ہو اور وہ بقدر نصاب ہو، اور صاحبِ مال اس قرض کو معاف کر دے تو یہ معاف کرنا صحیح ہوگا اور صاحبِ مال کے ذمہ سے اس کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

واعلم ان اداء الدين عن الدّين والعين عن العين و عن الدين يجوز و اداء الدين عن العين و عن دين سيقبض لايجوز وحيلة الجواز ان يعطي مديونه الفقير زكوته ثم ياخذها عن دينه ولو امتنع المديون مدّيده واخذها لكونه ظفر بجنس حقه فان مانعه رفعه للقاضي و حيلة التكفين بها التصدق علي فقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما و كذا في تعمير المسجد و تمامه في حيل الاشباه.

قرض دی ہوئی اور موجود نقد کی زکوٰۃ

یہ واضح رہنا چاہیے کہ دَین کے عوض دین کا ادا کرنا اور موجود چیز اور قرض کے بدلے میں موجود چیز کا ادا کرنا جائز ہے لیکن موجود چیز اور اس قرض کے بدلے میں جو قرض عنقریب قبضہ میں آنے والا ہے قرض کا ادا کرنا جائز نہیں (یہاں دَین اور قرض سے مراد وہ مالِ زکوٰۃ ہے جو دوسرے کے ذمہ میں ہو اور عین اور موجود چیز سے مراد وہ مالِ زکوٰۃ ہے جو خود اس کی ملک میں پائی جا رہی ہے خواہ وہ نقد کی صورت میں ہو خواہ سامان کی شکل میں، چنانچہ یہاں مسئلے کی چار صورتیں ہیں، اس لیے کہ مالِ زکوٰۃ یا دوسرے کے ذمہ میں ہوگا یا خود اپنے قبضہ میں موجود ہوگا، اور جس مال کی زکوٰۃ ادا کرنی ہے اس کی بھی دو صورت ہوگی کہ یا تو وہ دوسرے کے ذمہ قرض

ہو گیا مال اپنے پاس موجود ہو گا، پھر مال بھی دو طرح کا ہو سکتا ہے ایک وہ جو قبضہ میں آنے والا نہیں ہے اور دوسرا وہ جس پر زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد قبضہ ہو سکتا ہے، اس طرح مسئلہ کی پانچ صورتیں ہو جاتی ہیں، ان میں تین صورتیں جواز کی ہیں اور دو عدم جواز کی۔

جائز صورتیں پہلی صورت یہ ہے کہ جو رقم کسی مفلس کے ذمہ قرض ہے وہ اس کی بالکلیہ معاف کر دی جائے اس صورت میں اس کی زکوٰۃ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہو کہ مالک مال کے پاس جو مال موجود ہو وہ اس کی زکوٰۃ مستحق زکوٰۃ کو اپنے مال سے ادا کر دے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مالک مال نے جو رقم دوسرے کو قرض دے رکھی ہے اس کی زکوٰۃ اپنے پاس سے ادا کرے مثلاً کسی کے پاس دو سو روپے تھے اس نے وہ دو سو کسی کو قرض دیدیئے اور اس کی زکوٰۃ اپنے پاس سے پانچ روپے ادا کر دیئے ادائیگی کی یہ تینوں ہی صورتیں جائز ہیں۔

ناجائز صورتیں اور دو ناجائز صورتیں یہ ہیں (۱) جو مال مالک مال کے پاس موجود ہے وہ اس کی زکوٰۃ اس رقم کو معاف کر کے ادا کرے جو کسی مفلس کے ذمہ باقی تھی، مثلاً ایک شخص کے پاس ایک ہزار روپے نقد موجود تھے جن میں سال گذرنے پر اس کی زکوٰۃ اس کے ذمہ پچیس روپے واجب ہوئی، اس نے اس کی صورت یہ اختیار کی کہ پچیس روپے جو کسی غریب پر اس کے قرض تھے اس کو اس نے معاف کر دیا، ادائیگی کی یہ صورت جائز نہیں ہے (۲) جو رقم دوسرے کے ذمہ قرض ہو اس کی زکوٰۃ اس طرح ادا کرے کہ اس رقم میں سے ایک مقدار معاف کر دے، مثلاً زید کے چھ سو روپے بکر کے ذمہ قرض تھے، زید نے دو سو روپے معاف کر دیئے قاعدہ میں اس دو سو کی زکوٰۃ زید سے معاف ہو گئی، مگر بقیہ چار سو کی زکوٰۃ واجب رہے گی اب اگر زید یہ سوچ لے کہ دو سو روپے قرض کے جو اس نے معاف کیے ہیں اسی میں اس چار سو کی بھی زکوٰۃ ادا ہو گئی تو یہ درست نہیں، اس لیے کہ جب وہ چار سو اس کے قبضہ میں آئیں گے جو وہ عین قرار پائے گا اور مال عین (موجود) کی زکوٰۃ دین (قرض) کے ذریعہ ادا نہیں ہوتی ہے۔

دَین کے ذریعہ ادائیگی زکوٰۃ کا حیلہ موجود مال کی زکوٰۃ دین والے مال سے ادا کرنے کا جائز حیلہ یہ ہے کہ جس محتاج کو اس نے روپے قرض دے رکھے ہیں، اپنی زکوٰۃ نقد صورت میں اس کے حوالہ کر دے، اور پھر وہی دی ہوئی رقم اس کے قبضہ کر لینے کے بعد اس سے اپنے قرض میں وصول کر لے، اور اگر وہ محتاج قرض دار نہ دے تو ہاتھ بڑھا کر اس سے چھین لے کیوں کہ اس طرح اس کو اس سے اپنا واجب حق حاصل کرنا درست ہے اور اگر قرضدار مزاحمت کرے تو وہ یہ مقدمہ قاضی کے سامنے پیش کرے، اور اس کے ذریعہ اپنا قرض محتاج سے وصول کرے اس طرح اس کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور وہ اپنا حق بھی وصول کر لے گا۔

مالِ زکوٰۃ سے تکفین کا حیلہ مال زکوٰۃ سے کفن دینے کا جائز حیلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کا پہلے کسی محتاج مستحق کو مالک بنا دے پھر وہ محتاج مستحق اس رقم سے مردے کو کفن دے، اس صورت میں دونوں کو ثواب ہو گا یعنی خیرات کرنے والے کو بھی اور محتاج مستحق کو بھی، یہی تدبیر مسجد کی تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم لگانے کے لیے بھی ہے کہ زکوٰۃ کسی مستحق غریب کو دیدے اور پھر وہ غریب اپنی طرف سے وہ زکوٰۃ والی رقم تعمیر مسجد کے لیے دیدے اور اس کی تفصیل لاشبہ والنظائر کی حیلہ کے بیان میں موجود ہے۔

(زکوٰۃ سے سادات کے مدد کرنے کی بھی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ پہلے زکوٰۃ کی رقم کسی مستحق محتاج کو دے اور پھر محتاج وہ رقم اپنی طرف سے بطور امداد سید کو دیدے)

والافتراضها عمری ای علی التراخی وصححه الباقانی وغیره و قیل فوری ای واجب علی الفور وعلیه الفتوی کما فی شرح الوهبانیة فیاثم بتاخیرها بلا عذر و ترد شهادته لان الامر بالصرف الی الفقیر معه قرینة الفور و هی انه لدفع حاجته و هی معجلة فمتی لم تجب علی الفور لم یحصل المقصود من الایجاب علی وجه التمام و تمامه فی الفتح.

زکوٰۃ کی ادائیگی زکوٰۃ کا فرض ہونا عمری ہے اگر وہ اپنی زندگی کے کسی بھی حصہ میں ادا کردے گا اس کے ذمہ سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اس پر اس کا گناہ باقی نہ رہے گا، باقانی وغیرہ نے اسی کو صحیح کہا ہے اور ایک دوسرا قول اسی سلسلہ میں یہ ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت فوری ہے یعنی جو بھی واجب ہو اسی وقت فوراً اس کا ادا کرنا ضروری ہے فتویٰ اسی دوسرے قول پر ہے جیسا کہ شرح وہبانیہ میں اس کی صراحت ہے۔

جب فتویٰ اس قول پر ہوا کہ زکوٰۃ کا فوراً ادا کرنا ضروری ہے تو جو شخص بلا عذر زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر کرے گا اس کی گواہی شرعاً رد کردی جائے گی اس لیے کہ ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے وہ فاسق قرار پائے گا۔ فوری طور پر زکوٰۃ کی ادائیگی کی وجہ یہ ہے کہ مالِ زکوٰۃ محتاج پر فوراً خرچ کرنے کا قرینہ موجود ہے کہ وہ ضرورت مند ہے اور اس کی ضرورت فوری طور پر پوری ہونی چاہیے پس جب زکوٰۃ کی ادائیگی فی الفور واجب نہیں ہوگی تو زکوٰۃ کے واجب قرار دینے کا اصل منشا پورے طور پر حاصل نہیں ہو سکے گا پوری بحث فتح القدیر میں ہے۔

لا یبقی للتجارة ما ای عبد مثلا اشتراه لها فنوی بعد ذلك خدمته ثم ما نواه للخدمة لایصیر للتجارة و ان نواه لها مالم یبعه بجنس ما فیه الزکوة والفرق ان التجارة عمل فلا یتم بمجرد النیة بخلاف الاول فانه ترك العمل فیتم بها وما اشتراه لها ای للتجارة کان لها لمقارنة النیة العقد التجارة لا ما ورثه و نواه لها لعدم العقد الا اذا تصرف فیه ای ناویا فتجب الزکوة لاقتران النیة بالعمل الا الذهب والفضة والسائمة لما فی الخانیة لو ورث سائمة لزمه زکوتها بعد حول نواه اولا.

نیت کی تبدیلی کے اثرات جس مال کو پہلے تجارت کی نیت سے خریدا تھا اور بعد میں خدمت کی نیت کرلی تو اب وہ مال تجارت کے لیے باقی نہیں رہے گا۔ مثلاً غلام تجارت کے لیے خریدا تھا پھر اس سے خدمت لینے کی نیت کرلی تو محض اس نیت خدمت سے وہ تجارت کے لیے باقی نہیں رہا، اسی طرح جو مال استعمال کی نیت سے لیا گیا ہے وہ اس وقت تک محض نیت سے تجارت کے لیے نہیں ہوگا۔ جب تک اس کو اس مال کے بدلے میں نہ بیچ ڈالا جائے۔ جس میں زکوٰۃ ہوتی ہے، مثلاً ایک غلام خدمت کی نیت سے خریدا تھا پھر بعد میں اس سے تجارت کی نیت کرلی، تو صرف اس نیت

سے وہ تجارت کا نہیں قرار پائے گا جب تک مالک اس کے عوض ایسا مال نہ لے لے جس میں زکوٰۃ ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ جو مال تجارت کی نیت سے خریدا گیا تھا بعد میں خدمت اور استعمال کی نیت کر لی تو وہ استعمال کا ہو گیا اور تجارت کا باقی نہیں رہا، لیکن جو مال خدمت اور استعمال کی نیت سے خریدا گیا تھا اور بعد میں اس کے اندر تجارت کی نیت کر لی گئی تو یہ مال صرف نیت سے تجارت کے لیے نہیں ہوگا، بلکہ جب یہ بک جائے گا اور اس کے بدلے قابل زکوٰۃ چیز لی جائے گی تب تجارت کے لیے قرار پائے گا۔

سوال یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں کیا فرق ہے؟ جواب یہ ہے کہ پہلی صورت میں خدمت کی نیت کافی اس لیے ہے کہ خدمت تجارت کی طرح کوئی عمل اور کاروبار نہیں ہے کہ وہاں صرف نیت کافی نہ ہو وہاں تو ترک عمل ہے اور اس کے لیے صرف نیت کافی ہے بخلاف خدمت کے بعد تجارت کی نیت کے کہ یہاں عمل درکار ہے، اور عمل صرف نیت سے تکمیل نہیں پاتا، بلکہ کچھ کرنے سے ہوتا ہے، مثلاً ایک شخص مسافر ہے اس نے اقامت کی نیت کر لی وہ مقیم ہو گیا کیوں کہ اقامت ترک سفر کا نام ہے لیکن ایک مقیم صرف نیت سفر سے مسافر نہیں ہو جائے گا۔ بلکہ اس کے لیے اسے وہاں چل کر باہر ہونا پڑے گا۔

خدمت کے بعد تجارت کی نیت پر جو یہ قید لگائی گئی ہے کہ اس کو ایسی چیز کے بدلے فروخت کرے جس میں زکوٰۃ ہو، اس قید کا فائدہ یہ ہے کہ اگر خدمت کے لیے خریدا ہوا غلام کوئی شخص بیوی کے مہر میں دیدے گا یا قصاص کے صلح میں تو اس صورت میں اس پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

مال وراثت میں نیت تجارت

اور جو مال تجارت کے لیے خریدا گیا ہے وہ تجارت کے لیے ہی ہوگا اس لیے کہ اس میں تجارت کی نیت پائی گئی ہے، لیکن جو مال وراثت میں ملا ہے صرف تجارت کی نیت سے وہ تجارت کا نہیں ہوگا اس لیے کہ وراثت کی صورت میں کوئی معاملہ عقد کا نہیں پایا گیا ہے جس کی وجہ سے نیت کا اعتبار کیا جاتا، البتہ جب وہ اس مال وراثت میں تجارت کی نیت سے تصرف کر چکے گا تو اس کے بدلے میں جو چیز آئے گی اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی اس لیے کہ یہاں نیت عمل کے ساتھ پائی گئی۔

لیکن اگر کسی کو وراثت میں سونا، چاندی اور چرائی پر گذر کرنے والے جانور ملیں تو سال گذرنے کے بعد ان پر زکوٰۃ لازم ہوگی، خواہ وہ ان میں تجارت کی نیت کرے خواہ نہ کرے، ان چیزوں میں زکوٰۃ کے لازم ہونے کے لیے نیت تجارت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

وما ملكه بضعه كهبة او وصية او نكاح اوخلع اوصلح عن قود قيد بالقود لان العبد التجارة اذا قتله عبد خطأ ودفع به كان المدفوع للتجارة خانية و كذا كل ما قوبض به مال التجارة فان يكون لها بلانية كما مر ونواه لها كان لها عند الثاني والاصح انه لا يكون لها بحر عن البدائع و في اول الاشباه و لو قارنت النية ماليس بدل مال بمال لا تصح على الصحيح.

ہبہ اور وصیت کے مال میں نیت تجارت

جس مال اور شئی کا وہ اپنے فعل سے مالک ہوا ہے جیسے ہبہ اور وصیت میں ملا ہوا مال۔ یا مہر نکاح یا خلع اور صلح قصاص کے

عوض میں ملا ہوا مال، اگر اس میں وہ تجارت کی نیت کرلے تو امام ابویوسفؒ کے نزدیک یہ تجارت کا مال شمار ہوگا اور صحیح تر یہ ہے کہ تجارت کے لیے نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ تجارت کہتے ہیں مال کے بدلے میں مال کا حاصل ہونا اور اوپر کی صورتوں میں ساری چیزیں بغیر کسی مال کے بدلہ کے حاصل ہوئی ہیں۔ کذافی البحر عن البدائع۔

شارح نے بتایا کہ صلح میں قصاص کی قید اس لیے ماتن نے لگائی کہ اگر کوئی غلام تجارت کے غلام کو خطاءً قتل کر ڈالے اور مقتول کے قتل کے بدلے میں وہ غلام مقتول کے وارث کو دیدیا جائے تو یہ غلام مالک کی نیت کے بغیر تجارت کا غلام شمار ہوگا۔

اسی طرح جو چیز بھی تجارت کے مال کے عوض میں قبضہ میں آئے گی وہ بھی بغیر نیتِ تجارت، تجارت کے لیے شمار ہوگی، جیساکہ پہلے گذرا۔

اشباہ کے ابتداء میں آیا ہے کہ جو مال کسی مال کے بدلے میں نہ ہو اس میں تجارت کی نیت مذہب اصح کے مطابق درست نہیں ہوگی۔ امام ابویوسفؒ کے مقابلہ میں جو قول نقل کیا گیا ہے اس کی تائید کے لیے شارح نے یہ قول یہاں نقل کیا ہے۔

لازکوۃ فی اللآلی والجواھر و ان ساوت الفا اتفاقا الا ان تکون للتجارۃ والاصل ان ما عدا الحجرین والسوائم انما یزکی بنیۃ التجارۃ بشرط عدم المانع المودی الی الثنی و شرط مقارنتھا لعقد التجارۃ وھو کسب المال بالمال بعقد شراء اواجارۃ او استقراض ولو نوی التجارۃ بعد العقد اواشتری شیئا لنفسہ ناویا انہ ان وجد ربحا باعہ لا زکوۃ علیہ کما لو نوی التجارۃ فیما خرج من ارضہ کما مر و کما لو شری ارضا خراجیۃ ناویا التجارۃ او عشریۃ و زرعھا او بذرا للتجارۃ و زرعہ لا یکون للتجارۃ لقیام المانع.

موتیوں اور جواہر میں زکوٰۃ نہیں

موتیوں اور جواہر میں بالاتفاق زکوٰۃ نہیں ہے، گو وہ ہزاروں کی قیمت کے ہوں، البتہ جب یہ دونوں تجارت کے لیے ہوں گے تو ان میں زکوٰۃ ہوگی، (جواہر سے مراد یاقوت، زمرد جیسے قیمتی پتھر ہیں، پیدائش کے اعتبار سے چوں کہ ان کا شمار ثمن میں نہیں ہے اس لیے ان میں زکوٰۃ نہیں ہے)

زکوٰۃ کا وجوب

زکوٰۃ کے واجب ہونے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ، سونا، چاندی اور سائمہ جانوروں کے علاوہ اور چیزوں میں اس وقت زکوٰۃ ہوتی ہے جب ان میں تجارت کی نیت ہو، اور اسی کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ کوئی مانع ایسا نہ ہو جس کی وجہ سے دوبارہ زکوٰۃ کی نوبت آئے اور یہ بھی شرط ہے کہ عقد تجارت کی نیت پائی جائے اور عقدِ تجارت کہتے ہیں مال کا مال کے بدلے حاصل کرنا خواہ خرید و فروخت کے ذریعہ ہو، یا اجارہ کے ذریعہ ہو اور یا قرض لینے کے طور پر ہو۔

اگر معاملہ کے بعد تجارت کی نیت کی، یا کوئی چیز گھر میں استعمال کے لیے اس نیت سے خریدی، کہ اگر نفع ملے گا تو اس کو بیچ ڈالیں گے، تو ایسی چیز میں زکوٰۃ نہیں ہے جس طرح اس پیداوار میں زکوٰۃ نہیں ہے جو اس کی عشری یا خراجی زمین میں پیدا ہو، کیوں کہ یہاں عشر و خراج مانع زکوٰۃ موجود ہے، جس کو پہلے وصول کرچکے ہیں۔

اور جیساکہ اگر کوئی عشری یا خراجی زمین میں تجارت کی نیت سے خریدے، اور اس زمین میں کاشت کردے یا کسی نے بیج

تجارت کی نیت سے خرید کیا، پھر اس کو بو دیا، تو ان صورتوں میں یہ تجارت کے لیے نہیں ہوگا، کیوں کہ مانع پایا گیا، اور وہ مانع عشری اور خراج ہے۔

باب السائمة

هی لغة الراعية و شرعا المكتفية بالرعى المباح ذكره الشمنى فى اكثر العام لقصد الدر والنسل ذكره الزيلعى و زاد فى للحيط والزيادة والسمن ليعم الذكور فقط لكن فى البدائع لواسامها للحم لا زكوة فيها كما لواسامها للحمل والركوب ولو للتجارة ففيها زكوة التجارة و لعلهم تركوا ذلك لتصريحهم بالحكمين فلو علفها نصفه لاتكون سائمة فلا زكوة فيها لشك فى الموجب و يبطل حول زكوة التجارة بجعلها للسوم لان زكوة السوائم و زكوة التجارة مختلفان قدرا و سببا فلا يبنى حول احدهما على الآخر فلو اشترى لها اى للتجارة ثم جعلها سائمة اعتبر اول الحول من وقت الجعل للسوم كما لو باع السائمة فى وسط الحول او قبله بيوم بجنسها او بغير جنسها او بنقد و لا نقد عنده او بعروض و نوى بها التجارة فانه يستقبل حولا آخر جوهرة و فيها ليس فى سوائم الوقف والخيل المسبلة زكوة لعدم المالك ولا فى المواشى العمى ولا مقطوعة القوائم لانها ليست بسائمة.

اس باب میں ان جانوروں کی زکوٰۃ کا بیان ہے جو سال کے بیشتر حصہ میں چرنے پر گذر کرتے ہیں

سائمہ کی تعریف سائمہ لغت میں چرنے والے جانور کو کہتے ہیں جو جائز مباح چرائی پر اکتفا کرے اور مالک کو اس کا معاوضہ نہ دینا پڑے، اس کو شمنیؒ نے ذکر کیا ہے۔ سال کے بیشتر حصہ میں چرنے پر اکتفا کرے یا دودھ کے لیے ایسا کرے یا بچہ حاصل کرنے کے لیے اس کو زیلعی نے ذکر کیا، اور محیط نامی کتاب میں اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ یا چرنے پر اکتفا زیادتی اور موٹاپے کے لیے کرے، تاکہ یہ صرف نروں کو شامل ہو، اور بدائع نامی کتاب میں ہے کہ اگر جانوروں کو گوشت کے لیے چرایا تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہوگی، جس طرح کوئی جانوروں کو اس لیے چرائے کہ وہ اس سے لادنے کا کام لے گا یا سواری کا، تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہوتی۔

تجارت کی نیت کا اثر

اور اگر کسی نے جانوروں کو تجارت کی نیت سے چرایا تو ان میں تجارت والی زکوٰۃ ہوگی، اور متن والوں نے اس قید کو شاید اس لیے چھوڑ دیا ہے کہ ان دونوں حکموں کی صراحت پہلے آچکی ہے، یعنی یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ جو مال تجارت کے لیے ہوگا اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور مال کا لفظ حیوانات کو بھی شامل ہے مگر وہ ایسے چرنے والے جانور جو بار برداری یا سواری کے لیے ہوں ان میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

پالتو جانور کی زکوٰۃ

اگر جانوروں کو گھر پر باندھ کر آدھے سال گھاس کھلایا ہے تو وہ ایسے سائمہ نہیں ہوں گے جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، کیوں کہ ایسے پالتو جانوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے اس لیے کہ ان کا سائمہ ہونا مشکوک ہوگیا ہے۔

سائمہ اور تجارت کی زکوٰۃ کے سال

تجارت کی زکوٰۃ کا سال ان جانوروں کے لیے سائمہ بنانے سے باطل ہوجاتا ہے، کیوں کہ سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ اور تجارت کی زکوٰۃ دونوں مقدار اور سبب میں مختلف ہیں لہٰذا ان دونوں میں کسی ایک کا سال دوسرے کے سال پر مبنی نہیں ہوگا (اس مسئلہ کی صورت یہ لکھی ہے کہ ایک شخص کے پاس تجارت کے جانور تھے کچھ دنوں کے بعد اس کے مالک نے ان جانوروں کو دودھ اور افزائش نسل کے لیے چرنے کے واسطے چھوڑ دیا، تو اس صورت میں زکوٰۃ کا سال چرائی کے دن سے شروع ہوگا، اس سے پہلے کے دن سال میں محسوب نہیں ہوں گے، کیوں کہ تجارت کی زکوٰۃ کی مقدار مال کا چالیسواں حصہ ہے، اور سوائم (چرنے والے جانوروں) کی زکوٰۃ میں مختلف تعداد پر جانور دینے پڑتے ہیں، ان دونوں کی زکوٰۃ کا سبب بھی الگ الگ ہے، مال تجارت میں سبب "نصاب مالی" کا مالک ہونا ہے، اور سوائم میں عدد معین کا مالک ہونا ہے، لہٰذا سائمہ جانوروں اور مال تجارت کی زکوٰۃ میں کسی ایک کا سال دوسرے کے سال پر مبنی نہیں ہوسکتا ہے)

جانوروں میں نیت کی تبدیلی

اب اگر کسی نے تجارت کی نیت سے جانور خریدے پھر ان جانوروں کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا تو ایسی صورت میں اول سال اس وقت سے معتبر ہوگا جب سے اس نے ان جانوروں کو چرائی کے لیے چھوڑا ہے، جس طرح کہ کوئی چرنے والے جانور کو درمیان سال میں یا سال پورے ہونے سے ایک دن پہلے اس کے جنس یا غیر جنس کے بدلے میں بیچ دے یا نقد کے عوض بیچ دے، اور اس کے پاس نقد پہلے سے موجود نہ ہو یا اسباب کے بدلے بیچے اور اس اسباب میں تجارت کی نیت کرلے۔

ان سب صورتوں میں از سر نو سال شروع ہوگا کذا فی الجوہرہ، اور اسی جوہرہ نامی کتاب میں یہ بھی ہے کہ جو سائمہ جانور وقف ہوں یا جو گھوڑے فی سبیل اللہ رکھے گئے ہوں، ان میں زکوٰۃ نہیں ہے، اس لیے وقف اور فی سبیل اللہ مال کا کوئی مالک نہیں ہوتا ہے، اسی طرح اندھے اور پاؤں کٹے ہوئے جانوروں میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے، اس لیے کہ یہ سائمہ باقی نہیں رہتے۔

گھوڑے اور اندھے جانوروں کی زکوٰۃ

(صاحبینؒ کہتے ہیں کہ گھوڑوں میں بالکل زکوٰۃ نہیں ہے اور فتاویٰ ظہیریہ میں لکھا ہے کہ اندھے جانوروں میں دو روایتیں آئی ہیں یعنی ایک روایت میں لکھا ہے کہ زکوٰۃ نہیں ہے اور دوسری میں ہے کہ زکوٰۃ ہوگی چنانچہ صاحبینؒ اندھے جانوروں میں بھی زکوٰۃ کو واجب قرار دیتے ہیں)

باب زکوۃ الابل

نِصَابِ الإِبِلِ بكسر الباء و تسكن مؤنثة لا واحد لها من لفظها والنسبة اليها ابلى بفتح الباء سميت بها لانها تبول على افخاذها هو خمس فيوخذ من كل خمس منها الى خمس و عشرين بخت جمع بختى و هو ماله سنامان منسوب الى بخت نصر لانه اول من جمع بين العربى والعجمى فولد منهما ولد فسمى بختيا او عِراب شاة و ما بين النصابين عفو وفيها اى الخمس والعشرين بنت مخاض و هى التى طعنت فى السنة الثانية سميت به لان امها غالبا تكون مخاضا اى حاملا بأُخرى و فى ست و ثلثين الى خمس و اربعين بنت لبون و هى التى طعنت فى الثالثة لان امها تكون ذات لبن لاخرى غالبا و فى ست و اربعين الى سنين حقة بالكسر وهى التى طعنت فى الرابعة و حق ركوبها و فى احدى وستين الى خمس و سبعين جذعة بفتح الذال المعجمة و هى التى طعنت فى الخامسة لانها تجذع اى تقلع اسنان اللبن و فى ست و سبعين الى تعين بنتا لبون و فى احدى و تسعين حقتان الى مائة و عشرين كذا كتب رسول الله صلى الله عليه وسلم الى ابى بكر رضى الله عنه ثم تستانف الفريضة عندنا فيوخذ فى كل خمس شاة مع الحقتين ثم فى كل مائة و خمس و اربعين بنت مخاض و حقتان ثم فى كل مائة و خمسين ثلث حقاق ثم تستانف الفريضة بعد المائة والخمسين ففى كل خمس شاة مع ثلث حقاق ثم فى كل خمس و عشرين بنت مخاض مع الحقاق ثم فى ست و ثلثين بنت لبون معهن ثم فى مائة و ست و تسعين اربع حقاق الى مأتين ثم تستانف الفريضة بعد المائتين ابدا كما تستانف فى الخمسين التى بعد المائة والخمسين حتى تجب فى كل خمسين حقة ولا تجزئ ذكور الابل الا بالقيمة للاناث بخلاف البقر والغنم فان المالك مخير.

اس باب میں اونٹوں کی زکوٰۃ کی تفصیل ہے

اونٹ کا نصاب زکوٰۃ اونٹ کا نصاب پانچ ہے لہٰذا پانچ اونٹ سے لے کر پچیس اونٹوں تک ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری زکوٰۃ ہے، یہ اونٹ خواہ بختی ہو، خواہ عربی، اور ہر دو نصاب کے درمیان جو زیادہ اونٹ ہوں گے ان کی زکوٰۃ معاف ہے (یعنی پانچ سے لے کر نو اونٹ تک ایک ہی بکری ہوگی اسی طرح دس سے لے کر چودہ تک دوسری بکری، اور پندرہ سے لے کر انیس تک تین بکریاں اور بیس سے لے کر چوبیس تک چار بکریاں اور پچیس میں بنت مخاض ہے)

بختی اونٹ شارح نے بتایا کہ بخت بختی کی جمع ہے اور بختی دو کوہان والے اونٹ کو کہتے ہیں، یہ بختی کا لفظ بخت نصر بادشاہ کی طرف منسوب ہے اس لیے کہ سب سے پہلے اسی نے عربی اور عجمی اونٹوں کو جمع کر کے ایک نئی نسل حاصل کی تھی۔

پچیس سے زیادہ اونٹ کی زکوٰۃ جب کسی کے پاس پچیس اونٹ ہوں گے تو ان کی زکوٰۃ میں ایک ایسا اونٹ کا ایک سالہ بچہ واجب ہوگا، جس پر ایک سال پورا ہو کر دوسرا سال چڑھ چکا ہو ایسے یک سالہ اونٹ کو بنت مخاض کہتے ہیں اور یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ مخاض حاملہ کو کہتے ہیں اور اس کی ماں اونٹ مادہ دوسرے سال عموماً حاملہ ہو جاتی ہے اور چھتیس اونٹ سے لے کر ۴۵ اونٹوں تک میں ایک بنت لبون ہے یعنی اونٹ کا دو سالہ بچہ جس کا تیسرا سال شروع ہو چکا ہو، بنت لبون کہنے کی وجہ یہ ہے کہ دو سالہ بچے کی ماں عموماً اس عرصہ میں دوسرا بچہ دے کر دودھ والی ہو چکی ہوتی ہے، اور چھیالیس سے لے کر ساٹھ اونٹ تک کی زکوٰۃ ایک حقہ ہے یعنی اونٹ کا تین سالہ بچہ جس کا چوتھا سال شروع ہو چکا ہو، اور وہ سواری کے قابل ہو گیا ہو، اور اکسٹھ اونٹ سے لے کر ۷۵ تک اونٹوں کی زکوٰۃ ایک جذعہ ہے یعنی اونٹ کا چار سالہ بچہ جو پانچویں برس میں قدم رکھ چکا ہو، جذعہ کے لفظی معنی توڑنے کے ہیں، اس کو جذعہ اس لیے کہا گیا ہے کہ اس عمر میں دودھ کے دانت ٹوٹنے لگتے ہیں، اور ۷۶ اونٹ سے لے کر ۹۰ تک اونٹوں میں دو بنت لبون زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اور اکیانوے سے لے کر ایک سو بیس اونٹ میں دو حقہ، آنحضرت ﷺ اور حضرت صدیق اکبرؓ کی باہم مکاتبت میں یہی تفصیل درج ہے۔

ایک سو بیس اونٹ سے زیادہ کی زکوٰۃ علماء احناف کے نزدیک ایک سو بیس اونٹوں کے بعد حساب پھر از سر نو شروع ہوگا، اس طرح کہ ایک سو بیس اونٹوں میں دو حقے ہوں گے اس کے بعد ہر پانچ اونٹ پر دو حقوں کے ساتھ ایک بکری ہوگی، مثلاً ایک سو پچیس اونٹ ہیں، تو دو حقے ایک بکری زکوٰۃ دینا ہوگی، اور اگر ایک سو تیس اونٹ ہیں، تو دو حقے اور دو بکری، ایک سو پینتیس میں دو حقے تین بکریاں، ایک سو چالیس میں دو حقے اور چار بکریاں، اور ایک سو پینتالیس میں دو حقے اور ایک بنت مخاض پھر ہر ایک سو پچاس میں تین حقے۔

ایک سو پچاس سے اوپر کی زکوٰۃ ایک سو پچاس اونٹوں میں تین حقے ہو گئے اس کے بعد اضافہ پر حساب پھر از سر نو شروع ہوگا مثلاً ایک سو پچپن اونٹ ہیں تو تین حقے اور ایک بکری، اور ایک سو ساٹھ میں تین حقے دو بکریاں، اور ایک سو پینسٹھ میں تین حقے اور تین بکریاں، ایک سو ستر میں تین حقے اور چار بکریاں، اور

ایک سو پچھتر میں تین حقّے اور بنت مخاض اور ایک سو چھیاسی میں تین حقّے اور ایک بنت لبون۔

یہاں اس کو اس طرح ادا کیا ہے کہ ایک سو پچاس کے بعد ہر پانچ اونٹ میں حقوق کے ساتھ ایک بکری اور پچیس میں حقوق کے ساتھ ایک بنت مخاض اور چھتیس میں حقوق کے ساتھ ایک بنت لبون، پھر ایک سو چھیانوے میں چار حقّے دو سو اونٹ تک۔

دو سو اونٹ سے زیادہ کی زکوٰۃ دو سو کی تعداد پوری ہونے کے بعد پھر ہمیشہ از سر نو زکوٰۃ کا حساب شروع ہوگا، جیسے ڈیڑھ سو کے بعد پچاس میں کیا جاتا رہا ہے یہاں تک کہ ہر پچاس میں ایک حقہ واجب ہوگا، مثلاً دو سو پانچ اونٹ ہوئے تو چار حقّے اور ایک بکری ہوگی، اور دو سو دس اونٹ میں چار حقّے اور دو بکریاں، اور دو سو پندرہ اونٹ میں چار حقّے اور تین بکریاں، اور دو سو بیس اونٹ میں چار حقّے اور چار بکریاں، اور دو سو پچیس میں چار حقّے اور ایک بنت مخاض الخ۔

زکوٰۃ میں صرف نر اونٹ کا حکم زکوٰۃ میں صرف نر اونٹ دینا کافی نہیں ہوتا ہے البتہ اگر مادہ اونٹنی کی قیمت کے اعتبار سے نر اونٹ دیا جائے گا تو وہ کافی ہوگا منشاء یہ ہے کہ چونکہ مادہ اونٹنی کی قیمت زیادہ ہوتی ہے اور نر اونٹ کی قیمت کم اس لیے مادہ اونٹنی کے حساب سے نر اونٹ دیا جائے گا تب وہ زکوٰۃ میں قابل قبول ہوگا، بخلاف گائے اور بکری کے، کہ ان دونوں میں مالک کو اختیار ہے خواہ نر دے خواہ مادہ۔

باب زکوۃ البقر

من البقر بالسكون و هو الشق سمى به لانه يشق الارض كالثو لانه يثير الارض و مفرده بقرة والتاء للوحدة نصاب البقر والجاموس ولو متوالدا من وحشى و اهلية بخلاف عكسه و وحشى بقر و غنم وغيرهما فانه لا يعد فى النصاب ثلثون سائمة غير مشتركة وفيها تبيع لانه يتبع امه ذو سنة كاملة او تبيعة انثاه وفى اربعين من ذو سنتين او مسنة و فيما زاد على الاربعين بحسابه فى ظاهر الرواية عن الامام و عنه لا شئ فيما زاد الى ستين ففيها ضعف ما فى ثلثين و هو قولهما والثلثة و عليه الفتوى بحر عن الينابيع و تصحيح القدورى ثم فى كل ثلثين تبيع و فى كل اربعين مُسنة الا اذا تداخلا كمائة و عشرين فيخير بين اربع اتبعة و ثلث مسنات و هٰكذا .

گائے بیل کی زکوٰۃ کا بیان

بقر (پہلے دو حرف کے زبر کے ساتھ) بَقَرٌ سے مشتق ہے جس کا درمیانی حرف ساکن ہے اس کے معنی پھاڑنے کے آتے

ہیں، بقر کو بقر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ زمین کو پھاڑتا ہے، جیسے اس کے نر کو ثور کہتے ہیں اس لیے کہ وہ زمین اکھیڑتا ہے اور کاشت کے لائق بناتا ہے اور بقر کا۔ مفرد بقرۃ ہے اور اس میں تاء وحدت کی ہے، تانیث کی نہیں ہے۔

گائے بھینس کا نصاب

گائے اور بھینس کی زکوٰۃ کا نصاب تیس ہے جو کہ جنگل میں چرنے والے ہوں اور ساجھی کے نہ ہوں شارح کا کہنا ہے کہ اگرچہ وہ گائے بھینس (وحشی) اور نر اہلی سے پیدا ہوئے ہوں اور اگر اس کے برعکس وہ مادہ جنگلی اور نر اہلی سے پیدا ہوئے ہوں تو نصاب میں شمار نہیں ہوگا، اسی طرح جنگلی گائے اور بکری بھی نصاب میں داخل نہیں ہیں، اس لیے کہ جانوروں میں مادہ کا اعتبار ہوتا ہے نر کا نہیں (غیر مشترک کی شرط اس لیے لگائی گئی ہے کہ اگر تیس جانور مشترک ہوں گے تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہوگی، کیوں کہ اس صورت میں ہر ایک کا حصہ نصاب سے کم ہو جائے گا، جب تیس گائیں ہوں گی تو ان کی زکوٰۃ میں ایک سال کا ایک بچھڑا یا بچھڑی دینا واجب ہوگا۔ ایک سالہ بچھڑے کو تبیع اس لیے کہتے ہیں کہ تبیع کے لفظی معنی ہیں ساتھ رہنے والا۔ اور عموماً ایک سال کا بچھڑا اپنی ماں کے ساتھ ہی رہتا ہے، (کاملہ یعنی پورے ایک سال کی قید اس لگائی ہے، کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ دوسرے برس میں وہ داخل ہو چکا ہو، بس جو گائے کا بچہ پورے ایک سال کا ہو چکا ہوگا تو یقینی طور پر اس کا دوسرا برس شروع ہو چکا ہوگا) اور چالیس گائے میں پورے دو برس کا نر یا مادہ (گائے کا بچہ) واجب ہے جس کو عربی میں مُسِن کہتے ہیں۔

(مسن کے معنی ہیں دانت والا، اور اس کو مُسن اس لیے کہتے ہیں کہ دو سالہ گائے کا بچہ خواہ بچھڑا ہو خواہ بچھڑی اس کے دودھ کے دانت ٹوٹنے شروع ہو جاتے ہیں اور نئے دانت نکلنے لگتے ہیں) اور چالیس سے جتنے زیادہ ہوں گے ان کی زکوٰۃ ساٹھ تک اسی حساب سے لی جائے گی، یعنی اگر چالیس پر ایک زیادہ ہوگا تو دو سالہ بچھڑے کے ساتھ ایک دوسرے دو سالہ بچھڑے کا چالیسواں حصہ اور دو کی زیادتی میں اس کا بیسواں حصہ امام صاحبؒ کا ظاہر الروایات کے مطابق یہی مذہب ہے، اور امام کی ایک دوسری روایت یہ ہے کہ چالیس سے اوپر ساٹھ تک دو سالہ بچھڑے یا بچھڑی کے سوا کچھ لازم نہیں ہے البتہ جب ساٹھ ہو جائیں گے تو اس میں اس سے دوگنا زکوٰۃ واجب ہوگی یعنی جو تیس پر زکوٰۃ لازم ہوتی تھی اس کا دوگنا یعنی پورے ایک سال کا دو بچھڑا یا دو بچھڑی، صاحبین اور باقی تین اماموں کا بھی یہی قول ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے، پھر ہر تیس کے اضافہ پر ایک سالہ گائے کا بچہ جس کو تبیع کہتے ہیں اور ہر چالیس کے اضافہ پر ایک مسنّہ یعنی گائے بیل کا مالک ومختار ہے تو وہ خواہ چار تبیعہ دے یا تین مسنّہ، علیٰ ہذا القیاس، یعنی دو سو چالیس میں آٹھ تبیع یا چھ مسنّہ۔

(متداخل سے یہ مراد ہے کہ ایسا عدد جو تیس اور چالیس دونوں پر پورا تقسیم ہو جائے تو تیس کے حساب سے چاہے تبیع دے یا چالیس کے حساب سے مسنّہ)

باب زکوۃ الغنم

مشتق من الغنیمة لانه لیس لها آلة الدفاع فکانت غنیمة لکل طالب نصاب الغنم ضانا او

معزا فانهما سواء فی تکمیل النصاب والاضحیة والربا لا فی اداء الواجب والایمان اربعون و فیها شاة تعم الذکور والاناث و فی مائة واحدی و عشرین شاتان و فی مائتین و واحدة ثلث شیاه و فی اربعمائة اربع شیاه و ما بینهما عفو ثم بعد بلوغهما اربعمائة فی کل مائة شاة إلی غیر نهایة و یوخذ فی زکوتها ای الغنم الثنی من الضان والمعز وهو ما تمت له سنة لاالجذع الا بالقیمة وهو ما اتی علیه اکثرها علی الظاهر و عنه جواز الذع من الضان و هو قولهما والدلیل یرجحه ذکره الکمال والثنی من البقر ابن سنتین و من الابل ابن خمس والجذع من البقر ابن سنة و من الابل ابن اربع.

بھیڑ اور بکریوں کی زکوٰۃ کا بیان

غَنَم غَنِیمَۃٌ سے مشتق ہے اور غنم کو غنم اس کہا گیا ہے کہ اس کے پاس ایسے آلات نہیں ہوتے ہیں جن سے وہ اپنے طالب کو دفع کر سکے پس گویا یہ ہر طلب کرنے والے کے لیے غنیمت ہے بکری اور بھیڑ کا سینگ مدافعت کے لائق نہیں ہوتا ہے لہٰذا اس کا پایا جانا اور نہ پایا جانا برابر ہے۔

بھیڑ بکری کی زکوٰۃ بھیڑ اور بکری کا نصاب چالیس ہے، چالیس بھیڑ ہو یا چالیس بکری، اس کی زکوٰۃ ایک بکری یا ایک بکرا ہے یعنی مادہ ہو یا نر، دونوں زکوٰۃ میں دیئے جا سکتے ہیں، شارح نے بتایا کہ غَنَم کا لفظ بکری کے لیے بھی آتا ہے اور بھیڑ کے لیے بھی، اس لیے کہ نصاب زکوٰۃ کے پورا کرنے اور قربانی اور باب ربوا میں بھیڑ اور بکری دونوں برابر ہیں۔

البتہ واجب کی ادائیگی اور قسم کی دائیگی میں دونوں برابر نہیں ہیں (نصاب پورا کرنا) کی مراد یہ ہے کہ اگر بھیڑ بکری دونوں ملا کر چالیس کی تعداد پوری ہو جائے گی تو بھی زکوٰۃ لازم ہو گی جس طرح صرف چالیس بکری یا صرف چالیس بھیڑ میں زکوٰۃ لازم ہوتی ہے، اسی طرح جیسے بکری کی قربانی جائز ہے بھیڑ کی قربانی بھی درست ہے اور سود میں برابر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بکری کے گوشت کے بدلے بھیڑ کا گوشت لے اور کم بیش کر کے لے دے تو یہ حرام ہے، اس کے خلاف ادائے واجب میں اور قسم کے باب میں دونوں برابر نہیں ہیں یعنی اگر کسی کے پاس چالیس بھیڑیں ہوں گی اور زکوٰۃ میں اس پر ایک بھیڑ واجب ہو گی، اس بھیڑ کے بدلے زکوٰۃ میں بکری نہیں لے سکتے ہیں) مثلاً کسی نے قسم کھائی کہ بھیڑ کا گوشت نہیں کھاؤں گا اس قسم کے بعد اگر وہ بکری کا گوشت کھالے گا تو حانث نہیں قرار پائے گا۔

ایک سو اکیس سے اوپر بکریوں کی زکوٰۃ ایک سو اکیس بھیڑ اور بکریوں میں دو بکریاں زکوٰۃ ہوں گی اور جب بھیڑ بکریوں کی یہ تعداد دو سو تین ہو جائے گی تو اس کی زکوٰۃ میں تین بکری دینا ہوں گی اور چار سو بکریوں میں چار بکریاں اور ایک نصاب سے دوسرے نصاب تک جو درمیانی عدد ہیں، ان کی

زکوٰۃ معاف ہے مثلاً چالیس بکریوں کی زکوٰۃ ایک بکری ہے اور ایک سو اکیس میں دو بکریاں زکوٰۃ ہے اب چالیس سے لے کر ایک سو بیس تک جو زائد بکریاں یا بھیڑ ہیں ان کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، ایک سو بیس بکریوں میں صرف ایک ہی بکری زکوٰۃ میں دینا واجب ہے جس طرح صرف چالیس بکریوں میں ایک بکری زکوٰۃ ہے، زکوٰۃ وصول کرنے والے کو یہ حق ہرگز نہیں ہے کہ جس کے پاس ایک سو بیس بکریاں ہیں اس سے ہر چالیس بکریوں پر ایک بکری وصول کرے، اسی طرح اگر چالیس بکریوں کی ملکیت دو آدمیوں کو پہنچتی ہے تو اس میں بھی زکوٰۃ نہیں ہوگی اس لیے کہ نصاب کامل نہیں پایا گیا۔

جب بکریاں یا بھیڑ چار سو ہو جائیں گی تو پھر ہر سو بکری میں ایک بکری زکوٰۃ میں دی جائے گی، خواہ کتنی ہی تعداد ہو جائے۔

سال بھر سے کم کی بکری زکوٰۃ میں لی جائے گی یا نہیں

بکری اور بھیڑ کی زکوٰۃ میں پورے ایک سال کا بکرا اور پورے سال کا مینڈھا لیا جائے گا جو دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو، سال بھر سے کم کا ایسا بکرا یا مینڈھا نہیں لیا جائے گا جس پر سال کا اکثر حصہ گذر چکا ہو لیکن سال پورا نہ ہوا ہو لیکن اگر وہی لینا پڑے تو قیمت لگا کر لیا جائے ظاہر الروایت یہی ہے، گو امام صاحب سے دوسری روایت یہ بھی آئی ہے کہ بکری یا مینڈھا جس پر سال کا اکثر حصہ گذر چکا ہو زکوٰۃ میں لیا جا سکتا ہے، اور صاحبین کا بھی یہی قول ہے، اور دلیل سے یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے ابن الہمام نے اسی طرح ذکر کیا ہے، لیکن صاحب بحر الرائق نے ظاہر الروایت پر اعتماد کیا ہے اور بعض دوسروں نے اسی کو ترجیح بھی دیا ہے۔

ثنی اور جذع

ثنی بکری اور بھیڑ میں پورے ایک سال کا ہوتا ہے اور بیل اور گائے میں دو برس کا ہوتا ہے اور اونٹ پانچ برس کا، اور جذع بھیڑ بکری میں سال سے کچھ کم کا ہوتا ہے اور گائے بیل میں ایک برس کا اور اونٹ میں چار برس کا۔

ولاشئ فی خیل سائمة عندهما و علیه الفتوی خانیة و غیرها ثم عند الامام هل لها نصاب مقدار الاصح لا لعدم النقل بالتقدیر و لا فی بغال و حمیر سائمة اجماعا لیست للتجارة فلو لها فلا کلام لانها من العروض و لا فی عوامل و علوفة مالم تکن العلوفة للتجارة و لا فی حمل بفتحتین ولدالشاة وفصیل ولدالناقة وعجول بوزن سنور ولد البقرة و صورته ان یموت کل الکبار و یتم الحول علی اولادها الصغار الاتبعا لکبیر و لو واحدا و یجب ذلك الواحد مالم یکن جیدا فیلزم الوسط و هلاکه یسقطها.

گھوڑے کی زکوٰۃ

جو گھوڑے جنگل میں سال کے اکثر حصہ میں چرتے ہوں اور اسی پر زندگی پالتے ہوں تو صاحبین کے نزدیک ان میں کوئی زکوٰۃ نہیں ہے اور صاحبین کے ہی قول پر فتویٰ بھی ہے کذا فی الخانیہ وغیرہا۔ البتہ امام اعظمؒ کے نزدیک ایسے گھوڑوں میں زکوٰۃ ہوتی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک ان کا کوئی نصاب بھی مقرر ہے یا نہیں، اس کا صحیح تر جواب یہ ہے کہ کوئی نصاب مقرر نہیں ہے، گو کسی نے نصاب تین قرار دیا ہے اور کسی نے پانچ، سلف سے کوئی اندازہ منقول نہیں ہے۔

(گھوڑوں کی زکوٰۃ کے سلسلہ میں طحطاوی، زیلعی، اور کافی وغیرہ نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے، البتہ فتح القدیر میں امام کے قول کو راجح کہا گیا ہے اور صاحبین کے قول کے متعلق بیان ہے کہ ان کی مراد غازیوں کے گھوڑے ہیں جن میں زکوٰۃ نہیں ہوتی)

گدھوں اور خچروں کی زکوٰۃ

خچروں، گدھوں میں جو جنگل میں چرتے ہوں کسی کے نزدیک بھی زکوٰۃ نہیں ہے، شرط یہ ہے کہ تجارت کے لیے نہ ہوں، البتہ یہ اگر تجارت کے ہوں گے تو زکوٰۃ کے واجب ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے، کیوں کہ یہ سامانِ تجارت کے حکم میں ہو جائیں گے، جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

کھیتی کے جانور اور پالتو جانور کی زکوٰۃ

اسی طرح کھیتی وغیرہ کے کام کرنے والے جانوروں اور گھر میں گھاس کھا کر پلنے والے جانوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے، جب تک یہ جانور تجارت کے لیے نہ ہوں، جب تجارت کے لیے ہوں گے تو سامانِ تجارت میں داخل ہو کر ان میں زکوٰۃ واجب ہو گی، تجارت کی قید پالتو جانوروں کے لیے ہے، اس لیے کہ جو کھیتی وغیرہ کے کام کے ہوں گے ان کا تجارت کے لیے ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا ہے، اور ایسے جانور میں تجارت کی نیت کرنے سے بھی تجارت کے قرار نہیں پائیں گے۔ کذا فی الشامی۔

جانور کے بچوں کی زکوٰۃ

اگر صرف بکری یا بھیڑ کے بچے ہی بچے ہوں یا اسی طرح اونٹ اور گائے کے بچے ہی بچے ہوں، ان کیساتھ بڑے جانور نہ ہوں، تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے چنانچہ اس کی صورت یہ بتائی گئی ہے کہ کسی کے پاس چھوٹے بڑے جانور تھے، بڑے سارے جانور مر گئے اور صرف ان کے بچے رہ گئے اور سال پورا ہو گیا تو امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کا قول یہی ہے البتہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جتنے بچے ہوں گے ان میں سے ایک بچہ زکوٰۃ میں دیدیا جائے گا اور ان بچوں کا نصاب ان کے نزدیک پچیس ہے، پچیس بچوں سے کم میں زکوٰۃ کے وہ بھی قائل نہیں ہیں مگر اس سلسلہ میں امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔ کذا فی الشامی۔

بچے بھی ہوں اور بڑے بھی

جیسا اوپر ذکر کیا گیا کہ جانوروں کے اگر صرف بچے ہی بچے ہوں، تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے لیکن یہی بچے اگر بڑے جانوروں کے ساتھ ہوں گے تو بڑوں کے ساتھ ان کے بچوں کی زکوٰۃ بھی دی جائے گی، اگر بچے زیادہ ہوں اور بڑا ایک ہی کیوں نہ ہو، مگر زکوٰۃ میں وہی ایک جو بڑا ہے دینا واجب ہو گا۔ اگر چہ وہ ناقص ہو، اور اگر وہ ایک جانور اول درجہ کا ہو تو زکوٰۃ میں وسط درجہ لازم ہو گا، اور اگر وہ ایک بڑا جانور سال گذرنے کے بعد ہلاک ہو جائے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

ولو تعدد الواجب وجب الكبار فقط ولا يكمل من الصغار خلافا للثاني و لا في عفو و هو ما بين النصب في كل الاموال و خصاه بالسوائم ولا في هالك بعد وجوبها و منع الساعي في الاصح لتعلقها بالعين لا بالذمة و ان هلك بعضه سقط حظه.

زکوٰۃ میں بڑے جانور دینا

اور اگر جانوروں کی زکوٰۃ میں متعدد جانوروں کا دینا واجب ہو تو زکوٰۃ میں صرف بڑے ہی واجب ہوں گے، چھوٹوں سے ملا کر زکوٰۃ پورا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس

باب میں امام ابو یوسفؒ کا قول مخالف ہے (تفصیل اس کی اس طرح سمجھی جائے کہ کسی شخص کے پاس دو بڑے جانور (مسنہ) ہوں اور ایک سو انیس بچے ہوں، تو اس صورت میں بالاتفاق زکوٰۃ میں دو مسنہ (بڑے جانور) دینے واجب ہوں گے اور اگر ایک بڑا جانور (مسنہ) ہو اور ایک سو بیس بچے، تو طرفین کے نزدیک صرف ایک بڑا جانور دینا واجب ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک بڑا جانور دینا ہوگا اور ایک بچہ۔

عفو میں زکوٰۃ نہیں

وہ عدد جو تمام قسم کے اموال میں دو نصابوں کے درمیان ہو، وہ عفو کہلاتا ہے، اس عفو میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور صاحبین نے اس عفو کو سوائم (چرنے والے جانوروں) کے ساتھ خاص کیا ہے، نقد رقم میں یہ عفو کو نہیں مانتے ہیں، البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ معاف ہے مثلاً دو سو درہم سے اگر انتالیس زیادہ ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس انتالیس میں زکوٰۃ نہیں ہے جب چالیس پورے ہوں گے تو اس میں ایک درہم زکوٰۃ ہوگی گویا دو سو انتالیس میں صرف پانچ درہم اور دو سو چالیس میں چھ درہم، اور صاحبین کے نزدیک اس دو سو سے زیادہ انتالیس درہم کی بھی زکوٰۃ واجب ہوگی چالیسواں حصہ کے اعتبار سے جو زکوٰۃ بھی آئے وہ دینی ہوگی۔

ہلاک شدہ مال کی زکوٰۃ

جو مال سال گذرنے کے بعد ہلاک ہو جائے اور صدقہ وصول کرنے والے کے مطالبہ کے بعد بھی مال والے نے زکوٰۃ نہیں دی تھی تو اس کی زکوٰۃ بھی صحیح ترمذہب کی بنیاد پر اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی اس کے ذمہ زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، اس وجہ سے کہ زکوٰۃ متعین چیز سے تعلق رکھتی ہے اس کا تعلق کسی کے ذمہ سے نہیں ہے اور اگر کچھ مال ہلاک ہو گیا ہے تو جس قدر ہلاک ہوا ہے اس کی زکوٰۃ ساقط ہوگی بقیہ کی دینی ہوگی۔

و يصرف الهالك الى العفو اولا ثم الى نصاب يليه ثم و ثم بخلاف المستهلك بعد الحول لوجود التعدى و منه ما لوحبسها عن العلف والماء حتى هلكت فيضمن بدائع والتوى بعد القرض والاعادة و استبدال مال التجارة بمال التجارة يعد هلاكا و بغير مال التجارة والسائمة بالسائمة استهلاكا.

جس قدر مال ہلاک ہوا ہے پہلے اس کو عفو (معاف والے حصہ) کی طرف لے جایا جائے گا، پھر اس نصاب کی طرف جو اس سے متصل ہے، پھر اسی طرح اس نصاب کی طرف جو اس کے نیچے ہے۔ (تاکہ محتاج کا نقصان نہ ہونے پائے)

اُس مال کی زکوٰۃ جسکو خود ہلاک کر دے

بخلاف اُس صورت کے کہ کوئی سال پورا ہونے کے بعد قصداً مال ہلاک کر دے تو اس صورت میں زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی اس لیے کہ اس میں اس کی طرف سے تعدی پائی گئی ہے۔ اگر کوئی قصداً جانوروں کو گھاس پانی نہ دے اور باندھے رکھے اور اس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو جائیں تو اس صورت میں وہ زکوٰۃ کا ضمان دے گا۔ کذا فی البدائع۔

مال کا قرض یا عاریت پر دینے کے بعد گم ہو جانا اور مال تجارت کا تجارت کے مال کے عوض بدلنا ہلاک کے حکم میں ہے، اور اگر تجارت کے مال کا مال تجارت کے علاوہ دوسرے مال سے بدلنا اسی طرح چرنے والے جانور کا چرنے والے جانور سے بدلنا استہلاک یعنی ہلاک کر دینے کے حکم میں ہے اور نقد کا حکم مال تجارت کا سا ہے مثلاً کسی کے پاس ہزار درہم تھے اس نے اس سے

تجارت کا غلام خریدا یا تجارت کا دوسرا سامان خریدا۔ پھر وہ ہلاک ہو گیا تو زکوٰۃ ساقط ہو گئی، اور اگر خدمت کے لیے غلام خریدا تھا تو اس صورت میں زکوٰۃ ساقط نہیں ہو گی۔

وجاز دفع القيمة في زكوة و عشر و خراج و فطرة و نذر و كفاره غير الاعتاق و تعتبر القيمة يوم الوجوب و قالا يوم الاداء و في السوائم يوم الاداء اجماعا هو الاصح و يقوم في البلد الذي فيه المال ولو في مفازة ففي اقرب الامصار اليه فتح والمصدق لا ياخذ الا الوسط و هو اعلى الادنى و ادنى الاعلى و لو كله جيدا فجيد وان لم يجد المصدق و كذا ان وجد فالقيد اتفاقي ماوجب من ذات سن دفع المالك الادنى مع الفضل جبرا على الساعي لانه دفع بالقيمة او دفع الاعلى ورد الفضل بلاجبر لانه شراء فيشترط فيه الرضا هو الصحيح سراج او دفع القيمة و لو دفع ثلث شياه سمان عن اربع وسط جاز

زکوٰۃ میں قیمت دینا

زکوٰۃ میں عشر، خراج، فطرہ، نذر اور کفارہ میں جو آزاد کرنے کے سوا ہے، قیمت کا دینا درست ہے اور قیمت کی صورت میں دینے میں اس دن کی قیمت کا اعتبار ہو گا، جو زکوٰۃ کے واجب ہونے کے دن تھی، اور صاحبین کہتے ہیں کہ اُس دن کی قیمت معتبر ہو گی، جس دن وہ زکوٰۃ کے واجب ہونے کے دن تھی، اور صاحبین کہتے ہیں کہ اُس دن کی قیمت معتبر ہو گی، جس دن وہ زکوٰۃ ادا کر رہا ہے اور جانوروں میں بالاتفاق ادا کرنے کے دن کی قیمت کا اعتبار ہے اور صحیح تر یہی قول ہے۔

اور مال کی قیمت میں وہاں کی قیمت چاہیے جس شہر میں وہ مال ہو اور اگر وہ مال جنگل میں ہے تو اس صورت میں اس شہر کی قیمت کا اعتبار ہو گا جو شہر اُس جنگل سے قریب تر ہو، کذافی الفتح۔ (اور اگر کسی غلام کو ایک دوسرے شہر میں تجارت کے لیے بھیجا تھا تو اسی شہر کی قیمت قابل اعتبار ہو گی مالک کے شہر کی قیمت کا اعتبار نہیں ہو گا)

زکوٰۃ میں درمیانہ مال لینا

زکوٰۃ وصول کرنے والے کا فرض ہے کہ وہ زکوٰۃ میں اوسط درجہ کا مال لے، (نہ بالکل عمدہ لے اور نہ گھٹیا) اور اوسط درجہ کا مال وہ ہے جو اعلیٰ سے کم درجہ کا ہو، اور ادنیٰ سے زیادہ درجہ کا، اور اگر سارا مال عمدہ ہی ہو تو، زکوٰۃ وصول کرنے والا زکوٰۃ میں بھی اعلیٰ قسم کا ہی لے گا۔ (ماحصل یہ ہے کہ دونوں طرف کی رعایت میں مالک مال کی بھی اور بیت المال کی بھی)

اگر صدقہ وصول کرنے والا اُس طرح کا جانور نہ پائے جو قاعدہ میں واجب ہوا ہے، تو اس صورت میں مالک اس سے ادنیٰ درجہ کا دے گا مگر اس کے ساتھ کچھ فاضل بھی دے گا جس سے کمی کی تلافی کی جائے۔ اس لیے کہ اس صورت میں قیمت کا لحاظ کر کے ادا کرنا چاہیے، یا مالک اس واجب شدہ جانور سے بڑا جانور دے اور جو قیمت زیادہ ہو، صدقہ وصول کرنے والا بلا جبر وہ مالک کو واپس کرے، اس لیے کہ اس صورت میں صدقہ وصول کرنے والا خریدار کے حکم میں ہے لہٰذا اس کی رضامندی ضروری ہے، یہی صحیح ہے کذافی السراج یا مالک اس واجب شدہ جانور کے بدلے اس کی قیمت ادا کر دے مقصد یہ ہے کہ صدقہ پورے طور پر بلا کم و بیش ادا ہو جائے۔

اگر کوئی چار اوسط درجہ کی بکریوں کے بدلے میں تین موٹی عمدہ بکریاں زکوٰۃ کے اندر دے تو یہ جائز ہے (اگر قیمت کے اعتبار سے بیت المال کو خسارہ نہیں ہے)

والمستفاد و لو بهبة او ارث وسطا لحول يضم الى نصاب من جنسه فيزكيه بحول الاصل و لو ادى زكوة نقده ثم اشترى به سائمة لا تضم ولو له نصابان مما لم يضم احدهما كثمن سائمة مزكاة والف درهم وورث الفا ضمت الى اقربهما حولا و ربح كل يضم الى اصله.

درمیان سال میں اضافہ شدہ مال کی زکوٰۃ

جو مال درمیان سال میں حاصل ہوا ہے وہ بذریعہ ہبہ آیا ہو یا وراثت میں پایا ہو اس کو اس کی جنس کے نصاب کے ساتھ ملا دیا جائے گا پھر اصل نصاب کے سال پورا ہونے پر اس کی زکوٰۃ دی جائے گی۔ (جانوروں میں بچے کا درمیانِ سال میں اضافہ ہو، یا تجارت کے مال میں نفع سے اضافہ ہوا ہے سب کا حکم یہی ہے جو مذکور ہوا بشرطیکہ اس کے پاس پہلے سے نصاب کامل ہو لیکن اگر پہلے سے وہ مالک نصاب نہیں تھا، تو بچوں کے اضافہ کے بعد یا نفع والے مال کے اضافہ کے بعد جس وقت نصاب پورا ہوا ہے اس کے بعد جب سال پورا ہوگا تب زکوٰۃ واجب ہوگی، بخلاف اس صورت کے کہ سال کے شروع میں نصاب کامل کا مالک تھا پھر درمیان میں وہ نصاب کسی وجہ سے ناقص ہو گیا، پھر اخیر سال میں نصاب پورا ہو گیا تو اس صورت میں درمیان سال کے نقصان کا اعتبار نہیں ہوتا ہے اول و آخر کا اعتبار ہوگا اور حکم دیا جائے گا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اصل نصاب کا باقی رہنا ضروری ہے، اگر اصل نصاب ضائع ہو جائے گا تو درمیان سال میں جو کچھ حاصل ہوا ہے اس کا سال نئے سرے سے شمار کیا جائے گا۔

پہلے اور بعد کے خریدے ہوئے جانوروں کا حکم

اگر کوئی اپنی نقد رقم کی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اس نقد سے چرنے والے جانور خریدے، تو یہ جانور پہلے جانوروں کے ساتھ نہیں ملائے جائیں گے (اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس کچھ جانور تھے اور کچھ نقد مال، اس نقد کی زکوٰۃ نکال کر اس نے اس بقیہ نقد سے مزید جانور خرید لیے تو حکم یہ ہے کہ یہ نئے خریدے ہوئے جانور پہلے والے جانوروں کے ساتھ نہیں ملائے جائیں گے، بلکہ ان نئے خریدے ہوئے جانوروں کا سالِ زکوٰۃ الگ ہوگا۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے اور صاحبین کہتے ہیں کہ ان دونوں جانوروں کو ملا دیں گے، یہی حکم اس صورت کا بھی ہوگا جب ایسا شخص جانوروں کی زکوٰۃ ادا کر کے جانوروں کو نقد کے بدلے بیچ دے گا۔

اگر کسی کے پاس ایسے دو نصاب ہیں جن میں سے ایک کو دوسرے میں ملایا نہیں جاتا ہے جیسے زکوٰۃ ادا کیے ہوئے جانوروں کی قیمت ہو اور نقد ایک ہزار دراہم ہوں، پھر اس کو وراثت میں ایک ہزار دراہم اور ملے تو یہ ہزار کی رقم پہلے دونوں نصابوں میں سے اُس نصاب کے ساتھ ملائی جائے گی جس نصاب کا سال پہلے پورا ہونے والا ہو، کیوں کہ اس میں فقیروں کا فائدہ ہے، اور ان میں سے ہر ایک کا نفع اس کی اصل کے ساتھ ملایا جائے گا گو اس کے سال کے پورا ہونے میں دیر ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ نفع اپنی اصل کے تابع ہوا کرتا ہے اور جانوروں کے بچوں کا بھی یہی حکم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اصل کے ساتھ ملائے جائیں گے۔

اخذ البغاۃ والسلاطین الجائزۃ زکوۃ الاموال الظاهرۃ کالسوائم والعشر والخراج لا اعادۃ علی اربابها ان صرف الماخوذ فی محله الآتی ذکرہ والا یصرف فیه فعلیهم فیما بینهم و بین الله اعادۃ غیر الخراج لانهم مصارفه واختلف فی الاموال الباطنة ففی الولواجیة و شرح الوهبانیة المفتی به عدم الاجزاء و فی المبسوط الاصح الصحة اذا نوی بالدفع لظلمة زماننا الصدقة علیهم لانهم بما علیهم من التبعات فقراء حتی افتی امیر بلخ بالصیام لکفّارۃ عن یمینه ولواخذها الساعی جبرا لم تقع زکوۃ لکونها بلا اختیار و لکن یخیر بالحبس یودی بنفسه لان الاکراہ لاینافی الاختیار لکن فی التجنیس المفتی به سقوطها فی الاموال الظاهرۃ لا الباطنة.

باغی اور ظالم بادشاہ کا زکوٰۃ لینا

اگر کہیں باغی یا ظالم بادشاہ اموال ظاہری کی زکوٰۃ لے لے جیسے جانوروں کی زکوٰۃ یا عشر اور خراج، تو اس صورت میں مالکوں کے ذمہ زکوٰۃ دوبارہ ادا کرنا لازم نہیں ہے مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ باغی اور ظالم بادشاہ نے زکوٰۃ اور عشر وغیرہ کو اس کے صحیح مصرف میں خرچ کیا ہو، جس کی تفصیل باب اُسرف میں آرہی ہے، لیکن اگر اس نے اس زکوٰۃ اور عشر وغیرہ کی رقم جائز مصرف میں خرچ نہیں کی ہے، تو از راہ دیانت مال والوں کو اس مال کی زکوٰۃ دوبارہ دینا ہوگی، البتہ خراج کا اعادہ اس صورت میں لازم نہیں ہے، کیوں کہ وہ لوگ بھی خراج کے مصرف میں داخل ہیں کیوں کہ خراج مقاتلین کا حق ہے، اور باغی حربیوں سے جنگ کرتے ہیں، (اموال ظاہری اس مال کو کہتے ہیں جس کی زکوٰۃ حاکم اہل اسلام سے وصول کرے یا جو مال عشر لینے والے کے سامنے آئے)

اموال باطنی کی زکوٰۃ اور باغی

اموال باطنیہ میں البتہ اختلاف ہے کہ باغیوں نے اگر اس کی زکوٰۃ لے لی ہو تو پھر دوبارہ دینی ہوگی یا نہیں ولوالجیہ اور شرح الوہبانیہ میں عدم کفایت کو مفتی بہ قرار دیا ہے یعنی باغیوں کا لے لینا کافی نہیں ہوگا، (مال باطنی نقد اور اسباب تجارت کو کہتے ہیں، باغیوں نے اگر مال باطن کی زکوٰۃ لے لی ہے تو فتویٰ اس پر ہے کہ مالک کی طرف سے یہ کافی نہیں ہوگی، اس کو پھر دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے مگر شرط یہ ہے کہ یہ عشر وصول کرنے والے کے سامنے نہ لی گئی ہو، ورنہ مال ظاہر کی زکوٰۃ کا حکم ہوگا)

اور اموال باطنیہ کی زکوٰۃ کے سلسلہ میں جسے باغیوں نے لے لی ہو مبسوط میں یہ ہے کہ صحیح تر قول کے مطابق زکوٰۃ کی ادائگی درست ہو جائے گی اور مالک کو دوبارہ دینا لازم نہیں ہے، مگر یہ درستی اس وقت ہے جب مالک نے ظالموں اور باغیوں کو دینے سے اس کے اوپر صدقہ کرنے کی نیت کی ہو کیوں کہ وہ لوگ بسبب ان حقوق کے جو ان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں محتاج ہیں اور یہی وجہ ہے کہ امیر بلخ کو یہ فتویٰ دیا گیا تھا کہ وہ اپنے قسم کے کفارہ میں روزہ رکھے (قسم کا کفارہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے، یا ان کو کپڑے دے، یا غلام آزاد کرے، اور جب ان میں سے کسی کی سکت نہ ہو تو پھر روزے رکھے، امیر بلخ کے پاس موجود لوگوں کے حقوق سے زیادہ چوں کہ مال نہیں تھا، اس لیے اس کو محتاج قرار دے کر یہ فتویٰ دیا گیا تھا کہ کفارۂ یمین میں وہ روزے رکھ لے)

زبردستی زکوٰۃ وصول کرنا

اگر صدقہ وصول کرنے والا کسی شخص سے زبردستی زکوٰۃ لے لے، تو اس سے اس مالک کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اس لیے کہ اس مال میں مالک کا اختیار اور اس کی نیت نہیں پائی گئی جس کا پایا جانا ضروری تھا اس وجہ سے حکم یہ ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے والے مالک مال کو قید کر کے مجبور کیا جائے کہ بطور خود زکوٰۃ کی رقم ادا کردے کیوں کہ دباؤ ڈالنا اختیار کے منافی نہیں ہے (مگر مختصر کرخی میں یہ لکھا ہے کہ اگر امام نے جبراً کسی سے صدقہ وصول کر کے اس کے مصرف میں لگادیا ہے تو وہ کافی ہے اور زکوٰۃ ادا ہو گئی، کیوں کہ امام المسلمین کو مال لینے کا اختیار حاصل ہے، لہٰذا اس کا لے لینا مالک کے دینے کے قائم مقام ہو جائے گا، بحر الرائق میں اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ اگر اس نے اموال ظاہری میں زبردستی زکوٰۃ لی ہے، تو فرض ساقط ہو جائے گا اس وجہ سے کہ سلطان اور اس کے نائب کو مال کے لینے کا حق حاصل ہے اور اگر اس نے اموال باطنی میں سے زکوٰۃ کی رقم زبردستی لی ہے تو فرض ساقط نہیں ہوگا)

اور تجنیس نامی کتاب میں یہ ہے کہ ظالم حاکم کو زکوٰۃ وغیرہ دینے کی صورت میں مفتی بہ قول یہ ہے کہ اموال ظاہری میں زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے مگر اموال باطنی میں زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی ہے۔

ولوخلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه فتجب الزكوة فيه و يورث عنه لان الخلطا ستهلاك اذا لم يمكن تميزه عند ابى حنيفة وقوله ارفق اذ قلما يخلو مال عن غصب و هذا اذا كان له مال غير ما استهلكه بالخلط منفصل عنه يوفى دينه والا فلا زكوة كما لوكان الكل خبيثا كما فى النهر عن الحواشى السعدية و فى شرح الوهبانية عن البزازية انما يكفر اذا تصدق بالحرام القطعى اما اذا اخذ من انسان مائة و من آخر مائة و خلطهما ثم تصدق لا يكفر لانه لبس بحرام لعينه بالقطع لاستهلاكه بالخلط.

بادشاہ کا اپنے مال کے ساتھ چھینا ہوا مال ملا لینا

اگر کوئی بادشاہ... چھینا ہوا مال اپنے مال کے ساتھ ملا لے گا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا، اور اس مال میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اس وقت وراثت بھی جاری ہوگی، چھینا ہوا مال اس طرح ملا لینا کہ تمیز ممکن نہ ہو، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قصداً ضائع کر دینے کے درجہ میں ہے (اور ضائع کر دینے سے ضمان لازم آتا ہے، لہٰذا ضمان کے عوض وہ مال مغصوب کا مالک ہو جائے گا) امام ابو حنیفہؒ کے قول میں لوگوں کے لیے سہولت ہے اس واسطے کہ کمتر ہی مال ایسا ہوتا ہے جو غصب سے خالی ہوتا ہے (البتہ صاحبین کے نزدیک ضمان لازم نہیں ہوتا ہے اور جب ضمان لازم نہیں ہوتا تو ملک بھی ثابت نہیں ہوگی اور جب ملک ثابت نہیں ہوگی تو وراثت بھی جاری نہ ہو سکے گی)

اور ملانے کی صورت میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب اس کے پاس اس مال کے سوا جس کو ملا کر ہلاک کیا گیا اتنا مال اور موجود ہو جو اس کے دَین کے لیے کافی ہو، ورنہ زکوٰۃ لازم نہیں ہوگی، جس طرح کل مال کے خبیث ہونے کی صورت میں زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی ہے کذافی النہر عن الحواشی السعدیہ۔

(مطلب یہ ہے کہ مال خبیث جب نصاب کو پہنچ جائے گا تو اس میں زکوٰۃ لازم نہیں ہوگی کیوں کہ اس تمام مال خبیث کا

صدقہ کردینا واجب ہے)

حرام مال صدقہ کرنا

وہبانیہ کی شرح میں فتاویٰ بزازیہ سے نقل کرکے لکھا ہے کہ آدمی اس وقت کافر ہوتا ہے جب وہ حرام قطعی کو حلال سمجھ کر بہ نیت ثواب صدقہ کرے، لیکن اگر اس نے ایک شخص سے سو روپے لیے اور پھر دوسرے سے بھی سو روپے لیے اور ان دونوں روپوں کو ملادیا پھر صدقہ کیا تو اس صورت میں وہ کافر نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ دونوں سو روپے حرام قطعی نہیں ہیں کیوں کہ دونوں کو ملاکر اس نے ہلاک کردیا اور ہلاک کرنے کی وجہ سے اس پر ضمان لازم ہوگیا، اور ضمان کے واجب ہونے کی وجہ سے وہ اس مال کا مالک بن گیا۔

(شارح نے صرف یہ بتایا ہے کہ وہ اس طرح کافر نہیں ہوگا اور اسی کے ساتھ اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ ملے ہوئے مال میں اس وقت تصرف درست ہے جب وہ ضمان ادا کردے، گو وہ ملادینے کی وجہ سے اس کا مالک ہوگیا ہے، فتاویٰ ظہیریہ میں لکھا ہے کہ کسی شخص نے کسی فقیر کو مالِ حرام سے ثواب کی نیت سے کچھ دیا، تو وہ کافر ہوگیا، اور اگر فقیر یہ تفصیل جانتا ہو اور اس کے باجود اس نے اس کو دُعا دی ہے اور دینے والے نے اس پر آمین کہی تو دونوں کافر ہوگئے، اور شرح وہبانیہ میں لکھا ہے کہ اگر غیر شخص آمین کہے گا تو ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ وہ بھی کافر ہوجائے گا، اور حال یہ ہے کہ لوگ اس مسئلہ سے غافل ہیں، شارح نے یہاں حرام قطعی کی قید لگا کر فتاویٰ ظہیریہ کے قول کو مقید کردیا ہے اور بتایا ہے کہ حرام سے حرام قطعی مراد ہے جس میں آدمی کافر ہوجاتا ہے۔ کذا فی الشامی)

و لو عجل ذو نصاب زكوته لسنين او لنصب صح لوجود السبب و كذا لو عجل عشر زرعه او ثمره بعد الخروج قبل الادراك واختلف فيه قبل النبات و طلوع الثمرة والاظهر الجواز و كذا لو عجل اخراج راسه و تمامه فى النهر و ان وصيلة ايسر الفقير قبل تمام الحول او مات او ارتد و ذلك لان المعتبر كونه مصرفا وقت الصرف اليه لا بعده و لو غرس فى ارض الخراج كرما فما لم يتمر الكرم كان عليه خراج الزرع مجمع الفتاوى

زکوٰۃ قبل از وقت نکالنا

اگر صاحب نصاب کئی سال کی پیشگی زکوٰۃ ادا کردے یا چند نصابوں کی زکوٰۃ دیدے تو اس کا یہ دینا درست ہے، اس وجہ سے کہ زکوٰۃ کا سبب (نصاب) پایا جارہا ہے اسی طرح اگر کوئی کئی سال کا کھیت کا عشر پیشگی ادا کردے یا پھل کا عشر پیشگی ادا کردے کھیتی اور پھل نکلنے کے بعد اور اس کے پکنے سے پہلے تو یہ ادائیگی درست ہے۔ (منشا یہ ہے کہ آنے والے متعدد سال کی زکوٰۃ وقت سے پہلے دیدے گا تو وہ دینا درست ہوگا، اور اتنے سال کی زکوٰۃ اس کے ذمہ سے ادا ہوجائے گی۔

قبل از وقت عشر کی ادائیگی

لیکن اگر پھل نکلنے اور کھیتی اگنے سے پہلے پیشگی عشر نکالے گا تو عشر ادا ہوجائے گا یا نہیں اس میں اختلاف ہے اور ظاہر یہ ہے کہ نکالنا بھی جائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ذمی خراج جو زمیوں پر لگایا جاتا ہے اپنی طرف سے پیشگی کئی سال کا نکال دے اور ادا دیدے وہ بھی جائز ہوگا۔ اس کی پوری تفصیل نہر الفائق میں ہے (قہستانی میں مذکور ہے کہ زمین کا خراج پیشگی ادا کرنا بھی درست ہے)

کئی سال بعد کا عشر پیشگی ادا کر دینا درست ہے اگر چہ فقیر سال کے پورا ہونے سے پہلے مالدار ہو جائے، یا مر جائے یا مرتد ہو جائے اس لیے کہ فقیر کو جس وقت عشر یا زکوٰۃ دی گئی ہے یا دی جائے اس وقت کا اعتبار ہے بعد میں کیا ہوا، اس کا اعتبار نہیں ہے اور دینے کے وقت وہ فقیر تھا تو ادائیگی میں کوئی شبہ نہیں۔

خراجی زمین کے پھل کا حکم اگر خراجی زمین میں کسی نے انگور لگائے تو جب تک انگور پورے طور پر پھل نہیں لائے گا اس پر کھیتی کا خراج لازم ہوگا کیوں کہ بونے کی وجہ سے زرعی زمین معطل ہوگی اور جب انگور پھل دینے لگے گا تو اس وقت اس پر انگور کا خراج ہوگا (کھیتی کا خراج فی جریب ایک صاع اور ایک درہم ہے اور انگور کا خراج دس درہم ہے)

ولا شئ فی مال صبی تغلبی بفتح اللام و تکسر نسبة لبنی تغلب بکسرها قوم من نصاری العرب وعلی المرأة ما علی الرجل منهم لان الصلح وقع منهم کذلك و یؤخذ فی زکوة السائمة الوسط لا الهزم ولا الکرائم ولا توخذ من ترکته بغیر وصیة لفقد شرطها و هوالنیة وان اوصٰی بها اعتبرت من الثلث الا ان تجیز الورثة وحولها ای الزکوة قمری بحر عن القنیة لاشمسی و سیجیٔ الفرق فی العنین شك انه ادی الزکوة اولا یودیها لان وقتها العمر اشباه.

تغلبی کے مال کی زکوٰۃ تغلبی نابالغ لڑکوں کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے (تغلبی لام کے زبر کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے اور زیر کے ساتھ بھی) یہ قبیلہ بنی تغلب کی طرف منسوب ہے جو عرب کے نصاریٰ کا ایک قبیلہ ہے۔ اور جس قدر خراج بنی تغلب کے مردوں پر لازم ہے اتنا ہی ان کی عورتوں پر بھی لازم ہے (اور یہ نصف عشر ہے) اس وجہ سے کہ ان سے صلح اسی طرح طے پائی تھی، تغلبی لڑکوں کے مال میں زکوٰۃ تو نہیں ہے مگر ان سے عشر لیا جاتا ہے اور وہ مسلمان لڑکوں کے اعتبار سے دوگنا لیا جاتا ہے۔ کیوں کہ ان سے اسی شرط کے ساتھ مصالحت ہوئی تھی۔

جانور کی زکوٰۃ میں معیار جانوروں کی زکوٰۃ میں اوسط درجہ کا جانور لیا جائے گا، نہ بوڑھا لیا جائے گا اور نہ خوب بڑھیا (نہ دودھ دینے والا جانور لیا جائے گا نہ گابھن، اور نہ وہ جانور جو جانوروں کے گلّے میں نسل کی افزائش کے لیے رکھے جاتے ہیں)

میّت کے ترکہ میں زکوٰۃ میت کے ترکہ سے بغیر مرنے والے کی وصیت کے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی۔ کیوں کہ زکوٰۃ کے لیے نیت شرط ہے اور وہ اس صورت میں پائی نہیں گئی، اور اگر مرنے والے نے وصیت کی تھی تو زکوٰۃ کا اس کے تہائی مال سے لینا معتبر ہوگا۔ کل مال سے لینا معتبر نہیں ہے کیوں کہ وصیت تہائی مال میں جاری ہوتی ہے البتہ جب ورثاء کل مال سے دینے کو خود جائز رکھیں گے تو کل مال سے لینا درست ہوگا۔

زکوٰۃ کی وصولی قمری سال سے زکوٰۃ کی ادائیگی قمری سال سے معتبر ہے، اس مسئلہ کو بحر نے قنیہ سے نقل کیا ہے، زکوٰۃ میں شمسی سال کا اعتبار نہیں ہے، ان دونوں یعنی قمری اور شمسی سالوں کا فرق

باب العنین میں آئے گا (یعنی وہاں یہ بتائیں گے کہ قمری سال ۳۵۴ دن کچھ اوپر کا ہوتا ہے اور شمسی سال قمری سال سے گیارہ دن زیادہ ہوتا ہے۔

صاحب نصاب کو اس بات میں شک پیدا ہوا کہ اس نے زکوٰۃ ادا کردی ہے یا نہیں، تو اس صورت میں وہ دوبارہ ادا کرے، اس لیے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت پوری عمر ہے کوئی ایسا وقت مقرر نہیں ہے کہ اس کے بعد اس کو قضا کہا جائے۔ کذا فی الاشباہ۔

باب زكوة المال

آل فيه للعهد فى حديث هاتو اربع عشر اموالكم فان المراد به غير السائمة لان زكوتها غير مقدرة به نصاب الذهب عشرون مثقالا والفضة مائتا درهم كل عشرة دراهم وزن سبعة مثاقيل والدينار عشرون قيراطا والدرهم اربعة عشر قيراطا والقيراط خمس شعيرات فيكون الدرهم الشرعى سبعين شعيرة والمثقال مائة شعيرة فهو درهم و ثلث اسباع درهم و قيل يفتى فى كل بلد بوزنهم و سنحققه فى متفرقات البيوع والمعتبر وزنهما اداء وجوبا لا قيمتهما واللازم مبتدأ فى مضروب كل منهما و معموله و لو تبرا او حليا مطلقا مباح الاستعمال اولا و لو للتجمل والنفقة لانهما خلقا اثمانا فيزكيهما كيف كانا و فى عرض تجارة قيمته نصاب الجملة صفة عرض و هوهنا ما ليس بنقد و اما صدم صحة النية فى نحو الارض الخراجية فلقيام المانع كما قدمنا لا لان الارض ليست من العروض فتنبه من ذهب او ورق اى فضة مضروبة فافادان التقويم انما يكون بالمسكوك عملا بالعرف .

مال کی زکوٰۃ کا بیان

زکوٰۃ المال میں المال پر الف لام عہد ذہنی کا ہے اس سے اُس مال کی طرف اشارہ ہے جس کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ تم اپنے مالوں کا چالیسواں حصہ دو اور یہاں مال سے نقد اور تجارت کے سامان مراد ہیں، جانوروں کی زکوٰۃ اس مال میں داخل نہیں ہے اس لیے کہ جانوروں کی زکوٰۃ میں چالیسواں حصہ مقرر نہیں ہے۔

سونے کا نصاب سونے کا نصاب بیس مثقال ہے اور چاندی کا دو سو درہم اس طرح کہ ہر دس درہم سات مثقال کے وزن کے برابر ہوں، اور دینار بیس قیراط کا ہے، اور درہم چودہ قیراط کا، اور ایک قیراط پانچ جو کے برابر

ہوتا ہے، اس حساب سے درہم شرعی ستر جو کا ہوا، اور مثقال سو جو کا، اس حساب سے ایک مثقال برابر ہوا ایک درہم اور تین ساتویں حصے درہم کے۔

سونے اور چاندی کی قیمت

(سونے کا نصاب بیس مثقال یعنی ساڑھے سات تولے ہے، اور چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے، اس کی قیمت ہر زمانہ میں مختلف ہوتی ہے، اس لیے کہ سونا اور چاندی کا بھاؤ گھٹتا اور بڑھتا رہتا ہے اس وقت ۱۳۹۵ھ میں سونا چاندی کا بھاؤ بہت تیز ہے بازار سے قیمت معلوم کر کے ساڑھے سات تولے سونے کی قیمت لگائی جائے اور اسی طرح ساڑھے باون تولے چاندی کی، جو قیمت جس زمانہ میں آئے گی نقد سے وہی نصاب متعین ہوگا۔)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر شہر میں ان کے وزن کے مطابق فتویٰ دیا جائے۔ متفرقات البیوع میں اس کی تحقیق آئے گی (شامی نے کہا ہے کہ ولوالجیہ میں اسی فتویٰ کو پسند کیا گیا ہے اور اسی کو سرخسی نے اختیار کیا ہے اور اسی کو مجتبیٰ میں پسند کیا گیا ہے)

نصاب میں سونے چاندی کے وزن کا اعتبار ہے قیمت کا نہیں

سونے چاندی کی زکوٰۃ کے نصاب میں ادا اور وجوب کے اعتبار سے ان دونوں کے وزن کا اعتبار ہے، ان کی قیمت کا اعتبار نہیں ہے، یعنی سونے چاندی کا جو نصاب بیان کیا گیا ہے اس کے برابر وزن پایا جائے، قیمت کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، مثلاً کسی کے پاس چاندی کا ایک برتن ہے اس کا وزن سو درہم ہے مگر اس برتن کی بناوٹ اتنی اچھی ہے کہ بازار میں اس کی قیمت دو سو درہم ملتی ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ نصاب پورا ہوا یا نہیں، جواب یہ ہے کہ چونکہ وزن سو درہم ہے حالانکہ نصاب دو سو درہم ہے اس لیے نصاب مکمل نہیں ہوا لہٰذا زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی گو قیمت کے اعتبار سے وہ دو سو درہم کا ہے مگر اس کا اعتبار نہیں ہوگا)

سونے چاندی کے سکے اور سامان میں زکوٰۃ

اس مال میں جو سونے چاندی سے ڈھلا ہو جیسے دینار اور درہم یا سونے چاندی سے بنا ہو جیسے برتن یا لگام، اگرچہ وہ سونے یا چاندی کی ڈلی ہیں یا ان سے زیور بنایا گیا ہو خواہ اس کا استعمال جائز ہو یا جائز نہ ہو، پھر وہ خود آرائش کیلئے ہو یا نفقہ اور اخراجات کیلئے رکھا گیا ہو، سب میں زکوٰۃ چالیسواں حصہ لازم ہوگا، اس لیے کہ سونا اور چاندی دونوں ثمن کیلئے پیدا کیے گئے ہیں لہٰذا ان دونوں کی زکوٰۃ دینا ہوگی، جس طرح بھی ان کو رکھا گیا ہو (امام ابو حنیفہؒ کے یہاں زیورات میں بھی زکوٰۃ فرض ہے، گو وہ استعمال کے لیے ہوں، اس لیے کہ سونا چاندی ثمن ہیں، ان کو کسی طرح بھی رکھا جائے زکوٰۃ دینے میں ملک وقت کا خسارہ ہے)

سامان تجارت کی زکوٰۃ

تجارت کے سامان کے اندر جس کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہو، قیمت کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا ہوگا، شارح نے بتایا کہ یہ پورا جملہ عرض کی صفت ہے اور عرض (سامان) سے مراد یہ ہے کہ نقد نہ ہو، خراجی زمین میں تجارت کی نیت صحیح نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کا دوبارہ دینا لازم آتا ہے، کیوں کہ جب اس زمین کا خراج لیا جارہا ہے تو پھر تجارت کی نیت کو درست قرار دے کر دوبارہ اس کی زکوٰۃ کیسے لی جائے گی، بس یہ وجہ ہے ورنہ زمین پر عرض (سامان) کا لفظ صادق آتا ہے، لہٰذا اسے یاد رکھنا چاہیے۔ نصاب کے سلسلہ میں اسباب تجارت کی قیمت سونے یا چاندی کے سکہ سے لگائی جائے گی، شارح نے بتایا کہ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ متعارف یہ ہے کہ قیمت عملاً

سکہ سے لگائی جاتی ہے دوسری چیز سے قیمت نہیں لگائی جاتی ہے۔

مقوما باحدهما ان استويا فلو احدهما اروج تعين التقويم به ولو بلغ باحدهما نصابا دون الآخر تعين ما يبلغ به و لو بلغ باحدهما نصابا و خمسا و بالآخر اقل قوّمه بالانفع للفقير سراج ربع عشر خبر قوله اللازم وفي كل خمس بضم الخاء بحسابه ففي كل اربعين درهما درهم و في كل اربعة شاقيل قيراطان و مابين الخمس الى الخمس عفو و قالا مازاد بحسابه و هي مسئلة الكسور.

سامانِ تجارت کی قیمت سونے اور چاندی دونوں سکوں کا چلن اگر برابر ہو کوئی فرق نہ ہو تو نصاب کے سلسلہ میں سامانِ تجارت کی قیمت یا سونے سے لگائی جائے گی یا چاندی سے لیکن اگر ان میں سے ایک زیادہ رائج ہو اور دوسرا کم یا بالکل نہیں تو اس صورت میں قیمت اس سکہ سے لگائیں گے جس کا زیادہ رواج ہے اور قیمت لگانے میں یہی سکہ متعین ہوگا۔

سونا چاندی میں ایک سے قیمت لگائی جاتی ہے تو وہ قیمت نصاب کو پہنچ جاتی ہے اور دوسری سے قیمت لگائی جاتی ہے تو نصاب کو نہیں پہنچتی ہے تو اس صورت میں جس کے ساتھ قیمت لگانے سے قیمت نصاب کو پہنچتی ہے قیمت لگانے کے لیے وہی چیز متعین ہوگی (مثلاً مالِ تجارت کی قیمت اگر چاندی سے لگائی جاتی ہے تو ساڑھے باون تولے کی قیمت کو پہنچ جاتی ہے اور سونے سے قیمت لگائی جاتی ہے تو ساڑھے سات تولے کی قیمت کو نہیں پہنچتی ہے تو اس صورت میں چاندی سے قیمت لگائی جائے گی سونے سے قیمت نہیں لگائی جائے گی اس لیے کہ اس میں فقراء کا فائدہ ہے۔

قیمت لگانے میں فقیر کی رعایت اسی طرح اگر چاندی سے قیمت لگائی جاتی ہے تو وہ قیمت نصاب کو بھی پہنچتی ہے اور اس سے زیادہ بھی ہو جاتی ہے، اور سونے سے قیمت لگانے میں صرف نصاب کو قیمت پہنچتی ہے زیادہ نہیں ہوتی ہے، یا اس کا برعکس ہے تو اس صورت میں اس چیز سے قیمت لگائی جائے گی جس میں فقیر کا نفع زیادہ ہو، اور یہ بات ظاہر ہے کہ فقیر کا نفع اس صورت میں ہے جس میں قیمت نصاب سے بڑھ جائے تاکہ زکوٰۃ کی رقم زیادہ نکلے کذا فی السراج۔ (مثلاً اگر درہم (چاندی) سے قیمت لگاتے ہیں تو دو سو چالیس درہم قیمت ہوتی ہے اور زکوٰۃ زیادہ نکلتی ہے اور دینار سے قیمت لگاتے ہیں تو زکوٰۃ کم نکلتی ہے تو اس صورت میں درہم سے قیمت لگائی جائے گی)

مقدارِ زکوٰۃ نصاب کے ہر پانچویں حصہ میں زکوٰۃ اسی مذکور حساب سے واجب ہوتی ہے یعنی ہر چالیس درہم میں ایک درہم اور ہر چار مثقال میں دو قیراط اور ایک خمس سے دوسرے خمس تک کے درمیان کی زکوٰۃ معاف ہے، البتہ صاحبین کہتے ہیں کہ خمس سے جتنا زیادہ ہوگا حساب سے اتنے کی بھی زکوٰۃ واجب ہوگی اور یہ کسور کا مسئلہ ہے جو اس حدیث سے ماخوذ ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ کسروں میں کچھ زکوٰۃ نہ لو "لا تاخذ من الكسور شيئاً"

وغالب الفضه والذهب فضة و ذهب و ما غلب غشه منهما يقوم كالعروض و

يشترط فيه النية الا اذا كان يخلص منه ما يبلغ نصابا او اقل و عنده ما يتم به او كانت اثمانا رائجة و بلغت نصابا من ادنى نقد تجب زكوته فتجب والا فلا واختلف في الغش المساوى والمختار لزومها احتياطا خانية و لذا الاتباع الاوزنا و اما الذهب المخلوط بفضة فان غلب الذهب فذهب والا فان بلغ الذهب او الفضة نصابا وجبت .

کھوٹ ملی ہوئی چاندی سونے کا حکم

سونا اور چاندی میں اگر ملاوٹ ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ غالب حصہ کیا ہے؟ اگر ملاوٹ پر سونا چاندی غالب ہے تو اس پر سونا چاندی کا حکم ہوگا اور اس میں سونا چاندی کی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر ملاوٹ یعنی کھوٹ کا حصہ غالب ہو تو وہ سونا چاندی سامان کے حکم میں قرار پائے گا اور جس طرح سامانِ تجارت کی قیمت لگا کر زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اسی طرح اس صورت میں بھی کریں گے اور اس وقت شرط یہ ہوگی کہ اس ملاوٹ والی چاندی میں اور سونا میں تجارت کی نیت ہو۔

اگر ملاوٹ غالب ہو

ملاوٹ اور کھوٹ کے غالب ہونے کی صورت میں نیت شرط ہے مگر اس وقت جب اس ملاوٹ والی چیز سے اتنا سونا چاندی نکل سکے جو نصاب زکوٰۃ کی تعداد کو پہنچتا ہو، یا سونا چاندی تو نصاب سے کم ہو، مگر اس کے پاس تجارت کی دوسری چیز اس مقدار میں ہو کہ نصاب کی کمی اس سے پوری ہو سکتی ہو، یا اس کے پاس نقد ہو، جس سے نصاب کی تکمیل ہو جاتی ہو، یا وہ ملاوٹ اور کھوٹ والا سونا اور چاندی اس وقت کا مروجہ ثمن ہو اور وہ نقد کے ادنیٰ نصاب کے برابر ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، تو ان تمام صورتوں میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر مذکورہ صورتیں نہیں ہیں اور نصاب کے برابر نہیں ہو پاتی تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ملاوٹ والی چاندی اور ملاوٹ والا سونا میں چاندی اور کھوٹ اور اسی طرح سونا اور کھوٹ برابر برابر ہو، تو اس میں اختلاف ہے مگر مذہب مختار یہ ہے کہ اس صورت میں احتیاطاً زکوٰۃ لازم ہوگی۔ کذافی الخانیہ، اور اسی وجہ سے اس کو بغیر تولے ہوئے نہیں بیچا جائے گا۔ تاکہ ربوا (سود) لازم نہ آنے پائے۔

جب سونا اور چاندی باہم ملے ہوں

اور اگر سونا اور چاندی باہم ملے ہوں تو اگر سونا کا حصہ زیادہ ہوگا، تو وہ سونے کے حکم میں ہوگا اور اگر سونا غالب نہ ہو لیکن سونا چاندی دونوں مل کر نصاب کو پہنچتے ہوں تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (تاتارخانیہ میں ہے کہ جب چاندی غالب ہو اور سونا مغلوب، یعنی دو ثلث چاندی اور ایک تہائی سونا، تو اس صورت میں کل کا حکم چاندی کا نہیں ہوگا، کیوں کہ سونا قیمتی چیز ہے، اپنے سے کمتر کا تابع نہیں ہو سکتا ہے، یوں اس کے ملنے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں نیچے ایک نقشہ دیا جارہا ہے اسے ملاحظہ فرمائیں اور سمجھنے کی سعی کریں۔

نقشہ زکوٰۃ مخلوط سونا چاندی میں کب زکوٰۃ لازم ہے کب نہیں

(۱)	(۲)	(۳)
سونا غالب اور ہر ایک نصاب بقدر نصاب سونا کا حکم ہوگا	چاندی غالب اور ہر ایک بقدر نصاب سونا کا حکم ہوگا	دونوں برابر اور ہر ایک بقدر نصاب سونا کا حکم ہوگا

(۴)	(۵)	(۶)
سونا غالب اور فقط سونا ہی بقدر نصاب سونا کا حکم ہوگا	چاندی غالب اور فقط سونا بقدر نصاب حکم سونا کا ہوگا	دونوں برابر اور فقط سونا بقدر نصاب سونا کا حکم ہوگا
(۷)	(۸)	(۹)
سونا غالب اور صرف چاندی بقدر نصاب ناممکن ہے	چاندی غالب اور صرف سونا بقدر نصاب چاندی کا حکم ہوگا	دونوں برابر اور فقط چاندی بقدر نصاب ناممکن ہے
(۱۰)	(۱۱)	(۱۲)
سونا غالب اور دونوں میں سے کوئی بقدر نصاب نہیں زکوٰۃ نہیں ہوگی	چاندی غالب اور دونوں میں کوئی بقدر نصاب نہیں اس میں زکوٰۃ نہیں	دونوں برابر اور کوئی بقدر نصاب نہیں زکوٰۃ نہیں ہے

اس میں ایک شکل رہ گئی کہ سونا چاندی دونوں مل کر نصاب پورا کرتے ہوں یہ صورت متن میں آچکی ہے۔

و شرط كمال النصاب و لو سائمة في طرفي الحول في الابتداء للانعقاد و في الانتهاء للوجوب فلا يضر نقصانه بينهما فلو هلك كله بطل الحول و اما الدين فلا يقطع الحول و لو مستغرقا و قيمة العرض للتجارة تضم الى الثمنين لان الكل للتجارة وضعا وجعلا و يضم الذهب الى الفضة و عكسه بجامع الثمنية قيمة و قالا بالاجزاء فلو له مائة درهم و عشرة دنانير قيمتها مائة و اربعون تجب ستة عنده و خمسة عندهما فافهم.

نصاب میں سال کے اوّل و آخر کا اعتبار

نصاب کے پورے ہونے کی شرط سال کے اوّل و آخر میں ابتداءً انعقاد کے لیے ہے اور آخر میں وجوب کے لیے، خواہ وہ جانور ہی کیوں نہ ہوں لہٰذا درمیان سال میں نصاب کا نقصان (کم ہونا) زکوٰۃ کے واجب ہونے میں مانع نہیں ہے یعنی اس صورت میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر کل کا کل نصاب ہلاک ہوگیا ہے تو اس سال کا حساب باطل ہو جائے گا یہاں تک کہ اگر اسی سال میں اس کو دوسرا مال مل جائے گا تو اس کے لیے نیا سال شروع ہوگا کذافی الشامی، رہا قرض تو یہ سال کو ختم نہیں کرتا ہے اگرچہ دین میں سب غرق ہو، یہ قول امام ابو یوسفؒ کا ہے اور امام اعظمؒ سے بھی ایسا ہی منقول ہے جیسا کہ مجمع میں ذکر کیا گیا ہے۔

شارح نے شروع کتاب الزکوٰۃ میں جہاں مصنف نے یہ کہا ہے ''فلا زکوٰۃ علی مکاتب ومدیون للعبد الخ'' وہاں انھوں نے کہا ہے کہ قرض کا پیش آجانا امام محمدؒ کے نزدیک نصاب کے ہلاک ہو جانے کے مانند ہے اور اسی کو بحر میں ترجیح دیا ہے، کذافی الشامی۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں تجارت کے سامان کی قیمت نقود کے ساتھ ملائی جائے گی، اس لیے کہ یہ ساری پونجی تجارت کی ہی

ہے، نقد اصل وضع کے اعتبار سے اس میں شامل ہے اور تجارت کا سامان مالک کی نیت تجارت کی وجہ سے۔

سونا اور چاندی کے ملانے میں قیمت کا اعتبار ہے یا اجزاء کا

سونے کو چاندی کے ساتھ اور چاندی کو سونے کے ساتھ باعتبار قیمت ملایا جائے گا، کیوں کہ ان دونوں (سونا چاندی) میں ثمنیت پائی جاتی ہے اور صاحبین فرماتے ہیں کہ سونے کو چاندی کے ساتھ اور اور چاندی کو سونے کے ساتھ باعتبار اجزاء ملائیں گے، للہٰذا اگر زکوٰۃ دینے والے کے پاس ایک سو درہم ہوں اور دس دنانیر (اشرفیاں) اور ان دنانیر کی قیمت ایک سو چالیس ہو، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس میں چھ درہم زکوٰۃ واجب ہوگی، اور صاحبین کے نزدیک پانچ درہم (بات یہ ہے کہ سو درہم چاندی کا آدھا نصاب ہے، اور دس دنانیر، سونے کا آدھا نصاب ہے، اجزاء کے اعتبار سے دونوں مل کر ایک نصاب بنے گا، للہٰذا صاحبین کہیں گے ایک نصاب (وہ سو درہم) کی زکوٰۃ چونکہ پانچ درہم ہوتی ہے للہٰذا مالک نصاب پانچ درہم زکوٰۃ دے گا، اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ سونا اور چاندی کے ملنے میں قیمت کا اعتبار ہوتا ہے تو اس قاعدہ سے قیمت چونکہ دو سو چالیس درہم ہوئی اس کی زکوٰۃ چھ دراہم ہوگی کیوں کہ سو درہم کی زکوٰۃ ڈھائی درہم ہوئی، اور ایک سو چالیس درہم جو دس دنانیر کی قیمت ہے اس کی زکوٰۃ ساڑھے تین درہم ہوئی، سو کی ڈھائی اور چالیس کی ایک، اس طرح دونوں مل کر چھ درہم ہوتے ہیں للہٰذا وہ چھ درہم زکوٰۃ ادا کرے گا۔

صاحبین کے نزدیک سو درہم اور دس دنانیر کی زکوٰۃ

شامیؒ کا کہنا ہے کہ شارح نے نہر الفائق کتاب کی پیروی میں لکھ دیا ہے کہ صاحبین کے نزدیک زکوٰۃ پانچ درہم ہوگی حالانکہ ایسا نہیں ہے کیوں کہ صورت مفروضہ میں صاحبین کے نزدیک بھی زکوٰۃ چھ درہم ہی ہوگی، کیوں کہ ہر نصف و نصاب کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں لازم ہوگا، جب دس دنانیر نصف نصاب ہے تو اس کا چالیسواں حصہ ایک دنانیر کا چوتھائی حصہ زکوٰۃ قرار پائے گا، اور جب دس دینار کی قیمت ایک سو چالیس مانی گئی ہے، تو اس حساب سے ایک دینار کی قیمت چودہ درہم ہوگی، اور چوتھائی دینار کی قیمت درہم کے اس حساب سے ساڑھے تین درہم ہوگی، ساڑھے تین درہم یہ اور ڈھائی درہم سو درہم کی زکوٰۃ اس طرح ساڑھے تین اور ڈھائی مل کر چھ درہم ہوئے نہ کہ پانچ۔ فافہم کہہ کر شارح نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک قیمت کا اعتبار کرنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ دونوں کا نصاب پورا ہوسکے۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی کا بھی نصاب پورا ہو جائے خواہ چاندی کا خواہ سونے کا۔

ولا تجب الزكوة عندنا فى نصاب مشترك من سائمة و مال تجارة ان صحت الخلطة فيه باتحاد اسباب الاسامة التسعة التى يجمعها اوص من يشفع و بيانه فى شروح المجمع و ان تعدد النصاب تجب اجماعا و تيراجعان بالحصص و بيانه فى الحاوى فان بلغ نصيب احدهما نصابا زكاه دون الآخر و لو بينه و بين ثمانين رجلا ثمانون شاة لا شئ عليه لانه مما لا يقسم خلافا للثانى سراج.

نصاب مشترک کی زکوٰۃ

احناف کے نزدیک "مشترک نصاب" میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے، خواہ یہ جانور کا نصاب ہو خواہ مال تجارت کا اور خواہ یہ ملانا اُن نو سببوں کے متحد ہونے کی وجہ سے درست ہی کیوں نہ

ہو جس کی طرف او ص من یشفع کا جملہ اشارہ کرتا ہے، اور جس کی تفصیل شرح مجمع میں موجود ہے (نصاب مشترک سے یہاں مراد یہ ہے کہ ہر شخص کا جدا جدا مال تو نصاب کو نہ پہنچے، اور وہ زکوٰۃ کے لائق نہ ہو، مگر جب ان دونوں کے مال ملا دیئے جائیں تو نصاب پورا ہو جائے اور نو سبب اتحاد جس کی طرف جملہ سے اشارہ ہے یہ ہے: (۱) دونوں شریک، وجوب زکوٰۃ کے اہل ہونے میں شریک ہوں، (۲) شروع سال میں دونوں ملے ہوئے ہوں، (۳) اور یہ ملنا اختیاری رہا ہو، (۴) دونوں کے جانور ایک جگہ چرنے جاتے ہوں، (۵) دونوں کے جانور کے دوہنے کے برتن ایک ہوں، (۶) دونوں کے جانور کو ایک شخص چراتا ہو، (۷) دونوں شخصوں کے جانور کے پانی پینے کا ایک تالاب یا ایک کنواں ہو، (۸) دونوں کے جانور ایک نر سے پال کھاتے ہوں، (۹) دونوں کے جانوروں کی چراگاہ بھی ایک ہو۔ ان سارے اسباب اتحاد کے باوجود جب الگ الگ دونوں کے جانور یا اسی طرح مال، نصاب کو نہ پہنچتے ہوں اور ملا دینے سے نصاب کو پہنچ جاتے ہوں تو زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی)

البتہ جب ان کے نصاب ملانے سے پہلے متعدد ہوں تو بالاتفاق دونوں پر زکوٰۃ واجب ہو گی اس لیے کہ دونوں کے مال الگ الگ نصاب کو پورا کرتے ہیں اور دونوں جب مل کر زکوٰۃ نکالیں گے تو ان میں سے ہر ایک دوسرے سے اپنے مال کے حصہ کے حساب سے جو زیادہ ہے واپس لے لے گا۔ لیکن جب ان دونوں میں سے ایک کا مال نصاب کو پہنچتا ہے اور دوسرے کا نہیں تو جس کا پہنچتا ہے صرف اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔ اور وہی زکوٰۃ دے گا دوسرے پر واجب نہیں ہو گی اور وہ نہیں دے گا۔

اور اگر اس ایک شخص اور دوسرے اسی شخصوں کی شرکت میں اسی بکریاں ہوں تو اس صورت میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے کیوں کہ یہ مال مشترک اس طرح کا ہے کہ اس کی تقسیم نہیں ہو سکتی ہے یعنی ہر بکری کو آدھا آدھا تقسیم نہیں کیا جا سکتا ہے۔

و اعلم ان الديون عند الامام ثلثة قوى و متوسط و ضعيف فتجب زكوتها اذا تم نصابا و حال الحول لكن لا فورا بل عند قبض اربعين درهما من الدين القوى كقرض وبدل مال تجارة فكلما قبض اربعين درهمان درهم و عند قبض مائتين لغيرها اى من بدل مال لغير تجارة و هو المتوسط كثمن سائمة و عبيد خدمة و نحوهما مما هو مشغول بحوائجه الاصلية كطعام و شراب و املاك و يعتبر ما مضى من الحول قبل القبض فى الاصح و مثله مالو ورث دينا على رجل و عند قبض مائتين مع حولان الحول بعده اى بعد القبض من دين ضعيف و هو بدل غير مال كمهر و دية و بدل كتابة و خلع الا اذا كان عنده ما يضم الى الدين الضعيف كما مر و لو ابرأ رب الدين المديون بعد الحول فلا زكوة سواء كان الدين قويا او لا خانية و قيده فى المحيط بالمعسر و اما الموسر فهو استهلاك فيلحفظ بحر قال فى النهر و هذا ظاهر فى انه تقييد للاطلاق و هو غير صحيح فى الضعيف كما لا يخفى

قرض کی قسمیں اور ان کا حکم

دیون کی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تین قسمیں ہیں: (۱) قوی (۲) متوسط (۳) ضعیف، پس زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب نصاب پورا ہو اور اس پر سال گذر جائے

لیکن فی الفور نہیں، بلکہ اس وقت جب کہ دَین قوی میں سے چالیس درہم پر اس کا قبضہ ہو جائے گا اور دَین قوی قرض یا مال تجارت کا بدل ہے لہٰذا جب جب چالیس درہم وصول کرے گا ایک ایک درہم زکوٰۃ میں دے گا گویا ہر چالیس درہم پر ایک درہم زکوٰۃ لازم ہوگی۔

دَین متوسط کی زکوٰۃ

اور جب وہ تجارت کا مال نہ ہو تو دو سو درہم قبضہ میں آنے کے بعد زکوٰۃ لازم ہوگی اور یہ دَین متوسط ہے جیسے جانوروں کی قیمت یا خدمت کے غلام ہوں یا اس کی طرح کوئی اور چیز ہو جو حوائج اصلیہ میں مشغول ہو، جیسے کھانا پینا اور دوسری ملکیت کی چیز اور سال کے سلسلہ میں وہ سال لگایا جائے گا جو دَین متوسط کے قبضہ سے پہلے گذر چکا ہے صحیح تر یہی ہے یعنی جس وقت بیچا تھا اس وقت سے سال لگایا جائے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قبضہ میں آنے کے بعد پھر جب سال گذرے گا تب زکوٰۃ دے گا۔

دَین متوسط کی ہی طرح وہ مال بھی ہے جس کا وہ وارث ہوا ہے اور حال یہ ہو کہ وہ کسی دوسرے پر قرض رہا ہو، یعنی وارث ہونے کے وقت سے نصاب کا اعتبار ہوگا۔ ظاہر الروایۃ یہی ہے لیکن ادائیگی اس وقت واجب ہوگی جب وہ مال اس کے قبضہ میں آجائے گا۔

دَین ضعیف کی زکوٰۃ

وار دین ضعیف میں زکوٰۃ اس وقت لازم ہوگی جب اُس دَین ضعیف میں سے دو سو پر مالک کا قبضہ ہو جائے گا اور قبضہ کے بعد سال گذر جائے گا، دَین ضعیف وہ ہے جو مال کا بدل نہ ہو۔ جیسے مہر، دیت، بدل کتابت اور بدل خلع، (معلوم ہوا کہ عورت کا جو مہر شوہر کے ذمہ باقی رہتا ہے اس کی زکوٰۃ اس پر اس وقت واجب ہوگی جب شوہر سے وہ رقم اس کو مل جائے گی اور مل جانے کے بعد اس پر ایک پورا سال گذر جائے گا۔ نکاح کے بعد کے گذشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ نہیں ہے)

دَین ضعیف والے کے پاس اگر پہلے سے دوسرا مال موجود تھا تو دین ضعیف سے وصول ہوتے ہی موجود مال کی زکوٰۃ کے ساتھ اس کی زکوٰۃ بھی دے گا سال گذرنے کا انتظار نہیں کرے گا۔

قرض والے کا معاف کرنا

اور اگر دَین کے مالک نے سال گذرنے کے بعد مدیون کو معاف کر دیا تو پھر اس مالک کے ذمہ زکوٰۃ نہیں ہے، خواہ یہ دین قوی ہو یا دَین قوی نہ ہو، دونوں صورتوں میں اور فتاویٰ خانیہ میں لکھا ہے کہ اگر وہ مدیون جس کو معاف کر دیا ہے مفلس ہے، تو واقعی مالک پر زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ یہ صورت مال کے ہلاک ہونے کے حکم میں ہے، لیکن اگر مدیون جس کو معاف کیا گیا ہے مالدار ہے تو معاف کرنے والے پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اس لیے کہ یہ معاف کرنا مال کے ہلاک کر دینے کے حکم میں ہے، اسے یاد رکھا جائے کذا فی البحر، نہر الفائق میں ہے کہ بحر الرائق کا قول مطلقاً ذکر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام دیون کو یہ حکم شامل ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیوں کہ یہ حکم دَین ضعیف اور دین متوسط کا نہیں ہے دَین ضعیف میں اگر مالدار کو معاف کر دیا جائے گا تو بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اس لیے کہ اس دَین میں نصاب کے برابر قبضہ ہو جانے اور سال گذر جانے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوتی ہے لہٰذا وجوب سے پہلے بری کرنا ہلاک کرنے کے معنی میں کیسے ہوگا، اور یہی حال متوسط دین کا ہے کذا فی الشامی۔

وتجب علیها ای المرأة زکوة نصف مهر من نقد مردود بعد مضی الحول من الف

كانت قبضته مهرا ثم ردت النصف لطلاق قبل الدخول فتزكي الكل لما تقرر ان النقود لا تتعين في العقود والفسوخ وتسقط الزكوة عن موهوب له في نصاب مرجوع فيه مطلقا سواء رجع بقضاء او غيره بعد الحول لو ورد الاستحقاق على عين الموهوب و لذا لا رجوع بعد هلاكه قيد به لانه لا زكوة على الواهب اتفاقا لعدم الملك و هي من الحيل و منها ان يهبه لطفله قبل التمام بيوم.

وصول کردہ مہر کی زکوٰۃ

وہ عورت جس کا نکاح ایک ہزار درہم مہر کے عوض ہوا اور نکاح کے بعد عورت نے اس ہزار پر قبضہ کرلیا اور وہ سال بھر عورت کے قبضہ میں رہا، شوہر نے اس کو ایک سال کے بعد دخول سے پہلے طلاق دیدی، چنانچہ عورت نے نصف یعنی پانچ سو درہم شوہر کو واپس کردیا۔ اس صورت میں عورت کل درہم یعنی ایک ہزار کا زکوٰۃ دے گی۔ کیوں کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ معاملات (عقود) جیسے بیوع (اجارہ) نکاح اور اسی طرح فسوخ جیسے اقالہ اور خلع وغیرہ میں نقود متعین نہیں ہیں، اس ہزار پر جب اس عورت نے قبضہ کرلیا تو وہ اس کی ملک میں ہو گیا تھا، اور اب طلاق کے بعد جو اس کو واپس کرنا پڑا، تو یہ ضروری نہیں ہے کہ بعینہٖ وہی پانچ سو درہم وہ واپس کرے بلکہ اس کے بدلہ میں دوسرے پانچ سو درہم بھی واپس کرسکتی ہے، اس بنیاد پر اس کے ذمہ زکوٰۃ لازم ہوئی، سال گذرنے کے بعد جو دین کسی کے ذمہ لازم ہو جائے وہ زکوٰۃ کے لیے مانع نہیں ہے۔

ہبہ والی چیز سے زکوٰۃ معاف

جسکے نام کوئی چیز ہبہ کی گئی ہے اسکے ذمہ سے اُس صورت میں زکوٰۃ ساقط ہوتی ہے جب ہبہ کرنے والے نے سال پورا ہونے کے بعد نصاب کی تعداد دے کر واپس لے لیا ہو، خواہ قاضی کے فیصلہ کے بعد اس نے ایسا کیا یا اس کے فیصلہ کے بغیر، اس کی وجہ یہ ہے کہ متعین طور پر اس چیز پر استحقاق حاصل ہوا ہے جو ہبہ کی گئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب وہ ہبہ کی ہوئی چیز ہلاک ہو جاتی ہے تو پھر اس کو واپس نہیں لیا جاسکتا ہے۔

یہ جو قید لگائی ہے کہ زکوٰۃ اس کے ذمہ سے ساقط ہوتی ہے جس کے لیے ہبہ کی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہبہ کرنے والے کے ذمہ تو بالاتفاق زکوٰۃ واجب نہیں کیوں کہ اس کی ملکیت منقطع ہو چکی تھی اور یہ صورت زکوٰۃ کے ساقط ہونے کے لیے ایک حیلہ کا درجہ رکھتی ہے۔

سقوط زکوٰۃ کے لیے حیلہ

زکوٰۃ ساقط ہونے کا ایک حیلہ یہ ہے کہ سال پورا ہونے کے ایک دن پہلے کوئی اپنا مال اپنے لڑکے کو ہبہ کردے، لیکن ایسا حیلہ امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ ہے گو امام محمدؒ وابویوسفؒ کے نزدیک مکروہ نہیں، کیوں کہ فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے۔

باب العاشر

قيل هذا من تسمية الشئ باسم بعض احواله و لا حاجة اليه بل العشر علم لما ياخذه العاشر

مطلقا ذکرہ سعدی ای علم جنس ھو حر مسلم بھذا یعلم حرمة تولیة الیھود علی الاعمال غیر ھاشمی لما فیه من شبھة الزکوة قادر علی الحمایة من اللصوص والقطاع لان الجبایة بالحمایة نصبه الا مام علی الطریق للمسافرین خرج الساعی فانه الذی یسعی فی القبائل لیاخذ صدقة المواشی فی اماکنھا لیاخذ الصدقات تغلیبا للعبادة علی غیرھا من التجار بوزن فجار المارین باموالھم الظاھرة والباطنة علیه و ماورد من ذم العشار محمول علی الاخذ ظلما.

عشر وصول کرنے والے کا بیان

عاشر کیوں نام رکھا گیا بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ عشر وصول کرنے والے کا نام عاشر اس کے بعض حالات کی وجہ رکھا گیا ہے۔ (کیوں کہ کبھی یہ عشر (دسواں حصہ) وصول کرتا ہے کبھی نصف عشر (بیسواں حصہ) اور کبھی رُبع عشر (چالیسواں حصہ) لیکن ان میں عشر لینے کی بھی حالت یہی ہوتی ہے اس لیے اس کا نام عاشر تجویز کیا گیا) اور بعض دوسرے لوگوں نے کہا کہ ان تکلفات کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ کہا جائے کہ عشر اُس چیز کا نام ہے جو عاشر وصول کرتا ہے، خواہ وہ عشر (دسواں حصہ) ہو خواہ نصف عشر (بیسواں حصہ) اور یا رُبع عشر (چالیسواں حصہ) ماحصل یہ ہے عشر کو علم جنس مان لیا جائے، شامی کی رائے یہ ہے "علم جنس" کی جگہ "اسم جنس" کہنا مناسب ہے۔

عاشر کے لیے اوصاف عاشر کے لیے ضروری ہے کہ وہ آزاد ہو، غلام نہ ہو، مسلمان ہو یعنی کافر نہ ہو، اور اس شرط سے معلوم ہوا کہ یہودی کو عامل بنانا حرام ہے، غیر ہاشمی ہو یعنی ہاشمی نہ ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہاشمیوں کے لیے زکوٰۃ کے جائز ہونے میں شبہ ہے (لیکن اگر عامل ہاشمی ہو اور وہ اُجرت نہ لے یا اس کی محنت کی اجرت دوسری مد سے دی جائے تو وہ عامل ہو سکتا ہے) عاشر کو یہ قدرت ہو کہ وہ تجارت کے مالوں کو چور اور ڈاکو سے بچا سکے، کیوں کہ تاجروں سے عشر اسی لیے لیا جاتا ہے کہ حکومت ان کے مال کی حفاظت کرتی ہے۔

عاشر کی خدمت اس عشر وصول کرنے والے کو امام یعنی امیر المومنین یا خلیفۃ المسلمین نے راستہ پر مسافروں کے لیے مقرر کیا ہو، اس شرط سے "ساعی" نکل گیا جو قبائل میں جا کر اور لوگوں کے گھر پہنچ کر مویشیوں کے صدقات وصول کرتا ہے، عاشر کو امام المسلمین اس لیے مقرر کرتا ہے تا کہ وہ مال لے کر گذرنے والے تاجروں سے صدقات وصول کرے، عاشر مسلمانوں سے صدقات وصول کرتا ہے اور ذمیوں سے جزیہ بھی، لیکن تعریف میں صرف صدقہ کا ذکر کیا اور جزیہ کا ذکر نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کو غیر عبادت پر فوقیت حاصل ہے، یہ عاشر اموال ظاہری کی بھی زکوٰۃ وصول کرتے ہیں اور اموال باطنی کی بھی۔ اموال ظاہری میں وہ مویشی ہیں جن کو لے کر تاجر عاشر کے پاس سے گذرتے ہیں اور اموال باطنی میں سونا، چاندی اور تجارت کے سامان ہیں۔

وہ جو حدیث میں عاشر کی مذمت آئی ہے کہ "لا یدخل صاحب المکس الجنة" عشر وصول کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا یہ ان عاشروں کے لیے ہے جو ظلم و تعدی سے کام لیتے ہیں (اور اعتدال کی اسلامی راہ چھوڑ دیتے ہیں)

فمن انکر تمام الحول او قال لم انو التجارة او عليّ دين محيط او منقص للنصاب الان ما یاخذه زکوة معراج و هو الحق بحر و لذا اطلقه المصنف او قال ادیت الی عاشر آخر و کان عاشر آخر محققا او قال ادیت انا الی الفقراء فی المصر لا بعد الخروج لما یاتی وحلف صدق فی الکل بلا اخراج براءة فی الاصح لاشتباه الخط حتی لو اتٰی بها علی خلاف اسم ذلك العاشر و حلف صدق و عدت عدما و لو ظهر کذبه بعد سنین اخذت منه الا فی السوائم والاموال الباطنة بعد اخراجها من البلد لانها بالاخراج التحقت بالاموال الظاهرة فکان الاخذ فیها للامام فیکون هو الزکوة والاول ینقلب نفلا و یاخذها منه بقوله لقول عمرؓ لا تنبشوا علی الناس متاعهم لکنه یحلفه اذا اتهم .

مال والوں کے عذر کا قبول کرنا

پس جو شخص سال پورا ہونے کا انکار کردے یا کہے کہ میں نے اس مال میں تجارت کی نیت نہیں کی ہے، یا کہے کہ میرے ذمہ ایسا قرض ہے جو میرے تمام مال کو گھیرے ہوئے ہے یا کہے کہ مجھ پر اس قدر دَین ہے کہ اس کے ادا کرنے کے بعد مال نصاب کی مقدار نہیں بچتا، یا کہے کہ میں اپنے مال کا عشر دوسرے عشر وصول کرنے والے کو ادا کرچکا، اور وہ دوسرا عشر کرنے والا واقعی طور پر پایا جاتا ہو، یا کہے کہ میں شہر کے دوسرے فقراء کو زکوٰۃ کی رقم دے چکا، اور اپنی ان باتوں کو وہ حلف کے ساتھ مؤکد کردے تو اس کی بات ان تمام صورتوں میں مانی جائے گی اور دوسرے عشر وصول کرنے والے کی تحریر پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی صحیح تر مذہب یہی ہے، تحریر کے پیش کرنے کی ضرورت اس لیے نہیں ہے کہ خطوط مشتبہ ہوتے ہیں، اور جس عاشر کا مالک نے نام لیا تھا اس کو دے چکا ہوں اگر اس کے علاوہ کی تحریر پیش کی اور اس کے ساتھ قسم کھائی تو اس کو مان لیا جائے گا اور تحریر کالعدم شمار ہوگی، لیکن اگر چند سال بعد یہ ظاہر ہو کہ مالک نے کذب بیانی سے کام لیا تھا تو پھر اس سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔

جہاں مالک یہ کہتا ہے کہ مجھ پر قرض ہے وہاں شارح نے بتایا کہ قرض کی تعمیم اس لیے ہے کہ عاشر زکوٰۃ وصول کرتا ہے اور قرض اگر اتنا ہو جس کے ادا کرنے کے بعد نصاب کو نہیں پہنچ سکتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے۔

انکار کی صورتیں بسلسلہ چوپایا

اوپر جو صورتیں زکوٰۃ سے انکار کی درج کی گئی ہیں کہ حلف کے بعد مالک کی بات مان لی جائے گی، کہتے ہیں کہ انکار کی مذکورہ بالا صورتیں چوپاؤں اور اموال باطنہ کے سلسلہ میں اگر وہ ان کو شہر سے نکال چکا ہے مانی نہیں جائے گی، اس لیے کہ شہر سے نکالنے کے بعد وہ اموال ظاہرہ کے ساتھ ملحق ہوگئے، اور جب اموال ظاہر کے ساتھ ملحق ہوگئے تو اب ان کی زکوٰۃ کے لینے کا حق امام کو حاصل ہوگا بس اس وقت لینا زکوٰۃ ہوگی اور پہلا دیا ہوا نفل شمار ہوگا۔

اور زکوٰۃ وصول کرنے والا مال والے سے زکوٰۃ حضرت عمرؓ کے اس قول کے مطابق لے گا جس میں انھوں نے فرمایا ہے کہ

لوگوں کے سامان کی تفتیش نہ کرو، البتہ جب متہم سمجھو تو تم ان سے حلف لے لو اور اس پر اعتماد کرو۔

وکل ما صدق فیه مسلم مما مرّ صدق فیه ذمی لان لهم مالنا الا فی قوله ادیت انا الی فقیر لعدم ولایة ذلك لا یصدق حربی فی شیٔ الا فی ام ولده وقوله لغلام یولد مثله لمثله هذا ولدی لفقد المالیة فان لم یولد عتق علیه و عُشِرَ لانه اقر بالعتق فلا یصدق فی حق غیره و الا فی قوله ادیت الی عاشر آخر و ثمة عاشر آخر لئلا یؤدی الی استیصال المال جزم به ملا خسرو و ذکره الزیلعی تبعا للسروجی بلفظ ینبغی کذا انقله المصنف عن البحر لکن جزم فی العنایة و الغایة بعدم تصدیقه و رجحه فی النهر.

ذمیوں کی رعایت

اور زکوٰۃ کے جن امور مذکورہ میں مسلمانوں کی بات مانی جاتی ہے اُن میں ایک ذمی کی بات بھی مانی جائے گی، اس لیے کہ اسلامی حکومت میں جو رعایت مسلمانوں کے لیے ہے وہی رعایت ذمی کافروں کے لیے بھی ہے، البتہ ذمی کا یہ قول نہیں مانا جائے گا کہ میں نے فقیر کو دیدیا ہے، اس وجہ سے کہ کافر کے لیے فقیر کو دینے کا حق نہیں ہے (کیوں کہ ان سے جو لیا جاتا ہے وہ دراصل جزیہ ہے اور جزیہ کا مصرف اہل ذمہ کے فقراء نہیں ہیں، دوسری بات یہ کہ کافر کو مسلمان مستحق پر خرچ کرنے کا حق نہیں، البتہ کافر حربی کا قول ان امور مذکورہ میں نہیں مانا جائے گا، اور اس سے عشر وصول کیا جائے گا، البتہ اگر وہ کسی کے ام ولد ہونے کا اقرار کرے تو اسے مانا جائے گا۔ کہ وہ اس کی ام ولد ہے۔

حربی کی بات کا اعتماد

اگر حربی کسی غلام کے متعلق کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور وہ غلام ایسا ہو کہ وہ کہنے والے کا بیٹا ہو سکتا ہو (یعنی وہ عمر میں اتنا بڑا ہو کہ اس غلام کا باپ ہو سکتا ہے، پھر یہ کہ غلام پہلے سے ثابت النسب نہ ہو اور نہ اس نے اس دعویٰ کی تکذیب کی ہو، تو اس کی بات مانی جائے گی اور ام ولد ہونے اور غلام کے بیٹے ہونے کی بات اس لیے ماننے کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں مسئلوں میں مالیت نہیں ہے اور زکوٰۃ مال کی لی جاتی ہے)

لیکن اگر غلام ایسا ہو کہ وہ حربی کا بیٹا نہیں ہو سکتا تو اس کہنے سے وہ غلام اس پر آزاد ہو جائے گا اور اس شخص سے عشر لیا جائے گا اس لیے کہ اس حربی نے اس کے آزاد ہونے کا اقرار کیا ہے لہذا عاشر پر عشر کے باطل کرنے میں اس کا یہ کہنا حجت نہیں ہوگا۔

البتہ اس صورت میں اس کی بات مانی جائے گی جب کہ وہ کہے کہ میں دوسرے عاشر کو ادا کر چکا اور وہاں دوسرے عاشر موجود بھی ہوں، اور اس ماننے کی وجہ یہ ہے کہ اُس کا مال سرے سے ختم نہ ہو جائے یعنی وہ ہر عاشر کو عشر دیتے دیتے سارا سرمایہ ہی نہ کھودے، اس کا ملا خسرو نے یقین کیا ہے اور سراجی کی پیروی میں زیلعی نے ینبغی (مناسب) کے لفظ سے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح مصنف نے بحر سے نقل کیا ہے، لیکن عنایہ اور غایۃ البیان میں یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ اس کی یہ بات نہ مانی جائے، اور نہر الفائق نے اسی قول کو ترجیح دیا ہے۔

واُخِذَ منا ربع عشر و من الذمی سواء کان تغلبیا او لم یکن کما فی البر جندی عن الظهیریة ضعفه و من الحربی عشر بذلك امر عمر بشرط کون المال لکل واحد نصابا لان مادونه عفو و بشرط جهلنا بقدر ما اخذوا منا فان علم اخذ مثله مجازاة الا اذا

اخذوا الکل فلا نأخذه بل نترك له ما یبلغه مامنه ابقاء للامان.

کس سے کتنا لیا جائے گا

مسلمانوں سے چالیسواں حصہ لیا جائے گا اور ذمی کافروں سے بیسواں حصہ خواہ وہ ذمی تغلبی ہو یا تغلبی نہ ہو، برجندی میں فتاویٰ ظہیریہ سے ایسا ہی نقل کیا گیا ہے اور حربی کافر سے دسواں حصہ لیا جائے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کا حکم فرمایا ہے، یعنی آپ نے اپنے صدقہ اور عشر وصول کرنے والے کو یہی حکم دیا تھا، بحر الرائق میں تفصیل ہے کہ مسلمانوں سے جو چالیسواں حصہ لیا جاتا ہے وہ زکوٰۃ ہے اور ذمیوں سے جو بیسواں حصہ لیا جاتا ہے وہ صدقہ اور کفار حربی سے جو دسواں حصہ لیا جاتا ہے وہ اس کی حفاظت کی خاطر، بقیہ کافروں سے لیا ہوا مال جزیہ کے مصارف میں خرچ ہوگا جب کہ ان میں سے ہر ایک کا نصاب پورا ہو، اگر نصاب سے کم ہوگا تو ان سے کچھ نہیں لیا جائے گا اس کے لیے معاف ہے ساتھ ہی یہ بھی شرط ہے کہ ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ کافر حکومت ہم مسلمانوں سے کیا لیتی ہے، لیکن اگر اس کی مقدار معلوم ہوگی کہ وہ مسلمانوں سے اس حساب سے لیتے ہیں تو ہم بھی ان سے اسی کے برابر وصول کریں گے تاکہ پورا پورا بدلہ ہو۔

لیکن جب یہ معلوم ہو کہ حربی ان مسلمانوں کا کل مال لیتے ہیں جو دار الحرب میں جاتے ہیں تو اس صورت میں بھی ہم اُن کا کل مال نہیں لیں گے، بلکہ اس کے پاس اتنا چھوڑ دیں گے کہ جس کی مدد سے وہ اپنے امن کی جگہ تک با آسانی پہنچ جائے، کیوں کہ امن کا حق یہ بھی ہے ارشاد باری ہے وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ.

ولا نأخذ منهم شیئا اذا لم یبلغ مالهم نصابا و ان اخذوا منا فی الاصح لانه ظلم ولا متابعة علیه او لم یاخذوا منا لیستمروا علیه و لانا احق بالمکارم.

نصاب سے کم ہونے کی صورت میں حکم

مگر جب ان کافروں کا مال نصاب کے برابر نہیں ہوگا تو ہم مسلمان ان سے کچھ بھی نہیں لیں گے گو کافر حکومت ہم مسلمانوں سے لیتی ہو، صحیح تر مذہب یہی ہے، کیوں کہ نصاب سے کم مال ہونے کے باجود کچھ لینا ظلم ہے اور ظلم و تعدی میں کسی کی پیروی نہیں کی جاتی ہے، نصاب سے جس کو کم ہے وہ تو دراصل اس کے ضروری اخراجات کے لیے ہے نصاب سے زیادہ میں زکوٰۃ لی جاتی ہے، ضروریات زندگی کی رقم سے لینا کھلا ہوا ظلم ہے، کوئی ذی عقل اس کو پسند نہیں کرے گا، اور تقاضائے امن کی بھی ضد ہے، جیسے کسی کا کل مال لے لینا ظلم ہے۔

اور اس صورت میں بھی ہم کافروں سے کچھ نہیں لیں گے جب وہ مسلمانوں سے کچھ نہ لیتے ہوں، تاکہ وہ نہ لینے پر قائم رہ سکیں، دوسری بات یہ ہے کہ مکارم اخلاق کو نباہنے کا زیادہ حق ہم مسلمانوں پر ہے۔

ولا یؤخذ العشر من مال صبی حربی الا ان یکونوا یاخذون من اموال صبیاننا شیئا کما فی کافی الحاکم اخذ من الحربی مرة لا یؤخذ منه ثانیا فی تلك السنة الا اذا عاد الی دار الحرب لعدم جواز الاخذ بلا تجدد حول او عهد و لو مر الحربی بعاشر و لم یعلم به العاشر حتی دخل دار الحرب ثم خرج ثانیا لم یعشره لما مضی لسقوطه

بالقطاع الولایة بخلاف المسلم والذمی لعدم السقط ذکرہ الزیلعی.

حربی کے بچوں سے کچھ نہیں لیا جائے گا

عشر حربی کے نابالغ لڑکوں سے نہیں لیا جائے گا البتہ اس صورت میں لیا جائے گا جب وہ مسلمانوں کے نابالغ لڑکوں سے کچھ لیتے ہوں، حاکم نے کافی میں ایسا ہی لکھا ہے۔ ایک سال میں ایک حربی سے دو مرتبہ عشر نہیں لیا جائے گا کیونکہ جب تک نیا سال نہ آئے یا کوئی ایسا عہد نہ ہو دوبارہ عشر وصول کرنا جائز نہیں ہے، اس صورت میں البتہ دوبارہ لیا جائے گا جب وہ دارالحرب واپس ہو گیا ہو اور پھر دارالاسلام میں دوبارہ آیا ہو (فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ حربی کو پورے سال دارالاسلام میں ٹھہرنے نہیں دیا جائے۔ بلکہ جونہی وہ دارالاسلام میں داخل ہو، اس کو جتلا دیا جائے کہ اگر تو یہاں اقامت کرے گا تو تجھ پر جزیہ لگا دیا جائے گا چنانچہ اس کے بعد بھی وہ اگر قیام کرے گا تو اس پر جزیہ لگا دیا جائے گا اور دارالحرب واپس نہیں جانے دیا جائے گا)

پہلا عشر کب ساقط ہوتا ہے

اگر کوئی حربی عاشر کے پاس سے گذرا مگر اس کو اس کی خبر نہیں ہوئی کہ یہ حربی ہے تا آنکہ وہ دارالحرب میں داخل ہو گیا پھر وہ دوبارہ دارالحرب سے نکل کر دارالاسلام میں آیا تو اس صورت میں اس سے پچھلا عشر نہیں وصول کیا جائے گا، کیوں کہ جب وہ پہلی مرتبہ دارالحرب میں واپس چلا گیا تو اس پر ولایت باقی نہیں رہی اور پہلا عشر اس سے ساقط ہو گیا۔

ذمی اور مسلمان کا حکم اس کے خلاف ہے اگر یہ دونوں بے خبری میں بلا عشر دیئے گذر گئے اور بعد میں معلوم ہوا تو اس سے گذشتہ دنوں کا عشر بھی لیا جائے اس لیے کہ یہاں ساقط کرنے والا کوئی عذر پایا نہیں گیا، اسے زیلعی نے ذکر کیا ہے۔

و یوخذ نصف عشر من قیمة خمر و جلود میتة کافر کذا اقر المصنف متنه فی شرحه لو للتجارة و بلغ نصابا و یوخذ عشر القیمة من حربی بلا نیة تجارة و لا یوخذ من المسلم شئ اتفاقا لا یوخذ من خنزیره مطلقا لانه قیمی فاخذ قیمته کعینه بخلاف الشفعة لانه لو لم یاخذ الشفیع بقیمة الخنزیر یبطل حقه اصلا فیتضرر و مواضع الضرورة مستثناة ذکره سعدی و لا یوخذ ایضا من مال فی بیته مطلقا و لا من مال بضاعة الا ان تکون لحربی و لا من مال مضاربة الا ان یربح المضارب فیعشر نصیبه ان بلغ نصابا و لا من کسب ماذون مدیون بدین محیط بماله و رقبته او ماذون غیر مدیون لکن لیس معه مولاه علی الصحیح فی الثلثة لعدم ملکهم و لذا لا یوخذ العشر من الوصی اذا قال هذا مال الیتیم و لا من عبد و مکاتب .

کافر کی شراب و مردار کی کھالوں کی قیمت میں عشر

کافر کی شراب اور اس کے مردار کی کھالوں کی قیمت سے اگر وہ نصاب کو پہنچتی ہو تو بیسواں حصہ لیا جائے گا بشرطیکہ وہ چیزیں تجارت کے لیے ہوں اور شراب کی قیمت میں کافر حربی سے اس کا دسواں حصہ لیا جائے گا خواہ

اس میں تجارت کی نیت ہو یا نہ ہو، البتہ مسلمانوں سے شراب کی قیمت کے لیے کچھ نہیں لیا جائے گا (اس لیے کہ مسلمان شراب کا مالک ہی نہیں ہوتا ہے اس لیے کچھ لینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا)

خنزیر میں عشر نہیں کافر اگر سور پالتے ہوں تو اس سے اس کا عشر بالکل نہیں لیا جائے گا اس لیے کہ سور کا قیمت والی چیزوں میں شمار ہے، لہٰذا اس کی قیمت لینا گویا خود سور کا لینا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ سور نجس عین ہے، جس کا لینا درست نہیں ہے۔

ایک اشکال کا حل بخلاف شفعہ کے کہ حق شفعہ والا خنزیر کی قیمت کے عوض اگر مکان نہ لے گا تو اس کا حق باطل ہو جائے گا، جس سے اس کا نقصان ہوگا اور ضرورت کی جگہیں قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ ہوتی ہیں (یہ دراصل ایک پیدا شدہ سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ قیمت کا حکم عین کا حکم نہیں ہے، کیوں کہ ایک ذمی نے اپنا گھر دوسرے ذمی کو خنزیر کے بدلے بیچ دیا، اور جس گھر کو ذمی نے بیچا ہے اس کا حق شفعہ ایک مسلمان کو پہنچتا تھا اس صورت میں اس حق شفعہ والے کے لیے یہ درست ہے کہ خنزیر کی قیمت دے کر حق شفعہ میں مکان لے لے، یہاں دیکھا جائے کہ قیمت کا حکم عین کا کہاں ہوا؟ اس کا جواب شارح نے دیا کہ یہاں اس لیے اس کی اجازت دی گئی کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو حق والے کا حق ضائع ہوتا اور اس کا نقصان ہوتا، اس لیے اسے اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ قرار دیا، ورنہ قاعدہ وہی ہے جو پہلے بیان ہوا)

عاشر گھر کے مال کا عشر نہیں لے گا جو مال گھر میں ہے گذرنے والے سے اس مال کا عشر عاشر وصول نہیں کرے گا خواہ گذرنے والا مسلمان ہو، خواہ وہ ذمی ہو، یا حربی ہو۔

مال بضاعت سے عشر مال بضاعت سے بھی عشر وصول نہیں کیا جائے گا، مال بضاعت وہ روپے ہیں جو کوئی شخص کسی کو تجارت کے لیے دے اور نفع سب مالک مال کا ہو، البتہ یہ مال اگر کسی حربی کا ہے تو اس سے عشر وصول کیا جائے گا۔

مال مضاربت میں عشر مال مضاربت کا بھی عشر وصول نہیں کیا جائے گا لیکن اگر مضارب کو اتنا نفع ہو کہ وہ نصاب کو پہنچ جائے تو اس کے نفع میں عشر لیا جائے گا۔

ماذون سے عشر وہ غلام جس کو اس کے آقا نے تجارت کی اجازت دیدی ہو، اس کے مال سے بھی عشر نہیں لیا جائے گا جب کہ وہ ایسے قرض میں ہو جو اس کے مال اور جان کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہو۔

یا وہ غلام قرضدار تو نہ ہو، لیکن اس کے ساتھ اس کا آقا نہیں ہے تو اس صورت میں بھی اس سے عشر نہیں لیا جائے گا، تینوں مسائل میں صحیح روایت یہی ہے اس لیے کہ اوپر کی تینوں صورتوں میں ملک نہیں ہوتی ہے یعنی مضارب والے مسئلہ میں، بضاعت والے میں اور غلام والے میں۔

وصی، غلام مکاتب سے عشر لیا جائے گا اور ملک کے ہی نہ ہونے کی وجہ سے وصی سے عشر نہیں لیا جائے گا، جب وہ یہ بیان کرے کہ یہ یتیم کا مال ہے اور نہ غلام سے عشر لیا جائے گا اور نہ مکاتب غلام سے، غلام مالک نہیں ہوتا اور مکاتب غلام مالک ہوتا ہے مگر اس کی ملکیت تام نہیں ہوتی۔

مر علی عاشر الخوارج فعشروہ ثم مر علی عاشر اھل العدل اخذ منہ ثانیا لتقصیرہ

بمروره بهم بخلاف ما لو غلبوا على بلد فرع مر بنصاب رطاب للتجارة كبطيخ و نحوه لا يعشره عند الامام الا اذا كان عند العاشر فقراء فياخذ ليدفع لهم نهر بحثا.

باغیوں کو دینا کافی نہیں اگر وہ غالب نہیں

اگر باغیوں کے عشر وصول کرنے والے کے پاس سے کوئی گذرا نے اس سے عشر وصول کر لیا، پھر وہ مخلص اہل حق کے عشر وصول کرنے والے کے پاس سے گذرا تو وہ اس سے دوبارہ عشر وصول کرے گا، کیوں کہ باغیوں کے عاشر کے پاس سے گذرنا خود گذرنے والے کا قصور ہے۔

البتہ اگر باغیوں نے کسی شہر پر غلبہ حاصل کر لیا ہو، اور اس کے عشر وصول کرنے والے کے پاس سے کوئی گذرا ہو اور اس نے اس سے عشر لے لیا ہو تو اس صورت میں وہ دوبارہ عشر نہیں دیں گے، کیوں کہ اس صورت میں مال والوں کا قصور نہیں ہوگا۔

ترمیوں کا عشر

ترمیوں کا تاجر تربوزہ وغیرہ لے کر عاشر کے پاس سے گذرے گا تو، امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں۔ عاشر اس سے عشر نہیں لیگا البتہ اگر اسکے پاس فقراء موجود ہوں تو اس سے عشر لے کر ان فقیروں کو دے سکتا ہے۔

باب الركاز

الحقوه بالزكوة لكونه من الوظائف المالية هو لغة من الركز اى الاثبات بعمنى المركوز و شرعا مال مركوز تحت ارض اعم من كون راكزه الخالق اوالمخلوق فلذا قال معدن خلقي خلقه الله تعالىٰ و من كنز اى مال مدفون دفنه الكفار لانه الذى يخمس وجد مسلم او ذمى و لوقنا صغيرا او انثى معدن نقدو نحو حديد و هو كل جامد ينطبع بالنار و منه الزيبق فخرج المائع كنفط و قار وغير المنطبع كمعادن الاحجار فى ارض خراجيه او عشرية خرج الدار لا المفازة لدخولها بالاولى خمس مخففا اى اخذ خمسه لحديث و فى الركاز الخمس و هو يعم المعدن كما مر وباقيه لمالكها ان ملكت والا كجبل و مفازة فللواجد والمعدن لا شئ فيه ان وجده فى داره و حانوته وارضه فى رواية الاصل واختارها فى الكنز.

دفینہ کے احکام ومسائل کا بیان

فقہاء نے دفینہ کو زکوٰۃ کے ساتھ اس وجہ سے لاحق کیا ہے کہ یہ مالی معاملہ ہے شارح نے بتایا کہ رکاز رکز سے مشتق ہے

جس کے معنی ثابت کرنا اور گاڑنا ہے اور شریعت میں رکاز اس مال کو کہتے ہیں جو زمین کے نیچے گڑا ہوا ہو، عام ہے کہ زمین کے اندر اس کو رکھنے والا خالق ہو یا مخلوق، یعنی خدا کا پیدا ہوا ہو یا انسان نے اس کو دفن کر کے رکھا ہو اور یہی وجہ ہے کہ مصنف نے صراحت کر دی کہ وہ کان (مال مدفون) خدا کا پیدا کیا ہوا ہو یا ایسا خزانہ ہو جس کو زمین میں کفار نے دفن کیا ہو، خمس (پانچواں) کفار کے ہی مدفون خزانہ سے لیا جاتا ہے اور اگر مسلمان کا دفن کیا ہوا ہو گا تو اس کا حکم لقطہ کا ہے یعنی اس پڑی ہوئی چیز کا جو کسی کو راستہ میں مل جائے۔

اس دفینہ کو خواہ کسی مسلماں نے عشری یا خراجی زمین میں پایا ہو، یا کسی ذمی کافر نے، پھر وہ آزاد ہو یا غلام، بالغ ہو یا نابالغ، مرد ہو یا عورت سب کو شامل ہے اور اس نے سونے چاندی کی کان پائی ہو، یا لوہے کی یا ان چیزوں کے مثل کسی ایسی دوسری چیز کی جو منجمد ہو اور آگ سے وہ نرم ہو جاتی ہو، اور اسی میں پارہ بھی داخل ہے لہٰذا منجمد کی قید سے بہنے والی چیزیں نکل گئیں جیسے نفط (ایک قسم کا روغن) اور رال اور آگ سے نرم ہونے کی جو قید لگائی گئی ہے اس سے وہ چیزیں نکل گئیں جو آگ سے نرم نہیں ہوتی ہیں جیسے پتھروں کے کان جن میں فیروزہ اور زمرد وغیرہ ہوتے ہیں۔

شارح نے بتایا کہ زمین کی قید سے گھر نکل گیا، مگر جنگل اور میدان خارج نہیں ہوا، اس لیے کہ وہ بدرجہ اولیٰ زمین میں داخل ہے، عشری اور خراجی زمین کا ماحصل یہ ہے کہ وہ اس قسم میں داخل ہو، خواہ وہ عشری اور خراجی زمین کسی کے قبضہ میں ہو یا قبضہ میں نہ ہو، بہر حال اس کان سے خمس لیا جائے گا، اس حدیث کی روشنی میں جس میں فرمایا گیا وَ فِی الرِّکَازِ خُمسٌ، کان میں یہ پانچواں حصہ ہے، یہ حدیث عام کان کو شامل ہے جیسا کہ پہلے بھی گذرا، اور رکاز (کان) کا بقیہ چار حصہ زمین کے مالک کو ملے گا، اگر وہ زمین کا مالک ہے اور اگر وہ کان والی زمین کسی کی ملک نہ ہو، بلکہ جنگل اور پہاڑ ہے تو ان کا دفینہ پانے والے کو ملے گا۔

اگر کوئی گھر یا اپنی دوکان میں کان (معدن) ہو تو اس میں کچھ لازم نہیں ہو گا، (معدن) اس کان کو جو زمین میں سونا چاندی لوہا یا تانبا یا اس طرح کی کوئی چیز پائی جائے گویا اجزا.... زمین سے ہوتا ہے اور دفینہ عام طور سے اس چیز کو کہتے ہیں جو سونا چاندی وغیرہ دفن کیا جائے اور اجزائے زمین سے نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ دفینہ کا خمس (پانچواں حصہ لیا جاتا ہے خواہ وہ کسی کی مملوک زمین میں ہو، خواہ کسی کے گھر اور دوکان میں ہو بدائع میں ایسا ہی ہے۔)

اسی طرح اگر کسی چیز کی کان کسی کی زمین میں پائی جائے تو اس میں بھی کچھ لازم نہیں آتا ہے، اصل کی روایت یہی ہے اور کنز میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

ولا شیٔ فی یاقوت و زُمُرُّذ و فیروزج و نحوها وجدت فی جبل ای فی معادنها ولو وجدت دفین الجاهلیة ای کنزا خمس لکونه غنیمة والحاصل ان الکنز یخمس کیف کان والمعدن ان کان ینطبع و لا فی لؤلؤ هو مطر الربیع وعنبر حشیش فی البحر او خثی دابة وکذا جمیع ما یستخرج من البحر من حلیة و لو ذهبا کان کنزا فی قعر البحر لانه لم یرد علیه القهر فلم یکن غنیمة وما علیه سمة الاسلام من الکنوز تفدا او غیره فلقطة سیجیٔ حکمها.

یاقوت، زمرد، فیروزہ اور اسی طرح کی چیز یعنی ایسے پتھر میں جو نرم ہیں کچھ عشر نہیں ہے، اور اگر یاقوت وغیرہ پتھر زمانہ جاہلیت کے دفن کیے ہوئے پائے جائیں، تو اس میں پانچواں حصہ (خمس) لیا جائے گا کیوں کہ وہ غنیمت کے درجہ میں ہوگا، پہلے کفار کے قبضہ میں تھا اب وہ ہمارے قبضہ میں آئے ہیں کذافی البحر۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ دفینہ میں خمس لیا جائے گا، جو جہاں بھی اور جس حالت میں ہو، اسی طرح اس کان کی چیزوں میں خمس ہے جو آگ سے نرم ہوتی ہو، اور جو نرم نہ ہو اس میں خمس نہیں ہے۔

اُن موتیوں میں بھی عشر نہیں ہے جو موسم بہار کی بارش سے پیدا ہوتے ہیں اور نہ عنبر میں عشر ہے عنبر کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ ایک قسم کی گھاس ہے جو دریا میں اگتی ہے یا وہ کسی چوپایہ کا گوبر ہے۔ اور داؤد انطاکی نے لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ دریائی چشمے دُھنیت باہر پھینکتے ہیں پھر وہ دُھنیت پانی پر جم جاتی ہے اور دریا کی موج اسے کنارے لاکر ڈال دیتی ہے اسی کا نام عنبر ہے۔ کذافی الشامی۔

دریائی چیزوں میں خمس

اسی طرح ان چیزوں میں بھی عشر نہیں ہے جو دریا کے زیور وغیرہ کے لیے نکالی جائیں، اگر چہ وہ سونا ہو اور دریا کی گہرائی میں مدفون ہو، ان چیزوں میں اس وجہ سے عشر نہیں ہے کہ ان پر کسی کا غلبہ اور تسلط نہیں ہوتا ہے لہٰذا وہ غنیمت نہیں ہوا کہ اس میں خمس لازم آسکے۔

دفینہ، جس پر اسلامی علامت ہو

اور وہ دفینہ جس پر اسلام کی کوئی علامت ہو، خواہ نقد ہو، یا اس کے سوا، وہ لقطہ ہے اور اس کا حکم آگے بیان کیا جائے گا، یہ مال غنیمت اس وجہ سے نہیں ہے کہ مسلمانوں کا مال غنیمت نہیں ہوتا ہے اور لقطہ کا حکم آگے بیان کیا جائے گا کہ مسجد کے دروازوں اور بازاروں میں اعلان کیا جائے اور اس طرح معلوم کیا جائے کہ یہ کس کا مال ہے، بار بار اعلان کے بعد بھی اگر مالک نہیں ملے اور کچھ پتہ نہ چل سکے تو اگر پانے والا خود فقیر ہے تو اپنے مصرف میں لائے گا ورنہ کسی دوسرے فقیر کو دیدے گا، لیکن جب اس کا مالک آئے گا پانے والے کو طلب کرنے پر ضمان دینا ہوگا۔

وما عليه سمة الكفر خمس و باقيه للمالك اول الفتح ولو ارثه لوحيا و الا فلبيت المال على الاوجه وهذا ان ملكت ارضه والا فللواجد و لو ذميا قنا صغيرا انثى لانهم من اهل الغنيمة خلا حربى مستامن فانه يسترد منه ما اخذ الا اذا عمل فى المفاوز باذن الامام على شرط فله المشروط.

علامت کفر والے دفینہ میں خمس ہے

اور جس دفینہ پر کفار کی علامت ہوگی اس سے خمس (پانچواں حصہ) لیا جائے گا اور بقیہ اس شخص کا ہوگا جو فتح اسلام کے بعد خلیفۃ المسلمین کی طرف سے پہلے مالک ہوا ہے اور اصل مالک نہ ہوگا تو اس مالک کے زندہ وارث لیں گے اور اگر اس کے وارث بھی نہیں ہیں تو بیت المال کا ہوگا، وجہ یہی ہے، یہ حکم اُس صورت میں ہے جب زمین اس کی ملک میں ہو، اور اگر وہ زمین اس کی ملکیت میں نہیں ہے جیسے جنگل وغیرہ تو خمس کے بعد جو بچے گا پانے والے کا ہوگا (اور اسی پر فتویٰ ہے اور آج کل یہی مناسب ہے اس لیے کہ ہر جگہ بیت المال نہیں پایا جاتا ہے) اگر چہ وہ پانے والا ذمی ہو، غلام ہو، صغیر (نابالغ) ہو، عورت ہو، اس لیے کہ یہ سب اہل غنیمت

ہیں یعنی امام المسلمین ان سب کو غنیمت سے کچھ بطور عطیہ دیتا ہے۔

مستامن حربی کے لیے خمس نہیں

البتہ اگر پانے والا حربی کافر ہے جس نے امن حاصل کیا ہے تو اس کو نہیں ملے گا بلکہ اس نے جو کچھ لے رکھا ہے اس سے واپس لے لیا جائیگا کیوں کہ مال غنیمت میں ان کا کوئی حق نہیں، لیکن اگر حربی کافر جنگلوں میں امام کے حکم سے کسی شرط پر کام کر رہا تھا، تو اس کو دستخط کے مطابق جو طے پایا ہے ملے گا۔

و لو عمل رجلان فی طلب الرکاز فهو للواجد و ان کانا اجیرین فهو للمستأجر و ان خلا منها ای العلامة او اشتبه الضرب فهو جاهلی علی ظاهر المذهب ذکره الزیلعی لانه الغالب و قیل کاللقطة ولا یخمس رکاز معدنا کان او کنزا وجد فی صحراء دارالحرب بل کله للواجد و لو مستامنا لانه کالمتلصص.

دفینہ کے مشترک طور پر تلاش کرنے والے

اور اگر دفینہ کی تلاش میں دو شخص مل کر کام کر رہے ہوں تو اس صورت میں وہ دفینہ اس کا ہوگا جس نے اسے پایا ہے (اس کی صورت یہ ہے کہ ایک نے زمین کو کھودا، وہ چلا گیا پھر دوسرا آیا اور اس نے اسی کو اور گہرا کھودا اور نکالا دوسری صورت یہ ہے کہ دو شخص کھودنے میں مشترک ہوں اور دونوں ہی ساتھ مل کر کھودیں تو ان شرکت کو فقہاء نے صحیح نہیں تسلیم کیا ہے بلکہ شرکت فاسدہ میں شمار کیا ہے، جس نے حاصل کیا ہے اس کو ملے گا اور اگر دونوں نے حاصل کیا ہے تو دونوں کو ملے گا)

اور اگر یہ دونوں کھودنے والے کسی کے کہنے سے اجرت پر یہ کام کر رہے ہیں تو ملنے والی چیز اس شخص کی ہوگی جس نے ان کو اجرت پر رکھا ہے، اور اگر زمین سے نکلنے والا سکہ علامت سے خالی ہو یا مشتبہ ہو تو اس کو زمانہ جاہلیت کا سمجھا جائے گا ظاہر مذہب کا تقاضا یہی ہے اس کو زیلعی نے ذکر کیا ہے، اس لیے کہ غالب یہی ہے کیوں کہ کافر مال جمع کرنے کے حریص ہوتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ ایسا مال لقطہ کے مانند ہے۔

اس زمین میں گڑے ہوئے مال سے خمس (پانچواں حصہ) نہیں کیا جائے گا جو دارالحرب کے جنگلوں میں پایا جائے خواہ وہ مال دفینہ ہو یا کان ہو، بلکہ وہ کل کا کل پانے والے کا ہوگا، اگرچہ وہ دارالحرب میں امن حاصل کر کے گیا ہو، اس لیے کہ وہ شخص چور کی طرح ہے۔

و لذا لو دخله جماعة ذو و منعة وظفروا بشئ من کنوزهم و معدنهم خمس لکونه غنیمة و ان وجده ای الرکاز مستأمن فی ارض مملوکة لبعضهم رده الی مالکه تحرزا عن العذر فان لم یرده و اخرجه منها ملکه ملکا خبیثا فسبیله التصدق به فلو باعة صح لقیام ملکه لکن لا یطیب للمشتری ولو وجده ای الرکاز غیره ای غیر مستأمن فیها ای فی ارض مملوکة لهم حل له فلا یردو لا یخمس لما مر بلا فرق بین متاع وغیره و ما فی القایة من ان رکاز متاع ارض لم تملك یخمس سهوا الا ان یحمل علی متاعهم الموجود فی

ارضنا فرع للواجد صرف الخمس لنفسه واصله و فرعه و اجنبی بشرط فقرهم .

دار الحرب کے دفینہ کا حکم

چنانچہ اگر دار الحرب میں کوئی بے طاقت جماعت داخل ہو اور اس جماعت کو دفن کیا ہوا خزانہ ملے یا کوئی کان، تو اس سے خمس لیا جائے گا کیوں کہ وہ غنیمت کے درجہ میں شمار ہو گا اور اگر کسی امن چاہنے والے مسلمان نے حربیوں کی مملوکہ زمین میں کان یا دفینہ پایا ہو تو وہ اسے اس کے مالک کی طرف لوٹا دیں گے، تاکہ اس کی طرف کوئی خیانت کو منسوب نہ کر سکے (اس کی وجہ یہ ہے کہ حربیوں کے مال پر ان کی مرضی کے بغیر لینا حرام ہے لہٰذا اگر ان کی اجازت کے بغیر کوئی لے لے گا تو وہ اس کی خیانت ہو گی)

پس اگر اس نے اس مال کو نہیں لوٹایا اور اس کو دار الحرب سے نکال کر لے آیا تو وہ اس کا ناجائز مالک ہو گا اور اس کے لیے اسکا صدقہ کرنا واجب ہو گا، اور اگر اس نے اس مال کو بیچ دیا تو چونکہ اس کی ملکیت ثابت ہے (گویا وہ ملک خبیث ہے) تو یہ بیچنا درست ہو گا، لیکن خریدار کے لیے یہ چیز خوشگوار نہیں ہو گی، (بخلاف اس صورت کے کہ کسی سے شراء فاسد کے ذریعہ خریدی پھر کسی کے ہاتھ بیچ دی تو دوسرے خریدار کے لیے کچھ خرابی نہیں ہے، کیوں کہ اس صورت میں پہلی بکری خریداری کا فسخ کرنا ممتنع ہو گا)

حربیوں کی زمین کا دفینہ جو مسلمان پالے

اور اگر دفینہ یا کان حربیوں کی مملوکہ زمین میں اس شخص نے پایا جس نے امن نہیں حاصل کیا تھا، تو وہ اس کے لیے حلال ہے نہ وہ اسے واپس کرے گا اور نہ اس سے خمس (پانچواں حصہ) لیا جائے گا اس وجہ سے کہ وہ خفیہ طور پر لے جانے کے مانند ہے خواہ نفع والی شی ہو یا نفع والی چیز نہ ہو اور نقایہ میں جو یہ لکھا گیا ہے کہ غیر مملوکہ زمین کے کان اور دفینہ میں خمس ہے یہ ان کا سہو ہے لیکن اگر یہاں متاع (نفع والی چیز) سے مراد وہ چیز ہو جو حربیوں کی دار الاسلام میں ہے، تو بلاشبہ خمس لیا جائے گا۔

معدن اور دفینہ پانے والے کے لیے درست ہے کہ وہ اس کے پانچویں حصہ کو اپنے اوپر خرچ کرے یا اپنے ماں باپ پر خرچ کرے یا اپنی اولاد پر خرچ کرے، یا ایسے اجنبی پر خرچ کرے جو محتاج اور مستحق ہوں (ماحصل یہ ہے کہ پانے والا خود محتاج ہو اور اس کا کام چار حصے سے نہیں چلا تو وہ یہ خمس (پانچواں حصہ) بھی اپنی ضرورت میں خرچ کرے گا، مگر شرط یہ ہے کہ وہ نصاب سے کم ہو، لیکن اگر وہ نصاب سے زیادہ ہے تو اس کا پانچواں حصہ اپنی ذات پر خرچ نہیں کر سکتا)

باب العشر

یجب العشر فی عسل و ان قل ارض غیر الخراج و لو غیر عشریة کجبل و مفازة بخلاف الخراجیة لئلا یجتمع العشر والخراج و کذا یجب العشر فی ثمرة جبل او مفازة ان حماہ الامام لانه مال مقصود لا ان لم یحمه لانه کالصید و یجب فی مسقی سماء ای مطر اوسیح کنهر بلا شرط نصاب راجع لکل و بلاشرط بقاء و حولان حول لان فیه

معنی المؤنۃ ولذا کان للامام اخذہ جبرا و یوخذ من الترکۃ و یجب مع الدین و فی أرض صغیر و مجنون و مکاتب و ماذون و وقف و تسمیتہ زکوۃ مجاز .

عشر کے احکام و مسائل کا بیان

یہاں عشر کو زکوٰۃ میں اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ اس کا مصرف بھی وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے، اس میں عشر (دسواں حصہ) میں نصف العشر (بیسواں حصہ) اور چالیسواں حصہ سب شامل ہے۔

شہد میں عشر اُس شہد میں عشر واجب ہے جو غیر خراجی زمین میں ہو گو وہ غیر عشری بھی ہو، جیسے پہاڑ اور جنگل اور اگرچہ وہ کم ہو، البتہ خراجی زمین کے شہد میں عشر نہیں ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عشر اور خراج دونوں ایک زمین میں جمع نہ ہونے پائیں باقی جو زمین نہ عشری نہ خراجی اس کے شہد میں عشر ہو گا۔

پہاڑی اور جنگلی پھلوں میں عشر اس پہاڑی اور جنگلی پھلوں میں بھی عشر واجب ہے جس کی امام نے حفاظت کی ہو کیوں کہ وہ مال مقصود ہے لیکن اگر امام نے اس کی حفاظت نہیں کی ہے تو اس میں عشر واجب نہیں ہو گا اس لیے کہ یہ شکار کی طرح ہو گیا جس میں عشر نہیں ہے۔

عشر کا واجب ہونا عشر اس زمین پر واجب ہوتا ہے جس کو آسمان کے پانی سے سینچا گیا ہو، یا جاری پانی سے سینچا گیا ہو جیسے نہر ندی کا پانی عشر کے وجوب کے لیے پیداوار میں نصاب شرط نہیں ہے مذکورہ چیزیں نصاب سے کم ہوں گی تو بھی ان میں عشر واجب ہو گا، اور ان میں یہ بھی شرط نہیں ہے کہ وہ چیزیں سال بھر باقی رہنے والی ہوں اور نہ ان میں سال کا گذرنا (حولان حول) شرط ہے، اس وجہ سے کہ اس میں محنت اور اجرت کا معنی پایا جاتا ہے (اگر پیداوار ایک سال میں کئی مرتبہ ہوگی تو ہر بار عشر واجب ہو گا چونکہ حولانِ حول وغیرہ شرط نہیں ہے اس لیے امام کے لیے جائز ہے کہ وہ ان چیزوں کا عشر جبراً وصول کرے اور یہ عشر ترکہ سے بھی لیا جاسکتا ہے)

قرض دار، نابالغ اور وقف کی زمین میں عشر عشر اس حالت میں بھی واجب ہے جب زمین والے کے ذمہ کوئی قرض ہو اور اسی طرح نابالغ پاگل، مکاتب، غلام ماذون غلام اور وقف کی زمین میں بھی عشر واجب ہے، (مگر وقف کی زمین میں اس وقت عشر واجب ہے جب اہل وقف نے اسے آباد کیا ہو کذا فی الشامی) عشر کو مجازاً زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔

الا فی مالا یقصد بہ استغلال الارض نحو حطب و قصب فارسی و حشیش و تبن وسعف و صمغ و قَطران و خطمی و اشنان و شجر قطن و باذنجان و بذر بطیخ و قثاء و ادویۃ کحلبۃ و شونیز حتی لو اشغل ارضہ بھا یجب العشر .

وہ چیزیں جن میں عشر نہیں البتہ ان چیزوں میں عشر واجب نہیں ہے جن کا زمین سے پیدا کرنا مقصود نہ ہو، جیسے لکڑی، سوکھی اور تر گھاس، کھجور کے پتے، گوند، قطران (جو ایک درخت کا عصارہ ہوتا ہے)

خطمی، اُشنان، کپاس اور بیگن کا درخت، تربوز اور ککڑی کے بیج، اور دوائیاں جیسے میتھی اور کلونجی (یعنی ان چیزوں میں عشر نہیں) معراج الدرایہ میں لکھا ہے کہ گنے میں عشر نہیں ہے مگر اس کے رس میں عشر ہے امام محمدؒ سے ایک روایت آئی ہے کہ سوکھی گھاس میں عشر ہے، البتہ بیگن اور کپاس کے درخت میں عشر نہیں ہے مگر خود بیگن اور کپاس میں عشر ہے۔ (کذا قال الطحاوی)۔ دواؤں میں عشر نہیں ہے، جیسے کیلہ، ہلیلہ اور کندرو غیرہ۔ (کذا قالہ الشامی)

مذکورہ چیزوں میں عشر جن چیزوں کے متعلق ابھی اوپر یہ آیا ہے کہ ان میں عشر نہیں ہے اگر کوئی زمین کو انہی چیزوں میں مشغول رکھے گا تو پھر ان میں بھی عشر واجب ہوگا، یعنی مثلاً زمین کو گھاس وغیرہ کے واسطے مخصوص کر رکھا ہو اور وہی پیدا کرتا ہو اور وہی کاٹتا اور بیچتا ہو تو پھر ان میں عشر واجب ہوگا شرنبلالی نے لکھا ہے کہ بیچنے کی شرط نہیں ہے، صرف پیدا کرنے اور کاٹنے کی شرط ہے۔

و یجب نصفه فی مسقی غرب ای دلو کبیر و دالیة ای دولاب لکثرة المؤنة و فی کتب الشافعیة او سقاه بماء اشتراه و قواعدنا لا تاباه ولو سقی سیحا و بآلة اعتبر الغالب و لو استویا فنصفه و قیل ثلثة ارباعه بلا رفع مؤن ای کلف الزرع و بلااخراج البذر لتصریحهم بالعشر فی کل الخارج .

رہٹ وغیرہ سے سینچی جانے والی زمین میں عشر اور زمین کی اس پیداوار میں نصف عشر (بیسواں حصہ) واجب ہوتا ہے جس کو رہٹ، ڈول وغیرہ سے سینچا گیا ہو اس لیے کہ اس میں زیادہ محنت ہوتی ہے۔

اور کتب شافعیہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس صورت میں بھی نصف عشر ہوگا جب کوئی پانی مول لے کر دیا ہو، اور اس صورت میں خود ہمارے نزدیک بھی نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ہی واجب ہوگا کذا فی الشامی۔ اور اگر پانی بارش کا بھی دیا گیا ہو اور رہٹ وغیرہ سے بھی، تو اس صورت میں غالب کا اعتبار ہوگا اگر بارش کا پانی زیادہ ہو اور رہٹ وغیرہ کا کم تو عشر (دسواں حصہ) واجب ہوگا اور اگر رہٹ وغیرہ کا پانی زیادہ دیا گیا ہو اور بارش کا کم، تو نصف عشر (بیسواں حصہ) واجب ہوگا، اور اگر دونوں طرح پانی دینے کی مقدار برابر ہو تو نصف عشر واجب ہوگا، اور ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں عشر کا تین ربع (چوتھائی) واجب ہے (گویا آدھا عشر کا لیا اور آدھا نصف عشر کا، دونوں مل کر تین ربع (تین چوتھائی) ہوا، مگر زیلعی نے نصف عشر کے قول کو ترجیح دی ہے۔

عشر اور نصف کل پیداوار میں ہے عشر اور نصف عشر کل پیداوار سے لیا جائے گا، اور اس میں کھیتی کے اخراجات مجرا نہیں کیے جائیں گے اور نہ بیج کا مجرا ہوگا، اس لیے کہ فقہاء نے صراحت کر دی ہے کہ کل پیداوار سے عشر وصول ہوگا۔

و یجب ضعفه فی ارض عشریة لتغلبی مطلقا و ان کان طفلا او انثی او اسلم او اتباعها من مسلم او اتباعها منه مسلم او ذمی لان التضعیف کالخراج فلا یتبدل و اخذ الخراج من ذمی غیر تغلبی اشتری ارضا عشریة من مسلم و قبضها منه للتنافی.

تغلبی سے دوگونہ عشر

تغلبی کی عشری زمین میں بہر صورت دو گنا عشر (پانچواں حصہ) لیا جائے گا (بنی تغلب نصاریٰ سے تھے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ان سے اس بات پر صلح ہوئی تھی کہ وہ مسلمانوں کا دو گونا عشر ادا کریں گے لہٰذا ہر صورت میں ان سے دو گنا عشر لیا جائے گا کیوں کہ اس وقت اس کی کوئی صراحت موجود نہیں ہے کہ اس زمین کو رہٹ وغیرہ سے پانی دیا گیا ہو یا بارش اور دریا کے پانی سے وہ زمین سینچی گئی ہو۔

ہر تغلبی کی زمین سے دو گنا عشر لیا جائے گا خواہ وہ تغلبی لڑکا ہو یا عورت، وہ مسلمان ہو گیا ہو، یا اس نے مسلمان سے زمین خریدی ہو (مسلمان ہونے کے بعد بھی اس کی زمین کا عشر دو گونہ ہی رہتا ہے البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کی زمین مسلمان ہونے کے بعد عشری ہو جاتی ہے اور یہی حکم اس وقت بھی ہوگا جب اس سے کسی مسلمان نے اس کی زمین خریدی ہو، اور اگر تغلبی کسی مسلمان کی زمین خریدے گا تو اس صورت میں بھی اس کو دو گونہ ہی عشر دینا ہوگا، شیخین کا مذہب یہی ہے البتہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عشر ہوگا)

یا تغلبی سے کسی مسلمان یا ذمی نے زمین خریدی ہو تو اس صورت میں دو گونا عشر خراج کی طرح ہے لہٰذا وہ ایسا ہی باقی رہے گا وہ حکم نہیں بدلے گا (ان کے درمیان اختلاف کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے)

ذمی سے عشر کے بجائے خراج

اس ذمی سے جو تغلبی نہیں ہے اس صورت میں خراج لیا جائے گا جب اس نے کسی مسلمان سے عشری زمین خریدی ہو، اور اس پر قبضہ کیا ہو، کیوں کہ عشر اور کفر میں منافاۃ ہے، (کیوں کہ عشر میں عبادت کا معنیٰ پایا جاتا ہے خراج میں نہیں پایا جاتا)

زمین کی قسمیں اور ان کا حکم

زمین عشری ہو گی یا خراجی یا دو گونا عشر والی، اسی طرح زمین خریدنے والا مسلمان ہوگا یا ذمی یا تغلبی، اگر مسلمان عشری یا خراجی زمین خریدے گا تو وہ زمین اپنی سابق حالت پر عشری اور خراجی باقی رہے گی، اور اگر دو گونا عشر والی زمین خریدے گا تو طرفین کے نزدیک وہ بھی اپنے سابق حال پر باقی رہے گی البتہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ وہ عشری ہو جائے گی، اور جب خراجی زمین کو کوئی تغلبی خریدے گا تو وہ خراجی ہی باقی رہے گی، اور اگر وہ دو گونا عشر والی زمین خریدے گا تو وہ دو گنا والی ہی رہے گی، البتہ اگر یہ تغلبی کسی عشری زمین کو کسی مسلمان سے خریدے گا تو وہ دو گونا عشر والی ہو جائے گی، شیخین کا مذہب یہی ہے اور جب کوئی ذمی (غیر تغلبی) زمین خریدے اور وہ زمین خراجی یا دو گونا عشر والی ہو تو وہ بدستور رہے گی، اور اگر یہ عشری زمین خریدے گا تو یہ خراجی ہو جائے گی کذا فی الشامی۔

و اخذ العشر من مسلم اخذها منه من الذمی بشفعة لتحول الصفقة الیه اوردت علیه لفساد البیع او بخیار شرطا و رؤیة مطلقا او عیب بقضاء و لو بغیره بقیت خراجیة لانه اقالة لا فسخ واخذ خراج من دار جعلت بستانا او مزرعة ان کانت لذمی مطلقا او لمسلم و قدسقاها بمائه لرضاه به و اخذ عشر ان سقاها المسلم بمائه او بهما لانه الیق به

ذمی کی وہ زمین جو مسلمان نے لی ہو

مسلمان نے اگر ذمی سے عشری زمین شفعہ کی وجہ سے لی ہو تو اس صورت میں مسلمان سے عشر لیا جائے گا، اس لیے کہ زمین کی ملکیت ذمی

سے بدل کر مسلمان کی طرف آگئی (جس طرح مسلمان کی زمین مسلمان خریدے اس طرح کا حکم ہو جائے گا) یا ذمی نے کسی مسلمان سے بیع فاسد کے طور پر زمین لی تھی پھر وہ زمین مسلمان کو فاسد ہونے کی وجہ سے لوٹا دی گئی تو اس صورت میں بھی اس سے عشر ہی لیا جائے گا، یا اختیار کی شرط کی وجہ سے واپس کی گئی ہو تو بھی مسلمان سے عشر ہی لیا جائے گا، اسی طرح مسلمان سے عشر ہی لیا جائے گا اگر اس کو وہ زمین دیکھنے کے اختیار کی وجہ سے لوٹائی گئی ہے یہ واپسی خواہ قاضی کے فیصلے کے بعد ہوئی ہو یا اس کے فیصلے کے بغیر دونوں صورتوں میں، البتہ عیب کی وجہ سے واپسی میں قضائے قاضی شرط ہے اگر بغیر قاضی کے فیصلے کے لوٹائی گئی ہے تو وہ زمین خراجی ہوگی کیوں کہ یہ اقالہ ہوگا فسخ نہیں ہوگا، (گویا پانچ صورتیں عشر لینے کی ہوئیں: (۱) ذمی سے شفع کی وجہ سے زمین لی ہو (۲) بیع کے فاسد ہونے کی وجہ سے زمین کی واپسی ہوئی ہو (۳) اختیار کی شرط کی وجہ سے واپسی ہوئی ہو (۴) دیکھنے کے اختیار لینے کی وجہ سے واپسی ہوئی ہو (۵) خیار عیب کی وجہ سے واپسی ہوئی ہو)

مسلمانوں سے کب خراج لینا چاہیے

مسلمانوں سے مندرجہ ذیل صورتوں میں خراج لیا جائے گا: ذمی کا گھر لے کر مسلمان نے باغ یا کھیت بنالیا ہو، خواہ اس باغ اور کھیت کو اس نے عشر والے پانی سے پانی دیا ہو، یا خراج کے پانی سے پانی دیا ہو، یا مسلمان نے مسلمان سے گھر خرید کر کھیت یا باغ بنالیا ہو اور اس نے اس کھیت اور باغ کو اپنی خوشی سے خراج کا پانی دیا ہو (خراج کا پانی ان نہروں کا پانی ہے جن کو عجمیوں نے کھودا ہو جیسے گنگا، جمنا، سیحوں، جیحوں، دجلہ و فرات اور عشر کا پانی وہ پانی ہے جو مینہ (بارش کا پانی) کنواں اور چشمہ اور اس دریا سے لیا گیا ہو جو کسی کے قبضہ میں نہ ہو)

لیکن اگر اس نے عشر کے پانی سے اس کھیت کو پانی دیا ہے تو وہ عشری ہوگی اور اس سے عشر لیا جائے گا اور اگر عشر کا پانی بھی دیا اور خراج کا بھی تو اس صورت میں بھی عشر ہی لیا جائے گا، اس لیے کہ مسلمان کے لیے لائق تر عشر ہے خراج نہیں، اس لیے اسی کو ترجیح حاصل ہوگی۔

ولا شیء فی دار و مقبرة و لو لذمی و لا فی عین قیر ای زفت و نفط دهن یعلو الماء مطلقا ای فی ارض عشر او خراج و لکن فی حریمهما الصالح للزراعة من ارض الخراج خراج لا فیها لتعلق الخراج بالتمکن من الزراعة و اما العشر فیجب فی حریمهما العشری ان زرعه و الا لا لتعلقه بالخارج.

گھر اور مقبرہ میں خراج نہیں

گھر اور مقبرہ میں کوئی خراج نہیں خواہ وہ ذمی کا ہی کیوں نہ ہو (حضرت عمرؓ نے گھروں سے ٹیکس کو معاف کر دیا تھا، اور صحابہ کرامؓ کا اسی پر اجماع ہے) دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ گھر اور مقبرہ میں نمو اور بڑھوتری نہیں پائی جاتی ہے جو خراج کی وجہ ہے (اگر کوئی خراجی زمین کو آباد نہ کرے پرتی (غیر آباد) رکھے تو اس سے بھی خراج لازم ہوگا، فتاویٰ خانیہ میں ہے کہ اگر کوئی خراجی زمین خرید کر کے گھر یا عمارت بنوائے تو بھی اس پر اس زمین کا خراج لازم ہوگا، البتہ اگر اس خراجی زمین میں کوئی قبرستان یا فقیروں کے ٹھہرنے کے لیے سرائے بنادیں تو اس پر خراج نہیں ہوگا)

رال کے چشمے پر خراج اور عشر نہیں

رال کے چشمے پر بھی کوئی خراج اور عشر نہیں ہے (اس لیے کہ یہ زمین سے پیدا ہونے والی چیز نہیں ہے بلکہ زمین کے اندر چشمہ ہے جو جوش مارتا ہے جیسے پانی کا چشمہ ہو تو اس پر عشر اور خراج نہیں ہے اسی طرح اس پر بھی نہیں ہے)

نفط جو ایک طرح کا روغن ہوتا ہے پانی پر تیرتا ہے اس میں بھی عشر و خراج نہیں ہے خواہ یہ عشری زمین میں ہو یا خراجی زمین میں لیکن خراجی زمین کے چشمہ کے گرد گرد جو زمین کھیتی کی صلاحیت رکھتی ہے اس میں خراج لازم ہے، البتہ خود اس چشمہ میں خراج نہیں ہے، اس لیے کہ خراج کا تعلق کھیتی کی صلاحیت پر ہے۔

چشمہ کے آس پاس کی زمین میں عشر

چشمے کے ارد گرد کی عشری زمین میں عشر واجب ہے اگر وہ اس کو آباد کرے اور اس میں کھیتی کرے، اور اگر کھیتی نہ کرے تو واجب نہیں ہے اس لیے کہ عشر کا تعلق زمین کی پیداوار سے ہے۔

و یؤخذ العشر عند الامام عند ظهور الثمرة و بدوّ صلاحها برهان و شرط في النهرا من فسادها ولا يحل لصاحب ارض خراجية اكل غلتها قبل اداء خراجها و لا ياكل من طعام العشر حتى يؤدى العشر و ان كل ضمن عشره مجمع الفتاوى و للامام حبس الخارج للخراج و من منع الخراج سنين لا يؤخذ لما مضى عند ابى حنيفة خانية و فيها من عليه عشر او خراج اذا مات اخذ من تركته و فى رواية لا بل يسقط بالموت والاول ظاهر الرواية .

عشر کب لیا جائے گا

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ عشر اس وقت لیا جائے گا جب پھل ظاہر ہو جائے اور یہ معلوم ہونے لگے کہ اب یہ کسی لائق ہو چکا ہے اور نہر الفائق میں یہ شرط بھی لکھی ہے کہ وہ پھل فساد سے مامون ہو جائے تب اس کا عشر لیا جائے (سوال یہ ہے کہ کھیتوں اور پھلوں کے عشر لینے کا وقت کیا ہے امام ابو حنیفہؒ اور امام زفرؒ کہتے ہیں کہ اس وقت لیا جائے گا جب پھل ظاہر ہو جائے اور خرابی سے محفوظ ہو جائے اگرچہ کٹنے اور توڑنے کے لائق نہ ہو، اس درجہ میں آجائے کہ اس سے نفع اٹھایا جا سکتا ہو، اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اس وقت لیا جائے جب کھیت کٹنے کے لائق ہو جائے اور پھل توڑنے کے لائق، اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ جب کھیت کٹ کر کھلیان میں جمع ہو جائے۔ کذا فی الشامی)

خراج ادا کرنے سے پہلے کھانا

خراجی زمین کے مالک کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ وہ خراج ادا کرنے سے پہلے اس کی آمدنی سے کھائے، (عشر میں بھی یہی حکم ہے البتہ جب مالک ادائیگی کا عزم صادق رکھتا ہو تو ادائیگی خراج اور ادائیگی عشر سے پہلے اس کی پیداوار سے کھا سکتا ہے)

عشری زمین کی کھانے والی چیزوں کو اس وقت تک نہیں کھائے جب تک عشر ادا نہ کر لے، اور اگر کوئی ادائیگی سے پہلے کھائے گا تو اس کے عشر کا ضامن ہوگا (بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ دستور کے مطابق اس میں سے تھوڑا سا کھائے گا تو کوئی حرج نہیں ہے، فقیہ ابو اللیث نے اسی قول کو اختیار کیا ہے)

خراج کی وصولی کے لیے پیداوار روکنا
امام کو اس کا اختیار ہے کہ وہ خراج کی وصولی کے لیے پیداوار کو روک لے، اور جس نے کئی برس کا خراج ادا نہیں کیا ہے اور اس کو روک رکھا ہے امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ گذشتہ سالوں کا خراج اس سے وصول نہیں کیا جائے گا (اور بعضوں نے اس کو اس حالت پر محمول کیا ہے جب مالک زمین کھیتی کرنے سے مجبور ہو)

خانیہ میں ہے کہ جس شخص کے ذمہ عشر یا خراج باقی ہو جب اس کی وفات ہو جائے گی تو اس کے ترکہ سے یہ رقم لی جائے گی اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ موت کی وجہ سے عشر اور خراج ساقط ہو جائے گا، لیکن پہلا قول ظاہر الروایہ ہے۔

فروع

تمكن و لم يزرع وجب الخراج دون العشر و يسقطان بهلاك الخارج والخراج على الغاصب ان زرعها و كان جاحدا ولا بينة لربها والخراج في بيع الوفاء على البائع ان بقي في يده

شارح کی طرف سے اضافہ شدہ مسائل

قابل زراعت زمین پر قبضہ اور اس کا عشر
ایک شخص قابل زراعت زمین پر قابض ہوا مگر اس کو آباد نہیں کیا تو اس پر خراج واجب ہوگا، البتہ عشر واجب نہیں ہوگا اور جب اس کی پیداوار ہلاک ہو جائے تو عشر و خراج دونوں ساقط ہو جائیں گے۔

مغصوبہ زمین کا خراج
غاصب مغصوبہ زمین آباد کرلے اور غصب سے انکار کردے اور مالک زمین کے پاس اس کے مقابلہ میں کوئی حجت نہ ہو تو اس کا خراج غاصب کے ذمہ ہوگا (خانیہ میں ہے کہ ایسی زمین جس کا خراج مقرر ہے کسی شخص نے اس کو غصب کرلیا اور اس نے غصب کا انکار کردیا، ادھر زمین کے اصل مالک کے پاس گواہ نہیں ہے، اگر غاصب نے اس زمین کو آباد کیا اور آباد کرنے سے زمین کا کچھ نقصان نہیں ہوا ہے تو خراج غاصب پر ہوگا اور اگر غاصب نے اس کو آباد نہیں کیا ہے تو خراج کسی پر بھی نہیں ہے، اور اگر غاصب غصب کرنے کا اقرار کرتا ہو، یا مالک زمین کے پاس گواہ ہوں اور زراعت کی وجہ سے زمین میں کوئی نقصان نہیں آیا ہے تو خراج مالک پر ہوگا۔

بیع بالوفاء والی زمین کا خراج
بیع بالوفاء میں خراج بیچنے والے کے ذمہ ہوگا بشرطیکہ زمین اس کے قبضہ میں ہو (بیع بالوفاء اس طرح بیچنے کو کہتے ہیں جس میں یہ شرط ہو کہ "بیچی ہوئی زمین" اس وقت بیچنے والے کو واپس کردی جائے گی جب وہ خریدار کو قیمت لوٹا دے گا، اس کی تفصیل کتاب البیوع میں آئے گی)

و لو باع الزرع ان قبل ادراكه فالعشر على المشتري و لو بعده فعلى البائع والعشر على المؤجر كخراج موظف و قالا على المستاجر كمستعير مسلم و في الحاوي و بقولهما ناخذ.

فروخت کردہ کھیتی کا عشر

اگر کسی نے کھیتی پکنے سے پہلے بیچ دی تو عشر خریدار کے ذمہ ہے اور اگر کھیتی پکنے کے بعد بیچی ہے تو بیچنے والے کے ذمہ ہے، (اور اس کی صورت یہ ہے کہ کھیتی خریدنے کے بعد خریدار نے مالک کی اجازت سے پکنے تک بدستور رہنے دیا تو طرفین کے نزدیک خریدار کے ذمہ عشر ہے، اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ ہری کٹی ہوئی کھیتی کی قیمت کے برابر تو بیچنے والے پر ہے اور باقی خریدار پر، اور اگر کھیت بیچا مگر پیداوار نہیں بیچی اور خریدار کے حوالہ کر دیا اور اس قدر بدو باقی تھی کہ وہ اس میں کھیتی کر سکتا ہے تو عشر خریدار کے ذمہ ہے ورنہ بیچنے والے پر، اور بدو کے اندازہ کے باب میں فتویٰ تین ماہ ہے)

اجارہ والی زمین کا عشر

اجارہ والی زمین میں امام صاحبؒ کے نزدیک عشر اجارہ دینے والے کے ذمہ ہے جس طرح خراج موظف میں بالاتفاق اجارہ دینے والے پر ہوتا ہے اور صاحبین نے کہا کہ عشر اجارہ لینے والے پر ہے، (یعنی اگر کسی نے کسی کو اجارہ پر زمین دی اس صورت میں امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ عشر اس شخص پر ہے جس نے اجرت پر زمین دی ہے اور صاحبین کہتے ہیں کہ وہ شخص دے گا جس نے اجرت پر زمین لی ہے، امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ زمین کا نمو جس طرح زراعت سے ہوتا ہے ویسا ہی اجارہ سے بھی ہوتا ہے، اور یہاں مقصود اجرت ہے تو در حقیقت زمین کا نفع مالک زمین (اجرت دینے والے) کو حاصل ہوا لہٰذا عشر یہ دے گا اور صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ عشر کا تعلق زمین کی پیداوار سے ہے اور پیداوار کا مالک وہ شخص ہوتا ہے جس نے زمین اجرت پر لی ہے لہٰذا عشر اُس کے ذمہ ہوگا) صاحبین کہتے ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ عاریت پر لینے والا مسلمان، کہ اگر اس نے کسی کی زمین عاریتاً لی ہے تو خراج اسی پر ہوگا، کیوں کہ پیداوار اس کے حصہ میں آتی ہے، حاوی نامی کتاب میں ہے کہ اس مسئلہ میں ہم صاحبین کا قول اختیار کرتے ہیں۔

و فی المزارعة ان كان البذر من رب الارض فعليه و لو من العامل فعليهما بالحصة و من له حظ فی بيت المال و ظفر بما هو موجه له اخذه ديانة و للمودَع صرف وديعة مات بها و لا وارث لنفسه او غيره من المصارف.

بٹائی والی زمین کا عشر

وہ زمین جو مزارعت (بٹائی) پر دی جائے اس کے عشر کے سلسلہ میں حکم یہ ہے کہ اگر بیج مالک زمین نے دیا ہے تو عشر اس پر ہوگا، اور اگر بیج بٹائی کرنے والے کی طرف سے ہے تو عشر دونوں پر حصہ رسدی کے مطابق ہوگا (صاحبینؒ کے نزدیک بٹائی (مزارعت) کی تین صورتیں درست ہیں: اول یہ کہ ایک شخص کی زمین ہو اور دوسرا اسے اپنی محنت اور بیج وغیرہ سے آباد کرے، دوم یہ کہ ایک کی زمین ہو اور وہی بیج بھی دے، مگر ہل اور محنت وغیرہ دوسرے کی طرف سے ہو، سوم یہ کہ ایک شخص کے ذمہ صرف کام ہو، باقی سب دوسرے کے ذمہ ہو) اور اگر وہ خراجی زمین ہے تو بالاتفاق خراج مالک زمین پر ہے۔

بیت المال سے اپنا حق لینا

بیت المال میں جس کا حق ہے اگر وہ خوش اسلوبی سے اپنے اس حق پر قابو پا گیا ہے تو اس کے لیے اس حق کا دیانتاً لے لینا درست ہے، اور جس شخص نے کسی دوسرے کی امانت رکھی اور وہ امانت رکھنے والا مر گیا اور اپنا کوئی وارث نہیں چھوڑا، تو اس امانت رکھنے والے کے لیے درست ہے کہ اس امانت کو اپنی ذات پر اور اپنے غیر پر خرچ کرے اگر وہ اس کے مصرف ہوں، یعنی اگر زکوٰۃ کی رقم لینی اس کے لیے درست ہو۔

دفع النائبة و الظلم عن نفسه اولی الا اذا تحمل حصته باقیهم و تصح الکفالة بها ویؤجر من قام بتوزیعها بالعدل و ان کان الاخذ باطلا و هذا یعرف ولا یعرف کفا لمادة الظلم .

ناجائز ٹیکس اور ظلم کا دفع کرنا

حکومت کی طرف سے جو ناحق ٹیکس لگایا جائے اس کا اور ظلم کا اپنی ذات سے دفع کرنا بہتر ہے البتہ اس صورت میں اس کا ٹلانا بہتر نہیں ہو گا جب اس کے نہ دینے کی شکل میں اس کا حصہ قانوناً دوسروں کو اٹھانا پڑے، حکومت کی مقرر کردہ رقم کی کفالت جائز ہے (عربی لفظ نائبہ کے معنی ہیں وہ ٹیکس جو بادشاہ کی طرف سے لازم کر دیا جائے خواہ وہ ناجائز ہو یا جائز، فقہاء کہتے ہیں کہ حکومت کا پبلک پر اس لازم کردہ رقم کا کسی کی جانب سے تحصیل (ذمہ دار) بننا جائز ہے، جائز رقم کی مثال جیسے عوام کے لیے نہر کھدوانا، محلّہ کے چوکیدار کی اجرت، مسلمان قیدی کو کفار کے ہاتھ سے چھڑانا اس طرح کی ضرورت کے لیے اگر حکومت کوئی رقم پبلک پر لازم کر دے تو دوسروں کی جانب سے اس کا ذمہ دار بننا جائز ہے اور ناجائز لازم کردہ رقم کی مثال ناجائز کاموں کے لیے ٹیکس لگانا جب پبلک کے ذمہ وہ لازم کر دیا جائے تو پبلک کے کفیل بننے میں کوئی مضائقہ نہیں)

حکومت کے ناجائز ٹیکس کی تقسیم

اس ٹیکس کو جو شخص انصاف کے ساتھ حسب مراتب تقسیم کرے گا وہ ثواب کا مستحق ہو گا گو اس ٹیکس کا لینا باطل ہو (ثواب اس لیے ملے گا کہ اس نے انصاف کے ساتھ جو جس حیثیت کا تھا اسی انداز سے تقسیم کیا، ہو سکتا تھا کہ دوسرا غریبوں کے حصہ میں زیادہ دیتا اور سرمایہ داروں کے حصہ میں کم، اس منصف کی وجہ سے یہ ظلم رُک گیا اور غریب اس بے ایمانی اور ظلم سے بچ گئے گو حکومت کے لیے اس ٹیکس کا وصول کرنا جائز نہیں ہے مگر یہ حکومت کا فعل ہے)

یجوز ترك الخراج للمالك لا العشر و سیجیٔ تمامه مع بیان بیوت المال مصارفها فی الجهاد و نظمها ابن الشحنة فقال :

بیوت المال اربعة لکل مصارف بیّنتها العالمونا فاوّلها الغنائم والکنوز رکاز بعدها المتصدقونا و ثالثها خراج مع عشور و حالیة یلیها العالمونا و رابعها الضوائع مثل مالا یکون له اناس وارثونا فمصرف الاولین اتی بنص و ثالثها حواه مقاتلونا و رابعها فمصرفه جهات تساوی النفع فیها المسلمونا .

مالک زمین سے خراج اور عشر نہ لینا

مالک زمین سے خراج نہ لینا اور اس کا چھوڑ دینا جائز ہے مگر عشر کا چھوڑنا جائز نہیں ہے یعنی حکومت کے ذمہ دار اگر خراج زمین والے کو معاف کر دیں اور نہ لیں گو یہ کسی کی سفارش سے ہی ہو درست ہے اور مالک کے لیے بھی نہ دینا جائز ہے اگر وہ تنگ دست غریب ہو اور اگر وہ ایسا نہ ہو تو وہ رقم صدقہ کر دے، البتہ عشر کا چھوڑنا درست نہیں ہے (اگر چھوڑ دے تو مالک زمین کا فرض ہے کہ وہ عشر کی یہ رقم فقیروں میں تقسیم کر دے) اس مسئلہ کی تفصیل مع اس کے مصارف کے کتاب الجہاد میں آئے گی، ابن الشحنہ نے اس کو نظم کر دیا ہے، اس نظم کا ترجمہ یہ ہے۔

بیت المال چار قسم پر ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے مصارف الگ الگ ہیں جن کو علماء نے بیان کیا ہے ان چار قسموں میں بیت المال کی پہلی قسم مال غنیمت، خزانے اور کان و دفینہ ہے اور دوسری قسم صدقہ کرنے والوں کا مال ہے اس میں زکوٰۃ، عشر اور تاجروں سے جو عشر وغیرہ لیا جاتا ہے وہ سب داخل ہے بیت المال کی تیسری قسم خراج ہے اس عشر کے ساتھ جو بنی تغلب سے لیا جاتا ہے اور جزیہ جس کے کارگذار حاکم ذمہ دار ہوتے ہیں، اور چوتھی قسم وہ ہیں جن کا کوئی وارث نہیں ہوتا پس پہلی دونوں کا مصرف قرآن پاک میں صراحتاً مذکور ہے اور تیسری قسم وہ ہے جس کو مقاتلین جمع کرتے اور لیتے ہیں اور چوتھی قسم کا مصرف وہ صورتیں ہیں جن کا نفع سارے مسلمانوں کو پہونچتا ہے (جیسے مساجد، پل، مسافرخانے اور سرحد کا مضبوط کرنا وغیرہ)

باب المصرف

ای مصرف الزکوۃ والعشر و اما خمس المعدن فمصرفه کالغنائم هو فقیر و هو من له ادنی شئی ای دون نصاب او قدر نصاب غیر نام مستغرق فی الحاجة ومسکین من لا شئی له علی المذهب لقوله تعالی او مسکینا ذامتربة وایة السفینة الترحم وعامل یعم الساعی والعاشر فیعطی ولو غنیا لا ها شمیا لانه فرغ نفسه لهذا العمل فیحتاج الی الکفایة والغنی لا یمنع من تناولها عند الحاجة کابن السبیل بحر عن البدائع .

زکوۃ اور عشر کے مصارف کا بیان

اس باب میں زکوٰۃ اور عشر کے مواقع کا بیان ہے کہ کس کس جگہ وہ خرچ ہونگے (یہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ عشر میں نصف عشر (بیسواں حصہ) اور ربع عشر (چالیسواں حصہ) بھی داخل ہے اور جو مصرف عشر و زکوٰۃ کا ہے وہی مصرف صدقہ فطر، کفارہ، صدقہ واجبہ اور نذر کا بھی ہے . معدن (کان) کے خمس (پانچواں حصہ) کا مصرف مالِ غنیمت کی طرح ہے اس لئے یہاں اس کا ذکر مناسب نہیں تھا، شامی نے کہا ہے کہ یہاں کنز (دفینہ) کا ذکر بھی کرنا چاہئے تھا کیوں کہ معدن (کان اور کنز دفینہ) کا حکم تقریباً یکساں ہے۔

پہلا مصرف زکوٰۃ و عشر کا ایک مصرف فقیر ہے اور فقیر شریعت میں اس کو کہتے ہیں جس کے پاس تھوڑا مال ہو۔ (یہاں فقیر اس لئے مقدم کر کے بیان کیا کہ قرآن پاک میں جہاں مصارف زکوٰۃ کا بیان ہے وہاں فقیر کو سب سے پہلے ذکر کیا ہے انما الصدقات للفقراء و المساکین الخ اور اس وجہ سے بھی کہ فقر ہر جگہ شرط ہے سوائے عامل، مکاتب اور مسافر کے، تھوڑا مال سے مراد یہاں یہ ہے نصاب نامی کا مالک نہ ہو اور اگر نصاب کے برابر ہو تو وہ نامی (بڑھنے والا) نہ ہو اور ضرورت میں مشغول ہو، جیسے رہنے کے گھر، خدمت کے غلام، گھر کے سامان پہننے کے کپڑے، پیشے کے آلات وغیرہا ان ضروریات زندگی کے سوا اگر وہ مالک نصاب نہیں ہے تو اس کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے ورنہ حرام ہے اور اس پر زکوٰۃ کے علاوہ قربانی، صدقۃ الفطر اور اپنے قرابتدار محتاج کا نفقہ لازم ہوگا۔)

دوسرا مصرف

زکوٰۃ عشر کا دوسرا مصرف مسکین ہے اور مسکین اس کو کہتے ہیں کہ جس کے پاس کچھ نہ ہو یعنی فقیر سے بھی گیا گذرا ہو، دلیل میں یہ آیت پیش کی گئی ہے۔ **او مسکینا ذامقربة** (یا مسکین خاک میں ملا ہوا ہو) اور قرآنی آیت **واماالسفینة فکانت لمساکین یعملون فی البحر** میں کشتی والے کو مساکین بطور ترحم کے کہا گیا ہے اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ کشتی انکی ذاتی نہیں تھی۔ بلکہ وہ مزدور تھے یا کسی کی عاریتا لے آئے تھے۔)

تیسرا مصرف

زکوٰۃ و عشر کا تیسرا مصرف عامل ہے چاہے وہ عشر وصول کرنے والا ہو یا زکوٰۃ اور صدقہ واجبہ وصول کرنے والا لہٰذا عامل کو زکوٰۃ کے مال سے اس کی اجرت دیجائیگی اگرچہ وہ عامل فی نفسہٖ مالدار ہو، اس لئے کہ اس نے اپنے کو فارغ کر کے اسی کام میں لگا رکھا ہے اس کو اتنے اخراجات کی ضرورت ہے جو اس کیلئے کافی ہو اور غنی (مالدار) کو بوقت ضرورت اس کے لینے کی ممانعت نہیں ہے، جس طرح مسافر کو بوقت ضرورت اس کے لینے کی اجازت دی گئی ہے۔

وبهذا التعليل يقوى مانسب الواقعات من ان طالب العلم يجوز له اخذا الزكوة و لوعتنيا اذا فرغ نفسه لا فادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب والحاجة داعية الى مالا بد منه كذا ذكره المصنف بقدرعمله مايكفيه واعوانه بالوسط لكن لا يزاد على نصف مايقبضه ومكاتب لغيرها شمي ولو عجرحل لمولاه ولوغنيا كفقير استغن ابن سبيل وصل لما له.

طالب العلم کی زکوٰۃ

اس علت کے ذکر سے وہ روایت قوی ہوتی ہے جو واقعات نامی کتاب کی طرف منسوب ہے اور وہ روایت یہ ہے کہ طالب العلم کو زکوٰۃ لینی درست ہے گو وہ طالب العلم مالدار ہو جب وہ اپنے آپ کو پڑھنے پڑھانے میں مشغول کر دے اور اسی کیلئے وقف ہو جائے، اس وجہ سے کہ وہ کمانے سے مجبور ہے اور اس کی ضرورت کا تقاضہ ہے کہ اتنا ملے جو اس کی ضروریات زندگی کے لئے کافی ہو، مصنف نے اسی کو ذکر کیا ہے (بعض علماء نے لکھا ہے کہ طالب العلم کو فقیر کی قید کے ساتھ مقید کرنا چاہئے ایسے طالب العلم کیلئے زکوٰۃ لینا درست ہے گو وہ کمانے پر قادر ہو۔)

عامل کو اس کے کام کے مطابق اسقدر اجرت دیجائے گی جو اس کو اور اس کے عملہ کو اوسط درجہ میں کافی ہو لیکن کسی حال میں اس کو اس کی آمدنی کے آدھے سے زیادہ نہ دیا جائے۔

چوتھا مصرف

زکوٰۃ و عشر کا چوتھا مصرف وہ مکاتب غلام ہے جو کسی ہاشمی کا نہ ہو (مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جس کو اس کے آقا نے لکھ دیا ہو کہ اس قدر روپے دیدوگے تو آزاد ہو، اور مکاتب غلام خواہ کسی مالدار کا ہی کیوں نہ ہو تو بھی اس کو دینا جائز ہے اور چاہے وہ رقم بدل کتابت سے زیادہ ہو) اگر مکاتب غلام عاجز ہو جائے تو یہ مال زکوٰۃ اس کے آقا کیلئے حلال ہے گو وہ آقا غنی اور مالدار ہو، اس لئے کہ دراصل پہلے وہ رقم مکاتب کی ہوئی اور پھر اس کے واسطے اسے اس کی مجبوری کے پیش نظر اس کے آقا کی، حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **لها صدقة ولنا هدية**، فقیر کیلئے اتنی زکوٰۃ حلال ہے کہ وہ غنی ہو جائے اور مسافر کیلئے اس وجہ سے حلال ہے کہ وہ اس کی وجہ سے اپنے مال تک پہونچ جائے (ماحصل یہ ہے کہ ادا کے وقت کا اعتبار ہے۔)

سكت عن الؤلفة قلوبهم لسقوطهم امابزوال العلة او نسخ بقوله صلى الله عليه وسلم لمعاذن آخر الامر خذها من اغنيائهم وردها فى فقرائهم.

مؤلفۃ القلوب

شارح کہتے ہیں کہ مصنف نے مولفۃ القلوب کے ذکر سے سکوت اختیار کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے دور خلافت میں باجماع صحابہؓ ان کو ساقط کر دیا گیا تھا یا اس وجہ سے کہ اب ان کو دینے کی وجہ باقی نہیں رہی (مولفۃ القلوب وہ لوگ ہیں جن کو ان کی ولداری اور اسلام پر مضبوطی کے لئے زکوٰۃ کی رقم دی جاتی تھی دراصل یہ تین قسم کے ہوتے تھے ایک کفار ان کی مدد اس نیت سے کی جاتی تھی کہ وہ ایمان لے آئیں اور دوسری قسم ان اذیت دینے والوں کی تھی جن کو ان کی اذیت سے بچنے کیلئے دیجاتی تھی، اور تیسری قسم کے وہ لوگ تھے جو نئے نئے اسلام لاتے تھے اور ضعیف الایمان ہوتے تھے ان کو اسلام پر ثابت قدمی کیلئے رقم دی جاتی تھی، مثلاً ان سب سے اسلام کی شوکت اور غلبہ تھا، جب اسلام کو آہستہ آہستہ غلبہ حاصل ہو گیا تو اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی) یا اس وجہ سے مولفۃ القلوب کو دینا منسوخ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ سے آخر میں فرمایا کہ مسلمانوں کے مالداروں سے لو اور ان کے محتاجوں کو دو۔

ومديون لايملك نصابا فاضلا عن دينه وفى الظهيرية الدفع للمديون اولى منه للفقير وفى سبيل الله و هو منقطع الغزاة و قيل الحاج وقيل طلبته العلم وفسره فى البدائع بجميع القرب و ثمرة الخلاف فى نحو الاوقاف وابن السبيل وهو كل من له مال لا معه ومنه مالو كان ماله مؤ جلا او على غائب او معسرا او جاحدو لو له بينة فى الاصح.

پانچواں مصرف

زکوٰۃ و عشر کا پانچواں مصرف وہ قرضدار ہیں جن کے پاس قرض سے اتنا مال زیادہ نہ ہو جو نصاب کو پہونچ جائے فتاویٰ ظہیریہ میں صراحت مذکور ہے کہ فقیر سے بہتر قرضدار کو دینا ہے کیونکہ اس کو اس کی ضرورت زیادہ ہے (شامی نے لکھا ہے کہ آیت میں غلام کا جو لفظ آیا ہے اس سے قرضدار ہی مراد ہے)۔

چھٹا مصرف

چھٹا مصرف یہ ہے کہ اللہ کے راستہ میں صرف کرے یعنی وہ لوگ ہیں جو سواری یا خرچ نہ ہونے کی وجہ سے لشکر اسلام سے منقطع ہو گئے ہوں کیونکہ مجاہدین اسلام اگر کمانے میں مشغول ہوں گے تو جہاد سے دور جا پڑیں گے، اور بعض لوگوں نے کہا فی سبیل اللہ سے مراد ایسے حج کرنے والے ہیں جو کسی مجبوری کی وجہ سے قافلہ سے نہیں مل سکتے ہیں، اور بعضوں نے کہا ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد وہ طلبہ ہیں جو علم دین کی تحصیل میں مشغول ہیں، اور بدائع نامی کتاب میں ہے کہ فی سبیل اللہ میں تمام تقربات اور خیرات کے کام داخل ہیں جو بھی نیک بندہ محتاج ہو اس پر خرچ کرنا، اس اختلاف کا ثمرہ جو فی سبیل اللہ کی مراد میں ہے او قاف جیسے مسائل میں سامنے آئیں گے یعنی اس کے حکم میں اختلاف نہیں ہے کیوں کہ جو بھی محتاج ہوگا خواہ غازی ہو خواہ حاجی یا طالب العلم سب پر خرچ کرنا درست ہے مگر اگر کوئی فی سبیل اللہ نام سے وقف کرے یا وصیت کرے یا نذر مانے، تو سوال ہوگا کہ ان میں سے کس کو مراد لیا جائے۔

ساتواں مصرف زکوٰۃ

زکوٰۃ و عشر کا ساتواں مصرف مسافر ہیں یعنی وہ لوگ جو مال کے مالک تو ہوں مگر وہ سفر میں ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ نہ ہو، (فتح القدیر میں لکھا ہے کہ مسافر کو ضرورت سے زیادہ لینا درست نہیں، اور اولیٰ یہ ہے کہ اگر قدرت ہو تو ایسا شخص قرض لے لے، لیکن ایسا کرنا لازم نہیں ہے یا زکوٰۃ کی جو رقم لی ہے اگر خرچ سے کچھ بچ گئی تو اس کا صدقہ کرنا بھی واجب نہیں ہے کیوں کہ فقیر کو اپنی ضرورت سے زیادہ لینا بھی جائز ہے۔

یصرف المزکی الی کلھم او الی بعضھم و لو واحد امن ای صنف کان لا ن ال الجنسیة تبطل الجمعیة وشرط الشافعی ثلثة من کل صنف ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لاً اباحة کما مر.

جن کو باوجود مال ہونے کے زکوٰۃ لینا جائز ہے

جن کو مال کے باوجود زکوٰۃ وعشر سے لینا جائز ہے ان میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جن کے پاس مال ہو مگر وہ قرض میں لگا ہوا ہو، اس طرح اس کا روپیہ کسی کے ذمہ باقی ہے مگر اس کے ادا کرنے کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے یا اس کا روپیہ کسی غائب شخص کے ذمہ ہے، یا کسی مفلس کے ذمہ ہے یا ایسے شخص کے ذمہ باقی ہے جو لینے کا انکار کرتا ہے گو اس کے پاس ثبوت موجود ہی کیوں نہ ہو، ایسی صورت میں ان کو بقدر ضرورت اس مدت کے لئے زکوٰۃ کا لینا جائز ہے، (فتح القدیر میں ہے کہ اگر کوئی مفلس عورت ایسی ہو جس کا مہر اس کے شوہر کے ذمہ بقدر نصاب باقی ہو اور وہ مالدار ہو اور مانگنے پر دینے کے لئے تیار بھی ہو تو ایسی عورت کے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے اور اگر اس عورت کو معلوم ہو کہ اس کا مالدار شوہر مانگنے پر بھی نہ دے گا تو اس کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے، بحر الرائق میں کہا کہ یہاں مہر سے مراد مہر معجّل ہے اور وہ زکوٰۃ لینے سے مانع نہیں ہے۔)

زکوٰۃ نکالنے کو اختیار

زکوٰۃ دینے والے کو اختیار ہے کہ اپنی زکوٰۃ ان تمام مستحقین کو دے جن کو ذکر کیا گیا یا ان میں سے صرف بعض کو دے اگرچہ وہ ایک ہی قسم کے کیوں نہ ہوں، اس وجہ سے کہ الف لام جنس کا جمع کے معنی کو باطل کر دیتا ہے حلبی نے لکھا ہے کہ یہ ایک فرد پر اکتفا کرنے کی علت ہے اور امام شافعیؒ نے شرط کیا ہے کہ ہر قسم کے تین تین شخصوں کو زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ دے، امام ابوحنیفہؒ کے یہاں یہ شرط نہیں ہے، (بلکہ انہوں نے زکوٰۃ نکالنے والے کی صوابدید پر چھوڑا ہے)

شرط تملیک ضروری ہے

البتہ یہ شرط ہے کہ زکوٰۃ بطور تملیک دے یعنی لینے والے مستحق کو مالک بنادے بطور اباحت نہ دے کہ جس میں اس کو ذاتی طور پر تصرف کا کوئی حق باقی نہ رہے۔

لایصرف الی بناء نحومسجد والا الی کفن میت وقضاء دینه امادین الحئی الفقیر فیجوزلو بامره ولو اذن فمات فاطلاق الکتاب یفید عدم ا لجوازوھوالوجه نھرلا الی ثمن ما ای قن یعتق لعدم التملیك وھوالر کن وقد منا ان الحیلة ان یتصدق علی الفقیر ثم یامره بفعل ھذه الاشیاء و ھل له ان یخالف مره لم اره والظاھر نعم.

جہاں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا درست نہیں

زکوٰۃ وعشر کی رقم مسجد وغیرہ جیسی عمارتوں کے بنانے میں خرچ نہیں کی جائیگی جیسے پل، سڑک، نہر جن میں تملیک نہ پائی جائے اور نہ یہ رقم میت کے کفن میں خرچ کی جائے گی) اس لئے کہ مردہ میں تملیک کا مفہوم نہیں پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر مردہ کو کوئی درندہ کھا جائے تو اس کا کفن، کفن دینے والا نہیں ہوگا اور نہ وارث کا ہوگا کذا فی النہر) اور نہ میت (مرنے والے) کے قرض ادا کرنے میں خرچ کیا جائے گا، البتہ زندہ محتاج کا قرض زکوٰۃ سے ادا کرنا جائز ہے اگر اس کی اجازت سے ہو (اس لئے کہ دینے والے نے فقیر کو مالک بنادیا اور قرض دینے والے نے محتاج کی طرف سے نائب بن کر قبول کرلیا اور پھر اپنے قرض میں مجرا کرلیا کذا فی الفتح) اور اگر محتاج اجازت دینے کے

بعد فوت ہوگیا ہے تو قدوری میں مطلقاً ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ پھر زکوٰۃ سے اس کا دین ادا کرنا جائز نہیں ہے، اور یہی، وجہ ہے میرا منشا یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائے گی میں مالک بنانا ضروری ہے اور صرف حکم کرنے سے تملیک نہیں ہوتی ہے۔

زکوٰۃ کی رقم سے غلام خرید کر آزاد کرنا بھی جائز نہیں ہے، اسی طرح اگر کوئی اپنے باپ کو (جو غلام ہو) اپنی زکوٰۃ کی رقم سے خریدے تو اس صورت میں اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اس لئے کہ اس صورت میں بھی تملیک نہیں پائی گئی، جو ادائیگی زکوٰۃ کے لئے رکن کا درجہ رکھتی ہے۔

حیلہ تملیک ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ زکوٰۃ کے درست ہونے کیلئے حیلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کسی مستحق محتاج کو دیدے پھر اس سے کہے کہ تم ان امور میں اپنی طرف سے خرچ کرو اس طرح کام بھی ہو جائے گا اور زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی، زکوٰۃ دینے والے کو زکوٰۃ کا ثواب ملے گا اور فقیر کو خیرات کرنے اور ان امور میں خرچ کرنے کا ثواب حاصل ہوگا۔ (کذا فی البحر)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس فقیر کو (جس سے تملیک کرائی جارہی ہے) زکوٰۃ دینے والے کے حکم کی مخالفت جائز ہے یا نہیں شارح کہتے ہیں کہ میں نے اس مسئلہ کو صراحتاً کہیں نہیں دیکھا، مگر ظاہر یہ ہے کہ وہ حکم کی مخالفت کر سکتا ہے اس لئے کہ وہ اس زکوٰۃ کا مالک بن گیا ہے لہٰذا وہ اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے (کذا فی النہر)

ولا الی من بیھما ولاد ولو مملوکا الفقیر او بینھما زوجیة ولو مبانة وقالا تدفع ھی لزوجھا.

وہ رشتہ دار جن کو زکوٰۃ دینا درست نہیں اس شخص کو بھی زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے کہ اس میں اور دینے والے میں توالد (پیدا کرنے اور پیدا ہونے) کا رشتہ ہو، اس لئے کہ املاک کے منافع باہم ملے جلے ہیں، لہٰذا پورے طور پر تملیک نہیں ہوگی، توالد سب اصول کو شامل ہے، جیسے باپ، ماں، دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ یہ سب اصول میں آجاتے ہیں اور یہ لفظ تمام فروع کو بھی شامل ہے جیسے بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، اور نواسا، نواسی وغیرہ خواہ یہ اولاد نکاح سے ہو یا زنا سے ہو، زکوٰۃ کے ہی حکم میں صدقہ فطرہ اور ہر صدقہ واجبہ بھی ہے، والدین کیلئے زکوٰۃ میں اس طرح حیلہ اختیار کرنا بھی مکروہ ہے کہ کسی مستحق محتاج کو زکوٰۃ دے کر کہے کہ تم یہ رقم میرے والدین پر خرچ کرو اگر چہ رشتہ توالد والا کسی فقیر کو مملوک ہو تو اس کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، اسی طرح اس کو دینا بھی جائز نہیں ہے کہ اس کے اور دینے والے کے درمیان زوجیت، (میاں بیوی ہونے) کا رشتہ ہو، اگر چہ اس کی بیوی تین طلاق پا کر بائن ہو چکی ہو، مگر عدت کے اندر ہو، اور صاحبین کہتے ہیں کہ بیوی اپنے شوہر کو اپنی زکوٰۃ دے سکتی ہے (اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی زوجہ سے فرمایا تھا کہ تیرا شوہر اور تیری اولاد زیادہ مستحق ہے اور یہ اس وقت فرمایا تھا جبکہ وہ اپنا زیور زکوٰۃ میں دینا چاہتی تھیں۔ کذا فی الطحطاوی۔

ولا الی مملوك المزکی و لو مکاتبا او مدبرا و لا الی عبداعتق المزکی بعضه سواء کان کله له او بینه و بین ابنه فاعتق الاب حظه معسر الا یدفع له لانه مکاتبه او مکاتب ابنه و اما المشترك بینه و بین اجنبی فحکمه علم مما مر لانه اما مکاتب نفسه او غیره و قالا یجوز مطلقا لانه حر کله او حر مدیون فافھم.

اپنے غلام کو زکوٰۃ دینا درست نہیں

اپنے غلام کو بھی زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے اگرچہ وہ غلام مکاتب یا مدبر ہو (کیونکہ غلام اور مدبر میں تملیک نہیں پائی جاتی، اور مکاتب کی کمائی اور مال میں اس کے آقا کا حق ہے) اور اپنے اس غلام کو بھی زکوٰۃ دینا درست نہیں جس کے بعض حصہ (آدھے یا چوتھائی) کو آزاد کر چکا ہو، خواہ وہ غلام پورا کا پورا زکوٰۃ دینے والے کا ہو یا وہ اس کے اور اس کے بیٹے کے درمیان مشترک ہو، پھر باپ نے مفلسی کی حالت میں اپنا حصہ آزاد کیا تو اس صورت میں زکوٰۃ دینے والے اس غلام کو اپنی زکوٰۃ نہیں دے سکتا ہے، اس لئے کہ وہ غلام خود اس کا مکاتب ہے یا اس کے بیٹے کا مکاتب ہے اور مکاتب کو زکوٰۃ دینا خواہ بیٹے کا مکاتب ہو، دینا درست نہیں ہے۔

اور وہ غلام جو اس کے اور کسی اجنبی کے درمیان مشترک ہے تو اس کا حکم اس بیان سے معلوم ہو چکا جو پہلے گذرا بحر الرائق میں ہے کہ اگر غلام دو اجنبی شخصوں کے درمیان مشترک ہو ان میں سے ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا اور مفلس ہے اور دوسرے شریک خاموش رہنے والے نے کہا کہ اگر وہ غلام اسے اس قدر روپیہ دیدے گا تو آزاد ہے اس صورت میں وہ اپنی زکوٰۃ اس غلام کو دے سکتا ہے کیونکہ یہ اس کا مکاتب نہیں ہے، بلکہ اب صرف اس کے شریک کا ہے اور صاحبین کہتے ہیں کہ یہ ہر صورت میں جائز ہے یعنی آزاد کرنے والا مالدار ہو یا مفلس اور غلام خواہ اس کے اور اس کے بیٹے کے درمیان مشترک ہو یا اس کے اور کسی اجنبی کے درمیان مشترک ہو، اس لئے کہ یا وہ غلام پورا آزاد ہے یا آزاد ہے اور ساتھ ہی قرضدار، لہٰذا اسے خوب سمجھ لو۔

ولا الی غنی یملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الا صلیة من ای مال کان کمن له نصاب سائمة لا تساوی مائتی درهم کما جزم به فی البحر والنهر و اقره المصنف قائلا و به یظهر ضعف ما فی الوهبانیة وشرحها من آنه تحل له الزکوٰة وتلزمه انتهی لکن اعتمد فی الشرنبلالیة مافی الوهبانیة وحررو جزم بان مافی البحر وهم.

مالک نصاب کیلئے زکوٰۃ جائز نہیں

اس مالدار شخص کو بھی زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے جو صاحب نصاب ہو، اور وہ نصاب اس کی حاجات اصلیہ سے زیادہ ہو، خواہ وہ کسی بھی نصاب کا مالک ہو نصاب کی تین قسمیں ہیں، ایک نصاب نامی جو قرض اور حاجات اصلیہ سے زیادہ ہو، اس سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے دوسری قسم نصاب کی دغیرنامی ہے جو قرض اور حاجت اصلیہ سے زیادہ نہ ہو، اس کی وجہ سے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے مگر قربانی، صدقہ فطر اور محتاج قرابتدار کا نفقہ واجب ہوتا ہے، اور اس نصاب والے کیلئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے، جس طرح نصاب نامی کے مالک کیلئے زکوٰۃ لینا درست نہیں ہے اور تیسری قسم نصاب کی وہ ہے جس کی وجہ سے سوال کرنا حرام ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کے پاس ایک دن کی غذا موجود ہو، یہ نصاب نہیں ہے صرف مجازاً نصاب کہا گیا ہے۔

صاحبِ مال ضرورت مند کیلئے زکوٰۃ

تتار خانیہ میں لکھا ہے کہ ایک شخص کے پاس ایک گھر ہے جس میں وہ رہتا ہے مگر وہ اس کی ضرورت سے زیادہ ہے سارا مکان مشغول نہیں رہتا ہے ایسے شخص کو صدقہ (زکوٰۃ) لینا جائز ہے اسی کتاب میں یہ بھی ہے کہ امام محمدؒ نے فرمایا کہ ایک شخص کے پاس زمین ہے وہ اس کو آباد کرتا ہے یا مکان ہے اور وہ اس کا کرایہ کھاتا ہے یا مکان ہے جس کا کرایہ تین ہزار آتا ہے مگر وہ آمدنی سال بھر اسکے بچوں کیلئے

کافی نہیں ہے تو ایسے شخص کو زکوٰۃ لینا درست ہے اگر چہ اس مکان کی قیمت سال بھر کے نفقہ کے لئے کافی ہو فتویٰ اسی قول پر ہے۔

جو جانوروں کے نصاب کا مالک ہو اس کیلئے زکوٰۃ جائز نہیں

جیسے اس شخص کے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے جس کے پاس سائمہ جانور کا نصاب پایا جاتا ہو مگر وہ نصاب دو سو دراہم کے برابر نہ ہو، چنانچہ اسی قول پر بحر الرائق اور نہر الفائق میں یقین کیا ہے اور اسی کو مصنف نے یہ کہتے ہوئے برقرار رکھا ہے کہ اس سے اس قول کا ضعف ظاہر ہوتا ہے جو وھبانیہ نامی کتاب اور اس کی شرح میں مذکور ہے کہ "اس کے لئے زکوٰۃ حلال ہے اور اس کے اوپر زکوٰۃ دینا لازم ہے" لیکن شرنبلالیہ میں وھبانیہ کے اس کلام پر اعتماد کیا ہے اور یقین ظاہر کیا ہے کہ بحر میں جو کچھ مذکور ہے وہ وہم ہے۔

وَلا الی مملوکه ای الغنی ولو مدبرا او زمنا لیس فی عیال مولاه او کان مولاه غائبا علی المذهب لان المانع وقوع الملک لمولاه غیر المکاتب والماذون المدیون بمحیط فیجوز.

مالدار کے غلام کیلئے بھی زکوٰۃ جائز نہیں

مالدار کے غلام کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اگر چہ وہ مدبر ہو (اس سے معلوم ہوا کہ محتاج وفقیر کے غلام کو زکوٰۃ دینا درست ہے) غنی کے غلام کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اگر چہ وہ غلام اپاہج ہو اور اپنے آقا کی پرورش میں نہ ہو، اگر چہ اسکا آقا غائب ہو صحیح مذہب یہی ہے ذخیرہ نامی کتاب میں امام ابو یوسفؒ سے روایت نقل کی ہے کہ اس غلام کو زکوٰۃ دینا جائز ہے فتح القدیر میں کہا گیا ہے کہ اس قول میں تردد ہے اسلئے کہ زکوٰۃ غلام کی ملک نہیں ہوتی ہے بلکہ مولیٰ کی ملک ہوتی ہے اور اس کا آقا غنی ہے اس کا ایک جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آقا کے غائب ہونے کی صورت میں وہ غلام ابن السبیل (مسافر) کے درجہ سے کم نہیں رہتا، لہٰذا اس صورت سے جائز ہوگا البتہ غنی کے اس مکاتب اور ماذون لہ (جسکو اجازت کمانے کی دیدی گئی ہو) غلام کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جس پر اس قدر قرض ہو جو اس کی کمائی اور گردن کو گھیرے ہوئے ہو۔

وَلا الی طفله بخلاف ولده الکبیر وابیه وامرأته الفقراء وطفل الغنیة فیجوز لا نتفاء المانع وَ لا الی بنی هاشم الا من بطل النص قرابته وهم بنو لهب فتحل لمن اسلم منهم کما تحل لبنی المطلب ثم ظاهر المذهب اطلاق المنع وقول العینی والهاشمی یجوز له دفع زکوته لمثله صوابه لا یجوز نهر وَ لا الی موالیهم ای عتقائهم فارقا ؤهم اولی.

مالدار کے نابالغ بچوں کے لئے زکوٰۃ درست نہیں

اور غنی کے نابالغ لڑکے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے البتہ اس کے بالغ لڑکے کو زکوٰۃ دینا درست ہے (اور مالدار کی شادی شدہ شوہر والی لڑکی میں اختلاف ہے مگر صحیح یہ ہے کہ اس کو دینا جائز ہے)۔

مالدار کے اس باپ اور بیوی کو زکوٰۃ دینا درست ہے جو محتاج ہو اور مالدار عورت کے نابالغ لڑکے کو بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے، اس وجہ سے کہ ان کو دینے میں کوئی مانع شرعی نہیں ہے باپ مالدار ہو تو اس کا چھوٹا نابالغ لڑکا بھی مالدار شمار ہوتا ہے لیکن بالغ لڑکا باپ کے مالدار ہونے سے مالدار نہیں شمار ہوتا اور اسی طرح بیٹے کے مالدار ہونے سے باپ اور شوہر کے مالدار ہونے سے بیوی مالدار شمار نہیں ہوتی اور نہ ماں کے مالدار ہونے سے لڑکا مالدار شمار ہوتا ہے۔

سادات کیلئے زکوٰۃ جائز نہیں

بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے (عبدمناف کے چار لڑکے تھے ہاشمؒ، مطلبؒ، عبدشمسؒ، نوفلؒ، پھر ہاشم کے چار لڑکے ہوئے، جس میں سے صرف عبدالمطلب کی نسل چلی، عبدالمطلب کے بارہ بیٹے تھے، ان میں صرف حضرت عباسؓ حارث اور ابو طالب کی اولاد کیلئے زکوٰۃ حرام ہے بقیہ پر حرام نہیں ہے)۔

مگر ہاشمی کی اولاد میں اس کے لئے زکوٰۃ جائز ہے جس کی قرابت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صراحت کے وجہ سے منقطع ہوگئی ہے جیسے ابو لہب کی اولاد ہے پس ان میں جو ایمان لے آیا، اس کے لئے زکوٰۃ جائز ہے جس طرح ہاشم کے بھائی کی اولاد کے لئے جائز و حلال ہے (ابو لہب کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے" لا قرابة بيني وبين ابى لهب" اور بعض روایت میں ابی لہب کی جگہ بنو ابی لہب کا لفظ آیا ہے اور اسی کو درست کہا گیا ہے۔

پھر ظاہر مذہب یہ ہے کہ بنی ہاشم کیلئے مطلقاً زکوٰۃ ممنوع ہے خواہ خود بنی ہاشم، بنی ہاشم کو دے یا کوئی غیر بنی ہاشم، بنی ہاشم کو دے اور ہر زمانہ میں ممنوع ہے، باقی علامہ عینی کا یہ کہنا کہ ہاشمی کا ہاشمی کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ درست یہ ہے کہ جائز نہیں ہے، البتہ بعض علماء نے موجودہ زمانہ میں جب بنو ہاشم کیلئے کوئی دوسری صورت مدد کی نہیں رہی زکوٰۃ لینے کو جائز کہا ہے۔

بنی ہاشم کے آزاد کردہ غلاموں کو بھی زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان کے غلاموں کے لئے تو بدرجہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ غلام کی ملک دراصل مولیٰ کی ملک ہوتی ہے اور آزاد کردہ غلام کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ کسی قوم کا آزاد کردہ انہیں میں کا ہوتا ہے۔

لحديث موالى القوم منهم وهل كانت تحل السائر الانبياء خلاف واعتمد فى النهر حلها لاقربائهم لا لهم وجازت التطوعات من الصدقات وغلة الاوقاف لهم اى لبنى هاشم سواء سماهم الواقف اولا على ماهو الحق كما حققه فى الفتح لكن فى السراج وغيره ان سماهم جازو الا لا قلت وجعله محشى الاشباه محمل القولين ثم نقل عن صاحب البحر عن مبسوط وهل تحل الصدقة لسائر الانبياء قيل نعم و هذه خصوصية لنبينا صلى الله عليه وسلم وقيل لا بل تحل لقرابتهم فهى خصوصية لقرابة نبينا صلى الله عليه وسلم اكراما و اظهارا الفضلية صلى الله عليه وسلم فليحفظ.

دیگر انبیا کرام کے لئے زکوٰۃ

باقی یہ مسئلہ کہ دوسرے انبیاء کرام کے لئے صدقہ حلال تھا یا نہیں مختلف فیہ ہے نہر الفائق میں ان کے رشتہ داروں کیلئے حلال ہونے کی ترجیح دی ہے البتہ خود ان کیلئے حلال نہیں کہا گیا ہے۔

صدقہ نافلہ اور اوقاف بنو ہاشم کیلئے

البتہ صدقہ نافلہ اور اوقاف کی آمدنی سے بنو ہاشم کو دینا جائز ہے خواہ وقف کرنے والے نے ان کا نام لیا ہو یا نہ لیا ہو، حق یہی ہے جیسا کہ صاحب فتح القدیر نے اس کی تحقیق کی ہے، (شامی نے متعدد کتابوں کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ بنو ہاشم کے لئے صدقہ نافلہ بالاتفاق جائز ہے اور یہ کہ صدقہ نافلہ اور وقف میں کوئی فرق نہیں ہے بعض لوگوں نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے)۔

سراج نامی کتاب میں لکھا ہے کہ اگر وقف نامہ میں بنوہاشم درج ہو تو اس سے ان کو دینا جائز ہے ورنہ نہیں، شارح کہتے ہیں کہ الاشباہ کے محشی نے سراج کی عبارت کو دونوں قولوں کا محمل قرار دیا ہے یعنی اگر نام لیا ہو تو جائز ورنہ نہیں۔ محشی نے بحر الرائق کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ باقی انبیاء کرام کے لئے صدقہ لینا جائز ہے یا نہیں ان میں اختلاف ہے بعضوں نے کہا کہ جائز ہے اور یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ کے لئے صدقہ جائز نہیں ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ صدقہ ان کے لئے جائز نہیں البتہ ان کے قراتبداروں کے لئے جائز ہے، یہ بھی سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی خصوصیت ہے کہ آپ کی فضیلت اور اکرام کے طور پر آپ کے قرابتداروں کے لئے بھی صدقہ جائز نہیں ہے۔

ولا تدفع الی ذمی لحدیث معاذ وجاز دفع غیر ها وغیر العشر والخراج الیه ای الذمی ولو واجبا کنذر وکفارة وفطرة خلافا للثانی وبقوله یفتی حاوی القدسی واما الحربی ولو مستامنا فجمیع الصدقات لاتجوز له اتفاقا بحر عن الغایة وغیرها لکن جزم الزیلعی بجواز التطوع له.

کافروں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

زکوٰۃ کا کافروں کو دینا جائز نہیں ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے، اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ زکوٰۃ مسلمان مالداروں سے لی جائے غریب مسلمان کو دیجائے، البتہ زکوٰۃ، عشر اور خراج چھوڑ کر دوسری چیزیں ذمی کو دی جا سکتی ہیں، گو وہ صدقہ واجبہ ہوں جیسے نذر کفارہ اور فطرہ لیکن امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ کسی بھی صدقہ واجبہ کا ذمی کو دینا جائز نہیں ہے اور فتویٰ امام ابویوسفؒ کے ہی قول پر دیا گیا ہے (کذافی حاوی القدسی)

حربی کافر کو صدقہ دینا بالاتفاق جائز نہیں ہے گو وہ امن کا پروانہ لیکر آیا ہو البتہ زیلعی نے کہا ہے کہ صدقہ نافلہ حربی کو دینا جائز ہے

دفع بتحر لمن یظنه مصرفا فبان انه عبده او مکاتبه اوحربی ولو مستامنا اعادها لمامر وان بان غناه او کونه ذمیا اوانه ابوه اوابنه اوامرأته اوهاشمی لا یعید لانه اتی بمافی وسعه حتی لو دفع بلا تحر لم یجز اناخطأ.

زکوٰۃ دینے کے بعد معلوم ہو کہ غیر مستحق کو دیا گیا

غور وفکر کے بعد اگر کوئی کسی کو مستحق سمجھ کر زکوٰۃ دیدے بعد میں ظاہر ہو کہ وہ اس کا غلام تھا یا مکاتب تھا یا حربی تھا گو وہ مستامن ہو تو اس صورت میں وہ دوبارہ زکوٰۃ دے گا جیسا کہ پہلے گذرا، اور اگر دینے کے بعد معلوم ہو کہ جس کو زکوٰۃ دی گئی ہے وہ غنی تھا یا ذمی یا یہ ظاہر ہو کہ وہ شخص اس کا باپ تھا یا اس کا لڑکا یا اس کی بیوی یا یہ معلوم ہو کہ وہ ہاشمی تھا تو ان تمام صورتوں میں وہ دوبارہ زکوٰۃ نہیں دے گا، اس لئے کہ جو کچھ اس کی وسعت میں تھا اس نے کیا (کیونکہ پوری تحقیق کرنی اس کی ذمہ داری نہیں تھی) البتہ اگر بلا سوچے سمجھے اس نے دیا تھا اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مستحق نہیں تھا تو یہ دینا جائز نہیں ہوا۔

وکره اعطاء فقیر نصابا او اکثر الا اذا کان المدفوع الیه مدیونا او کان صاحب عیال بحیث لو فرقه علیهم لا یخص کلا اولا یفضل بعد دینه نصاب فلایکره فتح.

نصاب برابر کسی مستحق کو زکوٰۃ دینا

ایک محتاج آدمی کو نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ دینا مکروہ ہے البتہ اگر وہ شخص جس کو نصاب کے برابر یا زیادہ زکوٰۃ دی ہے قرضدار یا زیادہ بال بچے والا ہے اس طرح سے اگر زکوٰۃ کی رقم ان سب پر تقسیم کر دی جائے تو ہر ایک کو نصاب کے برابر نہیں پہونچے گا یا قرض ہے تو قرض ادا کرنے کے بعد نصاب کے برابر نہیں بچے گا تو پھر مکروہ نہیں ہے۔ (کذافی الفتح)

وکره نقلها الا الى قرابة بل فى الظهيرية لا تقبل صدقة الرجل وقرابته محاويج حتى يبدأهم فيسد حاجتهم اواحوج اواصلح او اورع او انفع للمسلمين اومن دارالحرب الى دار الاسلام او الى طالب علم وفى المعراج التصدق على العالم الفقير افضل او الى الزهاد او كانت معجلة قبل تمام الحول فلا يكره خلاصة

زکوٰۃ کا ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کرنا

زکوٰۃ کا ایک شہر سے دوسرے کی طرف منتقل کرنا مکروہ ہے البتہ اس صورت میں مکروہ نہیں ہے جب دوسرے شہر میں اس کے قرابتدار رہتے ہوں اور وہ مستحق ہوں، اور یہ منتقل کرنا مکروہ تنزیہی ہے (اور زکوٰۃ کی جگہ قابل اعتبار وہ ہے جہاں مال ہو) یہاں تک کہا گیا ہے کہ اس شخص کا صدقہ قبول نہیں ہوتا ہے جسکے قرابتدار محتاج ہوں اور وہ ان کو چھوڑ کر دوسروں کو دے، اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے لوگوں سے زکوٰۃ دینا شروع کردے (قہستانی میں ہے جن کو زکوٰۃ دینا افضل ہے انکی تفصیل یہ ہے بھائی، بہن، پھر انکی اولاد، پھر زکوٰۃ دینے والے کے چچا اور پھوپھی پھر ماموں، ماں اور خالہ پھر ذوی الارحام پھر پڑوسی پھر اسکی گلی میں رہنے والے پھر اس کے شہر والے اس وقت بھی زکوٰۃ منتقل کرنا مکروہ نہیں ہے جبدوسرا زیادہ محتاج ہو، یا زیادہ نیک بخت ہو، یا زیادہ پرہیز گار ہو یا اس شخص سے مسلمانوں کو زیادہ نفع پہونچتا ہو، یا دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف منتقل کرے، اسی طرح طالب العلم کی طرف منتقل کرنے میں بھی کراہت نہیں ہے اور معراج الدرایہ میں ہے کہ عالم فقیر پر صدقہ کرنا جاہل فقیر کی نسبت زیادہ افضل ہے، زکوٰۃ کا زاہدوں کی طرف منتقل کرنا بھی مکروہ نہیں ہے اسی طرح سال پورا ہونے سے پہلے کوئی زکوٰۃ ادا کر رہا ہو تو اس کیلئے منتقل کرنا مکروہ نہیں ہے کذافی الخلاصہ۔

ولا يجوز دفعها لاهل البدع كالكرامية لا نهم مشبهة فى ذات الله وكذا المشبهة فى الصفات فى المختار لأن مفوت المعرفة من جهة الصفات يلحق بمفوت المعرفة من جهة الذات مجمع الفتاوىٰ كما لايجوز دفع زكوة الزانى ولده منه اى من الزنا وكذا الذى نفاه احتياطا الا اذا كان الولد من ذات زوج معروف فصولين والكل فى الاشباه.

بدعقیدہ لوگوں کو زکوٰۃ دینا

بدعتیوں پر زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں ہے، جیسے کرامیہ فرقہ کے لوگ (یہاں بدعت سے ایسی بدعت مراد ہے جو کفر تک پہونچاتی ہو، محمد بن کرام نامی شخص کی طرف یہ فرقہ منسوب ہے جو اس بات کا قائل تھا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ٹھہرا ہوا ہے، اور اسم جوہر کا اس پر اطلاق ہو سکتا ہے (کذافی المغرب) فرقہ کرامیہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں تشبیہ کا قائل ہے اور یہی حکم اس فرقہ کا ہے جو صفات خداوندی میں تشبیہ کا قائل ہے (یہ فرقہ بعض صفات کو حادث بھی کہتا ہے) جو خدا کی ذات کو صفات کے اعتبار سے فوت کرنے والا ہے وہ خدا کی معرفت کا

باعتبار ذات فوت کرنے والے کے ساتھ ملحق ہے (یعنی تشبیہ ذات اور تشبیہ صفات دونوں ایک حکم میں ہے ہیں)۔

زنا سے پیدا شدہ بیٹے کو زکوٰۃ دینا

زانی کا اپنے اس بیٹے کو زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے جو زنا سے پیدا ہوا ہو اور اسی طرح احتیاطاً اس بیٹے کو دینا بھی جائز نہیں ہے جس کا وہ انکار کر چکا ہے (خواہ وہ لڑکا ام ولد سے ہو یا لعان کے ذریعہ اس کا انکار عمل میں آیا ہو) البتہ اس لڑکے کو دینا جائز ہے جو ایسی عورت کا لڑکا ہے، جس کے خاوند کو لوگ جانتے پہچانتے ہیں۔

ولایحل ان یسأل شیا من القوت من له قوت یومه بالفعل او بالقوة کالصحیح المکتسب و یا ثم معطیه ان علم بحاله لا عانته علی المحرم و لو سائل للکسوةاولا شتغاله عن الکسب بالجهادا وطلب العلم جاز لو محتاجا.

سوال کرنا کب ناجائز ہے

جس شخص کے پاس ایک دن کی روزی موجود ہو خواہ بالفعل (حقیقۃً) موجود ہو خواہ بالقوہ یعنی موجود تو نہ ہو مگر وہ ایسا تندرست کمانے والا ہے کہ کما سکتا ہے تو ایسے شخص کے لئے کھانا اپنے لئے مانگنا جائز نہیں ہے (حاجت کی دوسری چیز کپڑا وغیرہ البتہ مانگ سکتا ہے) اور جو شخص ایسے شخص کا حال جانتا ہو اس لئے اس کو دینا بھی گناہ ہے کیونکہ یہ حرام پر مدد کرنا ہوگا۔

اگر کوئی کپڑے کا سوال کرے یا روزی کا سوال کرے اور اس کی وجہ یہ ہے ہو کہ وہ جہاد یا طالب علم کی مشغولیت کیوجہ سے کمائی نہیں کر سکتا ہے تو احتیاج کی حالت میں یہ سوال کرنا جائز ہے اگر چہ وہ تندرست قوی الجثہ اور کمانے پر قادر ہو۔

فروع یندب دفع مایغنیه یومه عن السوال و اعتبار حاله من حاجة وعیال والمعتبر فی الزکوة فقراء مکان المال وفی الوصیة مکان الموصی فی الفطرة مکان المودّی عند محمد وهو الاصح لان رؤسهم تبع لراسه دفع الزکوٰة الی صبیان اقربائه برسم عید ا والی مبشرا ومهدی الباکورة جازالا اذا نص علی التعویض ولو دفعها لاخته ولها علی زوجها مهر یبلغ نصابا وهوملیٔ مقرولوطلبت لم یمتنع عن الاداء لا یجوز والاجاز ولو دفعها المعلم لخلیفته ان کان بحیث یعمل له لولم یعطه صح والا لا ولو وضعها علی کفه فانتهبها الفقراء جاز ولو سقط مال فرفعه فقیر فرضی به جاز ان کان یعرفه والمال قائم خلاصة.

فروع۔ شارح کی طرف سے اضافہ شدہ مسائل

متفرق مسائل واحکام

مستحق زکوٰۃ کو اس قدر زکوٰۃ دینا مستحب ہے کہ اس دن اس کو سوال کی ضرورت باقی نہ رہے، اور بقدر کفایت حالت کا اعتبار اس کی ضرورت اور اس کے زیر پرورش افراد کی نسبت سے ہوگا، کہ اس کی یہ ضرورت کتنے میں پوری ہو سکے گی۔

مستحقین کے باب میں جگہ کا اعتبار

مستحقین کو زکوٰۃ دینے میں اس جگہ کا اعتبار ہوگا جہاں مال پایا جاتا ہے یعنی جہاں مال پایا جاتا ہو، اس کی زکوٰۃ اس شہر کے محتاجوں کو دینی چاہئے چاہے صاحب مال دوسری جگہ میں ہو، اور وصیت میں وصیت کرنے والے کی جگہ کا اعتبار ہے اور فطرہ میں امام محمدؒ کے نزدیک اس جگہ کا اعتبار ہوگا جہاں ادا کرنے والا پایا جاتا ہو، (جن کی طرف سے فطرہ ادا ہو رہا ہے ان کا اعتبار نہیں ہے) اور یہی صحیح ہے، اس لئے جن لوگوں کی طرف سے دیا جا رہا ہے وہ دینے والے کے تابع ہیں۔

عید کی تقریب سے زکوٰۃ تقسیم کرنا

عید کی تقریب کے موقع سے اپنے رشتہ داروں کے بچوں کو زکوٰۃ دینا یا خوشخبری سنانے والے یا اس شخص کو دینا جو نیا پھل لایا ہے جائز ہے البتہ اگر معاوضہ کی صراحت کر کے دے تو جائز نہیں۔

اپنی بہن کو زکوٰۃ دینا

اپنی اس بہن کو زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے جس کا اتنا مہر اس کے شوہر کے ذمہ باقی ہو جو نصاب کو پہونچتا ہے اور اس کا شوہر مالدار اور مہر کا مقرر ہے اور عورت کے مطالبہ پر دینے سے انکار نہ کرتا ہو، البتہ اگر اس کا شوہر ایسا نہیں ہے تو اس کو دینا جائز ہے۔

معلم کا اپنے قائم مقام کو زکوٰۃ دینا

اگر معلم اپنی زکوٰۃ اپنے اس قائم مقام کو دے جو معلم کے نہ دینے کی صورت میں بھی کام کرتا رہتا ہے یہ دینا جائز ہے ورنہ جائز نہیں یعنی اگر معلم کے نہ دینے کی صورت میں کام بند کر دیتا تو اس قائم مقام کو دینا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں یہ دیا ہوا عوض کے درجہ میں ہو جاتا ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کی ایک صورت

زکوٰۃ نکالنے والے نے اپنی رقم زکوٰۃ اپنے ہتھیلی پر رکھی اور فقیروں نے اسے لوٹ لیا تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ نکالنے والے نے زکوٰۃ کی نیت سے نکال کر ہتھیلی پر رکھی اور جب فقیروں نے اسے لوٹ لیا تو وہ اس کی ملکیت ہو گئی، اور اگر پہلے سے زکوٰۃ کی نیت نہ ہو لیکن لوٹنے کے بعد اور فقیروں کے خرچ کرنے سے پہلے صاحب مال زکوٰۃ کی نیت کرے گا تو بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

اور اگر مال ہاتھ سے گر گیا اور فقیر نے اسے اٹھالیا اور مالک مال نے اس کو پسند کر لیا تو جائز ہے بشرطیکہ وہ اس کو پہچانتا ہو اور مال فقیر کے قبضہ میں موجود ہو (پہچاننے کی قید لگانے کا ماحصل یہ ہے کہ تملیک مجہول کی نہیں ہوئی ہے بلکہ معلوم شخص کی ہوئی ہے چنانچہ اگر مال گر گیا اور جب مالک اس کے پاس آیا تو اسے نہیں پایا البتہ کسی نے خبر دی کہ وہ مال ایک فقیر اٹھالے گیا جس کو مالک مال نہیں پہنچانتا تھا اور مالک اس فقیر کے لینے سے راضی ہو گیا، تو اس کا زکوٰۃ میں محسوب کرنا درست نہیں ہوگا کیونکہ یہ اباحت ہوئی، تملیک نہیں ہوئی، حالانکہ اس میں تملیک شرط ہے اور مال کے موجود ہونے کی شرط اس وجہ سے لگائی کہ اگر مال کے ہلاک ہونے کے بعد مالک اپنی رضا ظاہر کرتا تو نیت صحیح نہیں ہوتی۔

وہ صدقہ مستحب ہے جو اپنی ضروریات اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات سے زیادہ ہو، اور اس طرح صدقہ دینا جس سے حقداروں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہو تو ایسا شخص گنہگار ہوگا۔ اور تنگی برداشت نہ کر سکے اس کو اپنا نفقہ قدر کفایت قامہ سے کم کرنا مکروہ ہے۔ (کذا فی الفتح)

باب صدقة الفطر

من اضافة الحكم لشرطه والفطر لفظ اسلامى والفطرة مولد بل قيل لحن وامر بها فى السنة التى فرض فيها رمضان قبل الزكوة و كان عليه السلام يخطب قبل الفطر بيومين يامر باخراجها ذكره الشمنى

صدقہ فطر کے احکام و مسائل کی تفصیل

زکوٰۃ سے متعلق احکام و مسائل بیان کرنے کے بعد صدقہ فطرہ کا بیان شروع کیا ہے، بعض مصنفین نے صدقہ فطر کا بیان روزہ کے بعد کیا ہے کیونکہ فطرہ رمضان کا روزہ ختم کر کے نکالا جاتا ہے، یہاں مصنف نے زکوٰۃ کے بعد بیان اس لئے کیا ہے کہ جس طرح زکوٰۃ مالی صدقہ ہے یہ فطرہ بھی مالی وظیفہ ہے۔

فطر کی مراد یہاں فطر سے مراد فطر کا دن ہے لغوی معنی بمعنی افطار نہیں ہے کیونکہ رمضان میں ہر شام کو افطار ہوتا ہے، اور اس کو صدقہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس سے دینے والے کے صدق واخلاص کا اظہار ہوتا ہے۔

لفظ صدقۃ الفطر میں صدقہ کی فطر کی طرف اضافت گویا حکم کی اس کی شرط کی طرف اضافت ہے (یہاں حکم سے مراد صدقہ کا وجوب ہے اور اس وجوب کی مراد وجوب الاداء ہے اس وجہ سے کہ ادائیگی کے واجب ہونے کی شرط فطر ہے) لفظ فطر اسلام والوں کی اصطلاح ہے اور لفظ ''فطرہ'' خود ساختہ ہے بلکہ لوگوں نے اس لفظ کو غلط کہا ہے (شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ صدقۃ الفطر میں فطرہ کا لفظ جو مضاف الیہ واقع ہوا ہے اور جو ایک مخصوص دن کا نام ہے یہ ایک شرعی لفظ ہے اور قاموس میں جو آیا ہے فطرہ بالکسرہ کے معنی صدقۃ الفطر ہے اس کو قاموس کے اغلاط میں شمار کیا گیا ہے۔

صدقہ فطر کا وجوب ادائے صدقہ فطر کا حکم زکوٰۃ کے وجوب سے پہلے ہوا ہے اور یہ اس سال ہوا ہے جس سال رمضان کا روزہ فرض ہوا ہے، (رمضان کا روزہ تحویل قبلہ کے بعد شعبان میں فرض ہوا ہے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی رمضان میں عید کے دو دن پہلے صدقہ فطر کا حکم دیا۔

فطرہ میں آنحضرتؐ کا دستور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور یہ تھا کہ عید سے دو دن پہلے ایک خطبہ دیا کرتے تھے اور اسی خطبہ میں لوگوں سے فرماتے تھے کہ صدقہ فطر نکالو، اس کو

معنی نے ذکر کیا ہے (عبد الرزاق نے اس حدیث کی سند صحیح کے ساتھ تخریج کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن ثعلبہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید سے ایک یا دو دن پہلے خطبہ دیا اور فرمایا کہ دو آدمیوں کی طرف سے ایک صاع گیہوں ادا کرو یا ہر شخص کی طرف سے ایک صاع کھجور یا جو دیا کرو، وہ آزاد ہو یا غلام، بڑا ہو یا چھوٹا (کذا فی الفتح)

ویجب وحدیث فرض رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوۃ الفطر معناہ قدر للاجماع علی ان مکنر ھا لا یکفر موسعافی العمر عند اصحابنا وھوالصحیح بحرعن البدائع معللا بان الامر بادائھا مطلق کزکوۃ علی قول کما مر ولو مات فاداھا وارثہ جاز وقیل مضیقا فی یوم الفطر عینا فبعدہ یکون قضاء واختارہ الکمال فی تحریرہ و رجحہ فی تنویر البصائر علی کل حرمسلم و لو صغیرا اومجنونا حتی لولم یخرجھا ولیھما وجب الاداء بعدالبلوغ ذی نصاب فاضل عن حاجتہ الاصلیتہ کدینہ وحوائج عیالہ وان لم ینم کما مر

فطرہ واجب ہے فرض نہیں

چنانچہ صدقہ فطر واجب ہے اور جس حدیث میں اس کو فرض کہا گیا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کو اجماع کی وجہ سے مقرر کیا ہے صدقہ فطر کا منکر کافر نہیں ہے (البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک صدقہ فطر فرض ہے انہوں نے اسی فرض والی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

وجوب فوری نہیں

پھر صدقہ فطر اس طرح واجب ہے کہ زندگی میں کبھی بھی ادا کر سکتا ہے کیونکہ اس کی ہمارے تمام اماموں کے نزدیک گنجائش ہے اور یہی صحیح ہے اس کو بحر ین بدائع کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ صدقہ فطر کی ادائیگی کا حکم مطلقاً ہے وقت کی کوئی قید نہیں ہے لہٰذا پوری زندگی کے کسی بھی حصہ میں ادا کرے گا تو وہ ادا ہی ہوگا قضا نہیں ہوگا، البتہ عید گاہ میں جانے سے پہلے ادا کرنا مستحب ہے جس طرح ایک قول میں زکوٰۃ کی ادائیگی میں بھی توسع ہے جیسا کہ پہلے گذرا۔

صدقہ فطر کی ادائیگی سے پہلے موت

جس پر صدقہ فطر واجب تھا اگر وہ مر گیا اور اس کی طرف سے اس کے وارث نے صدقہ فطر ادا کر دیا تو یہ جائز ہے (جوہرہ نامی کتاب میں لکھا ہے کہ جس شخص کے ذمہ زکوٰۃ، صدقہ الفطر، یا کفارہ، یا نذر واجب ہو اور وہ فوت ہو جائے تو اس کے ترکہ سے نہیں لیا جائے گا، لیکن یہ کہ وارث بطور خود احسان کریں جب وہ اس لائق ہوں، ان پر اس کے لئے جبر نہیں کیا جائیگا۔ البتہ اگر مرنے والے نے وصیت کی ہے تو اس کے تہائی مال میں وصیت جاری ہوگی اور اس سے لیا جائیگا۔

فطرہ کے سلسلہ میں صحیح قول

صحیح قول پہلے گذرا کہ صدقہ فطر زندگی کے کسی بھی حصہ میں ادا کرنے کی گنجائش ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ خاص عید کے دن کے ساتھ مقید ہے (یعنی اگر کوئی عید کے دن صدقہ فطر ادا نہیں کرے گا تو وہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا جیسے قربانی کذا فی البدائع وشروح الدایہ، ابن الہمام نے اسی قول کو ترجیح دی ہے، کیونکہ یہ مطلق نہیں بلکہ مقید ہے ارشاد نبویؐ ہے۔ (اغنوھم فی ھذاالیوم عن المسالۃ) غرباء کو عید کے دن مانگنے سے بے نیاز کر دو، لہٰذا اگر صدقہ فطر عید کے دن کے بعد ادا کرے گا تو وہ قضا ہوگا، بحر میں

ابن نجیم نے بھی اسی کی پیروی کی ہے، لیکن علامہ مقدسی نے لکھا ہے کہ عہد صحابہ میں بلکہ عہد نبوی میں صدقہ فطر عید کے ایک دو دن پہلے نکالا جاتا تھا اور ایسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ہوتا تھا جیسا کہ خود ابن الہمامؒ نے لکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فطرہ عید کے دن کے ساتھ مقید نہیں ہے، اس لئے کہ اگر اس دن کے ساتھ مخصوص ہوتا تو عید سے پہلے نہیں ادا کیا جاتا جیسے قربانی ایام قربانی سے پہلے نہیں کی جاتی ہے باقی جس حدیث میں حکم ہے کہ فقراء کو اس دن مانگنے سے بے نیاز کر دو، یہ استحباب پر محمول ہے یعنی مستحب یہ ہے کہ عید کے دن ادا کر دیا جائے (کذافی الشامی)

صدقہ فطر کن مسلمانوں پر ضروری ہے

صدقہ فطر ادا کرنا ہر مسلمان، آزاد پر واجب ہے جو نصاب والا ہو اور وہ نصاب اس کی حاجت اصلیہ سے اور اس کے اہل و عیال کی ضرورت سے زیادہ ہو جیسے دین وغیرہ، یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ نصاب نامی (بڑھنے والا) بھی ہو، اگرچہ وہ نابالغ اور مجنون ہو) اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ فطر غلام پر واجب نہیں ہے اور اسی طرح کافر کے ذمہ بھی نہیں، اگرچہ اس کا بیٹا اور غلام مسلمان ہوں، بدائع میں صراحت کی گئی ہے کہ صدقہ فطر کے وجوب کے لئے عقل اور بلوغ شرط نہیں ہے امام ابو حنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر نابالغ اور مجنون کے پاس مال ہوگا تو ان کا ولی ان کی طرف سے ان کے مال سے فطرہ نکالے گا، البتہ امام محمدؒ اور امام زفرؒ قائل ہیں کہ نابالغ اور مجنون پر صدقہ فطر واجب نہیں ہے ولی نکالے گا تو وہ ضامن قرار پائے گا۔

لیکن مفتی بہ قول کے مطابق اگر نابالغ اور مجنون کا ولی ان کی طرف سے ان کے مال سے صدقہ فطر ادا نہیں کرے گا تو بچہ کو بالغ ہونے کے بعد اور پاگل کو اچھے ہونے کے بعد نکالنا واجب ہوگا۔

وبه اى بهذا النصاب تحرم الصدقة كما وتجب الاضحيه ونفقة المحارم على الراجح وانما لم يشترط النمو لان وجو بها بقدرة ممكنة هي ما يجب بمجرد التمكن من الفعل فلا يشترط بقاؤ ها لبقاء الوجوب لانها شرط محض لا بقدرة ميسرة هي يجب بعد التمكن بصفة اليسر فغيرته من العسر الى اليسر فيشترط بقاؤها لانها شرط فى معنى العلة وقد حررناه فى ماعلقناه على المنار ثم فرع عليه فلا تسقط الفطرة وكذا الحج بهلاك المال بعد الوجوب كمالا يبطل النكاح بموت الشهودبخلاف الزكوة والعشر وا لخراج لاشتراط بقاء الميسرة.

صاحب نصاب کا حکم

جو شخص صدقہ فطر کے نصاب کا مالک ہوگا اس کے لئے صدقہ واجبہ لینا حرام ہوتا ہے جیسا کہ گذر چکا اور اسی نصاب کے مالک ہونے سے اس پر قربانی بھی واجب ہوتی ہے اور رشتہ داروں کا نفقہ بھی، راجح قول یہی ہے، (ان رشتہ داروں کا جو محتاج ہوں اور کمانے کی طاقت نہ رکھتے ہوں، باقی ماں باپ تو ان کا نفقہ اولاد کے ذمہ ہر حال میں ہے اگر وہ کماتا ہو خواہ نصاب کا مالک ہو یا نہ ہو۔

صدقہ فطر کے وجوب کے لئے قدرت کا ہونا

صدقہ فطر کے نصاب میں نامی ہونے کی شرط اس وجہ سے نہیں لگائی گئی کہ اس کا وجوب ممکنہ قدرت کی وجہ

سے ہوتا ہے اور قدرت ممکنہ وہ ہے جو محض فعل پر قادر ہونے کی وجہ سے واجب ہو اور یہی وجہ ہے کہ وجوب کے باقی رہنے کے لئے قدرت کا باقی رہنا شرط نہیں ہے اس لئے کہ یہ صرف شرط ہے۔

قدرت کی قسمیں (وہ قدرت جس کی بنیاد پر آدمی مامور بہ ادا کر سکے دو قسم پر ہے ایک وہ قدرت جس کے ساتھ تونگری (مالداری) معتبر نہیں ہے اس کو قدرت مطلقہ اور قدرت ممکنہ (یعنی قادر کرنے کی) قدرت کہتے ہیں اس قدرت کی وجہ سے آدمی اس چیز کی ادائیگی پر قادر ہو جاتا ہے جس کا اس کو حکم دیا گیا ہے جیسے صدقہ فطر کا نصاب قدرت ممکنہ ہے اور حج کا زاد اور راحلہ (سواری اور توشہ) اور دوسری قسم وہ قدرت ہے جس کے لئے تونگری بھی ہو، اس کو قدرت میسرہ یا کامل قدرت کہتے ہیں جیسے وہ نصاب جو نامی ہو۔

صدقہ فطر کے وجوب کے لئے قدرت میسرہ ہونا شرط نہیں ہے بلکہ قدرت ممکنہ کافی ہے قدرت میسرہ اسے کہتے ہیں کہ قدرت کے بعد سہولت کے ساتھ واجب ادا ہو یعنی اس قدرت نے اس کو دشواری سے سہولت کی طرف بدل دیا، یہی وجہ ہے کہ قدرت میسرہ کا باقی رہنا شرط قرار دیا گیا ہے چنانچہ یہ شرط بمعنی علت ہے، شارح کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ تعلیقات میں اس کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

صدقہ فطر اور حج کا واجب ہونا یہ بیان کرنے کے بعد مصنف نے قدرت ممکنہ اور قدرت میسرہ پر تفریع کی اور بتایا کہ فطرہ اور حج جب واجب ہو چکتے ہیں تو پھر یہ دونوں مال کے ہلاک ہونے کے بعد ساقط نہیں ہوتے۔ جس طرح گواہوں کے انتقال کر جانے سے نکاح باطل نہیں ہوتا ہے، اس کے خلاف زکوٰۃ، عشر اور خراج ہے کہ ان میں قدرت میسرہ کا باقی رہنا شرط ہے چنانچہ اگر سال گذر جانے کے بعد مال ہلاک ہو جائے گا تو اس کے ذمہ سے زکوٰۃ بھی ساقط ہو جائے گی، البتہ اگر قصداً مال ہلاک کر ڈالے گا تو زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی۔

عن نفسه متعلق بيجب و ان لم يصم لعذر وطفله الفقير والكبير المجنون ولو تعدد الاباء فعلى كل فطرة و لوزوج طفلة الصالحة لخدمتة الزوج فلا فطرة والجد كالاب عند فقده اوفقره كما اختاره في الاختيار وعبده لخدمته ولو مديونا او مستاجر اومرهونا اذا كان عنده وفاء بالدين و اما الموصى بخدمته لواحد وبرقبته لاخر ففطرته على مالك رقبته كالعبد العارية والوديعة والجافي وقول الزيعلي لا تجب سبق قلم فتح ومدبره وام ولده ولو كان عبده كافر التحقق السبب و هو راس يمونه ويلي عليه.

صدقہ کن لوگوں کی طرف سے ادا ہوگا صدقہ فطر اپنی طرف سے ادا کرنا واجب ہے گو اس نے کسی عذر شرعی کی وجہ سے روزہ نہیں رکھا ہو، اور اپنے چھوٹے (نابالغ) محتاج بچے بچی کی طرف سے، اور اس بالغ بچے بچی کی طرف سے جو پاگل ہو۔ (لیکن جو بچہ یا پاگل مال والا ہوگا اس کا فطرہ خود اس کے مال سے دیا جائے گا۔

اگر کسی بچے کے کئی باپ ہوں تو ہر ایک باپ پر اس کی طرف سے فطرہ دینا واجب ہوگا (اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ کسی

گرے پڑے ہوئے (لقیط) بچہ پر دو آدمی دعویٰ کریں کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس صورت میں دونوں اس کی طرف سے فطرہ ادا کریں) اور اگر اپنی ایسی نابالغہ لڑکی کا نکاح کر دیا ہے جو اپنے شوہر کی خدمت کے لائق ہے تو اس نابالغ لڑکی کا فطرہ باپ پر ادا کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں اس کا بار بوجھ باپ پر نہیں ہے۔

اور جب کسی کا باپ نہ ہو تو اس کا دادا اس کے باپ کی جگہ ہوگا۔ اس کو اختیار ثانی کتاب میں پسند کیا گیا ہے کیونکہ اس صورت میں اس کی تولیت دادا کو ہی حاصل ہوگی۔

اور اپنے خدمتی غلام کی طرف سے بھی صدقۂ فطر دینا واجب ہے خواہ غلام قرضدار ہو، یا اجارہ پر لگا ہوا ہو، یا رہن رکھا ہوا ہو، مگر راہن کے پاس دین کے ادا کرنے کی قدرت ہو (مراد یہ ہے کہ دین کے علاوہ وہ مالک نصاب بھی ہو) اور ایسا غلام جس کی خدمت کی وصیت تو ایک شخص کیلئے کی ہو اور اس کی ملکیت کی وصیت دوسرے شخص کے لئے تو اس صورت میں اس کی طرف سے صدقہ فطر مالک رقبہ پر واجب ہوگا، جس طرح عاریت یا ودیعت کا غلام یا وہ غلام جس نے کسی کا جرم کیا ہے ان سب کا فطرہ غلام کے مالک کے ذمہ ہوتا ہے، یہ جرم اس نے خواہ عمداً کیا ہو خواہ خطاءً کیونکہ اس وجہ سے غلام سے مالک کی ملکیت زائل نہیں ہوتی ہے، اور زیلعی نے جو لکھدیا ہے کہ ایسے غلاموں کی زکوٰۃ مالک پر واجب نہیں ہوتی ہے وہ غلط ہے یہ زیلعی کے قلم سے غلطی سے لکھدیا گیا ہے (بعض علماء نے اس کی تاویل کی ہے اور اس کی صورت دوسری بتائی ہے)۔

صدقہ فطر اپنے مدبر غلام اور ام ولد کی طرف سے بھی نکالنا واجب ہے گو غلام کافر ہی کیوں نہ ہو کیونکہ سبب وجوب پایا جاتا ہے کہ آقا اس کے نان نفقہ کا بوجھ اٹھاتا ہے اور وہ اس کا ولی ہے۔

لاعن زوجته وولده الكبير العاقل ولو ادى عنهما بلا اذن اجزأ استحسانا للاذن عادة اى لو فى عياله و الافلا قهستانى وعبده الابق والمأسور والمغصوب المحجود ان لم تكن عليه بينة خلاصة الابعدعوده فيجب لما مضى ولا عن مكاتبه ولا تجب عليه لان مافى يده لمولاه.

جن کی طرف فطرہ نکالنا واجب نہیں

اپنی بیوی اور اپنی بڑی (بالغ عاقل) اولاد کی طرف سے صدقہ فطر نکالنا واجب نہیں ہے (بیوی کی طرف سے اس لئے واجب نہیں ہے کہ شوہر کو اس پر ولادیت تامہ حاصل نہیں ہے بلکہ اس کو صرف زوجیت کے حقوق حاصل ہوتے ہیں اور اولاد عاقل وبالغ گو وہ لپاہج ہو اور اس کا نان ونفقہ باپ کے ہی ذمہ ہو ان کی طرف سے صدقہ فطر نکالنا اس لئے واجب نہیں ہے کہ باپ کو اس پر ولایت حاصل نہیں ہوتی، وہ خود اپنا مالک ہے۔

لیکن اگر شوہر بیوی کی طرف سے اور باپ بالغ عاقل اولاد کی طرف سے ان کی اجازت کے بغیر صدقہ فطر نکال دے گا تو وہ اس کی طرف سے استحساناً کافی ہو جائے گا کیونکہ عادتاً اس کی طرف سے اس وقت اجازت ہوتی ہے جب وہ ان کی پرورش میں ہوں ورنہ نہیں، کذا فی القہستانی عن المحیط)

جو غلام بھاگ چکا ہے اس کی طرف سے صدقہ فطر نکالنا آقا پر واجب نہیں ہے کیونکہ اس وقت اس کو اس پر ولایت حاصل

نہیں ہے اسی طرح قیدی غلام کی طرف سے بھی واجب نہیں کیونکہ اس میں وہ تصرف نہیں کر سکتا ہے اور نہ ایسے غصب کئے ہوئے غلام کی طرف سے نکالنا واجب ہے جس کا غصب کرنیوالا انکار کر رہا ہو، اور اس کے پاس شاہد نہیں ہیں۔ کذافی الخلاصہ مگر جب بھاگا ہوا غلام واپس آجائے گا تو لوٹ آنے کے بعد گذشتہ سالوں کا بھی فطرہ نکالنا واجب ہوگا۔ اسی طرح مکاتب غلام کی طرف سے بھی صدقہ فطر نکالنا واجب نہیں ہے اور نہ خود اس مکاتب پر نکالنا واجب ہے کیونکہ مکاتب کے قبضہ میں جو چیز ہے وہ حکماً مولیٰ کی ہے (جب تک مکاتب غلام کے ذمہ ایک درہم بھی باقی ہے غلام کے ہی حکم میں ہے) مشترک غلام کی طرف سے بھی صدقہ فطر نکالنا واجب نہیں ہے (کیونکہ ہر شریک کی ولایت اور اس پر اس کا بار بوجھ ناقص ہے یہ امام اعظمؒ کا قول ہے صاحبینؒ کہتے ہیں کہ دونوں شریکوں میں سے ہر ایک شریک پر پورے غلام کا فطرہ واجب ہوتا ہے۔

مگر مشترک غلام کی طرف سے فطرہ اس وقت آقا کے ذمہ واجب ہوتا ہے جب وہ دو شخصوں کے درمیان مشترک ہو اور دونوں باری باری اس سے خدمت لیتے ہوں اور ہر ایک کی باری میں وجوب کا وقت پایا جاتا ہو اور وہ وقت یوم الفطر طلوع فجر ہے۔

وعبيد مشتركة الا اذا كان عبدبين اثنين وتهاياه ووجد الوقت في نوبة احدهما فتجب وتوقف الوجوب لوكان المملوك مبيعا بخيارفاذا امر يوم الفطر والخيار باق تلزم على من يصيرله.

اگر غلام کو خیار شرط کے ساتھ بیچا گیا ہے تو اس کی طرف سے صدقہ فطر نکالنے کا وجوب موقوف رہے گا، البتہ جب عید کا دن گذر جائے گا اور خیار شرط بھی باقی ہوگا تو اس صورت میں اس شخص پر فطرہ واجب ہوگا جس کا وہ غلام قرار پائے گا (یہ خیار شرط خواہ بیچنے والے کو حاصل ہو خواہ خریدار کو یا دونوں کو یہاں صدقہ فطر کو اس لئے موقوف رکھا گیا ہے کہ ملکیت کے متعلق قطعی کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا ہے۔ لیکن اگر خیار شرط نہ ہو اور یوم الفطر کے بعد قبضہ ہو جائے تو فطرہ خریدار پر لازم ہوگا اور اگر ابھی اس پر قبضہ نہیں ہوا تھا کہ وہ مر گیا تو کسی پر بھی واجب نہیں ہوگا، اور اگر وہ عیب یا خیار رویت کی وجہ سے واپس ہوا ہے تو پھر بیچنے والے پر ہی واجب ہوگا۔

نصف صاع فاعل يجب من براودقيقه او سويقه اوزبيب وجعلاه كالتمر وهو روايته عن الامام وصحها البهنسي وغيره وفى الحقائق والشرنبلالية عن البرهان وبها يفتى اوصاع من تمراوشعيرولو رديئا ومالم ينص عليه كذرة و خبز يعتبر فيه القيمة.

فطرہ کی مقدار

صدقہ فطر کی مقدار ہر ایک کی طرف سے نصف صاع گیہوں یا اس کا آٹا یا ستو ہے، یا آدھا صاع کشمش ہے اور صاحبین نے کہا کہ کشمش کی مقدار ایک صاع ہے، جس طرح کھجور کی مقدار ایک صاع ہے، اور امام ابو حنیفہؒ سے بھی ایک روایت یہی آئی ہے اور بہنسی وغیرہ سے اسی کی تصحیح کی ہے اور حقائق اور شرنبلالیہ میں برہان سے نقل کیا گیا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے اور صدقہ فطر کھجور اور جو سے ایک صاع ہے اگرچہ وہ ردی قسم کا ہو (مطلب یہ ہے کہ دینا تو چاہئے اچھا، لیکن اگر خراب قسم کا بھی دیدے گا تو بھی ادا ہو جائے گا اس لئے کہ اچھے ہونے کی قید نہیں لگائی گئی ہے اور اگر گیہوں اور جو ملے ہوں تو ان میں سے جس کی مقدار زیادہ ہو اس کا حکم لگایا جائے گا، اگر گیہوں زیادہ ہے تو آدھا صاع اور اگر جو کا حصہ غالب ہو تو ایک صاع لیکن جو یا

گیہوں ایسا خراب نہ ہو جو کھانے کے قابل نہ ہو، یا اس میں بدبو ہو، اس صورت میں اچھے اور درمیانہ قسم کے غلہ کی قیمت لگا کر فطرہ ادا کرے گا) اور اگر ایسا غلہ فطرہ میں دے جس کی حدیث میں صراحت نہیں آئی ہے جیسے مکئی اور روٹی تو اس کی قیمت کا اعتبار ہوگا، یعنی اس وقت بازار میں جو قیمت نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو کی ہوگی اس قیمت کی مکئی یا دوسرا غلہ دیدینے سے فطرہ ادا ہو جائے گا (بدائع میں ہے کہ جس غلہ کی حدیث میں صراحت آئی ہے ان غلوں میں سے بعض کو بعض کی جگہ قیمت کے اعتبار دینا جائز نہیں ہے، خواہ جس چیز کے بدلے میں دیا ہے وہ اس کے جنس سے ہو یا خلاف جنس سے ہو مثلاً گیہوں کی قیمت کے اعتبار سے گیہوں دے جیسے نصف صاع اچھے گیہوں گی قیمت لگا کر اس کے بدلے ایک صاح گیہو دے یا نصف صاح گیہوں کی قیمت لگا کر اس قیمت کے برابر نصف صاع کھجور یا جو دے دونوں صورتوں میں کوئی جائز نہیں ہے، گو نصف صاع گیہوں کی قیمت میں نصف صاع کھجور ملتا ہو۔

وهواى الصاع المعتبر مايسع الفاواربعين درهما من ماش اوعدس انما قدر بهما لتسا ويهما كيلا ووزنا ودفع القيمة اى الدراهم افضل من دفع العين على المذهب المفتى به جوهره وبحر عن الظهيرية و هذا في السعة و اما في الشدة فدفع العين افضل كما لا يخفى بطلوع فجر الفطرمتعلق يجب فمن مات قبله اى الفجر او ولد بعده او اسلم لاتجب عليه ويستحب اخراجها قبل الخروج الى المصلى بعد طلوع فجر الفطرعملا بامره وفعله عليه الصلوة والسلام وصح اداؤها اذا قدمه على يوم الفطر اواخره اعتبارابالزكوة والسبب موجوداذهو الراس بشرط دخول رمضان في الاول اى مسئلة التقديم هوالصحيح وبه يفتيجوهرة وبحرعن الظهيرية لكن عامة المتون والشروح على صحة التقديم مطلقاً وصححه غيرواحد ورجحه في النهر ونقل عن الولوالجية انه ظاهر الرواية قلت فكان هو المذهب.

قابل اعتبار صاع

جس صاع کا شریعت میں اعتبار ہے وہ برتن ہے جس میں ایک ہزار چالیس درہم وزن کے برابر ماش یا مسور سماتا ہو (صاع چار مد کا ہوتا ہے اور مد دو رطل کا، اور رطل آدھے من کا اور من درہموں سے دو سو ساٹھ درہم کا اور استار سے چالیس استار کا اور استار درہم کے وزن سے ساڑھے چار مثقال کا، اس وقت مفتی بہ قول کے مطابق نصف صاع ایک کلو ساڑھے چھ سو گرام کے برابر ہوتا ہے۔

صاع کا اندازہ ماس اور مسور سے اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ دونوں غلے وزن اور ناپ دونوں میں برابر آتے ہیں، ایک پیمانہ میں مسور جتنے وزن کا ہوگا دوسرے مسور بھی اس پیمانہ میں اتنا ہی ہوگا یہی حال ماش کا ہے، گویا ان دونوں غلوں کے دانے ٹھوس ہوتے ہیں کوئی ہلکا اور کوئی بھاری نہیں ہوتا، اس کے برعکس گیہوں وغیرہ ہیں کہ اس کے ناپ اور وزن میں فرق پڑ جاتا ہے۔

صدقہ فطر میں نقد دینا

صدقہ فطر میں متعین چیز دینے سے بہتر یہ ہے کہ اس کی قیمت دی جائے، تاکہ فقیر اس سے اپنی ضرورت اپنی خواہش کے مطابق آسانی کیساتھ پوری کرسکے مفتی بہ قول یہی ہے کہ بحر الرائق اور جوہرہ نیرہ میں ایسا ہی ہے (اس کے مقابل دوسرا قول وہ ہے جو مضمرات نامی کتاب میں مذکور ہے کہ ہرصورت میں گیہوں دینا

افضل ہے اس لئے کہ یہ سنت کے مطابق ہے مگر صاحب در مختار نے یہاں قیمت والے قول کو ترجیح دی ہے) البتہ وہ کہتے ہیں کہ قیمت دینا افضل ارزانی کے زمانہ میں ہے لیکن جب غلہ کی گرانی اور نایابی کا زمانہ ہو تو خود معین شی (گیہوں وغیرہ) کا دینا ہی افضل ہوگا

صدقہ فطر کے واجب ہونے کا وقت

صدقہ فطر عید کی صبح صادق نمودار ہوتے ہی واجب ہو جاتا ہے (اور امام شافعیؒ کے نزدیک رمضان کے آخری دن کے آفتاب غروب ہونے پر واجب ہوتا ہے (کذافی البدائع لہٰذا جو شخص اس صبح صادق سے پہلے مر جائے گا یا صبح صادق کے بعد پیدا ہوگا، یا اسلام لائے گا، ان پر صدقہ فطر واجب نہیں ہوگا، کیونکہ واجب ہونے کے وقت یہ لوگ صدقہ کی اہلیت نہیں رکھتے تھے (یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جو اس صبح صادق کے پہلے فقیر ہو جائے یا مالدار ہو جائے فقیر ہونے کی صورت میں واجب نہیں رہے گا اور مالدار ہونے کی صورت میں واجب ہو جائے گا گو پہلے سے نہ رہا ہو۔

فطرہ نکالنے کا مستحب وقت

مستحب یہ ہے کہ عید گاہ جانے سے پہلے اور عید کی صبح صادق کے بعد صدقۂ فطر نکال دے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور فعل پر عمل ہو سکے، عہد نبوی میں یہی طریقہ تھا اور آپؐ اسی کا حکم دیا کرتے تھے، اور خود بھی اسی پر عمل کرتے تھے لیکن اگر کوئی عید کے دن سے پہلے ایک دو دن پہلے فطرہ نکالدے گا تو یہ بھی جائز ہے اور عید کے بعد نکالے گا تو بھی درست ہے جس طرح زکوٰۃ میں تقدیم و تاخیر جائز ہے کیونکہ صدقہ فطر کا سبب دونوں صورتوں میں موجود ہوتا ہے اور وہ سبب ہے آدمی کا ان دونوں میں موجود ہونا (بخاری کی حدیث ہے کہ صحابہ کرام عید سے ایک دو دن پہلے فطرہ نکالدیا کرتے تھے، اور یقیناً یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں بھی ہوگا) مگر رمضان کا داخل ہونا شرط ہے یعنی عید کے پہلے فطرہ ادا کرنا جائز ہے مگر رمضان سے پہلے ادا کرنا جائز نہیں ہے، اسی پر فتویٰ ہے، ظہیریہ سے۔ بحر الرائق اور جوہرہ میں ایسا ہی نقل کیا گیا ہے۔

لیکن متن اور شروح کی عام کتابیں اس بات پر متفق ہیں کہ عید اور رمضان دونوں سے پہلے بھی فطرہ ادا کرنا درست ہے بہتوں نے اس قول کی تصحیح بھی کی ہے بلکہ نہر الفائق میں اس کو ترجیح دیا گیا ہے اور الوالجیہ سے نقل کیا ہے کہ یہی ظاہر الروایۃ ہے شارح کہتے ہیں کہ میری رائے یہ ہے کہ یہی ظاہر مذہب بھی ہے طحطاوی نے لکھا ہے کہ جس پر فتویٰ ہوتا ہے وہ ظاہر الروایۃ سے مقدم ہوتا ہے لہٰذا رمضان کے اندر نکالنا ضروری ہے جیسا کہ اوپر گذرا۔

وجاز دفع کل شخص فطرته الی مسکین او مساکین علی ماعلیه الاکثر وبه جزم فی الولوالجیة والخانیة والبدائع والمحیط وتبعهم الزیلعی فی الظهار من غیر ذکر خلاف وصححه فی البرهان فکان هو المذهب کتفریق الزکوة والامر فی حدیث اغنوهم المندب فیفید الاولویة ولذا قال فی الظهیریة لا یکره التاخیرای تحریما کماجاز دفع صدقة جماعة الی مسکین واحد بلاخلاف یعتد به خلطت امرأة امرها زوجها باداء فطرته حنطة بحنطتها بغیر اذن الزوج ودفعت الی فقیر جاز عنها لاعنه لمامر ان الابخلاط عند الامام استهلاك یقطع حق صاحبه و عندهما لایقطع فیجوز ان جاز الزوج ظهیریة ولو بالعکس قال فی

النہرلم ارہ ومقتضی مامر جوازہ عنہما بلا اجازتہا.

فطرہ کس کودے

ہر شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنا فطرہ ایک یا چند مساکین کو دے اکثر مشائخ کا قول یہی ہے اور اسی پر (الوالجیہ) خانیہ، بدائع اور محیط نے جزم کا اظہار کیا ہے اور اسی قول کا زیلعی نے باب الظہار میں (اختلاف کے ذکر کئے بغیر) اتباع کیا ہے اور برہان امیں اسی کو صحیح کہا ہے چنانچہ مذہب یہی صحیح ہے جیسے زکوٰۃ میں درست ہے کہ ایک مسکین کو دے یا چند کو۔

ایک حدیث اور اس کا مفہوم

اور حدیث نبویؐ میں جو امر آیا ہے اغنوہم الخ (مساکین کو بے نیاز کردو) یہ استحباب کیلئے ہے اور اور یہ اولویت کا فائدہ دیتا ہے اور اسیوجہ سے فتاویٰ ظہیریہ میں کہا گیا ہے کہ فطرہ میں تاخیر کرنا مکروہ تحریمی نہیں ہے (اغنوہم والی حدیث کو دار قطنی ابن ابی عدی اور حاکم نے علوم الحدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ان لفظوں کے ساتھ روایت کیا ہے اغنوہم عن الطواف فی ہذا الیوم (فقیروں اور مسکینوں کو اس دن میں دربدر پھرنے سے بے نیا کردو) مقصد یہ ہے کہ عید کے دن سے پہلے نکال کر غریبوں تک پہونچادو پس معلوم ہوا کہ عید سے فطرہ کا موخر کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور استحباب کے غلاف ہے۔

فطرہ ایک یا چند مساکین کو دینا اسی طرح درست ہے جس طرح بلا قابل اعتبار اختلاف کے ایک جماعت کا اپنا فطرہ ایک مسکین کو دیدینا جائز ہے۔

دوسرے کے فطرہ کو اپنے فطرہ میں بلا اجازت ملانے کا نقصان

کسی عورت کو اس کے شوہر نے فطرہ کے ادا کردینے کا حکم دیا اس نے شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے فطرہ کو اپنے فطرہ میں ملادیا اور کسی فقیر کو دیدیا تو یہ دینا عورت کی طرف سے درست ہوگا مرد کی طرف سے درست نہیں ہوگا۔

کیونکہ مرد نے بیوی کو حکم دیا تھا کہ وہ اس کے مال سے اس کا فطرہ ادا کردے لیکن جب عورت نے مرد کا فطرہ دینے سے پہلے اپنے فطرہ میں ملادیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک ملنے کی وجہ سے وہ ہلاک کے حکم میں ہوگیا، اور اسکی مالک عورت ہوگئی چنانچہ عورت کے ذمہ اتنے اناج کا ضمان لازم آئے گا لیکن صاحبین کے نزدیک **مذکورہ صورت میں بھی** مرد کی طرف سے فطرہ ادا ہو جائے گا اور اس نے اجازت دیدی تھی کذانی الظہیریہ۔

اور اگر اس کے برعکس صورت پیش آئی ہو کہ عورت نے شوہر سے کہا کہ میرا فطرہ ادا کردو اور مرد نے **عورت کے** فطرہ کا غلہ اپنے فطرہ کے غلہ میں سے ملادیا اور پھر فقیر کو دیدیا تو صاحب نہر کہتے ہیں کہ مسئلہ کی اس صورت کے **متعلق حکم میں نے کہیں** نہیں دیکھا لیکن سابق میں جو کچھ مذکور ہوا اسکا مقتضایہ ہے کہ عورت اور شوہر دونوں کی طرف سے عورت کی **اجازت** کے بغیر صدقہ فطر ادا ہو جانا چاہئے۔

ولایبعث الامام علی صدقتہ الفطر ساعیا لانہ علیہ السلام لم یفعلہ بدائع وصدقۃ الفطر کالزکوۃ فی المصارف وفی کل حال الا فی جواز الدفع الی ذمی وعدم سقوطہا

هلاك المال وقدمر ولو دفع صدقة فطره الى زوجة عبده جاز وان كانت نفقتها عليه عمدة الفتاوىٰ للشهيد خاتمة واجبات الاسلام سبعة الفطرة ونفقة ذى رحم ووتر واضحية وعمرة وخدمة ابويه والمرأة لزوجها حدادى.

فطرہ کی وصولی

صدقہ فطر وصول کرنے کیلئے امام کسی محصل کو نہیں بھیجے گا اس لئے کہ سردر کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا ہے کمافی البدائع (یعنی یہ ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں کسی آدمی کو مقرر کیا ہو اور وہ گشت کر کے گھر گھر سے فطرہ وصول کر کے لاتا ہو۔

مصارف فطرہ

مصارف کے باب میں فطرہ تمام حالات میں زکوٰۃ کی مانند ہے (یوں شرائط زکوٰۃ فطرہ کے الگ الگ ہیں مثلاً زکوٰۃ میں حولان حول (سال گذرنا) نصاب کا نامی ہونا اور عاقل وبالغ ہونا شرط ہے اور فطرہ میں ان شرائط میں سے کوئی شرط بھی نہیں ہے لہٰذا تمام حالات کی مراد یہاں یہ ہے کہ جس طرح زکوٰۃ میں نیت اور تملیک شرط ہے اسی طرح فطرہ میں بھی شرط ہے۔

زکوٰۃ و فطرہ کا فرق

مگر زکوٰۃ اور فطرہ میں یہ فرق ہے کہ فطرہ ذمی کافر کو دینا جائز ہے اور مال کے ہلاک ہونے سے فطرہ ساقط نہیں ہوگا لیکن زکوٰۃ کا ذمی کافر کو دینا جائز نہیں ہے اور مال کے ہلاک ہونے زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے۔

فطرہ کے متعلق خانیہ میں ہے کہ ذمی کو فطرہ دینا جائز ہے اور امام شافعی کے نزدیک مکروہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ناجائز اور حاوی میں ہے کہ فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے یعنی ذمی کو فطرہ دینا ناجائز نہیں ہے۔

اپنے غلام کی بیوی کو صدقہ فطر دینا جائز ہے گو اس غلام کی بیوی کا نفقہ مولیٰ کے ذمہ ہی کیوں نہ ہو کذافی عمدۃ الفتاویٰ للشہید۔

قاعدہ میں غلام کی بیوی کا نفقہ غلام کے ذمہ ہوتا ہے لیکن اگر آقا تبرعاً اپنے ذمہ لے لے تو وہ اس کے زیر پرورش ہو جاتی ہے۔

واجبات اسلام

اسلام کے واجبات سات ہیں۔

(۱) فطرہ (۲) رشتہ دار کا نفقہ

(۳) نماز وتر (۴) قربانی

(۵) عمرہ (۶) ماں باپ کی خدمت

(۷) عورت کے ذمہ شوہر کی خدمت کذافی الحدادی۔

مگر یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ یہی سات واجبات ہیں اس کے علاوہ نہیں ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ بھی واجبات ہیں داخل ہیں۔

کتاب الصوم

قیل لوقال الصیام لکان اولی لمافی الظھیریة ولوقال الله علی صوم لزمه یوم ولو قال صیام لزمه ثلثة ایام کما فی قوله تعالی ففدیة من صیام و تعقبان الصوم له انواع علی ان ال تبطل معنی الجمع والاصح ان لایکره قول رمضان .

روزہ کے احکام ومسائل

روزہ اسلام کے بنیادی پانچ میں سے ایک اہم رکن ہے، اس پر عمل کرنے سے نفس امارہ مغلوب ہوتا ہے اور تقوی وطہارت کو تقویت حاصل ہوتی ہے مسلمان خدا کے حکم سے صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے رکارہتا ہے، رمضان تیس یا انتیس دن کا ہوتا ہے اور اس کا موسم بھی بدلتا رہتا ہے، کبھی سرد کے موسم میں آتا ہے اور کبھی گرمی کے موسم بھی ،کبھی دن بڑا ہوتا ہے اور کبھی چھوٹا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی الاسلام علی خمس شہادت ان لا الہ الا اللہ وان محمد عبدہ ورسولہ واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ والحج وصوم رمضان۔

شارح کہتے ہیں اگر کتاب الصوم کی جگہ کتاب الصیام کہتے تو بہتر ہوتا کیونکہ فتاوی ظہیریہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ اللہ کے واسطے مجھ پر روزہ ہے، تو اس صورت میں اس پر ایک روزہ لازم ہوگا، اور اگر کہے کہ اللہ کے واسطے مجھ پر روزے ہیں، تو اس صورت میں اس پر تین روزے لازم ہوں گے، جیسا کہ قرآپاک یں ہے ففدیۃ من صیام کہ بدلے میں روزے ہیں، یہاں جمع کے لئے صیام کالفظ لایا گیا ہے۔

اس اوپر والے قول پر اعتراض کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ روزے کی متعدد نوعیتیں ہیں ماحصل یہ ہے کہ صوم کہنا بھی درست ہے کہ یہ لفظ اسم جنس ہے اور اس کا اطلاق اس کی تمام قسموں پر ہوتا ہے۔

بغیر لفظ شہر کے صرف رمضان بولنا مکروہ نہیں جن لوگوں نے کراہت ثابت کی ہے وہ صحیح نہیں ہے حدیث میں صراحتا مذکور ہے "من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفرله ماتقدم من ذنبه و ماتاخر" دوسری حدیث میں ہے "عمرة فی رمضان تعدل حجة" ان احادیث میں لفظ شہر کے بغیر رمضان کالفظ آیا ہے۔

وفرض بعد صرف القبلة الی الکعبة لعشر فی شعبان بعد الھجرة بسنة ونصف ھو لغة امساك مطلقا وشرعا امساك عن المفطرات الاتیة حقیقة اوحکما کمن اکل ناسیا فانه ممسك حکما فی وقت مخصوص وھو الیوم من شخص مخصوص مسلم کائن فی دارنا

او عالم بالوجوب طاهر عن حيض ونفاس مع النية المعهودة و اما البلوغ و الافاقة فليسا من شرط الصحة لصحة صوم الصبی و من جن او اغمی عليه بعد النية وانما لم يصح صومهافی اليوم الثانی لعدم النية وحكمه نيل الثواب و لو منهيا عنه كما فی الصلوة فی ارض مغصوبة و سبب صوم المنذور النذر ولذالوعين شهراوصام شهرا قبله عنه اجزاه لوجود السبب ويلغوا التعيين والكفارات الحنث والقتل و رمضان شهودجزء من الشهر من ليل اونهار علی المختار كما فی الجنزية و اختار فخرالاسلام و غيره انه الجزء الذی يمكن انشاء الصوم فيه من كل يوم حتی لو افاق المجنون فی ليلة او فی آخر آيامه بعد الزوال لا قضاء عليه وعليه الفتویٰ كمافی المجتبی و النهر عن الدراية وصححه غير واحد و هو الحق كما فی الغاية

روزہ کی فرضیت

روزہ اس وقت فرض ہوا جب قبلہ بجائے بیت المقدس کے کعبۃ اللہ قرار پایا یعنی دسویں شعبان کو ہجرت نبوی کے ڈیڑھ برس بعد صوم کے معنی لغت میں مطلقاً کسی چیز سے باز رہنا اور رکنا ہے اور شریعت میں صوم ان افطار کرنے والی چیزوں سے باز رہنے کو کہتے ہیں جن کی تفصیل آگے آرہی ہے، یہ باز رہنا حقیقۃ ہو کہ بالکل نہ کھائے نہ پئے یا حکماً ہو کہ بھول کر کھاپی لیا تو قصداً ایسا نہ کیا ہو، یہ نہ کھانے کے ہی حکم میں ہے (کیونکہ شریعت میں بھول سے کھانے کا اعتبار نہیں کیا) یہ افطار کرنے والی چیزوں سے باز رہنا وقت مخصوص میں ہو یعنی صبح صادق کے ذرا پہلے سے لے کر آفتاب کے غروب ہونے تک اور یہ باز رہنا روزہ کی نیت کے ساتھ اس مخصوص شخص کا ہو جسکو مسلمان کہتے ہیں جو دارالاسلام میں رہتا ہو، یا کہیں بھی رہتا ہو مگر وہ روزہ کے فرض ہونے کا علم رکھتا ہو، اگر عورت ہو تو اس کیلئے حیض و نفاس سے پاک ہونا بھی ضروری ہے۔

روزہ میں بالغ ہونے اور عقل کے درست ہونے کی شرط بھی نہیں ہے کیونکہ نابالغ بچہ کا روزہ اور اس شخص کا روزہ بھی درست ہے جو نیت کرنے کے بعد مجنون یا بے ہوش ہو گیا ہو البتہ مجنون اور بیہوش کا دوسرے دن کا روزہ درست نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ نیت نہیں پائی جاتی ہے (گویا روزہ کے درست ہونے کی تین شرطیں ہیں مسلمان ہونا، حیض و نفاس سے پاک ہونا اور نیت کا پایا جانا)۔

روزہ کا فائدہ

روزہ کا حکم یہ ہے کہ روزہ دار کو آخرت میں اس کا ثواب ملے گا، اگرچہ اس دن کے روزے سے روکا گیا ہو، جس طرح غصب شدہ زمین میں بھی نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے اور دنیا میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ فرض ذمہ سے ساقط ہو جائے گا (اور دوسرے فوائد بھی ہیں)

روزہ کا سبب

منت مانے ہوئے روزے کا سبب منت ماننا ہے، چنانچہ اگر کوئی متعین مہینہ کے روزے کی منت مانے اور اس متعین مہینہ سے پہلے مہینہ میں وہ روزہ رکھ لے، تو چونکہ سبب یعنی نذر پایا جارہا ہے اس لئے اس کا یہ روزہ رکھنا اس متعین ماہ کی طرف سے کافی ہو جائے گا، اور مہینہ کی متعین لغو قرار پائے گی اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی ہر ہفتہ میں دوشنبہ اور جمعرات کے دنوں میں روزہ کی منت مانے تو اس کے بدلے دوسرے دنوں میں بھی روزہ رکھ سکتا ہے۔

اور کفارے کے روزہ کا سبب قسم کا توڑنا ہے اور کسی جان کا غلطی سے مار ڈالنا یا حالت احرام میں شکار کا قتل کرنا ہے اور رمضان

کے روزہ کا سبب اس مہینہ کے کسی حصہ کا موجود ہونا ہے خواہ وہ رات کا ہو یا دن کا سرخسی نے اسی کو مذہب مختار کہا ہے اور فخر الاسلام وغیرہ نے کہا ہے کہ ہر دن کا وہ حصہ سبب ہے جس میں روزہ کی ابتداء ممکن ہو، یعنی صبح صادق سے لے کر دوپہر کے ذرا پہلے تک کیونکہ نہ رات میں روزہ کی ابتداء ممکن ہے اور نہ خود دوپہر یا اس کے بعد میں۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کسی پاگل کو رات میں یا آخیر دن میں زوال کے بعد افاقہ ہو گیا تو اس پر قضاء نہیں ہے فتویٰ اسی قول پر ہے جیسا کہ مجتبیٰ اور نہر میں درایہ سے منقول ہے اور دوسرے بہت سے علماء نے اس کی تصحیح کی ہے اور یہی حق ہے جیسا کہ غایۃ میں ہے۔

وهو اقسام ثمانية فرض وهو نوعان معين كصوم رمضان اداء و غير معين كصومه قضاء وصوم الكفارات لكنه فرض عملا لا اعتقاد اولذالايكفر جاحدة قاله البهنسي تبعا لابن كمال وواجب وهو نوعان معين كالنذر المعين و غير معين كالنذر المطلق واما قوله تعالى وليوفانذورهم فدخله الخصوص كالنذربمعصية فلم يبق قطعيا وقيل قائله الا كمل وغيره واعتمده الشرنبلالي لكن تعقبه سعدى بالفرق بان المنذورة لا تؤدى بعد صلوة العصر بخلاف الفائتة وهو فرض على الاظهر كا لكفارات يعنى عملا لان مطلق الاجماع لا يفيد الفرض القطعي كما بسطه خسرو.

روزے کی قسمیں

روزے کی آٹھ قسمیں ہیں ایک فرض ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں معین جیسے رمضان کا اداء روزہ اور غیر معین جیسے رمضان کا قضا روزہ اور کفاروں کے روزے لیکن کفارے کے روزے فرض عملی ہیں فرض اعتقادی نہیں ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ ان روزوں کے منکر کی تکفیر نہیں کی جائے گی قالہ البہنسی بعا لابن الکمال (بعضوں نے کہا ہے کہ نذر اور کفارہ کے روزے واجب ہیں ان کی فرضیت پر اجماع نہیں (اس لئے اس کا واجب میں ذکر کرنا مناسب تھا)۔

دوسری قسم روزے کی واجب ہے اور اسکی بھی دو قسمیں ہیں ایک معین جیسے نذر معین کے روزے اور دوسری قسم غیر معین جیسے نذر مطلق کے روزے (معین اسے کہتے ہیں جس کا وقت مخصوص و متعین ہو مثلاً جمعرات کا روزہ یا کسی متعین تاریخ کا روزہ اور غیر معین وہ ہے جس کا کوئی وقت مقرر نہ ہو جیسے کسی بھی ایک یا چند دن کا روزہ (واجب میں نفل کے وہ روزے بھی داخل ہیں جن کو شروع کر کے توڑ ڈالا گیا ہو۔ یا نفل کی قضا کو فاسد کر دے، اور اسی کے ساتھ اعتکاف کے روزے بھی اس میں آتے ہیں۔

باقی قرآن پاک کی آیت ولیوفوا نذورھم (چاہیئے کہ اپنی نذروں کو پوری کریں) اس پر خصوص داخل ہوا ہے کہ گناہ کی نذر اس میں سے نکال دی گئی ہے چنانچہ یہ حکم قطعی نہیں رہا، کیونکہ مخصوص البعض قطعی الدلالۃ نہیں ہوتا ہے۔

نذر کے متعلق مختلف رائے

اور کہا گیا ہے کہ نذر فرض ہے شارح نے بتایا کہ اس کے قائل اکمل وغیرہ ہیں اور شرنبلالی نے اس قول پر اعتماد کیا ہے (مگر اکمل نے عنایہ شرح ہدایہ میں وجوب ثابت کیا ہے ہو سکتا ہے اس نے کہیں اور دوسری کتاب میں لکھا ہو) سعدی نے نذر کے فرض ہونے پر اس طرح اعتراض کیا ہے کہ نذر کی نماز عصر کی فرض کے بعد ادا نہیں کی جاتی ہے اور نماز فرض کی قضا عصر کی فرض کے بعد قضا ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا

کہ اگر نذر کی نماز فرض ہوتی تو اس کا بھی عصر کے بعد ادا کرنا مکروہ نہیں ہوتا۔

اظہر روایات کی بنیاد پر نذر کے روزوں کو فرض کہا گیا ہے جیسے کفارات کے روزے فرض عملی ہیں اس لئے کہ مطلقاً اجماع فرض قطعی کا فائدہ نہیں دیتا ہے، جیسا کہ اس کو خسرو نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

ونفل كغيرهما يعلم السنة كصوم عاشوراء مع التاسع والمندوب كايام البيض من كل شهر ويوم الجمعة ولومنفرد او موفة لو لحاج لم يضعفه والمكروه تحريما كالعيدين وتنزيها كعاشوراء وحده وسبت وحدة ونيروزومهر جان ان تعمده وصوم دهر وصوم صمت و وصال وان افطر الايام الخمسة وهذا عند ابى يوسف كما فى المحيط.

نفل روزے

روزہ کی تیسری قسم نفل ہے اور یہ فرض وواجب کے سوا دوسرے تمام روزوں کو شامل ہے (یہاں نفل سے لغوی معنی مراد ہے جو زیادہ کے معنی میں آتا ہے، کبھی کہا جاتا ہے کہ نفل سے یہاں معنی شرعی مراد ہے کیونکہ جن دنوں کے روزے سے منع کیا گیا ہے ان دنوں کا روزہ بھی باعتبار اپنی ذات کے عبادت مستحسنہ ہے البتہ اس اعتبار سے کہ یہ دن ضیافت کے دن ہیں اور ان دنوں میں روزہ رکھنے کی صورت میں اس کی ضیافت سے روگردانی پائی جاتی ہے اس لئے ان دنوں میں روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے گویا یہ بھی اصل کے اعتبار سے مشروع ٹھہرا اور صفت کے اعتبار سے مکروہ۔

نفل میں داخل قسمیں

اس نفل میں مکروہ کی دونوں قسمیں بھی داخل ہیں اور یہ نفل سنت کو بھی شامل ہے جیسے دسویں محرم کا روزہ رکھنا نویں محرم کے ساتھ (جس کام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی سے عمل کیا ہے یا آپ کے بعد خلفائے راشدین نے عمل کیا ہے وہ سنت ہے پھر سنت کی بھی دو قسمیں ہیں ایک سنن الہدیٰ جس کا چھوڑنا برائی اور کراہت کا موجب ہے جیسے اذان اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا، دوسری قسم کو سنن زوائد کہی جاتی ہے جیسے قیام، قعود اور لباس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات شریفہ اختیار کرنا اس کا چھوڑنا موجب کراہت نہیں ہے عاشوراء کے روزہ کو قسم ثانی میں داخل کیا ہے بلکہ فتاویٰ خانیہ میں اس کو مستحب کہا اور ایسا ہی بدائع میں بھی ہے۔

مستحب اور مندوب

اور نفل مندوب کو بھی شامل ہے جیسے ہر مہینہ میں ایام بیض (۱۳-۱۴-۱۵) کا روزہ، یہ واضح رہے کہ اصولیوں کے نزدیک مستحب اور مندوب میں فرق نہیں یعنی وہ افعال جن پر آنحضرت علیہ السلام سے پابندی ثابت نہ ہو افقہاء کے نزدیک دونوں میں فرق ہے کہ مستحب وہ ہے جس کو سرور کونین علیہ السلام نے کبھی کیا ہو اور کبھی چھوڑ دیا ہو، اور مندوب وہ ہے جس کو صرف ایک یا دو بار آپ نے جواز کی تعلیم کے لئے کیا ہو پھر نہ کیا ہو)

صرف جمعہ کا روزہ

نفل جمعہ کے دن کے روزہ کو بھی شامل ہے اگرچہ صرف جمعہ کے ہی ایک دن کا روزہ رکھا گیا ہو (نہر الفائق اور بحر الرائق میں صراحت ہے کہ جمعہ کا اکیلا روزہ اکثر کے نزدیک مستحب ہے جس طرح پیر اور جمعرات کا روزہ مستحب ہے اور بعضوں نے صرف جمعہ کے دن کے ایک روزہ کو مکروہ کہا ہے اور خانیہ میں ہے کہ صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنے میں امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک کچھ مضائقہ نہیں ہے کیونکہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اس دن کا روزہ رکھتے تھے اور امام ابو یوسفؒ کا کہنا ہے کہ اس کی کراہت کے سلسلہ میں حدیث آئی ہے لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ

ایک دن پہلے یا بعد کا روزہ ملالے۔

عرفہ کا روزہ

اور نفل روزہ میں عرفہ (نویں ذالحجہ) کا روزہ بھی ہے کہ یہ روزہ حاجی رکھے جب کہ وہ روزہ کیوجہ سے کمزور نہ ہو، (اگر وقوف عرفات اور دعاؤں میں خلل انداز نہ ہو تو حاجی کے لئے بھی اس دن کا روزہ مکروہ نہیں ہوگا البتہ اگر اس کی وجہ سے کمزوری ہو تو حاجی کے لئے عرفہ کے دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

مکروہ تحریمی و تنزیہی

اور نفل مکروہ تحریمی کو بھی شامل ہے جیسے عیدین کا روزہ (اور دیگر ایام تشریق کا روزہ یعنی ۱۱ر ۱۲ر ۱۳ر ذی الحجہ کا) اور نفل مکروہ تنزیہی کو بھی شامل ہے جیسے صرف عاشوراء کے دن کا ایک روزہ جس میں نویں یا گیارہویں کا روزہ نہ ملایا جائے اور سنیچر کے دن کا تنہا روزہ رکھنا اس میں یہود کیساتھ مشابہت ہے اور نیروز اور مہرجان کا روزہ اگر قصداً رکھا جائے نیروز اس دن کو کہتے ہیں جس دن کا آفتاب برج حمل میں آئے اور مہرجان وہ دن ہے جس دن آفتاب میزان میں آئے یہ دونوں دن فارسیوں کے عید کے دن ہیں ان روزوں میں قصداً قید لگا کر یہ بتایا گیا ہے اگر کوئی ان دنوں میں پہلے سے بلا ارادہ مشابہت روزہ رکھتا رہا ہے تو اس کے لئے مکروہ نہیں ہوگا۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو روزہ نہیں رکھنا چاہئے، کہ مشابہت کا قصد سے یہ حرام ہو جاتا ہے۔

دوسرے مختلف روزے

نفل کا لفظ اس روزے کو بھی شامل ہے جو مسلسل پوری عمر رکھا جائے اور اس روزہ کو بھی جس میں خاموشی اختیار کی جائے خاموشی (یعنی ایسا روزہ رکھے جس میں بولنا ترک کر دے ایسے روزہ میں مجوس کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے کیونکہ وہ روزے میں نہیں بولتے ہیں اور نفل صوم وصال کو بھی شامل ہے یعنی کئی دن مسلسل اس طرح روزہ رکھنا کہ درمیان میں افطار نہ کرے، یہ روزے بھی مکروہ ہیں لیکن عمر بھر روزہ اس طرح رکھنا جن دنوں میں روزے سے منع کیا گیا ان دنوں میں ترک کر دے تو پھر کراہت نہیں ہوگی۔ عمر بھر کے روزے کو مکروہ امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کی وجہ سے واجبات کی ادائیگی اور کسب حلال میں ضعف طاری ہو جاتا ہے یا پھر اس کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے اور روزہ رکھنے میں وہ کوئی مشقت محسوس نہیں کرتا ہے۔

فهي خمسة عشر و انواعه ثلثة عشر سبعة متتابعة رمضان و كفارة ظهاو قيل ويمين و افطار رمضان ونذر معين واعتكاف واجب ستة يخير فيها نفل وقضاء رمضان وصوم متعة وفدتة حلق وجزاء صيد ونذر مطلق.

نفل کے تحت آنے والے روزے

نفل کے تحت جتنے روزے آئے ہیں ان کی مجموعی تعداد پندرہ ہے، (مکروہ تحریمی میں یوم الشک اور ایام تشریق کا روزہ رہ گیا، مترجم نے ایام تشریق کا اضافہ کر دیا ہے، اور مکروہ تنزیہی میں عورت کا روزہ رکھنا شوہر کی اجازت کے بغیر درج ہونے سے رہ گیا ہے اسی طرح غلام کو بغیر مولیٰ کی اجازت کے اور اجیر کا روزہ رکھنا بغیر مستاجر کی اجازت کے باقی رہ گئے، اور مندوبات میں دو شنبہ اور جمعرات کا روزہ اور صوم داؤد رہ گیا یعنی ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن افطار کرے اور اس میں عید کے بعد جو چھ روزے رکھے جاتے ہیں وہ بھی رہ گئے جس کو شش عید کہتے ہیں قالہ الشامی۔

لازم روزوں کے اقسام

لازم روزوں کی تیرہ قسمیں ہیں سات قسم کے روزے مسلسل بلا فصل رکھے جاتے ہیں۔(۱) رمضان کے روزے (۲) کفارہ ظہار کے روزے (۳) کفارہ قتل کے روزے (۴) کفارہ قسم کے روزے (۵) کفارۂ افطار ورمضان کے روزے (۶) نذر معین کے روزے (۷) اعتکاف واجب کے روزے اور چھ قسمیں وہ ہیں جن میں روزے رکھنے والے کو مسلسل رکھنے یا فصل کے ساتھ دونوں طرح رکھنے کا اختیار ہے (۱) نفلی روزے (۲) قضاء رمضان کے روزے (۳) حج تمتع اور قران کے روزے جب ذبیحہ کی استطاعت نہ ہو، تین روزے ایام حج میں رکھے جاتے ہیں اور سات حج سے واپسی کے بعد (۴) سر منڈوانے کے فدیہ کے روزے (۵) شکار کے بدلہ کے روزے (۶) نذر مطلق کے روزے جس میں مہینہ متعین یا پے در پے کی قید نہ لگائی گئی ہو اور نہ نیت کی ہو۔

اذا تقرر هذا فيصح اداء صوم رمضان والنذر المعين والنفل بنية من الليل فلا تصح قبل للغروب و لا عنده الى الضحوة الكبرى لا بعدها ولا عندها اعتبار الاكثر اليوم وبمطلق النية اى نية الصوم فال بذل عن المضاف اليه وبنية نفل لعدم المزاحم بخطأ فى وصف كنية واجب آخر فى اداء رمضان فقط لتعينه بتعيين الشارع.

نیت کا وقت

اس تفصیل کے معلوم کرنے کے بعد روزہ کی نیت کے متعلق عرض ہے کہ ادائے رمضان نذر معین اور نفلی روزے کی نیت رات سے لیکر آدھے شرعی دن تک کی جاسکتی ہے اس نیت سے روزہ درست ہو گا ادائے رمضان کی قید اس لئے لگائی کہ رمضان کا روزہ بطور اداء رمضان میں ہوتا ہے اور کبھی رمضان کا روزہ وہ ہے جو رمضان میں کسی عذر شرعی کیوجہ سے قضا ہو جائے اور بعد میں اس کو ادا کرے، قضاء رمضان میں رات میں نیت کرنا ضروری ہے۔ نیت دل کے ارادہ کو کہتے ہیں مثلاً یہ ارادہ کہ کل روزہ رکھوں گا زبان سے کہنا شرط نہیں ہے رمضان شریف میں ہر مسلمان کی نیت رات میں یہی ہوتی ہے بلکہ سحری کھانا خود نیت کی دلیل ہے۔

غروب آفتاب کے پہلے کی نیت

غروب آفتاب کے پہلے کی نیت یا غروب آفتاب کے وقت کی نیت سے روزے درست نہیں ہوتے ہیں یعنی مثلاً کسی نے ان وقتوں میں روزے کی نیت کی پھر سو گیا یا بے ہوش ہو گیا یا غافل ہو گیا یہاں تک کہ دوسرے دن زوال آفتاب کا وقت آپہونچا تو روزہ نہیں ہو گا البتہ اگر آفتاب کے غروب ہو جانے کے بعد نیت کی تھی تو روزہ جائز ہو گا اسی طرح نصف نہار شرعی کے بعد کی نیت یا اس وقت کی نیت سے بھی روزہ نہیں ہوتا ہے۔ نصف نہار شرعی کہتے ہیں صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کے وقت کے دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے اس کے نصف اول تک یہ وقت رہتا ہے۔

بلا تعین مطلق نیت

اداء رمضان نذر معین اور نفل روزے مطلق روزہ کی نیت سے بھی ہو جاتے ہیں۔ النیۃ میں ال مضاف الیہ کے بدلے میں ہے۔) مطلق نیت کا ماحصل یہ ہے کہ اس میں فرض یا واجب یا سنت ہونے کی کوئی قید نہ ہو، رمضان کے روزوں میں ظاہر ہے کہ ان دنوں میں دوسرے روزوں کی سرے سے گنجائش ہی نہیں ہے، وہ رمضان کا مہینہ اسی کے فرض روزوں کے لئے متعین ہے، اس لئے وہ خود بخود متعین ہو جائے گا اس میں متعین کرنے کی کوئی

مزاورت نہیں ہوتی اور نذر معین میں خود نذر کرنے والے کی طرف سے **تعیین** ہوتی ہے لہٰذا اس میں بھی تعیین ضروری نہیں رہتی مطلق نیت بھی کافی ہوتی ہے۔

نفل کی نیت سے رمضان کا روزہ

یہ روزے نفل کی نیت کے ساتھ بھی درست ہو جاتے ہیں کیونکہ رمضان اور نذر معین کا کوئی دوسرا روزہ مزاحم نہیں ہوتا ہے (لہٰذا نفل کی نیت کے باوجود رمضان میں رمضان کے روزے ہوں گے اور نذر معین میں اس دن کے مانے ہوئے روزے۔

نیت کرنے میں اگر وصف کے اندر غلطی ہو جائے تو بھی رمضان میں رمضان کے روزے درست ہوتے ہیں۔

رمضان کا روزہ دوسرے واجب کی نیت سے

مثلاً کوئی رمضان کے ادا روزہ کی **نیت** کر رہا **تھا مگر** دوسرے واجب کی **نیت** کرلی تو اس سے **رمضان کا ہی** روزہ ہوگا دوسرا نہیں ہوگا، اس لئے کہ شریعت کی طرف سے رمضان کے دن رمضان کے ہی روزوں کیلئے متعین **ہیں مگر یہ** صورت صرف رمضان کے ساتھ مخصوص ہے (آنحضرت ﷺ **نے فرمایا کہ جب شعبان گذر چکے تو پھر سوائے رمضان کے** کوئی دوسرا روزہ نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ نذر میں یہ صورت نہیں چل سکتی اس لئے کہ اس کی تعیین خود بندہ کرتا ہے۔

الا اذا وقعت النية من مريض او مسافر حيث يحتاج الى التعيين لعدم تعينيه في حقهما فلا يقع عن رمضان بل يقع عما نوى من نفل او واجب على ماعليه الاكثر بحر وهو الاصح سراج وقيل بانه ظاهر الرواية فلذا اختاره المصنف تبعا للدرر لكن في اوائل الاشباه الصحيح وقوع الكل عن رمضان سوى مسافر نوى واجبا آخرواختاره ابن الكمال وفي الشرنبلا لية عن البر هان انه الاصح والنذر المعين لا يصح بنية واجب آخر بل يقع عن واجب نواه مطلقا فرقا بين تعيين الشار ع والعبد لو صام مقيم عن غيررمضان ولو لجهله بهاى برمضان فهو عنه لا عما نوى لحديث اذا جاء رمضان فلا صوم لا عن رمضان.

مریض اور مسافر کی طرف سے تعیین میں غلطی

لیکن اگر وصف میں غلطی مریض اور مسافر سے ہوگی تو ان کی طرف سے بوقت غلطی رمضان کا روزہ نہیں ہوگا بلکہ وہ جس روزہ کی نیت کرے گا وہی روزہ ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ مسافر اور مریض کے لئے اس کے مرض اور سفر کی وجہ سے اسکے حق میں رمضان متعین نہیں، ان دونوں کو افطار کی **اجازت** ہے اسلئے یہاں متعین کرنے کی ضرورت ہے، اگر رمضان **متعین** نہیں کیا ہے **تو** رمضان کا روزہ نہیں ہوگا، بلکہ جس روزہ کی نیت کی ہے وہی ادا ہوگا، خواہ وہ نفل ہو یا واجب، اکثر مشائخ کا مسلک یہی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے اور کہا گیا ہے کہ یہی ظاہر الروایت بھی ہے مصنف اسی وجہ سے اس کو دُرَر کے اتباع میں اختیار کیا ہے (یہاں جس چیز کی نسبت اکثر مشائخ کی طرف کی گئی ہے یہ صرف بیمار کے حق میں ہے باقی رہا مسافر تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ کسی دوسرے واجب کی نیت کرے گا تو وہی واجب ادا ہوگا اور اگر وہ نفل کی نیت کرے گا یا مطلق نیت ہوگی تو امام صاحبؒ سے اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں صحیح تر یہ ہے کہ رمضان کا روزہ ہوگا، اس لئے کہ نفل کا روزہ فائدہ ثواب ہے اور ثواب وقتی فرض میں زیادہ ہے، شامی

بیمار و مسافر کے سلسلہ میں دوسرا قول

اشباہ کے اوائل میں ہے کہ اگر مسافر اور مریض دوسرے نفل وواجب کی رمضان میں نیت کر چکے تو صحیح یہ ہے کہ تمام صورتوں میں رمضان کا ہی روزہ ادا ہوگا ہاں اگر مسافر دوسرے واجب کی نیت کرے گا تو اس کی طرف سے دوسرا واجب ادا ہوگا، اس کو ابن الکمال نے اختیار کیا ہے اور شرنبلالیہ میں برہان سے منقول ہے کہ یہی زیادہ صحیح ہے تمام صورتوں کی مراد یہ ہے کہ بیمار نفل کی نیت کرے یا مطلق نیت کرے یا کسی واجب کی نیت کرے یا مسافر نفل کی یا مطلق نیت کرے تو ان تمام صورتوں میں یہ روزہ رمضان کا ہوگا۔ سوائے اس ایک صورت کے جس کا ذکر اوپر ہوا کہ مسافر کسی دوسرے واجب کی نیت کرے تو وہی واجب ادا ہوگا کیونکہ مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی رخصت حاصل ہے اس لئے وہ اس کو دوسرے واجب میں صرف کر سکتا ہے بیمار ایسا نہیں کر سکتا ہے کیونکہ مریض کے لئے واقعی مجبوری چاہئے اگر وہ دوسرے واجب کا رکھے گا تو پھر واقعی مجبوری کہاں رہی اور اسے رخصت کیسے حاصل ہوگی اس کے برعکس مسافر کو سفر کیوجہ سے رخصت حاصل ہے اس کیلئے کوئی واقعی مجبوری نہیں ہے بحر الرائق کے کلام کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مریض کے سلسلہ میں تین قول ہیں۔ ایک وہ جو ابھی اشباہ کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے دوسرا وہ جو متن میں مذکور ہے، جس کی نیت کی وہی ہوگا، تیسرے قول میں تفصیل ہے یعنی روزہ اگر اس کے لئے نقصان دہ ہے تو اس کو زیادتی مرض کیوجہ سے افطار کی رخصت ہے جو نیت کرے گا ہی واقع ہوگا اور اگر روزہ اس کے لئے نقصان دہ نہیں ہے جیسے بد ہضمی تو اس صورت میں وقتی فرض روزہ ادا ہوگا۔

نذر معین کا روزہ دوسرے واجب کی نیت سے درست نہیں ہوتا ہے جس واجب کے ادائیگی کی نیت ہوگی ہر صورت میں خواہ وہ تندرست ہو خواہ مریض مقیم ہو یا مسافر وہی واجب ادا ہوگا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی تعیین اور بندہ کی تعیین میں فرق ظاہر ہو سکے رمضان کی تعیین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے لہٰذا دوسرا واجب اس میں ادا نہیں ہوگا لیکن نذر معین بندہ کی تعیین ہے اس لئے اس میں دوسرا واجب ادا ہوگا لیکن اس صورت میں نذر معین کی قضا واجب ہوگی۔

جب مقیم غیر رمضان کی نیت کرے

اگر مقیم نے رمضان میں غیر رمضان کا روزہ رکھا، گو وہ رمضان سے واقف نہ تھا تو بھی رمضان کا ہی روزہ ادا ہوگا غیر رمضان کا روزہ نہیں ہوگا جس کی اس نے نیت کی ہے، کیونکہ حدیث نبوی ہے، جب رمضان آگیا تو پھر صرف رمضان کا ہی روزہ ہوگا کسی دوسرے کا روزہ نہیں ہوگا۔

ویحتاج صوم کل یوم من رمضان الی نیة و لو صحیحا مقیما تمیز العبادة عن العادة وقال زفر و مالك وتكفی نیة واحدة کالصلوة قلنا فساد البعض لا یوجب فساد الكل بخلاف الصلوة والشرط للباقی من الصیام قران النیة للفجر. ولو حکما و هو تبیت النیة للضرورة وتعیینها لعدم تعین الوقت والشرطفها ان یعلم بقلبه ای صوم یصومه قال الحدادی والسنته ان یتلفظ بها.

ہر دن نیت ضروری ہے

رمضان کا روزہ میں ہر دن نیت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ عبادت اور عادت کے درمیان تمیز قائم ہو سکے۔ اور امام زفرؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ پورے مہینہ کیلئے ایک نیت کا

نی ہوتی ہے جیسے نماز میں ایک تحریمہ تمام رکعتوں کے لئے کافی ہوتا ہے لیکن امام زفرؒ اور مالکؒ کا نماز پر قیاس صحیح نہیں ہے کیوں کہ نماز میں ایک رکعت کے فاسد ہونے سے کل نماز فاسد ہو جاتی ہے روزہ میں ایسا نہیں ہوتا ہے کہ ایک روزہ کے فاسد ہونے سے کل دنوں کا روزہ فاسد ہو جاتا ہو۔

کن روزوں کی رات میں نیت ضروری ہے

ادائے رمضان اور نذر معین کے علاوہ دوسرے تمام روزوں کیلئے نیت کا فجر سے متصل ہونا شرط ہے اگر چہ اتصال عملاً ہو یہ حکمی اتصال رات میں نیت کرنا ہے اور یہ حکم ضرورت کیوجہ سے ہے (قضاء رمضان نذر مطلق قضائے نذر معین قضاء نفل کفارۂ ظہار کفارۂ قتل، کفارہ یمین اور کفارۂ افطار رمضان ان تمام روزوں کے لئے ضروری ہے کہ رات میں ہی ان کی نیت کرلی جائے) اور اسکی وجہ یہ ہے ان روزوں میں سے کسی کا کوئی وقت متعین اور مقرر نہیں ہوتا ہے، لہٰذا رات میں ہی طے کرلے کہ فلاں روزہ رکھنا ہے اور اس مقرر کرنے میں صرف یہ ہے کہ دل میں طے کرلے کہ کل فلاں روزہ رکھنا ہے البتہ ہدادی نے کہا ہے کہ سنت یہ ہے کہ اسے زبان سے بھی کہہ لے مگر اس سنت سے مشائخ کی سنت مراد ہے آنحضرت ﷺ کی سنت مراد نہیں ہے اس لئے کہ آپ سے اور صحابہ کرام سے زبان سے نیت کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔

ولا تبطل بالمشئية بل بالرجوع عنها بان يعزم ليلا على الفطر ونية الصائم الفطر لغو ونية الصوم فى الصلوٰة صحيحة ولاتفسدها بلا تفلظ ولو نوى القضاء نهاراضا ونفلا فيقضيه لو افسده لان الجهل فى دارنا غير معتبر فلم يكن كالمظنون بحر.

نیت میں انشاءاللہ کہنا

نیت میں انشاءاللہ کہنے سے نیت باطل نہیں ہوتی ہے۔ البتہ نیت سے پلٹ جائے اور رات میں پختہ ارادہ کرلے کہ افطار کرنا ہے تو پھر نیت ختم ہو جائے گی روزہ دار کا روزہ رکھتے ہوئے افطار کی نیت کرنا لغو اور بے فائدہ ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا حالت نماز میں روزہ کی نیت کرنا درست ہے اور زبان سے روزہ کی نیت کو ادا کئے بغیر نماز فاسد نہیں ہوگی۔

قضا کی نیت دن میں کرنے سے نفل روزہ ہوتا ہے

قضا روزہ کے لئے بتایا جا چکا ہے کہ رات میں نیت ضروری ہے لیکن اگر کوئی قضاء روزہ کی نیت بجائے رات کے دن میں کرے تو اس کا یہ روزہ نفل کا روزہ ہوگا قضا نہیں ہوگا، اب اگر اس روزہ کو توڑ دے گا تو اس پر اس کی قضا ضروری ہوگی اس لئے کہ دارالاسلام میں جہالت کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے لہٰذا یہ روزہ اس ظنی روزہ کی طرح نہیں ہے جو کوئی اس گمان میں رکھ لیتا ہے کہ میرے ذمہ روزہ ہے اور پھر اسی حال میں اس پر ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر روزہ نہیں تھا اس ظنی روزہ کا پورا کرنا لازم نہیں ہے (یہ اخیر والا حصہ دراصل فتح القدیر کے اس قول کا جواب ہے کہ جو قضا روزہ دن کی نیت سے رکھ لیا گیا ہے وہ نفل ہو جائے گا لیکن اگر اس کو اس مسئلہ کی خبر نہ ہو تو شروع کرنے سے لازم نہ ہوگا کیونکہ یہ ظنی روزہ کی طرح ہے۔

ولايصام يوم الشك هو يوم الثلثين من شعبان و ان لم يكن علة اى القول بعد اعتبار اختلاف المطالع لجواز تحقق الرؤية فى بلدة اخرى واما على مقابله فليس يشك ولا يصام

اصلا شرح المجمع للعینی عن الزاهدی الا تطوعا ویکره غیره ولو صامه لواجب اخر کره تنزیها ولو جزم ان یکون عن رمضان کره تحریما ویقع عنه فی الاصح ان لم تظهر رمضانیته والا بان ظهرت فعنه لو مقیما.

اگر مطلع صاف ہو چاند نظر نہ آئے

اگر آسمان پر گرد و غبار نہ ہو تو تیسویں شعبان کا روزہ اس شک کی وجہ سے نہیں رکھا جائے گا کہ ہو سکتا ہے رات چاند ہو گیا ہو اور آج پہلی رمضان ہے (اگر چاند نظر نہیں آیا اور آسمان صاف تھا تو افطار کرے گا) اور یہ شک کا روزہ اس قول کی بنیاد پر ہوگا جس میں کہا گیا ہے کہ رمضان میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے جب اختلاف مطالع معتبر نہیں تو ہو سکتا ہے کہ کسی دوسرے شہر میں چاند دیکھا گیا ہو اور اگر اختلاف مطالع کو مان لیا جائے کہ ہر جگہ مطلع الگ الگ ہے ایک جگہ کا دوسری جگہ کے لئے کافی نہیں تو اس صورت میں وہ دن شک کا دن نہیں ہوگا چنانچہ اس دن بالکل روزہ نہیں رکھا جائے گا کذافی شرح المجمع للعینی عن الزاہدی

یوم الشک میں نفل میں روزہ

لیکن یوم الشک میں نفل روزہ رکھنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ البتہ نفل روزہ کے علاوہ دوسرا روزہ اس دن رکھنا مکروہ ہے (خواہ وہ فرض ہو یا واجب نیت متعینہ سے ہو یا متودہ سے اور ان دن مطلق نیت سے بھی روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

یوم الشک میں کوئی واجب روزہ

یوم الشک کے دن میں دوسرا واجب کا روزہ رکھنا مکروہ تنزیہی ہے اور شک کے دن حتمی طور پر رمضان سمجھ کر روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے اس وجہ سے کہ اس سے اہل کتاب کیساتھ مشابہت لازم آتی ہے کہ انہوں نے اپنے روزوں میں کچھ دن اپنی طرف سے بڑھا لئے تھے اور ایک حدیث میں اس سے روکا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان سے ایک دو دن پہلے روزے میں سبقت نہ کرو کذافی البحر۔

اگر یوم الشک میں دوسرے واجب کا روزہ رکھا تھا اور بعد میں معلوم ہوا کہ اس دن رمضان نہیں ہوا، تو اس کی نیت کے مطابق اس واجب کا روزہ ادا ہو گا جس کی اس نے نیت کی تھی اور اگر بعد میں ظاہر ہو کہ اس دن رمضان تھا اور روزہ رکھنے والا مقیم ہے تو وہ رمضان کا ہو گا مقیم کی قید اس لئے لگائی کہ یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اگر مسافر رمضان میں دوسرے واجب کی نیت کرے گا تو اسی واجب کی طرف سے روزہ ہو گا اس لئے کہ رمضان کا روزہ بوجہ سفر اس کے ذمہ واجب نہیں ہے۔

والتنفل فیه احب ای افضل اتفاقا بان وافق صوما یعتاده اوصام من آخر شعبان ثلثه فاکثر لااقل لحدیث لا تقدموا رمضان بصوم یوم اویومین واما حدیث من صام یوم الشك فقد عصی ابا القاسم فلا اصل له والایصومه الخواص ویفطر غیرهم بعد الزوال به یفتی نفیا لتهمة النهی وکل من علم کیفیة صوم الشك فهومن الخواص والافمن العوام والنیة المعتبرة هنا ان ینوی التطوع علی سبیل الجزم من لایعتاد صوم ذالك الیوم اما المعتاد فحکمه مر ولا یخطر بباله انه ان کا ن من رمضان فعنه ذکر ه اخی زاده.

معمول کیوجہ سے روزہ شک کے دن نفل روزہ رکھنا بالا تفاق افضل نہ ہے لیکن یہ اس وقت جب ان دنوں میں اسکی عادت روزہ رکھنے کی ہو، یا اس نے اخیر شعبان کے تین یا زیادہ روزے رکھے تھے اس سے کم نہیں اور اس میں یوم الشک آگیا تو یہ بھی افضل ہے (تین سے کم اس لئے نہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ رمضان سے پہلے ایک یا دو دن پہلے روزے نہ رکھو۔

باقی وہ حدیث جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جس نے شک کے دن روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے (یہاں مرفوع کی اصلیت کا انکار ہے نفس حدیث کا نہیں، اس لئے کہ موقوفا یہ حدیث آتی ہے خود بخاری نے تعلیقاً اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

اگر عادت کے دنوں میں یہ یوم الشک نہ پڑے اور نہ اخیر شعبان کا تین یا زیادہ روزہ رکھا ہے تو خواص کو چاہئے کہ اس دن روزہ رکھیں اور عوام زوال کے بعد افطار کرلیں اسی پر فتویٰ ہے تاکہ یہ نہی کی تہمت سے بری رہ سکیں۔ لیکن فتح القدیر میں ہے کہ خواص بھی اس طرح روزہ رکھیں کہ عوام کو اس کی خبر نہ ہونے پائے تاکہ جاہلوں کو یہ شبہ نہ ہو کہ رمضان میں ایک دن زیادہ ہو گیا ہے، جو شخص یوم الشک کے روزہ کی کیفیت سے واقف ہو ان کا خواص میں شمار ہے اور جو نہ جانتا ہو ان کا عوام میں۔

جو شخص اس دن روزہ کا عادی نہیں ہے اسکے لئے یوم الشک روزہ میں معتبر نیت یہ ہے کہ یقین کیساتھ نفل روزہ کی نیت کرے، اور جو اس دن روزہ کا عادی ہو اسکا حکم پہلے گذر چکا ہے کہ اس کیلئے اس دن روزہ مکروہ نہیں ہے، اس کے دل میں یہ خطرہ سرے سے نہیں ہو کہ اگر یہ دن رمضان کا ثابت ہو گیا تو میری طرف سے رمضان کا روزہ ہو گا، اسکو اخی زادہ نے ذکر کیا ہے (یعنی اس تردد کیساتھ روزہ رکھنا کہ رمضان کا دن ہو تو رمضان کا روزہ اور اگر شعبان کی تاریخ ہوئی تو نفل روزہ، بلکہ تیقن کیساتھ نفل روزہ کی نیت کرے۔

وليس بصائم لو ردد في اصل النية بان نوى ان يصوم غدا ان كان من رمضان والافلا اصوم لعدم الجزم كما انه ليس بصائم لونوى انه ان لم يجد غداء فهو صائم والا ففطر ويصير صائما مع الكراهة لوردد في وصفها بان نوى ان كا ن من رمضان فعنه والا فعن واجب آخر وكذا يكره لو قال انا صائم ان كا ن من رمضان والا فعن نفل التردد بين مكروهين او مكروه و غير مكروه فان ظهور رمضانيته فعنه والا فنفل فيهما اى الواجب والنفل غير مضمون بالقضاء لعدم التنفل قصدا اكل المتلوم ناسيا قبل النية كا كله بعدها وهو الصحيح شرح وهبانية.

نیت میں تردد اس شخص کا روزہ نہیں ہوا جس نے اصل نیت کے اندر تردد کیا یعنی اس طرح نیت کی کہ کل اگر رمضان ہو گا تو رمضان کا روزہ اور اگر رمضان نہیں ہوا تو روزہ نہیں، اس صورت میں عدم تیقن کیوجہ سے روزہ نہیں ہو گا جس طرح اس شخص کا روزہ نہیں ہوتا ہے جو اس طرح نیت کرے کہ اگر کل ناشتہ نہیں ملا تو روزہ ہے ورنہ نہیں بلکہ افطار رہے گا۔

ہاں اگر روزے کے وصف میں تردد پایا جائے یعنی اس طرح کی نیت کی کہ اگر یہ دن رمضان کا ہے تو رمضان کا روزہ ہے اور

اگر رمضان کا نہیں ہے تو کسی دوسرے واجب کا اس صورت میں کراہت تنزیہی کے ساتھ روزہ ہوگا۔ اسی طرح اس طریقہ سے بھی روزہ رکھنا مکروہ ہے کہ اس نے نیت کی کہ اگر کل رمضان ہے تو رمضان کا روزہ اور اگر رمضان نہیں ہے تو نفل کا روزہ پہلی صورت میں دو مکروہ کے درمیان تردد پایا گیا ہے اور دوسری صورت میں مکروہ اور غیر مکروہ کے درمیان تردد کا اظہار ہے۔

بہر حال بعد میں اگر معلوم ہو گیا کہ وہ دن رمضان کا تھا تو وہ رمضان کا روزہ ہوگا ورنہ واجب اور نفل دونوں صورتوں میں ایسا نفل ہوگا جس کے توڑنے سے قضاء لازم نہیں آئے گی، کیوں کہ بالقصد نفل کا روزہ نہیں رکھا تھا۔

بھول کر کھالیا پھر روزہ کی نیت کی

ایک شخص تیسویں شعبان کو جو شک کا دن تھا آدھے دن تک چاند کی خبر کا انتظار کرتا رہا کھانا پینا بند کر رکھا تھا ایسے شخص کے لئے نیت سے پہلے بھول کر کھانا ایسا ہی ہے جیسے نیت کے بعد کھانا یعنی بھول کر کھانے کے بعد بھی اگر روزہ کی نیت کرے گا تو اسکی یہ نیت جائز ہوگی اس لئے کہ بھول کر کھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، دوسرا قول یہ ہے کہ اگر اس نے بھول کر اسے کھالیا ہے تو اس کے لئے روزہ رکھنا درست نہیں ہے مگر ترجیح پہلے قول کو ہے جیسا کہ گذرا

رای مکلف هلال رمضان اوالفطر ورد قول بدليل شرعي صام مطلقا وجو با وقيل ندبا فان افطر قضى فقط فيهما لشبهة الرد واختلف المشائخ لعدم الروايتة عن المتقدمين فيما اذا افطر قبل الردلشهادوالراجح عدم وجوب الكفار وصححه غير واحد لان ماراه يحتمل ان يكون خيالا لاهلالا واما بعدقبوله فتجب الكفارة ولو فاسقا في الاصح وقيل بلادعوى وبلا لفظ اشهد وبلا حكم ومجلس قضا لانه خبرلاشهادة للصوم مع علة كغيم وغبار خبرعدل او مستور على ماصححه البزازى على خلاف ظاهرالرواية لا فاسق اتفاقا .

چاند کے سلسلہ میں جس کی گواہی نہ مانی جائے

ایک عاقل بالغ شخص نے رمضان یا عید کا چاند دیکھا مگر اس کا قول حجت شرعیہ سے رد کر دیا گیا اور نہیں مانا گیا تو بھی اس شخص پر واجب ہے کہ وہ روزہ رکھے خواہ عید کا چاند ہو خواہ رمضان کا، اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ روزہ رکھنا اس کے لئے مستحب ہے، اگر اس نے روزہ نہیں رکھا افطار کر لیا تو اس صورت میں اس پر صرف اس کی قضاء واجب ہے کفارہ واجب نہیں ہے کیونکہ شہادت کے مسترد ہونے کی وجہ سے شبہ پایا گیا اور عید کے چاند میں اس لئے کہ اس کے نزدیک وہ عید کا دن ہے جس دن روزہ رکھنا حرام ہے۔

شہادت کے رد ہونے پہلے افطار کرنا

شہادت کے رد ہونے سے پہلے اگر وہ افطار کر لے تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ کفارہ بھی واجب ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ صرف قضا لازم ہے کفارہ نہیں اور راجح یہی قول ہے اور زیادہ تر لوگوں نے اسی قول کی تصحیح کی ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ اس نے جو چاند دیکھا ہے وہ چاند نہ ہو صرف اس کا خیال ہو جو چاند کی صورت میں نظر آیا ہے اور مشائخ میں اس اختلاف کی وجہ

حقدمین سے کسی روایت کا منقول نہ ہونا ہے۔

البتہ اگر اس چاند دیکھنے والے کی گواہی قبول کرلی گئی پھر بھی اس نے افطار کرلیا ہے تو اس پر اس رزہ کی قضا بھی لازم ہے اور کفارہ بھی گو وہ دیکھنے والا فاسق ہی کیوں نہ ہو صحیح تر روایت یہی ہے۔

رمضان کے چاند میں ایک شخص کی خبر

اگر چاند رات میں آسمان پر بادل یا گرد و غبار ہو تو صرف ایک عادل یا مستور الحال شخص کی خبر قبول کی جائیگی جس میں نہ دعوی کی ضرورت ہوگی اور نہ لفظ اشہد (میں گواہی دیتا ہوں) کہنے کی نہ حکم کی اور نہ مجلس قضا کی اس لئے کہ یہ خبر ہے شہادت نہیں بزازی نے ظاہر الروایۃ کے خلاف اس قول کی تصحیح کی ہے (بعضوں نے کہا ظاہر الروایت بھی یہی ہے کیونکہ کافی نامی کتاب میں جس میں امام محمدؒ کے اقوال جمع کئے گئے ہیں اس میں کہا گیا ہے کہ مسلمان مرد اور مسلمان عورت کی گواہی چاند کے سلسلہ میں قبول کی جائے گی خواہ وہ عادل ہو یا غیر عادل ہو یعنی مستور الحال ہوں۔

روزے کے سلسلہ میں فاسق کا قول متفقہ طور پر قابل قبول نہیں (قاعدہ یہ ہے کہ جن دینی کاموں میں عادل کی گواہی میسر ہو سکتی ہے ان میں فاسق کی گواہی مقبول نہیں ہے گو قاضی کو فاسق کی گواہی لینے کا اختیار ہے یہی وجہ ہے یہاں غیر عادل سے مستور الحال مراد لیا گیا۔

وهل له ان يشهد مع علمه بفسقه قال البزازی نعم لان القاضی ربما قبله ولو كا ن العدل قنا اوانثی اومحدود مافی قذف تاب بين كيفية الروية اولا علی المذهب وتقبل شهادة واحد علی آخر كعبد وانثی ولو علی مثلهماو يجب علی الجارية المخدرة ان تخرج فی ليلتها بلا اذن مولها وتشهد كما فی ا لحافظية .

فاسق گواہی کیلئے جائے گا

اب سوال یہ ہے کہ فاسق کو جب اپنا فسق معلوم ہو تو کیا اس کے لئے جائز ہے کہ وہ گواہی پیش کرے، بزازی کا جواب یہ ہے کہ وہاں اس کے لئے ایسا کرنا درست ہے کیونکہ قاضی کبھی فاسق کی گواہی قبول کرلیتا ہے (حلوانی کا کہنا ہے کہ عادل کے لئے چاند والی رات میں ہی گواہی دینا لازم ہے گو وہ لونڈی ہو یا پردہ نشین خاتون اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ صبح میں افطار کرلیں اور یہ شہادت دینا کہ فرض عین ہے، فاسق اگر یہ سمجھے کہ حاکم اس کا قول مان لے گا تو اس پر بھی جاکر گواہی دینا واجب ہے اور مستور الحال کے سلسلہ میں دو روایتیں ہیں۔

عادل کی گواہی

چاند میں عادل کی گواہی قبول کی جائے گی اگرچہ وہ غلام ہو یا عورت ہو یا ایسا شخص جو زنا کی تہمت میں سزا پاچکا ہو مگر اس نے توبہ کرلی ہو خواہ چاند دیکھنے والا چاند دیکھنے کی کیفیت بیان کرے یا نہ بیان کرے صحیح مذہب یہی ہے کہ البتہ امام فضلی کہتے ہیں ایک عادل کی گواہی اس وقت قبول ہوگی جب وہ تفصیل بیان کرے اور بتائے کہ میں نے باہر جاکر جنگل میں دیکھا ہے یا ابر کے ٹکڑوں میں دیکھا ہے بغیر اس کے اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

شہادت علی الشہادت

رمضان کے چاند میں ایک شخص کی گواہی پر دوسرے کی گواہی مقبول ہے جیسے عورت اور غلام کی گواہی مقبول ہے اگرچہ یہ گواہی اپنے مثل پر ہو، باقی دوسرے احکام میں شہادت علی

الشہادت اس وقت تک قبول نہیں ہے جب تک ایک شخص کی گواہی پر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی نہ دیں۔ کذا فی الحلبی

چاند کی گواہی کا اہتمام شریعت میں

پردہ نشین لونڈی پر واجب ہے کہ وہ رمضان اور عید کا چاند دیکھنے والی رات میں اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکلے اور قاضی کے پاس جاکر چاند ہونے کی گواہی دے جیسا کہ حافظیہ میں ہے (اور یہی حکم آزاد عورت کے لئے بھی ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نکل کر جائے اور گواہی دے اور جو لونڈی پردہ نشین نہیں یا جس کا نکاح نہیں ہوا ہے وہ بدرجہ اولی چاند دیکھنے کی گواہی دے گی یہ چاند کے اہتمام کے سلسلہ کی باتیں ہیں۔

وشرط للفطر مع العلة المتقدمة والعدالة نصاب الشهادة ولفظ اشهد وعدم الحد فی قذف لتعلق نفع العبد لکن لا تشترط الدعوى کما لا تشترط فی عتق الامة وطلاق الحرة ولو کانو ببلدة لا حاکم فیها صاموا بقول ثقة وافطروا باخبار عدلین مع العلة للضرورة ولو راٰه الحاکم وحده خیر فی الصوم بین نصب شاهد وبین امرهم بالصوم بخلاف العید کما فی الجوهرة .

عید کے چاند میں اہتمام

آسمان میں بادل اور گرد و غبار ہو تو عادل ہونے کے ساتھ عید الفطر کے چاند میں یہ بھی شرط ہے کہ گواہی کا نصاب (دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں) پایا جائے اسی کے ساتھ لفظ اشہد بھی کہ میں گواہی دیتا ہوں اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ گواہی دینے والا ایسا ہو جس کو تہمت لگانے میں سزا نہ ہوئی ہو یہ ساری شرطیں صرف عید الفطر کے چاند میں اس لئے لگائی گئی ہیں کہ اس سے بندہ کا نفع دیناوی متعلق ہے اور یہی وجہ ہے کہ رمضان کے چاند میں شرطیں نہیں ہیں کیونکہ وہ ایک دینی امر ہے۔

چاند کے سلسلہ میں دعوی شرط نہیں ہے جیسے لونڈی کی آزادی اور آزاد عورت کے طلاق میں دعوی شرط نہیں ہے کیونکہ اس میں حق العبد ہونے کے ساتھ حق اللہ بھی پایا جاتا ہے جیسے عید کے دن روزہ کا حرام ہونا نماز عید کا واجب ہونا۔

جہاں حاکم اور قاضی نہ ہوں

اگر مسلمان ایسے شہر یا آبادی میں ہوں جس میں کوئی قاضی یا حاکم نہ ہو اور آسمان ابر آلود ہو تو وہ ایک ثقہ معتمد آدمی کی صرف اس خبر سے روزہ رکھیں کہ چاند ہو گیا ہے یعنی ان پر ایک ثقہ کے قول سے زیادہ رکھنا فرض ہے دیہات اور گاؤں والوں پر توپوں کی اس آواز یا قندیلوں کی اس روشنی پر روزہ رکھنا لازم ہے جو چاند کے نکلنے پر شہر میں مسلمان کرتے ہیں یہ بھی ایک علامت ہے اور اس سے ظن غالب حاصل ہوتا ہے کہ کیونکہ دوسرے مہینوں میں یہ اہتمام نہیں ہوا کرتا ہے۔

لیکن اگر آسمان میں گرد و غبار اور بادل ہو تو یہ لوگ اس وقت افطار کریں گے جب وہ عادل شخص چاند کی خبر دیں ضرورت کا تقاضا یہی ہے کیونکہ وہاں نہ کوئی قاضی ہے اور نہ کوئی حاکم جہاں جاکر لوگ چاند کی گواہی دیں گے اور پھر وہ اعلان کرے گا۔

اور اگر صرف حاکم نے چاند دیکھا ہے تو اس کو اختیار ہے کہ اپنا کسی کو نائب مقرر کر دے اور وہ اس کے سامنے گواہی دے یا اس کے بغیر خود لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم کرے۔ البتہ عید کے چاند میں ایک آدمی کا قول کافی نہیں ہے۔

ولا عبرة بقول الموقتين ولو عدولا على المذهب قال في الوهبانية وقول اولى التوقيت ليس بموجب وقيل نعم والبعض ان كا ن يكثر وقيل بلا علة جمع عظيم يقع العلم الشرعي وهو غلبة الظن بخبر هم وهو مفوض الى راى الامام من غيرتقدير بعد د على المذهب وعن الامام انه يكتفي بشاهدين واختاره في البحر وصحح في الاقضية الاكتفاء بواحدان جاء من خارج البلد او كان على مكان مرتفع واختاره ظهير الدين.

نجومیوں کا قول اور جنتری معتبر نہیں

نجومیوں کے سلسلہ میں صحیح یہ ہے کہ ان کے حساب کا اعتبار نہیں ہے گو وہ عادل ہوں (خود نجومیوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے حساب پر عمل کریں نہر الفائق میں ہے کہ اگر نجومی یہ کہے کہ فلاں دن چاند دیکھائی دے گا تو اس کے قول پر روزہ لازم نہیں ہے وہبانیہ میں ہے کہ او قات ضبط کرنے والوں کا قول روزہ رکھنے کا موجب نہیں ہو سکتا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ لائق اعتماد ہے جب وہ بہت زیادہ تعداد میں ہوں مگر صحیح وہی ہے کہ منجموں کے قول اور حساب کا اعتماد نہیں ہے اور فتوی بھی اسی پر ہے۔

آسمان صاف ہونے کی صورت مجمع عام کی شرط

جب آسمان صاف ہو اور گرد و غبار اور بادل نہ ہو تو اس وقت ایک بڑے مجمع کا قول قبول کیا جائے گا (دو چار آدمیوں کا نہیں) تا کہ انکی خبر سے غلبۂ ظن حاصل ہو سکے ایک شخص کا اس وقت معتبر نہیں ہے کیوں کہ جب آسمان صاف ستھرا ہو اور سب دیکھ رہے ہوں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ صرف ایک کو چاند نظر آئے اور بقیہ کو کچھ دکھائی نہ دے (مجمع عام کے لئے عدالت کی شرط نہیں ہے کہ سب کے سب عادل ہوں مجمع کی تعداد کیا ہو یہ امام کی صوابدید پر ہے وہ جتنے لوگوں کی تعداد کو مجمع عظیم قرار دیدے، کوئی عدد خاص متعین نہیں ہے صحیح مذہب یہی ہے (ظاہر الروایۃ میں یہ تعداد متعین کر کے نہیں بتائی گئی ہے ایک روایت امام ابو یوسفؒ سے یہ ہے کہ پچاس مرد ہوں اور بعض کے نزدیک محلہ کہ اکثر لوگ مراد ہیں اور بعض کے نزدیک ہر مسجد سے ایک یا دو کا دیکھنا اور خلف بن ایوب کا قول ہے کہ بلخ میں پانچ سو کی تعداد کم ہے، ان سب اقوال میں صحیح یہ ہے کہ امام کی رائے پر چھوڑ دیا جائے اگر وہ ان کے کہنے کو درست اور قابل اعتماد سمجھے روزہ کا حکم دیدے اور بحر الرائق میں فتح القدیر سے نقل کیا ہے کہ چاند کے ہونے کی متواتر خبر ہر طرف سے آئے۔

موجودہ دور میں صرف دو شخص کی گواہی

اور امام اعظمؒ سے ایک روایت یہ منقول ہے کہ دو گواہوں پر اکتفا کیا جائے اور بحر میں اسی کو اختیار کیا ہے، اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس دور میں لوگ چاند دیکھنے میں سستی و کاہلی سے کام لیتے ہیں۔ قصیہ نامی کتاب میں لکھا ہے کہ چاند کے سلسلہ میں ایک ایسے شخص کا کہنا کافی ہے جو شہر کے باہر سے آیا ہو، یا وہ کسی اونچی جگہ سے آیا ہو اور ظہیر الدین نے اسی کو اختیار کیا ہے (اور یہی قول طحاوی کا ہے اور امام محمدؒ نے کتاب الاستحسان میں اسی طرف اشارہ کیا ہے مگر مبسوط میں ہے کہ اگر آسمان صاف ہے تو امام اس شخص کی گواہی رد کر دے گا البتہ جب آسمان ابر آلود ہو اور وہ باہر اور اونچے مقام سے آیا ہو تو ہمارے نزدیک اس کی گواہی قبول ہو گی۔

قالوا و طريق اثبات رمضان والعيدان يدّعي و كالة معلقة بدخوله بقبض دين على

الحاضر فيقر بالدين ولوا كالة و ينكر الدخول فيشهد الشهود برؤية الهلال فيقضي عليه به ويثبت دخول الشهر ضمنا لعدم دخوله تحت الحكم شهدوا انه شهد عند قاضي مصر كذا شاهدان برؤية الهلال في ليلة كذا وقضى القاضي به ووجد استجماع شرائط الدعوى قضى اى جاز لهذا القاضي ان يحكم بشهادتهما لا ن قضاء القاضي حجة وقد شهد وابه لا لو شهد وابرؤية غير هم لا نه حكاية نعم لو استفاض الخبر في البلدة الا خرى لزمهم على الصحيح من المذهب مجتبى وغيره .

رمضان و عید کے ثابت ہونے کا ایک طریقہ

رمضان اور عید کے ثابت کرنے کا ایک طریقہ ہے کہ کوئی شخص کسی موجود شخص کے اوپر یہ دعویٰ کرے کہ فلاں غائب کا تیرے ذمہ قرض ہے اور اسکے وصول کرنے کا اس نے مجھے وکیل بنایا ہے کہ جب رمضان یا عید آجائے تو تم اس سے میرا قرض وصول کر لینا یہ موجود شخص قرض اور اسکے وکیل ہونے کا اقرار کر لے اور رمضان یا عید کے آنے کا انکار کر دے پھر گواہ چاند کے ہونے کی گواہی دیں تو اس گواہی کے بعد فیصلہ کر دیا جائے گا کہ تم قرض ادا کر دو۔ اس سے ضمنی طور پر رمضان یا عید کا داخل ہونا بھی ثابت ہو جائے گا کیونکہ اس کا داخل ہونا حکم کے تحت نہیں یعنی روزہ تو بغیر ثبوت صرف خبر سے بھی واجب ہو سکتا ہے اور روزہ کے وجوب سے یہ لازم نہیں آتا کہ رمضان بھی موجود ہو مگر یہاں گواہوں کی گواہی کے ضمن میں رمضان کا داخل ہونا ثابت ہو جائے گا۔

دوسرے شہر کے قاضی کے فیصلہ کی شہادت پر روزہ کا حکم

اگر دو گواہوں نے مصر کے قاضی کے سامنے اس کی گواہی دی کہ فلاں گواہوں نے فلاں رات میں چاند ہونے کی گواہی دی ہے اور اس قاضی نے ان گواہوں کی گواہی پر رمضان کا فیصلہ کر دیا ہے اور اس گواہی دیتے وقت دعویٰ کی تمام شرطیں پائی جا رہی ہیں تو اس قاضی کیلئے جائز ہے کہ ان کی گواہی پر یہ بھی چاند ہونے کا فیصلہ کر دے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک قاضی کا فیصلہ حجت شرعی ہے اور یہاں کے گواہوں نے اسکے فیصلہ کرنے کی شہادت دی ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے سوا دوسرے کے دیکھنے کی شہادت دیں گے تو قاضی حکم نہیں کرے گا اس وجہ سے کہ اس کی شہادت ایک طرح کی حکایت ہے کیونکہ نہ تو اس نے خود اپنا دیکھنا بیان کیا ہے اور نہ غیر کے دیکھنے کی شہادت دی ہے صرف دوسرے کے دیکھنے کا واقعہ بیان کیا ہے۔

خبر استفاضہ

البتہ جب دوسرے شہر میں بکثرت خبر شائع ہو جائے تو اس صورت میں بر بنائے صحیح مذہب ان کے لئے روزہ رکھنا لازم ہوگا (شمس الائمہ حلوائی نے کہا کہ جب دوسرے شہر کی خبر پھیل جائے اور متحقق ہو جائے تو اس شہر والے کے لئے بھی روزہ رکھنا لازم ہوگا، بکثرت خبر پھیلنے اور شائع ہونے کا مطلب یہ ہے اس شہر سے متعدد جماعتیں آکر چاند دیکھنے کی خبر بیان کریں اور بتائیں کہ انہوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے صرف خبر کا شائع ہونا بتائیں اور یہ نہ بتائیں کس نے دیکھا اور کس نے یہ خبر شائع کی تو اس کو استفاضہ نہیں کہیں گے جس کا ترجمہ بکثرت خبر شائع ہونا کیا گیا ہے۔

وبعدصوم ثلثين بقول عدلين حل الفطر الباء متعلقة بصوم وبعد متعلقة بحل لو جود نصاب الشهادة ولوصاموا بقول عدل حيث يجوز وغم هلال الفطر لا يحل على المذهب

خلافا لمحمد كذا ذكره المصنف لكن نقل ابن الكمال عن الذخيرة انه ان غم هلال الفطر حل اتفاقا وفي الزيلعي الاشبه ان غم حل والا لا وهلال الاضحى وبقية الاشهر التسعة كالفطر على المذهب ورؤية بالنهار لليلة الآتية مطلقا على المذهب ذكره الحدادي

روزہ شہادت سے شروع ہوا تو عید کے چاند میں کیا کیا جائے

جب وہ عادل کے کہنے سے روزہ رکھا گیا ہو تو تیس دن پورے ہونے کے بعد افطار کرنا حلال و جائز ہے اس لئے کہ نصاب شہادت پایا جارہا ہے لیکن اگر رمضان کا روزہ ایک شخص کے کہنے پر رکھا ہے اور ایسا کرنا جائز بھی ہے اور عید کے چاند کے دن آسمان ابر آلود ہو تو پھر صحیح مذہب یہ ہے کہ صرف تیس دن پورا کر کے چاند نظر آئے بغیر افطار درست نہیں ہے۔ امام محمدؒ اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں جیسا کہ مصنف نے بھی اس کو ذکر کیا ہے اور ابن کمال نے ذخیرہ نامی کتاب سے نقل کیا ہے کہ جب عید کے چاند کے دن آسمان ابر آلود ہو تو بالاتفاق افطار حلال ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ قاضی نے جب ایک کی خبر پر روزہ کا حکم دیدیا تھا تو یہ تیس روزے قاضی کے فیصلہ کے بعد ہوئے ہیں لہٰذا افطار میں مضائقہ نہیں اور زیلعی میں ہے کہ حق اور درست کے قریب یہ ہے کہ اگر اس دن ابر ہو تو افطار حلال ہوگا ورنہ نہیں یعنی ابر نہ ہو اور چاند نظر نہ آئے تو افطار جائز نہیں ہوگا۔

بقر عید اور دوسرے مہینوں کا چاند

بقر عید اور بقیہ نو مہینے کے چاند کا حکم وہی ہے جو عید کے چاند کے سلسلہ میں گذرا، مذہب صحیح یہی ہے یعنی ذی الحجہ کے چاند میں وہی حکم ہے جو شوال کے چاند میں ہے یعنی جب ابر ہوگا تو کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت کی گواہی سے ثابت ہوگا اور جب آسمان صاف ہوگا تو ایک جماعت کے دیکھنے سے اسی طرح رمضان، شوال اور ذی الحجہ کے علاوہ جو نو مہینے بچتے ہیں ان کا چاند بھی اسی طرح ثابت ہوگا جس طرح عید کا ثابت ہوتا ہے یعنی کم از کم دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے گواہی ثابت ہوگا۔

دن میں اگر چاند نظر آئے

جو چاند دن میں نظر آئے وہ ہر صورت میں آنے والی رات کا شمار ہوگا صحیح مذہب یہی ہے، اس کا چاند کا حدادی نے ذکر کیا ہے دن میں خواہ زوال کے پہلے نظر آیا ہو یا زوال کے بعد، اور صحیح مذہب کی مراد یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا یہی قول ہے بدائع میں صراحت ہے کہ وہ دن جس میں چاند دیکھا گیا ہے رمضان کا شمار ہوگا اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر دن میں چاند زوال کے بعد نظر آیا ہو تو بلاشبہ وہ آنے والی رات کا شمار ہوگا اور اگر زوال کے پہلے نظر آیا ہے تو وہ گذشتہ رات میں پچھلی شب کا سمجھا جائے گا اور وہ دن رمضان کا شمار ہوگا عید کے چاند میں بھی یہی اختلاف ہوگا یعنی خواہ زوال سے پہلے دیکھا گیا ہو یا بعد زوال دونوں صورتوں میں آنے والی رات کا چاند شمار ہوگا اور وہ دن رمضان کا ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر دن میں زوال سے پہلے چاند نظر آیا ہے تو یہ چاند گذشتہ رات کا شمار ہوگا اور یہ دن عید کا دن ہوگا کیونکہ عادتاً چاند زوال کے پہلے نظر نہیں آیا کرتا ہے سوائے اسکے کہ وہ گذشتہ رات کا ہو، طرفین امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ بات یہ ہے کہ دن کے دیکھنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، غروب آفتاب کے بعد جو چاند دیکھا جاتا ہے وہ البتہ قابل اعتماد ہے اس لئے کہ ارشاد نبویؐ ہے صوموا لرویتہ وافطروا لرویتہ اس حدیث میں چاند دیکھنے کے بعد روزہ اور افطار کا حکم فرمایا گیا اور قابل عمل طرفین کے قول کو کہا گیا ہے

واختلاف المطالع ورؤية نها را قبل الزوال او بعدة غير معتبر علی ظاهر المذهب وعليه اكثر المشائخ وعليه الفتوى عن الخلاصة فيلزم اهل المشرق برؤية اهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤيته اولئك بطريق موجب كما مر و قال الزيلعي الاشبه انه يعتبر لكن قال الكمال الا خذ بظاهر الرواية احوط فرع اذا رأو الهلال يكره ان يشيز واليه لانه من عمل الجاهلية كما في السراجية و كراهة البزازية.

مطالع کے اختلاف کا اعتبار

مطالع کا اختلاف اور دن میں چاند دیکھنا خواہ زوال سے پہلے خواہ بعد، ظاہر مذہب کی بنیاد پر معتبر نہیں ہے اسی پر اکثر مشائخ کا عمل ہے اور اسی پر فتویٰ ہے بحر عن الخلاصہ ، لہٰذا اگر اہل مغرب چاند دیکھیں گے اور روزہ رکھیں گے یا عید کریں گے تو اگر ان کی رویت بطریق موجب اہل مشرق کو ثابت ہو گئی ہو تو ان پر بھی روزہ رکھنا اور عید کرنا لازم ہو گا۔

اس میں شبہ نہیں ہے کہ اختلاف مطالع پایا جاتا ہے دو شہروں اور ملکوں میں اس قدر دوری ہوتی ہے کہ ایک میں چاند ایک تاریخ میں نظر آتا ہے اور دوسرے میں دوسری تاریخ میں اور یہی حال آفتاب کے مطالع کا بھی ہوتا ہے چنانچہ جس وقت ایک ملک میں صبح ہوتی ہے اسی وقت ذرا آگے پیچھے دوسرے ملک میں شام ہوتی ہے اور بعض میں آدھی رات ، اختلاف اس میں ہے کہ اس اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے یا نہیں ایک مذہب یہ ہے کہ ہر ملک اور قوم کیلئے اپنے مطلع کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔ غیر ملک کے مطلع پر عمل لازم نہیں ہے جیسے آج کل عرب اور ہندوستان کا مطلع الگ الگ ہے عرب میں ایک دو دن پہلے چاند نظر آتا ہے اور ہندوستان میں ایک دو دن بعد اور دونوں اپنی اپنی رویت پر عمل کرتے ہیں دوسرا مذہب یہ ہے کہ مطالع کے اختلاف کا سرے سے اعتبار نہیں کیا جائے زمین کے جس حصہ میں بھی چاند پہلے دیکھا جائے سب کو اسی پر عمل کرنا ضروری ہے چنانچہ اگر مشرق میں جمعہ کی رات چاند دیکھا گیا اور مغرب میں سنیچر کی شب میں تو اہل مغرب پر لازم ہے کہ وہ مشرق والوں کی رویت پر عمل کریں اور جمعہ کی رات کا چاند تسلیم کریں۔

بعض تو پہلا مذہب مانتے ہیں اور اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے ہیں چنانچہ امام زیلعیؒ اور فیض نے اسی پہلے مذہب پر اعتماد کیا ہے اور شافعیہ کے نزدیک بھی یہی مذہب صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا خطاب ہر قوم کو اس کے موافق ہے جیسا کہ نماز کے اوقات میں ہوتا ہے اور بعض لوگ دوسرے مذہب کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مطالع کے اختلاف کا اعتبار نہیں ہے ظاہر الروایت سے اسی دوسرے قول کی تائید ہوتی ہے اور علماء احناف عام طور پر اسی کے قائل ہیں اور مالکی اور حنبلی کا مذہب بھی دوسرے یہی ہے

طریق موجب

طریق موجب :۔ طریق موجب یعنی ایسا طریقہ جس سے اس پر عمل کرنا واجب ہو جائے یہ ہے کہ دو آدمی شہادت پر شہادت دیں یا قاضی کے فیصلہ کی گواہی دیں یا خبر مستفیض ہو اور زیلعی نے کہا ہے کہ حق سے قریب تر ہے کہ اختلاف مطالع قابل اعتبار ہے اور کمال نے کہا کہ ظاہر روایت پر عمل کرنے میں زیادہ احتیاط ہے۔

جزئیات

چاند جب نظر آئے تو اس وقت اس کی طرف اشارہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ جاہلیت کا عمل ہے جیسا کہ سراجیہ میں اور بزازیہ کے باب الکراہتہ میں مذکور ہے (یعنی اگرچہ اس کا منشاء دوسرے شخص کو دکھلانا ہو جس نے نہیں دیکھا ہے اور علت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے۔

باب مایفسد الصوم و مالا یفسده

الفساد والبطلان فی العبادات سیّان اذااکل الصائم اوشرب اوجامع حال کونه ناسیا فی الفرض والنفل قبل النیة او بعد ها علی الصحیح بحر عن القنیة الا ان یذکر فلم یتذکر ویذکره لو قویا والا لا ولیس عذرا فی حقوق العباد او دخل حلقه غبار اوذباب اودخان و لو ذاکرا استحسانا لعدم امکان التحرز عنه و مفاده انه لو ادخل حلقه الدخان افطر ایّ دخان کان ولو عودا او عنبرالو ذاکر الا مکان التحرز عنه فلیتنبه له کما بسطه الشربنلالی.

ان چیزوں کا بیان جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا

روزے کو توڑنے والی چیزوں کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم وہ جس سے صرف اس روزہ کی قضا لازم ہوتی ہے کفارہ واجب نہیں ہوتا اور دوسری قسم وہ جس سے قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوتے ہیں، اسی طرح جن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ جس کا کرنا مباح ہے اور دوسری قسم وہ جس کا کرنا مکروہ ہے۔

فساد اور بطلان کا فرق عبادات میں فساد اور بطلان دونوں برابر ہیں البتہ معاملات کے اندر ان دونوں میں فرق ہے اگر معاملہ کا کوئی اثر مرتب نہ ہو تو اس کو باطل کہتے ہیں اور اگر اثر مرتب ہو مگر اس کا شرعاً فسخ کرنا مطلوب ہو اس کو فساد (خراب ہونا) کہتے ہیں شرعاً فسخ کرنا مطلوب نہیں ہو تو اس کو صحت (صحیح ہونا) کہتے ہیں مثلاً کسی مسلمان نے مردہ جانور کو بیچا تو چونکہ اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا ہے اس لئے اس کو بیع باطل کہیں گے اور اگر کسی نے غلام کو شرط فاسد کے ساتھ بیچا اور خریدار کے حوالہ کر دیا تو خریدار اس کا مالک ہوگا لیکن اس کا فسخ کرنا بیچنے اور خریدنے والے دونوں کے ذمہ واجب ہے تو یہ بیع فاسد کہلائے گی اور اگر غلام کو بغیر کسی شرط فاسد کے بیچا ہے تو خریدار اسکا ملک ہو جائے اور اس کا فسخ کرنا واجب نہیں ہے اور اس کو بیع صحیح کہیں گے قاله الشامی۔

بھول کر کھانا پینا روزے دار نے اگر بھول سے کھالیا، یا پی لیا، یا جماع کر لیا فرض روزہ میں اس نے ایسا کیا ہے یا نفل میں نیت کرنے سے پہلے ایسا کیا یا نیت کرنے کے بعد کسی صورت میں بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا (نیت سے پہلے بھول کر کھانے پینے اور جماع کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے ۲۹ شعبان کو چاند نہیں دیکھا وہ دوسرے دن اس انتظار میں کھانے پینے سے رکا رہے کہ کہیں سے چاند ہونے کی خبر آجائے اسی اثنا میں اس نے بھول کر کچھ کھالیا اب اس کے بعد

چاند ہونے کی خبر آئی تو وہ اس کے باوجود روزہ کی نیت کر سکتا ہے بلکہ کرے گا اور روزہ رکھے گا۔

البتہ اس صورت میں اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا جب اس کو روزہ یاد دلایا گیا مگر اس نے یاد نہیں رکھا اور پھر اس کے باوجود کھا پی لیا صحیح روایت یہی ہے (مگر اس پر کفارہ نہیں ہے) بھول کر کھانے والے کو یاد دلانا:۔ بھول کر اس کھانے پینے والے کو روزہ کی یاد دہانی کرائی جائے جو قوی ہو اور بلا کمزوری روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہو اور جو ایسا نہ ہو اسکے لئے اس کی گنجائش ہے کہ یاد نہ دلائے گویا قوی کو یاد دلانا لازم ہے اور نہ یاد دلانا مکروہ ہے مگر کمزور کو یاد دلانا لازم نہیں ہے۔

بھولنا حقوق العباد میں عذر نہیں ہے (یعنی اگر کوئی کسی امانت کی چیز بھول کر کھا جائے گا تو گو آخرت میں اس سے مواخذہ نہ ہو لیکن اس بھول کر کھانے والے پر دنیا میں اس کا ضمان لازم ہوگا۔

حلق میں گرد وغبار اور مکھی کا چلا جانا

حلق میں گرد وغبار یا مکھی یا دھواں داخل ہو اور گو اس کو روزہ یاد ہو تو بھی اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے کیونکہ ان سے بچنا ممکن ہے (قیاس چاہتا ہے کہ مکھی اگر حلق سے اتر جائے تو روزہ ٹوٹ جانا چاہئے جیسے مٹی اور کنکر کے پیٹ میں جانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اگرچہ یہ بھی غذا نہیں ہے مگر فتویٰ اسی پر ہے نہیں ٹوٹتا۔ اس کا مفاد یہ ہے کہ اگر کوئی قصداً دھواں حلق میں داخل کرلے گا تو اسکا روزہ ٹوٹ جائے گا خواہ وہ کوئی سا بھی دھواں ہو اور گو وہ عود اور عنبر کا ہی دھواں ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ روزہ یاد ہو کیوں کہ اس صورت میں اس سے بچنا ممکن ہے اس دھواں کے داخل کرنے کو پھول وغیرہ کی خوشبو پر قیاس نہیں کرنا چاہئے، اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حقہ پینے یا بیڑی سگریٹ پینے سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے چنانچہ شرنبلالی نے شرح دھبانیہ میں اس کی صراحت کی ہے قالہ الشامی۔

اوادهن اواكتحل اواحتجم وان وجد طعمه فى حلقه اوقبل ولم ينزل اواحتلم او انزل بنظرولو الى فرجها مرارا او بفكروان طال مجمع اوبقى بلل فى فيه بعد المضمضة وابتلعه مع الريق كطعم ادوية و مص اهليلج بخلاف نحو سكر او دخل الماء فى اذنه و ان كان بفعله على المختار كما لوحك اذنه بعود ثم اخرجه و عليه درن ثم ادخله ولو مرارا او اتبلع مابين اسنانه وهو دون الحمصة لا نه تبع لريقه و لوقدرها افطر كما سيجئى او خرج الدم مابين اسنانه ودخل حلقه يعنى ولم يصل الى جوفه اما اذا وصل فان غلب الدم اوتساويا فسدو الا لا الا اذا وجد طعمه بزازية و استحسنه المصنف و هو ماعليه الاكثر وسيجئى.

تیل سرمہ اور پچھنا لگانا

تیل یا سرمہ لگانے یا پچھنے لگانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، اگرچہ وہ تیل اور سرمہ کا مزہ اپنے حلق میں پائیں (یا تھوک میں اس کا رنگ محسوس کریں کیونکہ مسامات کے راستہ سے جو چیز داخل ہوتی ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے جیسے غسل کرنے سے پانی کی ٹھنڈک آدمی پاتا ہے مگر اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے روزہ اس وقت ٹوٹتا ہے جب وہ غذا کے راستہ سے اندر داخل ہو، باقی جہاں روزہ دار کو تر کپڑا لپیٹنے اور پانی میں رہنے سے روکا گیا ہے وہ اس وجہ سے کہ یہ فعل مکروہ ہے بظاہر عبادت میں تنگ دلی کا مظاہرہ معلوم ہوتا ہے۔

بوسہ، انزال، احتلام وغیرہ بوسہ لیا اور انزال نہیں ہوا، یا خواب میں احتلام ہو گیا یا کسی کی طرف دیکھا گو عورت کی شرمگاہ ہی کو دیکھا اور انزال ہو گیا یا فکر کے دباؤ کی وجہ سے انزال ہو گیا تو ان تمام صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹے گا یا کلی کی تھی اور منہ میں پانی کی تری تھی اور اسکو تھوک کے ساتھ نگل گیا تو بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا جیسے دوائیوں کے کوٹنے سے جو مزہ حلق میں پائے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور جیسے ہڑ چبائے اور اس کا تھوک حلق میں جائے تو اس بھی روزہ نہیں ٹوٹتا البتہ شکر یا اس جیسی چیز کو چبانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

کان میں تیل ڈالنا یا کسی کے کان میں خود پانی داخل ہو جائے اگر چہ ایسا خود اس کے فعل سے ہوا ہو مگر مذہب مختار یہ ہے کہ اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا البتہ کوئی قصداً کان میں پانی داخل کرے تو اس سے روزہ جاتا رہے گا، اسی طرح اگر کان میں تیل ڈالنے سے بھی بالاتفاق روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

کان سے میل نکالنا جیسے کسی نے لکڑی سے کان کھجایا پھر اس کو نکال لیا اور اس پر میل تھی پھر اس کو کان میں ڈالا، اور گویا ایسا چند بار کیا، مگر اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔

دانت میں پھنسی ہوئی چیز کا نگلنا کوئی چیز دانتوں میں پھنس گئی اور وہ چنے سے چھوٹی تھی اسے روزہ دار نے زبان سے نکال کر نگل لیا تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹا کیونکہ وہ اس کے تھوک کے تابع ہے (اور بحر میں کہا ہے کہ اتنی سی چیز قلیل ہے اور اس سے بچنا ممکن ہے کیونکہ یہ بمنزلہ لعاب دہن ہے لیکن اگر وہ دانت میں پھنسی ہوئی چیز چنا کے برابر تھی یا اس سے بڑی تو اس کے نگلنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

یا دانتوں سے خون نکلا اور وہ اس کے حلق میں چلا گیا گو اس کے پیٹ تک نہیں پہونچا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن اگر وہ خون پیٹ میں پہونچ گیا اور خون غالب تھا یا تھوک اور خون دونوں برابر تھے تو اس میں روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر ایسا نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، البتہ خون کم ہونے کی صورت میں جب اس کا مزہ پائے گا تو بھی روزہ ٹوٹ جائے گا مصنف نے اس کو پسند کیا ہے اور یہ جو تفصیل مذکور ہوئی اس پر اکثر مشائخ ہیں اور عنقریب یہ بحث آئے گی۔

او طعن برمح فوصل الى جوفه وان بقي في جو فه كما لوالقي حجر في الجائفة او نفذ السهم من الجانب الاخر ولو بقي النصل في جوفه فسد او ادخل عودا اونحوه في مقعدته وطرفه خارج وان غيبه فسدو كذا الوابتلع خشبة او خيطا ولوفيه لقمة مربوطة الا ان ينفصل منهاشئي و مفاد لا ان استقرار الداخل في الجوف شرط للفساد بدائع او ادخل اصبعه اليابسة فيه اى دبره او فرجها و لو مبتلة فسدو لو ادخلت قطنة ان غابت فسدو ان بقي طرفها في فرجها الخارج لا ولو بالغ في الاستجاء حتى بلغ موضع الحقنة فسدو هذا قلما يكون ولو كان فيورث داء عظيما.

نیزہ کا پیٹ میں مارنا کسی کو نیزہ سے مارا اور وہ اس کے پیٹ تک پہونچ گیا اگر چہ وہ اس کے پیٹ تک پہونچ گیا اگر چہ وہ اس کے اندر باقی رہ گیا تو بھی اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، جیسے کوئی اس زخم میں کنکری

ڈالے جو پیٹ تک پہونچا ہوا ہے یا کوئی تیر ایک طرف سے لگ کر دوسری طرف نکل جائے تو ان صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن اگر تیر کی پھلی اندر رہ گئی ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

بعض دوسری چیزیں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا

کسی نے لکڑی یا اس جیسی چیز اپنے پائخانہ کے مقام میں داخل کرلی، اس طرح کہ اس کا دوسرا کنارہ باہر تھا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر پوری کی پوری اندر داخل ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اسی طرح جب کوئی لڑکی نگل لے گا تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا یا دھاگا نگل گیا اگر چہ اس میں ایک لقمہ بندھا ہوا تھا البتہ جب اس میں سے کچھ حصہ پیٹ میں رہ جائے تو روزہ ٹوٹ جائیگا اس کا حاصل یہ ہے کہ روزہ ٹوٹنے کے لئے شرط یہ ہے کہ اندر داخل ہونے والی چیز اندر ٹھہر جائے۔

یا کسی نے اپنی سوکھی ہوئی انگلی اپنے پچھلے حصہ میں داخل کی یا عورت نے اپنی شرمگاہ میں داخل کی تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا ہے لیکن اگر انگلی تر ہوگی تو روزہ ٹوٹ جائے گا، یا عورت نے اپنی شرمگاہ میں روئی ڈالی اور وہ اس میں غائب ہوگئی تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر اس کا دوسرا کنارہ اسکی شرمگاہ کے باہری حصہ میں باقی رہا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

استنجا میں مبالغہ

یا استنجا کرنے میں مبالغہ کیا یہاں تک کہ حقنہ کی جگہ تک پہونچ گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور ایسا بہت کم ہوتا ہے اور اگر ایسا ہو تو یہ سخت بیماری کا سبب ہوتا ہے (حقنہ کی جگہ سے وہ جگہ مراد ہے جہاں سے دوا معدہ میں گرتی ہے۔

اونزع المجامع حال کونه ناسیا فی الحال عند ذکره وکذا عند طلوع الفجر و ان امنی بعد النزع لا نه کا لا حتلام و لو مکث حتی امنی اولم یتحرك قضی فقط و ان حرك نفسه قضی و کفر کما لو نزع ثم اولج او رمی اللقمة من فیه عند ذکره اوطلوع الفجر ولو ابتلعها ان قبل اخراجها کفرو بعده لا.

بھول کی جماع

یا کوئی بھول کر جماع کر رہا تھا یاد آتے ہی نکال لیا تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا اسی طرح اس وقت بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا جب کوئی صبح صادق سے پہلے قصداً جماع کر رہا تھا پھر صبح صادق کے طلوع ہوتے ہی باہر نکال لیا اگر چہ باہر نکالنے کے بعد اس کی منی بھی نکل گئی ہو، کیونکہ یہ احتلام کے درجہ میں ہے لیکن اگر صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد ٹھہرا رہا یہاں تک منی نکل آئی اور اس نے حرکت نہیں کی تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس پر اس کی صرف قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا اور اگر اس نے اس حالت میں اپنے کو حرکت دی ہے اور منی خارج ہوئی تو قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوگا۔

اوپر کے مسئلے میں اگر جماع کرتے ہوئے خواہ بھول کر ہو یا طلوع صبح صادق کے وقت اگر اس نے اپنی شرمگاہ نکال کر پھر داخل کی ہے تو قضا کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہوگا۔

بھول کر کھانا

بھول کر کھایا اور یاد آتے ہی لقمہ پھینک دیا، یا قصداً اخیر رات میں کھا رہا تھا اور صبح صادق ہوتے ہی منہ سے لقمہ نکال کر پھینک دیا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر لقمہ نگل گیا منہ سے نہیں نکالا تو کفارہ بھی

لازم ہوگا اور اگر اگلے ہوئے لقمہ کو کھا گیا ہے تو کفارہ لازم نہیں ہے کیونکہ طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے۔

او جامع فیما دون الفرج و لم ینزل یعنی فی غیر السبیلین کسرّہ و فخذو کذا الا ستمناء بالکف و ان کرہ تحریما لحدیث ناکح الید ملعون و لو خاف الزنا یرجی ان لا وبال علیه اوادخل ذکرہ فی بهیمة او میتة من غیر انزال اومس فرج بهیمة او قبلها فانزل او اقطر فی احلیله ماء دهنا وان وصل الی المثانة علی المذهب و اما فی قبلها فمفسد اجماعا لانه کا لحقنة او اصبح جنبا و ان بقی کل الیوم اواغتاب من الغیبة او دخل انفه مخاط فاستشمه فدخل حلقه و ان نزل لرأ س انفه کما لو ترطب شفتاه بالبزاق عند الکلام و نحوہ فابتلعه اوسال ریقه الی ذقنه کالخیط ولم ینقطع فاستنشقه ولو عمدا خلافا للشافعی فی القادر علی مج النخامة فینبغی الاحتیاط او ذاق شیئا بفمه وان کرہ لم یفطر جواب الشرط و کذا لوقتل الخیط ببزاقه مراراً و ان بقی فیه عقدا البزاق الا ان یکون مصبو غا وظهر لو نه فی ریقه وابتلعه ذاکر او نظم ابن الشحنة فقال مکرر بل للخیط بالریق فاتلا بادخاله فی فیه لا یتضرر و عن بعضهم ان یبلغ الریق بعدذا یضر کصبغ لو نه فیه یظهر.

غیر طبعی طور پر منی نکالنا

اور اگر اگلے یا پچھلے حصہ کے سوا دوسری جگہ میں جماع کیا جیسے ران میں یا ناف میں اور انزال نہیں ہوا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اسی طرح ہاتھ سے بھی منی نکالنے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا ہے گو ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے حدیث میں آیا ہے ناکح الید ملعون (مشت زنی کرنے والا ملعون ہے اگر اس نے ایسا زنا کے خوف سے کیا ہے تو اس کی امید کی جاتی ہے کہ اس کی وجہ سے اس پر کوئی وبال نہ ہوگا (البتہ اگر مزہ لینے کیلئے کرے گا تو گنہگار ہوگا۔

چوپایہ اور مردہ سے وطی

اسی طرح اگر کسی نے اپنا عضو مخصوص کسی چوپایہ اور مردہ انسان میں داخل کیا اور انزال نہیں ہوا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن اگر انزال ہو جائے گا تو قضا واجب ہوگی۔

یا کسی جانور کی پیشاب گاہ کو ہاتھ لگایا اس کا منہ چوما اور اس کی وجہ سے انزال ہو گیا تو اس صورت میں بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

عضو مخصوص میں پانی اور تیل ٹپکانا

یا کسی مرد نے اپنے عضو مخصوص میں پانی یا تیل ٹپکایا اگرچہ وہ مثانہ تک پہونچ گیا تو بھی صحیح مذہب اسی پر ہے کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا (امام محمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا قول یہی ہے لیکن امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا ان کا خیال ہے کہ اس سے گذرنے کا راستہ ہے مگر صحیح یہ ہے کہ راستہ نہیں ہے اس لئے روزہ کا نہ ٹوٹنا ہی زیادہ صحیح ہے۔

البتہ پانی یا تیل عورت کے عضو مخصوص میں ڈالنے سے اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ یہ حقنہ کی طرح ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

جنابت و غیبت

حالت جنابت میں صبح ہو گئی اور وہ گو تمام دن اسی طرح جنبی رہا اس نے غیبت کی تو بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا یا اس کی ناک میں رینٹ آ گیا پھر اس نے اسے اوپر کھینچا جس کی وجہ سے وہ رینٹ اس

کے حلق میں چلا گیا اگرچہ وہ اس کے ناک کے سرے تک آ گیا ہو تو بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔
یہ ایسا ہی ہے جیسے بات چیت کے وقت کسی کے دونوں ہونٹ تھوک سے تر ہو جائیں پھر وہ اس کو نگل جائے یا اس کا لعاب دھاگے کی طرح اس کی ٹھوڑی تک بہہ آئے اور وہ نہ ٹوٹے پھر وہ سانس کے ذریعہ اس کو اوپر چڑھالے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے اگرچہ اس لعاب کے دھاگے والی دھاری کو اس نے قصداً اوپر چڑھایا ہو تو بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو کھنکار کر پھینکنے پر قدرت رکھتا تھا اس نے اگر ایسا کیا ہے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اس لئے احناف بھی کہتے ہیں اس میں احتیاط ضروری ہے تاکہ اختلافی صورت سے بچ جائے۔

چکھنا اور تھوک کا استعمال

یا کسی نے کوئی چیز منہ سے چکھی گویا چکھنا مکروہ ہے اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا اور یہی حکم ہے اس صورت کا کہ کسی نے اپنا تھوک لگا کر چند بار تاگا بانٹا گو اس میں تھوک کا اثر رہ گیا ہو یعنی روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن اگر تاگار نگین ہو اور تھوک نکالنے سے اس کا رنگ تھوک میں ظاہر ہو اور پھر اس کو نگل جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اس کو ابن شحنہ نے نظم کیا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ تاگہ کو بار بار تھوک میں بھگو کر بانٹنے والا منہ میں داخل کرنے سے نقصان نہیں اٹھاتا ہے یعنی اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا ہے اور بعض مشائخ کی روایت ہے کہ اگر اس کو نگل جائے گا تو روزہ ٹوٹ جائے گا جس رنگین تاگے میں تھوک لگانے سے رنگ ظاہر ہو اور پھر اس کو نگل جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

وان افطر خطأ كان تمضمض فسبقة الماء او شرب نائما اوتسحرا و جامع على ظن عدم الفجر او او جر مكرها او نائما و اما حديث رفع الخطأ فالمراد رفع الاثم وفى التحرير المو أخذة بالخطا جائز ة عند نا خلافا للمعتزلة.

غلطی سے حلق میں پانی کا جانا وغیرہ

اور اگر غلطی سے افطار ہو گیا جیسے کلی کر رہا تھا اور حلق میں پانی چلا گیا یا سونے کی حالت میں پانی پی لیا یا اس خیال میں سحری کھالی، یا جما کر لیا کہ صبح صادق نہیں ہوئی ہے (حالانکہ ہو چکی تھی) تو اس صورت میں صرف قضاء لازم ہے کفارہ واجب نہیں ہے یہ صورتیں وہ ہیں جن میں قصد و ارادہ کو دخل نہیں ہے۔

زبردستی منہ میں ڈالنا

یا اس کے حلق میں زبردستی کوئی چیز ڈال دی جائے (یا زبردستی کرنے کی وجہ سے کوئی چیز کھا پی لی، تو اس صورت میں بھی روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضاء لازم ہو گی، یا سونے کی حالت میں کوئی چیز حلق میں ڈالی جائے تب بھی صرف قضا لازم ہو گی (کفارہ نہیں ہے، باقی وہ حدیث جس میں کہا گیا ہے کہ خطا معاف ہے اس کی مراد یہ ہے کہ گناہ گار نہیں ہو گا باقی دنیا میں اس کا اثر ظاہر ہو گا اور روزہ جاتا رہے گا البتہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مکرہ اور مخطی کا روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔

تحریر نامی کتاب میں ہے کہ ہمارے نزدیک خطا پر مواخذہ جائز ہے معتزلہ کے نزدیک البتہ درست نہیں۔

اواکل او جامع ناسیا اواحتلم او انزل بنظر او ذر عه القئی فظن انه افطر فاکل عمدا للشبهة و لو علم عدم فطره لزمته الکفارة الا فی مسئلة المتن فلا کفارة مطلقا علی المذهب لشبهة خلاف مالك خلافا لهما کما فی المجمع وشرو حه فقید الظن انما هو لبیان الاتفاق او احتقن اواستعط فی انفه شیئا اواقطر فی اذنه رهنا او داوی جائفة اوامّة فوصل الدواء حقیقة الی جوفه و دماغه .

بھول سے وطی اور کھانا واحتلام وغیرہ

یا کسی نے بھول کر کھالیا یا بھول کر وطی کر لی یا اس کو احتلام ہو گیا یا کسی طرف دیکھا اور اس کو انزال ہو گیا یا اس کو قے آئی اور اس نے ان صورتوں میں سمجھا کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا اور یہ سمجھ کر قصداً کھالیا یا جماع کر لیا تو قضا لازم ہو گی البتہ کفارہ نہیں ہو گا اس لئے کہ شبہ کی وجہ سے اس نے ایسا کیا ہے۔

بھول کر کھانے کے بعد پھر قصداً کھانا

لیکن اگر اس معلوم کو تھا کہ روزہ فلاں صورت میں نہیں ٹوٹتا ہے اور پھر قصداً کھا لیا تو اس پر قضا کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہو گا لیکن اوپر والی صورتوں میں یعنی بھول کر کھالیا یا وطی کر لی پھر اس نے سمجھا کہ روزہ ٹوٹ گیا اور پھر قصداً کھایا یا تو صحیح مذہب پر کفارہ نہیں کیونکہ اس میں امام مالکؒ کے اختلاف کا شبہ ہے کیونکہ ان کے نزدیک بھول کر کھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے صاحبین کہتے ہیں کہ اوپر کے مسئلوں میں اگر اس کو معلوم تھا کہ روزہ نہیں ٹوٹا اور پھر قصداً کھالیا تو کفارہ بھی لازم ہو گا۔

حقنہ اور کان ناک میں تیل وغیرہ ڈالنا

یا حقنہ لگوایا یا ناک کے راستہ سے کوئی چیز چڑھائی کان میں تیل ٹپکایا اس نے اس زخم میں دوا ڈالی جو پیٹ تک جاتا تھا یا ایسے زخم میں دوا ڈالی جو دماغ تک پہونچتا تھا اور وہ دوا حقیقتاً دماغ اور پیٹ تک پہونچ گئی تو اس صورت میں قضا لازم ہے کفارہ واجب نہیں ہے۔

او ابتلع حصاة ونحو ها مما لا یا کله الا نسان او یعانه او یستقذره و نظم ابن الشحنة فقال ومستقذر مع غیر ماکول مثلنا. ففی اکله التکفیر یلغی و یهجر. او لم ینوفی رمضان کله صو ما ولا فطرا مع الامسال لشبهة خلاف زفر اواصبح غیر نا وللصوم فالکل عمدا ولوبعد النیة قبل الزوال لشبهة خلاف الشافعی و مفاده ان الصوم بمطلق النیة کذلك او دخل حلقه مطر اوثلج بنفسه لامکان التحرز عنه بضم فمه بخلاف نحو الغبار و القطر تین من دمومه اوعرقه واما فی الا کثر فان وجد الملوخة فی جمیع فمه واجتمع شئی کثیر ارتلعه افطر والا لا خلاصة.

قابل نفرت اور ناگوار چیز کا کھانا

یا ایسی چیز نگل گیا جسے انسان نہیں کھاتا ہے یا جس سے نفرت کرتا ہے یا جس کا کھانا ناگوار جانتا ہے جیسے کنکر یا اس جیسی اور کئی چیز تو اس سے صرف قضا واجب ہے کفارہ واجب نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس سے نہ جسم کو کوئی فائدہ پہونچتا اور نہ خوشگواری حاصل ہوئی۔

بلا نیت رمضان کا روزہ

یا کسی نے پورے رمضان روزہ دار کی طرح رہا (یعنی صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک نہ کھایانہ پیااور نہ جماع کیا) مگر نیت نہیں کی نہ روزہ کی اور نہ افطار کی، تو اس میں بھی صرف قضاواجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ اس میں امام زفرؒ کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں بلا نیت کے بھی روزہ دار ہوگا دوسری بات یہ ہے کہ نیت نہ ہونے کی وجہ سے جب اس کا روزہ ہی نہیں ہوا تو پھر کفارہ کیسے واجب ہوتا۔

رات میں نیت نہیں کی اور صبح میں کھالیا

یا کسی نے صبح کی اس طرح کہ روزہ کی نیت نہیں کی اور پھر قصداً کھالیا اگر چہ اس نے زوال سے پہلے نیت کرنے کے بعد ہی کھایا ہو تو اس صورت میں صرف قضاواجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا اس وجہ سے امام شافعیؒ کے خلاف مشابہت پائی گئی ان کا کہنا ہے کہ دن کی نیت سے روزہ نہیں ہوتا ہے تو مذکورہ صورت میں ان کے نزدیک روزہ نہیں ہوا جسکے توڑنے سے کفارہ لازم آتا۔ اس سے یہ بھی مستفاد ہوا کہ مطلق نیت سے اگر کوئی روزہ رکھے اور پھر قصداً کھاپی لے تو قضاواجب ہوگی اور کفارہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک مطلق نیت سے رمضان کا روزہ نہیں ہوتا ہے۔

منہ میں بارش کا پانی یا برف چلا جائے

یا کسی روزہ دار کے منہ میں از خود بارش کا پانی یا برف داخل ہو جائے تو اس صورت میں قضاواجب ہے، کیونکہ منہ بند کر کے اس سے بچ سکتا تھا البتہ گرد و غبار اور آنسو اور پسینہ کے ایک دو قطرہ سے بچنا مشکل ہے اس لئے اس میں قضا بھی لازم نہیں ہے، لیکن چونکہ خود سے داخل ہوا ہے اس لئے کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

لیکن آنسو یا پسینہ کا دو قطرہ سے زیادہ منہ میں چلا جائے اور اس کی نمکینیت اپنے پورے منہ میں پائے یا بہت سا جمع ہو جائے اور اس کو نگل جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ ورنہ نہیں کذا فی الخلاصہ۔

او وطئی امرأة میتة او صغیرة لا تشتهی نهر او بهیمة اور فخذا اوبطنا اوقبل ولوقبلة فاحشة بان يد غدغ اويمص شفتيها اولمس ولو بحائل لا يمنع الحرارة او استمنیٰ بكفه او بمباشرة فاحشة ولو بين المرأتين فانزل قيد للكل حتى لو لم ينزل لم يفطر كما مر اوافسد غيرصوم رمضان اداء لا ختصاصها بهتك رمضان او وطئت نائمة او مجنونة بان اصبحت صائمة فجنت او تسحراوافطر يظن اليوم اى الوقت الذى اكل فيه ليلاوالحال ان الفجر طالع والشمس لم تغرب لف ونشر ويكفى الشك فى الاول دون اثانى عملا بالاصل فيهما ولولم يتبين الحال لم يقض فى ظاهرالراوية والمسئلة تتفرع الى ستته وثلثين محلها المطولات قضى فى الصور كلها فقط كما لوشهدا على الغروب واخران على عدمه فافطر فظهر عدمه ولوكا ن ذلك فى طلوع الفجر قضى وكفر لا ن شهادة النفى لا تعارض شهادة الاثبات .

غیر محل میں وطی کرنا

یا کوئی روزہ دار مردہ عورت کے ساتھ وطی کرے تو اس سے قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا اس لئے کہ ایسا محل نہیں پایا گیا جس میں پوری شہوت پائی جاتی ہو، یا ایسی چھوٹی لڑکی کے ساتھ وطی کرے جو ابھی مشتہاۃ نہیں ہوئی تھی یا چوپایہ کے ساتھ وطی کرے یا کسی کی ران یا پیٹ میں وطی کرے یا کھل کر اس طرح عورت کا بوسہ لے کہ اسے گدگدائے یا اس کے ہونٹوں کو چوسے اور اس کی وجہ سے انزال ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا اور اگر عورت مرد کا بوسہ لے اور انزال کی لذت پائے اور گو رطوبت ظاہر نہ ہو پھر بھی اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا امام ابو یوسفؒ کا مذہب یہی ہے امام محمدؒ البتہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

لمس استمنا بالید

یا اس طرح آدمی کو چھوا کہ گو درمیان میں کوئی چیز حائل تھی مگر حرارت کے لئے مانع نہیں تھی اور انزال ہو گیا تو بھی روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا یا اپنی ہتھیلی سے منی نکالی یا اپنی بیوی کے ہاتھ یا مباشرت فاحشہ کے ذریعہ منی نکالی اس طرح کہ دونوں ننگے ہو گئے اور شرمگاہوں کو ملایا اور اس میں انزال ہو گیا تو بھی روزہ ٹوٹ جائے گا، اگر اوپر کی صورتوں میں انزال نہیں ہوا ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا جیسا کہ پہلے گذر چکا

غیر رمضان کا روزہ توڑنا

یا رمضان کے ادا روزہ کے علاوہ کوئی دوسرا روزہ فاسد کر دیا (توڑ دیا) تو قضا لازم ہوگی، کفارہ واجب نہیں ہوگا اس لئے کہ کفارہ صرف رمضان کے روزوں کی بے حرمتی کے لئے مخصوص ہے دوسرے روزہ کے توڑنے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا ہے۔

کچھ اور صورتیں جن میں صرف قضا ہے کفارہ نہیں

یا کسی سوئی ہوئی یا پاگل عورت کے ساتھ وطی کی گئی اس طرح کہ وہ عورت صبح میں روزہ سے تھی بعد میں پاگل ہو گئی یا رات میں روزہ کی نیت کی تھی پھر رات میں ہی وہ پاگل ہو گئی اور دن میں اس کے ساتھ وطی کی گئی یا یہ خیال کر کے کہ ابھی رات باقی ہے سحری کھائی حالانکہ صبح ہو چکی تھی یا یہ سمجھ کر کہ آفتاب ڈوب چکا ہے افطار کر لیا حالانکہ آفتاب نہیں غروب ہوا تھا ان روزوں کی قضا واجب ہے کفارہ واجب نہیں ہے اس لئے کہ شک کی وجہ سے ایسا ہوا اور اگر کسی نے رات سمجھ کر سحری کھائی اور گو صبح صادق ہو چکی تھی مگر اس پر کچھ ظاہر نہیں ہوا، یعنی صبح صادق کا ہونا قطعاً ظاہر نہیں ہوا، تو اس صورت میں قضا بھی واجب نہیں ہے یا صبح ہونے کا یقین نہیں ہوا تو بھی قضا لازم نہیں۔

یہاں ۳۶ طریقے پر مسائل نکلتے اور پیدا ہوتے ہیں جس کا ذکر بڑی بڑی کتابوں میں آئیگا (ان میں چند یہ ہیں) مثلاً کسی نے رات سمجھ کر سحری کھائی اور واقعی رات ہی تھی تو اس پر کچھ نہیں ہے نہ قضا نہ کفارہ یا رات سمجھ کر سحری کھائی اور کچھ معلوم نہ ہوا کہ رات باقی تھی یا صبح ہو چکی تھی تو بھی اس پر کچھ واجب نہیں، رات سمجھ کر سحری کھائی اور معلوم ہوا کہ صبح صادق ہو چکی تھی تو اس پر صرف قضا واجب ہے کفارہ نہیں سحری کھائی اور شک تھا کہ رات ہے یا نہیں بعد میں معلوم ہوا کہ رات تھی تو اس پر بھی کچھ نہیں یا بعد میں کچھ پتہ ہی نہیں چلا کہ معاملہ کیا تھا تو بھی کچھ واجب نہیں اور اگر معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی تو صرف قضا واجب ہوگی اسی طرح غروب آفتاب سمجھ کر افطار میں چند صورتیں نکلیں گی۔

گواہوں کی گواہی پر افطار

اسی طرح صرف قضا اس شخص پر لازم ہے کہ جس کے سامنے دو شاہدوں نے آفتاب کے غروب ہونے کی گواہی دی اور دو شاہدوں نے گواہی دی کہ آفتاب نہیں غروب ہوا ہے اس نے غروب ہونے کی گواہی دینے والے پر اعتماد کر کے افطار کر لیا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ آفتاب غروب نہیں ہوا تھا تو اس پر کفارہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ اس نے ایک طرح کے گواہوں کی گواہی پر اعتماد کر کے افطار کیا تھا۔

اگر گواہوں کا یہ اختلاف صبح صادق کے طلوع ہونے میں ہوا اور اس نے سحری کھائی رات کی گواہی دینے والے پر اعتماد کر کے تو اس صورت میں جبکہ صبح ہونا محقق ہو گیا اس پر قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔ اس لئے نفی کی گواہی اثبات کی گواہی کا معارضہ نہیں کر سکتی ہے (کیونکہ گواہ ثابت کرنے کے لئے ہوتے ہیں نفی کے لئے نہیں ہوتے لہٰذا اثابت کرنے والے کی گواہی مقبول ہو گی۔

واعلم ان كل ماانتقى فيه الكفارة محله ما اذا لم يقع منه ذٰلك مرة بعداخرى لاجل قصد المعصية فان فعله وجبت زجراله بذالك افتى ائمة الامصار وعليه الفتوى قنية و هذا احسن نهر والا خيران يمسكان بقية يو مهما وجوبا على الاصح لان الفطر قبيح وترك القبيح شر عا واجب كمسافراقام وحائض ونفساء طهرتا ومجنون افاق ومريض صح و مفطر ولو مكر ها اوخطأً وصبى بلغ و كافر اسلم وكلهم يقضون ما فاتهم الا الا خيرين و ان افطر العدم اهليتهما فى الجزء الاول من اليوم و هو السلبب فى الصوم لكن لو نويا قبل الزوال كان نفلا فيقضي بالافساد كما فى الشربنلا لية عن الخانية .

تکرار فعل کا نتیجہ

اوپر جن صورتوں میں صرف قضا واجب ہونے کا حکم دیا گیا ہے اور کفارہ کو واجب نہیں کیا گیا ہے وہ اس صورت کے ساتھ مخصوص ہے جب روزہ رکھنے والے نے معصیت کے قصد سے اس فعل کا تکرار نہ کیا ہو، لیکن اگر وہ اسے بار بار کرے گا تو بطور زجر اس پر کفارہ واجب ہو گا شہروں کے اماموں نے اسی کا حکم دیا ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔

روزہ نہ ہونے کے باوجود نہ کھانا پینا

جس نے رات سمجھ کر سحری کھائی اور بعد میں معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی یا آفتاب کو غروب سمجھ کر افطار کر لیا حالانکہ غروب نہیں ہوا تھا ان کے لئے حکم یہ ہے کہ یہ دونوں بغیر کھائے پیئے روزہ دار کی طرح رہیں اور اس طرح رہنا ان کے لئے واجب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رمضان میں افطار سے رہنا قبیح ہے اور شرعاً قبیح فعل کا چھوڑنا واجب ہے یوں رمضان کا احترام بھی ضروری ہے البتہ حیض و نفاس والی عورت اسی طرح بیمار اور مسافر مرد و عورت پر بھوکے پیاسے روزہ دار کی طرح رہنا واجب نہیں ہے۔

ہاں اس مسافر پر جو مقیم ہو گیا اور اس حیض و نفاس والی عورت پر جو دن کے کسی حصہ میں پاک ہو گئی اور اس پاگل پر جس کو رمضان کے دن کے کسی حصہ میں افاقہ ہو گیا اور اس بیمار پر جو تندرست ہو گیا امساک واجب ہے یعنی وہ رمضان کے احترام میں دن کے بقیہ حصہ میں کھانا پینا اور جماع حتمی طور پر چھوڑ دے گا گو ان کا روزہ نہیں ہے کیونکہ وہ پہلے حالت سفر میں حیض و نفاس

اور جنون میں کھا چکے ہیں چنانچہ اگر مسافر نے دو پہر سے پہلے ابھی کچھ کھایا پیا نہیں تھا کہ یتیم ہو گیا تو اس پر روزہ رکھنا لازم ہے کیونکہ وہ نصف النہار تک نیت کر سکتا ہے۔

رمضان میں جب کسی عذر شرعی کیوجہ سے روزہ نہیں رکھا کھاپی لیا تھا اور پھر اس کا عذر اسی دن کے کسی حصہ میں ختم ہو گیا تو اس کا فرض ہے کہ عذر ختم ہونے کے بعد روزہ دار کی طرح بھوکا پیاسا رہے، یا شبہ کیوجہ سے کسی کا روزہ ٹوٹ گیا اور اس کو معلوم ہو گیا کہ آج کے دن کا اس کا روزہ نہیں ہو گا تو بھی اس پر لازم ہے کہ روزہ دار کی طرح رہے، کھانا پینا چھوڑ دے۔

کچھ نہ کھانے پینے والے پر قضا

اسی طرح اگر کسی نے کسی کو دباؤ کیوجہ سے روزہ توڑ دیا ہے یا غلطی سے ایسا کیا ہے تو اس پر بھی واجب ہے کہ وہ اس دن روزہ دار کی طرح بغیر کھائے پیئے اور بغیر جماع کے گذارے، اور اس نابالغ بچہ پر جو رمضان کے دنوں میں سے کسی دن کھانے پینے کے بعد بالغ ہو گیا یا کافر مسلمان ہو گیا واجب ہے کہ دن کا بقیہ حصہ بچہ بالغ ہونے کے بعد اور کافر مسلمان ہونے کے بعد روزہ دار کی طرح بغیر کھائے پیئے گذارے۔ اور اس بالغ ہونے والے بچہ اور مسلمان ہونے والے کافر کے سوا اس دن کی قضا سبھوں پر واجب ہے ان دونوں پر قضا اس وجہ سے واجب نہیں کہ دن کے ابتدائی حصہ میں نابالغ اور کافر ہونے کی وجہ سے روزہ رکھنے کے اہل ہی نہیں تھے اور یہی ابتدائی حصہ سبب ہے باقی ان کے سوا جیسے حیض و نفاس والی عورت جو پاک ہوئی ہے یا مسافر جو مقیم ہو گیا ہے یا بیمار جو تندرست ہو گیا ہے سب پر روزہ رکھنا فرض ہوتا ہے عذر کیوجہ سے وہ فرض ساقط ہوا تھا اس لئے اب قضا واجب ہے۔

لیکن اگر بالغ ہونے والا بچہ اور مسلمان ہونے والا کافر نصف النہار سے پہلے روزہ کی نیت کر لے گا تو ان دونوں کا نفل روزہ ہوگا اور اس روزہ کو فاسد کرنے سے اس کی قضا ان پر واجب ہو گی۔

ولو نوی المسافر والمجنون و المریض قبل الزوال صح عن الفرض ولو نوی الحائض والنفساء لم یصح اصلا للمنافی اول الوقت و ھو لا یتجزی ویؤمر الصبی بالصوم اذا اطاقه ویضرب علیه ابن عشر کالصلوہ فی الاصح .

مقیم ہونے والے مسافر وغیرہ کا روزہ رکھنا

اور مسافر جو مقیم ہو گیا ہے اور پاگل جس کو صحت ہو گئی ہے اور بیمار تندرست ہو گیا اگر نصف النہار شرعی سے پہلے ایسا ہوا اور وہ روزہ کی نیت نصف النہار سے پہلے کر لیں تو ان کا فرض روزہ ادا ہو جائے گا لیکن اگر حیض و نفاس والی عورت نصف النہار سے پہلے پاک ہو اور وہ فرض روزہ کی نیت کر لے تو ان کا فرض روزہ ادا نہیں ہو گا بلکہ نفل روزہ بھی درست نہیں ہو گا کیونکہ دن کے ابتدائی حصہ میں روزہ کا منافی حیض و نفاس موجود تھا اور روزہ ایک عبادت ہے اس کا تجزیہ نہیں ہوتا ہے جب ابتدائی حصہ میں روزہ کو توڑنے والی چیز پائی گئی ہے تو پھر روزہ نہیں ہو سکتا ہے۔

نابالغ پر روزہ

نابالغ لڑکا جب روزہ رکھنے کی طاقت کا مالک ہو جائے تو اس کو روزہ رکھنے کا حکم کیا جائے گا اور جب وہ دس برس کی عمر کا ہو جائے تو روزہ نہ رکھنے پر اس کو تنبیہ بھی کی جائے گی جس طرح نماز کے سلسلہ میں حدیث ہے کہ بچہ جب سات سال کا ہو جائے تو اس کو نماز کے لئے کہا جائے اور جب دس سال کا ہو جائے تو نماز کے لئے اس کو پیٹا جائے اور یہ ذمہ داری اس بچہ کے ولی اور سرپرست کی ہے اسی طرح اس عمر میں بچے منکرات سے روکے بھی جائیں گے یہ مطلب نہیں ہے کہ پورے رمضان کا روزہ رکھوایا جائے بلکہ جتنے دن وہ آسانی سے رکھ سکے رکھنے دیا جائے۔

دو چار دن پھر اگلے سال دس پندرہ دن اس طرح اس کو تدریجی طور پر روزہ کی عادت ڈالنی ہے اگر نابالغ بچے روزہ رکھ کر توڑ دیں گے تو ان پر اس کی قضا واجب نہیں ہوگی۔

و ان جامع المکلف ادمیا مشتھی فی رمضان ادا لما مرّ اوجومع وتوارت الحشفة فی احد السبیلین انزلَ اولا اواکل اوشرب غذاء بکسرالغین وبالذال المعجمتین والمد ما یتغذی به او دواء ما یتداوی به والضابط و صول مافیه صلاح بدنه لجوفه و منه ریق حبیبه فیکفر لوجود معنی صلاح البدن فیه درایة غیر ھا و ما نقله الشربنلالی عن الحدادای رده فی النھر عمدا راجع للکل.

وہ صورتیں جن میں قضا کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہوتا ہے

اب آگے ایسے مسائل بیان ہو رہے ہیں جن میں قضاء کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہوتا ہے۔

اگر کسی عاقل بالغ نے ادائے رمضان کا روزہ کی حالت میں کسی لائق شہوت آدمی سے قصداً جماع کیا یا اسکے آگے پیچھے دونوں صورتوں میں سے کسی میں قصداً جماع کیا گیا اور جماع کرنے والے کا حشفہ (عضو تناسل کا اگلا سرا) اس میں چھپ گیا، خواہ انزال ہو یا انزال نہ ہو قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوگا۔

یہ بات واضح رہے کہ کفارہ صرف ادائے رمضان کا روزہ بلا عذر شرعی توڑنے پر لازم ہوتا ہے کیونکہ اس سے رمضان کی حرمت پر حرف آتا ہے رمضان کا قضا روزہ اگر کوئی اس طرح توڑ دے گا تو اس پر کفارہ نہیں ہے، پھر جماع کرنے والے کے لئے قید لگائی کہ وہ عاقل وبالغ ہو، نابالغ اور پاگل نہ ہو کہ اس پر کفارہ نہیں ہے جماع آدمی کیساتھ پایا جائے جنی کے ساتھ نہ ہو کہ اس کے ساتھ جماع سے کفارہ نہیں ہے اور جس سے جماع ہو وہ مشتہی (قابل شہوت) ہو یعنی وہ مردہ نہ ہو، یا عورت کے ساتھ جماع کرے اور جماع کرنے والے کا حشفہ غائب ہو جائے تو اس عورت پر قضا کفارہ دونوں لازم ہوں گے، انزال قید نہیں ہے کیونکہ حشفہ کے اندر جانے سے جماع متحقق ہو جاتا ہے اور غذا یا دوا قصداً کھایا پیا غذا کہتے جس کے بدن کی اصلاح ہوتی ہو اور غذا بنتی ہو جیسے گیہوں کی روٹی وغیرہ اور دوا وہ ہے جس سے شفا طلب کی جائے تو اس سے بھی قضا اور کفارہ واجب ہوتا ہے۔

غذا اور دوا کی پہچان کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ پیٹ میں ایسی چیز پہونچے جو اس کے بدن کے لئے اصلاح کا اور صحت کا ذریعہ ہو۔

محبوب کا لعاب دہن اگر کوئی رمضان میں روزہ کی حالت میں اپنے محبوب کا لعاب دہن نگل جائے تو اس پر قضا کیساتھ کفارہ بھی لازم ہوگا کیونکہ اس میں بدن کی اصلاح کی صلاحیت ہے کذافی الدرایہ وغیرہ۔

شرنبلالی میں ہے کہ غذا ہونے کے معنی میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ جس چیز کے کھانے کو جی چاہے اور اس سے پیٹ کی خواہش دفع ہوتی ہو اور بعضوں نے کہا ہے کہ جس سے بدن کی صحت اچھی ہو اور اسکو نفع پہونچے ان دونوں تعریفوں میں فرق اس صورت میں ظاہر ہوگا جب کوئی کسی کے منہ کا چبایا ہوا اور نگلا ہوا لقمہ کھائے تو دوسری تعریف کے اعتبار سے کفارہ لازم ہوگا لیکن پہلی تعریف کے اعتبار سے کفارہ نہیں ہوگا، اس لئے کہ عموماً اس سے طبیعت نفرت کرتی ہے، اس کے خلاف کوئی بھنگ کھائے تو پہلی تعریف کے اعتبار سے کفارہ ہوگا کہ عموماً اس کے عادی کو اس کی خواہش ہوتی ہے۔

اکل وشرب اور جماع میں شرط یہ ہے کہ ایسا عمداً کیا ہو، نہ غلطی اور بھول سے ہو اور نہ جبر ودباؤ کیوجہ سے۔

او احتجم ای فعل ما لا یظن الفطر به کفصد و کحل ولمس و جماع بهیمة بلا انزال او ادخال اصبع فی دبر و نحو ذلك فظن فطره به فاکل عمدا قضی فی الصور کلها و کفر لا نه ظن فی غیر محله حتی لو افتاه مفت یعتمد علی قوله او سمع حدیثا ولم یعل تاویله لم یکفر للشبهة و ان اخطأ المفتی ولم یثبت الاثر الا فی الا دهان و کذا الغیبة عند العامة زیلعی لکن جعلها فی الملتقی کالحجامة ر حجه فی البحر للشبهة .

واجب ہونے کے خیال سے قصداً کھایا یا پچھنے لگوایا یعنی ایسا کام کیا جس سے عموماً افطار کا گمان نہیں ہوتا جیسے فصد لگوانا، سرمہ لگانا، عورت کو چھونا اور ہاتھ لگانا، بلا انزال چوپایہ سے وطی کرنا، پچھلے حصہ میں خشک نلکی داخل کرنا، پھر اس کے بعد اسکو روزہ کے افطار کا گمان ہو گیا چنانچہ جان بوجھ کر کھا پی لیا تو ان تمام صورتوں میں قضا بھی کرے گا اور کفارہ بھی لازم ہوگا، پچھنے لگوانے میں افطار کا گمان بے محل ہے چنانچہ اگر کسی مفتی نے جس پر اعتماد ہو فتویٰ دیدیا گو اس سے غلطی ہوئی ہے کیونکہ کوئی اثر ثابت نہیں ہے یا اس سے پچھنے لگانے سے روزہ ٹوٹنے کی حدیث سنی اور اسے اس کی تاویل کا علم نہیں ہوا، تو اس پر اس کی وجہ سے کفارہ نہیں ہوگا کیونکہ اس کو شبہ ہو گیا تھا (ماحصل یہ ہے کہ اگر ظن اپنے موقع پر ہو تو کفارہ لازم نہیں ہوتا ہے اور بے موقع ہو تو لازم ہوتا ہے مفتی میں قابل اعتماد کی شرط اس لئے لگائی کہ شبہ اسی کے فتویٰ سے ہو سکتا ہے اور جس پر اعتماد نہ ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

پچھنا لگانے والی حدیث پچھنے لگانے والی حدیث یہ ہے جس کا اوپر تذکرہ آیا کہ پچھنے لگانے والا اور جس نے پچھنے لگوائے دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک اگر کوئی پچھنے لگوانے کے بعد عمداً کھالے گا اس پر کفارہ لازم نہیں اس لئے کہ قول رسول مفتی کے قول سے زیادہ قوی ہے لہٰذا اس صورت میں شبہ کی جہت سے کفارہ بدرجہ اولیٰ ساقط ہوگا امام ابو یوسفؒ اس کے برعکس فرماتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ عوام کو فقہاء کے قول پر اعتماد کرنا چاہئے وہ حدیث کو کیا جانیں، لہٰذا حدیث کا سننا کفارہ کے ساقط ہونے کے لئے کافی نہیں ہے مگر مفتی کا قول کافی ہے۔

اور اس حدیث کی تاویل یہ ہے کہ یہ منسوخ ہے اور جن کی شان میں یہ حدیث آئی ہے ان کا حال یہ تھا کہ وہ غیبت کیا کرتے تھے منشا یہ تھا کہ روزے کا ثواب نہیں ملے گا جو اس تاویل کو جانتا ہو اور پھر پچھنے لگوانے کے بعد عمداً کھالے گا اس پر کفارہ لازم ہو گا کیونکہ اس جاننے کے بعد شبہ کا کوئی اندیشہ باقی نہیں رہتا۔

لیکن اگر کسی نے لگایا اور سمجھ لیا کہ روزہ جاتا رہا پھر قصداً کھالیا تو اس پر کفارہ دے گا اس لئے کوئی دلیل شرعی ایسی نہیں ہے جس سے اس کو شبہ کی گنجائش تھی یہی حال غیبت کرنے والے کا ہے کہ اگر غیبت کی اور پھر قصداً روزہ توڑ دیا تو اس صورت میں کفارہ لازم ہوگا اکثر علماء اسی کے قائل ہیں، کذا فی الزیلعی کیونکہ غیبت سے روزہ ٹوٹنا عقل کے خلاف بات ہے باقی جہاں حدیث میں یہ آیا ہے کہ غیبت کرنے سے روزہ جاتا رہتا ہے۔ اس کا منشا یہ ہے کہ ثواب سے محروم رہتا ہے لیکن ملتقی نامی کتاب میں غیبت کے بعد قصداً کھانے کو حجامت (پچھنے لگانے) کے مانند کہا یعنی کفارہ نہیں ہوگا اور بحر الرائق میں اسی کو ترجیح دیا ہے اور یہاں بھی شبہ فائدہ اٹھایا گیا ہے کیونکہ حدیث یہاں بھی ایسی تھی۔

ککفارة المظاهر الثابتة بالكتاب واما هذه فبا لسنة ومن ثم شبهو ها بها ثم انما يكفر ان نوى ليلا ولم يكن مكرها ولم يطرأ مسقط كمرض وحيض واختلف فيما لو مرض بجرح نفسه او سوفربه مكرها والمعتمد نزومها و فى المعتاده حمى وحيضا والمتيقن قتال عدولو افطر ولم يحصل العذر والمتعمد سقوطها .

روزے کا کفارہ

روزے کا کفارہ ظہار کے کفار کی طرح ہے جس کا کفارہ کتاب اللہ سے ثابت ہے اور روزہ کا کفارہ سنت رسول اللہ سے ثابت ہے (ماحصل یہ ہے کہ کفارہ تو وہی ہے باقی دونوں کے ثبوت میں فرق ہے ایک کا ثبوت کتاب اللہ سے اور دومیرے سنت رسول اللہ سے اور وہ کفارہ یہ ہے کہ اولاً اگر غلام ہے تو اس کو آزاد کرے، اگر غلام نہ ہو تو دو مہینے کے لگاتار روزے رکھے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت بھر پیٹ کھانا کھلائے یا ہر ایک کو نصف صاع (پونے دو سیر) گیہوں دے، اگر لگاتار روزے رکھنے میں کسی وجہ سے بھی افطار کر لیا تو پھر از سر نو مسلسل ساٹھ روزے رکھنے ہوں گے۔

روزے کے کفارہ کو کفارہ ظہار کے ساتھ اس وجہ سے تشبیہ دی ہے کہ ظہار کا کفارہ کتاب اللہ سے ثابت ہے اور اس کا سنت سے، گویا ظہار کا کفارہ روزے کے کفارہ سے اولی اور زیادہ مضبوط ہے۔ اس لئے ادنی کو اعلیٰ سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس فرق کا ثبوت یہ ہے کہ ظہار کے کفارہ کا انکار کرنے والا کافر ہو جائے گا اس لئے کہ اس نے نص قطعی آیات قرآن کا انکار کیا اور روزہ کے کفارہ کا منکر کافر نہیں ہوگا کیونکہ وہ حدیث سے ثابت ہے۔

روزے کا کفارہ کب

پھر روزہ کا کفارہ اسوقت ہے کہ اس نے روزۂ رمضان کی نیت رات میں کی ہو، کیونکہ دن میں نیت کے اندر امام شافعیؒ کا اختلاف ہے پس اس شبہہ کیوجہ سے کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ روزہ کے توڑنے میں کسی کا جبر اور دباؤ نہ رہا ہو، اور تیسری شرط یہ ہے کہ عمداً روزہ کھولنے کے بعد کوئی سماوی ایسا حادثہ پیش نہ آیا ہو، جس کی وجہ سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے۔ جیسے ایسی بیماری جس میں روزہ توڑنا جائز ہو جائے، یا جیسے

عورت کو حیض کا آجانا کیونکہ عذروں کے پیش آجانے کی صورت میں کفارہ لازم نہیں رہے گا۔

لیکن اگر کوئی قصداً رمضان میں روزہ توڑنے کے بعد اپنے کو زخم لگا کر بیمار ہو جائے یا کوئی اس کو زبردستی سفر میں لیجائے تو اس صورت میں کفارہ لازم رہے گا یا نہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے اور قول معتمد یہ ہے کہ کفارہ لازم ہو گا (یہاں سفر میں دباؤ سے لیجانے کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اگر کوئی روزہ توڑنے کے بعد خود سفر کرے گا تو اس سے کفارہ ساقط نہیں ہو گا۔ لیکن اگر سفر میں جانے کے بعد افطار کرے گا تو کفارہ نہیں آئے گا۔

گو اس کے لئے فجر کے بعد سفر کرنے کی صورت میں افطار کرنا حرام ہے۔

عذر کے ظن غالب کیوجہ سے افطار کرلے اور عذر نہ پایا جائے

اس صورت میں بھی کفارہ کے ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے جبکہ اس کو بخار کی عادت تھی یا حیض کی یا اس کو دشمن سے مقابلہ کا یقین تھا اور ان وجوہ میں سے کسی وجہ سے اس نے افطار کرلیا مگر عذر نہیں پایا گیا اس صورت میں اعتماد کی بات یہ ہے کہ اس سے کفارہ ساقط ہو گا (قاضی خاں، شرنبلالی اور بزازیہ میں اسی قول کی تصحیح کی ہے لیکن بحر الرائق میں اس کے مخالف قول ہے اس میں لکھا ہے کہ کسی عورت نے اس خیال سے افطار کیا کہ آج اس کے حیض کا دن ہے اور اس دن حیض نہیں آیا تو ظاہر یہ ہے کہ کفارہ واجب ہو گا جس طرح کسی نے اس خیال میں افطار کرلیا کہ آج بیماری کا دن ہے اور اس دن وہ بیمار نہیں ہوا تو کفارہ ہو گا۔ البتہ دشمن سے قتال کا خوف ہو اور افطار کرلے تو اس پر کفارہ نہیں دونوں میں فرق یہ ہے کہ دشمن سے مقابلہ کا یقین ہونے کی صورت میں پہلے سے افطار کی ضرورت ہوتی ہے اس کی خلاف بیماری اور حیض میں پہلے سے افطار کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ولو تکرر فطره ولم یکفر للاول تکیفه واحدة ولو فی رمضانین عند محمد وعلیه الاعتماد بزازیة و مجتبی وغیر هما واختار بعضهم للفتوی ن الفطر بغیر الجماع تداخل والا لاولو اکل عمدا شهوة بلا عذر یقتل و تمامه فی شرح الوهانیة.

دو روزوں کا ایک کفارہ

اگر کسی نے دوسری مرتبہ روزہ توڑا اور حال یہ ہے کہ اس نے پہلے بھی توڑا تھا اور اس کا ابھی کفارہ ادا نہیں کیا تھا تو ایسے شخص کے لئے دونوں مرتبہ کی طرف سے صرف ایک کفارہ کافی ہو گا گو یا دو رمضانوں میں روزہ توڑنے کا واقعہ پیش آیا ہو، امام محمدؒ کے نزدیک قابل اعتماد قول یہی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اگر یہ دو دفعہ توڑنا ایک رمضان میں پایا جائے تو ایک کفارہ کافی ہے لیکن اگر یہ دو واقع دو رمضانوں میں پیش آئے ہیں اور گو پہلے کا کفارہ ابھی ادا نہیں کیا ہے پھر بھی دو کفارہ واجب ہونگے اس کو ظاہر الروایۃ کہا گیا ہے۔

اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اگر افطار کھانے پینے سے ہوا تھا تو دونوں کا کفارہ ایک ہی ہو گا لیکن اگر یہ مکرر افطار جماع سے ہے تو دونوں کا جدا جدا کفارہ ہو گا۔

رمضان میں علی الاعلان کھانا پینا

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی بالغ عاقل مسلمان رمضان میں بلا عذر شرعی قصداً علی الاعلان کھائے پیئے تو اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کی پوری تفصیل

شرح وہبانیہ میں ہے چنانچہ اس میں کہا ہے کہ اگر انسان علی الاعلان بلا عذر شرعی قصداً کھائے تو کہا گیا ہے کہ اس کو قتل کا حکم کیا جائے گا (شرنبلالی نے اس کی صورت یہ بیان کی ہے کہ کسی نے بلا عذر رمضان میں سب کے سامنے کھایا تو اس کو اس وجہ سے قتل کیا جائے گا کہ اس نے دین کے ساتھ تمسخر کیا اور اس نے عملاً اس کی فرضیت کا انکار کیا، چنانچہ قتل جائز ہونے اور اس کے حکم دینے میں کسی کا اختلاف نہیں

ولو ذرعه القئی و خرج ولم یعد لایفطر مطلق ملأ او لا فان عاد بلا صنعه و لو هو ملأ الفم مع تذکره للصوم لا یفسد خلافاللثانی وان عاده اوقدر حمصة منه فاکثر حدادی افطر اجماعا و لا کفارة ان ملأالفم والا لا هوالمختار وان استقاء ای طلب القئی عامدا ای متذکرالصومه ان کان ملء الفم فسد بالاجماع مطلقا وان قل لا عند الثانی وهو الصحیح لکن ظاهر الروایة کقول محمد انه یفسد کما فی الفتح عن الکافی فان عاد بنفسه لم یفطر وان اعاده ففیه روایتان اصحهما لا یفسد محیط وهذا کله فی قئی طعام اوماء اومرة اودم فان کان بلغما فغیر مفسد مطلقا خلافا للثانی واستحسنه الکمال وغیره.

روزہ میں قے

قے خود بخود آگئی اور وہ نکل گئی حلق میں واپس نہیں گئی خواہ وہ قے منہ بھر کر آئی ہو یا کم تو اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا دوسری صورت یہ ہے کہ قے آئی اور از خود لوٹ گئی گو وہ منہ بھر کر ہی کیوں نہ ہو، اور گو روزہ بھی یاد ہو تو بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر اس آنے والی قے کو کسی نے قصداً لوٹا لیا یا اس میں سے صرف ایک چنے کے برابر یا کچھ زیادہ کو لوٹا لیا تو بھی بالاتفاق روزہ جاتا رہے گا اور اس صورت میں کفارہ نہیں ہے مگر شرط یہ ہے کہ قے منہ بھر کر آئی ہو اور اگر منہ بھر کر نہیں آئی ہے تو کفارہ نہیں اور یہی قول مختار ہے (اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ منہ بھر قے ہونے کا اعتبار کرتے ہیں اور امام محمدؒ قے کرنے والے کے فعل کا اعتبار کرتے ہیں پھر قے بھر منہ ہے تو اس کو خارج کا حکم دیا جائے گا اور اس سے کم ہے تو اس کو خارج کا حکم نہیں دیا جائیگا کیونکہ ایسی قے کا ضبط کرنا ممکن ہے، اس اختلاف سے مسئلہ کی چار صورتیں بنتی ہیں (۱) قے منہ بھر سے کم ہو اور وہ خود لوٹ جائے اس سے متفقہ طور پر روزہ نہیں ٹوٹے گا، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تو اس وجہ سے کہ منہ بھر کر نہیں ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس کے لوٹنے میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں (۲) قے منہ بھر کر آئی اور قصداً اسے لوٹا لیا خواہ کل کو خواہ چنے کی مقدار یا اس سے زیادہ کو اس صورت میں بالاتفاق روزہ جاتا رہے گا۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قے کے منہ بھر ہونے کی وجہ سے امام محمدؒ کے نزدیک اس کے فعل اعادہ کیوجہ سے (۳) قے بھر منہ سے کم آئے اور اس کو وہ لوٹا لے اس صورت میں امام محمدؒ کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائے گا کہ اس میں اس کا دخل پایا گیا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ قے بھر منہ نہیں ہے (۴) قے بھر کر منہ آئے اور خود بخود لوٹ جائے، اس صورت میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک روزہ جاتا رہے گا کہ قے بھر منہ آئی تھی اور امام محمدؒ کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ قے کرنے والے کے فعل کو لوٹنے میں دخل نہیں۔ اور صحیح یہی ہے کہ کذافی الشامی۔

قصداً قے کرنا

اور اگر قے قصداً کی اس طرح کہ اس کو روزہ بھی یاد تھا، تو قے کے بھر منہ ہونے کی صورت میں سب کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائے گا خواہ قصداً قے کو لوٹائے یا قے خود بخود لوٹ جائے یا قے بالکل نہ لوٹے، اور اگر قے بھر منہ سے کم ہوئی اور نہیں لوٹی اور نہ لوٹائی گئی تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹے گا اور یہی صحیح ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک روزہ جاتا رہے گا یہ ظاہر الروایۃ ہے جیسا کہ فتح القدیر میں کافی سے نقل کیا گیا ہے۔

بلغم کی قے

لیکن اگر خود بخود وہ آئی ہوئی قے لوٹی ہے تو روزہ باقی رہے گا اور اگر قصداً لوٹایا ہے تو اس میں امام ابو یوسفؒ سے دو روایتیں آئی ہیں وراں میں صحیح تر یہ ہے کہ روزہ نہیں ٹوٹے گا کذا فی المحیط۔ یہ ساری تفصیل اس وقت ہے جب قے میں کھانا نکلے، یا پانی یا پت (صفراء) یا خون بستہ اور اگر قے میں بلغم نکلے تو اس صورت میں مطلقاً روزہ فاسد نہیں ہو گا خواہ قصداً قے کرے یا قے خود بخود آئے بھر منہ ہو یا اس سے کم لوٹایا لوٹا یا جائے یا نہ پایا جائے البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک روزہ فاسد ہو جائے گا کمال وغیرہ نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو مستحسن قرار دیا ہے۔

ولو اكل لحما بين اسنانه ان مثل حمصة فاكثر قضي فقط وفي اقل منها لا يفطر الا اذا اخرجه من فمه فاكله و لا كفارة لا ن النفس تعافه واكل مثل سمسمة من خارج يفطر ويكفر في الاصح الا اذا مضغ بحيث تلاشت في فمه الا ان يجد الطعم في حلقه كما مر واستحسنه الكمال قائلا وهو الاصل في كل قليل مضغه وكره له ذوق شئي وكذا مضغه بلا عذر قيد فيهما قاله العيني ككون زوجها اوسيد ها سئي الخلق فذاقت و في كراهة الذوق عند الشراء قولان و وفق في النهر بانه ان وجد بدا ولم يخف غبنا كره والا لا وهذا في الفرض الا النفل كذا قالوا وفيه كلام لحرمة الفطر فيه بلا عذر على المذهب فتبقى الكراهة.

دانت میں الجھے ہوئے گوشت کا کھانا

دانتوں میں جو گوشت کھاتے ہوئے الجھ کر رہ گیا تھا اگر کسی روزہ دار نے اس کو نکال کر کھالیا ہے تو دیکھا جائیگا کہ اس کی مقدار کیا ہے اگر چنا کے برابر یا اس سے زیادہ مقدار میں تھا تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس پر صرف اس کی قضا واجب ہو گی کفارہ واجب نہیں ہو گا اور اگر وہ چنے کے دانے سے کم تھا تو روزہ باقی رہیگا۔ لیکن اگر اس کم مقدار والے حصہ کو دانت سے چھڑا کر منہ سے باہر نکال لیا تھا اور پھر نگل گیا تو روزہ جاتا رہے گا۔ مگر اس صورت میں اس پر کفارہ لازم نہیں ہو گا کیونکہ دانت کی چیز کو منہ سے باہر نکال کر کھانا مکروہ اور نا گوار ہوتا ہے اور ایسی نا گوار چیز کو کھانے پر کفارہ نہیں۔

منہ سے باہر کی چیز کھانا

باہر سے ایک تل کے برابر بھی کسی چیز کا کھانا روزہ کو توڑ ڈالتا ہے اور اس صورت میں کفارہ بھی لازم ہوتا ہے صحیح تر روایت یہی ہے۔ لیکن اگر اس نے اس کو اس طرح چبایا تھا کہ اسکے اجزاء منہ کے حصوں میں چمٹ کر رہ گئے تھے اور اندر کچھ نہیں جا سکا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا مگر جب وہ چبانے میں حلق

کے اندر اس چیز کا مزہ محسوس کرے گا تو روزہ ٹوٹ جائے گا جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے، کمال نے اسی صورت کو مستحسن قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ہر قلیل چیز کے چبانے میں بنیادی چیز یہی ہے کہ اگر مزہ حلق میں پایا گیا ہے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں۔

حالت روزہ میں کسی چیز کا چھکنا

بلا عذر شرعی کسی چیز کا چھکنا اور ایسا ہی اس کا چبانا مکروہ تنزیہی ہے عذر جیسے بیوی جس کا شوہر بد خلق ہو یا غلام و ملازم جس کا آقا بد مزاج ہو تو اس صورت میں اس کو چکھنے کی اجازت ہوگی، اسی طرح کمزور بچے کو چبا کر کھلانا ہو اور کوئی غیر روزہ دار موجود نہ ہو تو اس مجبوری میں چبانے کی اجازت ہوگی۔

خریدنے والی چیز کا چھکنا

کسی چیز کے خریداری کے وقت روزہ دار کا اس کو چھکنا جائز ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں نہر الفائق میں دونوں قولوں میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ اگر بغیر چکھے لینے میں غبن کا خوف نہ ہو تو چھکنا مکروہ ہے اور اگر بغیر چکھے لینا غبن سے خالی نہ ہو تو چھکنا مکروہ نہیں۔

نفل روزہ میں چکھنا

فرض روزہ میں کسی چیز کا روزہ دار کے لئے چھکنا مکروہ ہے مگر نفل روزہ میں ایسا کرنا مکروہ نہیں ہے علماء کا بیان یہی ہے لیکن اس میں گفتگو ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نفل روزہ بھی بلا عذر توڑنا کراہت سے خالی نہیں لہٰذا کراہت رہے گی۔

وَ کرہ مضغ علك ابیض ممضوغ ملتئم والا فیفطر ویکرہ للمفطرین الافی الخلوۃ بعذر وقیل یباح ویستحب للنساء سواکھن فتح وَ کرہ قبلۃ و مس و معانقۃ و مباشرۃ فاحشۃ انْ لم یأمن المفسد و ان امن لاباس لا یکرہ دھن شارب و لا کحل اذا لم یقصدا الزینۃ اوتطویل اللحیۃ اذا کانت بقدر المسنون و ھو القبضۃ وصرح فی النھایۃ بوجوب قطع مازاد علی القبضۃ بالضم و مقتضاہ الا ثم بترکہ الا ان یحمل الوجوب علی الثبوت و اما الا خذ منھا وھی دون ذلک کما یفعلہ بعض المغاربۃ و مخنثۃ الر جال فلم یبحہ احدو اخذ کلھا فعل یھود الھند و مجوس الا عاجم فتح .

گوند کا چبانا

سفید جمے ہوئے گوند کا چبانا مکروہ ہے اگر جما ہوا نہیں ہے تو اس کے چبانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ جما ہوا گوند چبانے سے عموماً حلق کے نیچے نہیں جاتا ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو اندر چلا جاتا ہے یوں اندر جانے سے جیسا بھی گوند ہو روزہ جاتا رہے گا، غیر روزہ داروں کے لئے بھی گوند کا چبانا مکروہ ہے کیونکہ اس میں عورتوں سے مشابہت ہوتی ہے وہی ایسا کرنے کی عادی ہوتی ہیں البتہ کوئی بیماری یا تکلیف ہو اور اس کی وجہ سے مرد تنہائی میں چبالے تو کراہت نہیں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ گوند کا چبانا غیر روزہ دار مردوں کو مباح ہے اس میں کراہت نہیں ہے، البتہ عورتوں کے لئے اس کا استعمال مستحب ہے کیونکہ یہ عورتوں کیلئے مسواک کے قائم مقام ہے (ہمارے اس زمانہ میں ایسی کوئی چیز نہیں ملتی ہے ظفیر)

مکروہ افعال روزہ دار کیلئے عورت کا بوسہ لینا چھونا معانقہ کرنا، اور بغیر حائل جسم کا جسم سے ملانا مکروہ ہے جبکہ جماع یا انزال کی طرف سے اطمینان نہ ہو، ہاں اگر انزال اور جماع کا خوف نہیں ہے تو مضائقہ نہیں ہے مگر پھر بھی اس عمل سے بچنا زیادہ بہتر ہے لیکن روزہ دار کا دوسرے کے ہونٹوں کو اپنے منہ میں لیکر دبانا مطلقاً مکروہ ہے خواہ خوف ہو خواہ خوف نہ ہو۔

تیل اور سرمہ لگانا مونچھ میں تیل لگانا اسی طرح آنکھوں میں سرمہ لگانا مکروہ نہیں ہے بشر طیکہ اس سے نہ زینت مقصد ہو اور نہ ڈاڑھی کا لمبا کرنا جبکہ اس کی ڈاڑھی بقدر مسنون یعنی ایک مٹھی لمبی ہے۔

ڈاڑھی کا حکم نہایہ میں لکھا ہے کہ ڈاڑھی کا جو حصہ ایک مشت سے زیادہ ہو اسکا کاٹنا واجب ہے اگر کوئی اس سے زیادہ والے حصہ کو نہیں کاٹے گا تو وہ گنہ گار ہوگا لیکن اگر وجوب کو ثبوت کے معنی میں لیا جائے۔ تو زیادہ حصہ کے نہ کٹانے سے گنہگار نہیں ہوگا۔

جس کی ڈاڑھی ایک مشت یا اس سے کم ہو اس ڈاڑھی سے کچھ حصہ کاٹنا جیسا کہ بعض مغربی اور مخنث کرتے ہیں جائز نہیں ہے اور نہ اس کے مباح ہونے کا کوئی قائل ہے ڈاڑھی مونڈوانا ہندوستان کے کفار اور عجم کے مجوسیوں کا فعل ہے (مسلمانوں کا شیوہ نہیں)

وحديث التوسعة على العيال يوم عاشوراء صحيح و احاديث الاكتحال فيه ضعيفة لا موضوعة كما زعم ابن عبد العزيز و لا سواك ولو عشيا اورطبابا لماء على المذهب و كرهه الشافعي بعد الزوال و كذا لا تكره حجامة وتلفف بثوب مبتل و مضمضة واستنشاق او اغتسال للتبرد عند الثاني و به يفتي شرنبلالية عن البرهان.

عاشوراء محرم میں توسع عاشورا محرم میں بچوں پر کھلانے پلانے میں وسعت کی جو حدیث آئی ہے وہ صحیح ہے البتہ اس دن سرمہ لگانے کی حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں جیسا کہ عبدالعزیز کا خیال ہے

حدیث توسع یہ ہے کہ جو شخص دسویں محرم کو اپنے بال بچوں کے لئے بہت سا کھانا پکوائے اور کھلائے اللہ تعالی پورے سال اسکے کھانے میں فراخی عطا کریگا (حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ چالیس سال میں نے اس کا تجربہ کیا ہے کبھی خلاف نہیں پایا واللہ اعلم۔

مسواک کرنا روزہ کی حالت میں مسواک کرنا مکروہ نہیں ہے اگر چہ زوال کے بعد ہو، یا اس کو پانی میں بھگو کر کرے صحیح مذہب یہی ہے البتہ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ زوال کے بعد مسواک کرنا مکروہ ہے اسی طرح روزے کی حالت میں پچھنا لگوانا اور تر کپڑا لپیٹنا امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی مکروہ نہیں ہے اور نہ کلی کرنے میں کراہت ہے اونہ ناک میں پانی ڈالنے میں اور نہ ٹھنڈک حاصل کرنے کی نیت سے غسل کرنے میں فتویٰ اسی قول پر ہے۔

حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کی حالت میں پیاس اور گرمی کیوجہ سے سر مبارک پر پانی ڈالا ہے اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ کپڑا بھگو کر روزہ کی حالت میں لپیٹ لیا کرتے تھے۔

و يستحب السحور وتاخيره و تعجيل الفطر لحديث ثلث من اخلاق المرسلين تعجيل الافطار وتاخير السحور والسواك فروع لا يجوز ان يعمل عملا يصل به الى الضعف فيخبر نصف النهار ويستريح الباقي فان قال لا يكفيني كذب باقصرا يام الشتاء فان اجهد الحر نفسه بالعمل حتى مرض فافطر ففي كفارته قولان قنية وفي البزازية لو صام عجز عن القيام صام وصلى فاعداجمعا بين العبادتين.

سحری کھانا

روزہ رکھنے والے کے لئے سحری کھانا اور سحری کھانے میں تاخیر کرنا مستحب ہے مگر روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنا چاہئے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ تین چیزیں رسولوں کی عادات سے ہیں (۱) افطار میں جلدی کرنا (۲) سحری کھانے میں تاخیر کرنا (۳) اور مسواک کرنا سحری میں اگر کوئی صرف پانی پی لے، تو اس سے بھی سحری کھانے کی سنت ادا ہو جائے گی۔ البتہ سحری میں اس قدر تاخیر مکروہ ہے کہ رات کے باقی ہونے میں شک پیدا ہو جائے کیونکہ ایسی حالت میں سحری کھانا مکروہ ہے اسی طرح افطار میں جلدی کرنا پسندیدہ ہے مگر ابر اور بادل کے دنوں میں روزہ افطار کرنے میں عجلت سے کام نہ لیا جائے گا جب تک آفتاب کے غروب ہونے کا یقین نہ ہو جائے افطار نہ کرے گو مؤذن اذاہی کیوں نہ پکار دے۔

روزوں کے دنوں میں محنت کے کام

روزہ دار کیلئے ایسی مشقت کا کام کرنا جائز نہیں ہے جس سے کمزوری پیدا ہو جائے اور وہ روزہ کے لئے مانع بن جائے ایسے کام کرنے والے کو چاہئے کہ آدھے دن تک کام کرے بقیہ آدھے دن میں آرام کرے، اگر کوئی یہ کہے کہ آدھے دن کی محنت کافی نہیں ہوتی تو اس کی یہ بات مانی نہیں جائے گی کیونکہ جاڑے کا سب سے چھوٹا دن اسی قدر ہوتا ہے اور اتنے وقت میں کام ہو جاتا ہے۔

رملی نے جامع الفتاویٰ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اگر روزی کمانے کیوجہ سے کمزوری بڑھتی ہو اور اس کیلئے اس کے سوا روزی کا کوئی سامان موجود نہ ہو تو اس کے لئے افطار جائز ہے اسی طرح کھیتی پکی ہوئی تیار ہو اور دوسرا کوئی اجرت پر کام کرنے والا نہ ہو اور اس کو یقین ہو کہ کھیتی برباد ہو جائیگی اور خود بغیر افطار اس کام کو انجام نہیں دے سکتا تو اس کیلئے بھی افطار جائز ہے مگر قضا ضروری ہے جس طرح نماز کی حالت میں کوئی قیمتی چیز چوری ہوتے دیکھے نیت توڑنا درست ہے۔

محنت کی وجہ سے افطار

کسی آزاد شخص نے رمضان کے دنوں میں مشقت کا کام کیا اور اس کی وجہ سے بیمار ہو گیا پھر اس نے افطار کر لیا تو اس صورت میں اس پر کفارہ لازم آئیگا یا نہیں اس میں دو قول ہیں بعضوں نے کہا کفارہ لازم ہوگا اور بعضوں نے کہا لازم نہیں ہے اور اسی دوسرے قول پر بعض علماء نے فتویٰ بھی دیا ہے، لیکن اگر یہی صورت غلام لونڈی کو پیش آئی ہے تو ان پر کفارہ لازم نہیں ہے آزاد پر کفارہ کے وجوب کیوجہ یہ ہے کہ وہ کام بند کر سکتا تھا مجبور نہیں تھا مگر غلام اور لونڈی کو یہ آزادی حاصل نہیں ہوتی ہے۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کیوجہ سے اس قدر کمزور ہو جاتا ہے کہ نماز میں قیام پر قادر نہیں رہتا ہے تو ایسے شخص کیلئے حکم یہ ہے کہ وہ روزہ رکھے اور نماز بیٹھ کر ادا کرے تاکہ دونوں فرض عبادتیں جمع ہو سکیں اور ادا ہوں۔

فصل فی العوارض المبیحة لعدم الصوم

وقد ذكر المصنف منها خمسة وبقى الاكراه وخوف هلاك اونقصان عقل ولو بعطش اوجوع شديد اولسعة حية لمسافر سفر سرعيا ولو بمعصية اوحامل اومرضع اماكانت اوظئرا على الظاهر خافت بغلبة الظن على نفسها اوولدها وقيده البهنسي تبعا لابن الكمال بما اذا تعينت للارضاع اومريض خاف الزيادة لمرضه وصحيح خاف المرض و خادمة خافت الضعف بغلبة الظن بامارة او تجربة او اخبار طبيب حاذق مسلم مستور وافادفي النهر جواز التطبب بالكافر فيما ليس فيه ابطال عبادة قلت وفيه كلام لان عندهم نصح لمسلم كفرفاني يتطبب بهم وفي البحر عن الظهيرية للامة ان تمتنع من امتثال امر المولى اذا كان يعجزها عن اقامة الفرائض لانها مبقاة على اصل الحرية في الفرائض الفطر يوم العذر الا السفر كماا سيجئى وقضوا لزوما ما قدروابلا فدية و بلا ولاء لانه على التراخي ولذا جاز التطوع قبله بخلاف قضاء الصلوة ولوجاء رمضان الثاني قدم الاداء على القضاء ولا فدية لما مر خلافا فالشافعي.

وہ عوارض جن کی وجہ سے رمضان میں افطار کی اجازت ہے

نوعوارض کیوجہ سے روزہ افطار کیاجاسکتا ہے مصنف نے یہاں ان عوارض میں سے پانچ کاذکر کیا ہے (۱) سفر (۲) حمل (۳) دودھ پلانا (۴) بیماری (۵) بڑھاپا (نا قابل تحمل) شامی نے چار کا اضافہ کیا ہے اس طرح کل نو ہو جاتے ہیں (۶) اکراہ یعنی دوسرے کا دباؤ اور زبردستی کرنا (۷) جہاد (۸) انتہائی بھوک (۹) پیاس کی شدت

شارح نے بھی ان کا اضافہ کیا ہے وہ کہتے ہیں اوپر والے پانچ عوارض کے بعد یہ عوارض باقی رہ جاتے ہیں اکراہ ہلاک کا خوف، جان کے نقصان کا خطرہ، خواہ وہ پیاس کیوجہ سے ہو رہا ہو یا بھوک کیوجہ سے یا سانپ کے ڈس لینے سے، یعنی کسی کو سانپ کاٹ لے اور اس کی وجہ سے اسے روزہ توڑنا پڑے، اکراہ جیسے قتل کرنا، عضو کاٹنا، سخت مار، مجاہد حالت جہاد میں جبکہ وہ محسوس کرے کہ افطار نہ کرنے کی صورت میں کمزور ہو جائے گا ان صورتوں میں بھی افطار کرنے کی اجازت ہے۔

حالت سفر اور بیماری میں روزہ

مسافر کے لئے جو سفر شرعی (کم از کم ۴۸ میل یا اس سے زیادہ کا سفر) کر رہا ہو اس کا یہ سفر گناہ کے لئے ہو افطار کرنا جائز ہے، گو حالت سفر میں روزہ رکھنا ہی افضل ہے اگر نقصان کا خطرہ نہ ہو، حاملہ عورت کے لئے بھی رمضان میں افطار کرنا جائز ہے اور دودھ پلانے والی عورت کے لئے بھی خواہ وہ بچہ کی ماں ہو یا دایہ مگر یہ اس وقت ہے جب کہ دودھ پلانے والی کو روزہ رکھنے کی صورت میں خود اس کی ذات یا بچہ کو نقصان پہونچنے کا ظن غالب ہو اسی طرح اس بیمار کیلئے بھی رمضان میں افطار جائز ہے جس کو روزہ رکھنے کی صورت میں مرض کے بڑھ جانے کا خطرہ ہو، یا یہ خدشہ ہو کہ مرض جلد نہیں جائے گا۔ روزہ رکھنے کیوجہ سے صحت میں تاخیر ہوگی تیماردار کیلئے بھی افطار کی اجازت ہے جب اس کے سوا کوئی دوسرا تیماردار نہ ہو اور وہ محسوس کرتا ہو کہ روزہ رکھنے کی صورت میں وہ تیمارداری نہیں کرپائے گا۔ اور اس تندرست کیلئے بھی رمضان میں افطار جائز ہے جس کو روزہ رکھنے کی وجہ سے بظن غالب بیمار ہو جانے کا خوف ہو، یہ خوف کسی علامت کیوجہ سے ہو یا تجربہ کی بنیاد پر یا مسلمان حاذق طبیب کے کہنے سے خادمہ کیلئے بھی افطار جائز ہے جب وہ تجربہ یا علالت کیوجہ سے محسوس کرتی ہو کہ اس میں کمزوری پیدا ہو جائے گی، کافر ڈاکٹر کا قول اس باب میں قابل اعتبار نہیں ہے، جن صورتوں میں عبادت کا ابطال نہ ہو، کافر ڈاکٹر سے علاج کرانا اور اس کی بات پر عمل درست ہے شارح کہتے ہیں کہ مجھے اس مسئلہ میں کلام ہے وہ کہتے ہیں کہ کفار کے نزدیک مسلمان کی خیر خواہی کفر ہے پھر ان سے علاج کس طرح کرایا جائے گا۔

حق اللہ مقدم ہے

بحر الرائق میں ہے کہ لونڈی کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے آقا کی باتوں کو ان صورتوں میں نہ مانے جب اس کی باتوں سے فرائض کی ادائیگی میں اس کو مجبوری پیش آئے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فرائض کے باب میں لونڈی کو اصل حریت پر باقی رکھا گیا ہے، مثلاً نماز کا وقت تنگ ہو اور مولیٰ اس وقت میں دوسرا حکم دے تو لونڈی پہلے نماز ادا کرے گی پھر مولیٰ کا حکم بجالائے گی، نماز چھوڑ کر قضا کر کے آقا کا حکم بجالانا درست نہیں ہے، اگر آقا کا حکم مان کر بلا عذر شرعی لونڈی روزہ توڑ دے گی تو اس پر کفارہ لازم ہو گا۔

قضاشدہ روزوں کی ادائیگی

لیکن روزہ رکھ کر جس دن مسافر سفر شروع کرے گا اس دن کے روزہ کا پورا کرنا اس پر ضروری ہوگا، اور یہ مسافر شرعی، حاملہ، دودھ پلانے والی عورت، اور دوسرے معذورین لازمی طور پر ان روزوں کی قضا کریں گے، البتہ ان پر کوئی فدیہ کفارہ نہیں ہوگا، اور نہ ان کے لئے ان قضا روزوں کا مسلسل رکھنا ضروری ہوگا، اور نہ علی الفور بلکہ جیسی سہولت ہو قضا کرے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس کے لئے قضا سے پہلے نفل روزہ رکھنا درست ہے ہاں اگر نماز قضا ہو گئی ہے تو اس کی قضا کی ادائیگی فوراً ضروری ہے۔

قضائے رمضان کا روزہ ذمہ باقی تھا کہ دوسرا رمضان آگیا تو اس صورت میں آنے والے رمضان کا روزہ پہلے رکھے گا، اور رمضان کے ختم کے بعد پہلے رمضان کے قضا روزوں کو ادا کرے گا۔

ویندب لمسافر الصوم لآیۃ وان تصوموا خیر لکم والخیر بمعنی البر لا افعل تفضیل ان لم یضرہ فان شق علیہ او علی رفقتہ فالفطر افضل لموافقۃ الجماعۃ فان ماتوا فیہ ای فی ذلک لعذر فلا تجب علیھم الوصیۃ بالفدیۃ لعدم ادراکھم عدۃ من ایام اخر ولو ماتوا بعد

زوال العذوجبت الوصية بقدر ادراكهم عدة من ايام اخر و اما من افطر عمدا فوجوبها عليه بالاولى وفدى لزوما عنه اى عن الميت وليه الذى يتصرف فى ماله كالفطرة قدرا بعد قدرته عليه اى على قضاء الصوم وفوته اى فوت القضاء بالموت فلو فاته عشرة ايام فقدر على خمسة فداها فقط بوصية من الثلث متعلق بفدى وهذا الوله ورث والافمن الكل قهستانى وان لم يوص و تبرع وليه به جاز ان شاء الله ويكون الثواب للولى وان صام او صلى عنه الولى لا لحديث النسائى لا يصوم احدعن احد ولايصلى احد عن احد و لكن يطعم عنه وايه كذا يجوز لوتبرع عنه وليه بكفارة يمين اوقتل بالطعام اوكسوة بغير الاعتاق لما فيه من الزام الولاء للميت بلا رضاه.

حالتِ سفر میں روزہ

مستحب یہ ہے کہ مسافر سفر میں روزہ رکھا کرے اگر روزہ رکھنا اس کیلئے نقصان دہ نہیں ہے اس لئے کہ آیت ربانی ہے وان تصوموا خیر لکم، یعنی تمہارا روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے البتہ اگر روزہ رکھنا خود اس پر یا اس کے ہم سفر ساتھیوں پر شاق گذرے تو ہم سفروں کی موافقت میں افطار کرنا ہی افضل ہے۔

معذورین کی طرف سے فدیہ

یہ معذورین جن کو رمضان میں افطار کی اجازت ہے اگر اسی زمانہ عذر میں مرجائیں تو ان پر فدیہ کی وصیت واجب نہیں ہے کیوں کہ انہوں نے ان عذروں کے دنوں کے علاوہ کوئی دوسرا وقت نہیں پایا جس کی قرآن پاک میں صراحت ہے البتہ ان کی موت جب عذر ختم ہو جانے کے بعد واقع ہوئی ہے تو اس صورت میں فدیہ کی وصیت واجب ہے مگر اتنے ہی دنوں کے جتنے دن عذر کے ختم ہونے کے بعد انہوں نے پائے تھے، باقی جس شخص نے قصداً بلا عذر افطار کیا ہے اس کے لئے وصیت ضروری ہے وقت پانے کی شرط نہیں ہے کیونکہ وہ وقت روزہ کا ہی تو تھا جس کو اس نے افطار میں گذارا ہے۔

میت کی طرف سے اس کا وہ ولی لازمی طور پر فدیہ ادا کرے گا جو اس کے مال میں تصرف کا حق رکھتا ہے اور ایک روزہ کا فدیہ کا ایک شخص کے فطرہ کی مقدار ہے یعنی نصف صاع گیہوں یا اسکی قیمت (یہ فدیہ مرنے والے کے تہائی مال سے ادا ہوگا اگر مرنے والے نے وصیت کی ہے تو اس کے ذمہ اس کی ادائیگی لازم ہوگی، ورنہ لازم نہیں ہوگی البتہ بطور تبرع اور احسان ادا کردے تو بہتر ہے۔

فدیہ کا وجوب

لیکن فدیہ کی ادائیگی اس وقت ضروری ہے جب مرنے والے کے بعد میں روزہ کی قدرت حاصل ہوئی اور وہ موت کیوجہ سے ادا نہیں کر سکا، لہٰذا اگر مرنے والے کے دس روزے قضا ہوئے تھے مگر بعد عذر اس کو صرف پانچ روزے ادا کرنے کی قدرت ملی تھی کہ وہ انتقال کر گیا تو اب اس صورت میں اس کے ذمہ صرف پانچ روزوں کا فدیہ لازم ہوگا دس کا نہیں ہوگا امام محمدؒ کا قول یہی ہے البتہ شیخین فرماتے ہیں کہ صرف ایک روزہ کی بھی قدرت ملی ہے تو اس کے ذمہ دس تمام روزوں کا فدیہ ادا کرنا ہوگا، مگر بعضوں نے کہا یہ قول امام طحاوی کا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ اختلاف نذر کے روزوں میں ہے رمضان کے روزوں میں نہیں ہے، رمضان کے روزوں میں قدرت کے مطابق فدیہ ہوتا ہے۔

اور اگر میت کا کوئی وارث نہیں ہے اور اس کے ذمہ روزہ کا فدیہ ہے تو یہ فدیہ اس کے کل مال سے دیا جائے گا تہائی میں

وصیت وارثین کیوجہ سے ہے لیکن جب وارث سرے سے نہیں ہے تو یہ قید باقی نہیں رہے گی۔

ولی کا بطور احسان فدیہ ادا کرنا

اور اگر مرنے والے نے وصیت نہیں کی ہے اور ولی نے اس کی طرف سے بطور احسان فدیہ ادا کر دیا تو یہ درست ہے اور ولی کو اپنے اس احسان کا ثواب ملے گا انشاء اللہ اور میت کو فدیہ کا ثواب ملے گا۔

میت کا ولی اگر میت کی طرف سے اس کے ذمہ باقی رہنے والے روزہ کو ادا کرے یا اس کی طرف سے اس کی بقیہ نماز ادا کرے تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ نسائی شریف میں حدیث آئی ہے کہ کوئی کسی دوسرے کی طرف سے نہ روزہ رکھے اور نہ نماز پڑھے البتہ اس کی طرف سے اس کا ولی کھانا دے سکتا ہے تاکہ میت کو اس کا ثواب پہونچے۔

میت کی طرف سے کفارہ کی ادائیگی

اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ ولی بطور احسان میت کی طرف سے قسم یا قتل کا کفارہ ادا کر دے اور اس کفارہ میں کھانا کھلائے یا کپڑا پہنائے البتہ اس کی طرف سے کفارہ میں غلام آزاد کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں میت کی رضا کے بغیر اس کے ذمہ ولاء کا لازم کرنا ہے، شرنبلالیہ میں صراحت ہے کہ قتل میں ولی کا تبرع (احسان) بطور ادائیگی کفارہ کسی چیز کے ساتھ بھی درست نہیں ہے کیونکہ قتل کے کفارہ میں غلام کا آزاد کرنا واجب ہے اور ولی اور وارث کا اس کی طرف سے آزاد کرنا صحیح نہیں آزاد کرنے کا بدلہ صوم ہے اور اس میں فدیہ درست نہیں۔ باقی کھانا کھلانا اور کپڑا پہنانا یہ قتل کے کفارہ میں نہیں ہوتا ہے لہٰذا یہاں یمین (قسم) کے کفارہ کے ساتھ قتل کے کفارہ کو بیان کرنا سہوا ہے۔

(ولاء نسب کی طرح ایک علاقہ ہے جو آقا اور غلام کے درمیان ہوتا ہے اب اگر میت کی طرف سے غلام کا آزاد کرنا ولی کے لئے درست کہا جائے تو جب اس آزاد غلام کا کوئی وارث نسبتی نہیں ہوگا تو ولاء اس میت کو پہونچے گا۔)

وفدية كل صلوة ولو وترا كمامر في قضاء الفائت كصوم يوم على المذهب وكذا الفطرة والاعتكاف الواجب يطعم عنه لكل يوم كالفطره ولو الجية والحاصل ان ماكان عبادة بدنية فان الوصي يطعم عنه بعد موته عن كل واجب كالفطرة والمالية كالزكوة يخرج عنه القدر الواجب والمركب كالحج يحج عنه رجلا عن مال الميت وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر ويفدى وجوبا لو في اول الشهر وبلاد تعدد فقير كالفطرة لو موسرا ولا فيستغفر الله هذا اذا كان الصوم اصلا بنفسه وخوطب بادائه حتى لو لزمه الصوم كفارة يمين اوقتل ثم عجز لم تجز الفدية لان الصوم هنا بدل عن غيره ولو كان مسافرا فمات قبل الاقامة لم يجب الايصاء و متى قدر قضى لان استمراد العجز شرط الخلفية وهل تكفي الاباحة في الفدية القولان المشهور نعم واعتمده الكمال.

نمازوں کا فدیہ

ہر وقت کی فرض نماز کا فدیہ گو وہ وتر ہی ہو اتنا ہی ہے جتنا ایک دن کے روزہ کا فدیہ یعنی نصف صاع گیہوں یا اسکی قیمت جیسا کہ باب قضاء الفوائت میں اس کا ذکر ہو چکا ہے اس باب میں صحیح مذہب یہی ہے

(جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ پانچ وقتوں کا فدیہ نصف صاع ہے وہ صحیح نہیں ہے اور کہنے والے نے بھی اپنے اس قول سے رجوع کر لیا ہے اور اسی مقدار میں فطرہ بھی ہے یعنی آدھا صاع گیہوں یا اسکی قیمت، اور واجب اعتکاف اگر میت کے ذمہ رہ گیا ہے اور اس نے وصیت کی ہے تو اسکی طرف سے ہی ہر دن کیلئے نصف صاع گیہوں یا اس کی قیمت دی جائے گی اور یہ وصیت بھی اسی تہائی مال سے ادا ہو گی۔

عبادات بدنی اور مالی کا بدلہ

حاصل یہ ہے کہ جو عبادت بدنی ہو، اس کے بدلہ میت کی طرف سے فطرہ کی مقدار مستحق کو کھلایا جائے گا، جیسے نماز رہ گئی ہو تو ہر نماز کے بدلہ نصف صاع گیہوں یا اس کی قیمت دیجائے گی اور جو مالی عبادت ہو جیسے زکوٰۃ تو جس قدر واجب ہے اتنی مقدار نکالی جائے گی، اور جو عبادت بدنی اور مالی دونوں ہے جیسے حج تو میت کی طرف سے حج بدل کرا دیا جائے گا اور اس کے اخراجات میت کے مال سے پورے کئے جائیں گے۔

شیخ فانی کا حکم

ایسا شیخ فانی جو روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو، اس کے لئے رمضان میں افطار جائز ہے مگر اس پر واجب ہے کہ وہ ہر دن کے روزہ کے بدلہ آدھا صاع گیہوں یا اس کی قیمت فدیہ میں دے، اگرچہ تمام مہینے کا فدیہ شروع میں ہی حساب کر کے دیدے تو بھی جائز ہے اور فدیہ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ متعدد فقراء کو دیا جائے فدیہ میں نصف صاع گیہوں یا اس کی قیمت دی جائے گی جو فطرہ کی مقدار ہے یہ ادائیگی واجب اس وقت ہے جب وہ مالدار ہو اور دے سکتا ہو ورنہ استغفار پر قناعت کرے،

فدیہ کا وجوب

اسی فدیہ کا وجوب اس روزہ کیلئے ہے جب روزہ بذات خود اصل ہو اور وہ اس کے ادا کا مخاطب ہو (جیسے رمضان کا فرض روزہ اور اس کی قضا) یہاں تک کہ اگر کفارۂ یمین (قسم) یا کفارۂ قتل کا روزہ لازم ہوا تھا مگر پھر وہ مجبور ہو گیا اور مرتے وقت اس کی وصیت کر گیا تو اس کا فدیہ دینا درست نہیں ہے، اس وجہ سے کہ خود روزہ براہ راست اس پر واجب نہیں تھا۔ بلکہ یہ دوسرے کے بدل میں اس پر آیا ہے۔

قدرت کا روزہ

اگر کوئی مسافر تھا اور وہ اقامت سے پہلے مر گیا، تو اس پر فدیہ کی وصیت واجب نہیں ہے۔ لیکن جب اس شیخ فانی کو روزے کی قدرت پیدا ہو جائے گی جو فدیہ ادا کر چکا ہے تو اب اس کو ان روزوں کی قضا بھی کرنی ہو گی، اس لئے کہ روزہ کا فدیہ اس وقت کافی ہوتا ہے جب اس کی مجبوری برابر قائم رہے، مجبوری کے ختم ہونے کے بعد اصل فریضہ لوٹ آتا ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ کیا فدیہ میں اباحت کافی ہے یا تملیک ضروری ہے، مشہور قول یہ ہے کہ اباحت کافی ہے اور اسی پر کمال نے اعتماد کیا ہے تملیک ضروری نہیں ہے۔

ولزم نفل شرع فیه قصدا کمامر فی الصلوۃ فلو شرع ظنافا فطرای فورا فلا قضاء اما لو مضی ساعة لزمه القضاء لانه بمضیها صار کانهٗ نوی المضی علیه فی هذه الساعة تجنیس و مجتبی **اداء وقضاء** ای یجب اتمامه فان فسد و لو بعروض حیض فی الاصح وجب القضاء **الا فی العیدین وایام التشریق** فلا یلزم لصیر ورته صائما بنفس الشروع فیصیر مرتکبا للنهی اما الصلوۃ فلا یکون مصلیا مالم یسجد بد لیل مسئلة الیمین **ولایفطر الشارع فی نفل بلا**

عذر فی روایة و هی الصحیحة وفی اخری یحل بشرط ان یکون من نیة القضاء واختارها الکمال وتاج الشریعة وصدرها فی الوقایة وشرحها والضیافة عذر للضیف والمضیف ان کان صاحبها ممن لا یرضی بمجرد حضوره ویتاذی بترک الافطار فیفطر والالا هو الصحیح من المذهب ظهریة ولوحلف رجل علی الصائم بطلاق امرأته ان لم یفطر افطر ولو کان صائما قضا ولا یحنثه علی المعتمد بزازیة و فی النهر عن الذخیرة وغیر ها هذا اذا کان قبل الزوال اما بعده فلا الا لا حدابویه الی العصر لا بعده و فی الاشباه دعاه احد اخوانه لا یکره فطره لو صائما غیر قضاء رمضان.

نفل روزہ کا لزوم وہ نفل روزہ ذمہ میں لازم ہو جاتا ہے جس کو قصداً شروع کیا گیا ہے جیسا کہ کتاب الصلوٰۃ میں مذکور ہوا، اس کا پورا کرنا اس کے ذمہ اداءً و قضاءً واجب ہے پھر اگر وہ فاسد ہو جائے گو حیض کے آنے کی وجہ سے ہو تو اس کی قضا واجب ہوگی لیکن اگر کسی نے واجب کے گمان پر روزہ شروع کیا پھر یہ معلوم ہونے پر کہ واجب نہیں فوراً افطار کر لیا۔ تو اس کے ذمہ اس کی قضا واجب نہیں ہے لیکن اگر معلوم ہونے کے بعد فوراً افطار نہیں کیا تا آنکہ ایک ساعت گذر گئی پھر افطار کیا تو اس پر قضا واجب ہوگی کیونکہ جب ایک ساعت تک اس نے افطار نہیں کیا تو سمجھا جائے گا کہ روزہ کے باقی رکھنے کی نیت کر لی ہے کذا فی التجنیس والمجتبیٰ۔

ایام تشریق اور عیدین کا روزہ لیکن اگر کسی نے ایام التشریق (۱۰ ذی الحجہ سے ۱۳ تک) اور عیدین میں روزہ شروع کیا تھا تو ان کا پورا کرنا اس کے ذمہ لازم نہیں ہے اور ادا اور نہ قضا کیونکہ وہ روزہ کے شروع کرتے ہی روزہ دار ہو گیا اور اس طرح نہی کا اس نے ارتکاب کیا یعنی وہ کام کیا جس سے اس کو روکا گیا تھا اور جس کام سے منع کیا گیا ہو شروع کرنے کے بعد اس کا پورا کرنا ضروری نہیں ہوا کرتا بلکہ اس کو ختم کر دینا ہی لازم ہے۔

باقی یہ سوال کہ ان اوقات میں جن میں نماز سے منع کیا گیا ہے کسی نے نماز شروع کر دی تو وہ کیوں واجب ہو جاتی ہے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دونوں میں فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ نماز کے صرف شروع کر دینے سے معصیت کا مرتکب قرار نہیں پاتا جب تک اس میں سجدہ نہ ملالے، کیونکہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ نماز نہیں پڑھے گا تو صرف شروع کرنے سے وہ حانث قرار نہیں پائیگا جب تک سجدہ بھی نہ ملائے بخلاف روزے کہ ان دنوں میں جن میں روزہ سے روکا گیا ہے صرف روزہ شروع کر دینے سے معصیت کا مرتکب قرار پائے گا۔

جس نے نفل روزہ شروع کر دیا ایک روایت یہ ہے کہ اس کو چاہئے کہ وہ اسے بلا عذر نہیں توڑے اور یہی روایت صحیح ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ بلا عذر اس نفل روزہ کا توڑنا درست ہے بشرطیکہ اس کی نیت قضا کی ہو اور کمال نے دوسری روایت کو اختیار کیا ہے۔

مہمان و میزبان ہونا عذر ہے نفل روزہ کے توڑنے کیلئے مہمان ہونا اور میزبان ہونا عذر تسلیم کیا گیا ہے جبکہ ضیافت والا صرف اس کی موجودگی کو پسند نہ کرے یا اس کے افطار نہ کرنے سے

اذیت محسوس کرے تو ایسی حالت میں نفل روزہ رکھنے والا روزہ توڑ دے گا اور اگر یہ صورت نہ ہو تو افطار نہ کرے بلکہ روزہ باقی رکھے صحیح مذہب یہی ہے (دوسرا قول یہ ہے کہ مہمان ہو نا یا میزبان ہونا زوال سے پہلے تو عذر ہے زوال کے بعد عذر نہیں ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اگر اسے اعتماد ہو کہ قضا ادا کر لے گا تو توڑے ورنہ نہیں اس کی رعایت مناسب ہے۔)

اگر کوئی طلاق کو کسی کے روزہ توڑنے پر معلق کرے

ایک شخص نے قسم کھائی کہ اگر فلاں نے نفل روزہ افطار نہیں کیا تو مری بیوی کو طلاق اس صورت میں اس کو افطار کر لینا چاہئے اگر چہ وہ رمضان کی قضا والا روزہ رکھے ہوئے ہو، اور اس کو اس کی قسم میں حانث بنانا نہیں چاہئے قابل اعتماد روائیت اس باب میں یہی ہے نہر الفائق میں ذخیرہ سے نقل کیا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب زوال سے پہلے افطار ہو زوال کے بعد سوائے ماں باپ کے کسی کے لئے نفل روزہ توڑنا جائز نہیں ہے اور والدین کے لئے بھی عصر تک توڑنے کی اجازت ہے عصر کے بعد والدین کے لئے بھی اجازت نہیں ہے۔

اشباہ میں ہے کہ کسی کی کسی بھائی نے دعوت کی تو اس صورت میں نفل روزہ توڑنا مکروہ نہیں ہے (البتہ قضائے رمضان کا روزہ توڑنا مکروہ ہے)

ولا تصوم المرأة نفلا الا باذن الزوج الاعند عدم الضربه ولو فطرها وجب القضاء باذنه او بعد البينونة ولو صام العد ومافي حكمه بلا اذن المولى لم يجز و ان فطره قضى باذنه او بعد العتق ولو نوى مسافر الفطراولم ينو فاقام ونوى الصوم في وقتها قبل الزوال صح مطلقا ويجب عليه الصوم لو كان في رمضان لزوال المرخص كما يجب على مقيم اتمام صوم يوم منه اى رمضان سافر فيه اى في ذلك اليوم ولكن لا كفارة عليه لوافطر مبهما للشبهة في اوله واخره الا اذا دخل مصره لشئى نسيه فافطر فانه يكفر ولو نوى الصائم الفطر لم يكن مفطرا كما مر كما لونوى التكلم في صلوته ولم يتكلم شرح الوهبانية قال وفيه خلاف الشافعي.

عورت کا بلا اجازت شوہر کے نفل روزہ رکھنا

عورت نفل روزہ شوہر کی اجازت کے بغیر نہیں رکھے گی ہاں جب اس کو معلوم ہو کہ اس کے روزہ رکھنے سے شوہر کو کوئی نقصان نہ ہوگا تو بلا اجازت بھی رکھ سکتی ہے (مثلاً شوہر بیمار ہو یا سفر میں گیا ہوا ہو) دوسری صورت یہ ہے کہ عورت نے نفل روزہ رکھ لیا تھا شوہر نے افطار کرا دیا تو عورت پر اس روزہ کی قضا واجب ہے جب وہ اجازت دے گا تب رکھے گی یا جب وہ گھر میں موجود نہ ہوگا تب رکھے گی اسی طرح اگر عورت نے شوہر کی اجازت کے بغیر نفل حج کا احرام باندھ لیا ہے تو شوہر کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کا احرام کھلوا دے اسی طرح وہ نفل نماز کی نیت بھی تڑوا سکتا ہے۔

غلام کا نفل روزہ

غلام اور جو غلام کے حکم میں ہیں ان کے لئے بغیر آقا کی اجازت کے روزہ رکھنا جائز نہیں ہے اگر آقا روزہ تڑوا دے گا تو غلام پر اس کی قضا ضروری ہے یہ قضا مولیٰ کی اجازت سے رکھے گا یا پھر آزاد ہو

نے کے بعد (نوکر اور مزدور اپنے مالک اور مستاجر اپنے افسر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ رکھ سکتا ہے یا نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس مالک کا نقصان نہیں ہے تو بلا اجازت روزہ رکھنا جائز ہے اور اگر نقصان ہوتا ہے تو بلا اجازت نہیں رکھنا چاہئے)

مسافر جب مقیم ہو جائے

مسافر نے خواہ افطار کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو پھر وہ مقیم ہو جائے اور زوال سے پہلے نیت کے وقت میں روزہ کی نیت کرے (درانحالیکہ اس نے آج کچھ کھایا پیا بھی نہ ہو) تو اس کا روزہ رکھنا صحیح ہوگا خواہ روزہ نفل ہو یا نذر معین ہو یا ادائے رمضان اور اگر یہ صورت رمضان میں پیش آئی ہو تو اس پر روزہ رکھنا ضروری ہے کیونکہ جو افطار کی وجہ تھی وہ باقی نہیں رہی۔

سفر شروع کرنے کے دن کا روزہ

جس طرح مقیم (اقامت کرنے والے) پر اس دن کے روزہ کا پورا کرنا واجب ہے جس دن اس نے سفر شروع کیا ہے (مثلاً فجر کے بعد سفر شروع کیا تو اس دن روزہ توڑنا اس کیلئے کیسے جائز ہوگا) لیکن اگر وہ افطار کرلے گا اور روزہ توڑ دے گا تو اس پر صرف قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ سفر کی وجہ سے شبہ پیدا ہو گیا ہے۔

مسافر کا وطن میں افطار

لیکن مسافر جو اپنے شہر میں اور آبادی میں کوئی چیز بھول آیا تھا اس کو لینے کیلئے واپس آیا اور اس نے افطار کرلیا تو اس صورت میں اس پر کفارہ ہے وہ لازمی طور پر کفارہ دے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب گھر واپس آیا تو اس نے سفر کو چھوڑ دیا اور حکماً مقیم ہو گیا۔

نیت بغیر عمل کا اثر

روزہ دار صرف افطار کی نیت کرنے سے افطار کرنے والا نہیں ہوتا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسا کوئی نماز میں بولنے کی نیت کرے مگر نہیں بولے تو اس سے اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی ہے شرح الوہبانیہ میں کہا کہ امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے لیکن طحطاوی میں ہے کہ قابل اعتماد مذہب اس باب میں شافعیؒ کا بھی یہی ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔

وقضی ایام اغمائه ولو کان الاغماء مستغرقا للشهر لنذرة امتدادة سوی یوم حدث الاغماء فیه اوفی لیله فلا یقضیه الا اذا علم انه لو ینوه وفی الجنون ان لم یستوعب الشهر قضی مامضی وان استوعب لجمیع مایکمنه انشاء الصوم فیه علی مامر لایقضی مطلقا للحرج۔

بے ہوشی کے دنوں کا روزہ

رمضان کے جن دنوں میں کوئی بے ہوش رہا وہ ان دنوں کے روزہ کی قضا کرے گا اگرچہ وہ پورے مہینہ بے ہوش رہا ہو، کیونکہ بے ہوشی کا اس قدر بڑھ جانا شاذ و نادر ہے کیونکہ بغیر کھائے پیئے اتنے دنوں زندہ رہنا عام بات نہیں ہے (البتہ اس دن کی قضا نہیں کرے گا جس دن بے ہوشی طاری ہوئی ہے یا جس رات میں یہ واقعہ پیش آیا ہے، ہاں اس وقت قضا کرنا ہوگا جب یہ یقین ہو کہ اس دن اس نے روزہ کی نیت نہیں کی تھی) کیونکہ رمضان کے دن رات میں، غالب گمان یہ ہے کہ پہلے دن تو اس نے روزہ کی نیت کی ہی ہوگی لہٰذا اس دن کا روزہ ادا ہو جائے گا لیکن اگر وہ مسافر تھا یا رمضان میں کھانے پینے کا عادی تھا تو اس دن کے روزہ کی بھی وہ قضا کرے گا۔

مجنون کا حکم

رمضان میں پاگل پن جب پورے مہینہ نہیں رہا ہے تو جتنے دن جنون میں گذرے ہیں صرف ان دنوں کے ہی روزوں کی قضا کرے گا اور اگر پورے رمضان جنون رہا تو اس کے ذمہ مطلقاً قضا لازم نہیں ہے۔

اگر ماہ رمضان میں ان تمام اوقات میں جنون ہو جاتا ہو جن میں وہ روزے کی نیت کر کے شروع کر سکتا تھا تو اس صورت میں بھی اس کے ذمہ قضا نہیں ہے کیونکہ قضا کا حکم دینے میں حرج ہے اور وہ اوقات جن میں روزہ شروع کر سکتا ہے ہر دن طلوع فجر سے لے کر نصف النہار شرعی تک ہے ان اوقات کے علاوہ میں افاقہ کا اعتبار نہیں ہے۔

ولونذرصوم الايام المنهية اوصوم هذه السنة صح مطلقا على المختار وفرقوا بين النذر والشروع فيها بان نفس الشروع معصية ونفس النذر طاعة فصح و لكنه افطر ايام المنهية وجوبا تحاميا عن المعصية وقضاها اسقاطا للواجب وان صامها خرج عن العهد مع الكراهة وهذا اذا نذر قبل الايام المنهية فلو بعد ها لم يقض شئيا و انما يلزمه باقي السنة على ما هو الصواب و كذا الحكم لو نكر السنة او شرط التتابع فيفطر ها لكنه يقضيها هنا متتابعة و يعيد لوافطر يوما بخلاف المعينة ولو لم يشترط التتابع يقضي خمسة وثلثين ولا يجزيه صوم الخمسة فى هذه الصورة.

نذر کے روزے

اگر کسی نے ان دنوں میں روزہ کی نذر (منت) مانی جن میں روزے سے روکا گیا ہے یا اس نے اس سال کے روزہ کی نذر کی تو مذہب مختار پر یہ نذر ماننا صحیح ہے یہاں سے ان روزوں کا بیان شروع کیا جا رہا ہے جن کو بندہ خود اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے کہ رمضان کے روزے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر لازم ہوتے ہیں اس میں داخل نہیں ہیں نذر زبان کا عمل ہے اور نذر کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ کام گناہ کا نہ ہو۔ جیسے شراب پینا وغیرہ کیونکہ ایسے کام کی نذر درست نہیں ہوتی ہے، دوسری شرط یہ ہے کہ نہ وہ فی الحال اس پر پہلے سے واجب ہو جیسے وہ نماز اور روزے جو پہلے سے اس کے ذمہ واجب ہو چکے ہیں اس کی نذر بھی جائز نہیں ہے تیسری شرط یہ ہے کہ وہ نہ ایسا ہو جو آئندہ اس پر واجب ہونے والا ہے جیسے اگلے وقت کی نماز یا اگلے دن میں رمضان کا روزہ اس طرح کی نذر بھی نہیں ہوتی ہے اور مطلقاً کا ماحصل یہ ہے کہ منہی عنہ کا ذکر صراحتاً ہو یا ایسا نہ ہو زبان سے جو کچھ کہا ہے وہ مقصود ہو یا نہ ہو چنانچہ اگر بلا مقصد بھی زبان سے کہدیا ہے تو نذر واجب ہو جائیگی ولوالحسبیہ میں ہے کہ ایک شخص نے کہنا چاہا تھا کہ ایک دن کا روزہ مجھ پر لازم ہے اور زبان سے نکل گیا ایک مہینہ کا روزہ، تو اس صورت میں اس پر ایک مہینہ کے ہی روزے لازم ہوں گے۔

ایام منہی عنہا کے روزوں کی نذر

نذر ماننے اور نذر کے شروع کرنے میں فقہاء نے فرق بیان کیا ہے کہ نفس نذر ماننا بنفسہ عبادت ہے لہٰذا وہ درست اور لازم ہے لیکن بعض دنوں میں اس کا شروع کرنا گناہ ہے لہٰذا دوسرے دن نذر پوری کرے گا جن دنوں میں روزے سے روکا گیا ہے نذر کرنے والے پر واجب ہے ان دنوں میں روزہ ترک کر دے تاکہ گناہ میں مبتلا نہ ہو۔ اور ان دنوں کے علاوہ دنوں میں اس کی قضا کرے تاکہ جو ذمہ میں واجب ہو چکا ہے وہ ذمہ سے ساقط ہو جائے اور کسی نے انہی دنوں میں جن میں شریعت نے منع کر رکھا ہے روزے رکھ لئے تو

وہ بری الزمہ ہو جائے گا مگر فعل حرام کا مرتکب ہوگا اور گنہ گار قرار پائے گا اور سال معین کے روزے کی نذر مانی تو ایام منہی عنہ کے دنوں میں قضا اس وقت ہے کہ کوئی ان منع کئے ہوئے دنوں کے آنے سے پہلے نذر کرے، اور اگر ان دنوں کے گذرنے کے بعد نذر کی ہے جیسے ۱۴ر ذی الحجہ کو تو اس کے ذمہ ان دنوں کی قضا نہیں ہے البتہ باقی تمام سال کے روزے لازم ہوں گے ان میں بقیہ ذی الحجہ کے ایام بھی داخل ہوں گے درست بات یہی ہے (واضح رہے کہ جو نذر زمانہ ماضی کے مقابلہ میں ہوتی ہے وہ لغو قرار پاتی ہے اور جو زمانہ مستقبل (آنے والے) کیلئے ہوتی ہے وہ لازم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی اس طرح نذر کرے کہ اللہ کے واسطے مجھ پر کل گذشتہ کا روزہ لازم ہے تو یہ نذر لغو قرار پائے گی۔

سال بھر کے روزہ کی نیت

یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب اس نے سنۃ کا لفظ مکروہ استعمال کیا یا مسلسل لگاتار روزہ رکھنے کی شرط کی ہے تو وہ ان دنوں میں روزہ نہیں رکھے گا جن میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے (جیسے عیدین اور ایام تشریق یعنی ۱۱ر ۱۲ر ۱۳ر ذی الحجہ کہ ان پانچ دنوں میں روزہ رکھنا حرام ہے اور شریعت نے ان دنوں میں روزہ رکھنے سے منع کیا ہے لیکن ان دنوں کے روزے کی قضا لگاتار مسلسل کرے گا۔ اگر درمیان میں ایک دن بھی روزہ نہیں رکھے گا تو اسے پھر اعادہ کرنا ہوگا، بخلاف سال معین کے کہ اس صورت میں ایام منہی عنہ کے روزے لگاتار رکھنا لازم نہیں ہے اور اگر مسلسل رکھنے کی شرط نہیں کی ہے تو اس صورت میں وہ ۳۵ دنوں کے روزے کی قضا کرے گا صرف پانچ دنوں کے روزوں کی قضا کافی نہیں ہوگی (اس ۳۵ میں پانچ روزے ان پانچ دنوں کے ہوں گے جن میں روزے کی ممانعت آئی ہے اور ۳۰ دن رمضان کے روزوں کی قضا ہوگی۔

و اعلم ان صیغة النذر تحتمل الیمین فلذا کانت ست صور و ذکر ها بقوله فان لم ینو بنذره الصوم شئیا او نوی النذر فقط دون الیمین او نوی النذر ونوی ان لایکون یمینا کان فی هذه الثلث صور نذرا فقطاجماعا عملا بالصیغة وان نوی الیمین وان لایکون نذرا کان فی هذه الصور یمینا فقط اجماعا عملا بتعیینه وعلیه کفارة یمین ان افطر لحنثه وان نواهما او نوی الیمین بلانفی النذر کان فی الصورتین نذرا ویمینا حتی لو افطر یجب القضاء للنذر والکفارة للیمین عملا بعموم المجاز خلافا للثانی وندب تفریق صوم الست من شوال ولا یکره التتابع علی المختار خلافا للثانی حاوی والاتباع المکروه ان یصوم الفطر وخمسة بعده فلو افطر الفطر لم یکره بل یستحب و یَسُنّ ابن الکمال لو نذر صوم شهر غیر معین متتابعا فافطر یوما ولو من الایام المنهیة استقبل لانه اخل بالوصف مع خلو شهر عن ایام نهی نهر بخلاف السنة لا یستقبل فی نذر شهر معین لئلا یقع کله فی غیر الوقت.

الفاظ نذر کی مراد

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ نذر کا صیغہ قسم کا بھی احتمال رکھتا ہے لہٰذا اس کی چھ صورتیں ہوں گی (۱) نذر کے صیغے سے کچھ نیت کی (۲) یا صرف نذر کی نیت کی قسم کی نیت نہیں کی (۳) یا نذر کی نیت کی اور اس بات کی نیت کی کہ قسم نہ ہو، تو ان تینوں صورتوں میں متفقہ طور پر صرف نذر ہوگی کہ صیغہ کا تقاضا یہی تھا۔

☆(۴) اور اگر قسم کی نیت کی اور اس کی وہ نذر نہ ہو تو اس صورت میں متفقہ طور پر صرف قسم ہو گی کیونکہ اس نے خود متعین کر دیا ہے، اور اگر وہ افطار کر لے گا اور روزہ نہیں رکھے گا تو حانث ہونے کی وجہ سے اس پر یمین (قسم) کا کفارہ لازم ہو گا (علی صوم) مجھ پر روزہ لازم ہے کا لفظ التزام پر دلالت کرتا ہے اور یہ نذر کے معنی میں صریح ہے لہٰذا نیت نہ ہونے کی صورت میں بھی نذر پر ہی محمول ہو گا لیکن جب اس کی نیت بھی ہو تو بدرجہ اولیٰ نذر پر محمول ہو گا، مگر جب وہ اس جملہ سے نیت کر رہا ہے کہ نذر نہ ہو تو اسے یمین پر محمول کیا جائے گا کیونکہ سمجھا جائے گا کہ لازم بول کر ملزوم مراد لیا گیا ہے۔

نذر اور قسم کا اجتماع

(۵) اور اگر (یمین اور نذر) دونوں کی نیت کی (۶) یا قسم کی نیت نذر کی نفی کئے بغیر کی تو ان دونوں صورتوں میں نذر اور قسم دونوں ہوں گی، یہاں تک کہ اگر اس دن روزہ نہیں رکھے گا تو نذر کی وجہ سے اس کی قضا واجب ہو گی اور عموم مجاز کے اعتبار سے قسم کا کفارہ بھی واجب ہو گا گو اس میں امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک پہلی صورت میں نذر ہے اور دوسری صورت میں قسم کیونکہ صیغہ کا استعمال نذر میں حقیقی ہے اور قسم میں مجازی پہلی صورت میں حقیقت کو ترجیح حاصل ہے اور دوسری صورت میں میں بوجہ نیت مجاز متعین ہے اور بظاہر نذر و قسم کا مجتمع ہونا حقیقت و مجاز کا جمع ہونا ہے اور ایک لفظ سے یہ دونوں مراد ہوں نہیں سکتا، اور یہی وجہ ہے کہ شارح نے عموم مجاز کی قید لگائی یعنی نذر اور قسم میں منافات نہیں ہے، دونوں وجوب کو چاہتے ہیں فرق یہ ہے کہ نذر بنفسہ وجوب کو چاہتی ہے اور یمین (قسم) بغیرہ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام کی حفاظت کے واسطے سے لہٰذا یہاں دونوں کو جمع کر دیا تاکہ دونوں پر عمل ہو۔

شوال کے روزے

شوال کے چھ روزے متفرق طور پر مستحب ہیں اور مذہب مختار یہ ہے کہ مسلسل لگاتار رکھنا بھی مکروہ نہیں ہے البتہ اس میں امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے کذا فی الطحاوی رمضان کے بعد وہ روزے رکھنے مکروہ ہیں کہ جن میں عید کے دن ایک روزہ رکھے، اور پانچ روزے عید کے بعد لیکن اگر عید کے دن افطار کیا ہے اور روزہ نہیں رکھا ہے تو اس صورت میں رمضان کے بعد روزے رکھنے مکروہ نہیں ہیں بلکہ مستحب اور مسنون ہیں (چنانچہ ترمذی شریف میں ہے کہ جو شخص رمضان کے روزے بھی رکھے اور پھر عید کے بعد شوال کے چھ روزے ان کے ساتھ تو اس کا ثواب پورے سال کے روزے کے برابر ہے۔

مسلسل روزے کی نذر میں افطار

اگر کسی نے ایک غیر معین مہینہ میں روزہ رکھنے کی نذر کی اور یہ کہا کہ ان کو لگاتار رکھوں گا اس صورت میں اگر وہ ایک دن درمیان میں افطار کر لے گا اگرچہ وہ ایک دن ان دنوں میں سے ہو جن میں روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے، تو بھی اس کو پھر نئے سرے سے روزہ رکھنا ہو گا کیونکہ پے در پے (مسلسل) کی جو قید لگائی تھی اس کو باقی نہیں رکھا، حالانکہ اس کو ایسا مہینہ مل سکتا تھا جس میں ممانعت والے دن نہ پڑیں ہاں اگر ایک سال مسلسل روزہ کی نذر ہو خواہ وہ سال متعین ہو تا یا غیر متعین اس میں بلاشبہ ممانعت والے دن پڑ کر رہیں گے۔

مگر جب متعین مہینہ کے روزے کی نذر مانی ہے اور اس میں ایسی صورت پیش آئی ہے تو نئے سرے سے روزہ نہیں رکھنے ہوں گے کیونکہ ایسا کرنے سے کل کے کل روزے بجائے متعین وقت کے غیر وقت میں نہ رکھنے پڑیں گے (مثلاً ماہ محرم کے روزے کی نذر مانی، ماہ محرم آتے ہی روزے شروع کر دیئے، اب فرض کیجئے ۲۹ محرم کو روزہ نہیں رکھا، اس صورت میں اگر یہ کہا جائے کہ پھر نئے سرے سے ایک ماہ کا روزہ رکھے، تو وہ صفر کے مہینے میں پورا کرے گا۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ کوئی روزہ متعین مہینہ اور وقت میں ادا نہیں ہو سکے گا اور درمیان میں افطار کرنے کی صورت میں نئے سرے سے دوبارہ رکھنے میں کچھ متعین مہینہ میں ادا ہو گا اور کچھ دوسرے میں۔

والنذر من اعتکاف اوحج اوصلوة اوصیام اوغیرها غیر المعلق ولومعینا لا یختص بزمان ومکان ودرهم وفقیر فلو نذر التصدق یوم الجمعة بمکة بهذا الدرهم علی فلان فخالف جاز وکذا لو عجل قبله فلو عین شهراللاعتکاف او للصوم فجعل قبله عنه صح وکذا الونذر ان یحج سنة کذا فحج سنة قبلها صح اوصلوة یوم کذا فصلا ها قبله لانه تعجیل بعد وجود السبب وهو النذر فیلغوالتعیین شرنبلیة فلیحفظ. بخلاف النذر المعلق فانه لا یجوز تعجیله قبل وجود الشرط کما سیجئی فی الایمان ولوقال مریض لله علی ان اصوم شهرافمات قبل ان یصح الاشئی علیه وان صح ولو یوما ولو یصمه لزمه الوصیة بجمیعه علی الصحیح کالصحیح اذا نذر ذلك و مات قبل تمام الشهر لزمه الوصیة بالجمیع بالاجماع کما فی الجنازیة بخلاف القضاء فان سببه ادراك العدة.

نذر میں وقت جگہ اور فقیر کی تعیین

نذر غیر معلق خواہ اعتکاف کے لئے ہو، یا حج یا نماز یا روزہ وغیرہ کے لئے گو وہ متعین ہو، ایسی نذر کسی زمانہ کسی جگہ کسی درہم اور کسی فقیر کیساتھ مختلف نہیں ہوتی ہے چنانچہ اگر کسی نے نذر کی کہ وہ جمعہ کے دن مکہ مکرمہ میں فلاں فقیر کو یہ درہم بطور صدقہ دے گا مگر اس نے اس کے خلاف کیا تو یہ صدقہ اور اس کا یہ فعل جائز ہے (ماحصل یہ ہے کہ اس تعیین میں خواہ وقت یا جگہ یا فقیر یا کسی اور کہی ہوئی بات میں مخالفت ہو جائے تو اس سے صدقہ دینے میں کوئی حرج واقع نہیں ہوگا چنانچہ معراج الدرایہ میں ہے کہ اگر کسی نے نذر مانی کہ کل روزہ رکھوں گا پھر اس کو اس نے پرسوں رکھا تو جائز ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جیسے کسی نے نذر مانی کہ ابھی ایک درہم صدقہ دو نگا اور دیا تھوڑی دیر میں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں مگر بعضوں نے کہا ہے کہ دینار و دراہم کی خصوصیت سرے سے لغو نہیں ہے بلکہ کبھی اس کا اعتبار بھی ہوتا ہے چنانچہ خانیہ میں لکھا ہے اگر کسی نے معین درہم کے صدقہ کی نذر مانی پھر وہ درہم جاتا رہا تو نذر ساقط ہو جائے گی، اسی طرح بدائع میں ہے کہ کسی نے کہا ہے کہ میں اس خاص فقیر کو کچھ کھلاؤں گا مسکین کا نام لیا اور چیز معین نہیں کی، تو اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ وہ چیز اسی فقیر کو دے کیونکہ جب چیز متعین نہیں کی ہے تو فقیر کی تعیین مقصود ہوگی، لہٰذا دوسرے فقیر کو دینا جائز نہیں ہوگا ان دونوں مسئلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تعیین سرے سے لغو نہیں ہے کہیں کہیں اس کا اعتبار ہے۔)

مخصوص مہینہ کے روزہ یا اعتکاف کی نذر

نذر معین اعتکاف یا روزہ کی کسی مخصوص مہینہ کے لئے ہو اور نذر ماننے والا اس کو اس مہینے سے پہلے ہی ادا کردے تو یہ جائز ہے (البتہ امام محمدؒ وقت سے پہلے ادا کرنے کو جائز نہیں کہتے شامی میں ہے کہ کسی نے رجب کے روزے کی نذر مانی، اور رجب آنے سے پہلے اسی نذر والے نے ۲۹ روزے رکھ لئے اب رجب کا مہینہ بھی ۲۹ کا ہی ہوا تو اس کے ذمہ قضا نہیں ہے صحیح تر قول یہی ہے جیسا کہ سراج میں ہے اور اگر ماہ رجب تیس دن کا ہوا ہے تو اس کو ایک روزہ کی قضا کرنا ہو گی۔)

نذر کی وقت معین سے پہلے ادائیگی

ایسے ہی کسی نے نذر مانی کہ وہ فلاں سال حج ادا کرے گا مگر اس سال کے آنے سے پہلے ہی اس نے حج کر لیا تو یہ درست ہو گیا یا نذر کی فلاں دن نماز پڑھوں گا اور اس دن سے پہلے ہی اس نے نذر والی نماز ادا کر لی تو یہ درست ہے کیونکہ سبب پایا جا چکا ہے اور وہ سب یہاں نذر ہے تو اسوقت کی تعیین لغو ہو جائے گی کذافی الشرنبلالیہ، البتہ نذر معلق کو وقت سے پہلے ادا کرنا درست نہیں ہے کیونکہ جب کی شرط

پراسے موقوف کر رکھا ہے تو شرط کے پائے جانے کے بعد ہی وہ نذر پائی جائے گی، اس کی تفصیل کتاب الایمان میں آئے گی۔
(تعلیق خواہ کسی اچھی چیز پر کی گئی ہو جیسے مرافلاں غائب آجائے تو روزہ رکھوں گا یا کسی بری چیز پر ہو جیسے فلاں براکام کرے تو مجھ پر اتنا صدقہ کرنا لازم ہے مگر ان دونوں میں فرق ہے پہلی صورت میں نذر کا ادا کرنا لازم ہے اور دوسری صورت میں اس کو اختیار ہے کہ نذر پوری کرے یا قسم کا کفارہ ادا کردے۔)

نذر کی ادائیگی سے پہلے موت

اگر کسی بیمار نے کہا اللہ کے واسطے میرے ذمہ لازم ہے کہ میں ایک مہینہ کا روزہ رکھوں مگر تندرستی حاصل ہونے سے پہلے وہ چل بسا تو اس پر کچھ لازم نہیں ہے اور اگر وہ تندرست ہو گیا، اور روزہ رکھنے کے قابل خواہ ایک دن کے لئے اور اس نے اس دن روزہ نہیں رکھا تو اس کو تمام روزے کی وصیت لازم ہے صحیح مذہب یہی ہے (یہ شیخین کا قول ہے اور امام محمدؒ فرماتے ہیں جتنے دن صحت میں روزہ نہیں رکھ سکا ہے بس صرف اتنے ہی دن کی وصیت لازم ہے جیسا کہ قضائے رمضان کا حکم ہے۔)

تندرست کی طرح جب ایک ماہ کے روزے کی نذر مانی اور اسنے ان دنوں میں روزہ نہیں رکھا پھر وہ مہینے کے پورے ہونے سے پہلے وفات پا گیا تو اس پر پورے مہینے کے روزہ کے فدیہ کے لئے وصیت لازم ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں، رمضان کے روزے میں یہ صورت نہیں ہے کیونکہ اس میں سبب فوت صوم ہے لہٰذا وہ بعد رمضان جتنا موقع پائے گا اتنے دن کی اس پر وصیت لازم ہوگی پورے ماہ کی لازم نہیں۔

فروع قال واللہ اصوم لاصوم علیہ بل ان صام حنث کما سیجئی فی الایمان نذرصوم رجب فدخل وھو مریض افطر وقضی کرمضان اوصوم الابد فضعف لا شتغالہ بالمعیشۃ افطر وکفر کما مر اویوم بقدم فلان فقدم بعد الاکل اوالزوال او حیضھا قضی عند الثانی خلافا للثالث ولوقدم فی رمضان فلا قضاء اتفاقا ولو عنی بہ الیمین کفر فقط الا اذا اقدم قبل نیتہ فنواہ عنہ بربالنیۃ ووقع عن رمضان ولو نذر شھر الزمہ کاملا اوالشھر فبقیتہ اوصوم جمعۃ فالاسبوع الا ان ینوی الیوم ولو نذر یوم السبت صوم ثمانیۃ ایام صام سبتین ولوقال سبعۃ فسبعۃ اسبت والفرق ان السبت لا یتکررفی السبعۃ فحمل علی العدد بخلاف الاول.

مسائل جزئیات

اگر کسی نے کہا اللہ اصوم (بخدا میں روزہ رکھوں گا) تو صرف اس کہنے سے اس پر روزہ لازم نہیں ہوگا، بلکہ اس صورت میں روزہ رکھنے سے حانث قرار پائے گا جسکی تفصیل کتاب الایمان میں آئے گی (کیونہ یہ عربی نحوی قاعدہ کے مطابق "واللہ لا اصوم" کے معنی میں ہو جاتا ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں عوام چونکہ قاعدہ کا لحاظ نہیں کرتے اس لئے روزے رکھنے کی صورت میں حانث ہونے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔)

کسی نے نذر مانی کہ وہ رجب کے مہینے میں روزہ رکھے گا اور جب رجب کا مہینہ آیا تو وہ بیمار تھا تو اس صورت میں وہ روزہ نہیں رکھے گا بلکہ صحت کے بعد اس کی قضا کرے گا جس طرح رمضان کے روزے کی قضا کی جاتی ہے یعنی صحت کے فوراً بعد یا جب سہولت ہو۔

کسی نے ہمیشہ روزے رکھنے کی نذر مانی مگر وہ اپنی روزی کے سامان کھو جانے کیوجہ سے کمزور ہو گیا تو اس صورت میں وہ افطار سے رہے گا اور روزوں کا فدیہ دے گا (جیسا کہ شیخ فانی میں مذکور ہوا)

کسی کے آنے کے دن روزہ کی نذر

اسی طرح کسی نے نذر مانی کے فلاں جس دن آئے گا اس دن روزہ رکھوں گا مگر اس وقت آیا جب وہ اس دن کچھ کھاپی چکا تھا یا زوال (نصف النہار) کے بعد آیا یا عورت تھی اس کو حیض آگیا تھا تو وہ اس پر اس دن کے روزے کی قضا واجب ہے امام محمدؒ اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں اور اگر وہ رمضان کے مہینے میں آیا تو اس نذر والے پر قضا لازم نہیں اس رمضان والے مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں (کیونکہ اس کی نذر رمضان کے مہینہ میں آکر پڑی اور یہ قاعدہ ہے کہ جس کی نذر رمضان میں روزہ کی ہو اس پر کچھ لازم نہیں)

نذر کے الفاظ سے یمین مراد لینا

اور اگر نذر کے الفاظ سے اس نے قسم کی نیت کی ہے تو اس کو صرف کفارہ دینا ہوگا روزہ رکھنا نہیں پڑے گا لیکن اگر وہ شخص جس کے آنے پر روزہ معلق رکھا تھا وہ نیت کرنے سے پہلے آگیا اور رمضان میں آیا اور اس نے نذر کے ادا کرنے کی نیت کی تو رمضان کے روزے رکھنے سے نذر بھی ادا ہو گئی الگ سے روزہ رکھنا نہیں ہوگا اس کی تفصیل فتح القدیر میں اس طرح لکھی ہے کہ کسی نے کہا کہ مجھ پر خدا کے واسطے اس دن کا روزہ شکر اللہ لازم ہے جس دن فلاں شخص آجائے اور اس نے اپنے کہنے سے قسم (یمین کا ارادہ کیا چنانچہ وہ آنے والا شخص رمضان میں آیا تو اس پر قسم کا کفارہ ہوگا اور قضا نہیں ہوگی کیونکہ قسم کے لئے جو شرط "شکر اللہ" کی لگائی تھی وہ پوری نہیں ہوئی اور اگر وہ نیت کرنے سے پہلے آگیا اور اس نے روزے سے شکر کی نیت کی نہ رمضان کی، تو بھی باعتبار قسم پوری ہو جائے گی اور یہی رمضان کے روزہ کی طرف سے بھی کافی ہوگا قضا لازم نہیں ہوگی۔)

مہینہ کے روزہ کی نذر

کسی نے ایک ماہ کے روزے کی نذر کی ہے تو اس پر پورے مہینے کے روزے رکھنا لازم ہونگے (اور یہ گنتی کے اعتبار سے پورے کر سکتا ہے چاند کے حساب سے پہلا روزہ شروع کرنا ضروری نہیں ہے البتہ اگر معین مہینہ کی نذر کی ہے تو پھر چاند کے اعتبار سے روزہ رکھنا ہوگا۔)

اور اگر ماہ رواں کے روزہ کی نذر کی ہے تو اس مہینے کے بقیہ ایام کا روزہ لازم ہوگا۔

اور اگر مطلقاً جمعہ کے روزہ کی نذر مانی ہے تو پورے ہفتہ کا روزہ لازم ہوگا لیکن اگر اس کی نیت خاص جمعہ کے دن کی تھی تو صرف جمعہ دن کا ایک روزہ لازم ہوگا ہفتہ کا لازم نہیں ہوگا۔

اگر سنیچر کے روزے کی نذر مانی اور کہا جو آٹھ دن میں ہوتا ہے تو دو سنیچر کا روزہ رکھنا ہوگا اور اگر سنیچر کے بعد سات کا نام لیا تو اس کو سات سنیچر کا روزہ رکھنا ہوگا دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ سنیچر سات دن میں مکرر نہیں آتا ہے لہٰذا وہ سات دن پر محمول ہوگا اور پہلی صورت میں آٹھ دن میں دو سنیچر ہو سکتا ہے لہٰذا جو مکرر ہو سکتا ہے وہی مراد ہوگا اور یہ حکم اس وقت ہے جب الفاظ مذکورہ کہہ کر کچھ نیت نہ کی ہو باقی نیت کرنے کی صورت میں جیسی نیت ہوگی اسی کے مطابق لازم ہوگا۔

واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام ومایو خذ من الدراھم والشمع والزیت و نحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیھم فھو بالاجماع باطل و حرام مالم یقصد واصرفھا لفقراء الانام وقد ابتلی الناس بذلک ولا سیما فی ھذہ الا عصار وقد بسطه العلامة قاسم فی شرح درر البحار ولذا قال الامام محمد لو کان العوام عبیدی لاعتقتھم واسقطت ولائی وذلک لانھم لا یھتدون فالکل بھم یتعیرون.

مردوں اور قبروں کے لئے نذر

عوام جو نذر اور منت مردوں کے لئے کرتے ہیں اور روپے پیسے موم بتی اور تیل وغیرہ جو اولیاء کرام کی قبروں پر لے جاتے ہیں وہ سب بالاتفاق باطل اور حرام ہیں جب تک کہ ان سامان کے فقراء پر صرف کرنے کا ارادہ نہ کر لیا جائے (اس کے باطل ہونے کی کئی وجہیں ہیں ان میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اسی طرح کی نذر مخلوق کیلئے ہوتی ہے جو جائز نہیں نذر ایک طرح کی عبادت ہے اور ظاہر ہے کہ مخلوق کی عبادت نہیں ہوا کرتی دوسری وجہ یہ ہے کہ جس کے لئے نذر مانی ہے وہ مردہ ہیں اور مردہ مالک نہیں ہوا کرتا ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ ایسے نذر ماننے والے کا عقیدہ ہوتا ہے کہ مردہ تصرف کرتے ہیں حالانکہ یہ عقیدہ صحیح نہیں بلکہ ایسا اعتقاد کفر ہے ہاں اگر یہ کہے کہ اے اللہ تیرے لئے نذر کرتا ہوں اگر فلاں مریض کو تو نے شفا عطا کر دی تو ان فقیروں کو کھانا کھلاؤں گا جو فلاں جگہ قیام پذیر ہیں تو یہ نذر جائز ہوگی نذر صرف غرباء اور فقراء پر صرف ہوگی مالداروں پر نذر صرف کرنا درست نہیں ہے قبر پر جو چراغ جلائے جاتے ہیں اگر ان قبروں کے چراغوں کے تیل کے لئے نذر مانی تو یہ بھی درست نہیں۔

امام محمدؒ کا قول ہے کہ اگر عوام میرے غلام ہوتے تو میں انکو آزاد کر دیتا اور اپنی ولاء ساقط کر دیتا کیونکہ یہ عموماً ہدایت یافتہ نہیں ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ تمام لوگوں کو ان سے عار ہوتی ہے (ولاء کے ساقط کرنے کی مراد مؤاخذہ نہیں کرتا ہے ورنہ حقیقتاً ولاء ساقط نہیں ہوتی۔)

باب الاعتكاف

وجه المناسبة له والتاخير اشتراط الصوم في بعضه والطلب الأكد في العشر الاخير هو لغة اللبث و شرعا لبث بفتح اللام وتضم المكث ذكر ولو مميزا في مسجد جماعة هو ماله امام ومؤذن اديت فيه الخمس اولا وعن الامام اشتراط اداء الخمس فيه وصححه بعضهم و قالا يصح في كل مسجد وصححه السروجي و اما الجامع فيصح فيه مطلقا اتفاقا او لبث امرأة في مسجد بيتها ويكره في المسجد ولا يصح في غير موضع صلوتها من بيتها كما اذا لم يكن فيه مسجد ولا تخرج من بيتها اذااعتكف فيه و هل ايصح من الخنثى في بيته لم اره والظاهر لالاحتمال ذكورته بنية فاللبث هو الركن والكون في المسجد والنية من مسلم عاقل طاهرعن جنابة وحيض ونفاس شرطان.

باب الاعتکاف

اعتکاف کے احکام ومسائل

اس باب کی کتاب الصوم سے مناسبت اور اس کے بعد اس باب کو لانے کیوجہ یہ ہے کہ بعض اعتکاف میں روزہ شرط ہے اور دوسرے یہ کہ رمضان کے عشرۂ اخیر میں اعتکاف موکد طور پر مطلوب ہے (اور یہ قاعدہ ہے کہ پہلے شرط ہوتی ہے پھر مشروط پایا جاتا ہے اس لئے کتاب الصوم کو پہلے بیان کیا اور اس کے بعد اعتکاف کو اور اس لئے بھی کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف کا حکم ہے۔)

اعتکاف کے معنی اعتکاف کے معنی لغت میں "ٹھہرنا" آتا ہے اور "لبث" کا لفظ لام کے فتحہ کے ساتھ ہے گو لام کو پیش کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے اور شرع میں مرد خواہ ہوشمند لڑکا ہی کیوں نہ ہو اسکا اس مسجد میں ٹھہرنا جس میں جماعت ہوتی ہو یا عورت کا اپنے گھر کی مسجد میں قیام کرنا (گویا اعتکاف کے لئے بالغ ہونے کی شرط نہیں ہے اتنی عمر ہو کہ اس میں اعتکاف کو سمجھنے کی تمیز پیدا ہو جائے۔)

اعتکاف کیلئے مسجد کا ہونا جماعت والی مسجد اس مسجد کو کہتے ہیں جس کیلئے امام و مؤذن ہوں خواہ اس میں پنجوقتہ نماز ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو، اور امام اعظمؒ سے ایک روایت یہ نقل کی گئی ہے کہ جس مسجد میں اعتکاف ہو اس میں پنجگانہ نماز کی ادائیگی شرط ہے اور بعض نے اس قول کی تصحیح بھی کی ہے اور صاحبین کا کہنا ہے کہ ہر مسجد میں اعتکاف

درست ہے خواہ پنجوقتہ باضابطہ جماعت ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو اور سروجی نے اسی قول کی تصحیح کی ہے باقی جامع مسجد تو اس میں اعتکاف بہر حال درست ہے خواہ اس میں پنجوقتہ نماز ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے (فتح القدیر میں صراحت ہے کہ اعتکاف سب سے بہتر مسجد حرام میں ہے پھر مسجد نبویؐ میں پھر بیت المقدس میں پھر اس جامع مسجد میں جس میں جماعت ہوتی ہو، اگر جامع مسجد میں جماعت نہ ہو تو پھر اپنے محلہ کی مسجد میں اعتکاف افضل ہے پھر اس مسجد میں جس میں زیادہ نمازی ہوں۔)

مسجد خانہ اور عورت

(گھر کی مسجد سے مراد گھر کی وہ جگہ ہے جو نماز پڑھنے کیلئے عورتیں عموماً متعین کر لیتی ہیں عورتوں کو انہیں جگہوں میں اعتکاف کرنا چاہئے) عورت کے لئے عام مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ تنزیہی ہے عورتیں اگر گھر میں نماز کی مخصوص جگہ کے علاوہ دوسری جگہ میں اعتکاف کریں گی تو وہ درست نہیں ہوگا جس طرح جب کوئی جگہ گھر میں ایسی نہ ہو تو اس میں اعتکاف درست نہیں (مناسب یہ ہے کہ عورتوں کو اعتکاف کیلئے گھر میں کوئی جگہ مقرر کر لینی چاہئے تاکہ اس میں اعتکاف اس کیلئے درست ہو) سوال یہ ہے کہ گھر میں خنثیٰ کیلئے اعتکاف ہے یا نہیں جواب یہ دیا ہے کہ یہ مسئلہ کہیں دیکھنے میں نہیں آیا مگر قاعدہ سے ظاہر یہ ہے کہ اعتکاف اس کے لئے درست نہیں ہے کیونکہ خنثیٰ میں اس کے مرد ہونے کا احتمال باقی رہتا ہے۔

رکن اور شرائط اعتکاف

اعتکاف میں ٹھہرنا تو رکن ہے باقی اس کا مسجد میں ہونا معتکف کا عاقل مسلمان اور جنابت اور حیض و نفاس سے پاک ہونا دونوں شرط ہیں۔

وهو ثلثة اقسام واجب بالنذر بلسانه وبالشروع وبالتعليق ذكره ابن الكمال وسنة مؤكدة في العشرا لاخير من رمضان اى سنة كفاية كما في البرهان وغيره لا قترانها بعدم الانكار على من لم يفعله من الصحابة ومستحب في غيره من الازمنة هو بمعنى غير المؤكدة وشرط صوم الصحة الاول اتفاقا فقط على المذهب فلو نذر اعتكاف ليلة لم يصح وان نوى معها اليوم لعدم محليتها للصوم اما لو نوى بها اليوم صح والفرق لا يخفى بخلاف مالو قال في نذره ليلا ونهارا فانه يصح و ان لم يكن الليل محلا للصوم لانه يدخل الليل تبعا و اعلم ان الشرط في الصوم مراعاة وجوده لا ايجاده للمشروط قصدا فلونذراعتكاف شهر رمضان لزمه واجزاه صوم رمضان عن صوم الاعتكاف

اعتکاف کی قسمیں

اعتکاف کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) واجب جو زبان سے نذر کرنے سے ہوتا ہے اور کبھی اعتکاف شروع کر دینے سے اور کبھی اس کو معلق کرنے سے کمال نے ایسا ہی ذکر کیا ہے زبان سے کہنے کی قید اس لئے لگائی کہ صرف نیت کرنے سے نیت نہیں ہوتی ہے

(۲) دوسری قسم سنت مؤکدہ ہے یہ اخیر عشرہ رمضان کا اعتکاف ہے مگر یہ سنت کفایہ ہے کہ محلہ میں کوئی بھی کرلے گا تو سب کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اور سنت کفایہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ عہد نبوی میں جن صحابہ کرام نے رمضان میں اعتکاف نہیں کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس پر نہیں ٹوکا۔

(۳) اعتکاف کی تیسری قسم مستحب ہے جو عشرۂ اخیر رمضان کے سوا دوسرے وقتوں میں کیا جائے اور مستحب سے مراد یہاں سنت غیر مؤکدہ ہے۔

روزہ کا شرط ہونا

قسم اول (واجب) کی صحت کیلئے روزہ رکھنا شرط قرار دیا گیا ہے جس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں صحیح مذہب یہی ہے (نفل و مستحب اعتکاف کے لئے بھی بعض روایت میں روزہ کو شرط گردانا گیا ہے اور اس اختلاف کی بنیاد اس بات پر ہے کہ نفل اعتکاف کے لئے وقت کی کوئی تحدید ہے یا نہیں جن لوگوں نے ایک دن کی قید لگائی ہے ان کے نزدیک روزہ شرط ہوگا اور جن کے یہاں وقت کی تحدید نہیں ہے ان کے نزدیک روزہ شرط نہیں ہے۔)

صرف رات کا اعتکاف

جب واجب اعتکاف کے لئے روزہ شرط ٹھہرا تو معلوم ہوا کہ اگر کوئی صرف رات کے اعتکاف کی نذر مانے گا تو اس کی یہ نذر درست نہیں ہوگی اگرچہ وہ اس کے ساتھ دن کی بھی نیت کرے مگر زبان سے نہ کہے، صرف رات کے اعتکاف کی نذر اس وجہ سے درست نہیں ہے کہ وہ روزہ کا محل نہیں ہے لیکن اگر زبان سے رات کی نذر کرے اور اس سے وہ اپنی مراد دن رات دونوں کا مجموعہ لے تو یہ درست ہے اور دن دونوں صورتوں کا فرق مخفی نہیں ہے (اور فرق یہ ہے پہلی صورت میں دن کو رات کے تابع قرار دیا گیا ہے تو جب رات میں نذر درست نہیں جو متبوع ہے تو دن جو تابع ہے اس میں بدرجہ اولیٰ درست نہیں ہوگی اور دوسری صورت میں رات کا بول کر چونکہ اس سے دن رات دونوں کا مجموعہ مراد لیا گیا ہے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔)

اس کے برخلاف اگر اس نے نذر میں رات اور دن دونوں کہا ہے تو اعتکاف کی یہ نذر درست ہوگی گو رات روزے کا محل نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں رات تبعاً داخل ہوگی۔

چونکہ اعتکاف میں روزہ پایا جاتا ہے اس لئے اس کی شرط لگا دی گئی ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ روزہ مخصوص طور پر اعتکاف کیلئے ہی ہو (جیسے نماز کیلئے وضو کا ہونا شرط ہے مگر یہ شرط نہیں ہے کہ وہ وضو مخصوص طور پر نماز کیلئے ہی کیا گیا ہو) چنانچہ کسی نے اگر رمضان کے اعتکاف کی نذر کی تو اس پر اعتکاف لازم ہوگا اور رمضان کا روزہ اس اعتکاف کے روزہ کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔

لكن قوله الو صام تطوعا ثم نذر اعتكاف ذلك اليوم لم يصح لا نعقاده من اوله تطوعا فتعذر جعله واجبا وان لم يعتكف رمضان المعين قضى شهر اغيره بصوم مقصود لعود شرطه الى الكمال الاصلي فلم يجز في رمضان اخر ولافي واجب سوى قضاء رمضان الاول لانه خلف عنه و تحقيقه في الاصول في بحث الامر واقله نفلا ساعة من ليل او نهار عند محمد وهو ظاهرالرواية عن الامام لبناء النفل على المسامحة وبه يفتي والساعة في عرف الفقها ء جز من الزمان لا جزء من اربعة و عشرين كما يقوله المنجمون كذافي غرر الاذكار وغيره فلو شرع في نفله ثم قطعه لايلزمه قضاؤه لانه لا يشترط له الصوم على الظاهر من لمذهب ومافي بعض المعتبرات انه يلزم بالشروع مفرع على الضعيف قاله المصنف وغيره وحرم عليه اى على المعتكف اعتكافا واجبا اما النفل فله الخروج لانه منه له لا مبطل كما مر

نفل روزہ کے دن اعتکاف

فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کسی نے نفل روزہ رکھا تھا پھر اس نے اسی دن کے اعتکاف کی نذر مان لی تو یہ اعتکاف صحیح نہیں ہوگا کیونکہ یہ روزہ جس کو شروع کر چکا ہے نفل ہے اب اس نفل کو واجب کس طرح بنایا جا سکتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ دن بھر کا اعتکاف پورا نہیں ہو سکے گا جو

واجب اعتکاف کی کم سے کم مقدار ہے۔
اگر کسی نے نذر معین کا اعتکاف رمضان کے مہینے میں ادا نہیں کیا تو وہ اب دوسرے مہینہ میں اس کی قضا کرے گا اور اس کے لئے خصوصی طور پر الگ سے روزہ رکھے گا (یعنی اس نے کسی معین مہینے میں اعتکاف کا التزام کیا تھا مگر اس مہینے میں نہیں رکھ سکا تو اب اس کا فرض ہے کہ اس کی تلافی دوسرے ماہ میں کرے۔
یہ اعتکاف اس کے لئے نہ دوسرے رمضان میں جائز ہے اور نہ کسی دوسرے واجب روزہ کے دنوں میں البتہ اگر رمضان کا اعتکاف کسی وجہ سے قضا ہو گیا ہے تو اس کی قضا دوسرے رمضان میں کرے گا۔

نفل اعتکاف کیلئے وقت کی تحدید

نفل اعتکاف کی کم سے کم مدت ایک ساعت ہے خواہ یہ دن میں ہو، خواہ رات میں امام محمدؒ کا مسلک یہی ہے اور امام اعظمؒ سے ظاہر الروایت بھی یہی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نفل کی بنیاد سہولت پر ہے چنانچہ اسی قول پر فتویٰ بھی ہے چنانچہ سب کو معلوم ہے کہ جو چیزیں فرض و واجب میں جائز نہیں ہوتی ہیں نفل میں جائز ہوتی ہیں جیسے نفل نماز میں کھڑا ہونا باوجود قدرت بھی ضروری نہیں ہے اور فرض و واجب میں ضروری ہے ساعت کی مراد فقہاء کے یہاں کم سے کم وقت ہے منجموں نے دن رات کو چوبیس گھنٹوں میں تقسیم کر رکھا ہے اور وہ اس کے اس چوبیسویں حصہ کو ایک ساعت کہتے ہیں یہاں ساعت سے یہ اصطلاح مراد نہیں ہے، یہ غرار الاذکار میں مذکور ہے۔

نفل اعتکاف شروع کرنے سے واجب نہیں ہوتا

چنانچہ اگر کوئی نفل اعتکاف شروع کر کے پھر اس کو توڑ دے تو اس کی وجہ سے اس اعتکاف کی قضا اس کے ذمہ لازم نہیں ہوگی کیونکہ نفل اعتکاف کیلئے روزہ شرط نہیں ہے صحیح مذہب یہی ہے اور یہ جو بعض کتابوں میں مذکور ہے نفل اعتکاف شروع کرنے اور پھر توڑنے سے واجب ہو جاتا ہے اس کی بنیاد ضعیف قول پر ہے مصنف نے اس کو ذکر کر دیا ہے اور وہ ضعیف قول حضرت حسنؒ کی روایت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اعتکاف کی کم سے کم مدت ایک یوم ہے۔

الخروج الالحاجة الانسان طبيعة كبول و غائط وغسل لواحتلم ولا يمكنه الاغتسال في المسجد كذافي النهر او شرعية كعد و اذان لو مؤذنا وباب المنارة خارج والجمعة وقت الزوال و من بعد منزله اى معتكفه خرج في وقت يدركها مع سنتها يحكم في ذلك رأيه ويسن بعدها اربعا اوستا على الخلاف لومكث اكثر لم يفسد لا نه محل له وكره تنزيها لمخالفة ما التزمه بلا ضرورة فلو خرج ولو ناسيا ساعة زمانيه لا رملية كما مر بلا عذر فسد فيقضيه الا اذا افسده بالردة واعتبرا اكثر النهار قالوا وهو الا ستحسان وبحث فيه الكمال. وان خرج بعذر يغلب وقوعه وهو ما مر لا غير لا يفسد وامام لا يغلب كانجاء غريق وانهدام مسجد فمسقط للاثم لا للبطلان والا لكان النسيان اولى بعدم الفساد كما حققه الكمال خلافا لما فصل الزيلعي وغيره لكن في النهر وغيره جعل عدم الفساد لانهدامه وبطلان جماعته واخراجه كرها استحسانا وفي التاتارخانية عن الحجة لو شرط وقت النذر ان يخرج لعيادة مريض وصلوة جنازة و حضور مجلس علم جاز ذلك فليحفظ.

مسجد سے نکلنا جس شخص نے واجب اعتکاف کر رکھا ہے اس کا مسجد سے (بلا وجہ) نکلنا حرام ہے البتہ نفل اعتکاف میں مسجد سے نکلنا درست ہے کیونکہ بلا وجہ مسجد سے نکلنے سے نفل اعتکاف ختم تو ہو جاتا ہے اس فعل سے وہ باطل نہیں ہوتا جیسا کہ گذرا کہ نفل اعتکاف کی کوئی مدت متعین نہیں ہے کم سے کم وقت میں بھی جائز ہے (واجب اعتکاف کی صورت میں مسجد سے نکلنا اس وجہ سے حرام ہے کہ اس سے ایک ضروری عمل باطل ہو جاتا ہے اور کسی عمل کا باطل کرنا جائز نہیں ہے ارشاد ربانی ہے **ولا تبطلو اعمالکم**)

طبعی ضرورت معتکف طبعی ضرورت جیسے پیشاب پاخانہ اور جنابت کا غسل ان کے لئے مسجد سے نکل سکتا ہے جب اس کے لئے مسجد میں غسل کرنا ممکن نہ ہو، یعنی اگر وہ غسل جنابت مسجد میں اس طرح کر سکتا ہے کہ مسجد ملوث نہ ہو تو اسی کے اندر غسل کرنے میں مضائقہ نہیں اور اگر جنابت والا پانی مسجد میں گرتا ہو تو اس کو مسجد میں نہانے کی اجازت نہیں ہوگی کیونکہ مسجد کی صفائی اور اسے پاک رکھنا واجب ہے۔

شرعی ضرورت اسی طرح معتکف شرعی ضرورت کے لئے بھی نکل سکتا ہے جیسے عید و جمعہ کی نماز کے لئے اگر وہ مؤذن ہے تو اذان دینے کیلئے جبکہ اذان کا منارہ مسجد سے باہر ہو جمعہ کے لئے آفتاب کے ڈھلنے کے بعد نکلے گا، لیکن اگر جامع مسجد دور ہو تو وہ ایسے وقت نکلے گا کہ وہ جامع مسجد پہونچ کر مع سنتوں کے نماز جمعہ ادا کر سکے اس معاملہ میں وہ خود اپنے اندازہ پر فیصلہ کرے (اور جب پہلے کی سنت پانے کی صراحت ہے تو اس میں خطبہ بھی آجاتا ہے یعنی اس کے پانے کا بھی وہ لحاظ رکھے گا) اور فرض جمعہ پڑھ کر اس کے بعد چار یا چھ رکعت سنت پڑھ سکے، اور اگر اس سے زیادہ ٹھہر جائیگا تو اس سے اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ جامع مسجد بھی محل اعتکاف ہیں البتہ وہاں زیادہ ٹھہرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ اور اس کراہت کیوجہ یہ ہے کہ اس نے جس کا التزام کیا تھا اس کی بلا ضرورت مخالفت کی (اشارہ اس طرف کیا گیا ہے کہ گھر اور مسجد میں ٹھہرنے میں فرق ہے گھر میں ٹھہرنے سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے مگر مسجد میں ٹھہرنے سے باطل نہیں ہوتا۔)

اعتکاف کی قضا اگر معتکف بلا عذر تھوڑی دیر کے لئے بھی نکلے گا خواہ بھول کر ہی کیوں نہ ہو، اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور اسے اس کی قضا کرنا ہوگی (اگر وہ اعتکاف واجب ہے جیسے نذر وغیرہ کا تو اس کی قضا میں روزہ بھی رکھا ہوگا) لیکن اگر اس نے اعتکاف کو بذریعہ ارتداد فاسد کیا ہے یعنی اس کے مرتد ہو جانے کی وجہ سے فاسد ہوا ہے تو اسکی قضا نہیں ہے۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے اعتکاف کی حالت میں نکلنے میں دن کے اکثر حصہ کا اعتبار کیا ہے اور علماء نے اسی قول کو مستحسن کہا ہے (کیونکہ تھوڑی دیر کے لئے نکلنا عموماً ضرورت کے لئے ہی ہوتا ہے مگر کمال نے صاحبین کے اس قول پر بحث کی ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے صاحبین کا قول مستحسن نہیں ہے بلا ضرورت خواہ تھوڑی دیر کے لئے ہو یا زیادہ دیر کے لئے دونوں برابر ہے۔

اعتکاف کا فاسد ہونا اگر وہ ان عذروں کیوجہ سے نکلا جو عموماً پیش آتے رہتے ہیں خواہ طبعی (پیشاب پاخانہ ہو) خواہ شرعی (نماز جمعہ وغیرہ کے لئے) جیسا کہ گذر چکا تو اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا البتہ اگر وہ عذر جو عموماً پیش نہیں آتے جیسے ڈوبتے ہوئے کو بچانا، مسجد کا مسمار ہونا یہ گناہ کو ساقط کرتا ہے بطلان کو ساقط نہیں کرتا یعنی گناہ تو نہیں ہوگا مگر اعتکاف جاتا رہے گا زیلعی وغیرہ نے جو تفصیل دی ہے وہ اس کے خلاف ہے۔

(زیلعی نے اس کو مفسدات میں شمار کیا ہے اور مفسدات کی تفصیل میں مریض کی عیادت کیلئے نکلنا جنازہ کی نماز کے لئے نکلنا ڈوبتے کو بچانے کے لئے نکلنا، آگ بجھانے کے لئے نکلنا جہاد کے اعلان پر نکلنا سب کو داخل کیا ہے البتہ مسجد گرنے کیوقت

نکل کر دوسری مسجد میں جانے کو مفسد نہیں کہا ہے، اسی طرح اگر کسی ظالم نے زبردستی نکالدیا، یا اپنی جان ومال کے خوف سے خود نکلا تو یہ مفسد اعتکاف نہیں ہے۔)

لیکن نہر وغیرہ میں ہے کہ اگر مسجد گر جائے یا جماعت باطل ہو جائے یا کوئی شخص زبردستی نکال دے تو اعتکاف فاسد نہیں ہوتا ہے دلیل استحسان کا تقاضہ یہی ہے۔ اور تتارخانیہ میں حجتہ نامی کتاب سے نقل کیا ہے کہ معتکف نے اگر اعتکاف میں بیٹھتے وقت یہ شرط کر لیا ہے کہ وہ نذر کیوقت اور مریض کی عیادت اور نماز جنازہ اور مجلس علم میں حاضر ہونے کے لئے نکلے گا تو اس کی یہ شرط جائز ہے اور اعتکاف درست ہوگا (ماحصل یہ ہے کہ جو چیز عموماً پیش نہیں آتی ہے وہ شرط کرنے سے مستثنیٰ ہو سکتی ہے۔)

ورخص المعتکف باکل وشرب نوم و عقد احتاج الیه لنفسه او عیاله فلو لتجارة کره کبیع ونکاح ورجعة فلو خرج لاجلها فسد لعدم الضرورة وکره ای تحریما لانها محل اطلاقهم بحر احضار مبیع فیه کما کره فیه مبایعة غیر المعتکف مطلقا للنهی وکذا اکله ونومه لا لغریب اشباه وقد قدمناه قبیل الوتر لکن قال ابن کمال لا یکره الاکل والشرب والنوم فیه مطلقا ونحوه فی المجتبی و یکره تحریما صمت ان اعتقده قربة والا لا لحدیث من صمت نجا ویجب ای الصمت کما فی غرر الاذکار عن شر لحدیث رحم الله امرا تکلم فغنم اوسکت فسلم وتکلم الا بخیر وهو مالا ثم فیه و منه المباح عند الحاجة الیه لا عند عدمها وهو محمل مافی الفتح انه مکروه فی المسجد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب کما حققه فی النهر کقرأة قرآن وحدیث وعلم و تدریس فی سیر الرسول علیه السلام وقصص الانبیاء علیهم السلام و حکایات الصالحین وکتابة امور الدین وبطل بوطء فی فرج انزل ام لا ولو کان وطوءه خارج المسجد لیلا اونهار عامدا اوناسیا فی الاصح لان حالته مذکرة.

معتکف کے لئے اجازت

معتکف کے لئے خصوصی طور پر مسجد میں کھانے پینے، سونے اور ان معاملات کے کرنے کی اجازت ہے جن کی اس کو اپنی ذات یا اپنے بال بچوں کے لئے ضرورت ہے لیکن تجارت کا معاملہ کرنا اس کے لئے مکروہ ہے گو سامان مسجد میں نہ لائے، اور اسی کراہت میں جیسے بیچنا نکاح کرنا رجعت کرنا داخل ہے اگر وہ ان امور کے لئے مسجد سے باہر نکلے گا تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ ان کاموں کیلئے اس کو نکلنے کی اجازت نہیں ہے،

معتکف کیلئے سامان بیع کا مسجد میں حاضر کرنا مکروہ ہے اور یہ مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ مسجد میں غیر معتکف کیلئے بیچنا خریدنا مطلقاً مکروہ ہے کیونکہ مسجد میں ان کاموں سے روکا گیا ہے، اسی طرح غیر معتکف کیلئے مسجد میں کھانا اور سونا بھی مکروہ ہے سوائے اس صورت کے کہ وہ مسافر ہو لیکن ابن کمال کہتے ہیں کہ غیر معتکف کیلئے بھی مسجد میں کھانا پینا اور سونا مطلقاً مکروہ نہیں ہے۔

خاموشی اختیار کرنا

خاموشی کو عبادت سمجھ کر اعتکاف کی حالت میں چپ چاپ رہنا مکروہ تحریمی ہے ہاں اگر اعتقاد نہ ہو صرف اس حدیث کی وجہ سے خاموش بیٹھا کہ جس نے خاموشی اختیار کی اس نے نجات پائی تو کوئی مضائقہ نہیں البتہ بری باتوں اور دنیاوی جھگڑوں سے خاموشی اختیار کرنا واجب ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے کہ جب وہ بولے تو غنیمت حاصل کرے اور چپ رہے تو سلامتی پائے، اعتکاف میں بکواس کرنا مکروہ ہے

ہاں بھلی بات کرنا جس میں گناہ نہیں ہے کوئی حرج نہیں جس گفتگو میں گناہ نہیں ہے وہ کلام مباح میں داخل ہے جب اس کی ضرورت ہو کر سکتا ہے یوں گفتگو سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ دنیاوی بلا ضرورت باتیں نیکیوں کو اس طرح کھاجاتی ہیں جیسے آگ لکڑی کو جلا ڈالتی ہے۔

کلام خیر کی اجازت

کلام خیر جس کی مسجد میں اجازت ہے یہ چیزیں داخل میں جیسے قرآن پڑھنا علم حدیث وفقہ اور اسبقاق پڑھنا پڑھانا سیرت رسول بیان کرنا اور اس کی لوگوں کو تعلیم دینا انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے اور صالحین کے واقعات بیان کرنا دینی باتوں کا قلم بند کرنا۔

وبطل بانزال بقبلة اولمس او تفخيذ ولو لم ينزل لم يبطل وان حرم الكل لعدم الحرج و لا يبطل بانزال فكر اونظر ولا بسكر ليلا ولا ياكل ناسيا لبقاء الصوم بخلاف اكله عمدا و ردته و كذا اغمائه و جنونه ان داما اياما فان دام نه سنة قضاه استحسانا ولزمه الليالي بنذره بلسانه اعتكف ايام ولاء اى متتابعة وان لم يشترط القتابع كعكسة لان ذكر احد العددين بلفظ الجمع و كذا التثنبة يتناول الاخر.

وہ افعال جن سے اعتکاف باطل ہوتا ہے

اعتکاف وطی کرنے سے باطل ہو جاتا ہے جبکہ وہ اگلے پچھلے حصہ میں ہو، خواہ انزال ہو یا نہ ہو، اور اگرچہ یہ وطی کرنا مسجد سے باہر رات میں ہو، یا دن میں قصداً ہو یا بھول کر صحیح تر روایت یہی ہے کیونکہ اعتکاف کی حالت خود یاد دلانے والی ہے (قرآن پاک میں صراحت ہے کہ وَلاَ تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ یعنی جب تم حالت اعتکاف میں مسجد کے اندر قیام پذیر ہو تو عورتوں سے صحبت نہ کرو۔)

اسی طرح اعتکاف بوسہ لینے اور چھونے سے اس وقت باطل ہوتا ہے جب انزال ہو جائے، اسی طرح ران میں عضو تناسل دینے سے انزال ہو جائے تو اس سے بھی اعتکاف باطل ہو جاتا ہے (کیونکہ انزال ہو جانے کی صورت میں یہ فعل جماع کے قائم مقام قرار پاتا ہے) لیکن اگر ان حرکتوں سے انزال نہ ہو تو اعتکاف باطل نہیں ہوگا اس طرح تمام حرکتیں اعتکاف کی حالت میں حرام ہیں (اور ان سے بچنا ضروری ہے)

جن کاموں سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا

لیکن اگر انزال افکار کے دباؤ یا کسی کو دیکھنے سے ہو جائے تو اس سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا ہے، اسی طرح اگر رات میں مدہوشی کے عالم میں انزال ہو جائے تو اس سے بھی اعتکاف باطل نہیں ہوتا ہے۔

اعتکاف کی حالت میں بھول کر کھالینے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا کیونکہ اس کے باوجود روزہ باقی رہتا ہے، ہاں قصداً کھالینے اور مرتد ہو جانے سے اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

اس سلسلہ میں قاعدہ یہ ہے کہ اعتکاف کی وجہ سے جو چیزیں ممنوع ہیں خواہ وہ بھول کر ہوں خواہ قصد اور ارادہ سے خواہ دن میں ہوں خواہ رات میں کچھ فرق نہیں پڑتا جیسے مسجد سے نکلنا اور جماع کرانے کی ممانعت اعتکاف کی وجہ سے ہے اور جو چیزیں روزہ کی وجہ سے اعتکاف میں ممنوع ہیں تو ان کے اندر بھول کر اور قصداً اور رات دن میں فرق ہے جیسے کھانا پینا پہلی صورت میں ہر حالت میں اعتکاف فاسد ہو جائے گا یعنی جب بھی جماع ہوگا، یا مسجد سے نکلنا اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور دوسری صورت میں بھول کر ہونے میں فاسد نہیں ہوگا اسی طرح رات میں بھی ہونے سے فاسد نہیں ہوگا البتہ جان کر کوئی ایسا کرے گا یا دن

میں تو فاسد ہو جائے گا۔ مثلاً بھول کر کھاپی لیا یا رات میں کھایا پیا تو اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہو گا۔

جنون و بے ہوشی اسی طرح جنون اور بے ہوشی سے بھی اعتکاف فاسد نہیں ہوتا، اگر چہ چند دن کے لئے پایا گیا ہے ہاں اگر سال بھر تک جنون رہ گیا تو استحساناً اعتکاف کی قضا کرے گا (قیاس چاہتا ہے کہ قضا نہیں ہونی چاہئے جیسا کہ روزہ میں حکم ہے اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ رمضان کے روزہ میں جنون کی وجہ سے اس لئے روزہ ساقط ہو جاتا ہے اور قضا لازم نہیں کہ رمضان ہر سال آتا ہے اس میں قضا کی صورت میں حرج واقع ہو گا اور اعتکاف میں یہ بات پائی نہیں جاتی ہے لہٰذا قضا ہو گی)

چند دن کی نذر اگر کوئی اپنی زبان سے چند دنوں کیلئے اعتکاف کی نذر مسلسل مانے تو اس پر ان کی راتوں میں بھی مسلسل اعتکاف لازم ہو گا گو اس نے لگاتار کی قید نہ لگائی ہو جیسا کہ اس کے برعکس ہونے کی (صورت میں یعنی راتوں میں اعتکاف کی نذر مانے گا تو دن میں بھی لازم ہوں گے کیونکہ دونوں میں کسی ایک کا ذکر جب جمع یا تثنیہ کے لفظ کے ساتھ ہو گا دوسرے کو بھی شامل ہو گا عرف اور عادت یہی ہے لہٰذا اس عرف کا اثر پڑیگا مثلاً جب کوئی کہتا ہے کہ فلاں جگہ تین دن رہا تو اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ تین دن رات یا مثلاً قرآن پاک میں حضرت زکریا علیہ السلام کے واقعہ میں ایک جگہ ثلث لیال سویا کا جملہ آیا ہے اور دوسری جگہ یہ "ثلثۃ ایام الا رمذا" ایک جگہ لیالی (راتوں) کو لیا اور دوسری جگہ ایام (دنوں) کو اور یہ دونوں ایک ہی واقعہ کی تعبیر ہے اور دونوں جگہ دن رات دونوں ہی مراد ہیں اور جمع عام ہے کہ صراحتاً ایام و لیالی کہا جائے خواہ ضمناً جیسے ثلثین یوماً کہنا اور جب تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے تو طرفین کے نزدیک دو دن رات کا روزہ لازم ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس میں پہلی رات داخل نہیں ہو گی)

فلو نوى في نذر الايام النهر خاصة صحت نيته لنيته الحقيقة وان نوى بها اى بالايام الليالى لا بل يلزمه كلاهما كما لو نذر اعتكاف شهر و نوى النهر خاصة او نوى عكسة اى الليل خاصة: فانه لا تصح نيته لان الشهر اسم لمقدر يشمل الايام والليالى فلا يحتمل مادونه الا ان ليستثني الليالى فيختص بالنهر ولو استثنى الايام صح ولاشئى عليه لما مر.

ایام کی نذر لہٰذا اگر کسی نے چند دنوں کی نذر میں ایام سے صرف خاص دن والے حصہ کی نیت رات کی نیت نہیں کی ہے تو اس کی یہ نیت درست ہو گی کیونکہ اس نے حقیقت لغوی کی نیت کی (گو عرف عام میں یوم دن رات کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے مگر اس نے اس کی نیت نہیں کی اور اس صورت میں اس کے ذمہ صرف دن کے وقت کا اعتکاف لازم ہو گا جس میں رات داخل نہیں ہو گی طلوع فجر سے پہلے مسجد میں داخل ہو گا اور آفتاب غروب ہونے کے بعد نکل آئے گا۔)

اور اگر اس نے ایام بول کر صرف رات کی نیت کی تو اس کی یہ نیت صحیح نہیں ہو گی بلکہ اعتکاف دن رات دونوں میں لازم ہوں گے جیسے کہ کوئی ایک ماہ کے اعتکاف کی نذر مانے اور وہ صرف دنوں کے اعتکاف کی نیت کرے یا مہینہ بول کر صرف رات کی نیت کرے تو ان صورتوں میں اس کی نیت صحیح نہیں ہوتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مہینہ ایک متعین مقدار کا نام ہے جو دن رات دونوں کو شامل ہوتا ہے لہٰذا اس سے کم مراد لینا درست نہیں ہو سکتا ہے۔

ہاں اگر وہ رات کا سرے سے استثنا کر دے تو اس صورت میں صرف دنوں کا اعتکاف اس کے ذمہ ہو گا اور اگر دنوں کا استثنا کیا

تو یہ بھی صحیح ہوگا اور اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے جہاں بتایا گیا ہے کہ رات روزہ کا محل نہیں ہے لہٰذا صرف راتوں کے اعتکاف کی نذر درست نہیں ہوتی ہے۔

واعلم ان الليالي تابعة للايام الا ليلة عرفة وليالي النحر فتتبع للنهر الماضية رفقا بالناس كمافي اضحية الولو الجية هذا وليلة القدردائرة في رمضان اتفاقا الا انها تتقدم وتتأخر خلافا لهما وثمرته فيمن قال بعد ليلة منه انت حر او انت طالق ليلة القدر فعنده لا يقع حتى ينسلخ شهر رمضان الأتي لجواز كونها في الاول في الاولىٰ وفي الأتي في الاخيرة وقالا يقع اذا مضى تلك الليلة في اللاتي ولاخلاف انه لو قال قبل دخول رمضان وقع بمضيه قال في المحيط والفتوى على قول الامام لكن قيده بكون الحالف فقيها يعرف الاختلاف والا فهي ليلة السابع والعشرين والله اعلم.

راتیں چند دنوں کے علاوہ آنے والے دنوں کے تابع ہوتی ہیں

واضح رہے کہ راتیں آنے والے دنوں کے تابع ہوتی ہیں البتہ عرفہ اور قربانی کے دنوں کی راتیں آنے والے دنوں کی تابع نہیں ہوتیں بلکہ وہ گذرے ہوئے دنوں کے تابع ہوتی ہیں اور یہ لوگوں کی سہولت کے پیش نظر ہے جیسا کہ ولوالجیہ کی کتاب الاضحیہ میں اس کی صراحت موجود ہے اسے یاد رکھنا چاہئے۔ (گویا ان چار راتوں کو چھوڑ کر بقیہ سال بھر کی تمام راتیں آنے والے دنوں کے تابع ہوتی ہیں چنانچہ رمضان میں پہلے تراویح ہوتی ہے پھر روزہ اور رمضان کا چاند نظر آتے ہی تراویح بند ہو جاتی ہے اس قاعدہ کے مطابق جب کوئی نذر میں دو دن یا زیادہ کی نذر کرے تو اس کو چاہئے کہ آفتاب غروب ہونے سے پہلے مسجد میں چلا جائے۔ اور دن پورا کر کے آفتاب کے غروب ہوتے ہی نکل آئے اور عرفہ کی رات یوم الترویہ) ۸ر ذی الحجہ) کے تابع ہے اور قربانی ۱۰ر ذی الحجہ کی رات عرفہ ۹ر ذی الحجہ کے تابع ہے اسی طرح ۱۱ر ۱۲ر کی لیکن بارہویں ذی الحجہ کی تاریخ کے بعد کی رات ماقبل کے تابع نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ تیرہوں کی رات میں امام اعظمؒ کے نزدیک قربانی جائز نہیں ہے اور گیارہوں اور بارہویں کی رات میں قربانی جائز ہے)

شب قدر

شب قدر پورے رمضان المبارک میں دائر ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک آگے پیچھے ہوتی رہتی ہے البتہ صاحبین کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوتا ہے بلکہ تاریخ معین ہے۔

ائمہ کے اختلاف کا ثمرہ

اس اختلاف کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ کسی شخص نے رمضان کی پہلی تاریخ گذر جانے کے بعد اپنے غلام سے کہا کہ تو لیلۃ القدر (شب قدر) میں آزاد ہے یا اپنی بیوی سے کہا کہ تجھ کو شب قدر میں طلاق ہے، اس صورت میں امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ جب تک آنے والا دوسرا رمضان ختم نہ ہو جائے غلام آزاد نہیں ہوگا اسی طرح بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ جس رمضان میں اس نے یہ جملہ کہا ہے کہ اس کی شب قدر پہلی تاریخ کی رات میں گذر چکی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے رمضان کی شب قدر اس رمضان کی بالکل اخیر تاریخ میں واقع ہو۔

اور صاحبین کہتے ہیں کہ پہلے رمضان کی جس تاریخ میں کہا تھا جب وہی تاریخ دوسرے رمضان میں آ کر گذر جائے گی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور غلام آزاد ہو جائے گا البتہ اگر اس نے یہ جملے رمضان کے شروع ہونے سے پہلے کہے تھے تو اسی پہلے

رمضان کے گذرنے کے ساتھ غلام ہو جائے گا اور بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، محیط نامی کتاب میں صراحت ہے کہ فتویٰ امام اعظمؒ کے قول پر ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ جب یہ جملے کہنے والا فقیہ ہو اور اختلاف کا علم رکھتا ہو، اور اگر وہ شخص عوام میں سے ہے تو اس کے لئے شب قدر ستائیسویں رمضان ہے (کیونکہ عام طور پر یہی مشہور ہے کہ ۲۷ رمضان کو شب قدر ہوتی ہے بہت سے علماء نے بھی یہی کہا ہے کہ اور بہت سی احادیث بھی اس سلسلہ میں آئی ہیں امام صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ جن احادیث میں شب قدر کے بائیسویں تاریخ میں ہونے کا ذکر ہے وہ سب اس سال کی حدیث ہے جس سال شب قدر ستائیسویں رمضان میں ہوئی تھی۔

امام اعظمؒ کا ایک قول یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ شب قدر پورے سال میں دائر ہے کبھی رمضان میں ہوئی ہے اور کبھی غیر مہینے میں فتوحات مکیہ میں ابن عربی نے بھی لکھا ہے کہ شب قدر کو کبھی شعبان میں دیکھا کبھی ربیع الاول میں اور اکثر و بیشتر رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں ایک بار درمیانی عشرہ میں بھی شب قدر کو دیکھا پھر یہ کبھی جفت راتوں میں ہوتی ہے اور کبھی طاق میں انتہی۔ اس باب میں علماء کے چھیالیس اقوال نقل کیے گئے ہیں)

الحمدللہ آج مورخہ ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ تک
مترجم اس حد تک پہونچا (ظفیر)

كتاب الحج

هو بفتح الحاء و كسر ها لغة القصد الى معظم لا مطلق القصد كما ظنه بعضهم وشرعا زيارة اى طواف ووقوف مكان مخصوص اى الكعبة وعرفة في زمن مخصوص في الطواف من طلوع فجر النحر الى آخرالعمر وفي الوقوف من زوال شمس عرفة لفجر النحر بفعل مخصوص بان يكون محرما نبية الحج سابقا كما سيجئى لم يقل لا داء ركن من اركان الذين ليعم حج النفل فرض سنة تسع و انما اخره عليه الصلوة والسلام العشر لعذر مع علمه بيقاء حيوته ليكمل التبليغ مرة لان سببه البيت وهو واحد و الزيادة تطوع وقد يجب كما اذا جاوز اليقات بلا احرام فانه كما سيجئى يجب عليه احد النسكين فان اختار الحج اتصف بالوجوب وقد يتصف بالحرمة كالحج بمال حرام و بالكراهة كالحج بلا اذن من يجب استيدا وفي النوازل لوكان الابن صبيحا فللاب منعه حتى يلتحى على الفور في العام الاول عند الثاني واصح الروايتين عن الامام ومالك واحمد فيفسق وتر د شها دته بتا خيره اى سنينا لان تاخيره صغيرة وبارتكابه مرة لا يفسق الا بالاصرار بحر ووجهه ان الفورية ظنية لا ن دليل الا حتياط ظني ولذا اجمعوا انه لوتراخى كا ن اداء وان اثم بموته قبله وقالو ا لو لم يحج حتى تلف ماله وسعه ان يستقرض ويحج ولو غير فادر على وفائه وير جى ان لا يؤاخذه الله بذلك اى لو نا ويا و فائه اذا قدر كما قيده في الظهيرية على مسلم لان الكافر غيرمخاطب بفروع الايمان في حق لاداء وقد حققنا ه فيما علقنا ه على المنار

کتاب الحج

زکوۃ اور صوم کے احکام و مسائل بیان کرنے کے بعد حج کے احکام و مسائل کی تفصیل شروع کی جارہی ہے کیونکہ حج مالی اور بدنی دونوں عبادتوں سے مرکب ہے "حج" لغت میں حا کے کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ نقل کیا گیا ہے عرب میں عظیم الشان چیز کے ارادہ کو حج کہتے ہیں مطلقا ارادہ کے معنی میں نہیں آتا ہے جیسا کہ بعض علماء نے گمان کیا ہے، اور شرع کی اصطلاح میں خاص جگہ کی مخصوص وقت میں مخصوص افعال کے ساتھ زیارت کرنے کو حج کہتے ہیں۔ زیارت سے مراد طواف اور وقوف ہے اور مکان خاص سے کعبہ مکرمہ اور عرفات اور زمانہ مخصوص طواف کے حق میں طلوع فجر سے لیکر عمر کے اخیر تک ہے اور وقوف عرفہ کا وقت عرفہ کے دن آفتاب ڈھلنے سے قربانی کی فجر تک ہے اور فعل مخصوص یہ ہے کہ حج کی نیت کر کے احرام

بندہ لے اور یہ دونوں طواف اور وقوف سے پہلے ہو۔
اس کا ماحصل یہ ہوا کہ پہلے حج کی نیت کر کے احرام باندھے پھر اوقات مخصوصہ میں وہاں حاضر ہو کر طواف اور وقوف عرفہ ادا کرے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

حج کی فرضیت

حج ہجرت نبویؐ کے نویں سال فرض ہوا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عذر کیوجہ سے دسویں سال تک تاخیر فرمائی اور ۱۰ھ میں حج ادا فرمایا، آپ کو حج فرض ہونے کے وقت آئندہ سال تک اپنے زندہ رہنے کا علم تھا کیونکہ ابھی تبلیغ رسالت کی تکمیل نہیں ہوئی تھی۔
(ہجرت کے نویں سال یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا۔ اس سال سرور کائناتؐ نے اس وجہ سے حج نہیں کیا کہ یہ آیت لیام حج گذر جانے کے بعد نازل ہوئی تھی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کے ساتھ حج کرنا پسند نہیں فرمایا، آپ نے نویں سال حضرت صدیق اکبرؓ اور علی مرتضیٰؓ کو مکہ مکرمہ بھیج کر کافروں کو حج کرنے سے روک دیا دسویں سال آپ نے حاضر ہو کر حج ادا کیا۔)

حج عمر میں صرف ایک بار فرض ہے

حج تمام عمر میں ایک بار فرض ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سبب حج بیت اللہ ہے اور وہ صرف ایک ہے، ایک بار سے زیادہ حج کرنا نفل ہے، (حدیث میں ہے کہ اقرع بن جابسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ! کیا حج کرنا ہر سال فرض ہے یا صرف ایک مرتبہ؟ جواب میں فرمایا صرف ایک بار۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جو ایک بار سے زیادہ حج کرے گا وہ اس کا حج نفل ہوگا۔ حج ارکان خمسہ میں سے ایک اہم رکن ہے اور اس کی فرضیت قرآن احادیث کثیرہ اور اجماع امت سے ثابت ہے اس لئے جو اس کا منکر ہوگا وہ کافر قرار پائے گا اور قدرت کے باوجود جو حج نہ کرے گا وہ فاسق ہوگا۔

حج کے اقسام

حج کبھی واجب بھی ہو جاتا ہے اور اس کی صورت مثلاً یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص بغیر احرام باندھے میقات حج سے آگے بڑھ جائے تو اس پر حج یا عمرہ واجب ہو جائے گا جیسا کہ اس کا ذکر آئندہ آرہا ہے اور اب جب وہ یہ حج کرے گا تو وہ اس کا حج واجب کہا جائے گا۔
اور کبھی حج حرام کہا جاتا ہے جیسے مال حرام سے حج کرنا (خواہ وہ مال حرام چوری، سود غصب یا رشوت وغیرہ کا ہو یا کسی اور طرح کا) اس مال سے جو حج کیا جائے گا وہ حج حرام ہوگا (حدیث میں ہے حج کرنے والا جب مال حلال لے کر نکلتا ہے اور لبیک کہتا ہے تو آسمان سے فرشتہ ندا کرتا ہے تیرا زاد راہ حلال ہے لہٰذا تیرا حج قبول ہے، اور جب مال خبیث لے کر چلتا ہے اور لبیک کہتا ہے تو آسمان سے پکارنے والا پکارتا ہے کہ تیرا مال حرام ہے اور تیرا حج قبول نہیں ہے کذافی الترغیب والترہیب)
اور کبھی حج کو مکروہ کہا جاتا ہے جیسے اس شخص کی اجازت کے بغیر حج کرنا جس کی اجازت حاصل کرنا واجب ہے (اس تفصیل کا ماحصل یہ ہے کہ حج فرض بھی ہوتا ہے اور واجب بھی نفل بھی ہوتا ہے اور مکروہ بھی اور کبھی حرام بھی ہوتا ہے)

بے ڈاڑھی کے لڑکے کو حج سے روکنا

نوازل میں ہے کہ اگر کسی کا لڑکا حسین خوبصورت ہو تو اس کے باپ کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کو حج کرنے سے اس وقت تک روک دے جب تک اس کے ڈاڑھی نہ نکل آئے (بلکہ ایسے نوجوان بے ڈاڑھی کے لڑکے کو باپ سرے سے گھر سے نکلنے سے روک دے تو یہ بھی جائز ہے)

حج کی فرضیت اور اس کی ادائیگی

امام ابویوسفؒ کے نزدیک حج عمر میں صرف ایک مرتبہ فی الفور پہلے سال فرض ہے اور امام اعظمؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ سے صحیح تر روایت بھی یہی ہے (تاخیر احتیاط کے خلاف ہے کیونکہ موت کا حال معلوم نہیں کہ کس وقت آجائے بعض احادیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو حج کا ارادہ کرے اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ جلدی کرے اس وجہ سے کبھی آدمی بیمار پڑجاتا ہے کبھی سامان سفر باقی نہیں رہتا اور امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک حج علی الفور فرض نہیں ہے بلکہ علی التراخی فرض ہے کہ زندگی میں جب سہولت ہو کرلے)

حج کی ادائیگی میں تاخیر

جن کے نزدیک حج کی استطاعت ہوتے فوراً ہی فرض ہو جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی حج ادا کرنے میں چند سال کی تاخیر کرے گا تو وہ فاسق قرار پائے گا اور اس کی گواہی مردود ہوگی اس کی وجہ یہ ہے کہ حج فرض ہو جانے کے باوجود حج کی ادائیگی میں تاخیر گناہ صغیرہ ہے اور اس کے صرف ایک بار کے ارتکاب سے مسلمان فاسق نہیں ہوتا ہے البتہ اس پر اصرار کرنے سے فاسق ہو جاتا ہے کذا فی البحر اور تاخیر کے صغیرہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حج کے فوراً فرض ہونے کی دلیل ظنی ہے کیونکہ احتیاط والی دلیل ظنی ہوتی ہے نہ کہ قطعی اور گناہ کبیرہ دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے ظنی سے نہیں اس وجہ سے فقہاء کا اجماع ہے کہ قدرت کے باوجود اگر چند سال تاخیر کی پھر حج کیا تو یہ حج بھی ادا ہی ہوگا اس کو قضاء نہیں کہا جائے گا لیکن اگر وہ حج ادا کرنے سے پہلے مر گیا تو گنہگار ہوگا۔

فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر صاحب قدرت نے حج نہیں کیا تا آنکہ اس کا مال ضائع ہو گیا یا ہلاک ہو گیا تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ قرض لیکر حج ادا کرے گو اس کو قرض ادا کرنے کی اس وقت قدرت نہ ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے توقع ہے کہ اس سے مواخذہ نہیں فرمائے گا بشرطیکہ اس نے قدرت کیوقت ادا کرنے کی نیت رکھی ہو، چنانچہ فتاویٰ ظہیریہ میں یہی قید لگائی ہے (طحطاوی نے قرتاشی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں قرض لینا لازم ہے۔)

حج کی ادائیگی کے شرائط

حج کی ادائیگی صرف مسلمان پر فرض ہے کیونکہ کافر ایمان کے فروع کے ادا کرنے کا مخاطب نہیں ہے (البتہ احکام کے اعتقاد کے حق میں مخاطب ہے) شارح کہتے ہیں کہ ہم نے اس مسئلہ کو شرح المنار میں تحقیق کے ساتھ درج کردیا ہے (یہاں سے حج کے شرائط کی تفصیل ہے حج کے شرائط تین طرح کے ہوتے ہیں ایک حج کے واجب ہونے کے شرائط دوسرے اس کی ادائیگی کے شرائط تیسرے حج کے صحیح ہونے کے شرائط)

پہلی قسم یعنی شرائط وجوب حج آٹھ ہیں۔ (۱) مسلمان ہونا (۲) عاقل ہونا (۳) بالغ ہونا (۴) آزاد ہونا (۵) وقت حج کا پانا، (۶) راستہ کے اخراجات پر قادر ہونا (۷) سواری کا پایا جانا (۸) حج کے فرض ہونے کا علم۔

ادائیگی حج کی پانچ شرائط ہیں۔ (۱) بدن کا تندرست ہونا (۲) موانع حسیہ کے زوال پر قادر ہونا (۳) راستہ کا پرامن ہونا (۴) عورت کا ایام عدت میں نہ ہونا (۵) اور اس کے ساتھ کسی محرم شوہر وغیرہ کا ہونا۔

حج کی صحت کے لئے چار شرطیں ہیں۔ (۱) احرام حج کا ہونا (۲) ایام حج کا پایا جانا (۳) ان مقامات کا ہونا جہاں حج ہوتا ہے (۴) اور مسلمان ہونا۔

حر مکلف عالم بفرضیته اما بالکون بدارنا او باخبار عدل او مستورین صحیح البدن بصیر غیر محبوس و خائف من سلطان یمنع منه ذی زاد بصح به بدنه فالمعتاد للحم و نحوه اذا قدر علی خبز و جبن لا یعدقادر ا و راحلة مختصة به وهو المسمیٰ بالمقتب وان

قدر والا فتشترد القدر ة على المحارة للآفاقي لا لمكي يستطيع المشي لشبهه بالسعي للجمعة و افدانه لو قدر على غير الراحلة من بعل او حمار لم يجب قال في البحر ولم اره صريحا وانما صرحوا بالكراهة وفي السراجية الحج راكبا افضل منه ماشيا به يفتي والمقتب افضل من المحارة وفي اجارة الخلاصة حمل الحمل مائتا ن واربعون منا والحمار مائة و خمسون فظاهره ان البغل كالحمار.

کن لوگوں پر حج فرض ہے

حج اس آزاد پر فرض ہے جو مکلّف ہو اور اس کی فرضیت کو جانتا ہو اس طرح کہ وہ دار الاسلام میں ہو یا عادل نے بتایا ہو یا ایسے دو شخصوں نے خبر دی ہو جن کا عادل ہونا معلوم نہیں ہے بلکہ پوشیدہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ غلام، لونڈی، نابالغ، پاگل اور بے ہوش پر حج فرض نہیں ہے اور دار الحرب کے اس مسلمان پر بھی حج فرض نہیں ہے جو حج کے فرض ہونے کا سرے سے علم ہی نہ رکھتا ہو۔

جن پر فرض ہے ان کا تندرست ہونا بھی ضروری ہے (لہٰذا جو فالج زدہ ہو یا جس کے دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہوں یا ایسا بیمار اور بڈھا ہو جو سواری پر نہیں بیٹھ سکتا ہو، ان پر حج فرض نہیں ہوگا)

پھر جس پر حج فرض ہے اس کا آنکھ والا ہونا ضروری ہے اور یہ کہ وہ جو قید میں نہ ہو اور نہ اس بادشاہ سے خوفزدہ ہو جو حج سے روکتا ہے (پس معلوم ہوا کہ قیدی اندھے اور بادشاہ سے ڈرنے والے پر حج فرض نہیں)

زادہ اور سواری

اسی طرح جن پر حج فرض ہے ان کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ راستے میں کھانے پینے کا ایسا سامان رکھتے ہوں جو ان کی صحت کیلئے مضر نہیں بلکہ وہ ان کی صحت کے لئے مفید ہوں، لہٰذا جس کو گوشت وغیرہ نفس خوراک کی عادت ہو اور اسکو صرف روٹی اور پنیر مل رہا ہو تو اس کو کھانے پر قادر نہیں سمجھا جائے گا پھر وہ ایسی سواری رکھتا ہو جو اس کیلئے مخصوص ہو اور منزل مقصود تک پہونچا سکتی ہو (آج کل کہا جائیگا کہ کوئی بھی معقول انتظام ہو جس کے ذریعہ وہ مکہ مکرمہ تک امن وعافیت کے ساتھ پہونچ سکے اور وہ اس کے کرایہ ادا کرنے پر قادر ہو)

زادہ راہ اور سواری کی شرط ان لوگوں کیلئے ہے جو مکہ سے دور رہتے ہوں جس کو اصطلاح میں آفاقی کہا جاتا ہے مکہ میں رہنے والوں کیلئے جو عرفات تک چلنے پر قادر ہو اس کی شرط نہیں ہے کیونکہ مکہ سے عرفات تک چلنا نماز جمعہ کے لئے پیدل چلنے کے مشابہ ہے البتہ اگر غایت کمزوری کیوجہ سے نہ چل سکے تو اس کے واسطے بھی سواری کی شرط ہوگی۔

مصنف نے اس قید سے اس طرف اشارہ کیا ہے اگر مکہ تک پہونچنے والی سواری کے سوا دوسری سواری رکھتا ہو جیسے خچر یا گدھا تو اس پر حج واجب نہیں ہوگا بحر الرائق میں لکھا ہے کہ میں نے اس مسئلہ کو صراحتاً کہیں نہیں دیکھا البتہ فقہاء نے حج کے واسطے گدھے اور خچر کی سواری کو مکروہ لکھا ہے گو اس سے کراہت تنزیہی مراد ہے (اب ہمارے اس زمانہ میں اس بحث کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ اب حج کیلئے عموماً ریل گاڑی ہوائی جہاز وغیرہ سے سفر ہوتا ہے مقصد یہ ہے کہ اطمینان بخش سواری کا انتظام ہو)

پیدل حج کرنا

فتاوی سراجیہ میں ہے کہ پیدل چل کر حج کو جانے سے بہتر یہ ہے کہ سوار ہو کر حج کو جائے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پیدل چلنے میں بہت زیادہ مشقت اٹھانا پڑتی ہے جس سے انسان کا مزاج معتدل باقی نہیں رہتا اور اسی پر فتویٰ ہے اسی طرح کاٹھی والے اونٹ پر سوار ہونا محمل پر سوار ہونے سے افضل ہے کہ اس میں فخر و مباہات کا موقع نہیں ہوتا۔

خلاصہ نامی کتاب کے اجارہ والی بحث میں درج ہے کہ اونٹ کا بوجھ دو سو چالیس من ہے اور گدھے کا ایک سو پچاس من اور

خچر کا بوجھ بظاہر گدھے کے برابر ہے (ایک من برابر ۴۰ استار کے ہوتا ہے اور استار ساڑھے چھ دوم کا ہوتا ہے ہندوستانی حساب سے شرعی من ستر تولے کا ہوتا ہے۔

ولو وهب الإب الابنه مالا يحج به لم يجب قبوله لا ن شرائط الوجوب لا يجب تحصيلها و هذا منها باتفاق الفقهاء خلافا للاصوليين فضلا عمالا بدمنه كما مر في الزكوة و منه المسكن و مرمته ولو كبير ايمكنه الا ستغناء ببعضه والحج بالفاضل فانه لا يلزمه بيع الزائدة نعم هو الافضل و علم به عدم لزوم بيع الكل والاكتفاء بسكنى الاجارة بالاولىٰ وكذا لو كان عنده ما لو اشترى به مسكنا وخادما لا يبقى بعده ما يكفي للحجم را يلزمه خلاصة وحور في النهوانه يشترط بقاء راس المال لحرفته ان احتاجت لذلك والا لا وفي الاشباه معه الف و خاف العروبة ان كان قبل خروج اهل بلده فله التزوج ولو وقته لزمه الحج و فضلا عن نفقة عياله ممن تلزمه نفقته لتقدم حق العبد الى حين عوده وقيل بعده بيوم وقيل بشهر مع امن الطريق بغلبة السلامة ولو بالرشوة على ماحققه الكمال وسيجئ آخر الكتاب ان قتل بعض الحجاج عذر و هل مايؤ خذ في الطريق من المكس والخفارة عذرقولان والمعتمد لا كمافي القنية و المجتبى وعليه فيحتسب في الفاضل عمالا بد منه القدرة على المكس و نحو ه كما في مناسك الطرابلسي.

حج کیلئے دوسرے کا عطیہ قبول کرنا

اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کو حج کرنے کے واسطے مال دے تو بیٹے پر اس مال کا قبول کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ حج کے واجب ہونے کے شرائط کا حاصل کرنا انسان پر واجب نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ اخراجات سفر اور سواری کا ہونا حج کے واجب ہونے کے شرائط میں ہے اس میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ سب اس پر متفق ہیں البتہ اصولیین اس کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ حج کی ادائیگی کے واجب ہونے کی شرط ہے۔

ضروریات زندگی کا لحاظ

اس زاد اور راحلہ (اخراجات سفر اور سواری) کا ہونا شرط ہے جو اس شخص کی ضروریات سے فاضل ہو، جیسا کہ کتاب الزکوۃ میں گذر چکا ہے کہ رہنے کا گھر خدمت کا غلام استعمال کا لباس اور گھر کے سامان انسانی ضروریات میں داخل ہیں ان چیزوں کے ہونے سے حج کی استطاعت ثابت نہیں ہوتی ہے۔

انسانی ضروریات میں اس کے رہنے سہنے کا گھر بھی داخل ہے اور اس گھر کی مرمت بھی اگر چہ اسکا گھر اتنا کشادہ اور بڑا ہو کہ اس کے ایک حصہ سے اس کی ضرورت پوری ہو سکتی ہو اور باقی کو بیچ کر حج کر سکتا ہو تو بھی ضرورت سے زیادہ حصہ کا حج میں جانے کیلئے بیچنا لازم ہے زیادہ سے زیادہ ایسا کرنا افضل ہے اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پورا مکان بیچ کر حج کرنا اور کرایہ کے مکان میں رہنا بھی لازم نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کسی کے پاس اس قدر مال ہو کہ وہ اس مال سے اگر گھر اور خادم خرید لے تو پھر اتنا باقی نہ بچ سکے جس سے وہ حج ادا کرنے کے لائق رہ سکے تو اس صورت میں اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اس مال سے حج ہی کرے، کیونکہ یہ مال اس وقت حاجت اصلی میں داخل شمار کیا جائے گا۔

نہر الفائق میں لکھا ہے کہ اہل حرفہ (صنعت و حرفت والے) کے لئے اصلی پونجی کا باقی رہنا شرط ہے، تاکہ وہ اس سے اپنی

صنعت کو باقی رکھ سکے اور بوقت ضرورت اسے استعمال میں لا سکے، البتہ اگر اس کی ضرورت نہیں ہے تو وہ فاضل سمجھا جائے گا۔
الاشباہ میں ہے کہ ایک شخص کے پاس ہزار درہم ہیں اور اس کی شادی نہیں ہوئی ہے اور وہ بغیر بیوی کے رہنے میں گناہ کا خوف رکھتا ہے تو اگر وہ قافلۂ حج کے شہر سے نکلنے سے پہلے ہزار درہم کا مالک ہوا ہے تو اس کو اس رقم سے نکاح کر لینا اور اس میں سے خرچ کرنا درست ہے اور اگر اس وقت ہزار کا مال ہوا ہے جس وقت شہر سے قافلہ حج نکل رہا ہے تو اس پر اس ہزار سے حج کرنا ضروری ہے۔

تا واپسی بال بچوں کا نفقہ

جو مال سفر اور اخراجات سفر کے لئے ضروری ہے اس کیلئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ اس کے بال بچوں کے خرچ سے زیادہ ہو جن کا نان نفقہ اسکے ذمہ لازم و ضروری ہے اس لئے کہ حقوق العباد کا پہلے ادا کرنا ضروری ہے کیونکہ بندہ محتاج ہوتا ہے اور خدا بے نیاز۔
بال بچوں کے اخراجات کا سامان تا واپسی ضروری ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ حج سے واپس ہونے کے بعد بھی ایک دن کا سامان باقی رہنا چاہئے اور بعض دوسرے علماء نے کہا کہ اس کے بعد ایک ماہ کا خرچ رہنا ضروری ہے بال بچوں کے اخراجات کا سامان اعتدال کے ساتھ ہو تا کہ نہ توان کو تنگی پیش آئے اور نہ فضول خرچ راہ پائے۔

راستہ کا پر امن ہونا

اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ حج کا راستہ پر امن ہو یعنی غالب گمان یہ ہو کہ وہ سلامتی کے ساتھ جائے گا اور واپس آجائے گا حج کے واجب ہونے کے لئے راستہ کا پر امن ہونا بھی شرط ہے البتہ معمولی خوف یا وہم کا اعتبار نہیں ہے (خطرہ عموماً زمانہ جنگ میں پیدا ہوتا ہے)
اور خود حکومت اس کے مطابق اعلان کر دیا کرتی ہے راستہ کے امن کے لئے اگر کچھ رشوت بھی دینی پڑے تو کمال کہتے ہیں کہ دیکر حاصل کر لینا چاہئے، اس لئے ظلم کے دفع کیلئے رشوت کا دینا اور اپنا حق حاصل کرنا درست ہے اگر کچھ حجاج راستہ میں قتل ہو جاتے ہوں تو یہ عذر قرار دیا جائے گا اور حج کا سفر روک دیا جائے گا۔
سوال یہ ہے کہ راستہ میں جو ٹیکس چنگی اور بطور راہ داری مال دیا جاتا ہے وہ حج کے ساقط ہونے کیلئے عذر ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں قابل اعتماد قول یہ ہے کہ عذر نہیں ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے لہٰذا اس زائد مال کی قدرت کو بھی ضروریات حج میں شمار کرنا چاہئے مناسک طرابلسی میں اسی طرح مذکور ہے۔

ومع زوج اومحرم ولو عبدااوذميا اوبرضاع بالغ قيدلهما كما في النهر بحثا عاقل والمراهق كبالغ جو هرة غير مجوسي ولا فاسق لعدم حفظهما مع وجوب النفقة لمحرمها عليها لانه محبوس عليها لامراة حرة لو عجوزا في سفر وهل يلزمها التزوج قولانا وليس عبدها بمحرم لها وليس لزوجها منعها عن حجة الاسلام ولو حجت بلا محرم جاز مع الكراهة و مع عدم عدة عليها مطلقا اية عدة كانت ابن ملك والعبرة لو جو بها اى العدة المانعة من سفر ها وقت خروج اهل بلدها وكذا سائر الشروط بحر.

عورت کیلئے محرم کا ساتھ ہونا

عورت کے حج کے لئے اس کے ساتھ شوہر یا کسی محرم کا ہونا شرط ہے، اگرچہ شوہر یا محرم غلام یا ذمی ہی کیوں نہ ہو یا رضاعی ہی کیوں نہ ہو (محرم وہ ہے جس سے اس عورت کا نکاح کبھی درست نہ ہو خواہ نسبی طور پر ایسا ہو، خواہ رضاعت کیوجہ سے یا مصاہرت کیوجہ سے حدیث ہے کہ رسول خدا اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان عورت کے لئے تین منزل یا اس سے زیادہ کا سفر کرنا اس وقت تک درست

نہیں ہے جب تک اس کے ساتھ اس کا باپ یا بھائی یا بیٹا یا شوہر یا کوئی اور محرم نہ ہو)

محرم کے اوصاف اس کے ساتھ ہونے والے شوہر اور محرم کے لئے ضروری ہے کہ وہ بالغ اور عاقل ہوں، جب تک عورت کے ساتھ شوہر یا کوئی محرم جو بالغ وعاقل جانے والا نہ ہوگا عورت پر حج فرض نہیں ہوگا نابالغ اور پاگل محرم اور شوہر کا ساتھ ہونا کافی نہیں ہے البتہ قریب البلوغ اس باب میں بالغ کے حکم میں ہے محرم کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ مجوسی نہ ہو اور اگر مسلمان ہے تو فاسق نہ ہو اس لئے کہ ذمی محرم جو مجوسی اور مسلمان محرم جو فاسق ہے، قابل اعتماد نہیں (یہ واضح رہے کہ مجوسی کے مذہب میں ماں بہن حلال ہے اس لئے اس پر اطمینان کی وجہ نہیں)

وہ محرم جو عورت کے ساتھ حج میں جائے گا، اس کا نفقہ عورت پر واجب ہے کیونکہ وہ اسی کے کام میں جارہا ہے سفر حج میں آزاد عورت کے لئے شوہر یا محرم کا ساتھ ہونا شرط ہے اگر چہ وہ عورت بڈھی ہی کیوں نہ ہو۔

محرم نہ ہونے کی صورت میں شادی ایک سوال یہ ہے کہ جس عورت پر مال ودولت کی وجہ سے حج فرض ہو مگر اس کے لئے کوئی محرم یا شوہر نہ ہو تو کیا اس کے لئے حج کی ادائیگی کے نام پر شادی کر لینا لازم ہے جواب یہ ہے کہ اس میں دو قول ہیں ایک میں نکاح کو لازم کہا گیا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ نکاح کرنا لازم نہیں ہے۔

عورت کا غلام اس کے لئے محرم نہیں بن سکتا ہے گو وہ خصی ہی کیوں نہ ہو، پس معلوم ہوا کہ غلام کے ساتھ عورت کا تین منزل یا زیادہ کا سفر کرنا حرام ہے۔

شوہر کا اختیار شوہر کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کو حج فرض سے روکے بشرطیکہ اس کے ساتھ کوئی محرم ہو، (البتہ حج نفل سے روک دینا درست ہے) اگر کوئی عورت بغیر محرم کو ساتھ کئے ہوئے حج ادا کرلے گی تو کراہت کے ساتھ وہ جائز ہوگا یہاں کراہت تحریمی مراد ہے) عورت کو اسوقت حج ادا کرنا فرض ہوگا جب وہ کسی عدت گذارنے میں گھری ہوئی نہ ہو، خواہ وہ کوئی بھی عدت ہو، عدت طلاق ہو یا عدت وفات۔

عدت جو عورت کے سفر حج کیلئے مانع ہے یہ اسوقت ہے جب اس کے شہر والے نکل رہے ہوں اور عورت عدت گذار رہی ہو یہ ذہن نشین رہے کہ اس طرح کی تمام شرطوں کا اعتبار قافلہء حج کے نکلنے کے وقت کیا گیا ہے اس سے پہلے یا اس کے بعد شرطوں کا پایا جانا قابل اعتبار نہیں، مثلاً ایک شخص حج کے لئے نکلنے سے پہلے اخراجات وسامان سفر پر قادر تھا مگر جب جانے کا وقت آیا تو مفلس ہو گیا یا پھر جب حج کا وقت نکل چکا تھا تب قادر ہوا تو اس سال اس پر حج لازم نہیں ہوگا۔

فلو احرم صبی عاقل اواحرم عنه ابوه صار محرما وینبغی ان یجرده قبله ویلبسه ازار ورداء مبسوط وظاهره ان احرامه عنه مع عقله صحیح فمع عدمه اولی فبلغ او عبد فعتق قبل الوقوف فمضی کل علی احرامه لم یسقط فرضهما لانعقاده نفلا فلوجدد الصبی الاحرام قبل وقوفه بعرفته ونوی حجة الاسلام اجزاه ولوفعل العبد المعتق ذلك التجدید المذکور لم یجزه لانعقاد لازما بخلاف الصبی والکافر والمجنون.

نابالغ کا حج سمجھدار نابالغ نے حج کا احرام باندھا یا اسکی طرف سے اس کے باپ نے احرام باندھا تو ان دونوں صورتوں میں وہ نابالغ محرم ہو جائے گا، اب اس کے باپ کو چاہئے کہ لڑکے کے بدن کے وہ کپڑے اتار دے جو پہلے سے پہنے ہوئے تھا اور اس کو تہبند اور چادر پہنا دے جو محرم پہنتے ہیں ہکذا فی المبسوط۔ مبسوط کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ

جب نابالغ کے عقل و ہوش کے باوجود اس کی طرف سے اس کے باپ کا احرام باندھنا درست ہے تو نابالغ جب بے ہوش ہو یا نافہم تو باپ کا اس کی طرف سے احرام باندھنا بدرجہ اولیٰ درست ہوگا۔

نابالغ کا احرام کے بعد بالغ ہوجانا

اب اگر نابالغ احرام باندھنے کے بعد بالغ ہو گیا یا غلام احرام باندھنے کے بعد آزاد ہو گیا، اور یہ صورت وقوف عرفات سے پہلے پیش آئی اور اس نے پہلے ہی احرام پر حج کے فرائض و واجبات ادا کئے اور بالغ ہونے اور آزاد ہونے کے بعد دوسرا احرام نہیں باندھا تو ان دونوں کے ذمہ سے حج فرض ساقط نہیں ہوگا کیونکہ نابالغی اور غلامی کے وقت ان دونوں کا حج، حج نفل کے حکم میں تھا اور نفل کی نیت سے فرض ادا نہیں ہو سکتا ہے لہٰذا ان دونوں پر اس کے باوجود حج فرض لازم رہا۔

لیکن اگر اس نابالغ نے وقوف عرفہ سے پہلے احرام کی تجدید کرلی اور اس نئے احرام سے حج فرض کی ادائیگی کی نیت کی ہے تو اس کا حج فرض ادا ہو جائے گا (احرام کی تجدید اس طرح ہوگی کہ بالغ ہونے کے بعد اپنے میقات پر پلٹ کر جائے اور وہاں سے دوسرا نیا احرام باندھ کر حج کی نیت کرے)

لیکن اگر آزاد غلام اس طرح نیا احرام باندھے گا تو اس کا فرض حج ادا نہیں ہوگا کیونکہ غلام نے جس وقت حج نفل شروع کر دیا اس پر وہ لازم ہو گا اس کو وہ توڑ نہیں سکتا لیکن لڑکا نابالغ اور پاگل کے حج نفل شروع کرنے سے ان پر یہ حج لازم نہیں آتا لہٰذا ان کو احرام توڑنا جائز ہوگا۔

والحج فرضه ثلثة الاحرام وهو شرط ابتداء وله حكم الركن انتهاء حتى لم يحز لفائت الحج استدا امته ليقضي به من قابل والوقوف بعرفته فى اوانه سميت بهالان ادم وحواء تعارفا فيها ومعظم طواف الزيارة و هما ركنان وواجبه نيف وعشرون وقوف جمع وهو المزدلفة سميت بذلك لان ادم اجتمع بحواء وازدلف اليها اى دنا والسعي وعند الائمة الثلثة هو ركن بين الصفا سمي به لانه جلس عليه ادم صفوة الله والمروة لانه جلس عليها امرأة وهي حواء ولذا انثت ورمي الجمارلكل من حج وطواف الصدراى الوداع للأفاقيغير الحائض والحلق اوالتقصيروانشاء الاحرام من الميقات ومد الوقوف بعرفقة الى الغروب ان وقف نهارا والبداء ة بالطواف من الحجرالاسود على الاشبه لمواظبته عليه الصلوة والسلام وقيل فرض وقيل سنة والتيامن فيه اى الطواف فى الاصح والمشي فيه لمن ليس له عذر يمنعه منه ولونذر طوافا زحفا لزمه ماشيا ولو شرع متنفلا زحفا فمشيه افضل والطهارة فيه من النجاسة الحكمية على المذهب قيل والحقيقة من ثوب وبدون ومكان طواف والاكثر على انه سنه مؤكدة كما فى شرح الباب المناسك وستر العودة فيه وبكشف ربع العضوفاكثر كمافى الصلوة يجب الدم وبدائة السعى بين الصفا والمروة من الصفا ولوبدأ بالمروة لا يعتد بالشوط الاول في الاصح والمشي فيه فى السعى لمن ليس له عذركما مرو ذبح الشاة للقارن والمتمتع وصلوة ركعتين لكل اسبوع من اى طواف كا ن فلو تركها هل عليه دم قيل نعم فيوصى به والترتيب الاتى بيانه بين الرمي والحلق والذبح يوم النحر واما الترتيب بين الطواف وبين الرمى والحق فسنة فلوطاف قبل الرمى والحق

لاشئی علیه ویکره لباب وسیجئی ان المفرد لا ذبح علیه وسنحققه وفعل طواف الافاضة الی الزیارة فی یوم من ایام النحر و من الواجبات کون الطواف وراء الحطیم وکون السعی بعد طواف معتدبه وتوقیت الحلق بالمکان و الزمان وترك المحظور کالجماع بعد الوقوف ولبس المخیط .

حج کے فرائض

حج میں تین فرض ہیں (۱) احرام باندھنا (۲) وقوف عرفہ (۳) اور طواف زیارۃ۔ (اصطلاح میں فرض وہ ہے جس کے ترک سے حج باطل ہو جاتا ہے، اور آئندہ سال اس کی قضالازم ہوتی ہے) احرام باعتبار ابتداء شرط ہے، لہٰذا حج کے مہینوں سے پہلے اس کا باندھنا درست ہوگا جیسے نماز کے لئے وضو ہے کہ نماز کے اوقات داخل ہونے سے پہلے سے بھی وضو کر سکتا ہے اور اس وضو سے نماز ادا کر سکتا ہے، اور انتہاء کے اعتبار سے احرام رکن کے حکم میں ہے، چنانچہ جس شخص کا حج فوت ہو گیا ہے اس کیلئے احرام باندھنے کے بعد اس کا آئندہ سال تک کے لئے باقی رکھنا جائز نہیں ہے تاکہ وہ آئندہ سال اسی احرام سے حج کی قضا کرے گا اور اگر احرام دونوں اعتبار سے شرط ہوتا تو اس کا باقی رکھنا جائز قرار پاتا۔

دوسرا فرض عرفات کے اندر اس کے وقت ٹھہرنا ہے، عرفات کا نام عرفات اس وجہ سے رکھا گیا کہ حضرت آدم اور حوا علیہ السلام دونوں میں یہیں تعارف ہوا تھا یعنی جنت سے دونوں متفرق طور پر اترے تھے پھر مدت کے بعد زمین پر دونوں میدان عرفات میں آکر ملے، اور دونوں نے ایک دوسرے کو پہچانا۔

تیسرا فرض طواف زیارت کا اکثر حصہ ادا کرنا ہے اور وقوف عرفہ اور طواف زیارت دونوں حج کے رکن ہیں لیکن وقوف عرفہ کا درجہ طواف زیارت سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ وقوف عرفہ کے پہلے اگر کوئی محرم جماع کرے تو اس کا حج فاسد ہو جاتا ہے اور طواف زیارت سے پہلے جماع کرنے سے حج فاسد نہیں ہوتا کذا فی العالمگیری۔

حج کے واجبات

حج کے واجبات بیس سے کچھ زیادہ ہیں چنانچہ لوگوں نے پچیس شمار کرائے ہیں (واجب اس کو کہتے ہیں جس کے نزدیک ترک سے حج باطل نہیں ہوتا، بلکہ دم دینا واجب ہوتا ہے) ان واجبات میں ایک واجب مزدلفہ میں ٹھہرنا ہے، مزدلفہ کا نام مزدلفہ اس لئے پڑا کہ آدم علیہ السلام حضرت حوا کے ساتھ وہاں جمع ہوئے اور قریب تر ہوئے دوسرا واجب سعی بین الصفا والمروہ ہے یعنی صفا پہاڑی اور مروہ پہاڑی کے درمیان تیز چلنا بقیہ تینوں ائمہ کے نزدیک سعی کرنا رکن ہے صفا اور مروہ مسجد حرام کے پاس دو پہاڑیاں ہیں صفا اس لئے نام پڑا ہے کہ حضرت آدم صفی اللہ اس پر بیٹھے اور مروہ کا نام مروہ اس لئے ہوا کہ اس پر حضرت حوا بیٹھیں (بعض علماء نے وجہ تسمیہ دوسری طرح بیان کی ہے) تیسرا واجب جمرات ثلثہ پر کنکری مارنا ہے، یہ حج کرنے والے پر ہے خواہ وہ قران کرنے والا خواہ تمتع کرنے والا یا مفرد ہو چوتھا واجب طواف صدر ہے یعنی رخصت ہونے کا طواف ان کیلئے جو باہر سے آئے ہیں سوائے حائضہ عورت کے کیونکہ اس پر طواف صدر واجب نہیں پانچواں واجب بال منڈوانا یا اس کو چھوٹا کرانا ہے، چھٹا واجب میقات سے احرام باندھنا ساتواں واجب یہ ہے کہ وقوف عرفہ کو غروب آفتاب تک دراز کرے اگر اس نے دن میں وقوفہ عرفہ کیا ہے۔

طواف کی ابتداء

آٹھواں واجب طواف کا حجر اسود سے شروع کرنا ہے اشبہ قول یہی ہے کیونکہ سرور کائنات ﷺ نے ہمیشہ ایسا ہی کیا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ حجر اسود سے طواف کا شروع کرنا فرض ہے اور بعضوں نے کہا سنت ہے۔

نواں واجب طواف کا داہنی طرف سے کرنا ہے اور صحیح تر قول یہی ہے (یعنی جب حجر اسود کے مقابل کھڑا ہو تو اپنے دائیں

طرف سے طواف کرے جس طرف ملتزم اور بیت اللہ کا دروازہ ہے دسواں واجب یہ ہے کہ پیدل اپنے پاؤں سے چلے اگر کوئی ایسا مانع عذر نہ ہو جو چلنے سے روکدے اور جس شخص نے کھسک کر طواف کی منت مانی ہے اس کے لئے پیدا چل کر طواف کرنا لازم ہے اور اگر کسی نے نفل طواف کھسک کر شروع کیا تو اس کے لئے بھی پیدل چل کر طواف کرنا افضل ہے۔

نجاست کی پاکی

گیارھواں واجب یہ ہے کہ طواف میں نجاست حکمی سے پاک رہے قوی مذہب یہی ہے اور کمزور قول یہی ہے کہ طواف میں اس کے کپڑے، بدن اور طواف کی جگہ نجاست حقیقی سے پاک ہو اور اکثر علماء کہتے ہیں کہ نجاست حقیقی سے پاکی سنت مؤکدہ ہے واجب نہیں جیسا کہ شرح لباب المناسک میں ہے۔

بارھواں واجب طواف میں شرمگاہ کا چھپانا ہے طواف میں تین چوتھائی عضو یا زیادہ کے کھل جانے سے دم واجب ہوتا ہے یعنی ایک جانور کا ذبح کرنا تیرھواں واجب سعی بین الصفا والمروہ سے اسے کوہ صفا سے شروع کرنا ہوگا اگر مروہ سے کوئی طواف شروع کرے گا تو پہلا چکر شمار نہیں ہوگا قول اصح یہی ہے یعنی پہلی مرتبہ جو مروہ سے صفا تک چلے گا وہ شمار نہ ہوگا اب صفا سے جب مروہ کی طرف چلے گا وہ پہلا شوط (چکر) شمار ہوگا اور چھ کرنے ہوں گے چودھواں واجب جس کو عذر نہ ہو اس کے لئے سعی بین الصفا والمروہ میں پیدل چلنا ہے۔

دم اور دوگانہ

پندرھواں واجب قران اور تمتع کرنے والوں کیلئے بکری کا ذبح کرنا ہے، سولھواں واجب بیت اللہ کے گرد سات چکر لگانے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا ہے خواہ کوئی بھی طواف ہو اگر طواف کرنے والا یہ دو رکعتیں ترک کردے گا تو اس پر دم واجب ہوگا اور دم دینے سے پہلے موت آئے تو اس کو اسکی وصیت کرنا ہوگی۔

کنکری مارنے اور سر منڈوانے میں ترتیب

سترھواں واجب قربانی کے دن کنکری مارنے سر منڈانے اور جانور ذبح کرنے میں ترتیب رکھنا، جو ترتیب آگے آرہی ہے، اور طواف اور ان کے درمیان ترتیب سنت ہے لہٰذا اگر کسی نے کنکری مارنے اور سر منڈانے سے پہلے طواف کرلیا تو اس پر کوئی دم وغیرہ واجب نہیں ہے لیکن ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ سنت کا ترک ہو لباب الناسک میں ایسا ہی ہے آگے آرہا ہے کہ مفرد یعنی فقط حج کی نیت سے احرام باندھنے والا جس نے نہ قران کیا ہے اور نہ تمتع اس پر دم واجب نہیں ہے اور باب الجنایات میں اس کی تحقیق آرہی ہے۔

طواف زیارت

اٹھارھواں واجب قربانی کے تین دنوں میں سے کسی دن طواف زیارۃ کرنا انیسواں واجب بیت اللہ کا طواف حطیم کے ساتھ کرنا (حطیم بیت اللہ کے شمال و مغرب میں ایک جگہ ہے جس کا نشان بنا ہوا ہے حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں حطیم بیت اللہ کے اندر داخل تھا قریش مکہ نے ایام جاہلیت میں جب کعبہ کی تعمیر کی تو مصارف کی کمی کیوجہ سے حطیم کو کعبہ سے علیحدہ کردیا کعبہ میں داخل ہونے کی وجہ سے طواف میں اس کا داخل کرنا واجب ہے فرض اس وجہ سے نہیں قرار دیا گیا کہ بیت اللہ میں داخل ہونا نص قطعی سے ثابت نہیں ہے)

بیسواں واجب سعی کا اس طواف کے بعد ہونا ہے جو قابل شمار ہے یعنی چار یا زیادہ چکر کے بعد

سر منڈوانا

اکیسواں واجب ایام قربانی میں حرم کے اندر سر منڈوانا ہے بائیسواں واجب وقوف عرفہ کے بعد ان ممنوع چیزوں کا ترک کرنا ہے جن سے حج فاسد نہیں ہوتا، جیسے جماع وغیرہ۔ تیئسواں واجب سلے ہوئے لباس کا چھوڑدینا ہے چوبیسواں باب سر کے چھپانے کو ترک کرنا پچیسواں واجب چہرہ کے ڈھکنے کو چھوڑنا۔

وتغطية الراس والوجه والضابط ان كل مايجب بتركه دم فهو واجب صرح به في

الملتقى ويستضح فى الجنايات و غير ها سنن وآداب كان يتوسع فى النفقة ويحافظ على الطهارة وعلى صون لسانه ويستاذن ابويه و دائنه وكفيله ويودع المسجد بركعتين ومعارفه ويستحلهم ويلتمس دعاء هم ويتصدق بشئى عند خروجه ويخرج يو م الخميس ففيه خرج عليه السلام فى حجة الوداع او الاثنين اوالجمعة بعد التوبة و الاستخارة اى فى انه هل يشترى او يكترى وهل يسافر برا اوبحرا وهل يرافق فلا نااولا لان الاستخارة فى الواجب والمكروه لا محل لها وتمامه فى النهر.

واجبات کیلئے قاعدہ کلیہ

اس سلسلہ میں قاعدہ کلیہ واجبات کا یہ ہے کہ جس فعل کے ترک کرنے سے دم دینا واجب ہوتا ہو، وہ حج کے اندر واجب ہے ملتقی میں یہی بیان کیا ہے، اور جن افعال سے دم واجب ہوتا ہے اس کی تفصیل باب الجنایات میں آئے گی قاعدہ کلیہ بیان کر کے مصنف نے اشارہ کرنا چاہا ہے کہ انہی ۲۵ میں واجبات منحصر نہیں ہیں بلکہ اس تعریف میں جو بھی اس کے تحت آئے گا واجب قرار پائے گا۔

فرائض وواجبات کے بعد باقی افعال حج یا سنت ہیں یا مستحب چنانچہ حج میں اپنے اوپر اور اپنی سواری پر فراخی کے ساتھ خرچ کرنا اور ہمیشہ باوضو رہنا اور زبان کو غیبت اور یاوہ گوئی سے بچائے رکھنا یہ بھی مطلوب ہے ارشاد خداوندی ہے، (فمن فرض فیھن الحج فلا رفث و لا فسوق ولا جدال فی الحج)

آداب حج

اسی طرح حج کے لئے والدین سے اجازت لینا اور جس کا قرض ذمہ باقی ہے اور جو اس کے کہنے سے ذمہ دار بنا ہے ان سے اجازت لینا بھی مستحب ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ جب گھر سے نکلنے کا ارادہ کرے تو محلّہ کی مسجد میں جا کر دو رکعت نفل پڑھے اور اپنے جان پہچان والوں سے مل کر رخصت ہو، تا کہ وہ دعاء خیر کریں اور ان لوگوں سے اپنے قصور کی معافی چاہے اور ان سے دعا کی درخواست کرے (فتح القدیر میں ہے کہ حج کو جاتے ہوئے خود ملنے والوں کے پاس جائے اور جب حج سے واپس ہو تو ملنے والوں کو اس کے پاس آنا چاہئے)

بوقت روانگی صدقہ و خیرات

یہ بھی مستحب ہے کہ بوقت سفر کچھ خیرات کرے کہ صدقہ بلاؤں اور مصائب کو ٹالتا ہے اور سفر جمعرات کو شروع کرے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعرات کے ہی دن حجۃ الوداع کا سفر شروع فرمایا تھا اور جمعرات کو روانگی کسی وجہ سے نہ ہو تو دوشنبہ (پیر) یا جمعہ کو روانہ ہو اور روانگی سے پہلے اپنی تمام کوتاہیوں سے توبہ کرے اور استخارہ کرے کہ کن لوگوں کے ساتھ سفر مناسب رہے گا اور سفر میں سواری مول لے یا کرایہ کی سواری اختیار کرے اور سفر کے لئے خشکی کا راستہ مناسب رہے گا یا دریائی راستہ کیونکہ ایسے امور جو ذمہ میں واجب یا مستحب ہیں، ان میں استخارہ کا کوئی موقع نہیں ہے مثل مشہور ہے در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست ان چیزوں کی پوری تفصیل نہر الفائق میں درج ہے۔

مال حلال کا اہتمام اور استخارہ

(نہر الفائق میں استخارہ کا طریقہ اس طرح درج ہے کہ پہلے دو رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قل یاایھاالکافرون اور دو میں قل ھو اللہ پڑھے دو رکعت پر سلام پھیر دے پھر جو حدیث میں استخارہ کی دعاء آئی ہے اسے پڑھے پھر اپنے گناہوں سے توبہ کرے اور توبہ میں اس کی پوری رعایت ہو کہ اہل حقوق کے حقوق ادا کر دے یا معاف کرا لے پختہ ارادہ ہو کہ اب اس کے بعد کوئی گناہ کا کام سرزد نہ ہو گا پھر اس کا بھی پورا اہتمام ہو کہ حج میں ایسا مال حلال ساتھ لے جس میں حرام مال کی آمیزش نہ ہو۔

سنن حج طواف قدوم اور دوسرے طواف میں رمل کرنا یعنی سینہ نکال کر چلنا، سعی بین الصفا والمروہ میں دونوں سبز میناروں کے درمیان لپک کر چلنا قربانی کی راتیں منیٰ میں گذارنی اور عرفہ کے دن آفتاب نکلنے کے بعد منیٰ سے عرفات جانا اور مزدلفہ سے منیٰ کی طرف آفتاب نکلنے سے پہلے چلنا یہ سب حج کی سنتیں ہیں اسی طرح مزدلفہ میں رات کو قیام کرنا جمرات ثلثہ کی رمی (کنکری مارنے) میں ترتیب سنت ہے۔

ممنوعات حج حج میں یہ چیزیں ممنوع ہیں جماع کرنا سر منڈانا ناخن کاٹنا خوشبو لگانا سر اور چہرہ کو ڈھکنا سیاہ کپڑے پہننا اسی طرح شکار کرنا حل اور حرم کے درخت کاٹنا ان چیزوں سے بچنا ضروری ہے۔

واشهر، شوال و ذو القعدة بفتح القاف وتكسر وعشر ذى الحجة بكسر الحاء تفتح وعند الشافعي ليس منها يوم النحر وعند مالك ذو الحجة كله عملا بالأية قلنا اسم الجمع يشترك فيه ماوراء الواحد وفائدة التاقيت انه لو فعل شيئا من افعال الحج خارجها لا يجزيه وانه يكره الاحرام له قبلها وان ا من نفسه من المخطوت لشبه بالركن كما مر واطلاقها يفيد التحريم.

حج کے مہینے حج کے مہینے یہ ہیں شوال ذی قعدہ اور دس ابتدائی دن ماہ ذی الحجہ کے امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قربانی کے دن حج کے مہینوں میں داخل نہیں ہیں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ذی الحجہ کا پورا مہینہ حج کے مہینوں میں داخل ہے اور ان کی دلیل آیت قرآنی الحج اشہر معلومات ہے وہ کہتے ہیں کہ اشہر جمع ہے اور اقل جمع تین ہے لیکن ان کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دو سے زیادہ پر بھی جمع کا اطلاق ہوتا ہے۔

حج کے مہینوں کی تعیین کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کوئی افعال حج ان مہینوں کے علاوہ دنوں میں ادا کرے گا تو وہ کافی شمار نہیں ہوگا علماء کا کہنا ہے لا تجزیہ (کافی نہ ہونے) کے بجائے لا یحل کہنا بہتر تھا اس لئے بعض چیزیں کفایت کرتی ہیں مگر حلال نہیں۔

حج کے مہینوں سے پہلے احرام حج کے مہینوں کے پہلے حج کا احرام باندھنا مکروہ ہے گو اس کو اپنی ذات پر اطمینان ہو کہ اس سے ممنوعات کا ارتکاب نہ ہو سکے گا، اور اس میں کراہت کی وجہ احرام کا رکن کے مشابہ ہو جانا ہے جیسا کہ گذرا، اور کراہت مطلقاً کہنے سے معلوم ہوا کہ اس سے کراہت تحریمی مراد ہے۔

والعمرة في العمر مرة سنة موكدة على المذهب وصحح في الجوهرة و جوبها قلنا المامور به فى الأية الاتمام و ذلك بعد الشروع وبه نقول وهى حرام وطواف وسعى و حلق اوتقصير فالا حرام شرط و معظم الطواف ركن وغير هما واجب هو المختار ويفعل فيها كفعل الحاج و جازت فى كل السنة وندبت فى رمضان وكرهت تحريما يوم عرفة واربعة بعد ها اى كره انشاؤها بالاحرام حتى يلزمه دم و ان رضها الادا وء ها فيها بالاحرام السابق كقار ن فاته الحج فاعتمر فيها لم يكره سراج وعليه فاستثناء الخانية القارن منقطع فلا يختص بيوم عرفة كما تو همه فى البحر.

عمرہ تمام عمر میں ایک مرتبہ عمرہ کرنا سنت مؤکدہ ہے احناف کا قوی مذہب یہی ہے یوں بعضوں نے اس کو فرض کفایہ کہا ہے اور جوہرہ نیرہ نامی کتاب میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ ایک بار عمرہ کرنا واجب ہے اور دلیل میں آیت واتمو االحج والعمرة لللہ پیش کی گئی ہے) شارح اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں اتمام کا حکم ہے اور اتمام موقوف

ہے شروع کرنے پر اور ہم اس کے قائل ہیں کہ سنت بلکہ نفل کو بھی شروع کرنے سے اس کا اتمام واجب ہو جاتا ہے۔

افعال عمرہ احرام طواف سعی اور حلق یا تقصیر کے مجموعہ کا نام عمرہ ہے یعنی پہلے احرام باندھے پھر طواف کرے پھر صفا مروہ کے درمیان سعی کرے اور آخیر میں بال منڈوائے یا کٹوائے پس عمرہ میں احرام باندھنا شرط کے درجہ میں ہے اور طواف کا اکثر حصہ ادا کرنا فرض ہے اور ان دونوں کے علاوہ دوسرے افعال واجب ہیں۔

عمرہ کے احرام طواف اور سعی اسی طرح ادا ہوں گے جس طرح حج کرنے والے ادا کرتے ہیں سر منڈوانے کے بعد احرام سے آدمی باہر آجاتا ہے سال کے تمام حصوں میں عمرہ کرنا جائز ہے البتہ رمضان المبارک میں عمرہ کرنا مستحب ہے ابوداؤد میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رمضان میں عمرہ کرنا ایسا ہے جیسا میرے ساتھ حج ادا کرنا دوسری حدیث میں ہے کہ حج اور عمرہ گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جیسے بھٹی کی آگ لوہے کا میل صاف کر دیتی ہے۔

سال کے پانچ دنوں میں عمرہ مکروہ سال کے پانچ دنوں میں عمرہ کرنا مکروہ تحریمی ہے نویں ذی الحجہ سے لیکر ۱۳ ذی الحجہ تک یعنی ان دنوں میں احرام باندھ کر عمرہ شروع کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اس طرح کرنے سے اس پر دم دینا واجب ہوگا اور احرام کے بعد اسے ترک کرنا بھی پڑے گا اور کوئی پہلے سے احرام باندھے ہوئے ہو تو ان دنوں میں عمرہ کرنا مکروہ نہیں ہے جیسے کوئی قران کرنے والا تھا اس کو حج نہ ملا فوت ہو گیا اس نے ان دنوں میں عمرہ کر لیا تو اس میں کراہت نہیں ہے کذا فی السراج۔

والمواقیت ای المواضع التی لا یجاوز ھا مرید مکۃ الا محرما خمسۃ ذو الحلیفۃ بضم ففتح مکان علی سنۃ امیال من المدینۃ وعشر مراحل من مکۃ تسمیھا العوام ابیار علی رضی اللہ عنہ یزعمون انہ قاتل الجن فی بعضھا وھو کذب وذات عرق بکسر فسکون علی مرحلتین من مکۃ وجحفۃ علی ثلث مراحل بقرب رابغ وقرن علی مرحلتین وفتح الراء خطأ ونسبۃ اولیس الیۃ خطاء اخر ویلملم جبل علی مرحلتین ایضا للمدنی والعراقی والشامی الغیر المار بالمدینۃ بقرینۃ ماء یا تی والنجدی والمینی لف ونشر مرتب ویجمعھا قولہ. عرق العراق یلملم الیمنی☆ وبذی الحلیفۃ یحرم المدنی☆ للشام وجحفۃ ان مررت بھا ☆ ولاھل نجد قرن فاستبن وکذا ھی لمن مر بھا من غیر اھلھا کالشامی یمریمقات اھل المدینۃ فھو بمیقاتہ فالہ النووی الشافعی وغیرہ و قالوا ولومر بمیقاتین فاحرامہ من الابعدافضل ولواخرہ الی الثانی لا شئی علیہ علی المذھب وعبارۃ اللباب سقط عند الدم ولو لم یمر بھا تحری واحرم اذا حاذی احدھما و ابعدھا افضل فان لم یکن بحیث یحاذی فعلی مرحلتین.

حج کے مواقیت وہ جگہیں جہاں سے بغیر احرام مکہ کی طرف بڑھنا جائز نہیں اور جن جگہوں کو اصطلاح میں مواقیت کہتے ہیں وہ پانچ ہیں (کعبہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے عظمت عطا کر رکھی ہے یہ بارگاہ الٰہی ہے اور مسجد حرام کو جلوہ کی جگہ قرار دیا گیا ہے اور شہر مکہ کو مسجد حرام کا احاطہ حرم کو شہر مکہ کے لئے پیش گاہ اور مواقیت کو ایسی جگہ جہاں سے داخلہ ہوتا ہے اس لئے یہاں احرام باندھنا واجب قرار دیا گیا لہٰذا جو بھی اس شہر مبارک میں داخل ہوگا اور جس مقصد اور نیت سے بھی داخل ہوگا اس پر واجب ہوگا کہ ان مواقیت پر پہونچ کر پہلے احرام باندھے۔

مواقیت کی تفصیل ذوالحلیفہ ان پانچ جگہوں میں ایک ذوالحلیفہ ہے بضم حاء بفتح لام یہ جگہ مدینہ منورہ سے چھ میل کی دوری پر واقع ہے اور مکہ مکرمہ سے دس منزل پر یہاں کے کنوؤں کو عوام عرب "بار علی" سے موسوم کرتے ہیں ان کا خیال ہے کہ حضرت علیؓ نے جنوں سے ان میں سے کسی کنویں پر قتال فرمایا تھا حالانکہ یہ خیال غلط اور جھوٹ ہے یہ ثابت نہیں ہے ذوالحلیفہ اہل مدینہ اور اس طرف سے آنے والوں کا میقات ہے یہ مکہ معظمہ سے دور ہے۔

ذات عرق دوسری میقات "ذات عرق" ہے بکسر عین وسکون ثانی، یہ میقات مکہ مکرمہ سے جانب مشرق دو منزل کی دوری پر واقع ہے یہ اہل عراق کے لئے میقات ہے۔

جُحفہ تیسرا میقات جحفہ ہے جو مکہ مکرمہ سے تین منزل کی دوری پر ہے اور رابغ کے قریب واقع ہے یہ جگہ مکہ مکرمہ سے مغرب اور شمال کی سمت ہے یہ اہل مصر اور مغرب اور شام کے لئے میقات ہے۔

قرون چوتھی جگہ قرون ہے بفتح قاف وسکون ثانی یہ مکہ مکرمہ سے دو منزل کی دوری پر ہے اور عرفات سے نظر آتا ہے یہ ایک پہاڑی ہے قرون کو بفتح را پڑھنا غلط ہے اور حضرت اویس کی طرف بھی اس کی نسبت صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت اویس اس قبیلہ کی طرف منسوب ہو کر قرنی کہے جاتے ہیں جو بنو قرن کے نام سے مشہور ہے قرن اہل نجد کے لئے میقات ہے۔

یلملم پانچواں میقات یلملم ہے یہ بھی ایک پہاڑ ہے اور مکہ معظمہ سے جانب جنوب دو منزل پر واقع ہے یہ اہل یمن اور ہندوستانیوں کیلئے میقات ہے ایک شاعر نے ان مواقیت اور اہل مواقیت کو اشعار میں جمع کر دیا ہے ترجمہ یہ ہے۔

ذات عرق عراق کا میقات ہے اور یلملم اہل یمن کا اور ذوالحلیفہ سے مدنی احرام باندھتا ہے اور اہل شام کا میقات جحفہ ہے اور اہل نجد کے لئے میقات قرن ہے اور اسی طرح یہ ان غیر لوگوں کے لئے بھی میقات ہیں جو انکی طرف سے ہو کر آئیں چنانچہ اگر کوئی شامی مدینہ منورہ کی میقات کی طرف سے آئے گا تو اس کے لئے میقات وہی ہو گا جو اہل مدینہ کے لئے ہے مثلاً اہل شام کا میقات جحفہ ہے لیکن جب وہ مدینہ کی طرف سے آرہا ہے تو اس کی میقات ذوالحلیفہ ہی ہو گا اور وہ ذوالحلیفہ پہونچکر احرام باندھے گا جحفہ جانا اس کیلئے ضروری نہیں ہے اس باب میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

دو میقات سے گذرنے والا علماء نے لکھا ہے کہ جو دو میقات سے ہو کر گذرے گا اس کے لئے افضل یہ ہے کہ ان میں جو میقات مکہ معظمہ سے زیادہ دوری پر ہو اس پر پہونچ کر احرام باندھے لیکن اگر اس نے وہاں احرام نہیں باندھا دوسرے پر پہونچ کر باندھا تو بھی کچھ گناہ نہیں اور نہ اس پر کوئی کفارہ آئے گا۔ مذہب قوی یہی ہے لباب نامی کتاب میں عبارت یہ ہے کہ اس سے دم ساقط ہو جائیگا یعنی جس وقت وہ پہلے میقات سے بغیر احرام کے آگے بڑھا تھا اس پر دم لازم ہو گیا تھا لیکن جب اس نے دوسرے میقات پر احرام باندھ لیا تو اس پر اب دم دینا باقی نہیں رہا ساقط ہو گیا۔

میقات نہ ملنے کی صورت اگر کوئی مکہ مکرمہ ایسے راستہ سے جائے کہ کوئی میقات نہ ملے تو اس صورت میں تحری کرے یعنی غور و فکر کرے اور جہاں دل بھرے کہ یہ میقات کے برابر میں ہے وہاں سے احرام باندھے اور کسی جگہ دو میقات سے مقابلہ پڑتا ہو تو جو مکہ سے زیادہ دور ہو وہاں سے احرام باندھنا افضل ہو گا، اور اگر ایسے راستہ سے گذر رہا ہو کہ وہاں سے کسی میقات کا سامنا نہ ہوتا ہو اور نہ اندازے میں آتا ہو تو اس صورت میں جب مکہ معظمہ دو منزل رہ جائے وہاں سے احرام باندھ لینا چاہئے کیونکہ کوئی بھی میقات دو منزل سے کمتر نہیں ہے۔

وحرم تاخیر الاحرام عنها کلها لمن ای لآفاقی قصد دخول مکة یعنی الحرم

ولولحاجة غير الحج اما لو قصد موضعا من الحل كخليص وجدة حل له مجاوزته بلااحرام فاذا حل به التحق باهله فله دخول مكة بلااحرام وهو الحيلة لمريد ذالك الا لما مور بالحج لمخالفته لايحرم التقديم للاحرام عليها بل هو الافضل ان في اشهر الحج و امن على نفسه وحل لاهل داخلها يعني لكل من وجد في داخل المواقيت ودخول مكه غيرمحرم مالم يرد نسكا للحرج كما لوجاور ها حطا بو مكة فهذا ميقاته الحل الذى بين المواقيت والحرم و الميقات لمن بمكة يعني من يداخل الحرم للحج الحرم وللعمرة الحل ليتحقق نوع سفر والتنعيم افضل ونظم حدود الحر م ابن الملقن فقال۔ وللحرم التحديد من ارض طيبته ☆ثلثة اميال اذا رمت اتقانه ☆ وسبعة اميال عراق وطائف ☆ وجدة عشر ثم تسع جعرانه

باہر آنے والے کیلئے احرام

باہر سے آنے والے کے لئے جو مکہ میں داخلہ کا ارادہ رکھتا ہے خواہ کسی بھی حاجت کے لئے ہو ان مواقیت سے بغیر احرام آگے بڑھنا اور احرام میں تاخیر کرنا حرام ہے کیونکہ احرام حرم محترم کی تعظیم کیلئے ہے۔ لہٰذا اس بات میں ہر طرح کے جانے والے برابر ہیں باقی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فتح مکہ کے موقع سے بلا احرام داخل ہونا تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس موقع سے مخصوص تھا جس کی احادیث صحیحہ میں صراحت موجود ہے۔

حل میں آنے والے

ہاں اگر باہر سے آنے والے حرم کے سواحل میں کسی جگہ کا ارادہ رکھتے ہوں، جو میقات کے اندر ہیں جیسے خلیص یا جدہ کا مثلاً کوئی ارادہ کرے تو اس کے لئے بغیر احرام باندھے ہوئے میقات سے گذرنا جائز ہے جب وہاں پہنچ گئے تو وہ وہاں کے باشندوں میں مل گئے اور یہ ظاہر ہے کہ ان جگہوں کے لوگوں کیلئے بلا احرام مکہ میں داخلہ جائز ہے لہٰذا یہ شخص بھی بلا احرام داخل ہو سکتا ہے یہ اس شخص کے واسطے حیلہ ہے جو بلا احرام مکہ مکرمہ میں داخلہ کا ارادہ رکھتا ہو، مگر وہ شخص جو ماموربالحج ہو اور حج کا ارادہ رکھتا ہو اس کے لئے یہ حیلہ جائز نہیں کیونکہ مخالفت لازم آتی ہے۔

میقات سے پہلے احرام

جس شخص کو اپنے آپ پر اعتماد ہو کہ وہ ممنوعات حج سے بچا رہے گا اگر وہ حج کے مہینوں میں میقات کے آنے سے پہلے احرام باندھ لے تو یہ اس کے لئے افضل ہے البتہ شوال سے پہلے احرام باندھنا متفقہ طور پر مکروہ ہے خواہ اپنے اوپر اعتماد ہی کیوں نہ ہو۔

اندرون مواقیت کا حکم

وہ لوگ جو مواقیت کے اندر رہتے ہیں خواہ وہ عین متیات میں ہوں یا اس سے ہٹ کر علیحدہ حرم کی طرف ہوں ان کے لئے مکہ مکرمہ میں بغیر احرام داخلہ حلال اور جائز ہے چونکہ ایسے لوگوں کی بکثرت آمد و رفت ہوتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ انہوں نے حج یا عمرہ کا ارادہ نہ کیا ہو جیسے ان لوگوں کیلئے بغیر احرام داخلہ حلال ہے جو لکڑیوں کے واسطے مکہ سے باہر نکلے ہوں اور مواقیت آفاقی سے آگے نہ بڑھے ہوں لیکن اگر مکی مواقیت سے آگے بڑھ جائے گا تو وہ بھی آفاقی کے حکم میں ہوگا اور داخلہ احرام کے ساتھ ہوگا۔

اندرون مواقیت کے رہنے والے جب حج یا عمرہ کے ارادہ سے چلیں گے تو اس وقت ان کیلئے بھی احرام ضروری ہوگا اور بغیر احرام داخلہ درست نہ ہوگا اور ایسے لوگوں کا میقات حل ہے (حل اس جگہ کو کہتے ہیں جو مواقیت اور حرم کے درمیان ہے)

حرم والے کا میقات مکہ میں جو حرم کے اندر رہنے والے ہیں ان کا میقات حج کے لئے حرم ہے خواہ اپنے گھروں سے احرام باندھیں اور عمرہ کے واسطے میقات حل ہے خلاصہ یہ کہ اہل حرم کے حج میقات حرم ہوا اور عمرہ کا میقات حل حج وعمرہ دونوں کے میقات کے الگ الگ ہونے کا منشا یہ ہے کہ کچھ سفر کی سی کیفیت پیدا ہو جائے۔ حج میں حاجی کو عرفات جانا ہوتا ہے جو حل میں واقع ہے اور اس کے لئے وہاں جانا ضروری ہوتا ہے چنانچہ حج میں حرم سے احرام باندھے گا مگر اس کو عرفات کے لئے چلنا ہوگا اور حل میں جانا ہوگا اور عمرہ چونکہ بیت اللہ میں ہوتا ہے جو حرم میں واقع ہے اس لئے اس کا احرام حل میں رکھا گیا تاکہ وہاں سے احرام باندھ کر بیت اللہ تک آئے اس طرح یہاں بھی سفر کی نوعیت پیدا ہو جائے گی۔

عمرہ کا احرام تنعیم سے عمرہ کا احرام تنعیم سے باندھنا افضل ہے (یہ جگہ مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ عمرہ کے واسطے وہیں سے احرام باندھیں۔

ابن الملقی نے حرم کے حدود کو نظم میں ادا کیا ہے ترجمہ یہ ہے)

حرم کی حد مدینہ منورہ کی طرف سے تین میل ہے اور عراق و طائف کی طرف سے سات میل اور جدہ کی طرف سے دس میل، جعرانہ کی طرف سے نو میل اور یمن کی طرف سے سات میل، یہ اس کی حدیں پوری ہو گئیں۔

فصل فی الاحرام

وصفة المفرد بالحج و من شاء الاحرام وهو شرط صحة النسك كتكبيرة الافتتاح فالصلوة والحج لهما تحريم وتحليل بخلاف الصوم والزكوة ثم الحج اقوى من وجهين الاول انه يقضى مطلقاو لومظنونا بخلاف الصلوة الثانى انه اذا اتم الاحرام بحج او عمره لا يخرج عنه الا يعمل ما احرم به و ان افسده الا فى الفوات فيعمل العمرة والا الاحصار فيذبح الهدى توضا وغسله احب وهو النظافة لا للطهارة فيجب بحاء مهملة فى حق حائض ونفساء وصبى والتيمم له عند العجز عن الماء ليس بمشروع لانه ملوث لانه ملوث بخلاف جمعه وعيد ذكره انريلعى وغيره لكن سوى فى الكافي بينهما وبين الاحرام ورجحه فى النهرو شرط لنيل السنة ان يحرم وهو على طهارته وكذا يستحب لمريد الاحرام زالة الظفره وشاربه عانته وحلق راسه ان اعتاده والا فيسرحه وجماع زوجته او جاريته لو معه ولا مانع منه كحيض ولبس ازار من السرة للركبة ورداء على ظهره وليسن ان يدخله تحت يمينه ويلقيه على زرره او خلله او عقده اساء ولادم عليه جديدين اوغسيلين طاهرين ابيضين ككفن الكفاية هذا بيان السنة والا فستر العورة كاف .

فصل فی الاحرام

احرام سے متعلق احکام و مسائل

اس فصل میں مفرد بالحج کا بیان بھی ہوگا، مفرد وہ ہیں جو صرف حج کا احرام باندھیں اور عمرہ کو شریک نہ کریں حج اور عمرہ کے درست ہونے کے لئے احرام اسی طرح شرط ہے جیسے تکبیر تحریمہ نماز کے لئے شرط ہے عبادات میں نماز اور حج کے لئے تحریم و تحلیل ہے کہ مثلاً جب نماز میں تکبیر تحریمہ یا حج میں احرام باندھے تو اب وہ ساری چیزیں جو پہلے اس کیلئے حلال تھیں اب حلال باقی نہیں ہیں گی بلکہ نماز یا حج کے ختم ہونے کے بعد ہی وہ چیزیں جو ممنوع تھیں۔ مباح اور حلال ہوں گی۔

حج کی اہمیت پھر حج دو وجہ سے نماز سے قوی تر ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ حج کا قضا کرنا بہر صورت لازم ہے اگر چہ وہ مظنون ہی کیوں نہ ہو یہ صورت نماز میں نہیں، یعنی اگر کسی کو خیال اور گمان ہو کہ مجھ پر حج فرض ہے اور اس وجہ سے اس نے احرام باندھا پھر معلوم ہوا کہ حج فرض نہیں تو بھی اس کو حج ادا کرنا لازم ہے اور اگر ترک کرے گا تو اس پر اس کی قضا واجب ہوگی، اس کے خلاف اگر نماز کے فرض ہونے کا گمان ہو اور تکبیر تحریمہ کر لیا پھر معلوم ہوا کہ فرض نہیں ورا سے ترک کر دیا تو اس کی قضا لازم نہیں ہے کذا فی الطحطاوی۔

دوسری وجہ حج کے قوی تر ہونے کی یہ ہے جب حج یا عمرہ کے لئے احرام پورا کرے گا تو وہ اس وقت احرام سے نہیں نکلے گا جب تک وہ عمل نہ کرے جس کے واسطے احرام باندھا ہے گو وہ اس کو فاسد ہی کیوں نہ کر ڈالے یہ الگ بات ہے کہ حج کے فوت ہو جانے کی صورت میں عمرہ کر کے احرام سے نکل آئے گا اور اگر وہ حج سے روک دیا گیا ہے تو قربانی کا جانور ذبح کر کے احرام ختم کرے گا ماحصل یہ ہے کہ جب حج کا احرام باندھ لے گا تو جب تک حج ادا نہ ہو جائے احرام کھولنا جائز نہیں ہے البتہ دو صورتیں ایسی ہیں جس میں ایسا کر سکتا ہے ایک یہ کہ حج کا وقت گذر گیا اور اس کی وجہ سے اس کا حج فوت ہو گیا تو اس صورت میں عمرہ کر کے احرام کھولدے گا دوسری صورت یہ ہے کہ رکاوٹ کیوجہ سے حج کے لئے مکہ مکرمہ نہیں پہونچ سکا تو اس صورت میں قربانی کا جانور ذبح کر کے احرام کھول دے گا بخلاف نماز کے کہ اس میں چار کی رکعت نیت کی اور دو پر سلام پھیر دیا تو یہ جائز ہے اور اس پر مزید کچھ لازم نہیں۔

آداب احرام جو شخص احرام کا ارادہ کرے اس کو چاہئے کہ پہلے وضو کرے اور مستحب یہ ہے کہ غسل کرے اور اس کا یہ غسل نظافت اور صفائی کے لئے ہوگا پاکی حاصل کرنے کے لئے نہیں اسی واسطے کہا جاتا ہے کہ حیض و نفاس والی عورت اور نابالغ کے لئے بھی بوقت احرام غسل مستحب ہے اور چونکہ غسل نظافت کے لئے ہوتا ہے اس لئے پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کرنا مشروع نہیں ہے اس لئے تیمم سے گرد آلودگی ہوتی ہے صفائی نہیں ہوتی البتہ جمعہ اور عید کی نماز کے موقع سے اگر پانی نہ ملے تو تیمم مشروع ہے جیسا کہ زیلعی وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور کافی نامی کتاب میں جمعہ اور عیدین اور احرام سب کو عدم مشروعیت میں برابر قرار دیا ہے اور نہر الفائق میں اسی روایت کو ترجیح دی گئی ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ مٹی کو صفائی میں اثر نہیں ہے کیونکہ اس سے جسم گرد آلود ہوتا ہے اس لئے غسل کی جگہ اس کا اہتمام کچھ زیادہ مناسب نہیں۔

سنت کا ثواب احرام میں اس وقت حاصل ہوگا جب غسل کے بعد احرام باندھے گا درانحالیکہ اس کی طہارت باقی ہو، چنانچہ

اگر غسل کے بعد وضو جاتا رہا پھر احرام باندھا اور وضو کیا تو وہ فضیلت حاصل نہ ہو سکے گی۔

احرام باندھنے والے کے لئے یہ بھی مستحب ہے کہ اپنے ناخن تراشے مونچھ کتروائے زیرناف بالوں کو صاف کرے اور اپنا سر منڈائے اگر اس کو سر منڈانے کی پہلے سے عادت ہو، اور اگر منڈانے کی عادت نہ ہو تو بالوں میں کنگھی کر لے (نہانے کے وقت صفائی کے لئے صابن استعمال کر سکتا ہے بلکہ مطلوب ہے) اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ احرام سے پہلے بیوی ہو تو اس سے وطی کر لے اگر کوئی مانع شرعی جیسے حیض نہ پایا جاتا ہو، اور بیوی نہ ہو اور شرعی لونڈی ہو تو اس سے وطی کر لے (مگر اس زمانہ میں شرعی لونڈی پائی نہیں جاتی)

تہ بند اور چادر

یہ بھی مستحب ہے نہا دھو کر تہبند (لنگی) باندھے جو ناف سے لے کر گھٹنے کے نیچے تک ہو اور چادر اپنی پیٹھ پر ڈالے ہو اور چادر میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ چادر کو پیٹھ پر ڈال کر دائیں کنارے کو دائیں بغل کے نیچے کر کے بائیں مونڈھے پر ڈالے لیکن اس چادر میں بٹن لگانا یا اس کو کانٹے سے اٹکانا یا گرہ لگانا برا ہے مگر یہ ایسا قصور بھی نہیں ہے جس کی وجہ سے اس پر دم لازم ہو۔

لنگی اور چادر دونوں نئی ہوں یا پرانی ہوں اور دھلی ہوئی اور پاک ہوں سفید ہوں جیسے وہ کفن جو بقدر ضرورت ہوتا ہے اور یہ لنگی اور چادر کا ذکر بطور سنت ہے ورنہ ستر کا چھپا ہوا ہونا کافی ہے۔

وطیب بذنه ان کا عنده لا ثوبه بما تبقی عینه هو الاصح وصلی ندبا بعد ذلك شفعا یعنی رکعتین فی غیر وقت مکروه و نجزیه المکتوبة وقال المفرد بالحج بلسانه مطابقا لجنانه اللهم انی ارید الحج فیسره لی لمشقته وطول مدته وتقبله منی لقول ابراهیم واسمعیل ربنا تقبل منا وكذا المعتمر والقارن بخلاف الصلوة لان مدتها یسیرة كذافی الهدایة و قبل یقول كذلك فی الصلوة و عمه الزیلعی فی كل عبادة و مافی الهدایة اولی ثم لبی دبر صلوته ناویابها بالتلبیة الحج بیان الاكمل والا فیصح الحج بمطلق النیة ولو بقلبه لكن بشرط مقارنتها بذكر یقصد به التعظیم كتسبیح وتهلیل ولو بالفارسیة وان احسن العربیة.

دوگانہ اور پھر تلبیہ

غسل کرنے اور کپڑے بدلنے کے بعد اگر خوشبو ہو تو اس کو بدن پر ملے لیکن اگر نہ ہو تو کسی سے مانگ کر نہ لگائے، لیکن اپنے کپڑے میں ایسی خوشبو نہ لگائے جس کا نشان پڑ جائے اور وہ نشان نظر آنے لگے، صحیح تر قول یہی ہے لیکن یہ سب احرام سے پہلے کیا جائے گا کپڑے بدلنے اور خوشبو لگانے کے بعد دو رکعت نفل ادا کرے لیکن ایسے وقت میں جو مکروہ نہ ہو اور اگر اس وقت کسی نے فرض نماز پڑھی ہے تو وہ نماز بھی کافی ہو جائے گی، اب نماز کے بعد اپنی زبان سے کہے گا اگر اس نے صرف حج کا ارادہ کیا ہے تو یہ کہے گا **اللهم انی ارید الحج فیسره لی وتقبله منی** خداوندا میں حج کا ارادہ کر رہا ہوں اسے میرے لئے آسان فرما دے اور میری طرف سے قبول فرما، یہ آسانی کی دعا اس لئے کی جاتی ہے کہ حج میں زیادہ مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور ایک لمبی مدت لگتی ہے اور قبول کرنے کی درخواست حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہ السلام کی دعا کی پیروی میں ہے کہ ان دو برگزیدہ پیغمبروں نے قبول کی درخواست کی تھی کہ اے رب ہمارے حج ہماری طرف سے قبول فرما، تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

عمرہ اور قران (حج اور عمرہ دونوں) کرنے والا بھی آسانی کی دعا مانگے گا نماز میں آسانی کی دعا اس لئے نہیں ہے کہ اس میں کم وقت صرف ہوتا ہے اور کوئی خاص مشقت بھی نہیں ہوتی اور بعض فقہاء نے کہا کہ ہر عبادت میں آسانی کی دعا کی جائے مگر

بہتر وہی قول ہے جو پہلے نقل ہوا۔
جب احرام کے لئے دو رکعت پڑھ چکے تو اب حج کی نیت سے تلبیہ کہے حج کے شروع کرنے کا کامل اور عمدہ طریقہ یہی ہے جو ابھی درج ہوا۔ یوں صرف دل میں نیت کر لینے سے بھی حج ہو جائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی نیت ایسے ذکر کے ساتھ ملی ہوئی ہو جس کا مقصد تعظیم و تکریم ہو جیسے تسبیح تحلیل اگرچہ یہ فارسی میں ہوں اور گو وہ عربی اچھی جانتا ہو۔

والتلبية على المذهب وهي لبيك اللهم لبيك لبيك لا شريك لك لبيك ان الحمد بكسر الهمزة وتفتح والنعمة لك بالفتح اومبتداء وخبر والملك لا شريك لك وزاد ندبا فيها اى عليها لا في خلالها ولا تنقص منها فانه مكروه اى تحريما لقولهم انها مرة شرط والزيادة سنة ويكون مسيأ بتركها وبترك رفع الصوت بها و اذا البى ناويا نسكا اوساق الهدى اوقلد اى ربط قلادة على عنق بدنةنفل اوجزاء صيد قتله في الحرم اوفى احرام سابق و نحرهكجناية ونذر و متعة و قران وتوجه معها والحال انه يريد الحج وهل العمرة كذلك ينبغي نعم اوبعثها ثم توجه وحقها قبل الميقات فلو بعده لزمه الاحرام بالتلبية من الميقات او بعثها لمتعة او لقران وكان التقليد والتوجه في اشهره والا لم بصر محرما حتى يلحقهاوتوجه بنية الاحرام وان لم يلحقها استحسانا فقد احرم لان الا جابة كما تكون بكل ذكر تعظيمي تكون بكل فعل مختص بالاحرام ثم صحة الا حرام لا تتوقف على نية نسك لانه لوابهم الاحرام حتى طاف شوطا واحدا صرف للعمرة ولو اطلق نية الحج صرف للفرض ولوعين نفلا فنفل وان لم يكن حج الفرض شرنبلا لية عن الفتح ولواشعرها بجرح سنامنها الايسر اوجللهابوضع الجل او بعشها لا لمتعة و قران ولم يلحقها كما مر او قلدشاة لا يكون محرما لعدم اختصاصه بالنسك.

تلبیہ صحیح مذہب کی بنیاد پر تلبیہ یہ ہے لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ ،انَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اے رب العالمین تری خدمت میں حاضر ہوں۔ اے مولیٰ تیرے حکم کی بجا آوری کے لئے حاضر ہوں، کوئی ترا شریک نہیں ہے، میں حاضر ہوں، ساری تعریفیں اور تمام نعمتیں تیرے ہی لئے ہیں اور کائنات کی بادشاہی تیرے لئے مخصوص ہے کوئی تیرا ساجھی نہیں ہے، (یہ تلبیہ صحاح ستہ میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احرام کیوقت اسی طرح فرماتے تھے۔

بطور استحباب اس تلبیہ کے اخیر میں کچھ جملے بڑھائے البتہ درمیان میں اور اس کے الفاظ میں کچھ زیادہ نہ کرے، اور مسنون تلبیہ سے کوئی لفظ کم نہ کرے، کیونکہ کچھ کم کرنا مکروہ تحریمی ہے فقہاء کرام کا کہنا ہے تلبیہ مذکورہ ایک بار کہنا شرط ہے اور ایک مرتبہ سے زیادہ کہنا سنت ہے اور احرام باندھنے والے کا تلبیہ کو ترک کرنا، یا تلبیہ میں آواز بلند کرنے کو چھوڑنا برا ہے۔

محرم ہونا جب حج کی نیت سے لبیک کہایا ہدی (قربانی) کا جانور ہانک لے چلا۔ یا نفل حج کے اونٹ کی گردن میں پٹہ ڈالا، یا اس شکار کے بدلے والے اونٹ کی گردن میں پٹہ ڈالا جس کو حرم میں یا احرام میں سابق میں قتل کیا تھا اسی طرح کے کسی قصور یا نذر اور یا تمتع و قران والے اونٹ کی گردن میں پٹہ ڈالا اور خود اس اونٹ کو لے چلا، اس طرح کہ وہ حج کا ارادہ کر رہا ہے یا اونٹ یا گائے کو پٹہ ڈال کر پہلے روانہ کیا پھر خود چلا اور میقات سے پہلے اس سے مل گیا (لیکن اگر میقات کے بعد

ملے گا تو اس کے لئے لازم ہوگا کہ میقات سے لبیک کہہ کر احرام باندھے اس صورت میں اونٹ کی گردن میں پٹہ ڈال کر بھیجنا تلبیہ کے قائم مقام نہیں ہوگا (یا اونٹ اور گائے کو تمتع یا قران کے واسطے روانہ کیا اور اس کا پٹہ ڈالنا اور چلنا حج کے مہینوں میں ہوا اور اگر یہ دونوں کام موسم حج میں نہ ہوں تو یہ شخص اس وقت تک محرم نہ ہوگا جب تک وہ اس کو نہ پائے اور اگر اونٹ کو روانہ کیا اور خود احرام کی نیت سے چلا تو گو وہ میقات سے پہلے اس سے نہیں ملا تو بھی استحساناً وہ محرم ہو جائے گا کیونکہ جس طرح ہر تعظیمی ذکر سے حج کی قبولیت ہوتی ہے اسی طرح ہر اس فعل سے ہوئی ہے جو فعل احرام کے ساتھ مخصوص ہے اور مذکورہ افعال احرام سے خصوصیت رکھتے ہیں (مختصر یہ کہ احرام کا ثبوت دو طرح ہوتا ہے ایک حج کی نیت سے لبیک کہنا یا کوئی ذکر تعظیمی بجالانا اور دوسرے حج کی نیت سے مذکورہ افعال ان شرطوں کے ساتھ عمل میں لانا جو ذکر کئے گئے۔

احرام کا درست ہونا

شارح کا کہنا ہے کہ احرام کا صحیح ہونا حج یا عمرہ کی نیت پر موقوف نہیں ہے کیونکہ اگر محرم نے احرام باندھا اور حج یا عمرہ کا خیال دل میں نہیں آیا یہاں تک کہ اس نے طواف کا ایک چکر لگایا تو بھی وہ اس کو عمرہ کا طواف بنا سکتا ہے اور اس سے عمرہ ادا کر سکتا ہے اور اگر مطلق حج کی نیت کی فرض یا نفل کی تعیین نہیں کی تو اس صورت میں وہ اس سے حج فرض ادا کر سکتا ہے اور اسی طرح اگر اس سے نفل حج ادا کرنا چاہے تو یہ بھی کر سکتا ہے گو اس نے اب تک فرض حج ادا نہ کیا ہو۔

اگر اس نے اونٹ کی بائیں کوہان میں معمولی زخم لگایا تاکہ ہدی کا نشان ہو جائے یا اس کی پیٹھ پر جھول ڈالی یا اسکو حج تمتع یا قرآن کی نیت کے بغیر روانہ کیا اور چل کر اس سے نہیں ملا یا بکری کی گردن میں پٹہ ڈالا تو اس سے وہ محرم نہیں ہوگا کیونکہ یہ سب کام حج یا عمرہ ہی کے لئے مخصوص نہیں ہیں۔

(اشعار یعنی قربانی کے اونٹ کوہان کو زخم لگانا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے اسلئے کہ اس میں جانور کو تکلیف پہونچانا ہے اور صاحبین فرماتے ہیں کہ بہتر ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے ابو جعفر طحاوی کہتے ہیں کہ معمولی زخم بطور علامت لگانا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے بلکہ آپ کے زمانے میں جو زیادہ زخم لگانے کا رواج ہو گیا تھا اس کو مکروہ فرمایا ہے اگر اس طرح لگائے کہ نہ کھال کٹے نہ گوشت تو جائز ہے۔

وبعده اى الاحرام بلامهلة يتقي الرفث اى الجماع او ذكره بحضرة النساء والفسوق اى الخروج عن طاعته الله تعالىٰ والجدال فانه من المحرم اشنع وقتل صيدالبرلاالبحر والاشارة اليه فى الحاضر والدلالة عليه فى الغائب ومحل تحريمهما ما اذا لم يعلم المحرم اما اذا اعلم فلا فى الاصح والتطيب وان لم يقصده ويكره شمه وقلم الظفر وستر الوجه كله او بعضه كعنمه و ذقنه نعم فى الخانية لا باس بوضع يده على انفه. والرأس بخلاف الميت وبقية البدن ولو حمل على رأسه ثيابا كان تغطية لا حمل عدل وطبق مالم يمتديوما وليلة فتلزمه صدقة وقالوا لو دخل تحت ستر الكعبة فاصاب رأسة او وجهه كره والافلاباس به وغسل رأسه ولحيته بخطمى لانه طيب اويقتل الهوام بخلاف صابونٌ ودلوك و اشنان اتفاقا زاد فى الجوهرة اوسدر وهو مشكل و قصها اى اللحية وحلق رأسه وازالة شعربدنه الا الشعر النابت فى العين فلا شئى فيه عندنا.

احرام کے بعد محرم کا فریضہ

احرام باندھ چکنے کے فوراً بعد محرم کو چاہئے کہ وہ عورتوں کے ساتھ جماع اور جماع کی گفتگو بند کردے اسی طرح جو کام احکام خداوندی کے خلاف ہوں جس کو فسق وفجور کہتے ہیں ان سے پرہیز کرے، اور لڑائی جھگڑے سے بچے اس لئے کہ محرم کے لئے یہ باتیں بہت زیادہ بری اور قبیح ہیں۔ رفقاء سفر سے اگر کوئی ناگواری پیش آئے برداشت کرے، ارشاد ربانی ہے فَلاَ رَفَثَ وَلاَ فُسُوْقَ وَلاَ جِدَالَ فِی الحج

محرم خشکی کے شکار سے باز رہے، البتہ اس کیلئے دریائی شکار کی ممانعت نہیں ہے، جو شکار سامنے موجود ہو اس کی طرف اشارہ نہ کرے اور جو سامنے نہ ہو اس کی طرف رہنمائی نہ کرے، اور یہ شکار کی طرف اشارہ کرنا اور بتانا اس وقت حرام ہے جب دوسرا محرم شکار کے جانور کو جانتا نہ ہو، اور اگر وہ خود جانتا ہو تو بتانے والے پر کوئی جرم نہیں صحیح تر قول یہی ہے۔

خوشبو وغیرہ سے پرہیز

احرام کے بعد خوشبو سے بھی بچے خوشبو نہ بدن میں لگائے اور نہ کپڑوں میں، گو یہ بلا قصد ہی کیوں نہ ہو، ہر صورت میں منع ہے، محرم کے لئے خوشبو کا سونگھنا مکروہ ہے (اسی طرح پھول اور میوے کا سونگھنا بھی مکروہ ہے) محرم حالت احرام میں نہ ناخن کاٹے گا اور نہ چہرہ کو ڈھکے گا نہ کل چہرہ کو نہ اس کے لئے بعض حصہ کو چنانچہ اپنا منہ اور ٹھڈی بھی کپڑے سے نہیں چھپائے گا، البتہ فتاوی خانیہ میں لکھا ہے کہ اگر ناک پر ہاتھ رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں اسی طرح محرم اپنے سر کو بھی نہ چھپائے بلکہ کھلا رکھے بخلاف میت کے اور باقی بدن کے یعنی اگر محرم نہ جائے تو اس کا سر اور چہرہ چھپانا جائز ہے ممنوع نہیں اسی طرح سر کے سوا زندہ محرم اپنے بدن کے اور حصوں کو کپڑے سے چھپا سکتا ہے لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔

محرم اگر اپنے سر پر کپڑا اٹھائے گا تو اس سے سر کا ڈھکنا ثابت ہو گا لیکن گٹھری اور طبق اٹھانے سے سر ڈھکنا ثابت نہیں ہو گا جب تک مسلسل ایک دن ایک رات سر پر لئے ہوئے نہ رہے، اگر اتنی دیر لئے ہوئے رہے گا۔ تو اس پر صدقہ دینا لازم ہو گا (فتاوی خانیہ میں ہے کہ آدمی جس چیز کو عادتاً پہنتا ہے اس کو سر پر رکھنے سے اس کا پہننے والا قرار پائے گا اور جو عادتاً پہنا نہیں جاتا ہے اس کے رکھنے سے پہننے والا قرار نہیں پائے گا۔

فقہاء کہتے ہیں کہ محرم اگر کعبہ کے غلاف کے نیچے داخل ہوا اور غلاف اس کے سر یا چہرہ کو لگ گیا تو یہ مکروہ ہے اور اگر نہیں لگا تو کچھ مضائقہ نہیں۔

خطمی اور صابون کا استعمال

محرم اپنے سر اور ڈاڑھی کو خطمی سے دھونے میں پرہیز رکھے گا کیونکہ وہ خوشبودار چیزوں میں ہے دوسری بات یہ کہ خطمی کیڑوں کو مارتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے استعمال سے دم لازم ہوتا ہے لیکن صابون، مسور کا آٹا اور اشنان کے استعمال سے محرم پر کچھ لازم نہیں ہوتا (اشنان ایک گھاس ہے جو میل کو صاف کرتی ہے) اس میں صاحبین اور امام صاحب کسی کا اختلاف نہیں اسی طرح بیر کے پتوں سے دھونے میں بھی کچھ لازم نہیں آتا مگر اس میں تھوڑا اشکال ہے کیونکہ جس طرح خطمی کے استعمال سے کیڑے مرتے ہیں بیر کے پتوں کے استعمال سے بھی مرتے ہیں۔

بال کاٹنے سے پرہیز

محرم نہ ڈاڑھی کتروائے گا اور نہ سر منڈائے گا اور نہ اپنے بدن کے اور حصوں کے بال کاٹے گا البتہ جو بال آنکھوں میں اندر ہوتا ہے جس کو پربال کہتے ہیں اس کے دور کرنے میں کچھ حرج نہیں۔

ولبس قمیص وسراویل ای کل معمول علی قدربدنه او بعضه کزردیة وبرنس وقباء ولو لم بدخل یدیه فی کمیه جاز لا ان یزرره او یخلله و یجوز ان یرتدی بقمیص وجبة

ویلتحف به فی لوم وغیره اتفاقا و عمامة وقلنسوة و خفین الا ان یجد نعلین فیقطعهما اسفل من الكعبین عند معقد الشراك فیجوز لبس الذرموزة لا الجوربین.

سلے ہوئے کپڑے کا استعمال محرم قمیص کرتا پائجامہ اور ہر اس کپڑے کے استعمال سے پرہیز کرے گا جو انسان کے تمام قد یا بعض حصۂ جسم کے موافق تیار کیا جاتا ہے اور وہ بدن پر ٹھہر جاتا ہے جیسے لوہے کی زرہ اور لمبی ٹوپی۔

محرم قبا پہننے سے بھی پرہیز کرے گا البتہ اگر قبا اس طرح استعمال کیا کہ دونوں ہاتھوں کو ان کی آستینوں میں نہیں ڈالا تو جائز ہے مگر گھنڈی اور بٹن لگانا یا کانٹے کے ذریعہ روکنا یہ درست نہیں ہے اس صورت میں دم لازم ہوگا۔ ہاں قمیص اور جبہ کا بطور چادر استعمال جائز ہے اور سونے میں ان کے بدن پر ڈال لینے یا اوپر سے لپیٹتے لینے میں جس طرح لحاف لپیٹے ہیں مضائقہ نہیں مگر شرط یہ ہے کہ سر اور چہرہ کو نہ چھپائے اسے کھلا رکھے۔

عمامہ اور ٹوپی کا استعمال محرم پگڑی ٹوپی اور موزوں کے استعمال سے بھی بچے گا ہاں اگر کسی کو چپل نہ ہو اور موزوں کو دونوں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ ڈالے اور چپل بنا کر پہنے تو اس میں مضائقہ نہیں۔

وثوب صبغ بماله طیب کورس وهو الكركم وعصفروهو زهر القرطم الا بعد زواله بحیث لا یفوح فی الاصح لا بتقی الاستحمام لحدیث البیهقی انه علیه الصلوة والسلام دخل الحمام فی الجحفة والاستظلال ببیت ومحمل لم یصب رأسه اووجهه فلواصاب احدهما كره كما مر وشدهمیان بكسر الهاء فی وسطه منطقة وسیف وسلاح و تختم زیلعی لعدم التغطیته والمبس واكتحال بغیرمطیب فلو اكتحل بمطیب مرة اومرتین فعلیه صدقة ولو كثیر فعلیه دم سراجیة ولا یتقی ختانا وفصدا و حجامة وقلع ضرسه وجبر كسر وحك رأسه وبدنه لكن یرفق ان خاف سقوط شعرة وقملة فان فی الواحده یتصدق بشئی وفی الثلث كف من طعام غررالاذكار.

معطر کپڑے کا استعمال محرم ہر ایسے کپڑے کے استعمال سے بھی بچے گا جو خوشبودار چیز سے رنگا گیا ہو جیسے ورس اور کسم کے پھول سے لیکن جب اس کا رنگ اس طرح دور ہو جائے کہ خوشبو باقی نہ رہے تو پھر اس کا پہننا جائز ہوگا مذہب اصح یہی ہے (ورس ایک خوشبودار گھاس ہوتی ہے جس کو یمن میں کرکم کہتے ہیں یہ مسائل اس حدیث نبویؐ سے لئے گئے ہیں جس میں ارشاد ہے لایلبس المحرم القمیص ولا العمامة ولا البرنس ولا السراویل ولا ثوبا درس ولازعفران ولا الخفین الا ان لایجد نعلین فلیقطعها حتی یکون اسفل من الكعبین)

غسل کی اجازت لیکن محرم غسل کر سکے گا اور حمام میں نہائے گا اسلئے کہ بیہقی کی حدیث ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جحفہ کے غسل خانہ میں تشریف لے گئے (اور مسلم کی حدیث سے بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں غسل فرمایا ہے طحطاوی میں ہے کہ غسل تو جائز ہے مگر میل صاف کرنا مکروہ ہے)

سایہ حاصل کرنا اسی طرح محرم گھر اور کجاوہ کا سایہ لینے سے نہیں بچے گا، صرف شرط یہ ہے کہ کجاوہ کی چھت اور اس کا پردہ محرم کے سر اور چہرہ کو نہ لگے کیونکہ سر اور چہرہ کو اس کا لگنا مکروہ ہے۔

تھیلی کا کمر سے باندھنا

محرم روپے پیسے کی تھیلی کو اپنی کمر سے باندھ سکتا ہے خواہ اس تھیلی میں خود اس کا سرمایہ ہو یا کسی دوسرے کا محرم کمر میں کمربند تلوار اور ہتھیار بھی باندھ سکتا ہے اور وہ انگوٹھی بھی پہن سکتا ہے کذافی الزیلعی گھر سے سایہ حاصل کرنا سر چھپانے کے حکم میں نہیں ہے اور نہ تھیلی کمر سے باندھنا لباس کے حکم میں۔

سرمہ وغیرہ کی اجازت

اسی طرح سرمہ بھی لگا سکتا ہے بشرطیکہ اس میں خوشبو نہ ہو، اگر خوشبودار سرمہ دو ایک بار لگائے گا تو اس پر صدقہ لازم ہوگا، اور اگر اس سے زیادہ بار لگائے گا تو دم لازم ہوگا محرم کے لئے ختنہ کرنے فصد لگانے پچھنا لگانے اپنی ڈاڑھی اکھاڑنے اور ٹوٹی ہوئی ہڈی باندھنے سے بھی پرہیز نہیں ہے، یہ کام کر سکتا ہے وہ اپنا سر اور بدن بھی کھجا سکتا ہے لیکن اگر بال یا جوں کے جھڑنے کا خوف ہو تو زور سے نہیں کھجائے گا بلکہ آہستہ ایک جوں میں معمولی صدقہ ہے اور تین جوں میں مٹھی بھر گیہوں صدقہ کرے گا کذافی غرءالاذکار۔

واکثر المحرم التلبیة ندبا متی صلی ولو نفلا اوعلا شرفا اوھبط وادیا اولقی رکبا جمع راکب او جمعا مشاۃ و کذا الولقی بعضھم بعضا او اسحرای دخل فی السحر اذا التلبیة فی الاحرام کالتکبیر فی الصلوۃ رافعا استنانا صوتہ بھا بلا جھد کما یفعلہ العوام.

تلبیہ کا اہتمام

محرم کے لئے بکثرت تلبیہ پڑھنا مستحب ہے جب بھی وہ نماز پڑھے تلبیہ کہے خواہ نفل نماز ہو خواہ فرض اسی طرح جب بلندی پر چڑھے یا وادی میں اترے یا سواروں سے اس کی ملاقات ہو یا پیدل چلنے والوں سے اسی طرح جب اپنے قافلہ والوں میں ایک دوسرے سے ملے تو بھی تلبیہ کہے، جب صبح ہو تو اس وقت بھی تلبیہ کہے۔

ان اوقات میں تلبیہ اس وجہ سے مستحب ہے کہ حج میں تلبیہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے نماز میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے میں اللہ اکبر کہنا۔

تلبیہ کہنے میں سنت سمجھ کر آواز ذرا بلند کرے، مگر چلائے اور چیخے نہیں، جیسے عوام کیا کرتے ہیں۔

واذا دخل مکة بدأ بالمسجد الحرام بعد مایا من علی متعتہ داخلا من باب السلام نھارا ندبا ملبیا متواضعا خاشعا ملا حظا جلالة البقعة ویسن الغسل الدخولھا وھو اللنظافتہ فیجب لحائض ونفساء وحین شاھد البیت کبر ثلثا و معناہ اللہ اکبر من الکعبة وھلل لئلا یقع نوع شرک

مکہ مکرمہ میں داخلہ کے آداب

جب محرم کا مکہ مکرمہ میں داخلہ ہونے لگے تو اپنے سامان وغیرہ کو رکھ کر سب سے پہلے مسجد حرام میں جائے۔ مستحب یہ ہے کہ دن میں داخلہ ہو اور باب السلام سے ہو اس طرح کہ زبان پر لبیک کی صدا ہو انداز خاکسارانہ ہو خشوع کی کیفیت طاری ہو اور اس مقام مقدس کا جاہ و جلال پیش نظر ہو۔

مسنون طریقہ یہ ہے کہ مکہ میں داخل ہونے کے لئے غسل کرے جو صفائی اور ستھرائی کے لئے ہوتا ہے لہٰذا یہ غسل حیض اور نفاس والی عورت کیلئے ہے تاکہ وہ صاف ستھری ہو کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوں،

بیت اللہ پر نگاہ پڑتے وقت کی دعا

مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر جب محرم کی نظر بیت اللہ پر پڑے تو اس کو چاہئے کہ تین مرتبہ اللہ اکبر کہے، اور اس وقت اس کے معنی یہ ہوں گے

کہ اللہ تعالیٰ کعبہ سے بھی بزرگ تر ہے یعنی ہر چیز سے بڑا ہے جس میں کعبہ بھی داخل ہے اور پھر لا الہ الا اللہ کہے تا کہ اس عبادت میں کسی طرح کوئی شرک راہ نہ پا سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بھی عبادت جائز نہیں حتیٰ کہ کعبہ کی بھی جائز نہیں۔

(ایک حدیث میں ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ دیکھ کر تین مرتبہ فرمایا اللہ اکبر اور اس کے بعد یہ پڑھا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ دوسری روایت میں ہے کہ کعبہ کو دیکھ کر آپ نے دعا فرمائی۔ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَضِيْقِ الصَّدْرِ ان کے علاوہ دوسری دعائیں بھی منقول ہیں)

ثم ابتدأبالطواف لانه تحية البيت مالم يخف فوت المكتوبة او جماعتها اوالوتراو سنة راتبة فاستقبل الحجرمكبرامهللارافعا يدية كالصلوة واستلمه بكفيه وقبله بلا صوت وهل يسجد عليه قيل نعم بلا ايذاء لانه سة وترك الايذاء واجب فان لم يقدر يضعهما ثم يقبلهما اواحدهما والايمكنه ذلك يمس بالحجر شيئا في يده ولوعصي ثم قبله اى الشئى وان عجزعنهما اى الاستلام والا مساس استقبله مشيراليه بباطن كفيه كانه واضعهما عليه وكبروهلل وحمدالله تعالى وصلى على النبى صلى الله عليه وسلم ثم يقبل كفيه وفي بقية الرفع في الحج يجعل كفيه السماء الا عند الجمرتين فللكعبة.

پہونچتے ہی طواف

پھر وہاں پہونچ کر سب سے پہلے طواف کرے اس لئے کہ یہ بیت اللہ کو سلام کرنا ہے لیکن یہ اس وقت کرے جبکہ فرض نماز یا اس کی جماعت یا وتر یا سنت موکدہ کے فوت ہونے کا خطرہ نہ ہو، اور اگر ان میں سے کسی کے فوت ہونے کا خوف ہو تو پہلے ان کو ادا کرے پھر اس سے فارغ ہو کر طواف کرے، پھر تکبیر کہتا ہوا اور کلمہ پڑھتا ہوا دونوں ہاتھوں کو اٹھائے ہوئے (جس طرح نماز میں اٹھاتے ہیں) حجر اسود کے سامنے جائے ور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اس پر رکھے اور بلا آواز اس کو بوسہ دے، یعنی لبوں کو لگانے میں آواز نہ نکالے۔

حجر اسود کو بوسہ

(ابن ماجہ میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول خدا ﷺ نے حجر اسود کا استیلام کیا اور دونوں لبوں کو اس پر رکھا اور دیر تک روتے رہے صحاح ستہ میں حضرت عمرؓ کا یہ واقعہ صراحتاً مذکور ہے کہ فاروق اعظمؓ نے حجر اسود کو چوما اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے اگر میں نے رسول خدا ﷺ کو بوسہ دیتے نہ دیکھا تو میں تم کو بوسہ نہیں دیتا، حجر اسود کے بوسہ دیتے وقت بعض دعائے ماثورہ کا پڑھنا بھی منقول ہے)

حجر اسود کے پاس سجدہ کیا جائے گا یا نہیں اس میں دو قول ہیں ایک میں جائز کہا گیا ہے اور دوسرے میں امام مالکؒ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ایسا کرنا بدعت ہے سجدہ نہیں کرنا چاہیے۔

استیلام کا طریقہ

حجر اسود کو جب بوسہ دینے چلے تو اس کا دھیان رکھنا ضروری ہے کہ وہاں تک پہونچنے میں کسی کو تکلیف نہ پہونچائے جیسا کہ بھیڑ بھاڑ میں عموماً ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کو دھکا دیتے ہیں شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ استیلام سنت ہے اور ایذاء رسانی سے بچنا واجب ہے لہٰذا سنت کے واسطے واجب کا ترک کرنا جائز نہیں، اگر کوئی وہاں تک پہونچ کر بوسہ دینے پر قادر نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اس پر

رکھ کران کو چوم لے یا ایک ہاتھ اس پر رکھ کراسی کو چوم لے اور ہجوم کیوجہ سے ہاتھ لگانا بھی ممکن نہ ہو تو اپنے ہاتھ میں کسی چیز کو لے کراسے حجر اسود سے لگائے اور اس شئے کو چوم لے خواہ لاٹھی ہی کیوں نہ ہو اور اگر نہ استیلام (ہاتھ رکھنا) ممکن ہو اور نہ کسی چیز کو ہاتھ میں لے کر اس سے حجر اسود کا چھونا تو پھر ایسا کرے کہ حجر اسود کے سامنے کھڑا ہو جائے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کے اندرونی حصہ سے حجر اسود کی طرف اشارہ کرے گویا سمجھے کہ اس نے ان کو حجر اسود پر رکھ لیا۔ اس کے بعد اللہ اکبر کہے، لاالہ الا اللہ پڑھے اور حق تعالیٰ کی حمد بیان کرے اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے اور یہ کر کے ان دونوں ہتھیلیوں کو چوم لے۔

حجر اسود کے سواحج کے باقی مواقع میں دونوں ہاتھوں کے اٹھاتے وقت ہتھیلیوں کے اندر والے حصے کو بطور دعا آسمان کی طرف کرے البتہ جمرتین کے پاس ایسا نہیں کرے گا بلکہ ان کو کعبہ معظمہ کی طرف کرے گا۔

وطاف بالبیت طواف القدوم ویسن هذاالطواف للأفاقي لانه القادم واخذ الطائف عن یمینه مما یلي الباب فتصیر الکعبة عن یساره لا ن الطائف کالموتم بها والواحد یقف عن یمین الامام ولو عکس اعادمادام بمکة فلو رجع فعلیه دم و کذا لو ابتداء من غیر الحجر کما مر قالوا و یمر بجمیع بدنه علی جمیع الحجر جاعلا قبل شروعه ردائه تحت ابطه المیني ملقیا طرفه علی کتفه الایسر استنانا وراء الحطیم وجوبالان منه ستة اذرع من البیت فلو طاف من الفرجة لم یجز کا ستقبا له احتیاطا وبه قبر اسمعیل و هاجر سبعة اشواط فقط فلو طاف ثامنا مع علمه فالصحیح انه یلزمه اتمام الاسبوع للشروع ای لانه شرع فیه ملتزما بخلاف مالو ظن انه سابع لشروعه مسقط الاملتزما بخلاف الحج.

طواف قدوم

حجر اسود کے بوسہ سے جب فارغ ہو چکے تو بیت اللہ کا طواف کرے اس طواف کو طواف قدوم کہتے ہیں یعنی داخلہ اور حاضری کا طواف، باہر سے آنے والے کے لئے یہ طواف کرنا مسنون ہے کیونکہ داخلہ کا لفظ باہر سے آنے والوں پر ہی صادق آتا ہے، اہل مکہ پر صادق نہیں آتا (جس طرح تحیۃ المسجد ان کے لئے مستحب ہے جو باہر سے چل کر مسجد میں داخل ہوں جو پہلے سے وہاں بیٹھا ہوا ہے اس کے لئے نہیں ہے)

طواف کی ابتداء

طواف کرنے والا طواف کی ابتداء اپنی دائیں جانب سے کرے گا تو جدھر بیت اللہ کا دروازہ ہے اس طرح کعبہ طواف کرنے والے کے بائیں طرف واقع ہوگا۔ دائیں سے طواف شروع کرنے کیوجہ یہ ہے کہ طواف کرنے والا مقتدی کی جگہ ہے اور کعبہ مکرمہ امام کی جگہ اور جب مقتدی تنہا ایک شخص ہو تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ امام کی دائیں جانب کھڑا ہو۔

اگر اس کے خلاف طواف بائیں شروع کرے گا تو جب تک وہ مکہ میں موجود ہے طواف قدوم دوبارہ کرنا ہوگا اور اگر مکہ سے واپس ہو چکا ہے تو اس پر دم لازم ہے کہ ایک جانور کی قربانی کرے، اسی طرح اگر کوئی حجر اسود کے خلاف سمت سے طواف کرے گا تو اس پر بھی دم واجب ہوگا جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ طواف کا حجر اسود سے شروع کرنا واجب ہے۔

فقہاء نے لکھا کہ طواف میں اپنے پورے بدن کو پورے حجر اسود کے آمنے سامنے کر کے چلنا چاہئے یعنی رکن یمانی سے حجر اسود کے مقابل ہو کر طواف کرے اس طرح پورے بدن کا سامنا پورے حجر اسود سے ہوگا۔

طواف سے پہلے چادر رکھنے کا طریقہ
طواف شروع کرنے سے پہلے اس کو چاہئے کہ اپنی چادر کو اپنی دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں مونڈھے پر ڈالے جو سنت ہے اور حطیم سمیت بیت اللہ کا طواف کرے ایسا کرنا واجب ہے، اس لئے کہ حطیم کے اندر بیت اللہ کی چھ ہاتھ زمین داخل ہے لہٰذا اگر کوئی طواف اس درمیانی خلا سے کرے گا جو حطیم اور بیت اللہ کے درمیان واقع ہو تو اس کا یہ طواف جائز نہیں ہوگا، جیسے نماز کے اندر اگر کوئی صرف حطیم کا استقبال کرے تو اس کی نماز جائز نہیں ہوگی احتیاط کا تقاضا یہی ہے نماز میں استقبال کعبہ نص قرآنی سے فرض ہے اور حطیم کا کعبہ میں داخل ہونا صرف خبر واحد سے ثابت ہے دلیل قطعی سے ثابت نہیں اس لئے احتیاط ہے کہ طواف میں حطیم کو داخل کرلے اور نماز میں خارج گردانے واضح ہو کہ اسی حطیم میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور آپ کی والدہ حضرت ہاجرہ کی قبر ہے۔

طواف میں شوط کی تعداد
طواف میں بیت اللہ کے گرد صرف سات چکر لگائے جائیں اس سے زیادہ نہیں اگر کوئی قصداً آٹھواں چکر شروع کردے گا تو صحیح مذہب یہ ہے اس کے لئے سات چکر پورا کرنا لازم ہوگا یعنی اس آٹھویں چکر کے شروع کردینے کی وجہ سے دوسرا طواف سات چکر والا اس پر ضروری ہوگا۔

واعلم ان مكان الطواف داخل المسجد ولو وراء زمزم لا خارجه لصير ورته طائفا بالمسجد لا بالبيت ولو خرج منه او من السعى الى جنازة او مكتوبة او تجديد وضوء ثم عادبنى وجازفيهما اكل وبيع وافتاء و قراءة لكن الذكر افضل منها وفى منسك النووى الذكر الماثور افضل واما فى غير الماثور فالقرأة افضل فليراجع ورمل اى مشى بسرعة مع تقارب الخطا و هزكتفيه فى الثلثة الاول استنانا فقط فلوتركه او نسيه ولو فى الثلثه لم يرمل فى الباقى ولو زحمه الناس وقف حتى يجد فرجة فيرمل بخلاف الاستلام لان له بدلا من الحجرالى الحجر فى كل شوط وكلما مربالحجرفعل ماذكرمن الالستلام واستلم الركن اليمانى وهومندوب لكن بلا تقبيل وقال محمد هو سنة ويقبله والدلائل تؤيده ويكره استلام غير هما وختم الطواف باستلام الحجراستنانا ثم صلى شفعا فى وقت مباح يجب بالجيم على الصحيح بعد كل اسبوع عند المقام حجارة ظهر فيها اثر قدمى الخليل او غيره من المسجد وهل يتعين المسجد قولان .

طواف کی جگہ
طواف کی جگہ مسجد حرام کا اندرونی حصہ ہے اور پوری مسجد حرام طواف کی جگہ ہے اگرچہ طواف میں زمزم کو بھی داخل کرلے، مسجد حرام کے باہر طواف کی جگہ نہیں ہے اگر کوئی مسجد حرام کے باہر طواف کرے گا تو وہ نہ مسجد حرام کا طواف کرنے والا قرار پائے گا اور نہ بیت اللہ کا طواف کرنے والا (یوں تو پوری مسجد حرام میں طواف جائز ہے لیکن بیت اللہ کے گرد چند ستون ہیں طواف ان کے اندر ہوتا ہے، اصطلاح میں اس جگہ کو مطاف (جائے طواف) کہتے ہیں۔

بیت اللہ کا نقشہ
بیت اللہ کا نقشہ اس طرح ہے کہ درمیان میں ایک کوٹھری سی ہے جس کو بیت اللہ کہتے ہیں اس کے گرد مطاف کے ستون ہیں پھر چاروں طرف بڑا صحن ہے اسی صحن میں زمزم کا کنواں بھی ہے

اور مقام ابراہیم بھی پھر مسجد حرام کے ہر چہار طرف عمارتیں ہیں، مسجد حرام کی جانب پشت پر صفا کی پہاڑی ہے اور دوسری جانب مروہ کی اور مروہ کے درمیان مسجد حرام کی دیوار سے متصل دو سبز مینار ہیں جن کے درمیان حاجی سعی کرتے ہیں۔ بیت اللہ کے ایک گوشہ میں تین ہاتھ کی بلندی پر حجر اسود نصب ہے جب حجر اسود سے بیت اللہ کے دروازے کی جانب چلتے ہیں تو دوسرا کنارہ ملتا ہے جس کو رکن عراقی کہتے ہیں پھر اس کے بعد تیسرا گوشہ ہے جس کو رکن شامی کہتے ہیں، پھر چوتھا گوشہ ہے جس کو رکن یمانی کہتے ہیں اور حجر اسود سے کعبہ کے دروازے تک جو جگہ ہے اسے ملتزم کہا جاتا ہے بیت اللہ سے جانب مشرق چھ میل دوری پر منیٰ ہے، جہاں قربانی ہوتی ہے اس سے آگے اتنے ہی دوری پر مزدلفہ ہے جہاں مغرب اور عشاء کی نماز ایک وقت میں پڑھتے ہیں اس کے آگے عرفات کا میدان ہے اور اس کی پہاڑی ہے جہاں کا قیام فرض ہے اور اسی قیام پر حج کا دار و مدار ہے۔

بعض مسائل طواف

اگر کوئی طواف کر رہا تھا اور ابھی سات چکر نہیں ہوئے تھے کہ وہاں سے نکل کر وہ کسی جنازہ کی نماز یا فرض نماز یا تجدید وضو کیلئے باہر آیا تو پھر اس سے فارغ ہو کر وہ وہیں پہنچے گا جہاں سے اس نے طواف چھوڑا تھا اور بقیہ چکر پورے کرے گا اور اگر یہی صورت سعی میں پیش آئی ہے کہ درمیان سے چھوڑ کر نکلا ہے تو پھر پلٹ کر وہیں سے وہ مابقیہ پوری کرے گا۔

حالت طواف اور حالت سعی میں کھانا فتویٰ دینا تلاوت کرنا اور کسی چیز کی بیع کرنی جائز ہے لیکن افضل یہ ہے کہ ان حالتوں میں ذکر اللہ میں مشغول رہے کیونکہ اس وقت ذکر تلاوت قرآن سے افضل ہے (ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو بیت اللہ کا سات بار طواف کرے اور سبحان اللہ، الحمد لله اور لا اله الا الله والله اکبر ولا حول و لا قوہ الا باللہ کے سوا کوئی بات نہ کرے تو اس کی وجہ سے اس کے دس گناہ مٹائے جاتے ہیں اور دس درجے بلند کئے جاتے ہیں کذافی النہر)

نوویؒ نے اپنی کتاب منسک میں لکھا ہے کہ جو ذکر آنحضرت ﷺ سے منقول ہے وہ افضل ہے البتہ ان دعاؤں سے جو آنحضرت ﷺ سے اس حالت میں منقول نہیں اس سے بہتر تلاوت قرآن ہے (فتح القدیر میں ابن الہمام نے لکھا ہے کہ طواف میں محض ذکر اللہ ہی آیا ہے مجھ کو کوئی ایسی حدیث نہیں ملی جس میں طواف کے اندر قرآن کا پڑھنا آیا ہو، ابن ماجہ کی حدیث میں جو مرفوع ہے طواف کے اندر تسبیح، تہلیل، تحمید، تکبیر اور حوقلہ مروی ہے جو حدیث ابھی اوپر نقل ہو چکی ہے۔

رمل

طواف کے پہلے تین چکر میں اکڑ کر چلے گا یعنی تیزی سے قدم اٹھائے گا اور نزدیک نزدیک رکھے گا اور دونوں مونڈھوں کو ہلائے گا جیسے میدان جنگ میں جوانمرد پہلوان اکڑ کر چلتے ہیں اسی طرح تین شوط میں چلنا سنت ہے اس طرح چلنے کو اصطلاح میں رمل کہتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ طواف میں اس طرح اکڑ کر چلنے کا سبب یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ جب اپنے صحابیوں کے ساتھ مدینہ منورہ سے عمرہ کرنے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو مشرکین مکہ کہنے لگے کہ ان سب کو مدینہ منورہ کے بخار نے توڑ ڈالا ہے اور کمزور کر دیا ہے، جب آپ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے مسلمانوں سے فرمایا طواف میں سینہ نکال کر بہادروں کی طرح چلا کریں، تاکہ کافروں پر رعب طاری ہو اور ان کی غلط فہمی دور ہو اور ان کے ذہن سے یہ بات نکل جائے کہ مدینہ منورہ کی آب و ہوا نے ان کو کمزور کر ڈالا ہے ۸ھ میں جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو ہجرت کے دسویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لئے تشریف لائے اور طواف میں سابق کی طرح رمل فرمایا یعنی بہادروں کی طرح چلے آپ کے بعد یہ عمل برابر صحابہؓ و تابعین اور

بعد والوں میں باقی رہ گیا اور اب تک جاری ہے۔

(بخاری شریف میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ امیر المؤمنین عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ ہمیں اس اکڑ کر چلنے سے اب کیا فائدہ یہ اکڑنا تو ہم نے اس لئے شروع کیا تھا کہ مشرکین مکہ دیکھیں کہ ہم کمزور نہیں بحمد اللہ اب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر ڈالا ہے مگر اب بات صرف اتنی ہے کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فعل کیا ہے اس لئے ہم نہیں چاہتے کہ اس کو ہم چھوڑ دیں)

رمل کا بھول جانا

اگر کوئی رمل کرنا پہلے چکر میں بھول گیا یا اس نے قصداً چھوڑ دیا تو پہلے کے بعد والے دو میں کر لے، اور اگر پہلے تینوں چکر میں چھوڑ دیا، یا بھول گیا تو بقیہ چار اخیر والے چکروں میں رمل نہیں کرے گا (کہ اس کی جگہ ختم ہو چکی ہے)

اگر طواف میں لوگوں کا ہجوم ہو اور رمل کی جگہ نہ ملے تو تھوڑی دیر ٹھہر جائے تا آنکہ رمل کا موقع پیدا ہو جائے اور پھر رمل کرے بخلاف استلام کے کہ ہجوم کی وجہ سے اس کیلئے توقف نہیں کرے گا کیونکہ استلام کا بدل استقبال موجود ہے اور رمل کا کوئی قائم مقام نہیں

رمل کہاں سے کہاں تک

رمل حجر اسود سے شروع کرے گا اور اسی پر آکر ختم کرے گا تینوں چکر میں اسی طرح کرے گا اور ہر چکر میں جب وہ حجر اسود کے پاس سے گذرے گا تو حجر اسود کا استلام کریگا جس کی تفصیل پہلے گزر چکی، رکن یمانی کا بھی استلام کرے گا لیکن اس کو بوسہ نہیں دیے گا بلکہ صرف ہاتھ رکھے گا اور امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ رکن یمانی کا استلام سنت ہے اور اسے بوسہ بھی دے گا دلائل امام محمدؒ کی تائید میں ہیں رکن یمانی اور حجر اسود کے سوا کسی اور چیز کا استلام مکروہ ہے کیونکہ حدیث سے ثابت نہیں ہے طواف کو حجر اسود کے استلام پر ختم کرے سنت طریقہ یہی ہے اس سے فارغ ہو کر مباح وقت میں دو رکعت نماز ادا کرے اس نماز کا طواف کے سات چکر پورا کرنے کے بعد ادا کرنا واجب ہے اور یہ نماز مقام ابراہیم میں ادا کی جائے گی۔ مقام ابراہیم ایک پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات ہیں جب آپ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو دیکھنے کے لئے تشریف لائے تھے تو سواری سے اترتے چڑھتے اسی پتھر پر قدم مبارک رکھا کرتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دنیا کو حج بیت اللہ کی دعوت عام دی تھی تو آپ کے قدم مبارک اسوقت اسی پتھر پر تھے کذا فی الطحطاوی۔

طواف کی وجہ

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو زمین پر اتارا تو آدم علیہ السلام نے کعبۃ اللہ کا سات بار طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی پھر دعا کی کہ میری معذرت قبول فرما اور میری لغزش معاف فرما دے یہ دعا لفظ بلفظ حدیث میں منقول ہے اس کے بعد حق تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تو نے مجھ سے ایسی دعا کہ میں نے تیری معذرت قبول کی اور تیری لغزش معاف کر دی، اور تمہاری اولاد میں سے جو ایسی دعا کرے گا اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہو گا (کذا فی کنز العمال و فتح القدیر)

طواف کے بعد کی دو رکعت نماز مقام ابراہیم کے علاوہ مسجد الحرام میں کہیں بھی پڑھی جا سکتی ہے بشرطیکہ اس کو مقام ابراہیم میں جگہ میسر نہ آئی ہو سوال یہ ہے کہ کیا اس نماز کے لئے مسجد الحرام ہی متعین ہے؟ اس میں دو قول ہیں طحطاوی نے کہا کہ قول معتمد یہ ہے کہ مسجد حرام کا تعین اس کی فضیلت کی وجہ سے ہے لازم نہیں۔

ثم الالتزم الملتزم وشرب من زمزم و عاد ان اراد السعی واستلم الحجر و کبر وھلل

وخرج من باب الصفاندبا فصعد الصفا بحيث يرى الكعبة من الباب واستقبل البيت وكبروهلل وصلى على النبي صلى الله عليه وسلم بصوت مرتفع خانية ورفع يديه نحو السماء و دعا لختمه العبادة بماشاء لان محمد الم يعين شيئا لا نه يذهب برقة القلب وان يترك بالماثور فحسن ثم مشي نحوالمروة ساعيابين الميلين الاخضرين المتخذين في جدارالمسجد وصعد عليها وفعل ما فعله على الصفا يفعل هكذا اسبعا يبدأ بالصفا ويختم الشوط السابع بالمروة فلو بدأ بالمروة لم يعتد بالاول هو الاصح وندب ختمه بركعتين في المسجد كختم الطواف.

ملتزم سے چمٹنا

طواف کی دوگانہ ادا کرنے کے بعد ملتزم کو چمٹے (اس طرح کہ اپنا سینہ، پیٹ اور دایاں رخسار (اس سے لگادے اور دونوں ہاتھوں کو سر کے اوپر کھڑا کر کے دیوار سے ملادے) اور زمزم کا پانی پیے اور زمزم پیتے ہوئے یہ دعاء پڑھے اللهم انی اسئلك رزقا واسعاوعلما نافعا وشفاء من كل دراء (كذافى فتح القدير) اور اگر سعی کا ارادہ ہو تو صفامروہ کی طرف آئے اور اگر ارادہ نہ ہو تو آنے کی ضرورت نہیں۔

حجر اسود کا استلام کرے اللہ اکبر کہے اور کلمہ توحید پڑھے اور مستحب یہ ہے کہ باب الصفا سے ہو کر نکلے اور بایاں قدم آگے رکھے اور یہ دعاء پڑھے۔ (بسم الله والسلام على رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم اغفرلي ذنوبي وافتح لي ابواب رحمتك و ادخلني فيها واعذني من الشيطان)

سعی بین الصفاوالمروہ

اس کے بعد صفا پہاڑی پر چڑھے اور اس قدر اونچائی پر کعبۃ اللہ نظر آئے اور بیت اللہ سامنے ہو اور اللہ اکبر کہے اور کلمہ توحید پڑھے اور رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھے اور بلند آواز سے پڑھے پھر دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھائے اور جو دعاء چاہے پڑھے اور کرے کیونکہ یہ تمام تر عبادت کا وقت ہے امام محمدؒ نے مناسک حج میں کوئی دعا مخصوص نہیں فرمائی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ متعین دعا سے رقت قلب کی کیفیت پیدا نہیں ہو پاتی ہے بلکہ وہ اس کے لئے مانع بن جاتی ہے ایسے وقت میں وہی دعا بہتر ہے جو اس وقت بے ساختہ زبان و دل سے ادا ہو اور اگر دعائے ماثورہ سے برکت حاصل کرنا چاہے تو یہ بھی عمدہ ہے۔

پھر صفا سے اتر کر مروہ کی طرف چلے اور ان دونوں سبز میناروں کے درمیان لپک کر چلے جو مسجد حرام کی پشت کی دیوار میں تراشے ہوئے ہیں اور مروہ پہاڑی پر چڑھ جائے اور تمام کام کرے جو صفا پر وہ کر چکا ہے اسی طرح سات مرتبہ کرے صفا سے شروع کرے اور ساتویں چکر کو مروہ پر ختم کرے، صفا سے مروہ تک آنا ایک چکر ہوتا ہے، پھر مروہ سے صفا تک جانا دوسرا چکر پھر صفا سے مروہ تک آنا تیسرا چکر اس طرح ساتواں چکر مروہ پر آکر پورا ہوگا۔

سعی کے بعد دوگانہ

اگر کسی نے سعی بین الصفاوالمروہ کی ابتداء بجائے صفا کے مروہ سے شروع کیا اور مروہ سے صفا تک آیا تو یہ پہلا چکر شمار نہیں ہوگا صحیح تر قول اس باب میں یہی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے سعی کی ابتداء صفا سے فرمائی ہے اور اسی کا حکم بھی فرمایا ہے پھر مستحب یہ ہے کہ سعی کے اختتام پر دو رکعت نماز ادا کرے یہ نماز مسجد حرام میں کہیں بھی پڑھ سکتا ہے جیسا کہ طواف کے ختم پر دوگانہ ادا کرتے ہیں مسند احمد میں حدیث مرفوع ہے کہ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سعی کے بعد مسجد حرام میں جاکر حجر اسود کے سامنے دو رکعت نماز ادا کی تھی۔

ثم سكن بمكة محرما بالحج ولا يجوز فسخ الحج بالعمرة عندنا وطاف بالبيت نفلاماشيا بلا رمل وسعي وهو افضل من الصلوة نافلة للآفاقي وقبله للمكي وفي البحرينبغي تقييده بزمن الموسم والافالطواف افضل من الصلوة مطلقا.

عمرہ کے بعد قیام مکہ سعی سے فارغ ہونے کے بعد حج کے احرام کیساتھ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہو جائے کیونکہ عمرہ کر کے حج کا احرام توڑنا احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے (حجۃ الوداع کے سلسلہ میں جو احرام کا فسخ کرنا آیا ہے وہ اس وقت کیلئے مخصوص تھا کیونکہ مسلم کی حدیث میں صراحت ہے کہ عمرہ کر کے حج فسخ کرنا صحابہ کبار کیلئے مخصوص تھا)

طواف کی کثرت اس زمانۂ قیام میں جس قدر ہو سکے بیت اللہ کا نفل طواف کرتا رہے جس میں نہ رمل ہو اور نہ سعی اور باہری آدمیوں کیلئے نفل نماز پڑھنے سے افضل طواف کرنا ہی ہے البتہ مکی کیلئے افضل نماز پڑھنا ہے بحر الرائق میں ہے کہ مکیوں کیلئے جہاں افضل نماز پڑھنے کو کہا گیا ہے وہاں موسم حج کی قید کا بڑھانا مناسب ہے کیونکہ اس زمانہ میں ان کیلئے طواف سے افضل نماز نفل ہے تاکہ اس ہجوم کے زمانہ میں باہری لوگوں کو طواف کا زیادہ موقع مل سکے، حج کے موسم کے بعد مکیوں کیلئے بھی طواف ہی افضل ہے (ابن حبان میں ہے) کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ بیت اللہ کا طواف نماز کے حکم میں ہے حدیث میں طواف کی بہت ترغیب آئی ہے اور اس کے بہت ثواب بیان کئے گئے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جو پچاس مرتبہ بیت اللہ کا طواف کرے گا وہ اپنے گناہوں سے اس طرح نکل آئے گا جیسے وہ ابھی ماں کے پیٹ سے معصوم پیدا ہوا ہے۔

وخطب الامام اولى خطب الحج الثلث سابع ذي الحجة بعدالزوال وبعد صلوة الظهر وكره قبلة وعلم فيها المناسك فاذا صلى بمكة الفجريوم التروية ثامن الشهر خرج الى منى قرية من الحرم على فرسخ من مكة ومكث بها الى فجرعرفة ثم بعد طلوع الشمس راح الى عرفات على طريق ضب و عرفات كلها موقف الا بطن عرفة بفتح الراء وضمها وادمن الحرم غربي مسجد عرفة فبعد الزوال قبل صلوة الظهرخطب الامام في المسجد خطبتين كالجمعة وعلم فيها المناسك وبعد لخطبة صلى بهم الظهر والعصرباذان واقامتين وقراء ة سرية ولم يصل بينهما شياء على المذهب ولا بعداداء العصر في وقت الظهر.

ایام حج میں خطبات حج کے زمانہ میں امام تین خطبے تین تاریخوں میں دے گا ان میں سے پہلا خطبہ ساتویں ذی الحجہ کو زوال کے بعد نماز ظہر ادا کرنے کے بعد دے گا نماز ظہر سے پہلے خطبہ دینا مکروہ ہے اور اس خطبہ میں حج کے احکام بیان کرے گا اور حاجیوں کو بتائے گا کہ احرام کس طرح باندھا جاتا ہے۔ اور پھر منیٰ اور عرفات میں قیام کب ضروری ہے وغیرہ وغیرہ۔

(ان تین خطبوں میں پہلا خطبہ جیسا کہ بیان کیا گیا ۷ ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ میں بعد نماز ظہر دے گا دوسرا خطبہ میدان عرفات میں ۹ ذی الحجہ کو دے گا جس دن وہاں حاجی قیام کرتے ہیں اور تیسرا خطبہ ۱۱ ذی الحجہ کو منیٰ کے میدان میں دے گا یہ تیسرا خطبہ بھی بعد نماز ظہر ہی دیا جائے گا البتہ عرفات کا خطبہ زوال کے بعد مگر نماز ظہر سے پہلے دیا جائے گا ان تمام خطبوں میں پہلے

تکبیر پھر تلبیہ تحمید واجب ہے)

منیٰ میں

۸/ذی الحجہ کو جب مکہ میں فجر کی نماز ادا کر چکے تو اس کے بعد منیٰ کی طرف چل پڑے گا اور عرفہ (۹/ذی الحجہ) کی فجر تک وہاں قیام کرے منیٰ حرم کی حدود میں ہے اور مکہ سے چند میل دوری پر ہے، ایام حج میں لبیک بار بار بکثرت کہتا رہے۔

عرفات کو

منیٰ میں ۹/ذی الحجہ کو جب آفتاب طلوع ہو چکے تو منی سے عرفات کے لئے چل پڑے اور ضب کے راستہ سے ہو کر وہاں پہونچے راستہ میں لبیک اور کلمہ توحید زبان پر برابر جاری رہنا چاہئے، جب عرفات کے قریب آئے اور جبل رحمت نظر آنے لگے تو سبحان اللہ والحمد للّٰلہ ولا الہ الا اللہ پڑھے اور لبیک کہتا ہوا عرفات میں داخل ہو۔

میدان عرفات میں بطن عرنہ کو چھوڑ کر جہاں چاہے قیام کر سکتا ہے بطن عرنہ میں ٹھہرنا جائز نہیں، آفتاب جب ڈھل چکے اور زوال ختم ہو جائے تو نماز ظہر سے پہلے امام مسجد میں دو خطبے دے گا، جیسے جمعہ کے دن امام دو خطبے دیتا ہے اور درمیان میں بیٹھتا ہے ایسا ہی اس میں بھی دونوں خطبوں کے درمیان امام بیٹھے گا اور جس طرح جمعہ کے خطبہ میں مؤذن اذان دیتا ہے اس میں بھی امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت مؤذن سامنے کھڑا ہو کر اذان دے گا۔

جمع بین الصلوٰتین

اس خطبہ میں امام حج کے احکام بتائے گا کہ حاجیوں کو کیا کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے، کب کب کرنا ہے خطبہ سے فارغ ہو کر امام لوگوں کو پہلے ظہر کی نماز پڑھائے گا پھر اسی وقت عصر کی نماز بھی پڑھائے گا اذان ایک ہو گی اور تکبیر دونوں کے لئے الگ الگ دو۔ ایک نماز ظہر کے لئے اور ایک نماز عصر کے لئے ان دونوں فرض نمازوں کے درمیان کوئی اور نماز نہیں پڑھی جائے گی، اور نہ نماز عصر کے بعد حتیٰ کے سنت مؤکدہ بھی نہیں پڑھی جائے گی ان دونوں نمازوں میں قرأت آہستہ کرے گا ایام حج میں اس موقع سے جمع بین الصلوٰتین جائز اور مطلوب ہے۔

وشرط لصحة هذا الجمع الامام الا عظم اونائبة والاصلوا وحدانا والا حرام بالحج فيهما اى الصلوتين فلا تجوز العصر للمفرد في احدهما فلو صلى وحده لم يصل العصر مع الامام ولا تجوز العصر لمن صلى الظهر بجماعة قبل احرام الحج ثم احرم الا في وقته وقالا لا يشترط لصحة العصر لا الاحرام وبه قالت الثلثة وهو الاظهر شرنبلا لية عن البرهان

جمع بین الصلوٰتین کیلئے دو شرطیں

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جمع بین الصلوٰتین کے لئے دو شرطیں ہیں ایک شرط یہ ہے کہ بادشاہ موجود ہو یا اس کا نائب اگر یہ نہ ہوں گے تو لوگ اپنی اپنی نماز علیحدہ علیحدہ پڑھیں گے اور دوسری شرط یہ ہے کہ دونوں نمازوں کے وقت لوگ احرام حج میں ہوں ایک نماز میں احرام عمرہ میں ہوں اور دوسری نماز میں احرام حج میں یا سرے سے احرام میں نہ ہوں تو جمع بین الصلوٰتین جائز نہیں ہو گی۔

چند فقہی مسائل

لہٰذا جس نے ظہر یا عصر کی نماز تنہا پڑھی ہے اس کے لئے عصر کی نماز ظہر کے وقت میں پڑھنا جائز نہیں ہے اسی طرح جس نے ظہر کی نماز تنہا پڑھی وہ بھی امام کے ساتھ عصر کی نماز ظہر کے وقت میں نہیں پڑھ سکتا ہے، اس کو چاہئے کہ وہ عصر کی نماز اسکے وقت میں پڑھے۔

جس نے حج کے احرام سے پہلے ظہر کی نماز باجماعت پڑھی، پھر احرام باندھا تو اس کے لئے عصر کی نماز ظہر کے وقت میں

امام کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کو عصر کی نماز عصر کے وقت میں پڑھنا ہوگی۔

صاحبین کہتے ہیں کہ جمع بین الصلوٰتین کے واسطے صرف ایک شرط ہے اور وہ احرام حج ہے امام کا ہونا ان کے نزدیک شرط نہیں ہے بقیہ تینوں اماموں کا بھی مذہب یہی ہے اور یہ ظاہر تر ہے مگر فتویٰ امام ابو حنیفہؒ کے قول پر ہے۔

ثم ذهب الى الموقف بغسل سن ووقف الامام على ناقته بقرب جبل الرحمة عند الضحرات الكبار مستقبلا القبلة والقيام والنية فيه اى الوقوف ليست بشرط ولا واجب فلو كان جالسا جازحجه و ذلك لان الشرط الكينونه فيه فصح وقوف مجتاز وهارب وطالب غريم ونائم ومجنون وسكران و عاد جهرا بجهد وعلم المناسك ووقف الناس خلفة بقربة مستقبلين القبلة سامعين لقوله خاشعين باكين وهو من مواضع الاجابة وهى يمكةخمسه عشرنظمها صاحب النهرفقال دعاء البرايا يستجاب بكعبة وملتزم والموقفين كذا الحجر طواف وسعى مروتين وزمزم مقام وميزاب جمارك تعتبر زاد فى اللباب وعند روية الكعبة وعند السدرة والركن اليمانى وفى الحجر وفى منى فى نصف ليلة البدر.

وقوفِ عرفہ ظہر وعصر کی نماز سے فارغ ہو کر سنت یہ ہے کہ غسل کرے اور ٹھہرنے کی جگہ میں چلا جائے اور امام اپنی سواری پر بیٹھ کر جبل رحمت کے قریب بڑے بڑے کالے پتھروں کے پاس قبلہ رو ہو، یہاں قیام کے لئے وقوف کی نیت کرنا نہ شرط ہے اور نہ واجب اگر وہ موقف میں بیٹھا رہے گا تو بھی اس کا حج جائز ہوگا اور یہ جائز اس وجہ سے ہے کہ شرط صرف یہ ہے کہ وہاں موجود رہے جس طرح بھی ہو، لہٰذا راہ چلتے ہوئے کا ٹھہر جانا یا بھاگتے ہوئے کا ٹھہر جانا، یا مدیون کی تلاش میں نکلے ہوئے اسی طرح سوتے ہوئے اور پاگل و مست کا ٹھہر جانا اور وقوف کا پایا جانا کافی ہے اور یہ ٹھہرنا بھی شرط پوری کرنے کے لئے درست ہے اسی طرح جنبی حائضہ عورت اور جس نے جمع بین الصلوٰتین نہیں کی ہے ان سب کا وقوف بھی صحیح ہے۔

میدان عرفات میں دعا یہاں میدان عرفات میں بلند آواز سے دعا کرے اور خوب لگ بھڑک کر دعا میں مشغول رہے اور امام اپنی سواری پر بیٹھ کر لوگوں کو حج کے احکام بتائے اور لوگ اس کے پیچھے اس کے نزدیک ہی رہیں اس طرح کہ ان سب کا چہرہ کعبہ و قبلہ کی طرف ہو اور امام جو کچھ بیان کر رہا ہے اس کو خشوع و خضوع کے ساتھ سن رہے ہوں اور رو رو کر گڑگڑا رہے ہوں (مؤطا امام مالک میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا افضل دعا یوم عرفہ کی دعا ہے اور جو دعائیں نے اور مجھ سے پہلے اور پیغمبروں نے کی وہ یہ ہے کہ **لا اله الا الله وحده لا شريك له الملك وله الحمد يحى ويميت وهو حى لايموت بيده الخير و هو على كل شئى قدير** اس میں بظاہر توحید کا اقرار اور خدا کی حمد ہے مگر اسے دعا اس لئے فرمایا گیا کہ کریم کی تعریف کرنا در حقیقت دعا ہی ہوتی ہے فقیر کی صورت ہی سوال ہے اور اس وقت خصوصیت سے جب وہ حمد کی تعریف کرلے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو عرفہ کے دن دیکھا کہ دونوں ہاتھوں کو پھیلائے

ہوئے ہیں اور دعاء کررہے ہیں جیسے کھانا مانگنے والا محتاج ہاتھ پھیلا کر مانگتا ہے عرفہ کے دن دعا قبول ہونے کی بہت سی روایتیں منقول ہیں اور مختلف دعائیں حدیث میں آئی ہیں حج کی کتابیں دیکھ کر یاد کرلی جائیں دعاء کرنے میں اس دن ہرگز کوتاہی نہ ہونے پائے۔ خوب مانگے اور دارین کے لئے جو خواہش ہو سب کی درخواست کرے رب العزت کے یہاں کسی چیز کی قطعاً کوئی کمی نہیں ہے لیکن جو خدا سے مانگے صدق دل اور پورے اخلاص کے ساتھ مانگے۔

مقامات مقبولیت عرفات ان جگہوں میں سے ایک ہے جن میں دعا قبول ہوتی ہے مکہ معظمہ میں جہاں جہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں وہ پندرہ جگہیں ہیں ان کو صاحب نہرالفائق نے نظم میں جمع کر دیا ہے ترجمہ یہ ہے کہ مخلوق کی دعا ان جگہوں میں مقبول ہوتی ہے بیت اللہ[1] کے اندر، ملتزم[2] میں، موقف عرفات[3] میں، موقوف مزدلفہ[4] میں، حجراسود[5] کے پاس، طواف[6] میں، سعی[7] کرنے میں، صفا[8] پر، مروہ[9] پر، زمزم[10] کے پاس، مقام ابراہیم[11] کے پیچھے، میزاب[12] یعنی کعبہ کے پرنالہ کے نیچے اور تینوں[13، 14] جمرات کے پاس[15]۔

(اس نظم میں اوقات کاذکر نہیں ہے بعضوں نے اوقات کا بھی ذکر کیا ہے، وہ اس طرح ہے بیت اللہ کے اندر عصر کے وقت دونوں ستون کے آگے، ملتزم میں آدھی رات کو، عرفات میں آفتاب غروب ہونے کے وقت، مقام ابراہیم اور میزاب میں سحر کے وقت جمرات کے پاس طلوع آفتاب کے وقت، طواف میں ہر وقت، سعی بین الصفا والمروہ میں عصر کے وقت، زمزم کے پاس آفتاب ڈوبنے کے وقت، بہتر یہ ہے کہ ان جگہوں میں ہر وقت دعا میں مشغول رہے۔

طرابلسی نے لباب المناسک میں دعا قبول ہونے کے چھ مزید مواقع کا ذکر کیا ہے اس وقت جب کعبہ[1] نظر پڑے، بیری[2] کے درخت کے پاس، رکن[3] یمانی کے پاس، حطیم[4] میں حجر[5] اسود کے پاس اور میدان[6] منی میں چودھویں رات کے نصف میں طحطاوی میں ہے کہ میں نے کسی کتاب میں اس درخت کا مقام نہیں دیکھا ہے کہ وہ کس جگہ ہے۔

واذا غربت الشمس اتی علی طریق المآزمین مزدلفة وحدها من مازمی عرفة الی مازمی محسر و یستحب ان یاتیها ماشیا و ان یکبرو یهلل و یحمد و یلبی ساعة فساعة والمزدلفة کلها موقف الاوادی محسر هو واد بین منی و مزدلفة فلو وقف به او ببطن عرفة لم یجز علی المشهور

مزدلفہ کو قیام عرفات میں ۹/ذی الحجہ کو جب آفتاب غروب ہو جائے تو وہاں سے مزدلفہ مَاْزِمَیْن کے راستہ آئے اور اس کی حد) مازمین عرفات سے مازمین محسر تک ہے مازمین (تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ) مزدلفہ اور عرفات کے درمیان ایک تنگ راستہ ہے۔ اور دوسرا مازمین یعنی تنگ راستہ منیٰ اور مکہ کے درمیان ہے کذافی القاموس۔ اور دلائل الاسرار کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ مازمین عرفاتؔ اور مزدلفہ کے درمیان ایک پہاڑ کا نام ہے۔

مستحب یہ ہے کہ عرفات سے مزدلفہ پیدل چل کر آئے، اور ہر تھوڑے تھوڑے وقفہ سے راستہ میں اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ الحمد للہ۔ اور لبیک اللھم لبیک الخ کی صدا لگاتا رہے، بعضوں نے لکھا ہے کہ راستہ میں بکثرت استغفار بھی کرے جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

وادی محسّر کو چھوڑ کر مزدلفہ پورا کا پورا قیام کی جگہ ہے، جہاں چاہے قیام کرے، وادی محسّر میں قیام جائز نہیں ہے، محسّر مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان ایک نالہ ہے اگر کوئی محسر یا بطن عرنہ میں ٹھہرے گا، تو وہ اس کے لیے جائز نہیں ہوگا۔ مشہور قول یہی ہے (محسر میم کے پیش اور سین کی تشدید و کسرہ کے ساتھ اس وادی کا نام ہے جہاں اصحاب الفیل غارت ہوئے۔ اس لفظ کے لغوی معنی تھکا دینے والے کے ہیں۔)

و نزل عند جبل قزح بضم ففتح لاینصرف للعلمیة والعدل من قازح بمعنی مرتفع والاصح انه المشعر الحرام و علیه میقدة قیل کانون آدم و صلی العشائین باذان و اقامة لان العشاء فی وقتها فلم یحتج للاعلا کما لا احتیاج هنا للامام ولو صلی المغرب فی الطریق او فی عرفات اعاده للحدیث الصلوة امامك

قیام مزدلفہ مزدلفہ میں قزح پہاڑ کے پاس اترے۔ قزح کے معنی بلندی کے ہیں۔ اور صحیح تر قول یہ ہے کہ مشعر الحرام یہی قزح پہاڑی ہے، اس پہاڑ پر آگ جلنے کی ایک جگہ ہے، بعضوں کا کہنا ہے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی بھٹی ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ جب تم عرفات سے پلٹو تو مشعر الحرام کے پاس حق تعالیٰ کو یاد کرو۔ اسی وجہ سے شارح نے یہاں بتایا کہ مشعر الحرام سے قزح پہاڑ مراد ہے۔

مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی جائے گی۔ یہاں اذان بھی ایک ہوگی اور تکبیر بھی ایک ہی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عشاء کی نماز اپنے وقت میں ادا ہو رہی ہے لہٰذا اطلاع اور خبردار کرنے کی ضرورت نہیں، جس طرح یہاں جمع بین الصلوٰتین کے لیے امام کی بھی شرط نہیں ہے اور نہ اس کی ضرورت پہلے عرفات میں جمع بین الصلوٰتین کے موقع پر پڑھ چکے ہیں کہ اذان تو ایک ہوگی مگر تکبیریں دو۔ یہاں مزدلفہ میں اذان بھی ایک ہوگی اور تکبیر بھی ایک ہی، وہاں ظہر کے وقت میں پہلے

ظہر کی نماز تھی پھر اسی وقت میں عصر کی، یہاں مزدلفہ میں عشاء کے وقت کے اندر پہلے مغرب کی نماز ہوگی پھر عشاء کی، وہاں دوسری نماز اپنے وقت میں نہیں تھی بلکہ وقت سے پہلے تھی یہاں دوسری نماز اپنے وقت میں ہو رہی ہے، اور لوگ جمع ہیں اس لیے دوسری تکبیر کی ضرورت نہیں، یہاں مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی فرض نمازوں کے درمیان کوئی دوسری نماز نہیں پڑھی جائے گی، مغرب وعشاء کی سنتیں اور وتر عشاء کے فرض کے بعد پڑھی جائیں گی۔

راستہ میں نماز کی اجازت نہیں اگر کوئی مغرب یا عشاء کی نماز راستہ میں مزدلفہ پہنچنے سے پہلے پڑھ لے گا عرفات میں تو وہ اس کے لیے کافی نہیں ہوگی۔ بلکہ اعادہ کرنا ہوگا۔ یعنی ان نمازوں کو مزدلفہ پہنچ کر دوبارہ ادا کرے گا۔ اُس حدیث کے پیش نظر جس میں فرمایا گیا ہے کہ نماز ترے آگے ہے (صحیحین میں حضرت اسامہ بن زیدؓ کی روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ جب عرفات سے روانہ ہوئے تو راستے میں ایک جگہ اترے اور استنجا (پیشاب) کیا، اور ناتمام وضو فرمایا۔ میں نے عرض کیا حضرت! نماز پڑھ لیجیے، آپ نے فرمایا نماز ترے آگے ہے، پھر آپ سوار ہوئے تا آنکہ مزدلفہ تشریف لائے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے مکمل وضو فرمایا پھر مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب اور عشاء کی نماز نہ عرفات میں درست ہے اور نہ مزدلفہ کے راستہ میں۔)

فتوقتا بالزمان والمكان والوقت فالزمان ليلة النحر والمكان مزدلفة والوقت وقت العشاء حتى لو وصل الى مزدلفة قبل العشاء لم يصل المغرب حتى يدخل وقت العشاء فتصلح لغزا من وجوه ما لم يطلع الفجر فيعود الى الجواز و هذا اذا لم يخف طلوع الفجر في الطريق فان خافه صلاهما ولو صلى العشاء قبل المغرب بمزدلفة صلى المغرب ثم اعاد العشاء فان لم يعدها حتى ظهر الفجر عاد العشاء الى الجواز و ينوى المغرب اداء و يترك سنتها و يحييها فانها اشرف من ليلة القدر كما افتى به صاحب النهر وغيره وجزم شراح البخارى سيما القسطلانى بان عشر ذى الحجة افضل من العشر الاخير من رمضان

مغرب وعشاء کی نماز مزدلفہ میں مذکورہ حدیث کی رو سے مغرب اور عشاء کی نماز، زمان ومکان کے اعتبار سے معین ہوگی لہٰذا ان کا زمانہ یوم النحر کی رات ہے، اور جگہ مزدلفہ ہے اور وقت مخصوص جس میں نماز ادا ہوگی عشاء کا وقت ہے اس وقت میں دونوں وقتوں کی نماز علی الترتیب ادا کی جائے گی پہلے مغرب کی نماز مؤخر کر کے عشاء کے وقت میں پڑھی جائے گی پھر عشاء کی نماز اپنے اسی وقت میں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی مزدلفہ میں عشاء کے وقت سے پہلے پہنچ جائے تو وہ مغرب کی نماز اُس وقت تک نہیں پڑھے گا جب تک عشاء کا وقت نہ ہو جائے یہ مسئلہ چند وجوہ سے چیستاں کے بھی لائق ہے کہ جواب میں فقیہ کو تھوڑی حیرانی ہوگی۔

چیستاں طحطاوی سے دو سوال وجواب یہاں نقل کیے جاتے ہیں:
سوال: کون فرض نماز ہے جس میں نہ اذان ہے نہ اقامت! جواب: وہ مزدلفہ میں عشاء کی نماز ہے بشرطیکہ مغرب اور عشاء میں فاصلہ نہ ہو، سوال: وہ کون نماز ہے جو بے وقت پڑھی جائے اور قضاء بھی نہ ہو۔ بلکہ ادا ہی ہو؟ جواب:

مزدلفہ میں مغرب کی نماز جو بوقت عشاء پڑھی جاتی ہے۔ سوال: وہ کون نماز ہے جو اپنے وقت میں پڑھی جانے کے باوجود واجب الاعادہ ہوتی ہے۔ جواب: مزدلفہ کی وہ نماز مغرب اور عشاء جو مزدلفہ کے راستہ میں پڑھی جائے یا میدان عرفات میں۔ سوال: کون نماز عشاء ہے جس کو صاحب ترتیب مغرب سے پہلے پڑھ لے گا تو بھی درست ہو گی۔؟ جواب: مزدلفہ کی وہ نماز عشاء جو اپنے اخیر وقت میں پڑھی گئی پھر صبح صادق ہو گئی۔ سوال: کون نماز ہے جس کا ایک خاص جگہ میں پڑھنا واجب ہے؟ جواب: مزدلفہ کو جاتے ہوئے جو نماز مغرب و عشاء آتی ہے۔

نماز مغرب وعشاء راستہ میں کب جائز ہے

عرفات سے مزدلفہ چلتے ہوئے راستہ میں نماز مغرب و عشاء اُس وقت تک پڑھنے کی اجازت نہیں جب تک راستہ میں صبح صادق کے طلوع کا خوف نہ ہو، اگر اس کا خدشہ ہو تو ایسی صورت میں مغرب و عشاء کا راستہ میں پڑھنا جائز ہو گا۔ ان دونوں نمازوں کے راستہ میں پڑھنے پر اعادہ کا حکم اُس وقت ہے جب صبح صادق کے طلوع ہونے کا خوف نہ ہو صبح صادق کے طلوع کے خوف کے وقت راستہ میں پڑھنے سے اعادہ واجب نہیں اس لیے کہ اعادہ کا حکم جمع بین الصلوٰتین کی وجہ سے تھا کہ دونوں نمازیں عشاء کے وقت میں ایک ساتھ پڑھ لی جائیں وہ وقت اب باقی نہیں رہا۔

مزدلفہ میں نمازوں کے اندر ترتیب

اگر کوئی مزدلفہ پہنچ کر مغرب سے پہلے عشاء کی نماز پڑھ لے گا تو وہ پھر پہلے مغرب کی نماز پڑھے گا پھر عشاء کی نماز کو دوبارہ ادا کرے گا۔ لیکن اگر ایسا نہیں کیا اور عشاء کی نماز دوبارہ نہیں پڑھی تا آنکہ فجر ظاہر ہو گئی تو وہ مغرب سے پہلے پڑھی ہوئی نماز عشاء جائز ہو جائے گی (امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے ظہر کی نماز چھوڑ دی اور اس کے یاد رہتے ہوئے اس کے بعد پانچ وقتوں کی نماز پڑھی تو اس کی پانچوں نمازیں اُس وقت جائز ہو جائیں گی۔)

عشاء میں وقت مغرب کی ادائیگی اور اس کی نیت

مزدلفہ میں عشاء کے وقت جو مغرب کی نماز پڑھی جائے گی اس میں ادا کی نیت ہو گی قضا کی نہیں اس وقت مغرب کی سنتوں کو چھوڑ دے گا، صحیح تر قول یہی ہے۔

عشرہ اول ذی الحجہ کی فضیلت

مزدلفہ پہنچ کر شب بیداری کرے اور ذکر اللہ میں مشغول رہے کیونکہ یہ رات شب قدر سے زیادہ افضل ہے چنانچہ صاحب نہر الفائق نے اسی پر فتویٰ دیا ہے کسی نے ان سے پوچھا کہ لیلۃ النحر (قربانی کی رات) لیلۃ الجمعہ سے اشرف ہے یا نہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ میرا رجحان یہی تھا کہ اشرف ہے پھر میں نے جوہرہ نیرہ میں دیکھا کہ لیلۃ النحر سارے سال کی راتوں سے افضل ہے۔

صحیح بخاری کے شارحین بالخصوص علامہ قسطلانیؒ یقین کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ذی الحجہ کے دس پہلے دن رمضان کے اخیر عشرہ سے افضل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی دن ایسا نہیں، جس میں عمل صالح خدا کے نزدیک ذی الحجہ کے دس دنوں سے زیادہ محبوب ہوں، اور دوسری روایت میں ہے کہ عشرۂ ذی الحجہ میں عمل کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت محبوب ہے لہٰذا ان دنوں میں تسبیح و تہلیل اور تحمید کی کثرت رکھو۔

وصلى الفجر بغلس لاجل للوقوف ثم وقف بمزدلفة ووقته من طلوع الفجر الى طلوع الشمس ولو مارا كما في عرفة لكن لو تركه بعذر كزحمة لا شيء عليه وكبر وهلل و لبى وصلى على المصطفى ودعا واذا اسفر جدا اتى منى مهللا مصليا فاذا بلغ بطن محسر اسرع قدر رمية حجر لانه موقف النصارى و رمى جمرة العقبة من بطن الوادى و يكره تنزيها من فوق سبعا خذفا بمعجمتين اى برؤس الاصابع ويكون بينهما خمسة اذرع ولو وقعت على ظهر رجل او جمل ان وقعت بنفسها بقرب الجمرة جاز والا لا وثلثة اذرع بعيد و ما دونه قريب جوهره وكبر بكل حصاة اى مع كل

قیام مزدلفہ مزدلفہ میں فجر کی نماز اندھیرے میں صبح صادق ہوتے ہی پڑھے، تاکہ مزدلفہ میں وقوف ہو نماز فجر کے بعد مزدلفہ میں قیام صبح صادق کے طلوع سے لے کر طلوع آفتاب تک ہے گو بطور گذر ہو، جیسا کہ عرفات میں حکم ہے لیکن اگر کوئی بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے مزدلفہ میں قیام نہ کر سکے تو اس پر دم وغیرہ نہیں ہے۔

مزدلفہ میں اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ اور تلبیہ بکثرت جاری رکھے، اور سرور کائنات ﷺ پر درود بھی بھیجتا رہے اور اپنے لیے دعا کرتا رہے، غفلت سے ہرگز کام نہ لے کیونکہ بار بار اس کا موقع نہیں آتا ہے۔

منیٰ کی طرف روانگی صبح جب خوب روشن ہو جائے تو کلمہ توحید اور درود پڑھتا ہوا منیٰ کی طرف روانہ ہو جب محسّر پہنچے تو پتھر پھینکنے کی طرح تیز تیز چلے، کیونکہ یہ جگہ نصاریٰ کے ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ اسی جگہ اصحاب الفیل برباد و ہلاک ہوئے تھے، ان پر خدا کا غضب نازل ہوا تھا، لہٰذا ایسی معتوب و مغضوب جگہ سے جلد بھاگنے کی ہی کوشش کرنا چاہیے۔

جمرات پر کنکریاں مارنا جب منیٰ پہنچ جائے تو بطن وادی سے جمرہ کو سات کنکریاں انگلیوں کے سرے سے مارے اور نالے کے اوپر سے مارنا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ سنت کے خلاف ہے، جمرہ کی جمع جمار ہے چھوٹی چھوٹی کنکریوں کو کہتے ہیں اور منیٰ میں جماران تین جگہوں کے نام ہیں جہاں جہاں کنکریاں مارتے ہیں، ایک کو جمرہ اولیٰ کہتے ہیں جو مسجد خیف کے پاس ہے دوسرا جمرہ وسطی کہا جاتا ہے اور تیسرا جمرۃ العقبہ۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام حج کے ارکان ادا کرنے آئے تو شیطان جمرۃ العقبہ کے پاس سامنے آ کھڑا ہوا، ابراہیم علیہ السلام نے اسے سات کنکریاں پھینک کر ماریں۔ تا آنکہ وہ زمین کے اندر دھنس گیا پھر جمرہ ثانیہ کے پاس سامنے آیا، آپ نے پھر سات کنکریاں اٹھا کر اس کو ماریں، وہ زمین میں دھنس گیا، جب آپ جمرہ ثالثہ کے پاس پہنچے تو شیطان یہاں پھر ظاہر ہوا، آپ نے پھر اسے سات کنکریاں ماریں وہ زمین کے اندر دھنس گیا یہ حاجیوں کا کنکریاں مارنا اسی کی یاد کو تازہ کرنا ہے۔

کنکریاں اتنی دور سے مارے کہ مارنے والے اور جمرہ میں صرف پانچ ہاتھ کا فاصلہ ہو بعض کتابوں میں ہے کہ اس قدر فاصلہ رہنا ضروری ہے۔

ایک شخص نے کنکری ماری اور وہ کسی مرد یا کسی اونٹ کی پیٹھ پر گری، اگر وہ کنکری وہاں سے خود جمرہ کے پاس گر جائے تو جائز ہے، اور اگر اس کے قریب نہیں گری تو جائز نہیں، یعنی یہ کنکری مارنا حساب میں داخل نہیں ہوگا۔ اس کی جگہ دوسری کنکری مارنا ہوگی کنکری کا جمرہ سے تین ہاتھ کی دوری پر گرنا بعید (دور ہونے میں) داخل ہے، اور اس سے کم فاصلہ پر گرنا قریب کے حکم میں ہے اور ہر کنکری مارتے ہوئے اللہ اکبر کہنا چاہیے۔ بعض کتابوں میں ہے کہ مارتے وقت یوں کہے۔ بِسْمِ اللّٰہ ، وَاللّٰہُ اَکْبَر اَرْغَمًا لِلشَّیطَانِ وَحِزْبِہٖ.

منها وقطع التلبية باولها فلو رمي باكثر منها اى السبع جاز لا لو رمى بالاقل فالتقييد بالسبع لمنع النقص لا للزيادة وجاز الرمى بكل ما كان من جنس الارض كالحجر والمدر والطين والمغرة و كل ما يجوز التيمم به ولو كفا من تراب فيقوم مقام حصاة واحدة لا يجوز بخشب و عنبر ولؤلؤ كبار وجوهر لانه اعزاز لا اهانة وقيل يجوز وذهب وفضة لانه يسمى نثارا لا رميا وبعر لانه ليس من جنس الارض و ما فى فروق الاشباه من جوازه بالبعر خلاف المذهب ويكره اخذها من عند الجمرة لانها مردودة لحديث من قبلت حجته رفعت جمرته

تلبیہ کب بند کرے گا؟

پہلی کنکری مارنے کے ساتھ تلبیہ کہنا بند کر دے گا (صحیحین کی حدیث میں ہے کہ رسول خدا ﷺ برابر لبیک کہتے رہے، تا آنکہ جمرۃ العقبہ کی رمی کی یعنی یہاں کنکری مارتے ہی بند فرما دی، اس حکم میں مفرد، متمتع اور قارن سب داخل ہیں۔

اگر کوئی سات کنکریوں سے زیادہ مارے تو یہ اس کے لیے جائز ہے البتہ سات سے کم مارنا جائز نہیں ہے، گویا سات کی قید لگانا کمی کو روکنے کے لیے ہے زیادتی کو روکنے کے لیے نہیں۔

رمی کن چیزوں سے جائز ہے

ہر اُس چیز سے کنکری مارنا درست ہے جو زمین کی جنس سے ہو۔ جیسے پتھر، ڈھیلا، مٹی اور گیرو۔ اور اس چیز سے جس سے تیمم کرنا جائز ہے اگرچہ ایک مٹھی مٹی ہی کیوں نہ ہو۔ کہ وہ ایک کنکری کے قائم مقام ہوگی، کنکری مارنے میں لکڑی، عنبر، بڑے موتی اور جواہرات کا استعمال جائز نہیں ہے کہ ان چیزوں سے رمی کی جائے۔ کیوں کہ ان چیزوں سے مارنے میں بجائے اس کی توہین و تذلیل کے عزت دینا ہے اور یہ طے ہے کہ یہاں مقصود شیطان کو ذلیل کرنا ہے، ایک کمزور اور ضعیف قول یہ ہے کہ جواہرات سے رمی کرنا درست ہے۔

اسی طرح چاندی، سونے سے رمی کرنا بھی جائز نہیں ہے، اس لیے کہ سونا چاندی پھینکنے کو مارنا نہیں نثار اور نچھاور کرنا کہتے ہیں، مینگنی سے مارنا بھی درست نہیں اس لیے کہ وہ زمین کی جنس سے نہیں ہے، جہاں مینگنی سے مارنا جائز لکھا ہے وہ مذہب احناف کے خلاف ہے۔

کنکریاں کہاں لینا چاہیے

کنکریوں کا جمرہ کے پاس سے اٹھانا اور لینا مکروہ ہے اس وجہ سے کہ جو کنکریاں وہاں پڑی رہتی ہیں وہ مردود ہیں مقبول نہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جس کا حج مقبول ہوتا

ہے اس کی کنکریاں اٹھوالی جاتی ہیں (بعض کتابوں میں جو یہ مذکور ہے کہ کنکریاں مزدلفہ سے لائے یا اُس پہاڑ سے جو مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان ہے سو یہ سنت نہیں ہے، بلکہ جہاں سے چاہے کنکریاں اٹھالے صرف جمرات کے پاس سے نہ لے۔

حج مقبول کی ایک علامت

حضرت سعید بن جبیرؒ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے وقت سے جمرات پر کنکریاں برابر ماری جارہی ہیں، چاہیے تو یہ تھا کہ کنکریوں کے بڑے اونچے پہاڑ بن جاتے، آخر ایسا ڈھیر وہاں کیوں نہیں ہوتا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جواب میں فرمایا کہ کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ جس شخص کا حج مقبول ہوتا ہے، اس کی کنکریاں وہاں سے اٹھالی جاتی ہیں اور جس کا حج مقبول نہیں ہوتا اس کی پڑی رہتی ہیں، راوی کا بیان ہے کہ جب میں نے حضرت عبداللہؓ سے یہ بات سنی، تو میں نے جمرات پر کنکری مارنے سے پہلے اپنی کنکریوں پر نشانات بنالیے اور پھر ان نشان زدہ کنکریوں سے جمرات کو مارا، حج کے بعد میں نے ان کنکریوں کو جمرات پر بہت تلاش کیا مگر وہ مجھے وہاں نہیں ملیں کذافی فتح القدیر)

و یکره ان یلتقط حجرا واحدا فیکسره سبعین حجرا صغیرا و ان یرمی بمتنجسته بیقین و وقته من الفجر الی الفجر و لیس من طلوع ذکاء لزوالها و یباح لغروبها و یکره للفجر ثم بعد الرمی ذبح ان شاء لانه مفرد ثم قصر بان یاخذ من کل شعرة قدر الانملة وجوبا و تقصیر الکل مندوب والربع واجب و یجب اجراء الموسیٰ علی الاقرع و ذی قروح ان امکن والاسقط و متی نعذر احدهما للعارض تعین الآخر فلو لبده بصمغ بحیث تعذّر التقصیر تعین الحلق بحر وحلقه الکل افضل ولو ازاله بنحو نورة جاز وحل له کل شیء الا النساء قیبل والطیب والصید

مکروہ طریقہ

یہ بھی مکروہ ہے کہ حاجی ایک پتھر اٹھا کر اس کو توڑے اور چھوٹے چھوٹے ستر ٹکڑے کرے اور ان سے رمی کرے اسی طرح جن کنکریوں کے متعلق یقین کے ساتھ معلوم ہو کہ نجس ہے، ان سے مارنا بھی مکروہ ہے۔

کنکری مٹر کے برابر ہو

کنکری کس مقدار کی ہو، اس میں اختلاف ہے، مختار قول یہ ہے کہ باقلا (مٹر) کے برابر ہو، اور اگر اس سے بڑی ہو یا چھوٹی تو اسے مارنا بھی جائز ہے، تمام جمرات پر جو کنکریاں ماری جاتی ہیں ان کی مجموعی تعداد ستر ہوتی ہے، جمرۃ العقبہ پر قربانی کے دن سات کنکریاں مارتے ہیں اور منیٰ کے تین دونوں میں ہر دن تینوں جمرات پر سات سات کنکریاں مارتے ہیں اس طرح کل ملاکر ستر ہوتی ہیں، بعض علماء نے کہا کہ کنکریوں کا دھولینا مستحب ہے تاکہ یقین سے معلوم ہو جائے کہ وہ پاک ہیں۔ مگر اس میں خواہ مخواہ کا ایک تکلف ہے، کیونکہ فقہاء کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ الیقین لایزول بالشک۔

رمی کا وقت

جمرۃ العقبہ کی رمی کا وقت دسویں تاریخ کی فجر سے گیارہویں کی فجر تک ہے اور مسنون وقت آفتاب کے نکلنے کے بعد سے لے کر دوپہر کے ڈھلنے تک ہے اور مباح وقت زوال سے لے کر غروب آفات تک، اور اس کے بعد غروب آفتاب سے فجر تک مکروہ وقت ہے، اسی طرح دسویں تاریخ میں آفتاب نکلنے سے پہلے رمی کرنا مکروہ ہے۔

قربانی جمرۃ العقبہ پر کنکری مارنے کے بعد مفرد یعنی صرف حج کرنے والے کو قربانی کرنے کا اختیار ہے اس پر واجب نہیں اس وجہ سے کہ جو فقط حج کر رہا ہے اس پر جانور ذبح کرنا واجب نہیں ہے، ہاں افضل ضرور ہے، البتہ قارن اور متمتع جو حج و عمرہ دونوں کرے اس پر جانور کی قربانی واجب ہے۔

بال کٹانا قربانی کے بعد سر کے بال کتروائے، اس طرح کہ ہر بال سے انگلی کے پور برابر کاٹے، اس قدر کاٹنا واجب ہے، اور تمام بال اتروا دینا مستحب ہے۔

جس کے سر پر بال نہ ہو، اس پر استرہ ... حب ہے، اگر اس میں اس کو کوئی اذیت نہ ہو اور اگر زخم وغیرہ ہو اور استرہ نہ پھر سکے تو اس صورت میں استرہ پھیرنا معاف ہے۔

بال چھوٹا کرنا اور مونڈوانا ان میں سے جو اس کے لیے آسان ہو وہ متعین ہو جاتا ہے اگر چھوٹا کرنا دشوار ہو تو مونڈوانا متعین ہو جائے گا اور اگر مونڈوانا دشوار ہے، تو بال کا چھوٹا کرنا متعین ہو جائے گا، اب اگر کسی نے اپنے بالوں کو گوند سے اس طرح چپکا لیا ہو کہ اس کا چھوٹا کرنا دشوار اور مشکل ہو، تو پھر اس کے لیے مونڈوا دینا ہی متعین ہوگا اور یہ لازم ہوگا کیونکہ دونوں میں سے کسی ایک کا کرنا بہر حال ضروری ہے، اور پورے سر کا منڈوانا افضل ہے، اگر کوئی چونا یا کوئی اور چیز لگا کر سر کے بال جڑ سے اکھاڑ ڈالے تو یہ بھی جائز ہے، جب سر کے بال منڈوانے یا کٹانے سے فراغت ہو جائے تو اللہ اکبر کہے اور جو دعائیں اس سلسلہ کی یاد ہوں ان کو پڑھ لے، اور مستحب یہ ہے کہ کٹے ہوئے بالوں کو کہیں دفن کر دے، سر منڈوانے میں اس کا خیال رکھے کہ اسے دائیں طرف سے شروع کیا جائے۔

ممنوع چیزوں کا حلال ہونا جب قربانی کے بعد سر کے بال اتر گئے تو اب اس کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر احرام کے بعد جو چیزیں ممنوع ہو گئی تھی، وہ سب حلال ہو جائیں گی، اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ عورتوں کی طرح خوشبو اور شکار بھی حلال نہیں ہوگا (حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نے رمی، حلق اور ذبح کر لیا تو تمہارے لیے ساری چیزیں حلال ہو گئیں سوائے عورت کے کہ وہ اس کے بعد بھی حلال نہیں۔)

ثم طاف للزيارة يوما من ايام النحر الثلثة بيان لوقته الواجب سبعة بيان للاكمل و الا فالركن اربعة بلا رمل و لا سعي ان كان سعي قبل هذا الطواف والا فعلهما لان تكرارهما لم يشرع و طواف الزيارة اول وقته بعد طلوع الفجر يوم النحر وهو فيه اى الطواف فى يوم النحر الاول افضل و يمتد وقته الى آخر العمر وحل له النساء بالحلق السابق حتى لو طاف قبل الحلق لم يحل له شيء فلو قلم ظفره مثلا كان جناية لانه لا يخرج من الاحرام الا بالحلق فان اخره عنها اى ايام النحر ولياليها منها كره تحريما ووجب دم لترك الواجب وهذا عند الامكان فلو طهرت الحائض ان قدر اربعة اشواط ولم تفعل لزم دم والا لا

طوافِ زیارت پھر قربانی کے تین دنوں میں سے جس دن چاہے طواف زیارت کرے، مگر یہ طواف کے واجب وقت کا بیان ہے طواف زیارت بھی دوسرے طوافوں کی طرح سات شوط (چکر) ہے، اور کامل طواف سات

چکر ہی کو کہا جاتا ہے، یوں رکن چار شوط (چکر) سے ادا ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ اکثر حصہ ہے طواف زیارت کو طواف النحر، طواف الرکن اور طواف الافاضہ بھی کہتے ہیں۔

اگر پہلے سعی کر چکا ہے تو طواف زیارت میں نہ رمل ہے اور نہ سعی، بلا رمل اور بغیر سعی یہ طواف کرے گا کیونکہ تکرار جائز نہیں، اور اگر پہلے سعی نہیں کی ہے تو پھر طواف زیارت میں رمل بھی کرے گا اور سعی بھی۔

طواف زیارت کا ابتدائی وقت ۱۰ ذی الحجہ کی صبح صادق طلوع ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور قربانی کے اسی پہلے دن میں طواف کرنا افضل ہے، صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یوم النحر (۱۰ ذی الحجہ) کو طواف افاضہ کیا، پھر منیٰ کو روانہ ہوگئے، طواف زیارت کا وقت آخر عمر تک ممتد ہے، یعنی تمام عمر میں جب طواف کرے گا۔ فرض ادا ہو جائے گا۔

عورت کا حلال ہونا

طواف زیارت کر لینے کے بعد عورتیں بھی حلال ہو جائیں گی، اُس سر منڈوانے کی وجہ سے جو پہلے وہ کر چکا ہے، ماحصل یہ ہے کہ سبب اصل بال کا منڈوانا یا کتروانا ہے مگر عورتوں کے حلال ہونے کا وقت طواف زیارۃ کے بعد آتا ہے، چنانچہ اگر کوئی بال نہ کٹائے اور طواف زیارت کرے تو کوئی چیز اس پر حلال نہیں ہوگی۔ حتیٰ کہ اگر ناخن بھی تراشے گا تو بھی گنہگار ہوگا، کیونکہ بغیر حلق کیے محرم اپنے احرام سے نہیں نکلتا ہے۔

طوافِ زیارت اَیامِ نحر کے بعد

اگر طواف زیارت ایام نحر (قربانی کے دن اور رات کے گذرنے کے) بعد کرے گا تو اس کا یہ فعل مکروہ تحریمی کہا جائے گا، اور ترک واجب کی وجہ سے اس پر دم لازم آئے گا، مگر یہ دم اس وقت لازم ہوگا جب اُن دنوں میں اس کے لیے طواف کرنا ممکن رہا ہو۔

لہٰذا اگر کوئی عورت جس کو اُس وقت حیض آگیا تھا ۱۲ ذی الحجہ کو اس وقت پاک ہوئی کہ غروب آفتاب سے پہلے چار چکر لگا سکتی تھی اور پھر بھی طواف کے یہ چکر نہیں لگائے، تو اس پر دم لازم آئے گا، اور اگر پاک ہونے کے بعد چار چکر لگانے کا وقت باقی نہیں رہا تھا، یا وہ پاک ہی نہیں ہوئی تھی تو اس پر دم لازم نہیں۔

ثم اتی منی فیبیت بھا للرمی و بعد زوال ثانی النحر رمی الجمار الثلث یبدأ استنانا مما یلی مسجد الخیف ثم بما یلیه الوسطی ثم بالعقبة سبعا سبعا ووقف حامدا مھللا مکبرا مصلیا قدر قراء ۃ البقرة بعد تمام کل رمی بعده رمی فقط فلا یقف بعد الثالثة ولا بعد رمی یوم النحر لانه لیس بعده رمی ودعا لنفسه وغیره رافعا کفیه نحو السماء او القبلة

منیٰ کی طرف

طواف زیارت سے فارغ ہو کر حاجی منیٰ آئے گا اور یہیں رات گذارے گا تاکہ وہ رمی جمار کر سکے، منیٰ کے علاوہ کہیں اور یہ رات گذارنی مکروہ ہے، اور یوم النحر کے دوسرے دن یعنی گیارہویں ذی الحجہ کو بعد زوال (دوپہر ڈھلنے کے بعد) تینوں جمرات پر کنکریاں مارے گا۔ ابتداء اس جمرہ سے کرے گا جو مسجد خیف کے پاس ہے مسنون یہی ہے، اور اس کو جمرہ اولیٰ کہتے ہیں، پھر اس جمرہ پر کنکریاں پھینکے جو جمرہ اولیٰ سے قریب ہے، جس کو جمرۃ الوسطیٰ کہتے ہیں ان دو جمرات کے درمیان ۳۵ ہاتھ کا فاصلہ ہے، پھر جمرہ عقبہ پر رمی کرے، تینوں جمرات پر سات سات کنکریاں مارے گا اور ہر کنکری مارتے وقت زبان سے اللہ اکبر کہے گا، اس جمرہ اور پہلے دونوں میں فاصلہ ۴۸ ہاتھ ہے اور جو شخص بیمار یا بے ہوش ہوگا اس کی

طرف سے دوسرا آدمی کنکریاں مارے گا۔ رمی جمرات میں یہ ترتیب سنت ہے واجب نہیں۔

جمرہ پر ٹھہرنا

جمرہ اولیٰ اور جمرہ وسطیٰ پر کنکریاں مارنے کے بعد وہاں تھوڑی دیر ٹھہرا رہے اور کلمۂ توحید، اللہ اکبر اور الحمد للہ کا ورد کرتا رہے اور آنحضرت ﷺ پر درود بھی بھیجتا رہے، اتنی دیر وہاں توقف کرے جتنی دیر میں پوری سورہ بقرہ آدمی پڑھ سکتا ہو، اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ بیس آیتیں پڑھنے کی مقدار ٹھہرے یہ آسان ہے، جمرہ عقبہ پر رمی کے بعد نہیں ٹھہرنا چاہیے، اس لیے کہ اس کے بعد رمی نہیں ہے اور ٹھہرنا وہاں ہے جس کے بعد رمی ہو، یوم النحر کی رمی کے بعد ٹھہرنا نہیں چاہیے۔ اس لیے کہ اس کے بعد بھی رمی نہیں۔

اور اپنے اور غیر کے واسطے دونوں ہتھیلیاں آسمان کی طرف اُٹھا کر دعا کرے جیسا کہ نماز کے ہاتھ اٹھا کر دعاء کرتے ہیں یا دعاء کے وقت ہاتھوں کو کعبہ معظمہ کی طرف کرے۔

ثم رمی غدا كذلك ثم بعده كذلك ان مكث وهو و ان قدم الرمى فيه اى فى اليوم الرابع على الزوال جاز فان وقت الرمى فيه من الفجر للغروب و اما فى الثانى والثالث فمن الزوال لطلوع ذكاء وله النفر من منى قبل طلوع فجر الرابع لا بعده لدخول وقت الرمى وجاز الرمى كله راكبا و لكنه فى الاولیین الاولى والوسطى ماشيا افضل لانه يقف لا فى الاخيرة اى العقبة لانه ينصرف رالراكب اقدر عليه واطلق افضلية المشى فى الظهيرية ورجحه الكمال وغيره

دوسرے دن رمی جمرات

پھر دوسرے دن بھی جمرات ثلثہ کی رمی کرے۔ اسی طرح بارہویں کو پھر تیرہویں کو جب وہ وہاں ٹھہرے، مختصر یہ کہ تینوں دن تینوں جمرات پر سات سات کنکریاں مارے گا۔ اور تیرہویں کو منیٰ میں رہنا مستحب ہے، اگر تیرہویں کو دوپہر ڈھلنے سے پہلے رمی کرے تو یہ بھی جائز ہے اس لیے تیرہویں کو رمی (کنکریاں مارنے) کا وقت طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک ہے، البتہ گیارہویں اور بارہویں کو رمی کا وقت زوال آفتاب سے لے کر آفتاب کے طلوع ہونے تک ہے، (لیکن زوال سے غروب تک مسنون ہے اور باقی مکروہ۔ کذا فی الطحطاوی)

تیرہویں تاریخ کو طلوع فجر سے پہلے منیٰ سے روانہ ہو جانا جائز ہے طلوع فجر کے بعد روانگی جائز نہیں اس واسطے کہ اس کے بعد رمی کا وقت ہو جاتا ہے اور وقت آجانے کے بعد بغیر رمی وہاں سے چلنا جائز نہیں۔

رمی کے وقت پیدل اور سوار ہونا

رمی تمام کی تمام سوار ہو کر کرنا بھی درست ہے لیکن جمرۃ الاولیٰ اور جمرۃ الوسطیٰ میں پیدل رمی کرنا افضل ہے کیونکہ ان دونوں کی رمی کے بعد ٹھہرنا ہوتا ہے۔ جمرہ اخیرہ میں البتہ ٹھہرنا نہیں ہوتا لہٰذا یہاں سوار ہو کر کرنا بھی افضل ہوگا کیونکہ اس رمی کے بعد واپسی ہوتی ہے اور اگر سوار ہوگا تو واپسی پر زیادہ قدرت حاصل رہے گی اور فتاویٰ ظہیریہ میں تینوں جمرات کی رمی کو پیدل افضل کہا گیا ہے اور کمال الدین وغیرہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے، اس بنیاد پر کہ پیدل رمی کرنا تواضع اور خشوع سے قریب تر ہے اس وجہ سے اور بھی کہ اکثر مسلمان عام طور پر پیدل ہی ہوتے ہیں، اور وہ پیدل ہی رمی کے لیے جاتے ہیں اگر کچھ لوگ سواری پر ہوں گے تو ان پیدل

چلنے والوں کو تکلیف ہو گی، باقی آنحضرت ﷺ کا سوار ہو کر رمی کرنا بطور تعلیم اور جواز کو بتانے کے لیے تھا۔ آپ کے سوار ہو کر رمی کرنے میں ہر شخص کو دیکھنے میں سہولت رہی ہو گی۔

ولو قدم ثقله بفتحتين متاعه و خدمه الى مكة و اقام بمنى او ذهب لعرفة كره ان لم يامن لا ان امن و كذا يكره للمصلى جعل نحو نعله خلفه لشغل قلبه و اذا نفر الحاج الى مكة نزل استنانا ولو ساعة بالمحصب بضم ففتحتين الا بطح وليست المقبرة منه

اگر کسی نے اپنا سامان اور اسباب اور خادموں کو پہلے مکہ مکرمہ بھیج دیا اور خود منیٰ میں ٹھہر گیا یا مکہ مکرمہ میں سامان چھوڑ کر عرفات چلا گیا تو اگر سامان کی طرف سے اطمینان نہ ہو دل میں وسوسہ ہو تو ایسا کرنا مکروہ ہے لیکن اگر اس کی طرف سے بے فکری ہو سامان کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو تو ایسا کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے، اسی طرح نماز پڑھنے والے کو بے اطمینانی کی صورت میں سامان پیچھے رکھنا مکروہ ہے کیونکہ ایسی صورت میں دل سامان پر لگا ہوا ہو گا اور یکسوئی اور اطمینان سے محروم ہو گا۔

محصب میں اترنا

حاجی جب منیٰ سے مکہ کے لیے روانہ ہو تو اس کے لیے مسنون یہ ہے کہ وہ محصّب میں خواہ ایک ساعت کے لیے ہو اترے، اور وہاں ٹھہرے، مُحصّب (بضم اول و فتحہ ثانی و ثالث و تشدید) اس جگہ کا نام ہے جو منیٰ اور مکہ کے درمیان میں ہے اور جہاں پتھریاں بہت ہیں اس کو ابطح، بطحا اور حصباء بھی کہتے ہیں اور مکہ کا قبرستان جس کا نام حجون ہے محصب میں داخل نہیں۔

بہتر یہ ہے کہ محصب میں اس قدر قیام کرے کہ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء وہیں پڑھنا ہو اور ایک نیند سو کر مکہ روانہ ہو، کذا فی الفتح، صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں وہیں محصب میں پڑھیں اور وہاں ایک نیند سوئے۔

ثم اذا اراد السفر طاف للصدر اى للوداع سبعة اشواط بلا رمل وسعى وهو واجب الا على اهل مكة و من فى حكمهم فلا يجب بل يندب كمن مكث بعده ثم النية للطواف شرط فلو طاف هاربا او طالبا لم يجز لكن يكفى اصلها فلو طاف بعد ارادة السفر ونوى التطوع اجزاه عن الصدر كما لو طاف بنية التطوع فى ايام النحر وقع عن الفرض ثم بعد ركعتيه شرب من ماء زمزم و قبل العتبة تعظيما للكعبة ووضع صدره ووجهه على الملتزم و تشبث بالاستار ساعة كالمستشفع بها ولو لم ينلها يضع يديه على رأسه مبسوطتين على الجدار قائمتين والتصق بالجدار ودعا مجتهدا و يبكى او يتباكى ويرجع قهقرى اى الى خلف حتى يخرج من المسجد و بصره ملاحظ للبيت

طواف صدر

مکہ معظمہ سے جب سفر کا ارادہ کرے تو طواف صدر جس کو طواف "وداع" بھی کہتے ہیں کرے، یہ رخصت ہونے کا طواف ہے، اس طواف کے بھی سات چکر ہوں گے جن میں نہ رمل ہو گا اور نہ سعی، یہ طواف

باہری لوگوں پر واجب ہے البتہ اہل مکہ اور جو اہل مکہ کے حکم میں ہیں اُن پر واجب نہیں، بلکہ ان کے لیے مستحب ہے، جیسے اس باہری پر بھی مستحب ہی ہے جو حج کے بعد وہاں ٹھہر گیا ہو (مسلم شریف میں ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص بغیر طواف کیے ہوئے یہاں سے روانہ نہ ہو کذافی البرہان)

طواف میں نیت طواف کے لیے نیت شرط ہے اگر کوئی شخص بغیر نیت بیت اللہ کے گرد بھاگنے یا کسی کو پکڑنے کے لیے چکر لگائے، تو یہ طواف کے حکم میں نہیں ہوگا۔ اور طواف کی نیت میں صرف نیت کافی ہے۔ فرض، واجب کی قید ضروری نہیں، لہٰذا اگر کسی سفر کے ارادہ کے بعد طواف کیا اور نیت نفل طواف کی کی، تو اس سے طواف وداع ادا ہو جائے گا، جیسا کہ اگر کسی نے نفل کی نیت سے ایام نحر میں طواف کیا تو اس سے فرض طواف جس کو طواف زیارۃ کہتے ہیں ادا ہو جائے گا۔

طواف وداع کے بعد نماز طواف وداع کے بعد دو رکعت نماز پڑھے گا اور اس کے بعد زمزم پئے گا۔ (دار قطنی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ زمزم کا پانی جس نیت سے پئے گا وہ نیت حاصل ہوگی، اگر تو نے شفا کی نیت سے پیا ہے تو اللہ تعالیٰ شفا عطا فرمائے گا، اگر آسودگی کے لیے پیا ہے تو آسودگی حاصل ہوگی۔ اور پیاس کے لیے پیا ہے تو وہ جاتی رہے گی، زمزم اسماعیل علیہ السلام کے لیے حضرت جبریل علیہ السلام نے زمین سے بصورت چشمہ نکالا تھا)

زمزم پینے کا طریقہ بحر الرائق میں اس کے پینے کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ زمزم کے پاس آکر خود اس کا پانی نکالے اور قبلہ رو کھڑا ہو کر خوب پیٹ بھر کر تین بار کر کے پئے، اور ہر بار بیت اللہ کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھتا جائے اور منہ چہرہ، سر اور بدن پر اس کا پانی ملے۔ اور اگر ممکن ہو تو اس کا ایک ڈول اپنے اوپر ڈال لے۔ زمزم کی گہرائی (۶۹) ہاتھ ہے اور اوپر کی چوڑائی چار ہاتھ، مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ زمزم پی کر یہ دعا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَ رِزْقًا وَاسِعًا وَ شِفَاءً مِنْ کُلِّ دَاءٍ۔ کذافی فتح القدیر۔

تعظیم کعبہ کعبہ معظمہ کی تعظیم کو ظاہر کرنے کے لیے کعبہ کے آستانہ کو بوسہ دے اور اپنا سینہ اور چہرہ ملتزم پر رکھے ایک ساعت غلاف کعبہ کو تھامے رہے، اس طرح جس طرح ایک شفاعت کی درخواست کرنے والا کرتا ہے، گویا وہ کعبہ سے شفاعت کی درخواست کر رہا ہے، اور اگر غلاف کعبہ نہ تھام سکے اور اس کو نہ پائے، تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اس کی دیوار پر پھیلا کر اپنے سر پر رکھے، اور اس کی دیوار سے چپک جائے اور رو رو کر، یا رونے جیسی صورت بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے، (کافی نامی کتاب میں ہے کہ اپنا رخسار دیوار سے لگادے، اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ تکبیر تہلیل اور تحمید کرے، اور درود پڑھے، اور محیط میں ہے کہ حجر اسود کا استلام کرے اور اللہ اکبر کہے، کذافی العالمگیری) اور پھر الٹے پاؤں پیچھے کی طرف لوٹے، تاآنکہ مسجد سے نکل جائے مگر اس کی نگاہیں بیت اللہ پر جمی ہوئی ہوں۔

وسقط طواف القدوم عمن وقف بعرفة ساعة قبل دخول مكة ولا شيء عليه بتركه لانه سنة واساء ومن وقف بعرفة ساعة عرفية وهو اليسير من الزمان وهو المحمل عند اطلاق القفهاء من زوال يومها اى عرفة الى طلوع فجر يوم النحر او اجتاز مسرعا او

نائما او مغمى عليه و كذا لو اهل عنه رفيقه و كذا غير رفيقه فتح به اى بالحج مع احرامه عن نفسه فاذا انتبه او افاق و اتى بافعال الحج جاز ولو بقى الاغماء ان الاغماء بعد احرامه طيف به المناسك و ان احرموا عنه اكتفى بمباشرتهم ولم ارما لو جن فاحرموا عنه و طافوا به المناسك و كلام الفتح يفيد الجواز اوجهل انها عرفة صح حجه لان الشرط الكينونة لا النية ومن لم يقف فيها فات حجه لحديث الحج عرفة فطاف وسعى و تحلل اى بافعال العمرة وقضى ولو حجه نذرا او تطوعا من قابل ولا دم عليه

قیام عرفات

جس شخص نے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے عرفات میں تھوڑی دیر وقوف کیا اور ٹھہرا رہا اس سے طواف قدوم ساقط ہے، اور اس طواف چھوڑنے کی وجہ سے اس پر کچھ لازم نہیں ہے، اور جو شخص عرفہ کے دن زوال (دوپہر) سے لے کر یوم نحر کی طلوع فجر تک اوقات میں تھوڑی دیر تک ٹھہرا، یا وہاں سے تیزی کے ساتھ نکل گیا، یا سونے یا بے ہوشی کی حالت میں نکلا، یا اس کی طرف سے اس کے رفیق سفر نے یا دوسرے نے حج کا نام لے کر لبیک کہا، اور یہ اس صورت میں ہے کہ اس نے احرام باندھا ہی تھا کہ بغیر لبیک کہے، ہوئے بے ہوش ہو گیا اور کسی نے اس کی طرف سے لبیک کہا، اور اس سونے اور بے ہوش ہونے والے نے ہوش میں آکر یا بیدار ہو کر بقیہ افعال حج ادا کیے، تو اس کا حج جائز ہو جائے گا اور اگر بے ہوشی باقی رہی اور ایام حج گذر گئے، تو دیکھا جائے گا کہ اس کی بے ہوشی کا وقت کیا ہے اگر احرام کے بعد یہ بے ہوشی ہوئی ہے تو اس صورت میں اس بے ہوش کو حج کے مقامات میں گھمانا چاہیے، جیسے عرفات مزدلفہ، منی اور مکہ مکرمہ، کیونکہ وہ حج کی نیت کر چکا ہے اور اگر وہ بوقت احرام ہی بے ہوش تھا اور اس کے ساتھیوں نے اس کی طرف سے احرام کی نیت کی تو ان کا افعال حج کرنا اس بے ہوش کی طرف سے بھی کافی ہوگا، اس کا ہر جگہ لے جانا ضروری نہیں۔

ایک مسئلہ

باقی اگر کوئی احرام سے پہلے پاگل ہو جائے اور اس کے ساتھی لوگ اس کی طرف سے احرام باندھیں اور اس کو حج کے مقامات میں گھمائیں تو حج ہو گا یا نہیں؟ اس کا حکم صراحتاً میں نے کہیں نہیں دیکھا، لیکن فتح القدیر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حج ہو جائے گا، اس لیے کہ بے ہوش اور مجنون اس باب میں دونوں برابر ہیں۔

عرفات میں بلا علم ٹھہرنا

ایک شخص عرفات میں ٹھہرا، مگر اس کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ وہ عرفات میں ہے تو اس صورت میں بھی حج درست ہوگا اس لیے کہ عرفات میں ٹھہرنا شرط ہے۔ اس کی نیت ضروری نہیں اور نہ جاننا ضروری ہے، البتہ جس نے عرفات میں قیام نہیں کیا اس کا حج نہیں ہوا، بلکہ فوت ہو گیا کیونکہ حدیث میں صراحت موجود ہے کہ حج وقوف عرفات کا نام ہے (قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الحج عرفة فمن وقف بعرفة ساعةً من ليل او نهار فقد تم حجه رواه ابوداؤد آپ نے فرمایا کہ حج عرفہ کا نام ہے جس نے دن رات کے کسی حصہ میں وہاں قیام کیا اس کا حج پورا ہو گیا) جب وقوف عرفہ نہیں کیا اور حج فوت ہو گیا تو اس کو چاہیے کہ وہ طواف کرے، سعی کرے اور افعال عمرہ ادا کر کے احرام کھول دے، اور آئندہ اس حج کی قضا کرے خواہ وہ حج نذر کا ہو یا حج نفل ہو، اور اس پر اس فوت ہونے کی وجہ سے دم واجب نہیں۔

والمرأة فیما مر کالرجل لعموم الخطاب مالم یقم دلیل الخصوص لکنها تکشف وجهها لا رأسها ولو سدلت شیأ علیه وجافته عنه جاز بل یندب ولا تلبی جهرا بل تسمع نفسها دفعا للفتنة و ما قیل ان صوتها عورة ضعیف ولا ترمل ولا تضبطع ولا تسعی بین المیلین ولا تحلق بل تقصر من ربع شعرها کما مر وتلبس المخیط والخفین والحلی ولا تقرب الحجر فی الزحام لمنعها من مماسة الرجال

عورتوں کے لیے احکام حج

ان احکام حج میں عورت کے لیے وہی حکم ہے جو مرد کے لیے گذرا، اس لیے کہ شریعت کا خطاب دونوں کو شامل ہے، جب تک کوئی خصوصیت کی دلیل ثابت نہ ہو، جیسے جمعہ اور جہاد میں عورت شامل نہیں۔

البتہ بعض چیزیں عورتوں کے لیے ضروری ہیں، مثلاً احرام کے بعد وہ اپنا چہرہ کھلا رکھیں گی مگر سر نہیں کھولیں گی، اگر کوئی چیز چہرہ پر اس طرح لٹکالیں کہ وہ چہرہ سے جدا رہے تو یہ جائز ہے بلکہ مستحب (کیونکہ چہرہ کھلے رکھنے کا منشا یہ ہے کہ کوئی چیز چہرہ سے لگی اور ملی ہوئی نہ ہو، اسی وجہ سے برقع ڈالنا مکروہ ہے کہ وہ لگا رہتا ہے، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب غیر محرم ہمارے سامنے سے سوار ہو کر گذرتے تھے اور ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حالت احرام میں ہوتی تھیں تو ہم اپنے سروں سے چادر چہرہ کی طرف لٹکا دیتے تھے جب وہ آگے بڑھتے جاتے تو ہم چہرہ کھول لیتی تھیں)

عورتیں حالت احرام میں بلند آواز سے تلبیہ (لبیک الخ) نہیں کہیں گی، کیونکہ اس میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔ بلکہ ایسی آواز میں کہیں گی کہ وہ خود سنیں، اور یہ جو کہا گیا ہے کہ عورتوں کی آواز عورت ہے یعنی قابل چھپانے کے ہے، قول ضعیف ہے۔

اسی طرح عورت طواف میں رمل نہیں کرے گی، یعنی سینہ نکال کر نہیں چلے گی اور نہ چادر کو بغل کے نیچے سے نکال کر کندھے پر ڈالے گی، وہ میلین کے درمیان سعی یعنی جھپٹ کر بھی نہیں چلے گی اور نہ اپنا سر منڈائے گی۔ بلکہ بال کا اوپر کا چوتھائی حصہ چھوٹا کرالے گی، جیسا کہ پہلے تفصیل کے ساتھ گذر چکا۔

عورتوں کے لیے رعایت

عورت کو سلا ہوا کپڑا، موزے، اور زیورات حالت احرام میں پہننا درست ہے، صرف شرط یہ ہے کہ اس حالت میں جو کپڑا پہنے وہ زعفران وغیرہ سے رنگا ہوا نہ ہو، عورت اس حالت احرام میں ریشمی کپڑا بھی پہن سکتی ہے۔

عورت کو چاہیے کہ وہ ایام حج میں حجر اسود کے قریب بھیڑ بھاڑ میں نہ جائے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں سے بدن ملانا ممنوع ہے۔

والخنثی المشکل کالمرأة فیما ذکر احتیاطا وحیضها لا یمنع نسکا الا الطواف ولا شیء علیها بتاخیره اذا لم تطهر الا بعد ایام النحر فلو طهرت فیها بقدر اکثر الطواف لزمها الدم بتاخیره لباب وهو به لحصول رکنیه یسقط طواف الصدر و مثله النفاس والبدن جمیع بدنة من ابل و بقر والهدی منهما و من الغنم کما سیجیء.

خنثیٰ مشکل خنثیٰ مشکل (جو نہ مرد ہو اور نہ عورت) ان تمام امور میں جو ذکر کیے گئے عورت کے حکم میں ہے احتیاط کا تقاضہ یہی ہے۔

حیض آنا عورت کو اگر حج کے زمانہ میں حیض آجائے تو وہ حیض حج کے کسی کام کے لیے مانع نہیں بنے گا البتہ طواف سے روک دے گا، کیونکہ طواف مسجد الحرام میں ہوتا ہے اور حائضہ کے لیے مسجد میں جانا جائز نہیں ہے، اور اس طواف میں تاخیر کی وجہ سے عورت پر کوئی صدقہ یا دم واجب نہیں ہوگا جب کہ ایام نحر سے پہلے وہ پاک نہیں ہوئی ہے، البتہ اگر وہ ایام نحر میں اکثر طواف کے مقدار پاک ہو چکی تھی اور پھر بھی تاخیر کی تھی تو اس پر دم واجب ہوگا کذی فی الباب المناسک۔

اگر حیض دو رکن ادا کرنے کے بعد آیا ہے یعنی وقوف عرفات اور طواف زیارت کے بعد آیا ہے تو اس صورت میں اس سے طواف صدر ساقط ہو جائے گا اور عورت کے نفاس کا وہی حکم ہے جو حیض کا ذکر کیا گیا۔

بدنہ بدنہ لغت اور شریعت دونوں میں اونٹ اور گائے کو کہتے ہیں، لہٰذا جس حاجی پر بدنہ واجب ہو اور وہ گائے ذبح کرلے تو واجب ادا ہو جائے گا البتہ امام شافعیؒ بدنہ میں گائے کو شامل نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ بدنہ کا استعمال صرف اونٹ پر ہے۔

ہدی یعنی قربانی کا جانور جو حرم مکہ جا کر ذبح ہوتا ہے اونٹ بھی ہوتا ہے اور گائے بھی، اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

باب القران

هو افضل لحديث اتانى الليلة اتٍ من ربى و انا بالعقيق فقال يا آل محمدا هلوا بحجة و عمرة معا ولانه اشق والصواب انه عليه السلام احرم بالحج ثم ادخل عليه العمرة لبيان الجواز فصار قارناثم التمتع ثم الافراد والقران لغة الجمع بين شيئين وشرعا ان يهل اى يرفع صوته بالتلبية بحجة و عمرة معا حقيقة او حكما بان يحرم بالعمرة اولاثم بالحج قبل ان يطوف لها اربعة اشواط او عكسه بان يدخل احرام العمرة على الحج قبل ان يطوف للقدوم و ان اساء او بعده و ان لزمه دم من الميقات اذا القارن لا يكون الا آفاقيا اوقبله فى اشهر الحج او قبلها و يقول اما بالنصب والمراد به النية او مستانف والمراد به بيان السنة اذا لنية بقلبه تكفى الصلوة مجتبىٰ بعد الصلوٰة اللّٰهم انى اريد الحج والعمرة فيسرهما لى و تقبلهما منى و يستحب تقديم العمرة فى الذكر لتقدمها فى الفعل وطاف للعمرة اولا وجوبا حتى لو نواه للحج لا يقع الا لها سبعة اشواط يرمل فى الثلثة الاول و يسعى بلاحلق فلو حلق لم يحل من عمرته ولزمه دمان

قران کے احکام ومسائل

ادائیگی حج کی تین قسمیں ہیں: قران، تمتع اور اِفراد۔ قران میں حج اور عمرہ دونوں کی نیت میقات سے ساتھ ساتھ ہوتی ہے، تمتع میں میقات سے پہلے صرف عمرہ کی نیت کر کے آدمی چلتا ہے اور مکہ پہنچ کر عمرہ سے فارغ ہو کر حلال ہو جاتا ہے اور ایام حج میں آٹھویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھتا ہے اور حج ادا کرتا ہے اور اِفراد میں میقات سے صرف حج کی نیت کرتا ہے، عمرہ کی نیت نہیں کرتا۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک قران، تمتع اور افراد دونوں سے افضل ہے اس حدیث کی وجہ سے جس میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ میں عقیق میں تھا کہ میرے رب کے پاس سے ایک آنے والا میرے پاس آیا اور اس نے کہا کہ اے آل محمد! تم حج اور عمرہ دونوں کا ساتھ ہی احرام باندھو، دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ قران میں مشقت زیادہ ہے، اور اس باب میں قول فیصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے حج کا احرام باندھا پھر عمرہ کو حج میں داخل فرمالیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ایسا کرنا درست ہے، یہی قران بن گیا۔

(اسلام کے پہلے کفار مکہ موسم حج میں عمرہ کرنے کو بڑا گناہ سمجھتے تھے، اس لیے نبی کریم ﷺ کو حکم کر دیا گیا کہ عمرہ کو حج کے ساتھ ملادیں، تاکہ کفار کا غلط گمان باطل قرار پاجائے)

قران کا طریقہ

قران کے بعد درجہ تمتع کا ہے اور اس کے بعد اِفراد کا، قران (بکسر القاف) کے معنی لغت میں دو چیزوں کے ملانے کے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں قران یہ ہے کہ محرم (حج کی نیت کرنے والا) حج اور عمرہ دونوں کے لیے ساتھ ساتھ بلند آواز سے لبیک کہے یہ ساتھ ساتھ کہنا حقیقتاً ایک ہی وقت میں ہو، اور کہے لبیک بحجۃ وعمرۃ یا ساتھ ساتھ کہنا اس طرح ہو کہ پہلے عمرہ کا احرام باندھے پھر اسی وقت عمرہ کا چار چکر طواف کرنے سے پہلے حج کا احرام باندھے یا اس کے برعکس کرے کہ پہلے حج کا احرام باندھے اور طواف قدوم سے پہلے پھر عمرہ کا، گو یہ طریقہ برا ہے کہ حج کا احرام عمرہ سے پہلے کیا اور اگر طواف قدوم کے بعد عمرہ کا احرام کرے گا تو اس پر دم واجب ہو گا۔

حج اور عمرہ دونوں کا احرام میقات سے ایک ساتھ کرے گا۔ قارن صرف آفاقی (باہر سے آنے والا) ہوتا ہے۔ مکی (مکہ کا رہنے والا) قارن نہیں ہوتا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں دونوں کا احرام میقات سے پہلے کرلے تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں کا احرام حج کے مہینوں سے پہلے کرلے (اگرچہ اس طرح احرام باندھنے کو مکروہ کہا گیا ہے)

قران کرنے والا احرام کی نماز کے بعد یہ دعا پڑھے گا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اُرِیْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْ ھُمَا لِی وَ تَقَبَّلْھُمَا مِنِّی (اے اللہ میں حج اور عمرہ دونوں کا ارادہ کر رہا ہوں، ان دونوں کو مجھ پر آسان فرمادے اور میری طرف سے ان کو قبول فرمالے) مستحب یہ ہے کہ دعا میں پہلے عمرہ کا لفظ لایا جائے، اس لیے کہ عملاً پہلے عمرہ ادا کرتے ہیں، پھر حج کے افعال ادا ہوتے ہیں، تو جس ترتیب سے یہ دونوں ادا ہوتے ہیں اسی ترتیب سے دعا میں آنے چاہیے چنانچہ بعض کتابوں میں دعا کے اندر عمرہ کا لفظ پہلے آیا ہے پھر حج کا، لیکن عام طور سے کتابوں میں اسی طرح ذکر ہے جیسا کہ نقل ہوا، یعنی پہلے حج کا لفظ پھر عمرہ کا۔ اور یہ شاید اس وجہ سے

ہے کہ حج فرض ہے اور اس کی ادائیگی نے ہی اسے اس سفر پر آمادہ کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

پہلے عمرہ کی ادائیگی جب مکہ مکرمہ پہنچ جائے گا تو قران کرنے والا پہلے عمرہ کا طواف کرے گا یہاں تک کہ اگر کوئی حج کی نیت سے طواف کرے گا تو وہ بھی فقط عمرہ کا طواف قرار پائے گا اور اس کی نیت لغو ہو گی، یہ طواف عمرہ سات چکر کرے گا، پہلے تین چکر میں رمل کرے گا یعنی ذرا سینہ نکال کر چلے گا، طواف کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے گا لیکن سر نہیں منڈائے گا، اگر کوئی قارن عمرہ کے بعد سر منڈا لے گا تو اس سے اس کے عمرہ کا احرام نہیں ختم ہو گا۔ اس لیے کہ قارن کے عمرہ کا احرام دس ذی الحجہ کو ختم ہو جاتا ہے، لیکن عمرہ کے بعد سر منڈا لینے سے اس پر دو دم لازم ہو گا۔ اور یہ احرام کی بے ادبی کی تلافی کی صورت ہو گی۔

ثم يحج كما مر فيطوف للقدوم و يسعى بعده ان شاء فان اتى بطوافين متواليين ثم سعيين لهما جاز واساء ولا دم عليه وذبح للقران وهو دم شكر فياكل منه بعد رمي يوم النحر لوجوب الترتيب وان عجز صام ثلثة ايام ولو متفرقة آخرها يوم عرفة تدبا رجاء القدرة على الاصل فبعده لا يجزيه فقول المنح كالبحر بيان للافضل فيه كلام وسبعة بعد تمام ايام حجة فرضا او واجبا وهو بمضى ايام التشريق اين شاء لكن ايام التشريق لا تجزيه لقوله تعالىٰ و سبعة اذا رجعتم اى فرغتم من افعال الحج فعم من وطنه منى او اتخذها موطنا فان فاتت الثلثة تعين الدم فلولم يقدر تحلل و عليه دمان ولو قدر عليه فى ايام النحر قبل الحلق بطل صومه

عمرہ کے بعد حج عمرہ سے فارغ ہو کر پھر حج کرے گا جس کا تفصیلی طریقہ پہلے گذر چکا۔ پہلے طواف قدوم کرے گا یعنی حاضری کا طواف، اس کے بعد صفا مروہ کے درمیان سعی کرے گا، اگر اس کی خواہش ہو، ورنہ طواف افاضہ کے بعد سعی کرے گا۔

اگر کسی نے عمرہ اور حج دونوں کا طواف متصلاً یکے بعد دیگرے کیا، پھر اسی طرح دو سعی لگاتار کیا، تو یہ جائز ہے لیکن اس نے یہ اچھا نہیں کیا، طواف قدوم کو عمرہ کی سعی کے پہلے کر کے اس نے برا کیا، لیکن اس تقدیم و تاخیر کی وجہ سے اس پر دم واجب نہیں ہے، کہ جانور ذبح کرے۔

قربانی قارن جب عمرہ اور حج دونوں سے خیر و خوبی کے ساتھ یوم النحر (قربانی کے دن) فارغ ہو چکے تو وہ دسویں ذی الحجہ کو جمرہ عقبہ کی رمی سے فارغ ہو کر قران کے لیے بکری یا گائے ذبح کریگا اور یہ ذبح کرنا بطور اللہ تعالیٰ کے شکریہ کے ہو گا، کہ اس نے ایک احرام سے دو عبادتیں ایک عمرہ اور دوسرا حج ادا کیا۔ اس قربانی کا گوشت قارن کھائے گا۔ ماتن نے قربانی کے بعد رمی کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ رمی کے پہلے ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے یہ ترتیب واجب ہے اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔

قربانی نہ کرنے کی صورت میں روزے اگر وہ کسی مجبوری کی وجہ سے قربانی نہیں کر سکتا ہے جیسے محتاجی اور روپے کی کمی، تو وہ احرام کے بعد تین روزے رکھے گا گو

مسلسل نہ رکھے متفرق طور پر رکھے، مگر تیسرا روزہ یوم عرفہ میں رکھنا مستحب ہے، اور یہ اس وجہ سے کہ ہو سکتا ہے وہ قربانی پر شائد قادر ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ کوئی انتظام فرمادے، اور سات روزے حج پورا ہو جانے کے بعد رکھے، اس طرح کل دس روزے ہو جائیں گے، اور یہ روزے دونوں صورتوں میں رکھنے ہوں گے، حج فرض ہو یا واجب ہو۔ حج ایام تشریق کے گذر جانے کے بعد تمام ہوتا ہے، یہ بعد والے سات روزے جہاں چاہے رکھے، خواہ منیٰ میں خواہ مکہ میں، خواہ اپنے وطن میں، ایام تشریق کا روزہ کافی نہیں ہوگا، اس لیے کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ یعنی سات روزے حج سے فارغ ہونے کے بعد رکھو، رَجَعْتُمْ کے معنی ہے ای فرغتم من افعال الحج، لہٰذا فراغت پانا عام ہے اس کو بھی شامل ہے جس کا وطن منیٰ ہے یا جس نے حج کے بعد منیٰ کو وطن بنالیا یا جس کا کہیں وطن نہیں اور امام شافعیؒ رَجَعْتُمْ کو اس کے حقیقی معنی میں لے کر فرماتے ہیں کہ یہ سات روزے مکہ میں رکھنا جائز نہیں ہے۔ گھر پہنچ کر رکھے گا۔

روزے نہ رکھنے کی صورت میں جس نے مجبوری کی وجہ سے قربانی نہیں کی تھی اگر وہ ایام حج میں تین روزے نہیں رکھے گا تو اس پر دم واجب ہوگا (کیونکہ اس قربانی کے عوض قران میں بوقت حج روزے رکھنے تھے، بعد میں روزے رکھنے کافی نہیں، اب قربانی کرنی وہیں متعین ہو گئی) روزے کے فوت ہونے کے بعد قربانی پر اگر قادر نہ ہو تو اسے چاہیے کہ احرام کھول دے اور اب اس پر دو دم (قربانی) واجب ہے، ایک قران کی اور دوسری احرام کھولنے کی کذا فی الطحطاوی، اور اگر قارن قربانی کے دنوں میں سر منڈانے سے پہلے قربانی کرنے پر قادر ہو جائے تو اس نے جو تین روزے قربانی کے عوض رکھے ہیں وہ باطل ہو جائیں گے اور اس کے لیے قربانی کرنا لازم ہوگا۔

فان وقف القارن بعرفة قبل اکثر طوافه العمرة بطلت عمرته فلو اتی باربعة اشواط ولو بقصد القدوم او التطوع لم تبطل و یتمها یوم النحر والاصل ان الماتی به من جنس ما هو متلبسن فی وقت یصلح له ینصرف للمتلبس به وقضیت بشروعة فیها ووجب دم الرفض للعمرة وسقط دم القران لانه لم یوفق للنسکین

قیام عرفات سے پہلے عمرہ کا طواف قارن نے عرفات میں عمرہ کے طواف کے چار چکر کرنے سے پہلے قیام کیا۔ تو اس صورت میں اس کا عمرہ باطل ہو جائے گا۔ (کیونکہ اس کے بعد عمرہ کا ادا کرنا مشکل ہے کیونکہ افعال حج کے شروع ہونے کے بعد عمرہ جائز نہیں ہے) لیکن اگر عرفات میں قیام سے پہلے اس نے طواف کے چار چکر لگا لیے ہیں گو اس نے طواف قدوم یا طواف نفل کے ارادہ سے کیا ہو، تو اس صورت میں قارن کا عمرہ باطل نہیں ہوگا اور وہ عمرہ کو یوم نحر میں پورا کرے گا۔ یعنی باقی تین چکر پورے کرے اور سعی کرلے۔

اس باب میں اصل یہ ہے کہ جو چیز ایسی ہم جنس ادا کی جائے جس میں مکلف مشغول ہے اور اس وقت وہ چیز اس کے لائق ہو سکتی ہے تو وہ چیز اس طرف پھیری جا سکتی ہے جس میں وہ مشغول ہے۔

عمرہ جو باطل ہو گیا ہے وہ شروع کر دینے کی وجہ سے لازم ہو چکا ہے لہٰذا اس کی قضا کرے گا اور عمرہ کے ساقط ہونے کی وجہ سے اس پر دم واجب ہوگا اور قران کا دم ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ دو عبادتوں کو جمع کرنے پر قادر نہیں ہو سکا۔

باب التمتع

هو لغة من المتاع او المتعة و شرعا ان يفعل العمرة او اكثر اشواطها فى الشهر الحج فلو طاف الاقل فى رمضان مثلا ثم طاف الباقى فى شوال ثم حج من عامه كان متمتعا فتح قال المصنف فلتغير النسخ الى هذا التعريف ويطوف و يسعى كما مر و يخلق او يقصر ان شاء ويقطع التلبية فى اول طوافه للعمرة و اقام بمكة حلالا ثم يحرم بالحج فى سفر واحد حقيقة او حكما بان يلم باهله الماما غير صحيح يوم التروية و قبله افضل و يحج كالمفرد لكنه يرمل فى طواف الزيارة ويسعى بعده ان لم يكن قدمها بعد الاحرام وذبح كالقارن ولم تنب الاضحية عنه

حج کی دوسری قسم تمتع کا بیان

لغت میں تمتع لفظ متاع یا متعہ سے مشتق ہے اور اس کے معنی نفع حاصل کرنے یا نفع پہنچانے کے ہیں، اور اصطلاح شریعت میں تمتع یہ ہے کہ حج کو جانے والا عمرہ یا اس کے طواف کے اکثر چکر حج کے مہینوں میں ادا کرے، لہٰذا اگر کسی نے عمرہ کے طواف کے تین یا اس سے کم چکر تو پورے کیے رمضان میں اور باقی چار یا زیادہ چکر کی تکمیل کی شوال کے مہینے میں، پھر اس نے اسی سال حج کیا تو وہ تمتع کرنے والا ہوگا۔ عمرہ میں طواف کرے گا اور سعی کرے گا اور سر کے بال منڈوائے گا یا اس کو چھوٹا کرائے گا یہ اس کی مرضی پر ہے، یعنی بال کا کٹانا یا منڈوانا تمتع میں شرط نہیں ہے یہ تمتع کرنے والے کی خواہش پر ہے بال کٹانے کے بعد وہ احرام سے نکل آئے گا۔

عمرہ کے پہلے طواف میں تلبیہ بند کر دے گا اور مکہ میں حلال ہو کر قیام کرے گا (یوں اس کو اختیار ہے کہ مکہ میں قیام کرے یا مدینہ منورہ میں جہاں جی چاہے یا جہاں سہولت ہو رہے، کسی ایک جگہ رہنا لازم نہیں ہے) پھر جب ایام حج آجائیں گے تو وہ اسی سفر میں حج کا احرام باندھے گا۔ عمرہ کا احرام کھولنے کے بعد وہ اپنے بال بچوں میں بھی آسکتا ہے، حج کا احرام یا تو اسی سفر میں باندھے اس طرح کہ عمرہ کر کے اپنے گھر نہ آئے، یا عمرہ کے بعد گھر میں آئے پھر ایام حج میں آکر حج کا احرام باندھے۔ مگر اس طرح کہ حج کے لیے مکہ جانے کا ارادہ کیے ہو، ختم نہ ہونے پائے۔

حج کا احرام تمتع کرنے والا حج کا احرام آٹھویں ذی الحجہ کو مکہ سے باندھے گا مگر آٹھویں ذی الحجہ سے پہلے باندھنا افضل ہے پھر وہ صبح کے ارکان و افعال ادا کرے گا، جس طرح صرف حج کرنے والا ادا کرتا ہے، لیکن یہ طواف زیارت

میں رمل کرے گا، یعنی سینہ نکال کر چلے گا، اور اس طواف کے بعد صفا مروہ کے درمیان سعی کرے گا اگر احرام حج کے بعد پہلے سعی اور طواف نہیں کر چکا ہے، تمتع کرنے والا قربانی اسی طرح کرے گا جس طرح قارن واجب سمجھ کر کرتا ہے، مگر یہ قربانی اس کی طرف سے عید الاضحیٰ کی قربانی کے قائم مقام نہیں ہو گی کیونکہ مسافر پر یہ قربانی واجب نہیں ہے اور تمتع کرنے والے پر حج والی قربانی واجب ہے۔

فان عجز عن دم صام کالقران و جاز صوم الثلثة بعد احرامها ای العمرة لکن فی اشهر الحج لا قبله ای الاحرام وتاخیره افضل رجاء وجوده الهدی کما مر وان اراد المنمتع السوق للهدی وهو افضل احرم ثم ساق هدیه معه و هو اولی من قوده الا اذا کانت لانساق فیقودها وقلد بدنته وهو اولی من التجلیل و کره الاشعار و هو شق سنامها من الایسر اوالایمن لان کل احد لا یحسنه فاما من احسنه فان قطع الجلد فقط فلا باس به واعتمر ولا یتحلل منها حتی ینحر ثم احرم للحج کما مر فیمن لم یسق وحلق یوم النحر و اذا حلق حل من احرامیه علی الظاهر

روزہ بجائے قربانی اگر تمتع کرنے والا حج والی قربانی کرنے سے مجبور ہو، تو اس صورت میں اس کو بھی قارن کی طرح تین روزے ایام حج میں رکھنے ہوں گے، اور سات روزے حج سے فراغت کے بعد، جس کی تفصیل قران کے باب میں گذری، عمرہ کے احرام کے بعد تین روزے حج کے مہینوں میں رکھنے درست ہیں، لیکن عمرہ کے احرام کے پہلے جائز نہیں، افضل یہ ہے کہ عرفہ تک انتظار کرے کہ ہو سکتا ہے قربانی کا کوئی انتظام ہو جائے۔ جب اخیر تک کوئی انتظام نہ ہو تو روزے رکھے۔

قربانی کا جانور ساتھ لے جانا تمتع کرنے والا اگر چاہے کہ وہ قربانی کا جانور ساتھ لیجائے جو اس کے لیے افضل ہے تو وہ پہلے احرام باندھے پھر اس کے بعد اپنے ساتھ قربانی کا جانور ہانک کر چلے، قربانی والے جانور کو پیچھے سے ہانک کر لیجانا آگے سے کھینچ کر لیجانے سے بہتر ہے، البتہ جب پیچھے سے جانور کا ہانکنا اس کی تکلیف کی وجہ سے مشکل ہو تو آگے سے کھینچ کر لے چلے گا۔

قربانی کا جانور جس کو تمتع کرنے والا ساتھ لیجا رہا ہے اس کے گلے میں پٹہ ڈال دے اور اس کے گلے میں پٹہ ڈالنا اس پر جھول ڈالنے سے بہتر ہے اور یہ پٹہ ڈالنا علامت ہوتی ہے کہ یہ حاجی کا قربانی والا جانور ہے جسے وہ حرم میں لے جا رہا ہے۔

اشعار اشعار یعنی اونٹ کے دائیں یا بائیں کوہان پر زخم لگانا اور چیرنا مکروہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنا ہر شخص کو عمدہ طریقہ سے نہیں آتا ہے، جس سے جانور کو تکلیف نہ ہونے پائے، لیکن جو ایسا کرنا جانتا ہو اس کیلئے مضائقہ بھی نہیں۔

عمرہ کرنے کے بعد حلال نہ ہو، جب تک وہ اس جانور کی قربانی نہ کرلے قربانی کے بعد حلال ہو جائے اور آٹھویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھے جس کی تفصیل اس شخص کے بحث میں گذر چکی۔ جو قربانی کا جانور ساتھ نہ لیجائے حج کے افعال کے بعد دس ذی الحجہ کو سر کے بال منڈائے گا، سر کے بال جب منڈالے گا تو وہ حج اور عمرہ دونوں کے احرام سے نکل آئے گا۔

والمکی و من فی حکمه یفرد فقط ولو قرن او تمتع جاز و اساء و علیه دم جبر ولا یجزیه الصوم لو معسرا ومن اعتمر بلا سوق هدی ثم بعد عمرته عاد الی بلده و حلق تفقدا لم الماما صحیحا فبطل تمتعه ومع سوقه تمتع کالقارن وان طاف لها اقل من اربعة قبل اشهر الحج و اتمها فیها وحج فقد تمتع ولو طاف اربعة قبلها لا اعتبارا للاکثر کوفی ای آفاقی حل من عمرته فیها ای الاشهر وسکن بمکة ای داخل المواقیت او بصرة ای غیر بلده وحج من عامه متمتع لبقاء سفره ولوافسدها و رجع من البصرة الی مکة وقضاها وحج لا یکون متمتعا لانه کالمکی الا اذا لم باهله ثم رجع و اتی بهما لانه سفر آخر ولا یضر کون العمرة قضاء عما افسده وای النسکین افسده المتمتع اتمه بلا دم للتمتع بل للفساد والله اعلم .

مکی کے لیے قران اور تمتع نہیں

مکہ کا رہنے والا اور وہ شخص جو اس کے حکم میں ہو یعنی مواقیت کے اندر رہتا ہو، وہ صرف حج کرے گا۔ قران اور تمتع نہیں کرے گا (قرآن پاک میں ارشاد ہے "ذلك لمن لم یکن اهله حاضری المسجد الحرام" تمتع اس شخص کے واسطے ہے جس کے اہل و عیال مسجد حرام میں حاضر نہ ہوں)

اس کے باوجود مکہ میں رہنے والا جو اس کے حکم میں ہے اگر قران یا تمتع کر لے گا تو وہ جائز ہو جائے گا، لیکن وہ ناپسندیدہ کرنے والا کہا جائے گا اور اس کی وجہ سے اس پر دم دینا واجب ہوگا، اور اگر وہ تنگ دست ہو تو اس کے لیے روزہ رکھنا کافی نہیں ہوگا۔

تمتع کا بطلان

جس تمتع کرنے والے نے بغیر ساتھ جانور لیجائے ہوئے عمرہ کیا پھر وہ عمرہ کے بعد اپنے شہر واپس آ گیا اور سر منڈا لیا تو اس صورت میں تمتع باطل ہو جائے گا اور تمتع کرنے والا اگر قربانی کا جانور ساتھ لے گیا اور عمرہ کر کے اپنے گھر واپس آیا تو وہ متمتع باقی رہے گا۔ تمتع کرنے کا اس کو اختیار ہے۔

اگر عمرہ کے واسطے چار چکر سے کم حج کے مہینوں سے پہلے طواف کیا اور باقی چار چکر یا زیادہ کو حج کے مہینوں میں پورا کر دیا، پھر حج کیا تو اس کا تمتع درست ہے کیونکہ اکثر طواف حج کے مہینوں میں ہوا، اور اگر اس کے برعکس ہوا کہ طواف کے اکثر چکر حج کے مہینوں سے پہلے ہوئے اور کم حج کے مہینوں میں تو تمتع صحیح نہیں ہوا۔ اس لیے کہ اعتبار اکثر حصہ کا ہوتا ہے۔

کوفہ کے رہنے والے یعنی مواقیت سے باہر رہنے والے نے حج کے مہینوں میں عمرہ کر کے احرام کھول دیا اور مکہ میں قیام کیا یعنی مواقیت کے حدود میں۔ یا بصرہ میں رہا یعنی اپنے شہر کے سوا دوسرے شہر میں، پھر اسی سال حج کیا تو وہ تمتع کرنے والا ہوگا اس واسطے کہ اس کا سفر ہنوز باقی ہے۔

اور اگر حج کے مہینوں میں اس نے عمرہ کو فاسد کر ڈالا پھر بصرہ سے مکہ کی طرف واپس آیا اور عمرہ کی قضا کی اور حج کیا تو اس صورت میں وہ تمتع کرنے والا نہ ہوگا، اس لیے کہ وہ عمرہ فاسد کرنے کے بعد مکی کی طرح ہو گیا اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ مکی تمتع نہیں کرے گا۔

لیکن جب کہ عمرہ فاسد کرنے کے بعد وہ اپنے گھر چلا آیا۔ پھر وہاں سے مکہ سے احرام باندھ کر واپس آیا اور عمرہ اور حج ادا کیا تو وہ تمتع کرنے والا ہوگا۔ اس لیے کہ یہ دوسرا سفر ہوا، تو اس صورت میں آفاقی کا عمرہ ہوگا اور قضا شدہ عمرہ کی قضا اس کے لیے مضر نہیں۔

تمتع کرنے والا عمرہ اور حج میں سے جس کو بھی فاسد کرے گا تو وہ اس کو بغیر دم دیئے پورا کرے گا۔ اور تمتع کا دم ذبح کرنا اس پر واجب نہیں کیونکہ دونوں عبادتیں عمرہ اور حج ایک سفر میں ادا نہیں ہوئیں۔ البتہ فاسد کرنے کی وجہ سے دم واجب ہوگا۔

باب الجنایات

الجناية هنا ماتكون حرمته بسبب الاحرام والحرم و قد يجب بها دمان او دم او صوم او صدقة ففصلها بقوله الواجب دم على محرم بالغ فلا شيء على الصبى خلافاً للشافعي ولو ناسيا او جاهلا او مكرها فيجب على نائم غطى راسه ان طيب عضوا كاملا ولو فمه باكل طيب كثيرا و مايبلغ عضوا لو جمع والبدن كله كعضو واحد ان اتحد المجلس والا فلكل طيب كفارة ولو ذبح ولم يزله لزمه دم آخر لتركه و اما الثوب المطيب اكثره فيشترط للزوم الدم دوام لبسه يوما اوخضب راسه بحناء رقيق اما المتلبد ففيه دمان او ادهن بزيت اوحل بفتح المهملة الشيرج ولو كانا خالصين لانهما اصل الطيب بخلاف بقية الادهان

حج کی جنایات کا بیان

جنایت کتاب الحج میں اس فعل کو کہتے ہیں جس کی حرمت احرام باندھنے یا حرم میں داخل ہونے کی وجہ سے ثابت ہو، اس جنایت کی وجہ سے کبھی دو دم واجب ہوتے ہیں کبھی ایک دم (قربانی) اور کبھی روزہ واجب ہوتا ہے اور کبھی صدقہ۔ انہی امور کی آگے تفصیل کی جارہی ہے دم والی قربانی اس احرام والے پر واجب ہوتی ہے جو بالغ ہو، خواہ وہ بھول کر ہی جنایت کیوں نہ کی ہو، یا جہالت کی وجہ سے کی ہو یا دوسروں کی وجہ سے ہو جس میں اس کے اختیار کو دخل نہ ہو، لہٰذا اس سونے والے پر دم واجب ہے جس کا سر کسی دوسرے نے ڈھک دیا ہو قاعدہ یہ ہے کہ جو کام بے اختیاری میں ہوا، اس پر گناہ تو نہیں ہوگا مگر احکام جاری ہوں گے بالغ کی قید سے معلوم ہوا کہ نابالغ محرم پر دم واجب نہیں ہے۔

کفارہ کا وجوب دم اس صورت میں واجب ہے جب احرام والے نے اپنے ایک پورے عضو پر خوشبو ملی ہو یا لگائی ہو، یا منہ بہت ساری خوشبودار چیزوں کے کھانے سے خوشبودار ہوگیا ہو، یا بدن پر متفرق جگہ تھوڑی

تھوڑی خوشبو لگائی اس طرح کہ اگر ان سب جگہوں کو جمع کیا جائے تو بقدر ایک عضو کے ہو جائے اگر مجلس متحد ہو تو پورا بدن ایک عضو کے برابر قرار پائے گا، اور ایک کفارہ ادا کرنا ہوگا، اور اگر مجلس متحد نہ ہو تو ہر بار خوشبو کا کفارہ الگ الگ لازم ہوگا۔

خوشبو لگانے کے بعد جانور ذبح کیا اور خوشبو کو بدن سے دور نہیں کیا تو اس پر دوسرا جانور ذبح کرنا لازم ہوگا۔ اس لیے کہ خوشبو باقی ہے، جس کپڑے کا اکثر حصہ خوشبودار اور معطر ہو اس صورت میں دم کے لازم ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کپڑے کو دن بھر پہنے رہے۔

مہندی کا خضاب یا احرام والے نے اپنے سر میں پتلی مہندی کا خضاب لگایا تو اس پر بھی دم واجب ہوگا اور اگر اس نے گاڑھی مہندی اپنے سر پر جمالی ہے تو اس پر دو دم لازم ہوں گے ایک خوشبو لگانے کا دوسرے سر کو مہندی سے ڈھک لینے کا، مگر اس میں بھی شرط یہ ہے کہ ایک دن یا ایک رات مہندی لگی رہے۔ (حدیث مرفوع ہے الحناء طیب مہندی خوشبو ہے)

یا کسی محرم نے اپنے سر یا بدن میں روغن زیتون یا میٹھا تیل ملا۔ تو دم واجب ہے اگرچہ یہ دونوں خالص ہوں اس لیے کہ دونوں تیل خوشبو کی اصل ہیں۔ بخلاف دوسرے تیلوں کے کہ ان کے لگانے سے دم لازم نہیں حل روغن تل کو کہتے ہیں جس کو میٹھا تیل کہا گیا ہے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں روغن زیتون اور میٹھا تیل (روغن تل) لگانے سے صدقہ واجب ہوگا دم واجب نہیں، البتہ خوشبودار تیل میں باتفاق سبھوں کے نزدیک دم واجب ہے۔

فلو اكله اواستعطه اوداوى به جراحة او شقوق دجليه او اقطر فى اذنيه لا يجب دم ولا صدقة اتفاقا بخلاف المسك والعنبر والغالية والكافور و نحوها مما هو طيب بنفسه فانه يلزمه الجزاء بالاستعمال ولو على وجه التداوى ولو جعله فى طعام قد طبخ فلا شيء فيه وان لم يطبخ وكان مغلوبا كره اكله كشيطيب و تفاح اولبس مخيطا لبساً معتادا ولو اتزره او وضعه على كتفيه لا شيء عليه اوستر رأسه بمعتادا ما بحمل اجانة او عِدل فلا شيء عليه يوما كاملا او ليلة كاملة و فى الاقل صدقة

روغن کا استعمال محرم نے اگر روغن زیتون یا میٹھا تیل کھایا، یا ناک میں ڈالا، یا اس سے زخم کی دوا کی، یا دونوں پاؤں کی پھٹن میں لگایا، یا اپنے دونوں کانوں میں ٹپکایا تو اس صورت میں نہ دم واجب ہوگا اور نہ کوئی صدقہ، بخلاف مشک، عنبر، غالیہ اور کافور اور اس طرح کی دوسری چیزوں کے جو بطور خود خوشبو ہیں ان کے استعمال سے جزا لازم ہوگی اگرچہ انہیں دوا کے طور پر استعمال کیا گیا ہو۔

اگر مشک و عنبر وغیرہ کسی کھانے میں ڈال کر پکایا گیا ہو تو محرم پر اس کے کھانے اور استعمال سے کوئی چیز واجب نہیں ہے، خواہ کھانے میں خوشبو باقی رہے، یا باقی نہ رہے، اور اگر خوشبو ڈال کر پکایا نہیں، بلکہ کھانا پکنے کے بعد اوپر سے خوشبو ڈالا اور خوشبو کھانے سے کم ہے تو اس کا کھانا مکروہ ہے جس طرح خوشبو اور سیب کا سونگھنا مکروہ ہے (وہ خوشبودار چیزیں جن کا کھانا معمول میں

داخل ہے جیسے گرم مصالحہ میں لونگ، الائچی اور دار چینی وغیرہ جب کہ وہ کھانے میں ملی ہوئی ہو تو اس کا کھانا جائز ہے)

دم کا واجب ہونا کسی محرم نے سلا ہوا کپڑا اس طرح استعمال کیا جس طرح وہ استعمال ہوتا ہے تو اس پر دم ہوگا، لیکن اگر خلاف عادت کے طور پر اس کا استعمال ہو، جیسے کوئی قمیص، کرتا یا اچکن کو بطور تہ بند باندھ لے، یا پائجامہ کو مونڈھے پر ڈال لے تو اس صورت میں اس پر نہ دم واجب ہوگا اور نہ صدقہ۔

یا محرم نے اپنا سر اس کپڑے سے چھپایا، جس سے چھپانے کا معمول ہے جیسے ٹوپی اور پگڑی تو اس میں دم لازم ہوگا، لیکن اگر سر کو تغار سے چھپایا یا گٹھری سے تو اس پر نہ صدقہ واجب ہوگا اور نہ دم۔ جس صورت میں دم واجب ہوتا ہے اس کے لیے شرط یہ ہے کہ پورے دن استعمال کرے یا پوری رات، ایک دو گھنٹے کے استعمال سے دم واجب نہیں ہوتا۔

ایک دن سے زیادہ پہننا ایک دن کے حکم میں ہے یعنی جس طرح ایک دن کے استعمال میں ایک دم واجب ہے زیادہ دنوں کے استعمال میں بھی ایک ہی دم واجب ہے، خواہ دس دن تک پہنے رہے اور خواہ وہ رات میں اس کو اتار ڈالتا ہو اور دن میں پہن لیتا ہو، اور چاہے پورا لباس زیب تن کر لیا ہو جیسے پائجامہ، قمیص اور ٹوپی سب پہن لیا ہو یا ان سب صورتوں میں صرف ایک دم واجب ہوگا۔

والزائد على اليوم كاليوم و ان نزعه ليلا و اعاده نهارا ولوجميع ما يلبس ما لم يعزم على الترك للبسه عند النزع فان عزم عليه اى الترك ثم لبس تعدد الجزاء كفر للاول اولا و كذا يتعدد الجزاء لولبس يوما فاراق دما للبسه ثم دام على لبسه يوما اخر فعليه الجزاء ايضا لانه محظور فكان لدوامه حكم الابتداء و دوام اللبس بعد ما احرم و هو لابسه كانشائه بعده ولو مكرها او نائما ولو تعدد سبب اللبس تعدد الجزاء و لو اضطر الى قميص فلبس قميصين او الى قلنسوة فلبسها مع عمامته لزمه دم واثم و لو تيقن زوال الضرورة فاستمر كفر اخرى و تغطية ربع الرأس اوالوجه كالكل ولا بأس بتغطية اذنيه وقفاه ووضع يديه على انفه بلا ثوب

ایک دم سے زیادہ دم ایک دن کے حکم میں اُس وقت شمار ہوگا جب اس نے لباس اتارنے کے وقت اس کے ترک کر دینے کا عزم نہ کیا ہو، سو اگر اس نے اتارنے کے وقت چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا پھر اس نے سلا ہوا کپڑا پہنا تو البتہ اس صورت میں کئی جزا ہوں گی یعنی اس کو کئی دم دینے ہوں گے یعنی جتنی مرتبہ چھوڑنے کا پختہ ارادہ کرنے کے بعد پہنا ہوا اتنا ہی دم ہوگا۔ خواہ وہ پہلے جنایت کا کفارہ ادا کر چکا ہو، یا نہیں کیا ہو۔

اسی طرح اُس صورت میں بھی متعدد کفارے ہوں گے کہ اس نے سلا ہوا کپڑا ایک دن پہنا اور اس کے عوض میں دم دیا، دم کے بعد پھر اس نے ایک اور دن وہ سلا ہوا کپڑا پہن لیا تو اب اس کو دوسرا دم دینا ہوگا، کیونکہ احرام والے کو سلا ہوا کپڑا پہننا منع ہے لہٰذا دم دینے کے بعد پہننے کا حکم پھر از سر نو ہوگا۔

اور اس پوشاک کو جس کو احرام کے وقت پہنا تھا باقی رکھنا اس کو از سر نو پہننا ہے خواہ اس کے اختیار کے بغیر ایسا ہوا ہو یا نیند

میں ایسا کیا گیا ہو۔

سبب کے تعدد سے دم کا تعدد

اگر لباس پہننے کا سبب متعدد ہو تو اس کی سزا بھی متعدد ہوگی جیسے احرام والے کو بخار آیا اور اس نے قمیص پہن لی۔ پھر اس کو صحت ہو گئی۔ اس کے بعد اسے دوسری بیماری ہوئی یا دوسرے قسم کا بخار آیا، اس کے بعد اس نے قمیص پہنی تو اس پر دو کفارے لازم ہوں گے کذا فی فتح القدیر،
اگر احرام والے کو ایک کرتے کے ضرورت ہوئی اس نے دو کرتے پہن لیے یا ایک ٹوپی کی ضرورت ہوئی اس نے ٹوپی بھی پہنی اور عمامہ بھی باندھ لیا، اس صورت میں اس پر صرف ایک دم واجب ہوگا اس وجہ سے کہ سبب ایک ہی ہے لیکن وہ گنہ گار ہوگا کہ اس نے ضرورت سے زیادہ کپڑا استعمال کیا۔

اگر احرام والے کو یقین ہو گیا کہ لباس کی ضرورت باقی نہیں رہی لیکن اس کے باوجود وہ پہنے ہوئے رہا۔ (خواہ ایک دن خواہ دو دن) تو اس صورت میں وہ دوسرا کفارہ دے گا، البتہ اگر حاجت کے پورے ہونے میں شبہ ہو تو اس پر ایک ہی کفارہ لازم ہوگا۔

چوتھائی سر یا چہرے کا ڈھکنا کفارہ نہیں تمام سر اور تمام چہرہ ڈھکنے کے برابر ہے، محرم کے دونوں کان اور گدی کے ڈھکنے میں اور ناک پر بغیر کپڑا ہاتھ رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

او حلق ای ازال ربع رأسه اولوجه کالکل ولا بأس بتغطیة اذنیه و قفاه ووضع یدیه علی انفه بلا ثوب اوحلق ای ازال ربع رأسه او ربع لحیته او حلق محاجمه یعنی واحتجم والا فصدقة کما البحر عن الفتح او حلق احدی ابطیه او عانته او رقبته کلها او قصر اظفار یدیه او رجلیه اوالکل فی مجلس واحد فلو تعدد المجلس تعدد الدام الا اذا تحد المحل کحلق ابطیه فی مجلسین او رأسه فی اربعة او یدا و رجل اذالربع کالکل

دم اور صدقہ

احرام والا اپنے سر یا ڈاڑھی کا چوتھائی حصہ مونڈے یا اپنے سر کے پیچھے اُس جگہ کو مونڈے جہاں پچھنے لگاتے ہیں، تو دم لازم ہوگا یعنی دونوں فعل جمع کرنے کی صورت میں، اور اگر دونوں کو جمع نہ کرے یعنی فقط مونڈے اور پچھنا نہ لگائے یا پچھنے لگائے اور نہ مونڈے تو اس صورت میں اس پر صدقہ لازم ہوگا دم نہیں۔

تعدد مجلس کا اثر

کسی احرام والے نے اپنی ایک بغل پوری مونڈی، یا اپنے زیرناف کے بال مونڈے یا پوری گردن کے بال مونڈے، یا دونوں ہاتھوں کے ناخن کاٹے، یا دونوں پیروں کے یا دونوں ہاتھوں کے اور دونوں پاؤں کے ایک ساتھ اور ایسا ایک مجلس میں کیا، تو اس پر صرف ایک دم ہوگا، اور اگر مجلس متعدد ہوگی تو دم بھی متعدد (ہوں گے) اس طرح کہ مثلاً ایک مجلس میں ایک ہاتھ کے ناخن کاٹے، اور دوسری مجلس میں دوسرے ہاتھ کے، اور تیسری مجلس میں ایک پاؤں کے، اور چوتھی مجلس میں دوسرے پاؤں کے، اس صورت میں چار دم واجب ہوں گے اور چار بکریاں ذبح کرنی ہوں گی، لیکن اگر محل (جگہ) ایک ہو تو مجلس کے بدلنے کا اثر نہیں ہوگا ایک ہی دم دینا کافی ہوگا مثلاً احرام والے نے اپنی ایک بغل کو دو مجلسوں میں مونڈا، یا اپنے سر کے بال چار مجلسوں میں کٹایا تو اس صورت میں ایک ہی دم واجب ہوگا، اس لیے کہ محل جنایت ایک ہے، اب تعدد مجلس کا اثر نہیں ہوگا۔

ایک چوتھائی میں دم

یا احرام والے نے ایک ہاتھ کے ناخن کاٹے، یا ایک پاؤں کے ناخن کاٹے تو ایک دم لازم ہوگا، اس لیے کہ چوتھائی کل کے برابر ہے۔ کل میں دو ہاتھ ہوئے اور دو پاؤں، دونوں مل کر چار ہوئے، اس میں ایک دم تھا تو ایک ہاتھ اور پاؤں میں ایک دم واجب ہوگا اس لیے ایک ہاتھ بھی کل کا ایک چوتھائی ہے۔

او طاف للقدوم لوجوبه بالشروع او للصدر جنبا او حائضا اوللفرض محدثا ولو جنبا فبدنة ان لم يعده والاصح وجوبها في الجنابة و ندبها في الحدث وان المعتبر الاول والثاني جابر له فلا تجب اعادة السعي جوهرة و في الفتح لو طاف للعمرة جنبا او محدثا فعليه دم وكذا لو ترك من طوافها شوطا لانه لا مدخل للصدقة في العمرة او افاض من عرفة ولو بند بعيره قبل الامام والغروب ويسقط الدم بالعود ولو بعده في الاصح غاية او ترك اقل من سبع الفرض يعني ولم يطف غيره حتى لو طاف للصدر انتقل الى الفرض ما يكمله ثم ان بقي اقل الصدر فصدقة والا فدم

حالت جنابت میں طواف یا بے وضو

یا محرم نے طواف قدوم جو شروع کرنے سے واجب ہو گیا تھا اُسے یا طواف صدور حالت جنابت یا حیض میں کیا تو ان دونوں میں دم واجب ہوگا، یا طواف زیارت جو فرض ہے اُسے بے وضو ادا کیا، تو اس صورت میں بھی دم میں بکری ذبح کرنا واجب ہے، اور اگر کوئی طواف زیارت کو حالتِ جنابت میں کرے گا تو اس پر دم میں اونٹ یا گائے ذبح کرنا واجب ہوگا، بشرطیکہ اسے دوبارہ نہیں کیا ہو، لیکن جس نے حالت حیض یا جنابت میں یا بے وضو طواف قدوم یا طواف صدر اور یا طواف زیارت ادا کیا تھا ان کو اس نے دوبارہ غسل کر کے باوضو ادا کر لیا، تو اب اس پر کچھ واجب نہیں، نہ ذبح اور نہ صدقہ، اس باب میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ جو طواف حالت جنابت یا حیض میں کیا ہے اس کا لوٹانا اور دوبارہ کرنا واجب ہے اور جو طواف بے وضو کیا ہے اس کا لوٹانا مستحب ہے، اور اعادہ (لوٹانے) کی صورت میں معتبر پہلا طواف ہے اور دوسرا طواف پہلے طواف کے نقصان کی تلافی کے طور پر ہے، جب پہلا طواف معتبر ٹھہرا، تو سعی بین الصفا والمروہ کا لوٹانا طواف ثانی میں واجب نہیں ہوگا کذی فی الجوہرہ۔

عمرہ کی جنایت

فتح القدیر میں ہے کہ اگر کسی نے حالت جنابت میں عمرہ کا طواف کیا، یا اُسے اس نے بے وضو کیا، تو اس صورت میں اس پر دم لازم ہے، اسی طرح اس صورت میں بھی دم لازم ہوگا، جب کوئی عمرہ کے طواف کا ایک چکر چھوڑ دے، اس لیے کہ عمرہ کی جنایات میں صدقہ کو دخل نہیں۔

عرفات میں دم کی صورت

یا احرام والا عرفات کے میدان سے امام کے آنے سے پہلے چلا آیا۔ یا غروب آفتاب سے پہلے، اگرچہ وہاں سے آنا اونٹ بھاگنے کی وجہ سے ہوا ہو، تو بھی دم واجب ہوگا یعنی دم دونوں صورتوں میں واجب ہے خواہ اپنے اختیار سے آیا ہو یا دوسرے کے دباؤ سے جس میں اس کے اختیار کو دخل نہ ہو۔ لیکن اگر وہ عرفات میں واپس آگیا اگرچہ وہاں بعد غروب واپسی ہوئی ہو تو دم ساقط ہو جائے گا۔

طوافِ فرض میں دم طواف فرض کے سات چکروں میں سے کسی نے کمتر کو چھوڑ دیا، جیسے طواف زیارت کے تین چکر یا اس سے کم کو چھوڑ دیا تو اس صورت میں اس پر اُس وقت دم واجب ہوگا جب کہ اس نے طواف زیارت کے سوا کوئی اور طواف نہ کیا ہو، یہاں تک کہ اگر اس نے طواف صدر کیا ہے تو اس طواف صدر کے اس قدر چکر (شوط) طواف زیارت کی طرف منتقل ہو جائیں گے جتنے میں وہ پورا ہو جائے۔ خواہ ایک چکر یا دو چکر یا تین چکر۔ اس کے بعد اگر اس کے ذمہ طواف صدر کے کم سے کم چکر باقی رہے، تو صدقہ واجب ہوگا اور زیادہ رہے تو ایک دم لازم ہوگا مثلاً طواف الزیارت کے تین شوط (چکر) باقی تھے اور طواف کے پورے سات کر چکا تھا، تو طواف صدر کے تین شوط (چکر) طواف زیارت کی طرف منتقل ہو جائیں گے تاکہ اس کی تکمیل ہو جائے۔ اب اس کے صرف چار شوط (چکر) باقی رہ گئے، کمی تین چکر کی ہوئی اور یہ تین اقل طواف ہے تو اس میں صدقہ واجب ہوگا، اور اس کے برعکس ہوگا تو دم لازم ہوگا۔

وبترك اكثره بقي محرما ابدا في حق النساء حتى يطوف فكلما جامع لزمه دم اذا تعدد المجلس الا ان يقصد الرفض فتح او ترك طواف الصدر او اربعة منه ولا يتحقق الترك الا بالخروج من مكة او ترك السعي او اكثر او ركب فيه بلا عذر او الوقوف بجميع يعني مزدلفة اوالرمي كله او في يوم واحد اوالرمي الاول او اكثره اى اكثر رمي يوم اوحلق في حل يحج في ايام النحر فلو بعدها فدمان او عمرة لاختصاص الحلق بالحرم لا دم في معتمر خرج ثم رجع من حل الى الحرم ثم قصر و كذا الحاج ان رجع في ايام النحر والا فدم للتاخير اوقبل عطف على حلق او لمس بشهوة انزال اولا في الاصح اواستمنى بكفه او جامع بهيمة و انزل اواخر الحاج الحلق او طواف الفرض عن ايام النحر لتوقتهما

طوافِ زیارت اور دم طواف زیارت کے اکثر شوط کے چھوڑنے سے وہ اُس وقت تک ہمیشہ محرم باقی رہے گا جب تک وہ اس کو ادا نہ کرے، یہ عورتوں کے حق میں ہے لہٰذا اب وہ جتنی دفعہ جماع کرے گا اتنا ہی دم اس پر لازم ہوگا، بشرطیکہ جماع کی مجلسیں متعدد۔ لیکن اگر جماع ثانی سے حج کے ترک کا ارادہ کرے گا تو اس پر ایک ہی دم واجب ہوگا کذا فی فتح القدیر۔

طوافِ صدر اور دم یا محرم طواف الصدر کے سب شوط (چکر) کو ترک کر دے یا چار شوط کو، اور یہ چھوڑنا اس وقت ثابت ہوگا جب وہ مکہ مکرمہ سے نکل آئے گا۔ کیونکہ اس طواف کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے، اسی طرح سعی کے کل شوط یا اس کے اکثر کو چھوڑ دے یا بلا عذر سعی سوار ہو کر کرے تو بھی اس پر دم لازم ہوگا۔

دم کا وجوب یا وہ مزدلفہ کا ٹھہرنا چھوڑ دے، یا تمام رمی کو چھوڑ دے یا ایک دن کی رمی کو یا پہلے دن جمرہ عقبہ کی رمی کو ترک کر دے یا ایک دن کے اکثر کو چھوڑ دے ان تمام صورتوں میں دم لازم ہوگا۔

سر کا منڈانا اور دم یا حج کے احرام والے نے حل میں سر منڈایا، ایام نحر کے اندر تو اس صورت میں ایک دم واجب ہو گا۔ لیکن اگر ایام نحر (قربانی کے دنوں) کے بعد سر منڈائے گا تو دو دم واجب ہوں گے یا عمرہ کے احکام والے نے حِل میں سر منڈایا تو ایک دم واجب ہو گا۔ اس لیے کہ سر منڈانا حرم کے ساتھ مخصوص ہے۔

اُس عمرہ کرنے والے پر دم واجب نہیں ہے جو حرم سے باہر ہو گیا ہے اور پھر وہاں حل سے حرم کی طرف واپس آگیا پھر بال ترشوائے یا منڈائے۔ اسی طرح اس حاجی کا حکم ہے جو ایام نحر میں حرم کے اندر واپس آگیا، البتہ اگر ایام نحر کے بعد حرم میں بال کٹوائے یا منڈوائے گا تو اس پر دم واجب ہے کیونکہ اس نے اس کام میں تاخیر کی۔

بوسہ اور منی وغیرہ میں دم یا محرم نے عورت کا بوسہ لے لیا، تو بھی دم واجب ہو گا یا عورت کو شہوت کے ساتھ چھوا، خواہ انزال ہو خواہ نہ ہو، دونوں صورتوں میں دم واجب ہے یا اس نے ہاتھ کی رگڑ سے عضو تناسل سے منی نکالا یا اُس نے چوپائے کے ساتھ وطی کی اور انزال ہو گیا تو دم واجب ہو گا، چوپائے سے وطی میں اگر انزال نہیں ہوا ہے تو دم واجب نہیں ہو گا۔

اگر حاجی نے ایام نحر کے بعد سر منڈایا، یا طواف زیارت کیا، تو ان صورتوں میں بھی دم واجب ہو گا، کیونکہ ان دونوں کا وقت ایام نحر کے اندر متعین ہے۔

او قدم نسکا علی آخر فیجب فی یوم النحر اربعة اشیاء الرمی ثم الذبح لغیر المنفرد ثم الحلق ثم الطواف لکن لا شيء علی من طاف قبل الرمي والحلق نعم یکره لباب و قد تقدم کما لا شيء علی المفرد الا اذا حلق قبل الرمي لان ذبحه لا یجب و یجب دمان علی قارن حلق قبل ذبحه دم للتاخیر و دم للقران علی المذهب کما حرره المصنف قال و به اندفع ما توهمه بعضهم من جعل الدمین للجنایة وان طیب جوابه قوله الاتی تصدق اقل من عضو اوستر رأسه او لبس اقل من یوم فی الخزانة فی الساعة نصف صاع و فیما دونها قبضة وظاهره ان الساعة فلکیة او حلق شاربه او اقل من ربع رأسه او لحیته او بعض رقبته او قص اقل من خمسة اظافیره او خمسة الی ستة عشر متفرقة من کل عضو اربعة و قد استقر ان لکل ظفر نصف صاع الا ان یبلغ دما فینقص ماشاء

افعال حج میں تقدیم و تاخیر یا مرتب افعال حج میں سے ایک کو دوسرے پر مقدم مؤخر کیا۔ مثلاً یوم النحر میں چار افعال حج ہیں اور ترتیب کے ساتھ ہیں۔ اوّل جمرہ عقبہ کی رمی، پھر قربانی کرنا اگر وہ قارن یا متمتع ہے، پھر سر منڈانا پھر طواف زیارت کرنا۔ ان میں تاخیر و تقدیم سے امام اعظمؒ کے نزدیک دم واجب ہوتا ہے۔ لیکن اُس پر دم واجب نہیں ہے جو رمی یا حلق کے پہلے طواف کر لے، البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے اور پہلے گذر چکا ہے کہ مفرد (تنہا صرف حج کرنے والے) پر کچھ واجب نہیں، مگر اُس وقت دم ہو گا جب وہ رمی سے پہلے سر منڈا لے، کیونکہ اس پر قربانی واجب نہیں ہے، یہاں تک اُن صورتوں کا بیان ہوا جن میں ایک دم واجب ہوتا ہے۔

دودم

اُس قارن پر دودم واجب ہیں، جس نے قربانی سے پہلے سر منڈالیا، ایک دم جنایت تاخیر کا اور دوسرا قران کا اگر کسی احرام والے نے ایک عضو سے کم حصہ میں خوشبو لگائی، یا اپنے سر کو چھپالیا، یا سلا ہوا کپڑا ایک دن سے کم کے لیے پہن لیا، تو اس کو صدقہ (بقدر نصف صاع) دینا ہوگا اور خزانۃ الفتاوٰی میں ہے کہ اگر ایک گھنٹہ سلا ہوا کپڑا پہنا ہے تو نصف صاع صدقہ دے گا اور اس سے کم وقت کے لیے پہنا ہے، تو ایک مٹھی صدقہ ہے۔

جنایت پر صدقہ

محرم نے اپنی مونچھ منڈوائی یا چوتھائی سے کم سر یا ڈاڑھی منڈوائی یا اپنی گردن کے بعض حصہ کو منڈوایا، یا پانچ ناخنوں سے کم کاٹے، یا پانچ سے لے کر سولہ ناخن متفرق طور پر کٹوائے ہر عضو سے چار چار، یعنی ایک ہاتھ سے چار دوسرے ہاتھ سے چار، اسی طرح ہر ایک پاؤں سے چار چار۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ہر ناخن کٹانے میں نصف صاع صدقہ ہے، اس حساب سے سولہ ناخن کے آٹھ صاع صدقہ ہوئے، مگر یہ کہ جب وہ ایک بکری کی قیمت کے برابر ہو جائے تو پھر جتنا چاہے کم کر ڈالے۔

یا محرم نے طواف قدوم یا طواف صدر بے وضو ادا کیا۔ یا طواف صدر کے سات چکروں میں سے تین چکر چھوڑ دیئے یا جمرات ثلثہ میں سے کسی جمرہ کی رمی چھوڑ دی تو اس کو صدقہ دینا ہوگا، کیونکہ ہر کنکری کے ترک سے صدقہ واجب ہے یعنی نصف صاع، مگر جب وہ بکری کی قیمت کے برابر ہو جائے تو پھر جو چاہے کم کرلے جیسا کہ ابھی گذرا، اور حدادی نے کہا ہے کہ نصف صاع کم کرے۔

او طاف للقدوم او للصدر محدثا او ترك ثلثة من سبع الصدر و يجب لكل شوط منه و من السعي نصف صاع او احدى الجمار الثلث و يجب لكل حصاة صدقة الا ان يبلغ دما فكمامر و افاد الحدادي انه ينقص نصف صاع او حلق رأس محرم او حلال غيره او رقبته او قلم ظفره بخلاف ما لو طيب عضو غيره او البسه مخيطا فانه لا شيء عليه اجماعا ظهيرية تصدق بنصف صاع من بر كالفطرة و ان طيب او حلق او لبس لعذر خير ان شاء ذبح في الحرم او تصدق بثلثة اصوع طعام على ستة مساكين اين شاء او صام ثلثة ايام ولو متفرقة

یا احرام والا کسی غیر کا سر مونڈے خواہ وہ محرم ہو یا غیر محرم، یا غیر کی گردن کا بال مونڈے، یا اس کے ناخن کاٹے تو وہ نصف صاع گیہوں صدقہ کرے گا، جتنا صدقہ فطر نکالتے ہیں۔ لیکن اگر غیر کے کسی عضو میں خوشبو لگادے یا اس کو سلا ہوا کپڑا پہنادے تو اس پر کچھ لازم نہیں، نہ دم اور نہ صدقہ۔

صدقہ روزہ اور دم

اگر محرم نے خوشبو لگائی، یا بال مونڈا، یا سلا ہوا کپڑا کسی عذر کی وجہ سے پہنا تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو حرم میں ایک بکری ذبح کرے، یا تین صاع گیہوں چھ محتاجوں پر صدقہ کرے، جہاں بھی چاہے، حرم میں یا غیر حرم میں یا تین دن روزے رکھے اگرچہ متفرق طور پر ہو، (عذر کے سلسلہ میں طحطاوی کا بیان ہے کہ ہلاکت کا خوف ہو، جیسے سخت سردی ہو، یا کوئی ایسی بیماری ہو، یا جنگ کیوجہ سے ہتھیار لگانا پڑے، لیکن جس قدر ضرورت ہو اتنا ہی

استعمال کر سکتا ہے، مثلاً ٹوپی سے کام چل جائے تو پگڑی نہیں باندھ سکتا، صحاح ستہ میں کعب بن عجرہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میں اپنی ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہا تھا اور جوں میرے منہ پر چڑھ رہی تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت نے فرمایا کیا تجھ کو تیرے سر کے یہ کیڑے تکلیف دیتے ہیں؟ میں نے کہا جی ہاں، فرمایا کہ بال مونڈ ڈال اور تین روزے رکھ، یا چھ محتاجوں کو کھانا دے۔ ہر محتاج کو نصف صاع گیہوں یا جانور ذبح کر، یہ یاد نہیں کہ ان تینوں میں سے پہلے کس کو فرمایا۔ پھر یہ آیت اتری فَمَنْ كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ یعنی تم میں سے جو بیمار ہو، یا اس کو اس کے سر میں تکلیف ہو، تو اس پر فدیہ ہے روزہ کے ذریعہ ادا کرے، یا صدقہ کے ذریعہ، یا جانور ذبح کر کے، صحیحین کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کعب بن عجرہؓ سے فرمایا تجھ کو بکری میسر ہے، انھوں نے کہا نہیں، فرمایا تین روزے رکھ، یا چھ مسکین کو کھانا دے ہر مسکین کو نصف صاع چونکہ قرآن پاک میں صدقہ اور روزہ کا اجمالی تذکرہ تھا آنحضرت نے اس کی تفصیل بیان فرمادی۔)

ووطؤه في احد السبيلين من ادمیّ ولوناسيا او مكرها او نائمة او صبيا او مجنونا ذكره الحدادی لكن لا دم ولا قضاءَ عليه قبل وقوف فرض يفسد حجه و كذا لو استدخلت ذكر حمارا و ذكرا مقطوعا فسد حجها اجماعا و يمضی وجوبا فی فاسده كجائزه ويذبح و يقضی ولو نفلا ولو افسد القضاء هل يجب قضاؤه لم اره والذی يظهره ان المراد بالقضاء الاعادة ولم يتفرقا وجوبا بل ندبا ان خاف الوقاع

حج کا فاسد ہونا احرام والے کا کسی آدمی کے دونوں راستوں میں سے کسی میں وقوف عرفہ سے پہلے وطی کرنا خواہ یہ بھول کر ہی کیوں نہ ہو، پھر خواہ اپنی خوشی سے کیا ہو، یا زبردستی کی وجہ سے، جاگتی عورت سے کیا ہو، یا سوئی ہوئی سے، پھر احرام والا نابالغ ہو یا پاگل اس سے اس کا حج فاسد ہو جاتا ہے، حدادی نے صراحت کی ہے کہ نابالغ اور پاگل پر اس جماع سے نہ دم واجب ہے اور نہ حج کی قضا، طحطاوی میں ہے کہ انسان کے ساتھ وطی بہر حال حج کو فاسد کر ڈالتی ہے انزال ہو یا نہ ہو، اور جانور کے ساتھ مطلقاً مفسد حج نہیں۔

فاسد حج کی قضاء اسی طرح اگر کوئی عورت حالت احرام میں جانور کا عضو تناسل اپنی شرمگاہ کے اندر داخل کر لے، یا کٹے ہوئے عضو تناسل کو اپنی شرمگاہ میں داخل کر لے تو متفقہ طور پر اس کا حج فاسد ہو جائے گا، مگر اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے اس فاسد حج کو اسی طرح پورا کرے، جس طرح جائز حج کو ایک حاجی پورا ادا کرتا ہے، یہ سمجھ کر کہ اُس کا حج فاسد ہو گیا، افعال حج ترک نہ کرے بلکہ جس قدر افعال باقی رہ گئے ہوں ان کو پورا کرے، پھر قربانی کرے، اور اگلے سال اس حج کی قضا کرے، اگرچہ یہ فاسد ہونے والا حج نفل ہی کیوں نہ ہو، (دار قطنی میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جماع سے حج باطل ہو جاتا ہے۔ سائل نے پوچھا کہ جب حج باطل ہو جاتا ہے، تو پھر حج چھوڑ کر بیٹھ رہے؟ فرمایا نہیں، بلکہ لوگوں کے ساتھ جائے اور جو لوگ کرتے ہیں، وہ بھی کرے اور سال آئندہ قضا کرے، قربانی کا جانور ساتھ لائے)

اب سوال یہ ہے کہ آئندہ سال اگر وہ اس باطل حج کی قضا کے لیے نکلا، اور اس نے اس کو بھی فاسد کر دیا تو کیا اس قضا کی

قضا بھی واجب ہو گی یا نہیں، شارح کا کہنا ہے کہ میں نے یہ مسئلہ کہیں نہیں دیکھا۔ یہاں قضاء سے ظاہر اً حج کا اعادہ مراد ہے۔

میاں بیوی جن کا حج فاسد ہو گیا ہو جن میاں بیوی کا حج فاسد ہو گیا ہے جب وہ دونوں آئندہ اس کے ادا کرنے کے لیے آئیں گے، تو ان کے لیے یہ واجب نہیں ہے، کہ وہ دونوں علیحدہ ہی رہیں، ہاں اگر جدا رہیں تو مناسب ہے، اور مستحب بھی، مگر یہ بھی اس وقت جب جماع کا خطرہ ہو۔

و وطؤه بعد وقوفه لم يفسد حجه و تجب بدنة و بعد الحلق قبل الطواف شاة لخفة الجناية و وطؤه في عمرته قبل طوافه اربعة مفسد لها فمضى و ذبح و قضى وجوبا و وطؤه بعد اربعة ذبح ولم يفسد خلافا للشافعي فان قتل محرم صيدا اى حيوانا برّيًا متوحشا باصل خلقته او دل عليه قاتله مصدقا له غير عالم واتصل القتل بالدلالة اوالاشارة والدال والمشير باقٍ على احرامه واخذه قبل اين ينفلت عن مكانه بدأ او عودا او سهوا او عمدا مباحا او مملوكا فعليه جزاؤه ولو سبعا غير صائل او مستانسا او حماما ولو مسر و لا بفتح الواو ما في رجليه ريش كالسراويل

قیام عرفہ کے بعد جماع عرفات میں ٹھہرنے کے بعد احرام کی حالت میں جماع کرنے سے حج فاسد نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ جو عرفات میں ٹھہرا اس کا حج ہو گیا، البتہ اس جماع کی سزا میں اس پر ایک اونٹ کی قربانی واجب ہو گی، اور اگر احرام والا سر منڈانے کے بعد اور طواف زیارت سے پہلے جماع کرے گا تو اس پر ایک بکری ذبح کرنا لازم ہو گا، کیونکہ اس وقت یہ قصور ہلکا ہے اور اس لیے بھی کہ سر منڈانے کے بعد عورت کے سوا ساری چیزیں حلال ہو جاتی ہیں۔

فساد عمرہ اپنے عمرہ میں احرام والے نے عمرہ کے طواف کے چار چکر کرنے سے پہلے وطی کی، تو اس سے اس کا عمرہ فاسد ہو جائے گا، لیکن عمرہ کے فاسد ہونے کے بعد بھی وہ عمرہ کے افعال ادا کرے گا، اور قربانی دے گا اور پھر اس کے ذمہ اس کی قضا بھی واجب ہو گی، اور جو عمرہ کے طواف کے چار چکر ادا کر چکا تھا اس کے بعد اگر اُس نے وطی کی ہے تو اس سے اس کا عمرہ فاسد نہیں ہو گا، لیکن اس کی سزا میں وہ ایک بکرا ذبح کرے گا لیکن امام شافعیؒ فرماتے ہیں چار چکر کے بعد بھی وطی کرنے سے عمرہ فاسد ہو جاتا ہے۔

شکار کی جزا اگر احرام والا حالت احرام میں کسی شکار کو قتل کرے گا تو اس پر اس کی جزا واجب ہے صید (شکار) خشکی کے جانور کو کہتے ہیں جو اپنی اصل پیدائش کے اعتبار سے وحشی ہوں، (خشکی کا جانور وہ ہے جس کا پیدا ہونا اور بڑھنا خشکی میں ہو، اگرچہ وہ پانی میں بھی رہا کرتا ہو، جیسے پرندہ اور دریائی جانور وہ ہے جس کا توالد و تناسل پانی میں ہو، گو وہ خشکی میں رہتا ہو، اس کے شکار کرنے پر جزا نہیں ہے۔) خشکی کے جانور میں وحشی سے مراد یہ ہے کہ اگر اس کو پکڑنا چاہے تو بھاگ کھڑا ہو، خواہ پاؤں سے چل کر خواہ پروں سے اڑ کر، لہٰذا پالتو ہرن صید (شکار) میں داخل ہے۔ گائے اونٹ صید میں داخل نہیں ہے اس لیے کہ اصل خلقت میں وحشت نہیں ہے، صید (شکار) میں ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم دونوں داخل ہیں۔

شکار کی حرمت احرام والے کو تمام چیزوں کا شکار کرنا حل اور حرم دونوں جگہ حرام ہے سوائے اُن جانوروں کے جو مستثنیٰ ہیں جن کی تفصیل آگے آرہی ہے یا محرم خود تو قتل نہ کرے مگر شکار کے قتل کرنے والے کو بتائے، بتانے کی پانچ شرطیں ہیں: ایک یہ کہ قاتل بتانے والے کی تصدیق کرے، تصدیق کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اس کو یہ کہے کہ تو اس بتانے میں سچا ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کی تکذیب نہ کرے، دوسری شرط یہ ہے کہ قاتل شکار سے واقف نہ ہو اگر وہ پہلے جانتا ہو تو محرم کے بتانے سے جزا لازم نہیں ہوگی، تیسری شرط یہ ہے کہ شکار کا قتل بتانے کے فوراً بعد ہو، چوتھی شرط یہ ہے کہ بتانے والا اور اشارہ کرنے والا محرم اپنے احرام پر شکار کرنے تک باقی رہے، پانچویں شرط یہ ہے کہ قاتل شکار کو اپنی جگہ سے بھاگنے سے پہلے گرفتار کرلے یا مار ڈالے۔ بتانے اور اشارہ میں فرق یہ ہے کہ بتانا پیچھے سے ہوتا ہے اور اشارہ سامنے سے ہوتا ہے۔

شکار کی جزا محرم کا شکار کو قتل کرنا، یا بتانا یا اس کی طرف اشارہ کرنا یہ پہلے حج میں ہو، یا دوسرے میں، بھول کر ہو، یا قصداً ہو، شکار مباح ہو یا وہ کسی کا مملوک ہو، بہر حال اس پر اس کی جزا واجب ہوگی، اگرچہ وہ درندہ جانور ہو جس نے حملہ نہیں کیا، یا شکار مانوس ہو، جیسے پالتو ہرن یا شکار کبوتر ہو، گو وہ ایسا کبوتر ہو، جس کے پاؤں میں بال ہوتے ہیں، مُسرْوَل اس کبوتر کو کہتے ہیں جس کے پاؤں میں پائجامہ کی طرح پر ہوں۔

او هو مضطر الى اكله كما يلزمه القصاص لو قتل انسانا او اكل لحمه و يقدم الميتة على الصيد والصيد على مال الغير و لحم الانسان قيل والخنزير ولو الميت نبيا لم يحل بحال كما لا ياكل طعام مضطر آخر و فى البزازية الصيد المذبوح اولى اتفاقا اشباه و يغرم ايضا ما اكله لو بعد الجزاء و الجزاء هو ما قومه عد لان و قيل الواحد ولو القاتل يكفى فى مقتله او فى اقرب مكان منه ان لم يكن فى مقتله قيمة فاو للتوزيع لا للتخيير

محرم مضطر یا احرام والا بھوک کی وجہ سے شکار کے کھانے پر مجبور و مضطر ہو، تو بھی اس پر جزا واجب ہے۔ چنانچہ اُس محرم پر قصاص لازم ہے جو انسان کو قتل کرے اور اضطرار میں اس کا گوشت کھائے۔

حالت اضطرار حالت اضطرار میں محرم کے کھانے کی ترتیب یہ ہوگی۔ پہلے مردہ، پھر شکار، پھر غیر کا مال، پھر انسان کا گوشت اور ایک قول ضعیف یہ ہے کہ شکار (سور) مقدم ہے۔ (منشا یہ ہے کہ اگر یہ صورت ہو تو ان چیزوں میں کس کا کھانا مقدم ہے جس کی اوپر ترتیب بیان کی گئی ہے)

شکار اور مردار میں مردار کو مقدم رکھا گیا ہے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، قاضی خاں میں یہی ترتیب لکھی ہے اور مبسوط میں یہ ہے کہ شکار مردار پر مقدم ہے، یعنی دونوں پر قادر ہونے کی صورت میں پہلے شکار کھائے گا۔ اس کے نہ پانے کی صورت میں مردار کذا فی فتح القدیر، اور میت (مردار) اگر پیغمبر کی ہو تو اس کا کھانا کسی صورت میں بھی جائز نہیں، جیسے ایک مضطر کو دوسرے مضطر کا کھانا کھانا درست نہیں، اور فتاویٰ بزازیہ میں یہ ہے کہ ذبح کیے ہوئے شکار کا کھانا بالاتفاق مردار کھانے سے بہتر ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مردار میں حرمت ذاتی ہے اور شکار میں عرضی۔

شکار کی جزا اور شکار کی جزاء وہ ہوگی جو دو مسلمان عادل مقرر کردیں، اس جگہ کے اعتبار سے، جہاں اُسے مارا گیا ہے یا اس سے قریب تر جگہ کا اعتبار کرکے جب کہ قتل کی جگہ میں اس کی قیمت ظاہر نہ ہوسکے، جیسے وہ جگہ جنگل ہو

جہاں خرید و فروخت نہیں ہوتی ہے تو اب اس سے قریب تر بازار یا جگہ کا اعتبار کیا جائے گا ایک ضعیف قول یہ ہے کہ ایک مسلمان عادل کا قیمت مقرر کر دینا کافی ہوگا، اگرچہ وہ قاتل صید ہی کیوں نہ ہو۔

دو کے شرط ہونے کی وجہ ایک عادل مسلمان کا قیمت ٹھہرانا اس لیے ضعیف ہے کہ نص قرآنی کے خلاف ہے، قرآن پاک میں صراحت ہے کہ وہ عادل مقرر کریں وہ آیت یہ ہے۔

"لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا"

(امام اعظمؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک شکار کی جزا میں قیمت لازم ہے جسے جزائے معنوی سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور اسی میں سہولت بھی ہے۔)

و الجزاء في سبع اي حيوان لا يؤكل و لو خنزيرا او فيلا لا يزاد على قيمة شاة و ان كان السبع اكبر منها لان الفساد في غير المأكول ليس الا باراقة الدم فلا يجب فيه الا دم و كذا لو قتل معلما ضمنه لحق الله غير معلم و لمالكه معلما ثم له اي للقاتل ان يشتري به هديا و يذبحه بمكة او طعاما و يتصدق اين شاء على مسكين و لو ذميا نصف صاع من برّا و صاعا من تمر او شعير كالفطرة لا يجزئه اقل او اكثر منه بل يكون تطوعا او صام عن طعام كل مسكين يوما و ان فضل عن طعام مسكين او كان الواجب ابتداء اقل منه تصدق به او صام يوما بدله

غیر ماکول اللحم کا شکار وہ جانور جس کا گوشت شرعاً کھایا نہیں جاتا ہے وہ درندہ ہو یا کوئی دوسرا جانور جیسے سور یا ہاتھی، اگر کوئی حالت احرام میں ان جانوروں میں سے کسی کا شکار کرے تو اس کی جزاء بکری کی قیمت سے زیادہ نہیں لگائی جائے گی، اگرچہ وہ جانور جسم میں بکری سے بہت بڑا ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ غیر ماکول اللحم (جن جانوروں کا گوشت کھانا حلال نہیں) کے شکار میں خون ریزی کے سوا دوسرا فساد نہیں ہے، اس لیے اس میں صرف دم چاہیے وہ بکری سے ادا ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر محرم نے کسی (معلم) سدھائے ہوئے درندہ کو قتل کیا تو اس میں حق اللہ یہ ہے کہ غیر معلم کی جزا دے اور اس کے مالک کو تعلیم یافتہ کی قیمت ادا کرے مالک کو تاوان نفع کے اعتبار سے دیا جاتا ہے اور حق شرع ذات کے اعتبار سے ادا ہوتا ہے۔

قربانی، صدقہ اور روزہ میں اختیار جب مقتول شکار کی قیمت دو عادل طے کر دیں تو قاتل کو اختیار ہے کہ اس کی قیمت سے قربانی کا جانور مول لے اور اس کو مکہ لے جا کر ذبح کرے، یا اس قیمت کا غلہ خریدے، اور جہاں چاہے مسکینوں پر صدقہ کر دے، ہر مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا جو دے، جیسا کہ صدقہ فطر ادا کرتے ہیں، یہ صدقہ ذمی محتاج کو بھی دے سکتے ہیں، لیکن مفتیٰ بہ یہ ہے کہ ذمی کو یہ صدقہ دینا درست نہیں ہے، نہ اس سے کم دے نہ زیادہ البتہ جو زیادہ دے گا وہ نفل صدقہ میں شمار ہوگا، یا ہر مسکین کے عوض ایک ایک دن روزہ رکھے۔

مختصر یہ کہ شکار کرنے والے محرم کو ان تین چیزوں میں سے کسی ایک کے اختیار کا حق ہے:(۱) شکار کی قیمت لگائے اور اس کی بکری خرید کر مکہ میں لیجا کر ذبح کرے۔(۲) اس قیمت سے گیہوں مول لے اور پونے تین سیر گیہوں ہر ہر مسکین پر تقسیم کردے۔ (۳) یا جتنے مسکین پر نصف صاع کے حساب سے یہ غلہ تقسیم ہوتا ہے اتنے روزے رکھے۔

اگر ایک مسکین کے کھانے سے غلہ بڑھ جائے اور وجوب ابتداء میں ہی نصف صاع سے کم ہوا ہے جیسے کوئی گوریا چڑیا کو مار دے تو ایک چوتھائی صاع آئے گا، یعنی جتنا ہو مسکین کو دیدے، یا پھر اس کے عوض ایک دن روزہ رکھے۔

ولا یجوز ان یفرق نصف صاع علی مساکین قال المصنف تبعا للبحر ھکذا ذکروہ ھنا و قدم فی الفطرة الجواز فینبغی کذلك ھنا و تکفی الاباحة ھنا کدفع القیمة ولا ان یدفع کل الطعام الی مسکین واحد ھنا بخلاف الفطرة لان العدد منصوص علیه کما لا یجوز دفعه ای الجزاء الی من لا تقبل شھادته له کاصله و ان علا و فرعه و ان سفل و زوجته و زوجھا وھذا ھو الحکم فی کل صدقة واجبة کما مر فی المصرف ووجب بجرحه و نتف شعرہ و قطع عضوہ ما نقص ان لم یقصد الاصلاح فان قصدہ کتخلیص حمامة من سنور او شبکة فلا شیء علیه و ان ماتت و وجب بنتف ریشه و قطع قوائمه حتی خرج عن حیز الامتناع و کسر بیضه غیر المذر وخروج میت به ای بالکسر وذبح حلال صید الحرم وحلبه لبنه و قطع حشیشه و شجرہ حال کونه غیر مملوك یعنی النابت بنفسه سواء کان مملوکا او لا حتی قالوا لو نبت فی ملکه ام غیلان فقطعھا انسان فعلیه قیمة لمالکھا و اخری لحق الشرع بناء علی قولھما المفتی به من تملك ارض الحرم

نصف صاع غلہ کو چند مساکین پر تقسیم کرنا درست نہیں ہے، اور صدقہ فطر کے باب میں اس کا جائز ہونا پہلے بیان ہو چکا ہے اس لیے مناسب تھا کہ یہاں بھی اسی طرح بیان کرتے، اور قران میں بھی مطلقاً ذکر ہے کوئی قید نہیں ہے۔(منشا یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہونا چاہیے)

کھانا کھانے کا طریقہ

کھانا کا مباح کردینا یہاں کافی ہے جس طرح قیمت کا دینا، یعنی کھانا کھلانے کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ مساکین کو کھانے کا مالک بنادے دوسرے یہ کہ کھانا پکا کر دونوں وقت پیٹ بھر کر کھلا دے، یا نصف صاع کی قیمت ہر مسکین کو دیدے۔ تمام کا تمام ایک مسکین کو دینا یہاں جائز نہیں ہے اس لیے جہاں شکار کی جزاء کا تذکرہ قرآن میں ہے وہاں مساکین کا لفظ صراحت کے ساتھ آیا ہے، البتہ صدقہ فطر میں ایسا کر سکتے ہیں۔

تاوان کی رقم کسی کو نہ دیجائے

شکار کا جو تاوان عاید ہوا ہے اس کا ان لوگوں کو دینا درست نہیں جن کی گواہی اس کے حق میں مقبول نہیں، جیسے احرام والے کے اصل ماں، باپ، دادا وغیرہ اوپر تک اور ان کے فرع جیسے لڑکا، لڑکی، پوتا، نواسہ، نواسی وغیرہ، اصول و فروع خواہ قریب ہوں یا بعید ان کو دینا درست نہیں، اسی

طرح اپنی بیوی یا شوہر کو دینا بھی جائز نہیں، اور تمام صدقات واجب کا یہی حکم ہے یعنی اپنے اصول و فروع اور اپنی بیوی اور اپنے شوہر کو دینا جائز نہیں ہے۔

شکار کے زخم کا تاوان

شکار کو زخمی کرنے، اس کے بال نوچنے اور اس کے عضو کاٹنے سے جو نقصان ہو اس کے برابر جزا ہوتی ہے بشرطیکہ یہ سب اصلاح اور فائدہ کی غرض سے نہ کیا گیا ہو، لیکن اگر اصلاح کے لیے ایسا کیا گیا ہو تو جزاء نہیں ہوگی جیسے کسی کبوتر کو بلی نے پکڑ لیا ہو اس کے چھڑانے میں اس کے بال اکھڑ گئے، یا جال میں پھنس گئی تھی اور اس سے نکالنے میں بال نچ گئے تو اس محرم پر کچھ جزا عاید نہیں ہوگی اگرچہ وہ جانور اس صورت میں مر ہی کیوں نہ جائے۔

(بقدر نقصان کا مطلب یہ ہے کہ اس نقصان کی وجہ سے قیمت میں جتنی کمی آئے گی اتنا محرم پر دینا واجب ہوگا مثلاً ایک جانور کی قیمت زخمی ہونے سے پہلے بیس روپے تھی، زخمی ہونے کے بعد اس کی قیمت دس روپے لگائی گئی، معلوم ہوا زخم کی وجہ سے دس روپے کی کمی ہوگئی تو اب دس روپیہ محرم کو دینا ہوگا، اس دس روپے سے بکری ملے تو بکری لے کر ذبح کردے، یا دس روپیہ کا غلہ لے کر مساکین پر صدقہ کردے، یا نصف صاع کے حساب سے جتنے مسکین پر بیٹھے اتنے روزے رکھے)

پاؤں کاٹنے اور پر نوچنے کا بدلہ

اگر کوئی محرم شکار کے تمام پر نوچ دے، یا اس کے سارے پاؤں کاٹ ڈالے تو اس صورت میں کل جانور کی قیمت صدقہ کرنی ہوگی اس لیے کہ وہ جانور اس کی وجہ سے اپنی حفاظت کرنے کے لائق نہیں رہا، نہ پرندہ اڑ سکتا ہے نہ چوپایا بھاگ سکتا ہے۔

انڈے کا تاوان

اگر اس کے انڈے توڑ ڈالے اگر وہ انڈا گندہ نہیں ہے، تو انڈے کی پوری قیمت اس کے ذمہ واجب ہوگی، اگر انڈا توڑ دینے سے مردہ بچہ نکلا تو اس صورت میں زندہ بچہ کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔

غیر محرم کا شکار کرنا

اگر غیر محرم حرم کا شکار ذبح کردے تو اس پر اس کی قیمت واجب ہوگی کہ وہ اتنا صدقہ کرے یا اس کی قیمت کا جانور خرید کر ذبح کرے، البتہ غیر محرم کو صدقہ کے بدلے روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔

دودھ اور گھاس کا حکم

حرم کے شکار کا دودھ دوہنے سے اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا اور قیمت کا صدقہ کرنا اُس وقت بھی واجب ہے، جب کوئی حرم کی گھاس یا اس کا درخت کاٹے، مگر شرط یہ ہے کہ وہ درخت اس کی ملکیت میں نہ ہو، یعنی وہ خودرَو ہو، کسی انسان نے اس کو دیا نہ ہو خواہ وہ مملوک ہو یا نہ ہو، فقہاء نے یہاں تک کہا ہے کہ اگر کسی کی مملوکہ زمین میں ببول کا درخت خود اگ آیا ہو اس کو کوئی کاٹ ڈالے تو کاٹنے والے پر دو قیمتیں واجب ہوں گی ایک اس کے مالک کے لیے اور دوسری قیمت حق شرع میں اس مسئلہ کی بنیاد صاحبینؒ کے اُس مفتی بہ قول پر ہے جس میں انھوں نے کہا کہ حرم کی زمین مملوک ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک حرم کی زمین وقف کے حکم میں ہے مملوک نہیں ہو سکتی ہے۔

ولا منبت ای لیس من جنس ما ینبته الناس فلو من جنسه فلا شیء علیه کمقلوع وورق لم یضر بالشجر ولذا حل قطع الشجر المثمر لان اثماره اقیم مقام الانبات قیمته فی کل ما ذکر الا ما جف او انکسر لعدم او النماء او ذهب بحفر کانون او ضرب فسطاط لعدم امکان الاحتراز عنه لانه تبع والعبرة للاصل لا لغصنه و بعضه ای الاصل کهو ترجیحا للحرمة

کس طرح کے درخت میں صدقہ

قیمت کے واجب ہونے کی دوسری شرط یہ ہے کہ لگانے کا درخت نہ ہو کہ لوگ عادتاً اسے بوتے اور لگاتے ہوں، اگر اس جنس کا درخت ہوگا یعنی ایسا خودرو درخت جس کو لوگ بوتے اور لگاتے ہیں تو اس کے کاٹنے سے شرعاً کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا البتہ اگر یہ کسی کی خاص اپنی زمین پر ہوگا تو مالک کو اس کی قیمت دینا پڑے گی۔

حرم کی گھاس اور اس کے درخت دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جسے لوگوں نے بویا، یا لگایا دوسرا وہ خود اُگا۔ جیسے جنگلی درخت خود بخود اگتے ہیں، پھر وہ درخت انسان نے جس کو بویا، یا لگایا ہو اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک جس کو لوگ بطور عادت لگاتے بوتے ہیں، دوسرا وہ جسے عادت کے طور پر نہیں لگایا جاتا، ان دونوں کے کاٹنے سے جزا محرم پر واجب نہیں۔

جو درخت بطور خود اُگتے اور نکلتے ہیں یہ بھی دو طرح کے ہوتے ہیں، یہ یا تو اِس جنس سے ہوگا جس کو لوگ بوتے لگاتے ہیں یا اس جنس سے ہوگا جس کو لوگ بوتے لگاتے نہیں ہیں۔ پہلی قسم کے کاٹنے سے جزا واجب نہیں ہوتی، دوسری قسم کے کاٹنے میں البتہ جزا لازم ہوتی ہے۔ اس کی بنیاد اس حدیث پر ہے جو صحاح ستہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا، تو رسول خدا ﷺ نے کھڑے ہو کر حمد کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھی والوں کو یہاں سے ہلاک کیا، اور اپنے رسولؐ اور مومنین کو اقتدار بخشا، اور مرے واسطے ایک ساعت کے لیے مکہ مکرمہ حلال ہو گیا تھا، پھر اس کی حرمت لوٹ آئی اور یہ قیامت تک باقی رہے گی، نہ اس کا درخت کاٹا جائے اور نہ یہاں کے شکار کو ستایا جائے اور نہ یہاں کی سبز گھاس کاٹنے کی اجازت دی جائے کہ اسے ہم اپنی قبروں اور گھروں میں استعمال کرتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا اچھا اِذخر گھاس کا کاٹنا حرام نہیں۔

اس حدیث میں صرف اِذخر نامی گھاس کاٹنے کی اجازت ہے اس کے علاوہ کسی کی نہیں، لیکن فقہاء کرام نے بدلیل اجماع اوپر کی تین قسموں کو بھی مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عہد نبویؐ سے اس وقت تک وہاں زراعت (کاشت) کرنے اور اس کے کاٹنے کی عادت چلی آرہی ہے، کسی نے اس پر انکار نہیں کیا، لہٰذا حرم کی گھاس اور درخت سے وہی گھاس اور درخت مراد ہوں گے جو خودرَو ہوں، اور انسان کی طرف سے اس کی نسبت نہ ہو، اور جس کو انسان نے بویا خواہ اس کے بونے کی عادت ہو یا نہ ہو وہ انسان کی طرف منسوب ہوگی۔

کٹے ہوئے درخت اور پتے کا حکم

حرم کے کٹے ہوئے درخت اور پتوں میں شرعاً مواخذہ نہیں ہے مگر شرط یہ ہے کہ پتے توڑنے سے درخت کا نقصان نہ ہوتا ہو، لہٰذا پھل والے درخت کا کاٹنا درست ہے اس لیے کہ اس کا پھل لانا بونے اور لگانے کے قائم مقام ہے چنانچہ جو گھاس یا درخت خشک ہو گیا یا ٹوٹ گیا اس کے کاٹنے میں جزا واجب نہیں ہوتی، اس لیے کہ اس میں قوتِ نمو باقی نہیں رہتی ہے، اور جس میں بڑھنے کی قوت باقی نہیں رہی وہ ایندھن کے حکم میں ہو گیا۔

اسی طرح خیمہ گاڑنے یا بھٹی کھودنے میں جو گھاس یا درخت ضائع ہو گیا، اس میں بھی جزا نہیں اس لیے کہ ایسے امور سے بچنا ممکن نہیں ہے، اور یہ ضائع ہونا تبعاً ہے اصلاً نہیں۔

درخت میں اعتبار جڑ کا ہے

پھر اعتبار درخت کی جڑ کا ہوتا ہے شاخوں کا نہیں، پس اگر کوئی درخت ایسا ہو کہ اس کی جڑ حرم میں ہو، اور شاخیں حِل میں، تو وہ حرم کا درخت کہا جائے گا اور اس کے

کاٹنے سے قیمت دینا واجب ہو گی، لیکن اگر جڑ حِل میں ہو، اور شاخیں حرم میں تو وہ حِل کا درخت شمار ہو گا۔ اس کے کاٹنے سے جزا نہیں ہو گی۔

حرم میں جڑ کے بعض حصہ کا ہونا حکم میں کل حصہ کے ہونے کے ہے کیونکہ حرمت کو ترجیح حاصل ہے، اور اسے ترجیح دینا بھی چاہیے۔

والعبرة لمكان الطائر فان كان على غصن بحيث لو وقع الصيد وقع فى الحرم فهو صيد الحرم والا لا و لو كان قوائم الصيد القائم فى الحرم و راسه فى الحل فالعبرة لقوائمه و بعضها ككلها لا لرأسه و هذا فى القائم ولو كان نائما فالعبرة لراسه لسقوط اعتبار قوائمه حينئذ فاجتمع المبيح والمحرم والعبرة لحالة الرمى الا اذا رماه من الحل و مرا لسهم فى الحرم يجب الجزاء استحسانا بدائع ولو شوى بيضا او جرادا حلب لبن صيد فضمنه لم يحرم اكله و جاز بيعه و يكره و يجعل ثمنه فى الفداء ان شاء لعدم الزكاة بخلاف ذبح المحرم او صيد الحرم فانه ميتة ولا يرعى حشيشة بداية ولا يقطع بمنجل الا الاذخر و لا بأس باخذ كمائه لانه كالجاف و بقتل قملة من بدنه او الاقائها اوالقاء ثوبه فى الشمس لتموت تصدق بما شاء كجرادة

اڑنے کی جگہ کا اعتبار

پرندوں میں اس جگہ کا اعتبار ہے جہاں وہ بیٹھا ہو، لہٰذا اگر پرندہ کسی شاخ پر اس طرح ہو کہ اگر اس کو شکار کیا جائے تو وہ حرم میں گرے تو وہ حرم کا شکار شمار ہو گا، اور اس پر جزا واجب ہو گی، اور اگر وہ حرم میں نہ گرے تو حرم کا شکار شمار نہیں ہو گا، اور جزا واجب نہیں ہو گی۔

کھڑے ہوئے شکار

کھڑے ہوئے شکار کے پاؤں کا اعتبار ہے، سر کا نہیں، مثلاً اگر اس جانور کے پاؤں حرم میں ہوں اور سر حِل میں ہو، تو وہ حرم کا شکار شمار ہو گا، اور اس کے بعض پاؤں کا حرم میں ہونا کل کے ہونے کے حکم میں ہے مثلاً ایک پاؤں حرم میں تھا اور دوسرا حِل میں، تو حرم میں شمار ہو گا، شکار کے سر کا اعتبار نہیں ہوتا ہے مثلاً پاؤں حِل میں ہو اور سر حرم میں تو وہ حِل کا شکار شمار ہو گا۔ حرم کا شمار نہیں ہو گا، یہ کھڑے جانور کا حکم بیان ہوا۔

سوئے اور لیٹے ہوئے جانور

لیکن سوئے اور لیٹے ہوئے جانور میں سر کا اعتبار ہوتا ہے پاؤں کا نہیں، پاؤں کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے، یہاں دو امر جمع ہو گئے ایک اباحت کا دوسرا تحریم کا، لہٰذا تحریم کا غلبہ حاصل ہو گا، پس جو جانور لیٹا اور سویا ہوا ہو اس طرح کہ سر حِل میں ہے اور پاؤں حرم میں تو وہ حِل میں شمار ہو گا۔

شکار کرنے والا

شکار کرنے والے میں اُس حالت کا اعتبار ہے جس میں وہ تیر چلا رہا ہے، یعنی اگر غیر محرم نے حِل سے بندوق چلائی، تو اس پر جزا واجب نہیں ہو گی، لیکن اگر حِل سے اس طرح بندوق چلائی کہ اس کی گولی حرم سے ہو کر گذری اور شکار کو لگی تو بطور استحسان اس پر جزا واجب ہو گی کذا فی البدائع (فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ جس نے تیر چلایا وہ اور جس کو تیر مار رہا ہے دونوں کے دونوں حرم میں ہوں یا ایک حرم میں ہو، تو جزا واجب ہو گی اور اگر دونوں حِل میں ہوں

توجزا واجب نہیں ہوگی، بشرطیکہ تیر حرم سے ہوکر نہ گذرا ہو، شکاری کتے اور باز کا حکم بھی یہی ہے۔)

حرم کا انڈا، ٹڈی اور ذبح کا حکم

اگر کسی نے حرم کا انڈا یا اس کی ٹڈی پکائی، یا شکار کا دودھ دوہا، پھر اس کی قیمت کا ضمان دیدیا تو اس کا کھانا حرام نہیں ہے اس کا بیچنا جائز ہے، مگر مکروہ ہے اگر وہ چاہے تو اس کی قیمت فدیہ میں دے سکتا ہے۔ انڈے اور ٹڈی کا کھانا اور بیچنا اس وجہ سے جائز ہے کہ ان دونوں میں ذبح کرنا شرط نہیں ہے، بخلاف محرم کے ذبح کرنے اور حرم کے شکار کرنے کے اس لیے کہ وہ مردار کے حکم میں ہے، یعنی اگر محرم نے شکار ذبح کیا خواہ حرم میں خواہ حل میں یا غیر محرم نے حرم میں شکار ذبح کیا، تو وہ مردار کے حکم میں ہوگیا، لہٰذا اس کا کھانا اور بیچنا جائز نہیں، محرم کے لیے شکار کا زندہ پکڑ کر بیچنا بھی درست نہیں ہے۔

حرم کی تر گھاس نہ چرائی جائے اور نہ ہنسری (درانتی) سے کاٹی جائے ہاں اذخر نامی گھاس کا ٹنا چرانا جائز ہے اِذخر کے کاٹنے کی اجازت کی تفصیل پہلے گذر چکی۔

حرم کی کماۃ (کھمی) لینے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ وہ خشک چیز ہے گھاس نہیں ہے۔

جوں مارنے کی جزا

اپنے بدن کی جوں مار ڈالنے یا اس کو پکڑ کر پھینک دینے سے اور کپڑے کو دھوپ میں ڈالنے سے تاکہ جوں مر جائے جس قدر وہ چاہے صدقہ دے جس ٹڈی کے مار دینے سے صدقہ واجب ہوتا ہے یعنی روٹی کا ایک ایک ٹکڑا کسی مسکین کو دیدے یا چند کھجور دیدے یا ایک مٹھی اناج دیدے۔

(اپنے بدن کی جوں مارنا اس وجہ سے محرم کے لیے منع ہے کہ وہ بدن کے میل سے پیدا ہوتی ہے اور اس کے لیے بدن کی میل چھڑانا درست نہیں ہے، جیسے بال کا کاٹنا درست نہیں۔)

البتہ دوسرے کے بدن کی جوں کا مارنا یا زمین پر گری ہوئی جوں کا مارنا جائز ہے، اسی طرح اگر کوئی کپڑا دھوپ میں ڈالے، مگر اس کی نیت جوں مارنے کی نہیں ہے تو اس پر جزا واجب نہیں۔

و یجب الجزاء فیها ای القملة بالدلالة کما فی الصید ویجب فی الکثیر منه نصف صاع والکثیر هو الزائد علی ثلثة والجراد کالقمل بحر ولا شیء بقتل غراب الا العقعق علی الظاهر ظهیریة و تعمیم البحر رده فی النهر وحدأة بکسر ففتحتین وجود البرجندی فتح الحاء وذئب و عقرب وحیة و فارة بالهمزة وجود البرجندی التسهیل و کلب عقود ای وحشی اما غیرهٗ فلیس بصید اصلا و بعوض و نمل لکن لا یحل قتل مالا یؤذی ولذا قالوا لم یحل قتل الکلب الاهلی اذا لم یؤذ والامر یقتل الکلاب منسوخ کما فی الفتح ای اذا لم تضرّ وبرغوث و قراد و سلحفاة بضم ففتح فسکون و فراش و ذباب ووزغ و زنبور و قنفذ و صرصر و صیاح لیل و ابن عرس و ام حبین و ام اربعة و اربعین و کذا جمیع هو ام الارض لانها لیست بصیود ولا متولدة من البدن وسبع ای حیوان صائل

لا یمکن دفعه الا بالقتل فلو امکن بغیره فقتله لزمه الجزاء کما تلزمه قیمة لو مملوکا وله ذبح شاة و لو ابوها ظبیا لان الام هی الاصل وبقر و بعیر و دجاج و بط اهلی و اکل ما صاده حلال و لو لحمرم و ذبحه فی الحل بلا دلالة محرم ولا امره به ولا اعانته علیه فلو وجد احدهما حل للحلال لا للمحرم علی المختار وتجب قیمته بذبح حلال صید الحرم و تصدق بها ولا یجزئه الصوم لانها غرامة لا کفارة حتی لو کان الذابح محرما اجزأه الصوم و قید بالذبح لانه لا شیء فی دلالته الا الاثم

جوں کی طرف اشارہ جوں مارنے والے کو جوں بتانا بھی موجب جزا ہے جس طرح شکار میں رہنمائی کرنے سے بھی جزا واجب ہوتی ہے یعنی اگر محرم نے اپنے بدن کی جوں کسی کو دکھائی یا اشارہ کیا اور اس دوسرے نے اسے مار ڈالا تو محرم پر جزا واجب ہو گی۔

زیادہ جوں مارنے میں نصف صاع صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے اور زیادہ کا لفظ تین سے زائد پر بولا جاتا ہے، اور ٹڈی قلیل و کثیر جوں کے حکم میں ہے (فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ دس یا دس سے زیادہ پر کثیر کا اطلاق ہوگا اور اس سے کم پر قلیل کا کذانی الطحطاوی۔)

کوے کا قتل کوے کے قتل کرنے سے نہ محرم پر کچھ واجب ہوتا ہے نہ غیر محرم پر، سوائے عقعق نامی کوے کے ظاہر الروایت یہی ہے، نہر الفائق نے بحر الرائق کی تعمیم کو رد کر دیا ہے وہ تعمیم بحر الرائق میں یہ ہے کہ تینوں قسم کے کوؤں کو مارنا درست ہے، تو اس قول میں عقعق بھی شامل ہو گیا، جو موذی ہے، اور جو جانوروں کے پاخانہ کی جگہ کو کھودتا ہے، نہر الفائق میں لکھا ہے کہ بدائع میں امام ابو یوسفؒ سے صراحت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے کہ حدیث میں اس کوے کو قتل کرنے کا حکم ہے جو نجاست کھاتا ہے یا نجاست اور دانا دونوں کھاتا ہے اور یہی قسم موذی ہے۔

چیل، بچھو وغیرہ چیل کے قتل کرنے میں کچھ واجب نہیں ہوتا ہے، اسی طرح بھیڑیئے، سانپ، بچھو، چوہے، کاٹ کھانے والے کتے یعنی وحشی کتے کے قتل کرنے میں کوئی جزا واجب نہیں ہے اور گھریلو کتا شکار میں داخل نہیں ہے (وحشی کتا گو شکار میں داخل ہے لیکن ایذا رسانی کی وجہ سے اس کے قتل سے جزا ساقط ہوئی (مسلم شریف میں ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا پانچ موذی جانور ہیں جو حل و حرم دونوں میں مارے جاتے ہیں، کوا، چیل، بچھو، چوہا، اور کٹ کھنا کتا، (ان کے قتل میں کوئی جزا نہیں ہوتی) دوسری روایت میں بچھو کے بجائے سانپ آیا ہے اور عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے مارنے میں کچھ گناہ نہیں ہے طحاوی میں ہے کہ محرم کو بھیڑیئے کے قتل کی اجازت ہے، اور ابو داؤد میں ہے کہ درندہ حملہ آور کے قتل میں محرم پر کوئی جزا نہیں بلکہ اس کی اجازت ہے۔)

مچھر چیونٹی اور کتے کا قتل اسی طرح مچھر اور چیونٹی کے قتل کرنے میں کچھ نہیں ہے خواہ یہ دونوں بڑے قسم کے ہوں یا چھوٹی قسم کے، سب کا مارنا جائز ہے، لیکن اگر یہ ایذا نہ دیں تو مارنا درست نہیں ہے، اسی وجہ سے فقہاء نے کہا ہے کہ گھریلو کتے جب کہ وہ موذی نہ ہوں، تو اس کا مارنا حلال نہیں، اور جن روایتوں میں کتوں کے قتل کرنے

کا حکم ہے وہ منسوخ ہیں، لیکن اُس صورت میں جب کہ وہ کتے نقصان نہ پہنچاتے ہوں، کیونکہ ملتفط نامی کتاب میں صراحت ہے کہ جس آبادی میں کتے زیادہ ہو جائیں اور رہ وہاں کے باشندوں کو ضرر پہنچاتے ہوں تو وہ ان کو قتل کروا ڈالیں۔ کذا فی النہر۔

حشرات الارض کا حکم اسی طرح محرم اگر پسو، چیچڑی، کچھوا، پتنگا، مکھی، گرگٹ، بھڑ، سیہی، صوصر، جھینگر، نیولا، ام جبین، کنکھجورا، اور ایسے دوسرے حشرات الارض کو مار ڈالیں تو ان پر کچھ نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں شکار میں داخل نہیں ہیں، اور نہ یہ انسان کے بدن سے پیدا ہوتی ہیں (صرصر اور ام جبین یہ بھی دونوں چھوٹے جانور ہیں)

حملہ آور جانور کا قتل ایسے حملہ آور درندہ کے قتل کرنے سے محرم پر جزا نہیں آتی جس کا دفع کرنا بغیر قتل کے ممکن نہ ہو، لیکن اگر بغیر قتل اس کا دور کرنا ممکن ہو اور اس کے باوجود قتل کر ڈالے تو جزا لازم ہوگی، جیسے اگر حملہ آور جانور کسی کی ملکیت ہو اور وہ قتل کر ڈالے تو مالک کو اس کی قیمت دینا پڑے گی۔

پالتو جانور ذبح کرنا محرم کے لیے درست ہے کہ وہ بکری بھیڑ ذبح کرے اگرچہ اس کا باپ ہرن ہو، اس لیے کہ اس میں اصل حیثیت ماں کی ہے باپ اصل نہیں ہوتا، اور گائے، اونٹ، مرغ اور پالتو بط کا ذبح کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ خلقت میں یہ جانور وحشی نہیں ہیں، بلکہ مانوس ہوتے ہیں، البتہ جنگلی بط جو جنگل میں اڑتی پھرتی ہے اس کے ذبح کرنے میں محرم پر قیمت واجب ہوگی۔

غیر محرم کا شکار محرم کے لیے جس شکار کو غیر محرم نے شکار کیا ہے اور حل میں ذبح کیا ہے محرم کو اس کا کھانا جائز ہے، گو اس نے اُسے محرم کے واسطے ہی کیوں نہ شکار کیا ہو، ہاں یہ شرط ہے کہ محرم نے اس سلسلہ میں کوئی رہنمائی نہ کی ہو، نہ حکم دیا ہو، نہ اس میں مدد کی ہو، ان میں سے کوئی بات اگر محرم کی طرف سے پائی گئی ہوگی، تو پھر محرم کے لیے اس کا کھانا حلال نہ ہوگا البتہ غیر محرم کھا سکتا ہے، اس کے لیے جائز ہے (امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک جو شکار غیر محرم نے محرم کے لیے کیا ہے اس کا محرم کے لیے کھانا درست نہیں ہے)

غیر محرم پر صدقہ حرم کے شکار کو ذبح کرنے سے غیر محرم پر اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے یا اس قیمت کا جانور خرید کر مکہ میں ذبح کرے، اس کے عوض روزہ رکھنا کافی نہیں ہوتا ہے، اس واسطے کہ یہ جزا غیر محرم پر بطور جرمانہ ہے کفارہ نہیں، البتہ اگر اس کا ذبح کرنے والا محرم ہوگا تو اس کے لیے اس کے بدلے میں روزہ رکھنا کافی ہوگا اور مصنف نے ذبح کی قید لگائی ہے اس واسطے کہ اگر غیر محرم صرف بتائے گا تو اس پر کوئی جزا نہیں ہے البتہ وہ گنہگار ہوگا۔

ومن دخل الحرم ولو حلالا او احرم ولو فی الحل وفی یده حقیقة یعنی الجارحة صید وجب ارساله ای اطارته او ارساله للحل ودیعة قهستانی علی وجه غیر مضیع له لان تسلیب الدابة حرام بحر و فی کراهة جامع الفتاویٰ شری عصافیر من الصیاد و اعتقها جاز ان قال من اخذها فهی له ولا تخرج عن ملکه باعتاقه و قیل لا لانه تضییع للمال انتهی قلت وحینئذ فتقید الاطارز بالاباحة فتامل آه و فی کراهة مختارات النوازل سیب دابته فاخذها آخر واصلحها فلا سبیل للمالك علیها ان قال عند تسییبها هی لمن اخذها وان قال

لا حاجة لي بها فله اخذها و القول له بيمينه انتهى لا يجب ان كان الصيد في بيته لجريان العادة الفاشية بذلك و هي من احدى الحجج او قفصه ولو القفص في يده بدليل اخذ المصحف بغلافه للمحدث

حرم میں داخلہ کے وقت شکار کا آزاد کرنا

جو شخص حرم میں داخل ہو گو وہ حلال ہو، محرم نہ ہو، یا اس نے احرام باندھا ہو اگر حل میں باندھا ہو، اور حقیقتاً اس کے ہاتھ میں شکار ہو، تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس شکار کو چھوڑ دے اور اُڑا دے، یا حل میں بطور امانت بھیج دے اور حل میں اس طرح بھیجے کہ وہ ضائع نہ ہونے پائے، یعنی چوپایہ ہو تو اس کو مطلق العنان نہ کر دے کیونکہ ایسا کرنا حرام ہے (حرم میں جانور کا چھوڑنا اس لیے ضروری ہوا کہ جب وہ حرم میں آ گیا تو اب وہ حرم کا شکار ہو گیا)

خریدے ہوئے شکار کا حکم

جامع الفتاویٰ کے باب الکراہیۃ میں ہے کہ ایک شخص نے شکار سے گوریا خرید ا اور پھر اُسے اُس نے آزاد کر دیا تو یہ اس کے لیے جائز ہے، مگر شرط یہ ہے کہ آزاد کرتے وقت یہ کہا ہو کہ جو اس کو پکڑ لے گا وہ اسی کا ہے، لیکن آزاد کرنے کی وجہ سے وہ جانور اس کی ملکیت سے نہیں نکلتا ہے، خواہ اس نے وہ جملہ کہا ہو یا نہ کہا ہو۔ اور بعضوں نے کہا کہ اس کا چھوڑنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ مال کا ضائع کرنا ہے۔ شارح کہتا ہے کہ اُڑانے کو اباحت کے ساتھ مقید کرنا اُڑانے سے پہلے ہونا چاہیے، یعنی اڑانے سے پہلے یہ کہے کہ جو اسے پکڑ لے گا وہ اس کا مالک ہے۔

مختار النوازل کی کتاب الکراہیۃ میں ہے کہ ایک شخص نے چوپایہ چھوڑ دیا، اس کو دوسرے شخص نے پکڑ لیا اور اس کی اصلاح کی تو اس کے بعد پہلے مالک کو اس پر کوئی اختیار نہ ہوگا، جب کہ اس نے اس کے چھوڑتے وقت کہا تھا کہ یہ اس کا ہے جو اس کو پکڑے اور اگر چھوڑتے وقت اس طرح کہا کہ مجھ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں تو مالک اول کے لیے اس کا لینا جائز ہے اور اس باب میں مالک ہی کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

اگر شکار محرم کے گھر میں ہو تو اس کا چھوڑنا واجب نہیں، کیونکہ ایسا رواج ہے اور رواج خود ایک دلیل ہے، یعنی صحابہ کرامؓ احرام باندھتے تھے اور ان کے گھروں میں شکار اور پالتو جانور ہوتے تھے اور یہ فعل موجود نہیں ہے کہ وہ ان کو چھوڑ دیتے ہوں یہ اجماع فعلی ہے اور اجماع حجت شرعی ہے (قرون ثلثہ کا رواج حجت ہے یعنی صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے عہد کے ہر دور کا رواج حجت شرعی نہیں)

شکاری جانور کا پنجرا

جو شکار پنجرے میں ہو اس کا چھوڑ دینا واجب نہیں ہے، اگرچہ پنجرا محرم کے ہاتھ میں ہو جیسے بے وضو والے شخص کو قرآن پاک کا ہاتھ میں لینا درست نہیں ہے، لیکن اگر جزدان ہو تو لینے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ جائز ہے، اسی طرح محرم کا شکار کو ہاتھ میں لینا جائز نہیں، لیکن پنجرے میں شکار ہو اور وہ پنجرا لیے ہو تو جائز ہوگا اور بعضوں نے کہا ہے کہ ہاتھ میں پنجرا لینا بھی شکار لینے کے مترادف ہے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے جو پنجرے کو غصب کرلے گا وہ شکار کا بھی غاصب قرار پائے گا کذا فی النہر۔

ولا يخرج الصيد عن ملكه بهذا الارسال فله امساكه في الحل وله اخذه من انسان

اخذه منه لانه لم يخرج عن ملكه لانه ملكه و هو حلال بخلاف مالو اخذه و هو محرم لما يأتي لانه لم يرسله عن اختيار فلو كان جارحا كبار فقتل حمام الحرم فلا شيء عليه لفعله ما وجب عليه فلو باعه رد المبيع ان بقي والا فعليه الجزاء لان حرمة الحرم والاحرام تمنع بيع الصيد ولو اخذ حلال صيدا فاحرم ضمن مرسله من يده الحكمية اتفاقا و من الحقيقية عنده خلافا لهما وقولهما استحسان كما في البرهان ولو اخذه محرم لا يضمن مرسله اتفاقا لان المحرم لم يملكه وحينئذ فلا يأخذه ممن أخذه والصيد لا يملكه المحرم بسبب اختيارى كشراء وهبة بل بسبب جبرى والسبب الجبرى فى احدى عشر مسئلة مبسوطة فى الاشباه فلذا قال تبعا للبحر عن المحيط كالارث وجعله فى الاشباه بالاتفاق لكن فى النهر عن السراج انه لا يملكه بالميراث و هو الظاهر فان قتله محرم اخر بالغ مسلم ضمنا جزاء ين الاخذ بالاخذ والقاتل بالقتل و رجع آخذه على قاتله لانه قرر عليه ما كان بمعرض السقوط وهذا ان كفر بمال و ان كفر بصوم فلا على ما اختياره الكمال لانه لم يغرم شيأ ولو كان القاتل بهيمة لم يرجع على ربها ولو صبيا او نصرانيا فلا جزاء عليه لله تعالى ولكن رجع الآخذ عليه بالقيمة لانه يلزمه حقوق العباد دون حقوق الله تعالى

محرم نے جس جانور کو چھوڑ دیا

اس طرح محرم کے چھوڑ دینے سے شکار اس کی ملکیت سے نہیں نکلے گا، احرام سے نکلنے کے بعد محرم کے لیے درست ہے کہ وہ اس کو حل میں جا کر پکڑ لے، اور اس آدمی سے واپس لے لے جس نے اس کو پکڑ رکھا ہے کیونکہ محرم کا اس وقت چھوڑنا اختیار سے نہیں تھا، بلکہ احرام کی مجبوری کی وجہ سے تھا یا حرم میں داخل ہونے کی ضرورت کی وجہ سے اس کو ایسا کرنا پڑا تھا۔

اگر وہ شکار جسے اس نے چھوڑا ہے پھاڑنے والا جانور تھا جیسے باز اور حرم کے کبوتروں کو مار ڈالے تو چھوڑنے والے پر کچھ جزا لازم نہیں، اس لیے کہ اس نے وہی کیا جو اس کے لیے ضروری تھا، یعنی محرم پر ضروری تھا کہ وہ اس کو چھوڑ دے اگر وہ کسی پرند کو قتل کرے تو اس کا کیا قصور ہے۔

شکار کا بیچنا

لہٰذا اگر محرم نے اس کو بیچ دیا ہو اور وہ باقی ہو تو اُسے بیع کو رد کر دینا چاہیے کہ یہ بیع فاسد ہے اور اگر وہ شکار مر گیا یا خریدنے والا نہیں مل سکا تو اس بیچنے والے پر جزا واجب ہے اس لیے کہ حرم کی حرمت اور احرام کا احترام شکار کے بیچنے سے مانع ہے۔ البتہ اگر بائع اور مشتری دونوں حرم میں ہوں اور شکار حل میں ہو تو شیخین کے نزدیک بیع جائز ہے۔

دوسرے کا شکار کو آزاد کرنا

اگر غیر محرم نے حرم کا شکار پکڑا پھر اس نے احرام باندھا، تو اس کا چھوڑ دینے والا ضمان دے گا، یعنی اگر کوئی شخص اس کے گھر سے لے کر یا پنجرے سے لے کر اس کو چھوڑ دے گا تو بالاتفاق اس کو تاوان دینا ہو گا اور اگر اس کے حقیقی ہاتھ سے لے کر کوئی چھوڑ دے گا تو امام اعظمؒ کے نزدیک اس پر ضمان

لازم ہوگا، صاحبین کے نزدیک نہیں ہوگا، اور استحسان کی دلیل سے صاحبین کا قول ثابت ہے استحسان یہ ہے کہ چھوڑنے والے نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کیا۔ اور اس صورت میں قاعدہ کے اندر ضمان نہیں آتا ہے جیسے کہ خلاف شرع کوئی باجوں کو توڑ ڈالے تو اس پر تاوان نہیں ہے، بحر الرائق میں ہے کہ قابل فتویٰ صاحبینؒ کا قول ہے، چنانچہ کھیل کود اور مذاق کے آلات توڑنے میں انہی کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

حرم کا شکار حرم کا شکار اگر محرم نے پکڑا، تو اس کے چھوڑ دینے والے پر بالاتفاق ضمان لازم نہیں ہوگا، اس واسطے کہ محرم پکڑنے سے اس کا مالک نہیں بنتا ہے، اور اس صورت میں وہ اس شخص سے واپس نہیں لے سکتا ہے جس نے اس کو پکڑ لیا ہے۔

شکار کی ملکیت وراثتاً محرم سبب اختیار جیسے خرید ہبہ وغیرہ سے شکار کا مالک نہیں ہوتا ہے، البتہ جبری سبب سے مالک ہو جاتا ہے، جبری سبب گیارہ مسئلوں میں ہے جس کی تفصیل الاشباہ میں ہے چنانچہ مصنف نے جبری سبب کی مثال دی کہ جیسے وراثت، یعنی محرم وراثتاً شکار کا مالک ہو جاتا ہے، اور اشباہ میں اس کو اتفاقی قول قرار دیا ہے، لیکن نہر الفائق میں سراج سے منقول ہے کہ محرم میراث سے بھی شکار کا مالک نہیں ہوتا ہے اور قول بھی ظاہر ہے اس واسطے کہ شکار محرم کے حق میں قطعاً حرام ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُماً" شارح نے بتایا کہ ماتن کا قول ظاہر کے خلاف ہے، متن میں نہیں لانا چاہیے تھا۔

پکڑے کوئی اور مار ڈالے کوئی محرم کے پکڑے ہوئے شکار کو اگر دوسرا بالغ مسلمان محرم قتل کر ڈالے تو دونوں محرم دو جزا کے ضامن ہوں گے، پکڑنے والا پکڑنے کا ضمان دے گا اور قتل کرنے والا قتل کا۔ البتہ پکڑنے والا محرم اس محرم سے جس نے قتل کیا تھا اپنے تاوان کی رقم واپس لے گا، اس لیے کہ قتل کرنے والے کی وجہ سے اس پر ضمان لازم ہوا ہے ورنہ وہ اس سے ساقط ہو جانے والا تھا، یعنی اگر وہ قتل نہ کرتا تو پکڑنے والے کو چھوڑنا ہی تھا اور چھوڑنے سے جزا ساقط ہو جاتی، لیکن چونکہ اس دوسرے نے اس کو قتل کر ڈالا تو اس کی وجہ سے پکڑنے والے پر بھی جزا واجب ہو گئی۔

اور اس ضمان کا قاتل سے لینا اس شرط پر ہے جب کہ پکڑنے والے نے مال سے کفارہ ادا کیا ہو، اور اگر کفارہ مال کے بجائے روزہ رکھ کر ادا کیا ہے تو پھر اس سے کچھ نہیں لے سکتا ہے کمال نے اسی کو پسند کیا ہے کیونکہ اس پکڑنے والے نے کچھ تاوان نہیں دیا ہے جس کو وہ واپس لے۔

تاوان نہ لینے کی صورت اور اگر اس شکار کو قتل کرنے والا کوئی چوپایہ ہو تو پکڑنے والا اپنا تاوان اس چوپایہ کے مالک سے واپس نہیں لے سکتا ہے، اور اگر اس شکار کا قتل کرنے والا نابالغ لڑکا ہو، یا نصرانی کافر ہو تو اس پر جزا واجب نہیں کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، لیکن محرم شکار کا پکڑنے والا کافر سے اس کی قیمت لے گا کیوں کہ کافر پر حقوق العباد لازم ہے، البتہ حقوق اللہ لازم نہیں۔

وكل ما على المفرد به دم بسبب جنايته على احرامه يعني بفعل شيء من محظوراته لا مطلقا اذلو ترك واجبا من واجبات الحج او قطع نبات الحرم لم يتعدد الجزاء لانه ليس

جناية على الاحرام فعلى القارن و مثله متمتع ساق الهدى دمان و كذا الحكم فى الصدقة فتثنى ايضا لجنايته على احراميه الا بمحاوزة الميقات غير محرم استثناء منقطع فعليه دم واحد لانه حينئذ ليس بقارن ولو قتل محرمان صيدا تعدد الجزاء لتعدد الفعل ولو حلا لان صيد الحرم لا لاتحاد المحل وبطل بيع محرم صيدا و كذا كل تصرف وشراؤه ان اصطاده وهو محرم والافا لبيع فاسد فلو قبض المشترى فعطب فى يده فعليه و على البائع الجزاء و فى الفاسد يضمن قيمته ايضا كما مر ولدت ظبية بعد ما اخرجت من الحرم و ماتا غرمهما و ان ادى جزاءها اى الام ثم ولدت لم يجزه اى الولد لعدم سراية الامن حينئذ و هل يجب ردها بعد اداء الجزاء الظاهر نعم

جنایت کے قارِن پر دودم

اور جس قصور میں مفرد (صرف حج کرنے والے) پر صرف ایک دم واجب ہوتا ہے کہ اس نے حالت احرام میں وہ کام کیا ہے جو اُسے نہ کرنا چاہیے تھا، اگر یہی قصور قارن سے حالت احرام میں ہوگا تو اس پر دودم واجب ہوں گے، ایک دم حج کا اور دوسرا عمرہ کا، کیونکہ قارِن دو کا احرام ساتھ ساتھ باندھتا ہے ایک حج کا دوسرا عمرہ کا، یہاں قصور (جنایت) سے وہ جنایت مراد ہے جو حالت احرام میں ممنوع ہے مطلق جنایت مراد نہیں ہے، اس لیے کہ اگر مفرد (صرف حج کرنے والا) حج کے واجبات میں سے کوئی واجب چھوڑ دے گا یا حرم کی گھاس کاٹے گا تو اس پر ایک دم واجب ہوگا۔ اور جب قارن (حج وعمرہ) کرنے والا اس واجب کو ترک کرے گا، تو اس پر بھی جزا ایک ہی ہوگی متعدد نہیں ہوگی، یعنی دودم واجب نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ جنایت احرام کے خلاف نہیں ہے، اور قارِن کا سا ہی حکم جزا میں اس متمتع کا بھی ہے جو قربانی کا جانور ساتھ لیجائے (جو پہلے عمرہ کا احرام باندھے پھر حلال ہو جائے اور ایام حج میں حج کا احرام کرے)

قارِن متمتع پر صدقہ

قارِن و متمتع کے لیے وجوب صدقہ میں بھی یہی حکم ہے کہ اس پر دو گناہ واجب ہوگا جب وہ احرام کے خلاف کوئی جنایت کرے گا، لیکن اگر وہ میقات سے بغیر احرام کے آگے بڑھا ہے تو اس پر ایک دم لازم ہوگا، کیونکہ وہ قارن کے حکم میں نہیں رہا، اس لیے کہ اس نے ابھی احرام نہیں باندھا ہے (اس کا صدر کلام سے کوئی تعلق نہیں)

دو محرم ایک شکار کرے

اگر دو محرم نے مل کر کسی شکار کو قتل کیا ہے تو تعدد فعل کی وجہ سے سزا متعدد ہوگی، اور دو جزا لازم ہوگی، اور اگر دو غیر محرم نے مل کر حرم کے شکار کو قتل کیا ہے تو جزا متعدد نہیں ہوگی اس لیے کہ محل ایک ہے یعنی شکار ایک ہے تو جزا بھی ایک ہی ہوگی۔

محرم کے شکار کا بیچنا

کسی شکار کا بیچنا اور اس کا خریدنا محرم کے لیے دونوں باطل ہے، اور اسی طرح اس کے دوسرے تمام تصرفات بھی باطل ہیں جیسے ہبہ اور وصیت وغیرہ اگر اس نے حالتِ احرام میں اس شکار کو پکڑا ہے تو خریدنا ظاہر ہے کہ جائز نہیں اور اگر حالتِ احرام کے سوا میں گرفتار کیا ہے تو محرم کے لیے اس کی بیع فاسد ہے۔

لہٰذا اگر مشتری نے شکار پر قبضہ کر لیا، پھر وہ اس کے قبضہ میں ہلاک ہو گیا، تو بیچنے والا اور اس کا خریدار دونوں پر جزا واجب ہے، اگر یہ دونوں محرم ہوں، اور اگر ایک محرم ہو گا تو صرف اسی ایک محرم پر ہی جزا واجب ہو گی۔

بیع فاسد میں جزا کے ساتھ مشتری قیمت کا بھی ضامن ہو گا جیسا کہ پہلے گذرا کہ اس پر جزا بھی واجب ہو گی اور بائع کو قیمت بھی ادا کرے گا اس لیے کہ بائع اس کا مالک تھا، البتہ بیع باطل میں ایسا نہیں ہوتا ہے کیونکہ بائع مالک نہیں ہوتا ہے۔

ہرنی اور اس کے بچہ کی ہلاکت کی جزا

ہرنی کو کسی نے حرم سے نکال دیا اور باہر آ کر اس نے بچہ دیا، پھر بچہ اور ہرنی دونوں مر گئے، تو نکالنے والا ان دونوں کا ضمان دے گا، کیونکہ حرم کا شکار نکالنے کے بعد بھی امن کا مستحق ہوتا ہے، لہٰذا نکالنے والے پر واجب تھا کہ پھر وہ اُسے حرم میں پہنچا دیتا، اس نے ایسا نہیں کیا لہٰذا دونوں کی جان کا برابر تاوان دینا ہو گا۔

حرم سے ہرن کو نکالنے کا فریضہ

اور اگر ایسا ہوا کہ ہرنی کو حرم سے نکالنے کے بعد اس نے اس کی جزا دیدی، پھر اس ہرنی نے بچہ دیا، تو اب اس صورت میں بچہ کی جزا واجب نہیں ہو گی، کیونکہ امن کا مستحق جزا کے وقت بچہ نہیں تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ ہرنی کے نکالنے کی جزا ادا کرنے کے بعد کیا اس کا حرم میں پہنچا دینا اب بھی واجب ہے، ظاہر یہ ہے کہ ہاں اس کا پہنچا دینا واجب ہے۔

آفاقی مسلم بالغ یرید الحج ولو نفلا او العمرة فلو لم یرد واحدا منهما لا یجب علیه دم بمجاوزة المیقات و ان وجب حج او عمرة ان اراده دخول مکة او الحرم علی ما سیأتی فی المتن قریبا وجاوز وقته ظاهر ما فی النهر عن البدائع اعتبار الارادة عند المجاوزة ثم احرم لزمه دم کما اذا لم یحرم فان عاد الی میقات ثم احرم او عاد الیه حال کونه محرما لم یشرع فی نسکٍ صفة محرما کطواف و لو شوطا و انما قال ولبی لان الشرط عند الامام تجدید التلبیة عند المیقات بعد العود الیه خلافا لهما سقط دمه والافضل عوده الا اذا خاف فوت الحج والا ای و ان لم یعد او عاد بعد شروعه لا یسقط الدم کمکی یرید الحج و متمتع فرغ من عمرته و صار مکیا و خرجا من الحرم و احرما بالحج من بحل فان علیهما دما لمجاوزة میقات المکی بلا احرام و کذا لو احرما بعمرة من الحرم و بالعود کما یسقط الدم دخل کوفی ای آفاقی البستان ای مکانا من الحل داخل المیقات لحاجة قصدها و لو عند المجاوزة علی ما مر ونیة مدة الاقامة لیست بشرط علی المذهب له دخول مکة غیر محرم ووقته البستان ولا شیء علیه لانه التحقق باهله کما مر و هذه حیلة لآفاقی یرید دخول مکة بلا احرام

میقات کے آگے جا کر احرام باندھنا

باہری مسلمان بالغ نے حج فرض یا نفل کا ارادہ کیا، یا عمرہ کا، اور میقات سے آگے بڑھ گیا۔ پھر اس نے احرام باندھا تو اس پر دم لازم ہو گا۔

کیونکہ وہ بلا احرام کے میقات سے آگے بڑھ آیا ہے اور بعد میں احرام باندھا ہے جیسا کہ احرام نہ باندھنے کی صورت میں دم لازم آتا ہے اور اگر حج و عمرہ میں سے کسی کا ارادہ نہیں کیا تھا تو بلا احرام میقات سے بڑھنے میں اس پر دم واجب نہیں ہے، گو اس پر مکہ یا حرم میں داخل ہونے کے ارادہ کی وجہ سے حج یا عمرہ واجب ہو بدائع سے نہر الفائق میں جو کچھ منقول ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ میقات سے آگے بڑھتے وقت ارادہ کا اعتبار ہے، اس سے بڑھ جانے کے بعد ارادہ کا اعتبار نہیں۔

میقات سے بڑھ کر پھر واپس آنا

وہ شخص جو بلا احرام میقات سے آگے بڑھ آیا تھا اگر وہ پھر کسی میقات کی طرف پلٹ آئے اور وہ وہاں احرام باندھے یا اس طرح محرم بن کر میقات کی طرف آئے کہ اس نے حج کا کوئی فعل نہیں کیا تھا، جیسے طواف کا ایک چکر بھی نہیں لگایا تھا، واپسی کے بعد میقات پر لبیک کہا تو اس سے دم ساقط ہو جائے گا، اس لیے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک واپسی پر میقات کے پاس تلبیہ کی تجدید شرط ہے البتہ صاحبینؒ کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔

ایسے شخص کے لیے جو بلا احرام میقات سے آگے بڑھ گیا ہے افضل یہ ہے کہ وہ میقات کی طرف پلٹ آئے البتہ اگر حج کے فوت ہو جانے کا خوف ہو تو اس وقت پلٹنا افضل نہیں، اگر وہ میقات کی طرف پلٹ کر نہیں آیا یا حج کے افعال شروع کرنے کے بعد واپس آیا تو اس صورت میں دم ساقط نہیں ہوگا۔

مکی کا حل سے احرام باندھنا

مکی جو حج کا ارادہ رکھتا تھا یا تمتع کرنے والا اپنے عمرہ سے فارغ ہو کر مکی ہو گیا ہے دونوں حرم سے نکلے اور حل سے حج کا احرام باندھا، تو اس صورت میں دونوں پر دم واجب ہے کیونکہ وہ دونوں اہل مکہ کے میقات سے بلا احرام آگے بڑھ آئے تھے، اس لیے کہ اہل مکہ کا میقات حرم ہے نہ کہ حل، اسی طرح اگر ان دونوں نے عمرہ کا احرام، حرم سے باندھا تھا تو ان پر دم واجب ہے اس وجہ سے کہ عمرہ کا میقات حل ہے۔ لیکن اگر وہ دونوں میقات سے بڑھنے کے بعد، پھر میقات کی طرف پلٹ آئے اور بلا کچھ کیے ہوئے اور یہاں لبیک کہے تو اس سے دم ساقط ہو جائے گا۔

آفاقی کا میقات میں بلا احرام آنا

کوئی باہری آدمی میقات کے اندر بستان میں کسی جگہ کسی ضرورت سے بالقصد آیا، گو اس نے میقات سے بڑھتے وقت اس ضرورت کا ارادہ کیا ہو تو اس آفاقی کے لیے بلا احرام مکہ میں داخل ہونا درست ہے، مدت، اقامت کی نیت بھی شرط نہیں ہے۔ (بستان بنی عامر کی ایک بستی کا نام ہے جو میقات کے اندر ہے، اور حرم سے باہر ہے، اس وقت اس کا نام "نخلہ محمود" ہے یہاں سے مکہ معظمہ بیس کوس ہے کذا فی الطحاوی)

اور اس آفاقی کا میقات جو بستان میں کسی حاجت کی وجہ سے گیا تھا، بستان ہی ہے یعنی حج اور عمرہ کا میقات حل ہے اور بلا احرام میقات سے بڑھ جانے پر کوئی دم واجب نہیں ہے، اس لیے کہ باہری شخص بستان میں آنے سے ان لوگوں میں مل گیا تو جس طرح بستان کے رہنے والوں کے لیے بلا احرام مکہ میں داخلہ جائز ہے ویسے اس کے لیے بھی یہ جائز ہے، اور جس طرح بستانیوں کا میقات برائے حج و عمرہ حل ہے، ایسے ہی اس آفاقی کا میقات بھی حل ہی ہوگا تفصیل مواقیت کے بیان میں گذر چکی، جو آفاقی بلا احرام مکہ میں جانا چاہے اس کے لیے یہ ایک حیلہ ہے۔

و یجب علی من دخل مکة بلا احرام لکل مرة حجة او عمرة فلو عاد فاحرم بنسك اجزاء عن آخر دخوله و تمامه فی الفتح وصح منه ای اجزأه عما لزمه بالدخول لو احرم عما علیه من حجة الاسلام او نذرا و عمرة منذورة لکن فی عامه ذلك لتدارکه المتروك فی وقته لابعده لصیروته دینا بتحویل السنة جاوز المیقات بل احرام فاحرم بعمرة ثم افسدها مضی و قضی ولا دم علیه لترك الوقت لجبره بالاحرام منه فی القضاء مکی و من فی حکمه طاف لعمرته ولو شوطا ای اقلّ اشواطها فاحرم بالحج رفضه وجوبا بالحلق لنهی المکی عن الجمع بینهما وعلیه دم لاجل الرفض و حج و عمرة لانه کفائت الحج حتی لو حج فی سنة سقطت العمرة و لو رفضها قضاها فقط فلو اتمها صح واساء وذبح وهو دم جبر و فی الآفاقی دم شکر

بلا احرام مکہ میں داخل ہونے سے حج وعمرہ کا وجوب

جو شخص مکہ میں بلا احرام ہوگا۔ ہر ہر بار اس پر ایک حج اور ایک عمرہ واجب ہوگا، اس جگہ کی تعظیم کا تقاضا یہی ہے، لیکن بلا احرام مکہ میں داخل ہونے کے بعد پھر میقات پر واپس آجائے اور وہاں احرام باندھے، تو آخری مرتبہ کے داخل ہونے کی طرف سے یہ احرام کافی ہوگا اس کی پوری تفصیل فتح القدیر میں ہے، مثلاً بلا احرام مکہ میں دوبار داخل ہوا تھا تو اس احرام سے دوسری بار داخل ہونے کی وجہ سے جو حج یا عمرہ واجب ہوا تھا وہ ادا ہو جائے گا، اول مرتبہ کا حج یا عمرہ اس کے ذمہ رہ گیا۔ وہ بلا تعیین نیت اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔

بلا احرام مکہ میں داخل ہونے کی وجہ سے جو حج یا عمرہ لازم ہوا ہے اس کی طرف سے کسی واجب عبادت کا احرام کافی ہوگا اگر اس نے اُس واجب عبادت کا احرام باندھ لیا ہے خواہ وہ حج فرض ہو یا نذر کا حج ہو یا نذر کا عمرہ ہو، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب اسی سال حج یا عمرہ کرے، اس لیے کہ جو باقی رہ گیا تھا اس کی تلافی ہو گئی بعد کے دوسرے سال کی طرف سے کافی نہیں ہوگا۔ کیونکہ سال پلٹنے سے وہ اس کے ذمہ دَین ہو جائے گا۔

میقات سے آگے بڑھ کر عمرہ کا احرام

ایک شخص میقات سے بلا احرام آگے بڑھ گیا، پھر اس نے عمرہ کا احرام باندھا، پھر اس نے اس عمرہ کو فاسد کر ڈالا، تو اس کو چاہیے کہ افعال عمرہ کو پورا کرے اور پھر اس کی قضا کرے، لیکن اس پر میقات پر احرام نہ باندھنے کی وجہ سے دم نہیں ہے کیونکہ جب وہ عمرہ کی قضا کرے گا اور اس کا احرام میقات سے باندھے گا تو اس کی تلافی ہو جائے گی۔

جو مکی عمرہ کے طواف کے بعد حج کا احرام باندھے

میقات کے اندر رہنے والے نے اپنے عمرہ کا طواف ایک چکر سے لے کر تین تک کیا پھر اس نے حج کا احرام باندھ لیا تو اس پر واجب ہے کہ حلق کرا کے حج کو ترک کردے، کیونکہ میقات کے اندر رہنے والوں کے لیے حج اور عمرہ دونوں جمع کرنا ممنوع ہے، البتہ اس حج کے ترک کی وجہ سے اُس پر دم واجب ہوگا، اور پھر اس پر حج و عمرہ دونوں واجب ہوگا

اس لیے کہ وہ اس شخص کی طرح ہے جس کا حج فوت ہو گیا تھا، حتی کہ اگر وہ اسی سال حج کرے گا تو اس سے عمرہ ساقط ہو جائے گا، اور اگر صرف عمرہ کو فوت کرے گا تو فقط اسی کی قضا کرے گا۔ حج کی قضا نہیں ہو گی۔

کی مذکور نے اگر حج و عمرہ دونوں کو ادا کر لیا کسی کو ترک نہیں کیا تو یہ دونوں صحیح ہو جائیں گے، اس لیے کہ جس کا اس نے التزام کیا تھا اسے پورا کر دیا لیکن اس نے یہ برا کیا کہ ممنوع کام کیا، اور اسی وجہ سے اس کو قربانی کرنا ہو گی جو تلافی کے لیے دم کا کام کرے گی اس کا گوشت وہ خود نہ کھائے گا، اور آفاقی (میقات سے باہر والے) حج و عمرہ کے بعد جو قربانی کرتے ہیں وہ قربانی شکریہ کے طور پر ہوتی ہے، لہٰذا اس کے لیے اس کا گوشت کھانا جائز ہے۔

ومن احرم بحج و حج ثم احرم یوم النحر بآخر فان کان قد حلق للاول لزمه الآخر فی العام القابل بلا دم لانتهاء الاول والا یحلق نلاول فمع دم قصر عبر به لیعم المرأة اولا لجنایته علی احرامه بالتقصیر اوالتاخیر ومن اتی بعمرة الا الحلق فاحرم باخری ذبح الاصل ان الجمع بین احرامین لعمرتین مکروه تحریما فیلزم الدم لالحجتین فی ظاهر الروایة فلا یلزم

ایک حج کے بعد یوم النحر میں دوسرے حج کا احرام

ایک شخص نے حج کا احرام باندھا اور اسے ادا بھی کر لیا پھر یوم النحر میں اس نے دوسرے حج کا احرام باندھ لیا اب اگر وہ اول حج سے فراغت کے لیے سر منڈا چکا تھا تو اس پر دوسرا حج آئندہ سال لازم ہو گا، مگر اس پر کوئی دم واجب نہیں اس وجہ سے کہ پہلا حج پورا ہو چکا تھا، دو احرام جمع نہیں ہوئے کہ دم واجب ہوتا، اور اگر اس نے پہلے حج کے لیے ابھی سر نہیں منڈایا تھا تو اس پر آئندہ سال دوسرا حج لازم ہو گا مگر دم کے ساتھ۔

اور اس احرام کی وجہ سے اس پر اس سال دم لازم ہو گا، اس لیے کہ دوسرے حج کے احرام پر یہ جنایت واقع ہوئی کہ اس نے پہلے کی فراغت کے لیے بال ترشوایا اور اگر نہیں ترشوایا تو تاخیر کی وجہ سے دم ہو گا، کہ جس کام کو کرنا چاہیے تھا وقت پر نہیں کیا۔

عمرہ کے بعد عمرہ کا احرام

جس نے عمرہ ادا کیا مگر ابھی سر نہیں منڈایا تھا پھر اس نے دوسرے عمرہ کا احرام باندھ لیا تو دم دے گا، بنیادی بات یہ ہے کہ دو عمروں کے احرام کو جمع کرنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ ظاہر الروایہ میں دو حج کے احراموں کو جمع کرنا مکروہ تحریمی نہیں ہے۔ لہٰذا دو عمرہ کے احرام کے جمع کرنے پر دم لازم ہو گا لیکن دو حج کے احرام کے جمع کرنے پر دم لازم نہیں ہوتا ہے۔

آفاقی احرم بحج ثم احرم بعمرة لزماه و صار قارنا مسیئا کما مر ولذا بطلت عمرته بالوقوف قبل افعالها لانها لم تشرع مرتبة علی الحج لا بالتوجه الی عرفة فان طاف له طواف القدوم ثم احرم بها فمضی علیها ذبح وهو دم جبر و ندب رفضها لتاکّده بطوافه فان رفض قضی لصحة الشروع فیها واراق دما لرفضها حج فاهل بعمرة یوم النحر او

فی ثلاثة ایام بعده لزمته بالشروع لکن مع کراهة التحریم ورفضت وجوبا تخلصا من الاثم وقضیت مع دم للرفض و ان مضی علیها صح و علیه دم لارتکاب الکراهة فهو دم جبر فائت الحج اذا احرم به او بها وجب الرفض لان الجمع بین احرامین لحجتین او لعمرتین غیر مشروع و لما فاته الحج بقی فی احرامه فیلزمه ان یتحلل عن احرام الحج بافعال العمرة ثم بعده یقضی ما احرم به لصحة الشروع و یذبح للتحلل قبل اوانه بالرفض .

آفاقی کے یکے بعد دیگرے حج اور عمرہ کا احرام

آفاقی (میقات سے باہر والے) نے حج کا احرام باندھا اس کے بعد پھر عمرہ کا احرام باندھا، تو اس پر دونوں کی ادائیگی لازم ہوگی اور اس کو یہ بڑے ڈھنگ سے قران کرنے والا کہا جائے گا اور چونکہ قاعدہ کے مطابق اس نے احرام نہیں باندھا ہے اس وجہ سے اُس کا عمرہ باطل ہو جائے گا کیونکہ افعال عمرہ سے پہلے اس نے وقوف عرفات کیا، صرف عرفات کی طرف جانے کی وجہ سے باطل نہیں ہوگا، چنانچہ اگر کوئی عرفات کی طرف جائے اور وقوف کیے بغیر واپس آجائے اور عمرہ کر کے حج کرے تو ایسا ممکن ہے۔

اور اگر حج کے احرام کے بعد اس نے اس کے لیے طواف قدوم کر لیا اس کے بعد عمرہ کا احرام باندھا اور دونوں کو ادا کیا تو وہ ایک جانور بطور تلافی نقصان ذبح کرے گا کہ اس نے افعال حج میں عمرہ کو داخل کر لیا، مستحب یہ ہے کہ عمرہ کو ترک کر دے کیونکہ جب اس نے حج کا طواف قدوم کر لیا تو وہ اس کے ذمہ مؤکد ہو گیا۔ اگر عمرہ ترک کرے گا تو اس کو بعد حج اس کی قضا کرنا ہوگی، کیونکہ احرام باندھ کر اس نے اس کو شروع کر دیا تھا، اور اس وقت عمرہ چھوڑنے کے نتیجے میں وہ دم دے گا۔

حج کے بعد یوم النحر میں عمرہ کا احرام

ایک شخص نے حج کیا پھر یوم النحر میں عمرہ کا احرام باندھا، یا اس کے بعد کے تین دنوں میں سے کسی دن، تو اب اس صورت میں عمرہ کا ادا کرنا اس کے ذمہ لازم ہوگا، کیونکہ احرام باندھ کر اس نے شروع کر دیا تھا، مگر یہ کراہت تحریمی کے ساتھ ہوگا، کیونکہ ابھی وہ حج سے فارغ نہیں ہوا تھا، اور یہی وجہ ہے کہ اس پر اس عمرہ کا ترک کر دینا واجب ہے، تاکہ وہ گنہگار نہ ہو، پھر عمرہ کی قضا کرے اور لازمی طور پر دم دے، کیونکہ اس نے عمرہ کو ترک کیا تھا، اور اس نے عمرہ کو ترک نہیں بلکہ عمرہ ادا کر لیا تو یہ ادا کرنا بھی صحیح ہو جائے گا، البتہ مکروہ تحریمی کا مرتکب ہوا ہے اس لیے لازمی طور پر دم دے گا اور اس سے نقصان کی تلافی ہو جائے گی۔

حج فوت ہونے والے کا احرام حج و عمرہ

وہ شخص جس کا حج فوت ہو چکا وہ جب اسی سال دوسرے حج یا عمرہ کا احرام باندھے گا، تو اس پر دوسرے احرام کا ترک کر دینا واجب ہوگا کیونکہ دو حج یا دو عمروں کے احراموں کو جمع کرنا مشروع نہیں ہے۔

(دو حج میں ایک حج وہ ہے جو فوت ہو چکا۔ ایک احرام اس کا ہوا، اور دوسرا احرام دوسرے حج کا اور دو عمروں کے دو احرام اس طرح ہوئے کہ ایک احرام تو یہی ہے جو دوسرے حج کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھا، اور دوسرا احرام عمرہ کا اس طرح ہوا کہ جس کا حج فوت ہو جاتا ہے وہ عمرہ کر کے احرام سے باہر آتا ہے جیسا کہ آرہا ہے)

جب کسی کا حج فوت ہو جاتا ہے تو اس کا احرام باقی رہتا ہے، اب اس پر واجب ہے کہ وہ عمرہ کے افعال کر کے حج کے احرام سے حلال ہو جائے اس کے بعد اس کی قضا کرے جس کا احرام کیا تھا، کیونکہ اس کا ابتداء میں شروع کرنا درست تھا اور وہ دم بھی دے گا کیونکہ وقت سے پہلے اس نے احرام ختم کیا ہے اور حلال ہوا ہے، یعنی واجب یہ تھا کہ حج ثانی کے افعال کو ادا کرنے یا عمرہ کے بعد احرام ثانی سے باہر آتا، کیونکہ دو احراموں کا جمع کرنا درست نہیں تھا، اس لیے دوسرے احرام کا ترک کر دینا ضروری قرار دیا گیا، اور اسی وجہ سے اس پر دم لازم ہوا۔

باب الاحصار

ہو لغة المنع و شرعا منع عن رکن اذا احصر بعد و او مرض او موت محرم او هلاك نفقة حل له التحلل فحینئذ بعث المفرد دما او قیمته فان لم یجد بقی محرما حتی یجد او یتحلل بطواف و عن الثانی انه یقوم الدم بالطعام و یتصدق به فان لم یجد صام عن کل نصف صاع یوما والقارن دمین فلو بعث واحد لم یتحلل عنه وعین یوم الذبح لیعلم متی یتحلل و یذبحه فی الحرم ولو قبل یوم النحر خلافا لهما ولو لم یفعل و رجع الی اهله بغیر تحلل او صبر محرما حتی زال الخوف جاز فان ادرك الحج فبها و نعمت والا تحلل بالعمرة لان التحلل بالذبح انما هو للضرورة حتی لا یمتد احرامه فیشق علیه زیلعی و بذبحه یحل و لو بلا حلق و تقصیر هذا فائدة التعیین فلو ظن ذبحه ففعل کالحلال فظهر انه لم یذبح او ذبح فی حل لزمه جزاء ماجنی

کسی رکن کی ادائیگی سے رُکنا

احصار کے معنی لغت میں منع کے آتے ہیں، یعنی روکنا، اور شریعت میں کسی رکن کی ادائیگی سے رُکنے کو کہتے ہیں خواہ وہ حج کا رکن ہو، یا عمرہ کا، جب احرام والا کسی عذر شرعی کی وجہ سے رُک جائے جیسے دشمن کی وجہ سے، یا بیماری کی وجہ سے۔ یا عورت کے محرم کی موت واقع ہونے کی وجہ سے یا نفقہ کے ہلاک ہونے کی وجہ سے تو ان صورتوں میں اس کے لیے احرام اُتار کر حلال ہو جانا جائز ہے۔

(دشمن خواہ کافر ہو یا کوئی دوسرا دونوں کو عام ہے، بیماری سے ایسی بیماری مراد ہے جو سفر کرنے اور چلنے پھرنے سے بڑھ جاتی ہو اور راستہ میں اخراجات سفر کھانا، کرایہ اور دوسری ضروریات کے لیے جو روپے تھے وہ حج شروع کرنے کے بعد ضائع

ہوئے اور پیدل جانے اور چلنے کی قدرت نہیں ہے یا ممکن نہیں ہے تو یہ بھی مانع شمار ہوتا ہے۔)

جب حج کا سفر عذر کی وجہ سے نہ کرسکے

ان عذروں میں سے کسی عذر کی وجہ سے جب وہ حج کے لیے سفر نہ کر سکے، اس صورت میں مفرد (جس نے صرف حج کا احرام باندھ رکھا ہے) قربانی کے لیے ایک جانور (بکری یا بھیڑ) بھیجے یا اس کی قیمت بھیجے، اگر وہ نہ بکری پائے اور نہ اس کی قیمت، تو اُس وقت تک وہ احرام میں رہے جب تک پا نہ لے، یا وہ عمرہ کا طواف اور سعی بین الصفا والمروہ کر کے احرام ختم نہ کرے امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس جانور کی کھانے (اناج) سے قیمت لگائے، اور اس کو صدقہ کر دے، ہر مسکین کو نصف صاع دے، اگر اناج بھی نہ مل سکے تو اس صورت میں ہر ہر نصف صاع کے بدلہ ایک ایک روزہ رکھے (طحطاوی کا کہنا ہے کہ امام ابویوسفؒ کی یہ روایت کمزور ہے، لہٰذا شارح کے لیے مناسب تھا کہ اس کو یہاں ذکر ہی نہیں کرتے) اور جس نے قران کا احرام باندھا اور کسی عذر کی وجہ سے نہ جاتا ہوا اس کو دو دم بھیجنا چاہیے، ایک بکری حج کے لیے اور دوسری عمرہ کے احرام کے لیے چنانچہ اگر قارن دو کے بجائے ایک دم بھیجے گا تو وہ احرام سے نہیں نکل سکے گا، کیونکہ اس کو حکم یہ ہے کہ دونوں احراموں سے ایک ساتھ باہر ہو، اور جو جانور یا اس کی قیمت بھیج رہا ہے کہ وہاں جاکر اسے لیجانے والا اس کی طرف سے ذبح کرے گا اس سے تاریخ دن اور وقت طے کر لے، کہ فلاں دن اسے ذبح کرنا ہے، تاکہ اس کے علم میں آجائے کہ وہ کب حلال ہوگا۔ کیونکہ ذبح سے پہلے حلال نہیں ہو سکتا ہے، اس تاریخ اور وقت کے مطابق وہ یہاں حلال ہو جائے گا۔

جانور یوم النحر سے پہلے ذبح ہوسکتا ہے

یہ جانور حرم میں لیجا کر ذبح ہوگا۔ خواہ یوم النحر سے پہلے ہی کیوں نہ ہو، صاحبینؒ کہتے ہیں کہ یوم النحر (دسویں ذی الحجہ سے پہلے ذبح کرنا درست نہیں ہے البتہ عمرہ کے احصار میں یوم النحر سے پہلے بھی درست ہے (لیکن امام اعظمؒ کے نزدیک درست ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے)

محرم مُحصر (جو عذر کی وجہ سے نہیں جا سکتا ہے) اگر اس نے قربانی کا جانور یا اس کی قیمت نہیں بھیجی، اور بغیر حلال ہوئے اپنے گھر احرام میں ہی پلٹ آیا، یا حالت احرام میں وہیں جہاں عذر پیش آیا تھا رکا رہا، یہاں تک کہ خوف جاتا رہا اور عذر ختم ہوگیا، تو اس کے لیے حج کرنا جائز ہے اگر عذر کے ختم ہونے کے بعد حج کو پالے تو اس نے بہتر کیا، اور اگر موسم حج ختم ہوگیا ہے تو عمرہ کر کے احرام اتار دے، کیونکہ جانور کے ذبح کے بعد حلال ہونا اس ضرورت کی وجہ سے تھا کہ احرام کی مدت دراز نہ ہو، اور وہ دشواریوں سے دوچار نہ رہے۔

ذبح نہ ہونے کی صورت میں

اس جانور کے ذبح کرنے سے محرم احرام سے خارج ہو جاتا ہے اگرچہ وہ نہ سر منڈائے اور نہ بال ترشوائے، اُس نے گمان کیا کہ جانور ذبح ہوگیا ہوگا، چنانچہ اس نے اس طرح کرنا شروع کر دیا جس طرح غیر محرم کرتے ہیں، بعد میں معلوم ہوا کہ جانور ذبح نہیں ہوا، یا حرم کے بجائے حل میں ذبح کیا گیا ہے تو اس کو اپنے جنایت کی جزا دینی ہوگی۔

و یجب علیه ان حل من حجه ولو نفلا حجة بالشروع وعمرة للتحلل ان لم یحج من عامه وعلی المعتمر عمرة و علی القارن حجة و عمرتان احدهما للتحلل فان بعث ثم زال الاحصار و قدر علی ادراك الهدی والحج معا توجه وجوبا والا یقدر علیهما لا

بلزمه التوجه و هی رباعیة

حلال ہونے والے حج کی قضا

اگر کسی نے حج کا احرام اسی طرح اتارا ہے گو وہ حج نفل ہی ہو تو اس پر واجب ہے کہ دوسرا حج قضا کے طور پر کرے، کیونکہ وہ اسے شروع کر چکا تھا، اور حلال ہونے کی وجہ سے عمرہ واجب ہے، بشرطیکہ اس نے اس سال حج نہ کیا ہو، اور اگر عذر کے ختم ہونے کے بعد اس نے اسی سال حج کر لیا، تو فقط حج واجب ہوگا، عمرہ واجب نہیں ہوگا، اور اگر عمرہ کا احرام والا نہیں جا سکا ہے تو اس پر فقط عمرہ واجب ہے، اور قارن پر دو حج اور ایک عمرہ واجب ہے، ایک عمرہ حلال ہونے کا دوسرا اقران کا۔

جب عذر زائل ہو جائے

ان عذروں میں سے کسی عذر کی وجہ سے حج کے احرام والا جب نہیں جا سکا تھا اور اس نے قربانی کا جانور بھی بھیج دیا تھا، لیکن اس کے بعد اس کا عذر زائل ہو گیا، اور اب وہ قادر ہے کہ وہاں پہنچ کر جانور اور حج کو ساتھ ساتھ پالے، تو اس کے لیے واجب ہے کہ حج کے لیے روانہ ہو جائے، اور ایسے وقت اس کے لیے جانور بھیج کر احرام سے باہر آنا ہر گز جائز نہیں کیونکہ جانور بھیجنا تو حج کا بدل تھا اور جب وہ بطور خود اصل پر قادر ہے تو عوض کا کوئی اعتبار نہیں۔

اور اگر وہ جانور اور حج کے پانے پر ایک ساتھ قادر نہیں ہے، تو پھر اس پر واجب نہیں ہے کہ وہ حج کے لیے روانہ ہو اور یہ مسئلہ رباعی ہے، یعنی اس کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں: (۱) پہلی صورت یہ ہے کہ جانور اور حج دونوں کو ساتھ ساتھ پا سکتا ہو۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں کو نہ پا سکتا ہو۔ (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ جانور کو تو پا سکتا ہو مگر حج نہ پا سکے۔ (۴) چوتھی صورت یہ کہ فقط حج پا سکتا ہو جانور کو نہ پا سکتا ہو تو صرف پہلی صورت میں جانا لازم ہے، اور باقی تین صورتوں میں جانا لازم نہیں ہے، لیکن اگر حلال ہونے کے ارادہ سے جائے اور عمرہ کرے تو یہ درست ہے۔

ولا احصار بعد ما وقف بعرفة للامن من الفوات والممنوع لو بمكة عن الركنين محصر على الاصح والقادر على احدهما لا اما على الوقوف فلتمام حجه به و اما على الطواف فلتحلله به كما مر

وقوف عرفات کے بعد احصار نہیں

وقوف عرفات کے بعد احصار نہیں ہے، اس وجہ سے کہ وقوف عرفات کے بعد حج کا فوت ہونا نہیں ہو سکتا ہے۔ گویا اس کے بعد حج ہو جاتا ہے لہٰذا فوت ہو جانے سے امن ہے، لیکن اگر وقوف عرفات کے بعد کوئی رکاوٹ باقی رہے، تو واجبات ترک ہوں گے جیسے وقوف مزدلفہ، رمی جمار۔ اسی طرح حلق میں تاخیر، اور طواف زیارت، تو ان کے ترک سے دم لازم ہوگا۔ حج فوت نہیں ہوگا۔

جو شخص وقوف عرفات اور طواف زیارت سے روکا جائے، اگرچہ وہ مکہ میں ہو تو وہ محصر ہے اصح مذہب کی بنیاد پر ہاں اگر ان دونوں رکنوں میں سے جو ایک پر بھی قادر ہو وہ محصر (احصار والا) نہیں ہے، جو شخص عرفات کے وقوف پر قادر ہے وہ اس وجہ سے محصر نہیں ہوگا کہ وقوف عرفات سے حج تام ہو جاتا ہے اور جو طواف زیارت پر قادر ہو، وہ اس وجہ سے محصر شمار نہیں ہوگا کہ طواف کرنے سے وہ احرام سے خارج ہو گیا، جیسا کہ گذر چکا کہ حلال ہونے میں اصل طواف ہے اور جانور کا ذبح کرنا اس کا بدلہ ہے اصل کے ہوتے ہوئے بدلہ کی حاجت نہیں ہوتی۔

باب الحج عن الغير

الاصل ان كل من اتى بعبادةٍ مّا له جَعْلُ ثوابها لغيره و ان نواها عند الفعل لنفسه لظاهر الادلة و اما قوله تعالى و ان ليس للانسان الا ما سعى اى الا اذا وهبه له كما حققه الكمال او اللام بمعنى على كما فى وَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ ولقد افصح الزاهدى عن اعتزاله هنا واللّٰه الموفق العبادة المالية كزكوة و كفارة تقبل النيابة عن المكلف مطلقا عند القدرة والعجز ولو النائب ذميا لان العبرة لنية الموكل ولو عند دفع الوكيل

حج بدل کا بیان

اس باب میں جن پر حج فرض ہے اس کی طرف سے دوسرے شخص کے حج کرنے کی تفصیل اور اس سے متعلق احکام و مسائل بیان کیے جائیں گے ایک بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص بطور خود کوئی مالی عبادت کرے اور اس کا ثواب دوسرے شخص کو بخش دے گو عبادت کرتے وقت نیت اس نے اپنی ذات کے لیے کی ہو تو وہ ایسا کر سکتا ہے یہ اصل قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

(قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے وقُل رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا اے میرے پروردگار! میرے ماں باپ پر رحم و کرم فرمایئے جیسا کہ انھوں نے بچپن میں میری پرورش و پرداخت کی ہے، معلوم ہوا کہ بیٹے کی دعا والدین کے لیے مفید ہے ایک انسان کا عمل دوسرے انسان کے لیے نفع بخش ہے تب تو خدا نے اولاد کو والدین کے حق میں دعا کا حکم فرمایا، اسی طرح ارشاد ربانی ہے کہ فرشتے مومنین کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں، حدیث میں ہے کہ رسول خدا ﷺ نے دو مینڈھے کی قربانی کی، ایک اپنی طرف سے اور ایک امت کی طرف سے، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عبادت مالی میں نیابت درست ہے، یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ جو قبرستان سے گذرے اور گیارہ مرتبہ قل ہو اللہ احد پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخش دے تو اسے اس کا ثواب بقدر مردوں کے دیا جائے گا ایک مرتبہ حضرت انسؓ نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ! ہم خیرات کرتے ہیں اپنے مرنے والوں کی طرف سے حج کرتے ہیں ان کے لیے دعاء کرتے ہیں، کیا یہ سب ان کو پہنچتا ہے، فرمایا ہاں انھیں پہنچتا ہے وہ اس سے خوش ہوتے ہیں، ایک دفعہ آپ نے فرمایا تم اپنے مرنے والوں کے لیے سورۂ یٰسین پڑھا کرو۔ ان تمام سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال صالحہ کا ثواب مردوں کو ملتا ہے)

ایک اشکال کا جواب قرآن میں ایک آیت ہے وَ اَنْ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلاَّ مَا سَعٰى کہ انسان کو خود اپنا کیا کام آتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے اس کی مراد یہ ہے کہ انسان کو غیر کے عمل سے اس وقت تک کچھ نہیں ملتا ہے جب تک وہ اس کے لیے نہیں بخشے۔ جیسا کہ صاحب فتح القدیر نے اس کو ثابت کیا ہے یا اس آیت میں لام کو علیٰ کے

معنی میں لیا جائے، تو مطلب یہ ہو جائے گا کہ انسان کو اپنے عمل کے سوا کوئی اور چیز مضر نہیں، تو یہاں مضرت کی نفی ہو گی، منفعت کی نہیں، اور لام علیٰ کے معنی میں کبھی آتا ہے جیسے لہم اللعنۃ میں (امام مالکؒ اور امام شافعیؒ بھی اس کے قائل ہیں کہ مالی عبادت اور حج کا ثواب دوسرے کو پہنچتا ہے) معتزلہ البتہ اس کے قائل نہیں ہیں اور وہ اسی اوپر والی آیت سے استدلال کرتے ہیں جس کا جواب اوپر مذکور ہو چکا، اس کا ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ اس آیت میں انسان سے مراد کافر ہے اور بھی بہت سے جوابات دیئے گئے ہیں یہاں اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔)

عبادت مالیہ میں نیابت

عبادت مالیہ جیسے زکوٰۃ، کفارہ، صدقہ فطر، عشر، یہ سب مکلف کی طرف سے نیابت کو قبول کرتی ہیں، قدرت کے وقت بھی اور مجبوری کے وقت بھی، اگرچہ نائب ذمی کافر ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ بنیادی چیز موکل کی نیت ہے اُسی کا اعتبار ہے۔ خواہ اس نے وکیل کو دیتے وقت نیت کی ہو (عبادت مالی میں ایک طرف دولت والے کی آزمائش ہے کہ اللہ کا دیا ہوا مال اس کے حکم سے اس کے بندوں پر خرچ کرتا ہے یا نہیں۔ دوسری طرف غریب، مسکین، محتاج اور ضرورت مند انسانوں کی مدد و اعانت ہے کہ اس کی ضرورت اس کے ذریعہ پوری ہوتی ہے، یہ بات نائب کے ذریعہ بھی ہو سکتی ہے یہ درست ہے کہ عبادت بلا نیت صحیح نہیں ہے اور کافر ذمی نیت کی اہلیت سے خالی ہے لیکن پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اصل اعتبار موکل کی نیت کا ہوتا ہے۔ نائب تو صرف پہنچانے والا ہے، اب نائب بنانے والا یا تو جس وقت نائب کے حوالہ کر رہا ہے اسی وقت نیت کر لے، یا پھر جس وقت اس کا نائب محتاج و مستحق کو دینے لگے اس وقت نیت کرے۔ یا اس کے درمیان میں کرے)

والبدنية كصلوة و صوم لا تقبلها مطلقا والمركبة منهما كحج الفرض تقبل النيابة عند العجز فقط لكن بشرط دوام العجز الى الموت لانه فرض العمر حتى تلزم الاعادة بزوال العذر و بشرط نية الحج عنه اى عن الآمر فيقول احرمت عن فلان و لبيت عن فلان ولو نسي اسمه فنوى عن الآمر صح و تكفي نية القلب هذا اى اشتراط دوام العجز الى الموت اذا كان العجز كالحبس والمرض يرجى زواله اى يمكن وان لم يكن كذلك كالعمى والزمانة سقط الفرض بحج الغير عنه فلا اعادة مطلقا سواء استمر ذلك العذر به ام لا ولو احج عنه وهو صحيح ثم عجز واستمر لم يجزه لفقد شرطه

عبادت بدنیہ

باقی عبادت بدنیہ جیسے نماز، روزہ یہ مطلقاً نیابت کو قبول نہیں کرتی ہے، نہ قدرت میں اور نہ عاجز ہونے کے وقت کیونکہ عبادات بدنیہ کا منشا اصلی یہ ہے کہ افعال مخصوصہ کے ذریعہ روح بدن دونوں مشقت برداشت کریں، تاکہ اس سے قلب و روح کا تزکیہ ہو، اور اس میں روشنی اور صفائی آئے، اور اللہ تعالیٰ سے نزدیکی حاصل ہو، یہ چیزیں نائب کے فعل سے حاصل نہیں ہو سکتی ہیں جب تک خود آدمی نہ کرے، اور اس حدیث کا جس میں فرمایا گیا کہ کوئی کسی کی طرف سے نہ روزہ رکھے، اور نہ نماز پڑھے، اس کا مطلب یہی ہے، یعنی دوسرے کے ادا کرنے سے اس کی طرف سے یہ فریضہ ادا نہیں ہوگا اور وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوگا۔ البتہ نفل میں ایسا ہو سکتا ہے، چنانچہ حدیث میں آیا بھی ہے کہ اولاد

والدین کے لیے نفل نماز پڑھے اور نفل روزہ رکھے۔

مرکب عبادت مالیہ و بدنیہ اور جو عبادت مال اور بدن دونوں سے مرکب ہوتی ہے جیسے فرض حج، یہ نیابت قبول کرتی ہے مگر صرف اس وقت جب کوئی خود عاجز ہو، ادانہ کر سکتا ہو۔ یہ بات ظاہر ہے کہ طواف، وقوف عرفہ اور دوسرے افعال مخصوصہ ادا کرنے کا نام حج ہے مال اس کی حقیقت میں داخل نہیں ہے، لیکن مکہ مکرمہ تک پہنچنے میں زاد و راحلہ ضروری ہے بغیر اس کے وہاں تک پہنچ نہیں سکتا اس لیے مال کو اس کا جز مان لیا گیا ہے۔ اگر آدمی میں جانے آنے کی قدرت ہو تو نیابت جائز نہیں، ہاں جب خود مجبور ہو البتہ مال میں نیابت درست ہے۔

حج میں نیابت کی شرائط حج میں بوقت مجبوری نیابت جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس کی مجبوری ایسی ہو کہ موت تک ختم ہونے والی نہ ہو، اگر یہ مجبوری دائمی قسم کی نہیں ہے تو نیابت جائز نہیں ہوگی، کیونکہ حج تمام عمر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے، حتی کہ زندگی میں مجبوری جب زائل ہو جائے گی تو نائب سے کرانے کے باوجود اس کو پھر بطور خود حج کرنا ہوگا، کیونکہ اس کی مجبوری موت تک باقی نہیں رہی، درمیان میں جارتی رہی۔

اور یہ بھی شرط ہے کہ نائب اپنی طرف سے نہیں بلکہ اپنے نائب بنانے والے آمر کی طرف سے حج کرے، چنانچہ وہ احرام باندھتے وقت کہے گا کہ میں نے فلاں کی طرف سے احرام باندھا اور اسی کی طرف سے لبیک کہا، اگر آمر کا نام بھول جائے تو اس کی نیت کرے صحیح ہو جائے گا۔ اور نیت دل میں کرنا کافی ہے زبان سے کہنا لازم نہیں۔

دائمی مستقل مجبوری موت تک عاجزی و مجبوری کا شرط ہونا اس وقت ہے کہ جب مجبوری جیسے قید ہونا یا بیمار ہونا زوال پذیر ہو یعنی امید ہو کہ یہ عاجزی و مجبوری جاتی رہے گی اور اگر ایسی مجبوری ہو کہ اس کے زائل ہونے کی توقع نہ ہو جیسے اندھا ہونا، لولا ہونا تو غیر کے اس کی طرف سے حج کر لینے سے اس کے ذمہ سے فرض ساقط ہو جائے گا، اس میں اعادہ یعنی حج دوبارہ کرنا مطلقاً لازم نہیں ہے وہ عذر برابر قائم رہے، یا نہ رہے۔ اس لیے کہ یہ لازم مجبوری موت کی جگہ ہے۔

تندرست کا حج بدل کرانا اگر ایک تندرست آدمی نے اپنی طرف سے دوسرے شخص سے حج کروا لیا، پھر وہ واقعی مجبور ہو گیا اور اس کی مجبوری قائم رہ گئی، تو یہ پہلا بذریعہ نائب کرایا ہوا حج اس کی طرف سے جائز نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس وقت اس کی شرط نہیں پائی گئی تھی جس کی وجہ سے نیابت کی اجازت ہے، زیادہ سے زیادہ اس کو نفل حج کا ثواب مل جائے گا۔

و بشرط الامر به ای بالحج عنه فلا يجوز حج الغير بغير اذنه الا اذا حج او احج الوارث عن مورثه لوجود الامر دلالة و بقی من الشرائط النفقة من مال الآمر كلها او اكثرها وحج المأمور بنفسه و تعيينه ان عينه فلو قال يحج عنی فلان لا غير لم يجز حج غيره ولو لم يقل لا غيره جاز و اصلها فی اللباب الی عشرين شرطا منها عدم اشتراط الاجرة فلو استأجر رجلا بان قال استأجرتك علی ان تحج عنی بكذا لم يجز حجه عنه و

الما يقول امرتك ان تحج عنى بلا ذكر اجارة ولو انفق من مال نفسه او خلط النفقة بماله وحج وانفق كله او اكثره جاز و برئ من الضمان و شرط العجز المذكور للحج الفرض لا النفل لاتساع بابه ويقع الحج المفروض عن الآمر على الظاهر من المذهب و قيل عن المامور نفلا و للآمر ثواب النفقة كحج النفل

حج بدل کا حکم دینا نیابت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اپنی طرف سے حج کرانے والا نائب کو اپنی طرف سے حج کرنے کا حکم دے، لہٰذا اگر کوئی لڑکا اپنے باپ کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر حج کرے تو یہ حج جائز نہیں ہوگا، البتہ اس وقت جائز ہوگا جب وارث خود حج کرے یا اپنے مورث کی طرف سے وہ دوسرے سے حج کرائے، اس لیے کہ اس صورت میں مورث کی طرف سے دلالۃً حکم پایا جائے گا، کیونکہ وارث مورث کے مال میں تصرف کرنے والا ہوا، تو گویا مورث نے اس سے کہا کہ تو میرے اوپر سے فرض حج ادا کردے۔

حج بدل کے اخراجات ایک شرط یہ ہے کہ حج کے کل اخراجات اُس کے مال سے ادا کیے جائیں جس کی طرف سے حج کرایا جارہا ہے یا کل نہیں تو اکثر حصہ اس کے مال سے ادا ہو، لہٰذا اگر کوئی حج بدل کرنے والا خود اپنے مال سے کسی کی طرف سے بطور احسان حج کردے تو اس کی طرف سے حج ادا نہ ہوگا۔

حج بدل کرنے والے کا تعین حج بدل کرنے والے کا بطور خود متعین ہونا مشروط ہے اگر حکم دینے والے نے اس کو متعین کردیا ہو، اور اگر آمر نے اس طرح کہا کہ زید میری طرف سے حج کرے اس کے سوا دوسرا نہ کرے، تو اس صورت میں دوسرے کا اس کی طرف سے حج کرنا جائز نہیں ہوگا اور اگر اس نے ایسا نہیں کہا ہے یعنی یہ نہیں کہا ہے کہ غیر نہ کرے تو جائز ہوگا۔

حج بدل کا ٹھیکہ لباب المناسک نامی کتاب میں نیابت حج کے لیے شرائط کی تعداد بیس تک پہنچادی ہے ان میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ نیابت میں اجرت مشروط نہ ہو، پس اگر کسی نے کسی کو ٹھیکہ پر دیدیا کہ اتنے روپے میں تم میری طرف سے حج کردینا، تو یہ حج درست نہیں ہوگا۔ اس کو اس طرح کہنا چاہیے میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ تم میری طرف سے حج ادا کردو۔ اجرت کا ذکر اس میں نہ لائے۔

اگر حج بدل کرنے والا اپنے مال سے کچھ خرچ کردے یا اپنا کچھ مال آمر کے مال میں ملادے، اور پھر ان تمام کو خرچ کرلے یا آمر کے مال کا اکثر حصہ خرچ کرے تو یہ جائز ہے اور مامور وحج بدل کرنے والا ضمانت سے بری ہوجائے گا۔

حج نفل میں نیابت حج بدل میں عاجز ہونے کی جو شرط بیان کی گئی ہے، یہ فرض حج کے لیے ہے، نفل حج میں حج بدل کے لیے یہ شرط نہیں ہے اس میں وسعت ہے آمر قادر ہونے کے باوجود اپنی طرف سے حج بدل کرواسکتا ہے۔

حج بدل سے آمر کے فریضہ کی ادائیگی حج بدل کے ذریعہ جو فرض ادا ہوتا ہے وہ آمر کی طرف سے ہوتا ہے جس نے اپنی طرف سے کرایا ہے۔ ظاہر مذہب یہی ہے اور

ایک ضعیف قول یہ ہے کہ یہ حج مامور کی طرف سے نفل حج ہوتا ہے اور آمر کو نفقہ اور اخراجات کا ثواب مل جاتا ہے، جیسے نفل حج میں ہوا کرتا ہے، یہ اخیر قول امام محمدؒ کا ہے مگر یہ بات متفق علیہ ہے کہ اس سے آمر کا حج فرض ساقط ہو جاتا ہے اور مامور سے حج فرض ساقط نہیں ہوتا۔

حج بدل کا تذکرہ احادیث میں

(حدیث میں ہے کہ حجۃ الوداع میں ایک عورت خثعم قوم کی آئی اس نے رسول خدا ﷺ سے دریافت کیا یارسول اللہ! میرے باپ پر حج فرض ہے مگر وہ بہت بوڑھا کمزور ہے اتنی طاقت نہیں ہے کہ اونٹ پر جم کر بیٹھ سکے، کیا میں اس کی طرف سے حج کر دوں، آپ نے ارشاد فرمایا ہاں کر دو۔ ایک دوسری روایت ہے کہ خدمت نبویؐ میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ! میری بہن نے حج کی نذر مان رکھی تھی، سو وہ انتقال کر گئی۔ آپ نے اس سے دریافت فرمایا اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کی طرف سے ادا نہیں کرتے؟ اس نے کہا ہاں ضرور ادا کرتا، ارشاد فرمایا تو اب تم خدا کا قرض بھی ادا کر دو کہ وہ اس کا زیادہ مستحق ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ حج بدل اس کی طرف سے ادا ہوتا ہے جس نے اپنی طرف سے حج کرنے کے لیے بھیجا ہے، جو گیا اس کی طرف سے ادا نہیں ہوتا۔

لكنه يشترط لصحة النيابة اهلية المأمور لصحة الافعال ثم فرع عليه اولاً بقوله فجاز حج الضرورة بمهملة من لم يحج والمرأة ولو امة والعبد وغيره كالمراهق وغيرهم اولى لعدم الخلاف ولو امر ذميا او مجنونا لا يصح و اذا مرض المأمور بالحج فى الطريق ليس له دفع المال الى غيره ليحج ذلك الغير عن الميت الا اذا اذن له بذلك بان قيل له وقت الدفع اصنع ما شئت فيجوز له ذلك مرض اولا لانه صار وكيلا مطلقا خرج المكلف الى الحج و مات فى الطريق و اوصى بالحج عنه انما تجب الوصية به اذا اخره بعد وجوبه اما لو حج من عامه فلا فان فسر المال او المكان فالامر عليه اى على ما فسره والا فيحج عنه من بلده قياسا لا استحسانا فليحفظ فلو احج عنه الوصى من غيره لم يصح ان وفى به اى بالحج من بلده ثلثه و ان لم يف به فمن حيث يبلغ استحسانا وللوصى الميت او وارثه ان يسترد المال من المأمور مالم يحرم ثم ان رده لخيانة منه فنفقة الرجوع فى ماله والا ففى مال الميت

حج بدل میں جانے والے کا اہل ہونا

جو شخص حج بدل میں جائے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کا اہل ہو تب اس کے افعال حج درست ہوں گے اور وہ اس کے لائق ہو سکے گا مثلاً مسلمان ہونا، عاقل ہونا، چنانچہ جو شخص اہل ہے گو اس نے حج نہیں کیا ہے تو بھی وہ حج بدل میں بھیجا جا سکتا ہے۔ اسی طرح حج بدل میں عورت بھی جا سکتی ہے، اور غلام وغیرہ بھی جیسے وہ نابالغ جو قریب البلوغ ہو اس کا بھی حج بدل میں جانا درست ہے۔ اور ان کے علاوہ دوسرے کا حج بدل میں بھیجنا اور جانا اولیٰ تاکہ اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف باقی نہ رہے۔

(علماء نے لکھا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ حج بدل میں وہ شخص بھیجا جائے جو آزاد ہو، عاقل و بالغ ہو اور افعال حج سے واقف اور حج کا طریقہ جانتا ہو اور فرض حج اپنی طرف سے کر چکا ہو)

حج بدل کرنے والے کا اپنی جگہ دوسرے کو بھیجنا

اگر کسی نے کسی ذمی یا پاگل کو اپنی طرف سے حج بدل میں بھیجا تو یہ درست نہیں ہوگا کیونکہ ان میں اہلیت نہیں پائی جاتی ہے اگر حج بدل میں جانے والا راستہ میں بیمار ہو جائے تو اُس کا از خود کسی دوسرے کو مال دینا جائز نہیں ہے کہ وہ اس کی میت کی طرف سے حج بدل کر دے۔ البتہ اُس وقت وہ ایسا کر سکتا ہے جب کہ مال دیتے وقت حج بدل کرانے والے نہ کہہ دیا ہو کہ تمہارا جس طرح جی چاہے کرنا، اس صورت میں اس کے لیے غیر سے حج کروانا درست ہے، خواہ وہ بیمار ہو یا نہ ہو، اس لیے کہ اس مطلق اجازت سے وہ اس کا وکیل مطلق ہو گیا، خواہ جس کی طرف سے وہ حج بدل ہو رہا ہے وہ زندہ ہو یا مردہ۔

مرنے والے کی حج کی وصیت

ایک عاقل بالغ مسلمان حج کے لیے روانہ ہوا اور مکہ جاتے ہوئے راستہ میں انتقال کر گیا اور اس نے وصیت کر دی کہ میری طرف سے حج کروا دینا۔ شارح کہتا ہے کہ حج کی وصیت اس پر اُس وقت واجب ہے جب حج کے واجب ہونے کے بعد اس نے حج کی ادائیگی میں تاخیر کی ہو۔ اور اگر وہ اسی سال حج کو چلا ہے، جس سال اس پر فرض ہوا ہے تو اس پر حج کی وصیت کرنا واجب نہیں۔

حج بدل کہاں سے ہو

اگر مرنے والے نے وصیت میں مال یا جگہ کی تفصیل بیان کر دی ہے کہ اتنے مال سے یا فلاں جگہ سے حج کیا جائے تو اس کے مطابق عمل کرنا ہوگا اور اگر اس نے اس طرح متعین نہیں کیا ہے تو اس کی طرف سے اس کے شہر سے حج کیا جائے، قیاس یہی چاہتا ہے گو استحسان کا تقاضہ نہیں لیکن یہاں قیاس ہی مقدم رکھا جاتا ہے، قیاس یہ کہتا ہے کہ جب حج کو چلنے والا راستہ میں فوت ہو گیا اور نہ پہنچ سکا تو اس کا یہ سفر حج کے حق میں کالعدم قرار پائے گا گو اس کو اس کا ثواب ضرور ملے گا، کہ وہ حج کی نیت سے چلا تھا، لہٰذا اب حج اس کی طرف سے از سر نو اس کے وطن سے ہونا چاہیے، اور استحسان یہ ہے کہ جہاں اس کی موت ہوئی ہے وہاں سے سفر شروع ہو جانا چاہیے، اس لیے کہ وہ اتنا راستہ خود طے کر چکا ہے، اسے رائیگاں نہیں جانے دینا چاہیے۔

لہٰذا اگر وصی میت کی طرف سے اس کے شہر کے علاوہ دوسری جگہ سے حج کرا دے تو یہ صحیح نہیں ہے، میت کے شہر سے حج بدل کیا جائے اگر میت کا ثلث (تہائی) مال اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے، اور اگر تہائی مال اس کے لیے کافی نہ ہو تو پھر جہاں سے پہنچ سکے وہاں سے حج کیا جائے استحسان کا تقاضا یہی ہے۔

مال کی واپسی

میت کے وصی یا اس کے وارث کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اُس شخص سے مال واپس لے لے جس کو حج بدل کے لیے دیا تھا، مگر یہ واپسی اسی وقت تک درست ہے جب تک اس نے احرام نہ باندھا ہو، جب وہ احرام باندھ چکے گا تو پھر کسی کے لیے مال کا واپس لینا جائز نہیں ہوگا، اگر حج بدل کرنے والے کی خیانت کی وجہ سے مال واپس لیا ہے تو پھرنے کا خرچ اس شخص کے مال سے ہوگا، جو حج بدل میں جا رہا تھا اور اگر خیانت کی وجہ سے یہ واپسی نہیں ہوئی ہے کسی اور وجہ سے ہے تو واپس ہونے کے اخراجات میت کے مال سے لیے جائیں گے۔

اوصی بحج فتطوع عنہ رجل لم یجزہ و ان امرہ المیت لانہ لم یحصل مقصودہ و ھو

ثواب الانفاق لکن لوحج عنه ابنه لیرجع فی الترکة جاز ان لم یقل من مالی و کذا لو احج لا یرجع کالدین اذا قضاه من مال نفسه ومن حج عن کل من امر به وقع عنه ضمن ما لهما لانه خالفهما ولا یقدر علی جعله عن احدهما لعدم الا ولویة و ینبغی صحة التعیین لو اطلق الاحرام ولو ابهمه فان عین احدهما قبل الطواف والوقوف جاز بخلاف ما لو اهل بحج عن ابویه او غیرهما من الاجانب حال کونه متبرعا فعین بعد ذلك جاز لانه متبرع بالثواب فله جعله لاحدهما اولهما و فی الحدیث من حج عن ابویه فقد قضی عنه حجته و کان له فضل عشر حجج و بعث من الابرار

اپنی طرف سے حج بدل

ایک شخص نے وصیت کی کہ اس کی طرف سے حج بدل کرادیا جائے، دوسرے کسی شخص نے بطور احسان اپنے اخراجات سے اس کی طرف سے حج بدل کردیا، میت کے مال سے اس نے نہیں لیا، تو میت کے ذمہ سے اس کا فرض ساقط نہیں ہوگا، اگرچہ میت نے اس کو حج کرنے کا حکم بھی دیا ہو، اس لیے کہ اس طرح اس کا مقصد حاصل نہیں ہوا، کیونکہ مقصد مال کے خرچ کا ثواب حاصل کرنا تھا، وہ اسے حاصل نہیں ہوا۔

حج بدل والد کی طرف سے

لیکن باپ کی وصیت پر اس کی طرف سے اگر اس کے بیٹے نے اپنے روپے سے حج کیا، اور یہ ارادہ کیا کہ میت کے ترکہ سے وہ خرچ کے روپے لے لیگا، تو یہ حج بدل درست ہوگا اور میت کا فرض ادا ہو جائے گا۔ بشرطیکہ باپ نے یہ نہ کہا ہو کہ میرے مال سے حج کرنا، اور اگر میت نے وصیت کی اس کی طرف سے حج کرایا جائے پھر وارث نے اپنے مال سے باپ کی طرف سے حج کرادیا۔ گو یہ اقرار نہیں تھا کہ اس کے متروکہ سے وہ اپنے روپے واپس لے لیگا تو اس سے بھی باپ کا فریضہ ادا ہو جائے گا جیسے قرض ہو اور اس کو کوئی اپنی طرف سے ادا کردے۔

دو شخصوں کی طرف سے حج بدل

اگر کسی نے ایک ہی سال دو شخصوں کی طرف سے حج بدل کیا تو یہ حج کرنے والے کا نفل حج ہوگا، اور جن دونوں سے مال لیا ہے اُسے واپس کرے گا، کیونکہ اس نے ان کی مخالفت کی، اس لیے کہ ان ۲ں سے ہر ایک کو بلا شرکت غیرے حج کرانا مقصود تھا اور حج بدل کرنے والا اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ اس حج کو کسی ایک کی طرف سے قرار دے اس لیے کہ دونوں میں سے کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا ہے۔

اگر اس نے احرام میں کسی کا نام نہیں لیا ہے تو اس کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو متعین کردے لیکن اگر کسی کا مبہم ذکر کیا ہے کہ ایک حکم دینے والے کی طرف سے لبیک کہتا ہوں، پھر طواف اور وقوف سے پہلے کسی کو متعین کردے گا تو اس کا متعین کرنا جائز ہوگا۔

بطور احسان والدین کی طرف سے حج بدل

سابق مسئلہ کے خلاف یہ مسئلہ ہے کہ ایک شخص نے بطور احسان بلا وصیت اپنے والدین کی طرف سے حج کیا، یا ان کے علاوہ دوسرے اجنبی شخص کی طرف سے کیا اور اپنے مال سے کیا اور بعد میں اس نے ایک کو متعین کرلیا تو یہ جائز ہے، اس وجہ سے کہ یہ شخص بنا عوض مالی ثواب دوسرے کو بخشنے والا ہے، لہٰذا اس کو حق پہنچتا ہے کہ جس کو پسند کرے بخش دے ایک کو دے یا

دونوں کو، کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص نے اپنے والدین کی طرف سے حج کیا تو اس نے اپنی طرف سے اپنا حج ادا کیا اور اس کو دس حج کا ثواب ملے گا اور قیامت کے دن یہ شخص نیکوں میں اٹھایا جائے گا۔

والدین کی طرف سے حج کی فضیلت

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے باپ اور اپنی ماں کی طرف سے حج کرے تو اس نے اپنا حج ادا کیا اور اس کے لیے دس حج کی زیادتی ہوگی اور زید بن ارقم صحابیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب کسی نے اپنے والدین کی طرف سے حج کیا تو یہ حج اس کی طرف سے بھی قبول ہوگا اور اس کے والدین کی طرف سے بھی، اور دونوں کی روحیں خوش ہوں گی اور خدا کے یہاں یہ شخص نیکوکار لکھا جائے گا۔ اور ایک صحابی راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے والدین کی طرف سے حج ادا کرے گا یا وہ ان کا قرض ادا کرے گا تو قیامت کے دن وہ صالحین کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

وارث کا حج بدل کرنا

اگر مرنے والے نے وصیت کی ہے کہ اس کے مال سے حج کرایا جائے اور وارث نے اپنے مال سے حج کیا، تو مورث کی طرف سے فرض ادا نہ ہوگا اور اگر فقط یہ کہا تھا کہ اس کی طرف سے حج کردیا جائے اور وارث نے اپنے مال سے خود اس کی طرف سے حج کیا یا دوسرے سے کرایا بغیر مال کی واپسی کی شرط کے تو میت کی طرف سے فرض ادا ہو جائے گا۔

ودم الاحصار لا غیر علی الآمر فی ماله و لو میتا قیل من الثلث و قیل من الکل ثم ان فاته لتقصیر منه ضمن و ان بآفة سماویة لا ودم القران والتمتع والجنایة علی الحاج ان اذن له الآمر بالقران والتمتع والا فیصیر مخالفا فیضمن وضمن النفقة ان جامع قبل وقوفه فیعید بمال نفسه وان بعده فلا لحصول المقصود

دم کے اخراجات

احصار کا دم حج بدل کرنے والا اس کے مال سے دے گا جس کی طرف سے حج کر رہا ہے کو وہ مرچکا ہو جس کی طرف سے وہ حج بدل کر رہا ہے، دم کے سلسلہ میں بعضوں نے کہا میت کے تہائی مال سے خرچ کرے گا اور بعضوں نے کل مال سے کہا اور میت و آمر پر احصار کے سوا کوئی دوسرا دم لازم نہیں ہے، پھر اگر حج فوت ہو گیا اور یہ حج بدل کرنے والے کی کوتاہی اور سستی سے ہوا، تو وہ مال کا ضامن ہوگا، اور اگر کسی آسمانی آفت کی وجہ سے حج فوت ہوا ہے تو پھر حج بدل کرنے والا مال کا ضامن نہیں ہوگا۔

قران، تمتع اور جنایات کا دم حج بدل کرنے والے پر ہوگا جس کی طرف سے حج کر رہا ہے اس کی طرف واجب نہیں ہے، البتہ جب حج کرانے والے نے قران اور تمتع کا حکم دیا ہو، تو اسی پر واجب ہوگا، اور اگر اس نے اجازت نہیں دی تھی، تو پھر حج بدل میں قران کر کے اس نے اس کی مخالفت کی، لہٰذا وہ خود ضامن ہوگا۔

حج بدل کرنے والے کا حج کو فاسد کرنا

حج بدل کرنے والے نے اگر وقوف عرفات سے پہلے جماع کر لیا اور اس طرح حج کو فاسد کر لیا تو دوسرے سال اس کو اپنے مال سے اس کی طرف سے حج کرنا ہوگا، اور اگر اس نے وقوف عرفات کے بعد جماع کیا تو پھر دوبارہ حج اپنی طرف سے نہیں کرنا ہوگا۔ اس لیے

کہ اس صورت میں حج فاسد نہیں ہوا۔ حج ادا ہو گیا، دم البتہ دینا ہو گا وہ حج بدل کرنے والا اپنے مال سے دے گا۔

وان مات المأمور او سرقت نفقته فی الطریق قبل وقوفه حج من منزل آمره بثلث ما بقی من ماله فان لم یف فمن حیث یبلغ فان مات او سرق ثانیا حج من ثلث الباقی بعدها هکذا مرة بعد اخری الی ان لایبقی من ثلثه ما یبلغ الحج فتبطل الوصیة قلت وظاهره انه لا رجوع فی ترکة المأمور فلیراجع لا من حیث مات خلافا لهما وقولهما استحسان

حج بدل والے کی موت یا مال کی چوری

جو شخص حج بدل کرنے جارہا تھا اگر وہ راستہ میں مرجائے یا اس کا مال (نان نفقہ) چوری ہو جائے اور یہ وقوف عرفات سے پہلے ہو تو پھر آمر کے مابقیہ تہائی مال سے اس کے وطن سے حج کیا جائے گا اگر مال اتنا نہ ہو جو گھر سے لے کر وہاں تک کافی ہو سکے تو پھر وطن کے بجائے جہاں سے کافی ہو سکے وہاں سے کیا جائے گا، پھر اگر دوسری دفعہ بھی جس کو حج بدل کے لیے بھیجا گیا ہے مرجائے یا اس کا مال چوری ہو جائے، تو پھر میت کے باقی مال کے تہائی سے دوسری دفعہ حج کیا جائے گا، اسی طرح تیسری اور چوتھی بار حادثہ پیش آنے میں حج کروایا جائے گا تا آنکہ مال متروکہ تہائی سے اس قدر باقی نہ رہ جائے جس سے حج ہو سکے تو وصیت باطل ہو جائے گی۔

شارح کہتا ہے کہ متن کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حج بدل کرنے والے کے ترکہ سے جو حج نہیں کر سکا وصول نہیں کیا جائے گا۔

اگر حج بدل کو جانے والا راستہ میں انتقال کر جائے تو اس صورت میں آمر (جس کی طرف سے حج کیا جارہا ہے) کے وطن سے دوبارہ حج کیا جائے گا اس جگہ سے نہیں جہاں اس نے انتقال کیا ہے، صاحبین کا قول اس کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں جہاں انتقال ہوا ہے وہاں سے حج ہوگا۔ فتویٰ امام اعظمؒ کے قول پر ہے۔

فروع یصیر مخالفا بالقران والتمتع کما مر لا بالتاخیر عن السنة الاولی و ان عینت لانه للاستعجال لا للتقیید والافضل ان یعود الیه و علیه رد ما فضل من النفقة و ان شرط له فالشرط باطل الا ان یوکله بهبة الفضل من نفسه او یوصی المیت به لمعین ولو ارثه ان یسترد المال من المأمور مالم یحرم و کذا ان احرم و قد دفع الیه لیحج عنه وصیه فاحرم ثم مات الآمر و للوصی ان یحج بنفسه الا ان یأمره بالدفع او یکون وارثا ولم تجز البقیة ولو قال منعت و کذبوه لم یصدق الا ان یکون امراً ظاهراً ولو قال حججت و کذبوه صدق بیمینه الا اذا کان مدیون المیت و قد امر بالانفاق و لا تقبل بینتهم انه کان یوم النحر بالبلد الا اذا برهنا علی اقراره انه لم یحج.

حج بدل میں افراد سے سال کی تعیین ضروری نہیں

حج بدل کرنے والا اگر افراد کے بجائے قران یا تمتع کرے گا تو وہ مخالفت کرنے والا ہوگا جیسا کہ پہلے

بھی یہ گذر چکا۔ لیکن اگر وہ سال اول کے بجائے دوسرے تیسرے سال کرے گا یعنی اس میں تاخیر کرے گا تو اس سے مخالفت کرنے والا نہیں کہا جائے گا۔ اگرچہ آمر نے سال اول کو متعین کر دیا ہو، اس لیے کہ یہ تعیین دراصل جلدی کے لیے ہوتی ہے مقید کرنا اس کا منشاء نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ فرض کے ادا ہونے میں سب سال برابر ہیں، لیکن پہلے سال افضل ہے، کہ پتہ نہیں مال کم پڑ جائے یا کوئی ایسی بات پیش آجائے جس سے ادائیگی میں خلل واقع ہو۔

واپسی اور فاضل مال

حج بدل کرنے والے کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ حج کر کے آمر کے وطن واپس آئے مکہ میں یا کہیں قیام نہ کرے تاکہ آمر کو آمد و رفت دونوں کا ثواب مل سکے، اور مال میں سے جو بچ رہے وہ اس کے وارث یا وصی کو واپس دیدے، اگر مامور (حج بدل کرنے والے) نے فاضل مال کی اپنے لیے شرط کر لی ہو، تو یہ شرط باطل قرار پائے گی۔ البتہ جب آمر نے فاضل مال کے لیے اس کو ہبہ کا وکیل بنادیا ہو تو پھر واپس کرنا اس کے ذمہ نہیں ہے۔ یا فاضل مال کی کسی کے لیے یا خود اس کے لیے وصیت کر دی ہو۔ تب بھی وارث کو واپس کرنا نہیں پڑے گا۔ یا وارث اپنی خوشی سے بچا ہوا مال حج بدل کرنے والے کو دیدے بہرحال حج بدل کرنے والے کو اس مال میں سے صرف اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کا اختیار ہوتا ہے، جتنے میں وہ آرام سے سفر کر سکے۔

حج بدل والے سے حج سے پہلے مال کی واپسی

میت کے وارث کے لیے یہ جائز ہے کہ جب تک حج بدل کرنے والے نے حج کا احرام نہیں باندھا ہے حج کے لیے جو مال اُسے دیا گیا ہے اس سے واپس لے لے، دوسری صورت لینے کی احرام کے بعد بھی ہے اور وہ یہ کہ وارث نے میت کی طرف سے حج بدل کے لیے مال میت کی وصیت کے بغیر دیا تھا اور کہا تھا کہ تم فلاں کی طرف سے حج کر دو، پھر جس نے یہ مال دیا تھا وہ مر گیا تو اس کے وارث احرام کے بعد بھی مال واپس لے سکتے ہیں۔

وصی کا حج بدل میں جانا

خود وصی کے لیے بھی حج بدل میں جانا درست ہے، البتہ جب آمر نے اس طرح کہا ہو کہ یہ مال تم حج بدل کے لیے دیدینا تو اب وہ خود نہیں جا سکتا ہے، یا خود وصی وارث ہو، اور میت کے دوسرے وارثان بھی ہوں اور دوسرے وارثان اس کے جانے کو پسند نہ کریں، تو بھی اس کے لیے جانا جائز نہیں ہوگا۔

حج بدل کرنے والے پر الزام

حج بدل کرنے والے نے کہا فلاں عذر کی وجہ سے میں حج کے لیے نہیں گیا اور وارثوں نے اس کو جھوٹا بتایا تو اس صورت میں حج بدل کرنے والے کے قول کی تصدیق نہیں کی جائے گی، اور اگر اس نے کچھ مال خرچ کیا ہوگا تو اس کو دینا ہوگا، لیکن اگر کوئی ایسا ظاہر معاملہ حج بدل کرنے والے کی شہادت میں ہو، جیسے حکومت نے اعلان کر دیا ہو کہ جہاز نہیں جائے گا، تو پھر اس کی بات کی تصدیق کی جائے گی۔

ایک صورت یہ پیش آئے کہ حج بدل کرنے والا کہے کہ، میں حج بدل کر کے آ گیا اور میت کے وارثین اس کی تکذیب کریں کہ یہ غلط کہتا ہے تو حج بدل والے کے بات کی تصدیق اس کی قسم کے بعد ہوگی، البتہ اُس وقت تصدیق نہیں ہوگی جب کہ حج بدل کرنے والا میت کا قرضدار ہو اور اس کو قرض میں خرچ کرنے کے لیے کہا گیا ہو۔

اگر میت کے وارثین اس بات پر گواہ پیش کریں یا ثبوت دیں کہ حج بدل کرنے والا قربانی کے دن دس ذی الحجہ کو فلاں شہر میں تھا تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ نفی پر گواہی مقبول نہیں ہے اور ان کا منشا حج بدل کرنے والے سے حج کی نفی

ہے۔ہاں اگر وارثین اس پر گواہ پیش کریں کہ وہ حج بدل کرنے والا خود اقرار کر رہا تھا کہ اس نے حج نہیں کیا ہے، تو یہ گواہی قبول کی جائے گی کیونکہ یہ اثبات کی گواہی ہے۔

باب الهدى

هو في اللغة والشرع ما يهدى الى الحرم من النعم ليتقرب به فيه ادناه شاة وهو ابل ابن خمس سنين به و بقر ابن سنتين و غنم ابن سنة ولا يجب تعريفه بل يندب في دم الشكر ولا يجوز في الهدايا الا ما جاز في الضحايا كما سيجيء فيصح اشتراك ستة في بدنة شريت لقربة و ان اختلفت اجناسها وتجوز الشاة في الحج في كل شيء الا في طواف الركن جنبا او حائضا و وطء بعد الوقوف قبل الحلق كما مر

قربانی کا جانور ذبح کے لیے حرم میں لیجایا جائے اس سے متعلق احکام و مسائل

ہدی لغت اور شریعت میں حج کے سلسلہ میں جو حلال جانور حرم محترم میں لے جاکر ذبح کیا جاتا ہے، اس کو کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب اس کی رضامندی حاصل ہو، اس قربانی کا سب سے معمولی جانور بھیڑ بکری ہے اور اعلیٰ قسم پانچ سالہ اونٹ ہے اور اوسط درجہ کا دو سالہ گائے بیل اور ادنیٰ ایک سالہ بھیڑ بکری۔

ہدی کا جانور اس جانور کا (گردن میں پٹہ ڈال کر یا کوہان چیر کر) عرفات میں لیجانا اور مشہور کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ شکریہ کی قربانی میں مشتہر کرنا اور عرفات میں لیجانا مستحب ہے۔ جو قران یا تمتع اور یا نفل میں ہوتا ہے، جنایات میں جو دم دیا جاتا ہے اس کا اخفاہی بہتر ہے، جیسے قضا نماز کا چھپ کر پڑھنا افضل ہے۔

حج کے سلسلہ کے جو جانور ذبح ہوتے ہیں ان کے لیے وہی شرائط ہیں جو قربانی کے جانوروں کے لیے بیان کی گئی ہیں چنانچہ جن جانوروں کی قربانی جائز ہوتی ہے ان کا حج کے سلسلہ میں ذبیحہ بھی درست ہے، تفصیل کتاب الاضحیہ میں آئے گی۔

اونٹ، گائے میں سات کی شرکت چنانچہ اس ہدی والے جانور اونٹ، گائے میں جو ثواب کی نیت سے خریدے جائیں ایک شخص کے لیے چھ مزید اشخاص کا شریک کر لینا جائز ہے، اگرچہ ثواب کی جنسیں مختلف ہوں، جیسے کوئی قران کے لیے کرے، کوئی تمتع کے لیے اور کوئی احصار کے لیے اس لیے کہ ثواب والی بات میں سب متحد ہیں، حج کی ہر قسم میں بھیڑ بکری کا ذبح کرنا جائز ہے۔ سوائے اُن صورتوں کے کہ کوئی طواف زیارت

جنابت، یا حیض ونفاس کی حالت میں کرلے یا وقوف عرفات کے بعد بال منڈانے سے پہلے وطی کرے، تو ان صورتوں میں بکری کا ذبح کرنا کافی نہیں ہوتا ہے، بلکہ ان صورتوں میں اونٹ یا گائے کا ذبح کرنا واجب ہوتا ہے، جیسا کہ باب الجنایات میں گذر چکا۔

ویجوز اکله بل یندب کالاضحیة من هدی التطوع اذا بلغ الحرم والمتعة والقران فقط ولو اکل من غیرها ضمن ما اکل و یتعین یوم النحر ای وقته وهو الایام الثلثة لذبح المتعة والقران فقط فلم یجز قبله بل بعده وعلیه دم و یتعین الحرم لاسنی للکل لا لفقیره لکنه افضل ویتصدق بجلاله و خطامه ای زمامه ولم یعط اجر الجزار ای الذابح منه فان اعطاه ضمنه اما لو تصدق علیه جاز ولا یرکبه مطلقا بلا ضرورة فان اضطر الی الرکوب ضمن ما نقص برکوبه وحمل متاعه و تصدق به علی الفقراء شرنبلالیة فان اطعم منه غنیا ضمن قیمته مبسوط

ہدی والے ذبیحہ کا گوشت

نفلی ذبیحہ (ہدی) کا گوشت کھانا جب وہ حرم پہنچ جائے اسی طرح مستحب ہے جیسے قربانی کا، اسی طرح قران وتمتع کا ذبیحہ کھانا بھی جائز ہے، ان تین کے سوا دوسرے ذبیحہ کا جتنا گوشت کھائے گا اس کی قیمت ادا کرے گا (نفلی ذبیحہ کا گوشت کھانا اسی وقت درست ہے جب وہ حرم پہنچ کر ذبح ہوا ہو اگر حرم بھیجنے سے پہلے وہ جانور ذبح کیا گیا ہو گا تو اس کا گوشت کھانا جائز نہیں ہو گا اس لیے کہ وہ صدقہ کے حکم میں ہو گا ہدی نہیں ہو گا۔

ہدی کا ذبیحہ

صرف تمتع اور قران کے ہدی کا قربانی کے تین دنوں۔ ۱۰-۱۱-۱۲/ ذی الحجہ کو ذبح کرنا متعین ہے، ان دنوں سے پہلے اس کا ذبح کرنا درست نہیں ہے، ہاں بارہویں کے بعد بھی ذبح ہو سکتا ہے مگر اس صورت میں تاخیر کرنے کے نتیجہ میں بطور جنایت دم دینا لازم ہو گا، ان دو (قران وتمتع) کے ہدی کے سوا دوسرے ہدی کے جانور کے لیے ایام قربانی مخصوص ومتعین نہیں ہیں، جیسے جنایات کا ہدی ہو، نذر کا ہو احصار کا ہو یا نفل کا ہو۔ یہ پہلے بھی ذبح ہو سکتے ہیں۔

ہدی کے گوشت کا صدقہ

ان تمام قسم کے ہدی (جانور) کے ذبح کے لیے حرم متعین ہے جہاں چاہے کرے منیٰ کی کچھ خصوصیت نہیں، اور ان جانوروں کے گوشت کا صدقہ کرنے کے لیے یہ واجب نہیں ہے کہ صرف حرم ہی کے محتاجوں پر تقسیم کیا جائے البتہ حرم کے مستحقوں کو دینا افضل ہے، ماحصل یہ ہے کہ حرم کے باہر کے محتاجوں کو بھی دیا جا سکتا ہے، اور ہدی کے جانور کی جھول اور اس کی نکیل وغیرہ کو بھی صدقہ کر دے حدیث میں اسی طرح آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے گوشت، جھول وکھال اور دوسری ساری چیزوں کے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا تھا یہ بھی فرمایا کہ قصاب کی مزدوری اس میں سے نہ دی جائے۔ چنانچہ مصنف نے بھی لکھا ہے۔

ہدی وغیرہ کے گوشت سے قصاب کو مزدوری میں کچھ نہ دیا جائے۔ اور اگر دے گا تو اس کو لازمی طور پر ضمان دینا پڑے گا لیکن اگر ان میں کوئی مستحق صدقہ ہو تو بطور صدقہ دینا جائز ہو گا۔

ہدی پر سوار ہونا

بلا ضرورت ہدی کے جانور پر سواری نہیں کی جائے گی۔ بعض حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم ہدی (جانور) پر سوار ہو لو، محدثین نے لکھا ہے کہ یہاں اس لیے آپ نے فرمایا اُس کو

میں موجود ہیں۔ چنانچہ نقل روایت میں ضرورت کی صراحت موجود بھی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا ضرورت سوار ہونا جائز نہیں ہے۔

ہدی کے نقصان پر ضمان اگر کوئی ہدی کے اوپر سوار ہونے پر مضطر ہو، اور اس کو سوار ہونا بھی پڑے اور اس کی سواری کی وجہ سے یا سامان لادنے کی وجہ سے ہدی میں کچھ نقصان ہوجائے تو اس کا اسے ضمان دینا ہوگا وہ اس ضمان والی رقم کو وہ محتاجوں پر صدقہ کردے۔ چنانچہ اگر اس ضمان میں سے کسی مالدار کو کھلادے گا تو اس کو اس کا ضمان دینا ہوگا۔ کذا فی المبسوط

ولا يحلبه وينضح ضرعها بالماء البارد لو الذبح قريبا والاحلبه و تصدق به و يقيم بدل هدى واجب عطب او تعيب بما يمنع الاضحية وضع بالعيب ماشاء ولو كان المعيب هدى تطوع نحره و صبغ قلادته بدمه و ضرب به صفحة سنامه ليعلم انه هدى للفقراء ولا يطعم هو ولا غنى منه لعدم بلوغه محله

ہدی کا دودھ ہدی کا دودھ نہیں دوہے گا، بلکہ ٹھنڈے پانی کا اس کے تھن پر چھینٹا مارے گا، تاکہ دودھ نکلنا بند ہوجائے یہ اس وقت ہے کہ جب کہ ذبح کی جگہ قریب ہو، اور اگر مذبح دور ہو تو دودھ نکال کر صدقہ کردے گا۔ کیونکہ دودھ نہ نکالنے کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا ہوگا۔

ہدی کی ہلاکت جب واجب ہدی (جانور) ہلاک ہوجائے تو اس کی جگہ دوسری ہدی دے، یا اس کو ایسا عیب لگ جائے جو قربانی کے لیے مانع ہو جیسے وہ جانور لنگڑا ہوگیا یا اندھا، تو اس کے عوض بھی دوسرا ہدی دینا ہوگا اور عیب دار ہدی کو جو چاہے وہ کرسکتا ہے۔ بیچ دے یا ذبح کرکے کھاجائے۔ اور نفل کی ہدی (جانور) میں عیب پیدا ہوجائے یا قریب الہلاکت ہو تو اس کو ذبح کردے اور اس کا قلادہ (پٹہ) اس کے خون میں رنگین کرکے اس کے کوہان کے ایک جانب رکھ دے، یہ علامت ہوگی کہ یہ ہدی کا ذبیحہ ہے اور اسے فقراء ہی استعمال کرسکتے ہیں، اس کا گوشت مالدار نہیں کھائے گا کیونکہ ابھی وہ ہدی حرم میں نہیں پہنچی تھی۔ کیونکہ حرم سے پہلے جو ہدی ذبح ہو اس کا کھانا مالداروں کے لیے جائز نہیں ہے۔

(حدیث میں ہے کہ حضرت قبیصہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے ساتھ ہدی بھیجتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر ہدی راستے میں ہلاک ہونے لگے تو اس کو نحر کرنا اور نعل کو اس کے خون میں ڈبو کر اس کے ایک جانب رکھ دینا، اس میں سے نہ خود کھانا اور نہ اپنے ساتھی کو کھلانا)

و يقلد ندبا بدنة التطوع و منه النذر والمتعة والقران فقط لان الاشتهار بالعبادة اليق والستر بغيرها احق شهدوا بعد الوقوف بوقوفهم بعد وقته لا تقبل شهادتهم والوقوف صحيح استحسانا حتى الشهود للحرج الشديد و قبله اى قبل وقته قبلت ان امكن التدارك ليلا مع اكثرهم و الا لا رمى فى اليوم الثانى او الثالث او الرابع الوسطى والثالثة

ولم یرم الاولی فعند القضاء ان رمی الکل بالترتیب حسن و ان قضی الاول جاز لسنیۃ الترتیب

کب ہدی کی شہرت کی جائے

نفلی حج تمتع اور قران کی ہدی میں جو جانور خواہ اونٹ ہو خواہ گائے مستحب یہ ہے کہ اس کی گردن میں پٹہ ڈالا جائے تاکہ اس سے شہرت ہو جائے کہ یہ عبادت اور ثواب کے لیے جارہے ہیں اور شہرت عبادت کے لائق و مناسب ہے البتہ عبادات کے علاوہ جنایات کی ہدی (جانور) ہو تو اس صورت میں چھپانا زیادہ مناسب ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان جانوروں کی گردن میں پٹہ نہیں ڈالا جائے گا۔

وقوف عرفات کے بعد کی گواہی

وقوف عرفات کے بعد چند لوگوں نے اگر اس بات کی گواہی پیش کی کہ حاجیوں کا وقوف عرفات اپنے وقت پر نہیں ہوا ہے، بلکہ بعد از وقت ہوا ہے تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور وقوف کو صحیح سمجھا جائے گا، استحسان کا تقاضا یہی ہے، کیونکہ اس گواہی کے سننے میں بڑا زبردست فتنہ ہو گا اور عام طور پر لوگوں کو اشتباہ بھی ہو گا، اور یہ وقت جھگڑے کا نہیں ہوتا ہے، کیونکہ وقوف عرفات کے بعد ہو جاتا ہے اس لیے یہ گواہی بعد از وقت بھی ہے۔

وقوف عرفات سے پہلے گواہی

البتہ اگر وقوف عرفات کے پہلے گواہی پیش ہو کہ انھوں نے بجائے عرفہ کے آٹھ ذی الحجہ کو وقوف عرفات کیا ہے تو یہ گواہی قبول کی جائے گی اور حاکم ان کی گواہی قبول کرے گا بشرطیکہ وقوف عرفات کا تدارک رات میں اکثر لوگوں کے ساتھ ممکن ہو اگر یہ ممکن نہ ہو تو گواہی قبول نہیں ہو گی۔

(صورت یہ ہے کہ آٹھویں ذی الحجہ کو گواہی دی گئی، کہ آج آٹھ نہیں بلکہ ۹ / ذی الحجہ عرفات کا دن ہے تو دیکھنا چاہیے اگر امام و تمام لوگوں کے ساتھ یا امام از کم اکثر لوگوں کے ساتھ وقوف عرفات ممکن ہے تو گواہی دی جائے کیونکہ وقوف عرفات پر بھی قدرت حاصل ہے، اور اگر وقوف عرفات کی قدرت نہ ہو تو پھر گواہی قبول نہیں کی جائے گی)

رمی جمرات

ایک شخص نے ۱۱ / یا ۱۲ / یا ۱۳ / ذی الحجہ کو جمرہ ثانیہ اور ثالثہ کی رمی کی اور جمرہ اولی کی رمی نہیں کی، تو اگر اس نے جمرات ثلثہ کی رمی ترتیب کے ساتھ کی ہے تو بہت خوب، اور اگر اس نے صرف جمرۂ اولی کی رمی کی قضا کی اور جمرہ ثانیہ اور ثالثہ کی رمی نہیں کی تو یہ بھی جائز ہے اس لیے کہ رمی جمرات کی ترتیب سنت ہے واجب نہیں ہے۔

نذر المکلف حجا ما شیا مشی من منزلہ وجوبا فی الاصح حتی یطوف الفرض لانتہاء الارکان ولو رکب فی کلہ او اکثرہ لزمہ دم و فی اقلہ بحسابہ ولو نذر المشی الی المسجد الحرام او مسجد المدینۃ او غیرھما لا شيء علیہ اشتری محرمۃ ولو بالاذن له ان یحللھا بلا کراھۃ لعدم خلف و عدہ بقص شعرھا او بقلم ظفرھا او بمس طیب او بجامع و ھو اولی من التحلیل بجماع و کذا لو نکح حرۃ محرمۃ بنفل بخلاف الفرض ان لھا محرم والا فھی محصرۃ فلا تتحلل الا بالھدی ولو اذن لامرأتہ بنفل لیس له المنع

لملکها منافعها و کذا المکاتبة بخلاف الامة الا اذا اذن لامته فلیس لزوجها منعها

پیدل حج کی منت ایک عاقل بالغ نے پیدل حج کے لیے نذر مانی، تو اس پر واجب ہے کہ اپنے گھر سے پیدل چلے اصح قول یہی ہے تا آنکہ طواف زیارت سے فراغت حاصل کرے اس لیے کہ اسی طرح حج کے تمام ارکان ختم ہو جاتے ہیں۔

پیدل حج منت ماننے والا اگر پورے راستہ میں یا اکثر راستہ میں سوار ہو کر سفر کرے گا، تو اس پر دم لازم ہوگا اور اگر راستہ کے کم حصہ میں سوار ہو کر چلا ہے تو اسی اعتبار سے قیمت کا اندازہ کر کے صدقہ کرے گا۔

مسجد نبوی تک پیدل چلنے کی نذر اگر کسی نے مسجد حرام یا مسجد نبوی تک پیدل چلنے کی نذر مانی ہے، یا ان کے علاوہ کسی اور مسجد تک کے لیے، تو اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا، کسی شخص نے ایک ایسی لونڈی خرید کی جو احرام میں تھی گو اس نے بیچنے والے کی اجازت سے احرام باندھا تھا تو خریدار کے لیے بلا کراہت جائز ہے کہ وہ اس لونڈی کو احرام سے خارج کردے کیونکہ خریدار کی طرف سے وعدہ خلافی نہیں ہے اس لیے کہ اس نے بیچنے والے کی اجازت سے احرام باندھا تھا خریدار کی اجازت سے ایسا نہیں کیا تھا۔ احرام سے خارج کرنے کی صورت یہ ہے کہ خواہ اس کا تھوڑا بال کٹوادے یا ناخن کٹوادے یا اسے خوشبو لگادے اور احرام سے نکالنے کے بعد اس لونڈی سے جماع کرے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ جماع کر کے اسے احرام سے باہر لائے۔ کیونکہ دوسری صورت احترام حج کے خلاف ہے۔

احرام والی عورت سے نکاح اسی طرح اگر کسی شخص نے آزاد عورت سے نکاح کیا، جو نفل حج کا احرام باندھے ہوئے تھی تو شوہر کے لیے درست ہے کہ اس کا احرام تڑوادے اور حلال کرے، بخلاف ایسی عورت کے جو فرض حج کا احرام باندھے ہوئے ہے اس سے نکاح کرنے کے بعد اس کو حلال نہیں کر سکتا ہے بشرطیکہ اس عورت کے ساتھ اس کا کوئی محرم بھی ہو اور اس کا شوہر اسے حج کو جانے سے نہیں روک سکتا، اور اگر اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم نہ ہو تو وہ محصرہ ہے، شرعاً وہ روک دی گئی ہے کیونکہ بغیر محرم یا شوہر کے حج کو نہیں جاسکتی ہے اور شوہر پر واجب نہیں ہے کہ وہ اس کے ساتھ سفر میں جائے، محصرہ ہونے کی صورت میں شوہر اس کو حلال کرنا چاہے تو وہ حلال نہیں ہوگی، البتہ ہدی (جانور برائے دم) بھیج کر حلال ہونا درست ہے اور فوراً ہو بھی سکتی ہے۔

بیوی کو نفل حج کی اجازت کے بعد روکنا شوہر نے اپنی بیوی کو نفل حج کی اجازت دیدی ہے تو پھر وہ اسے واپس نہیں کر سکتا ہے اور نہ اس کے لیے پھرنا جائز ہے اس لیے کہ آزاد عورت اپنے منافع کی مالک ہوتی ہے اور اسی طرح مکاتبہ لونڈی کا حکم ہے البتہ جو خالص لونڈی ہو اور وہ مالک کی اجازت سے جارہی ہے، مالک اجازت دینے کے باوجود اسے پھرا سکتا ہے اور اسے روک سکتا ہے اس لیے کہ اس کے منافع اس کے مالک کے ہیں لیکن جب مالک نے لونڈی کو حج کی اجازت دی ہو تو لونڈی کے شوہر کے لیے اس کا روکنا جائز نہیں ہے۔

فروع حج الغنی افضل من حج الفقیر حج الفرض اولی من طاعة الوالدین بخلاف النفل بناء الرباط افضل من حج النفل واختلف فی الصدقة و رجح فی البزازیة افضلیة الحج

لمشقته فی المال والبدن جمیعا قال و به افتی ابوحنیفة حین حج و عرف المشقة لوقفة الجمعة مزید سبعین حجة و یغفر فیها لکل فرد بلا واسطة

مالدار اور فقیر کا حج

مالدار کا حج کرنا فقیر محتاج کے حج کرنے سے افضل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ فقیر پر حج فرض نہیں ہے، البتہ جب وہ مکہ مکرمہ پہنچ لے گا تو فرض ہو جائے گا، مگر گھر سے وہاں تک جانا اس پر فرض نہیں تھا، زیادہ سے زیادہ نفل تھا، اور مالدار پر حج گھر سے ہی فرض ہوتا ہے اور فرض کی فضیلت نفل سے بڑھی ہوئی ہے، البتہ جب مالدار اور فقیر دونوں کا حج نفلی ہو تو کسی کو افضلیت نہیں۔

حج اور والدین کی خدمت

فرض حج ادا کرنا ماں باپ کی خدمت و فرماں برداری سے بہتر ہے البتہ نفل حج کو یہ بات حاصل نہیں، بلکہ نفل حج سے بہتر ماں باپ کی خدمت و اطاعت ہے اس وقت اور بھی جب والدین اس کی خدمت کے محتاج ہوں۔

حج نفل اور سرائے و مسافرخانہ

نفل حج سے افضل رباط (خانقاہ اور مسافرخانہ) کا بنانا ہے اس لیے کہ اس کا فائدہ عام ہے ہر خاص و عام اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اٹھایا کرتا ہے اور حج کا نفع صرف اسی ایک کے لیے مخصوص ہے۔

حج اور صدقہ

اس باب میں علماء کا اختلاف ہے کہ نفل حج بہتر ہے یا صدقہ کرنا بہتر ہے اور دونوں میں افضل کون ہے، فتاویٰ بزازیہ میں نفل حج کے افضل ہونے کو ترجیح دی ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حج میں مالی اور جانی دونوں مشقت برداشت کرنا پڑتی ہیں امام ابوحنیفہؒ نے جب خود حج کیا اور مشقت کا تجربہ ہوا، توانھوں نے اسی پر فتویٰ دیا۔

(فتاویٰ بزازیہ میں اس تفصیل کے ساتھ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ سے روایت ہے کہ نفلی حج سے صدقہ افضل ہے، لیکن جب امام موصوف نے خود حج کیا اور اس کی مشقت کا انھیں تجربہ ہوا، تو اس وقت یہ فتویٰ دیا کہ نفلی حج صدقہ سے افضل ہے اور اس قول سے امام کی مراد یہ ہے کہ جو نفلی حج کرے اور ہزار دراہم خرچ کرے تو اگر اس ہزار میں سے محتاجوں پر خرچ کرے گا تو وہ مجموعی طور پر افضل ہوگا (کہ حج بھی ہوا اور صدقہ بھی) یہ مراد نہیں ہے کہ بلا خیرات کے حج کرنا ہزار دراہم فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے بہتر ہے، چونکہ حج میں مال اور بدن دونوں کو مشقت ہوتی ہے لہٰذا حج خیرات سے افضل ہوگا)

جمعہ کے دن وقوف عرفہ کی فضیلت

جمعہ کے دن وقوف عرفہ ہو، تو اس حج کو ستر حج پر فضیلت حاصل ہے، اور اس میں ہر شخص کی بلا واسطہ مغفرت ہوتی ہے، یعنی جمعہ کے دن عرفہ ہو تو اس کو یہ مذکورہ بالا فضیلت حاصل ہوگی، اور جب عرفہ جمعہ کو نہیں ہوتا ہے تو اس میں بلا واسطہ مغفرت نہیں ہوتی ہے بلکہ اس میں عوام مومنین کی مغفرت صالحین کے واسطہ سے ہوتی ہے۔

ضاق وقت العشاء والوقوف یدع الصلوة و یذهب لعرفة للحرج هل الحج یکفر الکبائر قیل نعم کحربی اسلم و قیل غیر المتعلقة بالآدمی کذمی اسلم و قال عیاض اجمع اهل السنة الکبائر لا یکفرها الا التوبة والاقائل بسقوط الدین ولو حقا لله تعالی کدین صلوة و

زکوة نعم اثم المطل و تاخير الصلوة و نحوها يسقط وهذا معنى التكفير على القول به

جب عشاء اور وقوف عرفات دونوں کا وقت تنگ ہو

جب عشاء کی نماز کا وقت اور وقوف عرفات کا وقت دونوں تنگ ہوں، تو اس صورت میں محرم نماز کو چھوڑ دے گا اور وقوف عرفات کے لیے جائے گا، کیونکہ خطرہ ہے کہ اگر وہ عشاء کی نماز پڑھتا ہے تو وقوف عرفات فوت ہو جائے گا اور اگر وقوف عرفات کرتا ہے تو عشاء کا وقت جاتا رہتا ہے، تو اس صورت میں وقوف عرفات مقدم ہے کیونکہ اگر عشاء کی نماز پڑھتا ہے تو اس کا حج اس سال فوت ہو جاتا ہے اور وہ آئندہ سال پر موقوف رہے گا۔ پتہ نہیں اس وقت تک اخراجات سفر باقی بھی رہ جاتا ہے یا نہیں، اور حج کے لیے آنا ہوتا ہے یا نہیں، باقی رہی عشاء کی نماز اس کی قضا کرنا ہر وقت ممکن ہے۔

حج سے گناہ کبیرہ کی معافی کا سوال

ایک سوال یہ ہے کہ کیا حج سے گناہ کبیرہ معاف ہو جاتے ہیں، اور حج اس کے لیے کفارہ بن جاتا ہے؟ بعض علماء نے کہا ہے کہ حج گناہ کبیرہ کو مٹاڈالتا ہے جیسے کافر حربی کا گناہ اسلام لانے سے مٹ جاتا ہے، یعنی اگر کسی کافر حربی نے کسی کو قتل کیا یا کسی کا مال چھین لیا پھر دار الحرب میں چلا گیا اور پھر وہ مسلمان ہوا تو اس پر خون اور مال کا مؤاخذہ نہیں ہوگا، اس کی دلیل حدیث مسلم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ اسلام اگلے گناہوں کو ڈھا دیتا ہے اور اسی طرح ہجرت اگلے گناہوں کو ختم کر ڈالتی ہے اور حج اگلے گناہوں کو منہدم کر دیتا ہے۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ حج اُن کبیرہ گناہوں کو مٹاتا ہے، جو آدمی یعنی حقوق العباد سے متعلق نہ ہوں، یعنی اس سے صرف حقوق اللہ سے متعلق گناہ کبیرہ معاف ہوتے ہیں، حقوق العباد سے متعلق گناہ کبیرہ معاف نہیں ہوتے، چنانچہ ذمی کافر جب مسلمان ہو جاتا ہے تو اس سے نماز، روزہ کے چھوڑنے پر مؤاخذہ نہیں ہوتا ہے لیکن اگر وہ قتل کرتا ہے یا غصب کرتا ہے تو اس پر مؤاخذہ ہوتا ہے۔

قاضی عیاض مالکیؒ کہتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ گناہ کبیرہ جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اس کو سوائے توبہ کے کوئی چیز نہیں مٹاتی ہے جیسے زنا، شراب خوری وغیرہ بغیر توبہ معاف نہیں ہوتے ہیں، جو دَین (قرض) واجب الادا کسی کے ذمہ میں ہو اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کا ہی حق ہو اس کے ساقط ہونے کا کوئی قائل نہیں ہے، جیسے نماز اور زکوٰۃ کسی کے ذمہ میں باقی ہو، تو بغیر توبہ معاف نہیں ہوں گے۔ ہاں یہ البتہ ہے کہ قرض میں ٹلانے اور دیر لگانے کا گناہ، اسی طرح نماز میں تاخیر کرنے کا گناہ دیر سے زکوٰۃ دینے کا گناہ وغیرہ حج کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے اور حج کے کفارۂ سیئات ہونے کا یہی مطلب ہے، اس قول کی بنیاد پر جو حج کو واجب علی الفور کہتے ہیں (جو لوگ کہتے ہیں کہ حج کرنے سے کسی کا قرض ذمہ میں ہو تو وہ ساقط ہو جاتا ہے یا کسی کے ذمہ نماز و زکوٰۃ کی قضا ہے وہ ساقط ہو جاتی ہے تو یہ صحیح نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ حقوق کی ادائیگی میں تاخیر سے جو گناہ ہوتا ہے وہ البتہ مٹ جاتا ہے۔)

وحديث ابن ماجة انه عليه الصلوة والسلام استجيب له حتى في الدماء والمظالم ضعيف يندب دخول البيت اذا لم يشتمل على ايذاء نفسه او غيره و ما يقوله العوام من العروة

الوثقی والمسمار الذی فی وسطه انه سرة الدنیا لا اصل له ولا یجوز شراء الکسوة من بنی شیبة بل من الامام او نائبه وله لبسها ولو جنبا او حائضا لا یقتل فی الحرم الا اذا قتل فیه ولو قتل فی البیت لا یقتل فیه یکره الاستنجاء بماء زمزم لا الاغتسال لاحرم للمدینة

ابن ماجہ کی حدیث پر اشکال اور اس کا جواب

ابن ماجہ کی یہ حدیث ضعیف ہے جس میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا قبول ہوئی حتی کہ خون ریزیوں اور مظالم میں بھی (پوری روایت اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرفات میں اپنی امت کی مغفرت کے لیے دعا فرمائی، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کرلی، صرف کہا گیا کہ مظالم معاف نہیں ہونگے بلکہ ظلم پر مؤاخذہ ہوگا، آپ نے عرض کیا الٰہ العالمین اگر تو چاہے تو مظلوم کو جنت عطا کردے اور ظالم کو بخش دے۔ لیکن یہ دعا قبول نہیں ہوئی، آپ نے مزدلفہ میں پھر یہی دعا فرمائی، چنانچہ آپ جو کچھ چاہتے تھے وہ دعا قبول بارگاہ ہوئی) علماء حدیث کا کہنا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے ایک راوی ساقط الاحتجاج ہے اور منکر الحدیث بھی، لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ بکثرت دوسری حدیثیں اس کے شواہد ہیں اور ان حدیثوں کو علماء نے جمع بھی کیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ بندوں کے متعلق کبائر اور مظالم کی معافی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اس کی معافی کا وعدہ نہیں، ان کے علاوہ گناہ حج سے معاف ہو جاتے ہیں، بشرطیکہ حج مقبول ہو۔

بیت اللہ کے اندر جانا

بیت اللہ کے اندر داخل ہونا مستحب ہے مگر شرط یہ ہے کہ نہ خود کو تکلیف ہو اور نہ دوسرے کو ایذا پہنچے (چونکہ ہجوم ہوتا ہے اس لیے بڑے احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے)، جو اندر چلا جائے اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے مصلّیٰ پر نماز پڑھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوتے تھے تو دروازہ کعبہ کو پشت کی طرف کر کے سیدھے چلے جاتے تھے، یہاں تک کہ سامنے کی دیوار سے صرف تین ہاتھ کا فاصلہ رہتا تھا۔ پھر وہاں نماز پڑھتے تھے۔ اندر حتی الوسع پورے ادب واحترام کے ساتھ رہنا چاہیے، رخسار اس دیوار پر ہونا چاہیے، جس طرف آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھی ہے پھر حق تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی چاہیے پھر چاروں کونوں کی طرف جائے اور تسبیح و تہلیل اور تکبیر کہے، اور جو چاہے دعا کرے اور آنکھیں چھت کی طرف نہ اٹھائے کہ یہ ادب کے خلاف ہے۔

ایک غلط بات کی تردید

وہاں کے عوام جو کہتے ہیں کہ حلقہ عروۃ الوثقی ہے اور جو کیل اس کے درمیان میں ہے وہ ناف دینا ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔

غلاف کعبہ

غلاف کعبہ کا بنی شیبہ سے خریدنا جائز نہیں ہے وہ خاندان جس کے پاس کعبہ کی کنجی رہتی ہے، البتہ بادشاہ یا اس کے نائب سے غلاف کعبہ خریدنا درست ہے۔ (قاعدہ یہ ہے کہ غلاف کعبہ ہر سال بدلا جاتا ہے، چنانچہ پرانا غلاف بادشاہ کے تصرف میں چلا جاتا ہے۔ لیکن اگر بادشاہ وقت تصرف کا حق بنی شیبہ کو دیدے، تو اس سے بھی خریدنا درست ہوگا، ازرقی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ امیر المومنین ہر سال غلاف کعبہ بدلا کرتے تھے اور پرانا غلاف حاجیوں میں تقسیم فرمادیتے تھے)

غلاف کعبہ کا استعمال جو غلاف کعبہ کو باضابطہ خریدے اس کے لیے اس کا پہننا جائز ہے، خواہ مرد حالت جنابت میں ہو یا عورت حیض و نفاس کی حالت میں۔

حرم میں قتل کی ممانعت حرم میں قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا مگر اس وقت جب اس نے حرم میں ہی کسی کو قتل کر دیا ہو، تو اس سے اس میں بدلہ لیا جائے گا، لیکن کسی نے بیت اللہ کے اندر خون کیا ہو تو اس سے قصاص بیت اللہ کے اندر نہیں لیا جائے گا (اگر کسی نے باہر کسی کو قتل کیا، اور حرم میں جا کر چھپ گیا، تو اس سے حرم میں قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ اس سے ایسا معاملہ کیا جائے گا کہ وہ باہر نکلنے پر مجبور ہو، مثلاً اس سے خرید و فروخت بند کر دی جائے گی اور اسے کھانا نہیں دیا جائے گا جب وہ مجبور ہو کر نکل آئے گا تو اس سے قاعدہ کے مطابق قصاص لیا جائے گا، احناف کا مسلک یہی ہے، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ حرم میں قصاص لینا درست فرماتے ہیں)

آب زمزم اور حرم کی مٹی کا استعمال زمزم کے پانی سے استنجا کرنا مکروہ ہے البتہ غسل کرنا جائز ہے اس سے وضو کرنا بھی جائز ہے، اسی طرح حرم کی کنکریاں وہاں کی مٹی اور بیت اللہ کی مٹی تبرک کی نیت سے باہر حل میں لانا جائز ہے۔ بشرطیکہ تھوڑی ہو اور عمارت کو اس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو، البتہ حرم کی زمین کا بیچنا درست نہیں ہے، لیکن عمارت اور گھاس کا بیچنا درست ہے۔

مدینہ میں حرم نہیں احناف کے نزدیک مدینہ منورہ کے لیے حرم نہیں ہے یعنی جس طرح مکہ میں حرم ہے اور اس کے مخصوص احکام ہیں، وہ بات مدینہ منورہ میں کسی خطہ کے لیے نہیں ہے، تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

عندنا و مكة افضل منها على الراجح الا ما ضم اعضاءه عليه الصلوة والسلام فانه افضل مطلقا حتى من الكعبة والعرش والكرسى وزيارة قبره مندوبة بل قيل واجبة لمن له سعة و يبدأ بالحج لو فرضا و يخير لو نفلا مالم يمر به فيبدأ بزيارته لامحالة ولينو معه زيارة مسجده فقد اخبر ان صلوة فيه خير من الف فى غيره الا المسجد الحرام و كذا بقية القرب و لا تكره المجاورة بالمدينة و كذا بمكة لمن يثق بنفسه .

افضلیت مکہ اور روضہ اطہر قول راجح کے مطابق مکہ مکرمہ مدینہ منورہ سے افضل ہے، البتہ زمین کا وہ حصہ جو رسول اللہ ﷺ کے جسد مبارک سے ملا ہوا ہے وہ مطلقاً تمام دنیا سے افضل ہے، حتی کہ کعبہ، عرش اور کرسی سے افضل ہے۔

کعبہ کی فضیلت امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ امام احمدؒ اور امام مالکؒ سبھوں کے نزدیک مرقد نبوی کو چھوڑ کر کعبہ، مدینہ سے افضل ہے باقی مکہ کی زمین میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ مکہ کی زمین کو مدینہ کی زمین سے افضل کہتے ہیں اور امام مالکؒ مدینہ کی زمین کو افضل بتاتے ہیں۔

روضۂ آنحضرت ﷺ کی زیارت

روضۂ اطہر ﷺ کی زیارت مستحب ہے بلکہ بعض علماء نے کہا ہے کہ جس کو وہاں تک پہنچنے کی وسعت حاصل ہو اسکے لیے اس کی زیارت واجب ہے۔

اگر کسی پر حج فرض ہے تو اس کو پہلے حج کرنا چاہیے، پھر مدینہ منورہ جانا چاہیے، اور اگر حج نفل ہے تو اختیار ہے چاہے پہلے روضۂ مبارک کی زیارت کرے چاہے پہلے حج کرے، لیکن نفل حج میں بھی یہ اختیار اس وقت ہے جب وہ مدینہ منورہ ہو کر نہ گذرے جو حج کے لیے مدینہ ہو کر آئے گا اس کے لیے پہلے روضۂ اطہر ﷺ کی زیارت ضروری ہے۔ خواہ حج فرض ہو خواہ نفل۔

قبر نبوی ﷺ کی زیارت کے ساتھ چاہیے کہ مسجد نبوی کی زیارت کی بھی نیت کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس کی ایک نماز غیر مسجدوں کی نسبت ہزار نمازوں سے بہتر ہے، سوائے مسجد حرام کے اس لیے کہ مسجد حرام کی نماز کا ثواب مسجد نبویؐ سے بھی بڑھا ہوا ہے اور اسی طرح بقیہ عبادتیں جو مسجد نبویؐ میں ہوں ان کا ثواب مسجد حرام کو چھوڑ کر بقیہ تمام مسجدوں سے بہت بڑھا ہوا ہے (مساجد کے فضائل اور اس کے احکام و مسائل کے سلسلہ میں خاکسار کی کتاب "اسلام کا نظام مساجد" کا مطالعہ کیا جائے، ابن الہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ سفر مدینہ میں روضۂ اطہر ﷺ کی زیارت کی نیت ہونی چاہیے آنحضرت ﷺ کی عظمت و جلال کا تقاضا یہی ہے)

مدینہ اور مکہ کا قیام

جس کو اپنے نفس پر اعتماد ہو کہ وہ حرمین محترمین کا پورا پورا ادب و احترام ملحوظ رکھے گا اس کے لیے مدینہ منورہ میں اور ایسے ہی مکہ مکرمہ میں قیام کرنا مکروہ نہیں ہے۔

مکہ مکرمہ کے مستقل قیام کے سلسلہ میں اختلاف ہے بعض علماء شوافع نے لکھا ہے کہ مکہ معظمہ کا قیام مستحب ہے، لیکن جب ممنوع امور کے ارتکاب کا ظن غالب ہو تو پھر مستحب نہیں، صاحبینؒ کا مذہب بھی یہی ہے، اور امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک وہاں کا مستقل قیام مکروہ ہے، ان حضرات کا کہنا ہے کہ انسان کی عمومی عادت یہ ہے معیشت میں تنگی کے وقت افسردہ خاطر ہو جاتا ہے۔ دن رات کے مسلسل قیام سے ان مقامات کی توقیر و تعظیم جیسی چاہیے باقی نہیں رہتی، پھر انسان معصوم بھی نہیں اگر اس سے گناہ کا ارتکاب ہو گیا تو وہ بہت بڑھ جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا عمل

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اسی خوف کی وجہ سے طائف میں رہنا اختیار کیا تھا، اور فرماتے تھے کہ اگر میں طائف میں پچاس گناہ کروں تو میرے نزدیک مکہ میں ایک گناہ کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ مکہ معظمہ کے سوا کسی اور شہر میں صرف ارادہ پر مواخذہ نہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ۔

مخلصین کے لیے موقع

البتہ جو بندے ان عیوب سے خالی ہیں اور نفس کی خواہشات سے پاک و صاف ہیں وہ اس سعادت عظمیٰ کے [illegible] ہیں کہ مکہ میں رہیں اور زیادہ سے زیادہ ثواب جمع کریں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے مکہ معظمہ میں رمضان المبارک پایا اور روزہ رکھا اور جس قدر ہو سکا شب بیداری کی، تو اس کے نامۂ اعمال میں لاکھ رمضان کا ثواب لکھا جائے گا۔ اور ہر دن اور ہر رات کے بدلے میں ایک ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب درج فرمائے گا۔

قیام مدینہ منورہ

مدینہ منورہ کے قیام میں گناہوں کے چندگنا ہونے کا اندیشہ نہیں لیکن ادب واحترام میں کمی کا خطرہ ہے، اگر یہ اندیشہ کسی کو نہ ہوتو بلاشبہ وہاں کا قیام، اور وہاں کا مرنا جینا خوش نصیبی اور نجات کا ذریعہ ہے، حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے لیے مدینہ میں رہ کر مرنا نصیب ہو، وہ ایسا ہی کرے میں اس کی شفاعت کروں گا۔ جو ائمہ مکہ مکرمہ میں مستقل قیام کو مکروہ لکھتے ہیں وہ محض اس اندیشہ کی بنیاد پر کہ مبادا بے ادبی اور بے حرمتی کا مرتکب نہ ہو جائے اور بجائے فائدہ کے نقصان اس کے حصہ میں آئے بعض ائمہ یہاں کے قیام کو مستحب کہتے ہیں اور عام علماء کا عمل اسی قول پر ہے۔

اختتام

الحمد للہ حمداً کثیرا کہ کتاب الحج کا ترجمہ آج مورخہ ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ کو ختم ہوا، اللہ تعالیٰ میری حقیر خدمت قبول فرمائے اور لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔

حج نبوی کی تفصیل

سنن ابوداؤد میں حضرت جعفر صادقؒ سے روایت ہے کہ محمد باقر نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے عرض کیا کہ مجھے آپ رسول اللہ ﷺ کے حج کا طریقہ بتائیں۔ چنانچہ انھوں نے بیان کیا کہ رسول خدا ﷺ نے نبوت کے بعد نو برس تک کوئی حج نہیں کیا دسویں سال حج کا ارادہ ظاہر فرمایا، آپ کا یہ اعلان سن کر بہت سارے صحابہ کرامؓ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ سے حج کے ارادہ سے روانہ ہوئے ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ تھے، ذوالحلیفہ پہنچ کر آپ نے مسجد میں احرام کی نماز ادا کی اور اس کے بعد اونٹنی پر سوار ہوئے، جس کا نام قصوا تھا، حضرت جابرؓ کہتے ہیں میں نے دیکھا تو ہر طرف حدِ نظر تک حج کے لیے آپ کے ساتھ جانے والے صحابہ کرام سوار اور پیدل نظر آرہے تھے، آنحضرت ﷺ جس طرح کرتے تھے ہم لوگ بھی اسی طرح کرتے تھے آپ نے بلند آواز سے لبیك اللهم لبیك لبیك لاشریك لك لبیك ان الحمد و النعمة لك و الملك لاشریك لك پوری دعا پڑھی ہم تمام نے بھی اسی طرح لبیک کہا احرام کے بعد آپ بار بار لبیک کہا کرتے تھے۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے، ہم لوگوں نے صرف حج کی نیت کی تھی، کیونکہ عمرہ کو ہم لوگ ابھی تک نہیں جانتے تھے ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ بیت اللہ پہنچے، آپ نے حجر اسود کا استلام کیا پھر طواف میں تین بار رمل کیا اور چار بار آہستہ متوسط چال چلے، پھر آپ مقام ابراہیم میں تشریف لائے اور یہ آیت تلاوت فرمائی وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى. یہاں مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی پہلی رکعت میں قل هو الله احد اور دوسری میں قل یا ایها الکافرون تلاوت کی، پھر بیت اللہ کی طرف جاکر حجر اسود کو بوسہ دیا، پھر صفا کی طرف ہو لیے جب وہاں پہنچے تو یہ آیت پڑھی اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ، آپ صفا پر چڑھ گئے بیت اللہ نظر آیا، تو توحید کا اظہار کیا اور تکبیر کہی، اور فرمایا لاَ اله الا الله وحده لاشریك له، له الملك وله الحمد يُحي و يُميت و هو على كل شيء قدير لا اله الا الله وحده انجز وعده وَ نَصر عَبْدَهٗ وَ هَزَمَ الاحزاب وَحدهٗ پھر دعا کی، وہاں سے اتر کر نیچے تشریف لائے۔ یہاں نشیب میں تین بار رمل کیا (سینہ نکال کر تیز چلے) جب اوپر چڑھے تو آہستہ چلے تا آنکہ مروہ پر پہنچے یہاں مروہ پر اسی طرح کیا، جس طرح صفا پر کیا تھا، طواف کا آخری چکر مروہ پر ختم کیا۔ اس کے بعد فرمایا اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا، ہدی ساتھ نہیں لاتا، اس عبادت کو عمرہ میں تبدیل کر دیتا، لہٰذا تم لوگوں میں سے جس کے پاس ہدی نہ ہو وہ حلال ہو جائے اور عمرہ کر ڈالے، چنانچہ ایسے تمام لوگ جن کے ساتھ ہدی نہیں تھی حلال ہو گئے،

اور بال کتروائے، لیکن خود سرور کائنات ﷺ اور جن صحابہؓ کے ساتھ ہدی تھی وہ حسب سابق بدستور احرام میں رہے، پھر سراقہ بن جعشمؓ نے کھڑے ہو کر دریافت کیا یارسول اللہ! اشہر حج میں عمرہ کرنا اسی سال کے لیے مخصوص ہے یا ہمیشہ کے لیے ہے، آپ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کر کے فرمایا، کہ عمرہ حج میں اس طرح داخل ہو گیا اس جملہ کو دو بار فرمایا، پھر تین دفعہ فرمایا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہو گیا۔

اس وقت کل سو اونٹ تھے، پھر جب یوم الترویہ آٹھویں ذی الحجہ آئی تو آپ منیٰ کی طرف چلے، دوسرے لوگ جنھوں نے احرام کھول دیا تھا انھوں نے از سر نو احرام باندھا اور وہ بھی چلے، منیٰ میں پہنچ کر آپ نے پانچ وقت کی یعنی ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور صبح کی نماز پڑھی، پھر تھوڑی دیر قیام فرمایا تا آنکہ آفتاب نکلا۔ آپ کے حکم سے عرفات کے متصل نمرہ میں خیمہ کھڑا کیا گیا چنانچہ آپ طلوع آفتاب کے بعد منیٰ سے روانہ ہوئے، قریش کو خیال تھا کہ غالباً آنحضرت ﷺ مزدلفہ میں مشعر الحرام کے نزدیک وقوف کریں گے جس طرح قریش زمانہ کفر میں کیا کرتے تھے، لیکن آپ وہاں نہیں ٹھہرے برابر بڑھتے چلے گئے، تا آنکہ عرفات میں پہنچے، یہاں نمرہ میں خیمہ استادہ پایا، آپ یہاں اُترے اور آفتاب ڈھلنے تک یہیں قیام پذیر رہے، پھر آپ کے حکم سے آپ کی اونٹنی پر کجاوہ باندھا گیا۔ آپ اس پر سوار ہوئے نیچے آئے اور آپ نے خطبہ دیا جس میں خون، مال کی حرمت بیان کی پھر فرمایا کہ جاہلیت کی ساری بری رسمیں میرے پاؤں کے تلے روندی گئیں اور زمانہ جاہلیت کی خونریزیاں بھی، اب ان کا دعویٰ کرنا جائز نہیں اور ان میں پہلا اپنے خاندانی ربیعہ بن عبد المطلب کا خون ہے اسے ختم کرتا ہوں اور جاہلیت کا سودی کاروبار بھی ختم کرتا ہوں اور پہلا سودی معاملہ وہ ختم کرتا ہوں جو میرے خاندان میں عباس بن عبد المطلب کا ہے، عورتوں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو وہ تمہارے ذمہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے کلمے سے تم نے حلال کیا ہے تمہارا عورتوں پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر کو اُن سے نہ روندوائیں جن کو تم پسند نہیں کرتے، اگر وہ ایسا کریں تو ان کی سزا کرو اور عورتوں کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انھیں کھانا، کپڑا دستور کے مطابق دیا کرو۔ میں تم میں ایسی چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم نے ان کو مضبوطی سے تھامے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے میرے پیغام پہنچانے کے متعلق تم سے پوچھا جائے گا تم کیا جواب دو گے؟ لوگوں نے کہا کہ ہم سب گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے احکام کی تبلیغ فرمادی اور خدا کا پیغام ہم تک پہنچادیا اور ہماری خیر خواہی فرمائی پھر آنحضرت ﷺ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اوپر کو اٹھائی، اور لوگوں کی طرف جھکائی اور فرمایا الٰہ العالمین تو گواہ رہ، خداوندا تو گواہ رہ اے رب العالمین تو گواہ رہ۔ جب آپ کا خطبہ ختم ہو چکا، تو حضرت بلالؓ نے اذان پکاری پھر تکبیر کہی آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ دوسری بار تکبیر کہی تو آپ نے عصر کی نماز پڑھائی اور ان دونوں فرضوں کے درمیان کوئی اور نماز سنت یا نفل نہیں پڑھی، پھر اونٹنی پر سوار ہوئے اور قیام گاہ تشریف لائے، اور جبل المشاۃ کو اپنے سامنے کیا اور آپ قبلہ رو ہو گئے، اور برابر اونٹنی پر بیٹھے رہے تا آنکہ آفتاب غروب ہو گیا اپنی اونٹنی کے پیچھے حضرت اسامہؓ کو بٹھایا اور وہاں سے روانہ ہوئے اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور دائیں ہاتھ سے اشارہ فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ اے لوگو! آہستہ چلو، اے لوگو! آہستہ چلو اطمینان سے چلو جلدی نہ کرو جلدی کرنا کوئی نیکی کی بات نہیں، جب کوئی پہاڑی آتی تھی تو آپ نکیل ڈھیلی کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ مزدلفہ پہنچے، یہاں آپ نے مغرب وعشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھیں اذان ایک ہوئی اور تکبیریں دو۔ اور درمیان میں نفل اور

سنتیں نہیں پڑھیں پھر آرام فرمایا، تا آنکہ صبح طلوع ہوئی روشنی کرکے صبح کی نماز پڑھی اذان واقامت دونوں ہوئیں، پھر آپ اونٹنی پر سوار ہوئے اور مشعر الحرام آئے اور اس پر چڑھ گئے اور قبلہ کی طرف رُخ کرلیا اور کھڑے ہوکر اللہ تعالیٰ کی تحمید، تکبیر اور تسبیح کرتے رہے تا آنکہ دن خوب روشن ہوگیا، پھر رسول اللہ ﷺ وہاں سے آفتاب نکلنے سے پہلے روانہ ہوئے فضل بن عباسؓ کو پیچھے بٹھالیا تھا جب محسر میں پہنچے تو اونٹنی کو تیز ہانکا پھر درمیان والی راہ اختیار فرمائی جو جمرۃ العقبہ تک پہنچتی ہے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے اس پر سات کنکریاں ماریں، ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے تھے نیچے اندر سے رمی کی پھر وہاں سے واپس ہوئے، اور قربان گاہ تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے آپ نے تریسٹھ اونٹ نحر کیے، پھر حضرت علیؓ کو حکم فرمایا بقیہ اونٹ انھوں نے نحر کیے، اور اپنی ہدی میں ان کو بھی شریک کیا، پھر حکم دیا کہ ہر اونٹ سے گوشت کا ٹکڑا لیا جائے، چنانچہ لیکر تمام گوشت دیگ میں ڈالا گیا۔ آپ نے اور حضرت علیؓ نے اس دیگ سے گوشت کھایا، اور دونوں حضرات نے شوربا بھی پیا، پھر وہاں سے سوار ہوکر آپ بیت اللہ تشریف لائے، یہاں مکہ میں ظہر کی نماز ادا کی، پھر عبد المطلب کی اولاد کے پاس آئے، جہاں وہ زمزم پانی پلاتے تھے، ان سے فرمایا پانی نکالو یہ بھی فرمایا کہ اگر لوگوں کے ہجوم کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں بھی تمہارے ساتھ پانی نکالتا ان لوگوں نے آپ کو ایک ڈول پانی دیا۔ آپ نے اس سے پیا، اور بقیہ کو زمزم والے کنویں میں ڈال دیا۔

زیارت روضۂ اطہر ﷺ

جب کوئی روضۂ اطہر ﷺ کی زیارت کا ارادہ کرے تو روانگی سے پہلے کچھ صدقہ کرے، پھر بڑے ادب واحترام اور پورے شوق وذوق کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو، راستہ بھر درود کی کثرت رکھے، جب شہر مدینہ کی آبادی اور اس کے درخت نظر آنے لگیں تو درود پڑھنا زیادہ کردے۔

یہ بھی مستحب ہے کہ مدینۃ الرسول میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرے، اور یہ نہ ہوسکے تو وضو تو ضرور ہی کرلے، پاک صاف کپڑے زیب تن کرے، خوشبو ملے نئے کپڑے پاس ہوں تو ان کو پہننا افضل ہے، جو لوگ غایت تعظیم اور محبت رسول میں مدینہ منورہ کو دیکھ کر سواری سے اتر پڑتے ہیں اور پیدل چلنے لگتے ہیں اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر شہر سے باہر غسل کی نوبت نہیں آسکتی ہے تو شہر میں داخل ہوکر کرلے، شہر میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھے۔

بسم اللہ رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنك سلطانا نصیرا، اللهم صلی علی محمد و علی آل محمد واغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتك و فضلك.

جب مسجد نبویؐ میں داخلہ ہو تو پہلے دایاں پیر رکھے اور پہلے روضۃ من ریاض الجنۃ کا ارادہ کرے پھر صندوق والے ستون کے آگے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے پھر گردن نیچے کیے ہوئے سرور کائنات ﷺ کے روضۂ اطہر کی طرف چلے اور جہاں سے کھڑا ہوکر درود وسلام بھیجا جاتا ہے، جاکر کھڑا ہو اور سلام پیش کرے اور عرض کرے کہ میں ایک بعید الدیار خدمت بابرکت میں حاضر ہوا ہوں پھر ذرا داہنی طرف بڑھ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام عرض کرے پھر ذرا اور بڑھ کر حضرت فاروق اعظمؓ کی خدمت میں۔ پورا طریقہ اور سلام کے الفاظ کے لیے کوئی کتاب ساتھ لے لے اسی کے ساتھ وہاں کھڑا ہوکر اپنے لیے، اپنی اولاد کے لیے، اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرے۔ مدینہ منورہ میں دوسرے مقامات بھی حاضری کے ہیں معلم کی رہنمائی میں ان تمام جگہوں میں جائے اور جہاں نوافل پڑھنا باعث برکت ہے وہاں نوافل پڑھے۔

کتاب النکاح

لَیسَ لَنَا عِبَادَةٌ شُرِعَتْ مِنْ عَهْدِ آدَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِلَی الآنِ ثم تَسْتَمِرُّ فِی الْجَنَّةِ اِلّا النِّکَاحُ وَالْاِیْمَانُ هو عند الفقهاء عقد یفید ملك المتعة ای حل استمتاع الرجل من امرأة لم یمنع من نکاحها مانع شرعی فخرج الذکر والخنثی المشکل والوثنیة لجواز ذکورته والمحارم والجنیة وانسان الماء لاختلاف الجنس واجاز الحسن نکاح الجنیة بشهود قنیة قصدا خرج ما یفید الحل ضمنا کشراء امة للتسری و عند اهل الاصول واللغة هو حقیقة فی الوطء مجاز فی العقد فحیث جاء فی الکتاب اوالسنة مجردا عن القرائن یراد به الوطء کما فی وَلاَ تنکِحُوا مَانَکَحَ آبَاءُکُمْ من النساء فتحرم مزنیة الاب علی الابن بخلاف حتی تَنْکِحَ زَوْجاً لاسناده الیها والمقصود منها العقد لا الوطء الا مجازا

نکاح کا بیان

یہاں سے نکاح کے احکام و مسائل کا بیان شروع ہو رہا ہے، نکاح کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے اس کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ آدم علیہ السلام سے تاایں دم جو عبادت ہم مسلمانوں کے لیے مسلسل جائز رہی ہے، اور جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور جو یہاں کے بعد جنت میں بھی دائمی طور پر باقی رہے گی وہ نکاح اور ایمان کے سوا کوئی دوسری عبادت نہیں ہے۔

حج کے بعد نکاح کی بحث حج کے بعد فقہاء نکاح کی بحث اس لیے شروع کرتے ہیں کہ جس طرح حج میں مال مطلوب ہوتا ہے اور خرچ ہوتا ہے اسی طرح نکاح میں بھی مال خرچ ہوتا ہے، یعنی فی الجملہ دونوں کا تعلق کم و بیش مال سے ہے۔

نکاح کی تعریف فقہاء کے نزدیک نکاح ایک ایسے معاملہ کا نام ہے جس کے ذریعہ مرد کے لیے بالقصد ایسی عورت سے لذت حاصل کرنا اور فائدہ اٹھانا حلال قرار پاتا ہے جس سے نکاح کرنے میں کوئی شرعی رُکاوٹ نہیں ہوتی ہے جیسے کفر و شرک اور ذی رحم محرم ہونا، یا نا جنس ہونا۔

عورت سے فائدہ اٹھانے کی قید لگانے سے مرد اور خنثیٰ مشکل خارج ہوگئے، خنثیٰ مشکل اُس کو کہتے ہیں جس کا مرد یا عورت ہونا کچھ ثابت نہ ہو، نہ مرد کے حکم میں ہو نہ عورت کے حکم میں، اور مانع شرعی کی قید سے مشرکہ بت پرست اور محارم

عورتیں نکل گئیں جن سے نکاح حرام کہا گیا ہے، اور جنی عورت اور دریائی انسان بھی نکل گیا کہ اس کی جنس دوسری ہے، حسن بصریؒ نے جنیہ سے گواہوں کی موجودگی میں نکاح کو جائز کہا ہے کمافی القنیہ۔

اور بالقصد فائدہ اٹھانے کی قید سے ایسا فائدہ نکل گیا جو ضمناً حلال ہوتا ہے جیسے کوئی لونڈی حرم بنانے کے واسطے خریدے، تو گو وطی کے لیے خریدی گئی ہے مگر مقصد اصلی اس خریداری سے اس کا مالک بننا ہے۔ اس سے جماع ضمناً ثابت ہے لہٰذا اس کا نام نکاح نہیں ہوگا۔

لفظ نکاح کی وضع

لفظ نکاح علماء اصول اور علماء لغت کے نزدیک حقیقت میں وطی کے لیے وضع ہوا ہے اور عقد پر اس کا اطلاق مجازاً ہے، لہٰذا کتاب وسنت میں جہاں بھی نکاح کا لفظ آئے اور قرائن سے خالی ہو اس سے وطی اور جماع مراد ہوگا۔ جیسے آیت وَلاَ تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ آبَاءُ كُمْ ، یعنی تم ان عورتوں سے جماع نہ کرو جن سے تمہارے اوپر والوں (باپ دادا) نے جماع کیا ہے، یہ جماع حلال کو بھی شامل ہے اور حرام کو بھی، لہٰذا جس عورت سے باپ نے زنا کیا وہ عورت بیٹے پر حرام ہوگئی، اس کے خلاف یہ دوسری آیت حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَه ، ہے کہ اس میں نکاح سے جماع مراد نہیں ہے، اس وجہ سے کہ نکاح کی نسبت اس میں عورت کی طرف ہے، عورت سے جماع کیا جاتا ہے کرنے والا مرد ہوتا ہے، عورت مفعول ہوتی ہے لہٰذا یہاں عقد مراد ہوگا، جماع مجازاً مراد لیا جائے گا۔

یعنی جس عورت کو شوہر تین طلاق دیدے وہ پہلے شوہر کے لیے اُس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی ہے جب تک وہ غیر مرد سے نکاح نہ کرلے اور پھر وہ غیر مرد شوہر ہونے کے بعد اس سے جماع کر کے طلاق نہ دیدے، دوسرے شوہر کے جماع کی شرط حدیث عُسیلہ سے سمجھی گئی ہے جس میں صراحت ہے کہ وہ عورت اُس مرد سے اور یہ مرد اُس عورت سے جب تک ہمبستر ہو کر وطی نہ کرے، پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا ہے۔

طلاق مغلظہ میں وطی کی شرط

حدیث عُسیلہ کا واقعہ یہ ہے حضرت رِفاعہؓ نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دیدی تھی اس عورت نے دوسرے مرد سے نکاح کرلیا اور پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر شکایت کی کہ میرا دوسرا شوہر نامرد ہے آپ نے فرمایا کہ تم پھر پہلے شوہر رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہو؟ اس نے عرض کیا جی ہاں، آپ نے فرمایا یہ اُس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک تم اس کا اور وہ تمہارا مزہ نہ چکھ لے، یعنی باہم صحبت نہ ہو جائے۔

و يكون واجبا عند التوقان فان تيقن الزنا الا به فرض نهاية وهذا ان ملك المهر والنفقة والا فلا اثم يتركه بدائع و يكون سنة مؤكدة فى الاصح فيأثم يتركه و يثاب ان نوى تحصينا وولدا حال الاعتدال اى القدرة على وطء و مهر و نفقة ورجح فى النهر وجوبه للمواظبة عليه والانكار على من رغب عنه ومكروها لخوف الجور فان تيقنه حرم ذلك و يندب اعلانه و تقديم خُطْبَةٍ وكونه فى مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد و شهود عدول والاستدانة له والنظر اليها قبله وكونها دونه سنا وحسبا و عزا و مالا وفوقه خلقا وادبا وورعا وجمالا و هل يكره الزِّفاف المختار لا اذا لم يشتمل على مفسدة دينية

نکاح کب واجب ہے کب سنت کب فرض

جب شہوت کا غلبہ ہو اس وقت نکاح کرنا واجب ہوتا ہے اور اگر یہ یقین ہو جائے کہ نکاح نہ ہونے کی صورت میں زنا کرنے پر مضطر ہو جائے گا تو اس وقت نکاح کرنا فرض ہے کذافی النہایہ، اور یہ وجوب و فرضیت اُس وقت ہے جب مرد بیوی کے مہر اور نفقہ پر قادر ہو اور اگر وہ مہر و نفقہ پر قادر نہیں ہے تو نکاح کے چھوڑ دینے پر گنہگار نہیں ہوگا، کذافی البدائع، مذہب اصح یہ ہے کہ حالت اعتدال میں نکاح سنت موکدہ ہے اگر کوئی نکاح سے گریز کرے گا تو وہ گنہ گار ہوگا اور اگر نکاح سے پاک دامنی یا اولاد کی نیت ہوگی تو وہ مستحق ثواب ہوگا، حالت اعتدال کا مطلب یہ ہے کہ وہ جماع پر اور مہر و نفقہ کے ادا کرنے پر قادر ہو، اور نہر میں لکھا کہ حالت اعتدال میں نکاح واجب ہے اس لیے کہ آنحضرت ﷺ سے نکاح پر مواظبت ثابت ہے اور نکاح سے انکار کو سنت سے انحراف کہا گیا ہے، (اگر کوئی مہر اور نفقہ پر قادر نہ ہو یا ظلم و جور اور ترک فرائض و سنن کا خطرہ محسوس کرتا ہو تو وہ اعتدال میں نہیں کہا جائے گا، اور اس کے لیے نکاح سنت موکدہ قرار نہیں پائے گا)

نکاح حرام و مکروہ و مباح

اگر کسی مرد کے سلسلہ میں خوف ہو کہ وہ ظلم و جور کرے گا تو اس کے لیے نکاح مکروہ ہے، اور اگر اس کو اپنے ظلم و ستم کا یقین ہو کہ وہ عورت کے ساتھ جور و ظلم کے ساتھ پیش آئے گا تو اُس وقت اس کے لیے نکاح حرام ہوگا، ایک قسم نکاح کی مباح ہے اور یہ اس وقت ہے جب ادائے حقوق کی ادائیگی میں اندیشہ ہو۔

نکاح کا اعلان

نکاح کرنے کے بعد اس کا اعلان کرنا اور شہرت دینا اور نکاح سے پہلے خطبہ پڑھنا مستحب ہے، ترمذی میں حدیث نبویؐ ہے، کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا نکاح مسجدوں میں کرو، جہاں بلا روک ٹوک ہر مسلمان پہنچ سکتا ہے اور دُف بجا کر اعلان کرو، نکاح چھپانے کی چیز نہیں، مستحب یہ ہے کہ نکاح جمعہ کے دن مسجد میں کیا جائے، نکاح کرنے والا سمجھدار ہو اور گواہ متقی پرہیزگار ہوں تاکہ نکاح کی کوئی ضروری شرط فوت نہ ہونے پائے، اور نکاح کے واسطے (بوقت ضرورت) قرض لینا مستحب ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ نکاح سے پہلے ہونے والی بیوی کو شوہر دیکھ لے، تاکہ رشتہ پائدار ہو۔ مگر یہ دیکھنا اس وقت ہے جب دوسری طرف سے نکاح کرنے کی آمادگی پائی جائے۔

یہ بھی مستحب ہے کہ عورت شوہر سے عمر میں چھوٹی ہو اور عزت و حسب اور مالداری میں کمتر ہو، حسب آبائی خاندان کی فضیلت کو کہتے ہیں، مگر عورت کا مرد سے اخلاق، ادب، پرہیزگاری اور خوبصورتی میں بڑھ کر ہونا بہتر ہے، (ایسی عورت سے نکاح نہ کرے جو بدصورتی بدخلقی یا کسی عیب کی وجہ سے پسند نہ ہو، اسی طرح بدچلن، بدنام اور بداطوار عورت سے بھی بچنا ضروری ہے باپ کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنی جوان بیٹی کو کسی بڈھے مرد سے نہ باندھ دے اور نہ ایسے بدشکل سے جو عورت کو پسند نہ ہو)

عورت کا اس کے خاوند کے پاس پہنچنا مکروہ نہیں ہے بشرطیکہ کوئی غیر شرعی رسم نہ ادا کرائی جائے جیسے شوہر کے پاس پہنچا کر جھانک تانک کرنا۔

او ينعقد ملتبسا بايجاب من احدهما وقبول من الآخر وضعا للمضى لان الماضى ادل على التحقيق كزوجت نفسى او بنتى او مز كلتى منك ويقول الآخر تزوجت و ينعقد ايضا بما اى بلفظين وضع احدهما له للمضى والآخر للاستقبال او للحال فالاول الامر كزوجنى او

زوجینی نفسکِ او کونی امرأتی فانہ لیس بایجاب بل ھو توکیل ضمنی فاذا قال فی المجلس زوجت او قبلت او بالسمع والطاعۃ بزازیۃ قام مقام الطرفین وقیل ھو ایجاب و رجحہ فی البحر والثانی المضارع المبدوء بھمزۃ او نون او تاء کتُزَوِّجینی نفسک اذا لم ینو الاستقبال و کذا انا متزوجک او جئتک خاطبا لعدم حر بان المساومۃ فی النکاح

نکاح کا انعقاد

نکاح میاں بیوی میں سے ایک کے ایجاب اور دوسرے کے قبول سے منعقد ہوتا ہے، اور ایجاب و قبول کے دونوں صیغے ماضی کے ہونے چاہئیں کیونکہ ماضی کا صیغہ کام کے فی الحال واقع ہونے پر زیادہ دلالت کرتا ہے، جیسے ایک کہے میں نے اپنی ذات کا یا اپنی بیٹی کا یا اپنی موکلہ کا تجھ سے نکاح کر دیا اس سے پہلے جملہ کو اصطلاح میں ایجاب کہتے ہیں اور دوسرا اس کے جواب میں کہے میں نے قبول کیا (اپنے واسطے یا اپنی لڑکی کے واسطے یا اپنی موکلہ کے واسطے) اس کو قبول کہتے ہیں۔ کلام اوّل جو بھی کہے خواہ مرد خواہ عورت ایجاب ہوگا، اور دوسرا قبول۔

اور نکاح ان دو لفظوں کے ساتھ بھی منعقد ہوتا ہے کہ ایک ان میں ماضی کا صیغہ ہو اور دوسرا مستقبل کا یا حال کا... سے مراد یہاں امر کا صیغہ ہے جیسے مرد اپنے ولی سے کہے یا عورت کے وکیل سے کہے تو میرا نکاح کر دے یا عورت ... میرا نکاح اپنے ساتھ کر لے یا یہ کہے کہ تو میری بیوی ہو جا، یہ صیغہ امر دراصل خود ایجاب نہیں ہے بلکہ ضمناً دوسرے کو اپنے نکاح کے لیے اپنا وکیل بنانا ہے، مطلب یہ ہوا کہ تو میری طرف سے وکیل بن کر میرا نکاح کر دے پھر جب دوسرے نے ... مجلس میں اس کے جواب میں کہا کہ میں نے نکاح کر دیا، یا میں نے قبول کیا یا مان لیا تو عاقدین کے ایجاب و قبول کے حکم میں ہو گیا اور نکاح صحیح ہو گیا۔

اور بعضوں نے کہا کہ امر کا یہ صیغہ ایجاب ہے توکیل (وکیل بنانا) نہیں ہے اور اس دوسرے قول کو صاحب بحر نے ترجیح دی ہے۔

اور مضارع کا دوسرا لفظ جو واحد متکلم کا صیغہ ہو یا جمع متکلم کا یا واحد مؤنث حاضر کا، جیسے میں تجھ سے شادی کر رہا ہوں، یا ہم تجھ سے شادی کر رہے ہیں، تو اس سے بھی نکاح منعقد ہو جائے گا جب کہ وہ مضارع عربی کے صیغہ سے مستقبل کے معنی کا ارادہ نہ کرے، کیونکہ مستقبل کا معنی مراد لے گا، تو اس سے نکاح کا انعقاد نہیں ہوگا بلکہ نکاح کا وعدہ ہوگا۔ اسی طرح نکاح اسم فاعل کے صیغہ سے بھی منعقد ہو جاتا ہے، جب کہ اس سے حال کا معنی مراد ہو، جیسے کوئی کہے میں تمہارے ساتھ نکاح کرنے والا ہوں یا اس طرح کہے کہ میں تیرے پاس منگنی کرنے والا ہو کر آیا ہوں، ان الفاظ سے اس وجہ سے نکاح منعقد ہوگا کہ نکاح کے باب میں ... کا رواج نہیں ہے، کہ کوئی اس سے دوسرا معنی مراد لے سکے۔ البتہ خرید و فروخت میں یہ بات ہوتی ہے، لہٰذا وہاں بیع کا معاملہ اس وقت تک طے نہیں ہوگا جب تک دوسرا یہ نہ کہہ دے کہ میں نے خریدا۔

او ھل اعطیتنیھا ان المجلس للنکاح و ان للوعد فوعد ولو قال لھا یا عرسی فقالت لبیک انعقد علی المذھب فلا ینعقد بقبول بالفعل کقبض مھر ولا بتعاط ولا بکتابۃ حاضر بل غائب بشرط اعلام الشھود بما فی الکتاب ما لم یکن بلفظ الامر فتتولی الطرفین فتح ولا بالاقرار علی المختار خلاصۃ کقولہ ھی امرأتی لان الاقرار اظھار لما ھو ثابت ولیس بانشاء وقیل

ان كان بمحضر من الشهود صح كما يصح بلفظ الجَعل وجُعِلَ الاقرار انشاء وهو الاصح ذخيرة ولاينعقد بتزوجت نصفك فى الاصح احتياطا خانية بل لا بد ان يضيفه الى كلها او ما يعبر به عن الكل و منه الظهر والبطن على الاشبه ذخيرة ورجحوا فى الطلاق خلافه فيحتاج للفرق واذا وصل الايجاب بالتسمية للمهر كان من تمامه اى الايجاب فلو قبل الآخر قبله لم يصح لتوقف اول الكلام على آخره لوفيه ما يغير اوله ومن شرائط الايجاب والقبول اتحاد المجلس لو حاضرين و ان طال كمخيرة وان لا يخالف الايجاب القبول كقبلت النكاح لا المهر نعم يصح الحط كزيادة قبلتها فى المجلس

مجلس نکاح نکاح اس طرح بھی منعقد ہو جاتا ہے جب نکاح کی مجلس منعقد کر کے عورت کے باپ یا ولی سے مرد کہے کہ کیا تو نے مجھے وہ عورت دیدی؟ اور اس کے جواب میں اس کا باپ یا ولی کہے میں نے دیدی، اگر یہ مجلس نکاح کی مجلس ہے تو نکاح ہو جائے گا اور اگر یہ وعدہ کی مجلس ہے تو اس کلام سے نکاح کا صرف وعدہ ہو گا نکاح منعقد نہیں ہو گا، اگر کسی مرد نے عورت سے کہا اے میری بیوی، اس نے جواب میں لبیک کہہ دیا، تو اس سے بھی نکاح منعقد ہو گیا، مذہب مختار یہی ہے۔

نکاح میں ایجاب و قبول دونوں کے متعلق معلوم ہوا کہ ان دونوں کا لفظی ہونا شرط ہے، لہٰذا فعلی قبول سے نکاح منعقد نہیں ہو گا۔ جیسے مرد نے عورت سے کہا کہ میں نے تجھ سے شادی کی اور عورت جواب میں، میں نے قبول کیا، کہنے کے بجائے صرف مہر پر عملاً قبضہ کر لے، اسی طرح لین دین سے بھی نہیں ہوتا ہے، مثلاً کسی شخص نے اپنی بیٹی ایک شخص کے حوالہ کی اور اس نے گواہوں کے سامنے صرف مہر سپرد کر دیا زبان سے کچھ نہیں بولا۔

نکاح بذریعہ کتابت اسی طرح موجود شخص کے لکھنے سے بھی نکاح منعقد نہیں ہوتا، البتہ جو شخص غائب ہو اور اس نے گواہوں کو خط کے مضمون سے آگاہ کر دیا ہو، خط پڑھ کر یا زبانی تو اس سے نکاح منعقد ہو جائے گا غائب شخص کے خط پر گواہوں کو بتانا اس وقت ضروری ہے جب خط میں امر کا صیغہ استعمال نہ کیا گیا ہو، بلکہ ماضی کے صیغہ کے ساتھ لکھا ہو کہ میں نے تجھ سے نکاح کیا، اور اگر صیغہ امر کا ہو جیسے تو میرا نکاح اپنی ذات سے کر لے تو اس صورت میں عورت مرد کی وکیل ہو گی اور اپنی طرف سے اصیل، دونوں طرف سے اس کو تصرف کا حق حاصل ہو گا، اس کے جواب میں عورت نے میں نے اپنا نکاح اس کے ساتھ کر لیا تو یہ جملہ ایجاب و قبول دونوں کے قائم مقام ہو جائے گا، اور خط کا مضمون گواہوں کو سنانا ضروری نہیں ہو گا، البتہ صرف قبول والا جملہ سنانا ضروری ہو گا۔

صرف اقرار سے نکاح مذہب مختار کے مطابق صرف اقرار سے بھی نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے کذا فی الخلاصہ، جیسے مرد کا کہنا یہ میری بیوی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اقرار ثابت شدہ چیز کے اظہار کا نام ہے، اقرار انشاء نہیں ہے حالانکہ نکاح میں انشاء کا ہونا ضروری ہے۔

اور بعض فقہاء نے کہا کہ اگر گواہوں کے سامنے اقرار پایا گیا ہے تو نکاح منعقد ہو جائے گا —— اور اقرار کو انشاء سمجھا جائے گا، جس طرح لفظ جعل سے نکاح صحیح ہوتا ہے (فتح القدیر سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر گواہوں کے سامنے —— شوہر نے

نکاح کا اقرار کرلیا، حالانکہ نکاح گواہوں کے بغیر ہوا تھا، تو اس میں اختلاف ہے صحیح تر یہ ہے کہ اگر میاں بیوی نے مہر کا نام لیا ہے تو نکاح جدید منعقد ہوگا، اور اگر دونوں نے نکاح ہوئے بغیر ہی نکاح کا اقرار کیا ہے تو نکاح نہیں ہوگا، البتہ اس صورت میں اس وقت نکاح منعقد ہوگا جب گواہوں نے یہ کہا ہو کہ ہم نے اس اقرار کو نکاح بنالیا ہے، پھر دونوں نے قبول کیا تو یہاں لفظ "جعل" (بنالیا) سے نکاح صحیح ہوگیا، کیونکہ اقرار کو انشاء بنالیا گیا زیادہ صحیح یہی ہے کذافی الذخیرہ۔

اگر کوئی کہے کہ میں نے تیرے نصف سے نکاح کیا تو اس سے نکاح منعقد نہیں ہوگا، احتیاط کا یہی تقاضا ہے اور یہی اصح بھی ہے کذافی الظہیریہ اس لیے کہ حلت و حرمت ایک جگہ جمع ہوئی تو احتیاطاً حرمت کو مقدم کیا جائے گا۔

نکاح کی نسبت کل کی طرف

نکاح کے درست ہونے کے واسطے ضروری ہے کہ نکاح کو کل کی طرف منسوب کرے یا اس عضو کی طرف جو کل بدن کی جگہ بولا جاتا ہے جیسے پیٹھ، پیٹ، اشبہ مذہب یہی ہے، اور فقہاء نے باب طلاق میں اس کے برعکس کو ترجیح دی ہے یعنی اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے اپنی بیوی کی پیٹھ یا پیٹ کو طلاق دی تو مذہب اصح میں طلاق واقع نہیں ہوگی، لہٰذا اس کی ضرورت ہوئی کہ فرق کو ظاہر کیا جائے کہ نکاح ان اعضاء کے ساتھ ہو جاتا ہے اور طلاق نہیں ہوتی۔

پورے ایجاب کا قبول

اگر کسی نے ایجاب میں مہر کا نام شامل کردیا ہے تو اس پورے ایجاب کو قبول کرنے سے نکاح ہوگا، اس صورت میں اگر کوئی مہر کا نام لینے سے پہلے قبول کا جملہ ادا کرے گا تو نکاح درست نہیں ہوگا، اس وجہ سے کہ اول کلام اپنے اخیر پر موقوف ہوتا ہے، مثلاً عورت نے مرد سے کہا "میں نے تیرے ساتھ ہزار درہم پر نکاح کیا" اور مرد نے مہر کا نام لینے سے پہلے قبول کرلیا تو نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

اگر ہونے والے میاں بیوی دونوں مجلس میں حاضر ہوں تو اس وقت ایجاب و قبول کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مجلس متحد ہو، گو مجلس عنی ہو، ایسی صورت میں اگر عورت نے ایجاب کیا اور مرد نے دوسری مجلس میں قبول کیا تو نکاح درست نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں مجلس ایک باقی نہیں رہی بلکہ دو ہوگئی، جس طرح اس عورت کا اختیار مجلس تکلم تک محدود ہوتا ہے جس کو شوہر نے طلاق کا اختیار دیا ہو کہ تو چاہے تو اپنی ذات کو اختیار کرے، مجلس ختم ہونے کے بعد اختیار جاتا رہے گا۔

قبول کا ایجاب کے مطابق ہونا

ایجاب و قبول کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ، قبول ایجاب کے مخالف نہ ہو، جیسے مرد کہے کہ میں نے تیرے ساتھ ہزار روپیہ مہر پر نکاح کیا۔ یہ ایجاب ہوا، عورت اس کے جواب میں کہے کہ میں نے نکاح قبول کیا، مہر قبول نہیں کیا، یہ قبول ہے، تو اس صورت میں ایجاب و قبول میں یکسانیت نہیں رہی، کیونکہ مہر متعین اور مہر مثل ایک دوسرے کے مغائر ہیں، لہٰذا نکاح نہیں ہوگا۔

البتہ عورت کی طرف سے متعین مہر میں کمی درست ہے جیسے مرد نے ہزار روپیہ مہر کے بدلے نکاح کیا تھا عورت اس کے جواب میں کہے کہ میں نے پانچ سو روپے کے بدلے نکاح قبول کیا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہزار روپیہ پر قبول کرکے پانچ سو اپنی طرف سے اس نے کم کردیا۔ اس کمی کے متعلق مرد کا یہ کہنا شرط نہیں ہے کہ میں نے اس کمی کو قبول کیا، کیونکہ یہ عورت کی طرف سے ساقط کرنا ہے مہر میں یہ کمی اسی طرح درست ہے جس طرح مہر میں اضافہ درست ہے، جس کو عورت نے اسی مجلس میں قبول کرلیا ہو، جیسے کسی عورت نے کہا کہ میں نے ہزار روپیہ مہر پر تم سے نکاح کیا، مرد نے اس کے جواب میں کہا کہ میں نے

دو ہزار روپیہ مہر پر نکاح قبول کیا تو یہ صحیح ہے، مگر شرط یہ ہے عورت نے اس دو ہزار کو اسی مجلس میں قبول کر لیا ہو۔

وان لا یکون مضافا ولا معلقا کما سیجیٔ ولا المنکوحة مجهولة ولا یشترط العلم بمعنی الایجاب والقبول فیما یستوی فیه الحد والهزل اذلم یحتج لنیة به یفتی

نکاح معلق اور منسوب بہ مستقبل ایجاب وقبول کی شرطوں میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ نکاح کی نسبت زمانہ مستقبل کی طرف نہ ہو اور نہ نکاح کسی شرط پر معلق ہو، مستقبل کی مثال جیسے کوئی کہے کہ میں کل تیرے ساتھ نکاح کروں گا یا کل قبول کروں گا اور معلق کی مثال جیسے کوئی کہے کہ میں نے تیرے ساتھ نکاح کیا اگر میرا باپ راضی ہوگا، اس سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے۔

ایجاب وقبول کی شرائط میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ منکوحہ نامعلوم نہ ہو، جیسے ایک شخص کی دو لڑکیاں ہیں اور اس نے ان میں سے ایک کا نکاح بغیر نام متعین کیے کر دیا، تو نکاح صحیح نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس میں جہالت پائی جاتی ہے اور لڑکی جس سے شادی ہو رہی ہے متشخص نہیں۔

ایجاب وقبول کے معنی جاننا ایجاب وقبول کے معنی کا جاننا اس نکاح میں شرط نہیں ہے جس میں قصد کرنا اور نہ کرنا برابر ہو، اس وجہ سے کہ ایسے عقد میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے (اس باب میں فقہاء کا باہم اختلاف ہے بعضوں کا کہنا ہے کہ عاقدین کے لیے ایجاب وقبول کے معنی کا جاننا ضروری ہے، اور بعضوں نے کہا دیانۃً تو ضروری ہے، قضاءً ضروری نہیں کذا فی الخانیہ اور بعضوں نے کہا کہ جو عقد ایسا ہو جس میں ارادہ کرنا اور نہ کرنا دونوں یکساں ہوں، جیسے طلاق، نکاح، عتاق تو اس میں علم ضروری نہیں ہے شارح نے اسی قول کو پسند کیا ہے اور اسی کو ترجیح دی ہے البتہ بیع بغیر علم درست نہیں۔

وانما یصح بلفظ تزویج و نکاح لانهما صریح وما عدا هما کنایة وهو کل لفظ وضع لتملیك عین کاملة فلا یصح بالشرکة فی الحال خرج الوصیة غیر المقیدة بالحال کهبة وتملیك وصدقة وعطیة وقرض وسلم واستئجار وصلح وصرف وکل ما تملك به الرقاب بشرط نیة او قرینة وفهم الشهود المقصود لا یصح بلفظ اجارة براء او بزای و اعارة ووصیة ورهن ووديعة ونحوها مما لا یفید الملك لکن تثبت به الشبهة فلا یحدو لها الاقل من المسمی ومهر المثل وکذا تثبت بکل لفظ لا ینعقد به النکاح فیلحفظ والفاظ مصحفة کتجوزت لصدوره لا عن قصد صحیح بل عن تحریف و تصحیف فلم یکن حقیقة ولامجاز العدم العلاقة بل غلطا فلا اعتبار به اصلا تلویح نعم لم اتفق قوم علی النطق بهذه الغلطة وصدرت عن قصد کان ذلك وضعا جدیدا فیصح به افتی ابوالمسعود و اما الطلاق فیقع بها قضاء کما فی اوائل الاشباه

لفظ تزویج ونکاح لفظ تزویج اور لفظ نکاح سے انعقاد نکاح درست ہے کیونکہ یہ دونوں الفاظ اسی معنی کے لیے بنائے گئے ہیں، اور یہ اس معنی میں صریح ہے، البتہ ان دو لفظوں کے سوا جو الفاظ ہیں وہ ان کے لیے کنایہ کی حیثیت رکھتے ہیں، اور نکاح کا کنایہ ہر وہ لفظ ہے جو فی الحال ذات کی تملیک کامل کے لیے بنایا گیا ہو، لفظ "شرکت" کے لفظ کے ساتھ نکاح درست نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں تملیک کامل نہیں پائی جاتی ہے، اور نہ یہ اس کے لیے بنایا گیا ہے۔

فی الحال کی قید سے وہ وصیت نکل گئی جس میں بالفعل کی قید نہیں ہو، جیسے کسی نے کہا کہ میں نے اپنی باندی کی قربت ہزار دراہم کے بدلے اپنی موت کے بعد تم کو دی، اور دوسرے شخص نے قبول کیا تو اس سے نکاح صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ فی الحال تملیک نہیں پائی گئی۔

لفظ ہبہ وغیرہ سے نکاح تملیک فی الحال کی مثال جیسے ہبہ، تملیک، صدقہ اور عطا مثلاً عورت کہے کہ میں نے اپنی ذات کو ہبہ کیا یا میں نے اپنی ذات کا تم کو مالک بنایا یا میں نے اپنے کو صدقہ کر دیا، یا دے ڈالا، اور دوسرے نے اسے قبول کیا تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔

لفظ سلم اور استیجار سے بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے، اور لفظ قرض، صلح اور صرف سے بھی نکاح ہو جاتا ہے، اسی طرح اُن الفاظ سے بھی جو ملکیت کا فائدہ بخشتے ہوں بشرطیکہ متکلم کی نیت پائی جائے یا قرینہ اس معنی پر دلالت کرتا ہو اور یہ گواہ مقصود سمجھتے ہوں۔

لفظ اجارہ وغیرہ سے نکاح لفظ اجارہ یا اجازہ سے نکاح درست نہیں ہوتا ہے اس وجہ سے کہ اس میں دائمی تملیک کا معنی نہیں پایا جاتا ہے، بلکہ منفعت کی تملیک موقت ہوتی ہے حالانکہ نکاح میں دوام کی شرط ضروری طور پر ہے، اسی طرح نکاح لفظ اعادہ، وصیت، رہن، ودیعت اور اُن جیسے دوسرے ایسے الفاظ سے درست نہیں ہوتا ہے، جو ملکیت کے لیے مفید نہیں ہیں، البتہ ان الفاظ سے نکاح کا شبہ ثابت ہوتا ہے، لہٰذا جن لوگوں نے ان الفاظ کے ساتھ نکاح کیا ہے ان پر حد جاری نہیں کی جائے گی، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شبہ آنے سے حد ٹل جاتی ہے اور اس صورت میں عورت کو مہر متعین اور مہر مثل میں سے ایک ملے گا، جو کم ہوگا۔ ایسے ہی اُن تمام الفاظ سے نکاح کا شبہ ثابت ہوتا ہے جن سے نکاح منعقد نہیں ہوتا اسے یاد رکھنا چاہیے۔

تصحیف شدہ الفاظ سے نکاح اُن الفاظ سے بھی نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے جن میں تصحیف ہوئی ہو جیسے لفظ تجوزت جو تزوجت کی جگہ کہا گیا ہو، اور ان الفاظ سے نکاح اس لیے منعقد نہیں ہوتا ہے کہ یہ الفاظ صحیح ارادہ سے نہیں ادا ہوتے ہیں بلکہ تبدیل اور تغییر کے طور پر ہے، لہٰذا یہ نہ حقیقت ہوتے ہیں اور نہ مجاز۔ ان کا اصل لفظ سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا، بلکہ یہ الفاظ غلط ہوتے ہیں اور ان کا بالکل اعتبار نہیں ہوتا، تصحیف سے یہاں مطلقاً غلطی اور خطا مراد ہے۔

مروّج غلط الفاظ سے نکاح البتہ اگر کوئی قوم یا علاقہ ایسے غلط الفاظ بولنے پر اتفاق کر لے، اور وہاں بالقصد ایسے ہی الفاظ بولے جاتے ہوں تو یہ بولنا وضع جدید شمار ہوگا، اور اس وقت تک ان غلط الفاظ سے نکاح منعقد ہو جائے گا شیخ الاسلام مفتی ابوالمسعود کا اسی پر فتویٰ ہے، باقی غلط اور تصحیف شدہ الفاظ سے طلاق کا مسئلہ اگر ان کے

...تھ طلاق دی جائے گی تو قضاءً طلاق واقع ہو جائے گی دیانۃً نہیں ہوگی، چنانچہ اشباہ کے اوائل میں اس کی صراحت موجود ہے، جیسے کوئی طلاق کو تلاق یا طلاک کہے تو اس سے طلاق واقع ہوگی۔

والاحتياط احتراما للفروج وشرط سماع كل من العاقدين لفظ الآخر ليتحقق رضاهما و شرط حضور شاهدين حرين او حر و حرتين مكلفين سامعين قولهما معا على الاصح فاهمين انه نكاح على المذهب بحر مسلمين لنكاح مسلمة ولو فاسقين او محدودين في قذف او اعميين او ابني الزوجين او ابني احدهما وان لم يثبت النكاح بهما اى بالابنين ان ادعى القريب كما صح نكاح مسلم ذمية عند ذميين ولو مخالفين لدينهما وان لم يثبت النكاح بهما مع انكاره

بغیر بولے ہوئے عمل سے نکاح

تعاطی سے بھی نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے کیونکہ فروع کا احترام کیا جانا ضروری ہے، تعاطی کا مفہوم ہے کہ منہ سے کچھ نہ کہے صرف عمل سے رضا کا اظہار کرے، جیسے مرد عورت کے سامنے مہر کے روپے رکھ دے اور عورت اس کے ساتھ ہولے۔

نکاح کے درست ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ عاقدین میں ہر ایک دوسرے کے الفاظ سنے، تاکہ اس سے دونوں کی رضامندی کا تحقق ہو سکے۔

گواہوں کا ہونا

صحت نکاح کے لیے دو گواہوں کا موجود ہونا بھی شرط ہے، حدیث نبویؐ ہے۔ لَا نِکَاحَ اِلَّا بِشُهُودٍ یعنی نکاح بغیر گواہوں کے نہیں ہوتا اور اعلان کی ادنیٰ صورت یہ ہے کہ دو گواہ عاقدین کے ایجاب و قبول کے الفاظ سنیں پھر یہ کہ دونوں گواہ آزاد ہوں، دونوں مرد ہوں یا ایک مرد ہو اور دو آزاد عورتیں صرف غلاموں اور فقط عورتوں کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے۔

گواہوں کے لیے شرائط

نکاح کے دونوں گواہوں کا عاقل، بالغ ہونا بھی ضروری ہے لہٰذا نابالغوں اور پاگلوں کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوگا، ان دونوں گواہوں کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ یہ دونوں عاقدین الفاظ ساتھ ساتھ سنیں اصح مذہب یہی ہے لہٰذا اگر کوئی ایک گواہ کو ایک مجلس میں سنائے اور دوسرے گواہ کو دوسری مجلس میں تو نکاح نہیں ہوگا، اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سونے والوں کی موجودگی یا بہروں کی موجودگی سے نکاح نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ یہ سن نہیں پاتے ہیں۔

یہ بھی شرط ہے کہ دونوں گواہ سمجھ رہے ہوں کہ یہ نکاح ہو رہا ہے، لہٰذا اگر ہندوستانی گواہوں کے سامنے جو عربی بالکل نہ سمجھتے ہوں ایجاب و قبول عربی میں ہو اور وہ یہ نہیں جانتے ہوں کہ ان جملوں سے نکاح ہو رہا ہے تو نکاح درست نہیں ہوگا، لیکن اگر وہ سمجھتے ہوں کہ ان الفاظ سے نکاح ہو رہا ہے گو معنی نہ جانتے ہوں تو نکاح ہو جائے گا۔

فاسق وغیرہ کی گواہی

مسلمان کے نکاح میں یہ بھی شرط ہے کہ دونوں گواہ مسلمان ہوں، خواہ فاسق ہی کیوں نہ ہوں، یا ان پر حد قذف ہی کیوں نہ جاری ہو چکی ہو، یا دونوں اندھے ہی کیوں نہ ہوں...

ہو جائے گا، چنانچہ وہ دونوں گواہ بیوی یا شوہر کے لڑکے بھی ہوں گے تو بھی ان کی موجودگی اور گواہی میں نکاح ہو جائے گا، یعنی عورت کا لڑکا دوسرے شوہر سے ہو، اسی طرح مرد کا بیٹا دوسری بیوی سے ہو۔ یا میاں بیوی میں سے کسی ایک ہی کے دو لڑکے گواہ ہوں تو بھی نکاح ہو جائے گا، گو بوقت مخاصمت دونوں بیٹوں کی گواہی سے بیٹوں والوں کے حق میں نکاح ثابت نہ ہو سکے گا اگر مدعی بیٹیوں والا بنا ہے۔ یعنی اگر صرف میاں کے دو بیٹوں کی گواہی سے نکاح ہوا ہے یا بیوی کے دو بیٹوں کی گواہی سے نکاح ہوا ہے، تو ان کی گواہی سے نکاح ہو جائے گا، لیکن مثلاً عورت کے دو بیٹوں کی گواہی سے نکاح ہوا تھا اور بعد میں مرد نکاح سے منکر ہو گیا اور عورت نے نکاح کا دعویٰ کیا تو اب قاضی کے سامنے اس کے ان بیٹوں کی گواہی سے نکاح ثابت نہیں ہو سکے گا، اور اگر مرد مدعی ہوا ہے اور عورت منکر اور عورت کے لڑکوں نے گواہی دی تو اس صورت میں مرد کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔ مختصر یہ کہ فرع کی گواہی سے اصل کا نفع ثابت نہیں ہوا کرتا ہے۔ البتہ ضرر ثابت ہو جاتا ہے۔

جس طرح مسلمان مرد کا نکاح ذمیہ عورت سے دو ذمیوں کی گواہی سے منعقد ہو جاتا ہے، گو دونوں ذمی عورت کے دین کے خلاف دین رکھتے ہوں، مگر ذمیوں کی گواہی سے مسلمان پر نکاح کا دعویٰ ثابت نہیں ہو سکے گا، یعنی اگر مسلمان مرد ذمیہ سے نکاح کا انکار کردے اور گواہی میں یہی دو ذمی پیش ہوں اور وہ نکاح ہونے کی گواہی دیں تو ان کی گواہی سے ذمیہ کا دعویٰ نکاح ثابت نہیں ہوگا۔ اس وجہ سے کہ مسلمان کے ضرر کے سلسلہ میں کافر کی گواہی معتبر نہیں ہے۔

الاصل عندنا ان كل من ملك قبول النكاح بولاية نفسه انعقد بحضرته امر الاب رجلا ان يزوج صغيرته فزوجها عند رجل او امرأتين والحال ان الاب حاضر صح لانه يجعل عاقدا حكما والا لا ولو زوج ابنته البالغة العاقلة بمحضر شاهد واحد جازان كانت ابنته حاضرة لانها تجعل عاقدة والا لا الاصل ان الآمر متى حضر جعل مباشرا ثم انما تقبل شهادة المامور اذا لم يذكر انه عقده لئلا بشهد على فعل نفسه ولو زوج المولىٰ عبده البالغ بحضرته وواحد لم يجز على الظاهر ولو اذن له فعقد بحضرة المولى ورجل صح والفرق لا يخفى

گواہوں کے سلسلہ میں قاعدۂ کلیہ

ہم حنفیوں کے نزدیک گواہی کے درست ہونے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو اپنی ولایت اور ذات سے نکاح قبول کرنے کا مالک ہوتا ہے اس کی موجودگی سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے مثلاً فاسق اور ذمی کو بطور خود قبولِ نکاح کا اختیار حاصل ہے تو ان کا گواہ ہونا بھی درست ہوگا۔ بخلاف نابالغ، غلام اور پاگل کے، کہ ان کو اپنی ذات کا اختیار بھی نہیں ہوتا لہٰذا ان کی گواہی بھی درست نہیں ہوگی

مجلس نکاح میں باپ کی موجودگی

ایک باپ نے کسی کو حکم دیا کہ وہ اُس کی نابالغہ لڑکی کی شادی کردے چنانچہ اس مرد نے بحیثیت وکیل ایک مرد یا دو عورتوں کی موجودگی میں ایسی مجلس میں نابالغہ کا نکاح کر دیا جہاں باپ (حکم دینے والا) بھی موجود تھا، تو یہ نکاح صحیح ہوگا۔ اس وجہ سے کہ اس صورت میں حکماً باپ کو عاقد قرار دیا جائے گا، یعنی جب مجلس نکاح میں نابالغہ کا باپ موجود ہے تو اس صورت میں مرد وکیل کی وکالت کی ضرورت باقی

نہیں رہی۔ لہٰذا باپ عاقد قرار پائے گا اور یہ وکیل اور ایک مرد یا دو عورتیں جو مجلس میں موجود ہیں یہ گواہ قرار پائیں گے، اس طرح گواہوں کا نصاب پورا ہو جائے گا۔ اور نکاح بلا عذر درست قرار پائے گا۔ البتہ اگر باپ اس مجلس نکاح میں موجود نہیں رہا ہے، اور وکیل نے ایک مرد یا دو عورتوں کی موجودگی میں نابالغہ کا نکاح کر دیا تو نکاح نہیں ہوگا اس لیے کہ وکیل خود عاقد قرار پایا اور اس طرح گواہوں کا نصاب پورا نہیں ہوا۔

اگر کسی باپ نے اپنی عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح صرف ایک گواہ کی موجودگی میں کیا، تو یہ نکاح اُس وقت درست ہوگا جب لڑکی بالغہ جس کا نکاح ہو رہا ہے، اس مجلس نکاح میں موجود ہو، کیونکہ اس صورت میں وہ بالغہ لڑکی خود عاقدہ قرار دی جائے گی اور ایک گواہ اور اس کا باپ یہ دونوں اس کے گواہ ہو جائیں گے اور اگر وہ بالغہ لڑکی مجلس نکاح میں موجود نہیں ہوگی تو صورت مذکورہ میں نکاح منعقد نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں باپ عاقد ہوگا، اور گواہ صرف ایک رہ جائے گا اور ایک گواہ کی گواہی سے نکاح درست نہیں ہوتا ہے۔

حکم کرنے والے کے لیے قاعدہ

حکم دینے والے مسئلے میں قاعدہ یہ ہے کہ جب حکم کرنے والا موجود ہوگا وہی مباشر اور عقد کرنے والا قرار پائے گا۔ اور جس کو حکم دیا گیا ہے وہ سفیر محض کے درجہ میں ہوگا۔ اور جب مامور عاقد نہیں ہوگا تو گواہ بن جائے گا۔

مامور (جس کو حکم دیا گیا ہے) اس کی گواہی اسی صورت میں قبول ہوگی جب تک وہ اپنے کو عاقد نہ کہے تا کہ اپنی ذات کے فعل پر گواہی دینا لازم نہ آئے، یعنی جب مامور اپنے کو عاقد کہے گا تو اس کا گواہی دینا درست نہیں ہوگا کیونکہ اپنے فعل کی گواہی درست نہیں ہے۔

اگر کسی آقا نے اپنے غلام بالغ کی شادی خود اس غلام اور ایک دوسرے شخص کی موجودگی میں کر دی، تو ظاہر روایت کی بنیاد پر نکاح درست نہیں ہوگا کیونکہ آقا کی اجازت کے بغیر غلام عاقد بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے کہ آقا کو دوسرا گواہ قرار دیا جا سکے، اور ایک گواہ کی موجودگی میں نکاح جائز نہیں ہوتا ہے۔ البتہ اگر آقا نے اپنے اس غلام کو نکاح کی اجازت دیدی ہے اور اس کے موجود رہنے کی صورت میں ایک گواہ کے سامنے اس نے اس کا نکاح کیا ہے تو نکاح صحیح ہو جائے گا، کیونکہ غلام اس صورت میں عاقد قرار پائیگا، اور آقا اور ایک گواہ مل کر دو گواہ قرار دیئے جائیں گے۔

ولو قال رجل لآخر زوجتني ابنتك فقال الآخر زوجت او قال نعم مجيبا له لم يكن نكاحا مالم يقل المجيب بعده قبلت لان زوجتني استخبار وليس بعقد بخلاف زوجني لانه توكيل غلط وكيلها بالنكاح في اسم ابيها بغير حضورها لم يصح للجهالة وكذا لوغلط في اسم بنته الا اذا كانت حاضرة واشار اليها فيصح ولو له بنتان اواد تزويج الكبرى فغلط فسماها باسم الصغرى صح للصغرى خانية ولو بعث مريد النكاح اقواما للخطبة فزوجها الاب اوالولي بحضرتهم صح فيجعل المتكلم فقط خاطبا والباقي شهودا به يفتى فتح

خبر دینے سے نکاح نہیں ہوتا

ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا کہ تم نے اپنی صاحبزادی سے میری شادی کر دی، دوسرے نے اس کے جواب میں کہا میں نے شادی کر دی، یا اس نے جواب میں کہاہاں، تواس صورت میں نکاح صحیح نہیں ہوگا جب تک ایجاب کرنے والا اس کے بعد اس طرح نہ کہے کہ میں نے قبول کیا، کیونکہ زوجتنی (تم نے میری شادی کر دی) استخبار واستفہام ہے عقد نہیں۔

اس کے خلاف اگر کوئی دوسرے سے اس طرح کہے کہ تواپنی لڑکی کا مجھ سے نکاح کردے اور اس نے اس کے جواب میں کہامیں نے نکاح کر دیاتو پھر اس نے بعد میں نے قبول کیا کہنے کی ضرورت نہیں، نکاح ہو جائے گا اس لیے کہ یہ جملہ کہ تواپنی لڑکی کا مجھ سے نکاح کردے، وکیل بناتا ہے، یعنی گویااس نے اس کو اپنے نکاح کا وکیل بنادیا۔ تواب زوجتُ (میں نے نکاح کردیا) ایجاب وقبول دونوں کے قائم مقام ہو گیا۔ اس لیے کہ نکاح میں ایک شخص دونوں طرف کا ذمہ دار بن سکتا ہے البتہ بیع میں یہ صورت نہیں ہوسکتی ہے۔

عورت کے باپ کے نام میں غلطی کا اثر

عورت مجلس نکاح میں موجود نہیں تھی اور نکاح کے وکیل سے غلطی یہ ہوئی کہ لڑکی کے باپ کا صحیح نام نہیں لیاتواس صورت میں نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ عورت کا امتیاز نہیں ہوسکا، کہنا چاہیے تھازید کی لڑکی اس نے غلطی سے خالد کی بیٹی کہہ دیااور خود عورت وہاں موجود نہیں تھی، تو پھر نکاح کیسے درست ہوگا۔ ہاں اگر وہاں عورت موجود ہوتی تو نام لینے میں وکیل کی غلطی اثر انداز نہیں ہوتی، کیونکہ اس کی موجودگی سے اس کا تعین خود ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی باپ اپنی بیٹی کے نام میں غلطی کر گیااور وہ موجود نہیں تھی تو بھی نکاح صحیح نہیں ہوگا، لیکن اگر وہ موجود تھی اور باپ نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا تھاتو نکاح صحیح اور جائز ہوگا اس صورت میں نام کی غلطی مضر نہیں ہے۔

باپ بڑی کے بجائے چھوٹی لڑکی کا نام لیلے

اگر کسی شخص کی دولڑکیاں تھیں اور اس کا ارادہ ان میں سب سے بڑی کے نکاح کا تھااور غلطی سے نام چھوٹی کا لے لیا تو اس صورت میں چھوٹی لڑکی کا نکاح درست ہو جائے گا بشرطیکہ اس کے نکاح کے لیے کوئی مانع شرعی موجود نہ ہو، لیکن اگر مانع شرعی ہے، جیسے وہ کسی کی منکوحہ ہے، یااس شوہر کے لیے جائز نہیں ہے، تو پھر ان میں سے کسی کا نکاح درست نہیں ہوگا بڑی کا اس وجہ سے درست نہیں ہواکہ اس کا نام نہیں لیا گیااور چھوٹی سے اس وجہ سے جائز نہیں ہواکہ وہ محل نکاح باقی نہیں تھی۔

نکاح کا ارادہ کرنے والے نے کچھ لوگوں کو منگنی کے واسطے بھیجا، لڑکی کے باپ یااس کے ولی نے ان کی موجودگی میں اس کا نکاح کر دیا، یہ نکاح صحیح ہوگا، اس صورت میں صرف بولنے والا منگنی کرنے والا قرار پائے گا، اور باقی لوگ گواہ ہو جائیں گے فتویٰ اسی روایت پر دیا جاتا ہے۔

فروع قال زوجني ابنتك على ان امرها بيدك لم يكن له الامر لانه تفويض قبل النكاح و كله بان يزوجه فلانة بكذا فزاد الوكيل في المهر لم ينفذ فلولم يعلم حتى دخل بقي الخيار بين اجازته و فسخه ولها الاقل من المسمى و مهر المثل لان الموقوف كالفاسد تزوج بشهادة الله و رسوله لم يجز بل قيل يكفر و الله اعلم

نکاح سے پہلے تفویض طلاق درست نہیں

ایک مرد نے دوسرے سے کہا کہ میرا نکاح اپنی لڑکی سے اس شرط پر کردے کہ اس کی طلاق کا معاملہ تیرے ہاتھ میں رہے گا تو اس صورت میں باپ کو طلاق کا اختیار نہیں ہوگا۔ اور نکاح درست ہوگا طلاق کا اختیار اس لیے نہیں ہوا کہ نکاح سے پہلے طلاق کی تفویض پائی گئی اور نکاح سے پہلے طلاق دوسرے کے سپرد کرنا درست نہیں ہے۔

ایک مرد نے دوسرے کو وکیل بنایا کہ وہ اس کا نکاح عورت سے اتنے مہر پر کردے، وکیل نے متعین مہر سے زیادہ مہر مقرر کردیا تو یہ نکاح نافذ نہیں ہوگا، البتہ موکل چاہے تو وہ مہر کی زیادتی کو قبول کرلے اور نکاح صحیح کردے اور اگر چاہے تو زیادتی کو نہ مانے اور نکاح باطل ہو جائے۔

موکل کو اختیار

اگر مہر کی زیادتی کا علم موکل کو نہیں ہو سکا اور اسی حال میں اس نے عورت سے جماع کرلیا، تو اس صورت میں بھی شوہر کو نکاح کے درست رکھنے اور باطل کردینے کا اختیار باقی رہے گا، اگر درست رکھے گا تو متعین مہر قبول کرنا ہوگا اور اگر فسخ کرے گا تو عورت کو مہر متعین اور مہر مثل میں سے جو کمتر ہوگا ملے گا، یعنی اگر مہر متعین مہر مثل سے کم ہے تو وہ اس پر واجب ہوگا اور اگر مہر مثل کم ہے مہر متعین سے تو مہر مثل واجب ہوگا۔ کیونکہ نکاح غیر نافذ جو موقوف کہا جاتا ہے نکاح فاسد کے برابر ہے لہٰذا نکاح فاسد کا حکم نکاح موقوف میں جاری ہوگا۔ اور نکاح فاسد کا حکم یہ ہے کہ اس میں کمتر مہر ملتا ہے۔

صرف اللہ و رسول کی گواہی میں نکاح

اگر کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی گواہی میں نکاح کرے گا تو وہ نکاح جائز نہیں ہوگا اور بعضوں نے ایسے شخص کے کفر کا فتویٰ دیا ہے کفر کی دلیل یہ دی ہے کہ اس نے ایک حرام کو حلال جانا، کیونکہ اللہ اور رسول کا حکم یہ ہے کہ نکاح میں آدمیوں کی گواہی معتبر ہے، غیر انسان کی گواہی کا حکم کہیں نہیں دیا گیا ہے، دوسری دلیل کفر کی یہ دی ہے کہ جب اس نے رسول کو گواہ قرار دیا تو گویا اس نے رسول کے لیے علم غیب ثابت کیا اور حال یہ ہے کہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے، اس کے سوا کسی کو عالم الغیب جاننا جائز نہیں۔

فصل فی المحرمات

اسباب التحریم انواع قرابة مصاهرة رضاع جمع ملك شرك ادخال امة على حرة فهى سبعة ذكرها لمصنف بهذا الترتيب و بقي التطليق ثلثا وتعلق حق الغير بنكاح او عدة ذكرهما في الرجعة حرم على المتزوج ذكرا كان او انثى نكاح اصله و فرعه علا او نزل وبنت اخيه و اخته و بنتها ولومن زنا وعمته وخالته فهذه السبعة مذكورة في آية حرمت عليكم امهاتكم و يدخل عمة جده و جدته و خالتهما الاشقاؤ غيرهن و اما عمة امه و خالة خالة ابيه فحلال

كبنت عمه و عمته و خاله و خالته لقوله تعالى واحل لكم ماوراء ذلكم

ان عورتوں کا بیان جن سے مرد کیلئے نکاح شرعاً درست نہیں

اسباب حرمت نکاح جن بیبیوں کی وجہ سے عورتیں حرام قرار پاتی ہیں ان کی چند قسمیں ہیں، ایک سبب حرمت، قرابت داری ہے یعنی نسبی رشتہ کی وجہ سے سات عورتوں سے نکاح حرام ہے: (۱) ماں، (۲) بیٹی، (۳) بہن، (۴) پھوپی، (۵) خالہ، (۶) بھتیجی، (۷) بھانجی۔ دوسرے سببِ حرمت، سسرالی رشتہ ہے جیسے خوشدامن (ساس) جس عورت سے ہمبستر ہو چکا ہے اس کی لڑکیاں اور اس کے لڑکے کی بیویاں، تیسرا سبب حرمت دودھ پینا ہے جیسے جس غیر عورت کا زمانہ شیر خوارگی میں دودھ پیا ہے اس کی لڑکیاں۔ چوتھا سبب حرمت جمع کرنا ہے جیسے دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا، یا بیوی اور اس کی پھوپی یا اس کی خالہ کو ساتھ ساتھ نکاح میں رکھنا، پانچواں سبب حرمت، ملکیت ہے جیسے آقا کا اپنی لونڈی سے نکاح کرنا یا آقا عورت کا اپنے غلام سے نکاح کرنا۔ چھٹا سبب حرمت مشرک ہونا ہے جیسے مجوسیہ یا ہندو بت پرست عورت سے نکاح کرنا۔ ساتواں سبب حرمت، آزادی۔ بیوی کے ہوتے ہوئے کسی لونڈی سے نکاح کرنا ہے۔

یہ سات اسباب حرمت ہیں جن کو مصنف نے ترتیب وار اس طرح بیان کیا ہے۔ اب باقی رہ گئے تین اور سبب طلاق دینا، اور غیر کے حق کا ضائع کرنا اور مدت کا پایا جانا، یعنی مطلقہ ثلثہ بھی حرام ہے اور غیر کی منکوحہ اور معتدہ بھی، ان دوسببوں کو مصنف نے فصل رجعت میں بیان کیا ہے، اس طرح کل سبب نو ہو گئے۔

اصول و فروع کی حرمت نکاح کرنے والے پر خواہ وہ مرد ہو یا عورت اس کی اصل (اوپر والے) اور اس کی شاخ (نیچے والے) حرام قرار دیئے گئے ہیں، اصل زیادہ سے زیادہ اونچے ہوں یا نیچے والے زیادہ سے زیادہ نیچے ہوں، اوپر والے میں ماں، باپ، دادا، دادی، پردادا، پردادی، نانا، نانی، پرنانا، پرنانی۔ نیچے والے میں بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، پرپوتا، پرپوتی، ناتن، ناتی وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح اپنے بھائی کی لڑکی (بھتیجی) حرام ہے یعنی سگے یا سوتیلے یا اخیافی بھائی کی بیٹی اور سگی اور سوتیلی واخیافی بہن اور ان بہنوں کی لڑکیاں یعنی بھانجی یہ رشتہ گو زنا سے ہوں تب بھی حرام ہوں گی، یعنی اصل فروع، بھتیجی، بہن اور بھانجی ہر طرح سے حرام ہیں خواہ نکاح کا رشتہ ہو یا زنا سے پایا گیا ہو، اور پھوپی بھی حرام ہے خواہ نکاح سے یہ رشتہ ہو خواہ زنا سے اور اپنی خالہ بھی حرام ہے نکاح سے ہو یا زنا سے۔

یہ ساتوں رشتے والی محرمات کا تذکرہ قرآن پاک کی اس آیت میں مذکور ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ الخ پوری آیت پڑھ جایئے۔

اوپر کی تفصیل اور پھوپی اور خالہ کی حرمت میں دادا، دادی کی پھوپی اور ان کی خالہ بھی داخل ہے یہ سگی ہوں یا سوتیلی یا اخیافی، حرمت میں سب برابر ہیں، باقی اخیافی پھوپی کی پھوپی، اور سوتیلی خالہ کی خالہ پس یہ حلال ہیں، اس لیے کہ اخیافی پھوپی کی پھوپی دادی کے شوہر کی بہن ہوئی البتہ سگی اور سوتیلی پھوپی کی پھوپی حرام ہے، اس لیے کہ پھوپی باپ کی بہن ہوئی تو پھوپی کی پھوپی دادا کی بہن ہوئی تو جس طرح باپ کی بہن حرام ہے دادا کی بہن بھی حرام ہے اور سوتیلی خالہ کی خالہ

اس وجہ سے حلال ہے، کہ سوتیلی خالہ کی ماں سگی نانی نہیں بلکہ نانا کی بیوی ہے اور نانا کی بیوی کی بہن نانا کی سالی ہوئی اور نانا کی ایسی سالی نانی پر حرام نہیں، اور اس کی خالہ یا اخیافی خالہ کی خالہ ہے تو وہ حلال نہیں ہے۔

رشتے جن سے نکاح درست ہے

چنانچہ چچا اور پھوپی کی بیٹی حلال ہے، اور اسی طرح خالہ اور ماموں کی بیٹی بھی حلال ہے ارشاد ربانی ہے، وَاُحِلَّ لَکُمْ مَاوَرَاءَ ذَالِکُمْ یعنی جو محرمات بیان کی گئی ہیں ان کے علاوہ رشتہ کی لڑکیاں حلال کی گئی ہیں کیونکہ ان سب کا محرمات میں شمار نہیں کرایا گیا ہے۔

وحرم بالمصاهرة بنت زوجته الموطؤة وام زوجته وجداتها مطلقا بمجرد العقد الصحيح وان لم توطأ الزوجة لما تقرر ان وطا الامهات يحرم البنات ونكاح البنات يحرم الامهات و يدخل بنات الربيبة والربيب و فى الكشاف واللمس و نحوه كالدخول عند ابى حنيفة واقره المصنف

ربیبہ کی حرمت

اور سسرالی رشتہ کی وجہ سے اپنی اُس بیوی کی لڑکی حرام ہے جس بیوی سے ہمبستری ہو چکی ہو، یعنی بیوی کی وہ لڑکی جو اس کے دوسرے شوہر سے ہے۔ اصطلاح میں اس لڑکی کو ربیبہ کہتے ہیں، اور اگر عورت سے صرف نکاح ہوا تھا ابھی وطی نہیں ہوئی تھی کہ اس کو طلاق دیدی تو اس صورت میں اس عورت کی لڑکی سے جو دوسرے شوہر سے ہے شادی جائز ہے۔

بیوی کی سگی ماں وغیرہ کی حرمت

باقی اپنی بیوی کی ماں اور اس کی دادیاں اور نانیاں مطلقاً حرام ہیں خواہ سگی ہوں، خواہ سوتیلی۔ اور یہ حرمت صرف نکاح صحیح کرنے سے ثابت ہو جاتی ہے وطی پائی گئی ہو، یا نہ پائی گئی ہو، دونوں صورتوں میں۔ (نکاح صحیح کی قید اس لیے لگائی گئی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ نکاح فاسد سے خوشدامن وغیرہ حرام نہیں ہوتی ہیں، جب تک اس میں جماع یا بیوی کا شہوت سے چھونا نہ پایا جائے)

ایک میں وطی کی قید ہونا دوسرے میں نہ ہونا

ربیبہ کی حرمت کا وطی کے ساتھ مقید کرنا اور خوشدامن (ساس) کی حرمت بلا قید اس وجہ سے ہے کہ شریعت میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ماں سے وطی بیٹیوں کو حرام کر دیتی ہے اور بیٹیوں کے ساتھ صرف نکاح کرنا (گو بلا وطی ہو) ماؤں کو حرام کر دیتا ہے، قرآن میں یہ دونوں مسئلے صراحت کے ساتھ موجود ہیں۔

ربیبہ کی حرمت میں ربیبہ اور ربیب کی بیٹیوں کی حرمت بھی داخل ہے، تفسیر کشاف میں ہے شہوت کے ساتھ چھونا اور اسی طرح دوسری حرکت ابو حنیفہؒ کے نزدیک قائم مقام دخول (وطی کرنے) کے ہے اور مصنف نے اُس کو اپنی تصنیف میں برقرار رکھا ہے۔

وزوجة اصله و فرعه مطلقا ولو بعيدا دخل بها اولا و اما بنت زوجة ابيه او ابنه فحلال و حرم الكل هما مر تحريمه نسبا و مصاهرة رضاعا الا ما استثنى فى بابه

باپ دادا کی منکوحہ اصل یعنی باپ دادا نے جن عورتوں سے نکاح کیا وہ حرام ہیں، انھوں نے ان سے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو ہر دو صورت میں، اسی طرح اپنی اولاد کی بیویاں مطلقاً حرام ہیں، خواہ وہ اولاد اوپر کی ہوں جیسے پوتا اور ناتی، اور ان اولادوں نے اپنی ان عورتوں سے وطی کی ہو، یا نہ کی ہو، یعنی بیٹے اور پوتے کی بیویاں باپ دادا پر حرام ہیں اور اس میں وطی شرط نہیں ہے۔ صرف نکاح صحیح پایا جانا کافی ہے۔

لیکن اپنے باپ کی بیوی یعنی سوتیلی ماں کی لڑکی (جو دوسرے شوہر سے ہو) اور اسی طرح اپنے بیٹے کی بیوی کی لڑکی (جو اس کے دوسرے شوہر سے ہو) حلال ہے، کیونکہ ان دونوں میں خون کا کوئی رشتہ نہیں پایا جاتا ہے۔

دودھ کا رشتہ وہ سارے رشتے جن کی حرمت نسب یا سسرالی رشتہ سے بیان کی جاچکی ہیں وہ دودھ کے رشتہ سے بھی حرام ہیں البتہ ان میں وضاحت کی جو صورت مستثنیٰ ہے وہ اس میں داخل نہیں ہے جن کی تفصیل آگے آرہی ہے، دودھ کے رشتہ کو اس شعر میں ادا کیا گیا ہے۔

از جانب شیر دہ ہمہ خویش شوند
وز جانب شیر خوار زوجان و فروع

فروع تقع مغلطة فيقال طلق امرأته تطليقتين ولها منه لبن فاعتدت فنكحت صغيرا فارضعته فحرمت عليه فنكحت آخر فدخل بها فابانها فهل تعود للاول بواحدة ام بثلث الجواب لاتعود اليه ابداً لصيرورتها حليلة ابنه رضاعا شرى امة ابيه لم تحل له ان علم انه وطئها تزوج بكرا فوجدها ثيبا و قالت ابوك فضني ان صدقها بانت بلا مهر والا لاشمنى

ایک مسئلہ کی نوعیت ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو مرتبہ طلاق دی، اور اس عورت کو اپنے اس شوہر کی وجہ سے دودھ اترا تھا عورت نے طلاق کے بعد عدت گزاری اور بعد عدت ایک شیر خوار لڑکے سے نکاح کرلیا اور پھر اسے اپنا دودھ پلایا، اس کی وجہ سے یہ عورت اس لڑکے پر حرام ہو گئی۔ اس عورت نے اس کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کیا اور اس مرد نے اس عورت سے بعد نکاح جماع کیا، بعد جماع اس نے اس کو طلاق بائن دیدی۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ عورت پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے؟ اور اس نکاح کے بعد اس پہلے شوہر کو ایک طلاق کا اختیار ہوگا یا تین طلاق کا، چونکہ پہلے وہ دو طلاق دے چکا تھا، اس لیے صرف باقی ماندہ ایک طلاق کا حق رہے گا یا از سر نو وہ تین طلاق دینے کا اختیار رکھے گا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ عورت پہلے شوہر سے کبھی نکاح نہیں کر سکتی ہے، کیونکہ یہ عورت اس شوہر کے رضاعی بیٹے کی بیوی ہو گئی اور رضاعی بیٹے کی بیوی سے نکاح جائز نہیں ہے۔

باپ کا موطوءہ لونڈی سے وطی جائز نہیں ایک شخص نے اپنے باپ کی لونڈی خریدی، تو اس شخص کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اس لونڈی سے وطی کرے اگر اس کو یہ معلوم ہے کہ اس کا باپ اس سے وطی کر چکا ہے۔

ایک مرد نے ایک باکرہ عورت سے نکاح کیا لیکن بعد نکاح اس عورت کو باکرہ نہیں پایا بلکہ ثیبہ پایا، اس نے عورت سے

پوچھا کہ تیری بکارت کس نے زائل کی، اس نے جواب دیا کہ تیرے باپ نے میری بکارت زائل کی ہے، اگر شوہر نے اس کے اس کہنے کی تصدیق کی تو اس کا نکاح ٹوٹ گیا اور اس کو مہر بھی نہیں ملے گا، مہر نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ عورت نے یہ بات پہلے کیوں نہ بتادی لیکن اگر شوہر نے عورت کی بات کی تصدیق نہیں کی، تو نکاح نہیں ٹوٹا، اب اس کو اختیار ہے اس کو رکھے یا نہ رکھے۔

وحرم ایضا بالصهرية اصل مزنيته اراد بالزنا الوطأ الحرام و اصل بممسوسته بشهوة ولو اشعر على الرأس بحائل لايمنع الحرارة و اصل ماسته و ناظرة الى ذكره والمنظور الى فرجها المدور الداخل ولو نظره من زجاج او ماء هى فيه و فروعهن مطلقا والعبرة للشهوة عند المس والنظر لا بعد هما

مزنیہ کی ماں اور دادی نانی کی حرمت

جس عورت سے زنا کیا ہے اس کی ماں اور دادی نانی مرد پر حرام ہے، مصنف نے یہاں زنا سے "جماع حرام" مراد لیا ہے، خواہ اس کی کچھ صورت ہو، اور جس عورت کو شہوت کے ساتھ چھوا ہے اگرچہ اس کے سر کے بالوں کو چھوا ہو، اور درمیان میں ایسا باریک کپڑا بھی حائل ہو جو گرمی کو نہ روکتا ہو، تو بھی اس عورت کی ماں اور دادی نانی حرام ہوگی (البتہ اگر اس قدر موٹا کپڑا ہے جو حرارت (گرمی) کو روکتا ہے، حائل رہا ہے تو پھر چھونے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی)

عورت کا شہوت کے ساتھ مرد کو چھونا

اس عورت کی اصل (ماں، دادی، نانی) حرام ہیں جس نے مرد کو شہوت کے ساتھ چھولیا ہو یا مرد کے عضو تناسل کو شہوت سے دیکھ لیا ہو اُس عورت کی بھی اصل حرام ہے جس کی اندر والی گول شرمگاہ کو مرد نے شہوت سے دیکھا ہو خواہ شیشہ کے ذریعہ دیکھا ہو، یا اس پانی کے ذریعہ جس میں وہ داخل ہوئی ہے اور ان مذکورہ محرمات کی فروع بھی مطلقاً حرام ہیں، جس طرح ان کے اصول حرام تھے اس حکم میں اصول مادری و پدری اور اسی طرح فروع پدری و مادری دونوں داخل ہیں۔

(لہٰذا کسی عورت کی شرمگاہ آئینہ میں دیکھی یا عورت کسی حوض پر یا پانی کے کنارے بیٹھی تھی اور اس کی شرمگاہ پانی میں نظر آگئی یا اس کی ظاہری شرمگاہ دیکھی باطنی نہیں دیکھی تو اس صورت میں اس کے اصول و فروع حرام نہیں ہوں گے)

قابل اعتبار شہوت

ان مسائل میں ایسی شہوت کا اعتبار ہے جو چھوتے وقت پائی جائے یا دیکھتے وقت پائی جائے، بعد کی شہوت کا اعتبار نہیں ہوتا، اگر دیکھتے اور چھوتے وقت شہوت پائی گئی ہے تو حرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔

وحدها فيهما تحرك آلته او زيادته به يفتى و فى امرأة و نحو شيخ تحرك قلبه او زيادته و فى الجوهرة لا يشترط فى النظر للفرج تحريك آلته به يفتى هذا اذا لم ينزل فلو انزل مع مس او نظر فلا حرمة به يفتى ابن كمال وغيره و فى الخلاصة وطئ اخت امرأته لا تحرم عليه امرأته لا تحرم المنظور الى فرجها الداخل اذا رآه من مرأة اوماء لان المرئى مثاله بالانعكاس لا هو هذا اذا كانت حية مشتهاة ولو ماضيا اما غيرها يعنى الميتة وصغيرة

لم تشته فلا تثبت الحرمة بها اصلا کوطئ دبر مطلقا و کما لوافضاها لعدم تیقن کونه فی الفرج مالم تحبل منه بلا فرق بین زنا ونکاح

شہوت کی مقدار اور چھوتے یا دیکھتے وقت جس شہوت کا اعتبار ہے اس کی مقدار یہ ہے کہ عضو تناسل میں جنبش پیدا ہو جائے اور وہ حرکت میں آجائے اور اگر پہلے سے تھی، تو چھوتے یا دیکھتے وقت پہلی شہوت بڑھ جائے اسی پر فتویٰ ہے۔

عورت اور بڈھے مرد جیسوں میں شہوت کی جس مقدار کا اعتبار ہے وہ یہ ہے کہ اس کے دل میں جنبش و حرکت آجائے یا اس موجود جنبش و حرکت میں اضافہ ہو جائے بڈھے جیسوں میں عنین (نامرد) بیمار اور مقطوع الذکر وغیرہ بھی داخل ہیں۔

جوہرہ میں ہے کہ عورت کی شرمگاہ دیکھنے میں عضو تناسل میں جنبش اور حرکت کی کوئی شرط نہیں ہے اور اس پر فتویٰ نقل کیا گیا ہے۔

انزال کی صورت میں چھونے اور دیکھنے سے حرمت اس وقت ثابت ہوگی جب انزال نہ ہو، لیکن اگر چھونے اور دیکھنے کے ساتھ کسی کو انزال ہو گیا اور منی نکل آئی تو پھر چھونے اور دیکھنے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، ابن کمال وغیرہ نے اسی پر فتویٰ دیا ہے (قاعدہ یہ ہے کہ انزال نہ ہونے کی صورت میں خواہش باقی رہتی ہے، لہٰذا اس کو قائم مقام جماع کے قرار دیا جائے گا لیکن اگر انزال ہو گیا تو پھر جماع کی خواہش جاتی رہتی ہے لہٰذا اس کو قائم مقام قرار نہیں دیا جا سکتا ہے)

سالی کے ساتھ وطی کرنا اگر کوئی اپنی بیوی کی بہن سے وطی کرے تو بیوی کی بہن سے یہ وطی اس پر اس کی بیوی کو حرام نہیں کرتی ہے، یعنی سالی سے وطی کرنے سے بیوی حرام نہیں ہوتی ہے گویا حرمت کا تعلق صرف زوجہ کے اصول و فروع سے ہے، دوسروں سے نہیں، البتہ اگر بیوی کی بہن سے وطی بیوی کے شبہ میں ہوئی ہے تو اس کی بہن کے لیے عدت میں بیٹھنا واجب ہے اور جب تک اس کی عدت ختم نہ ہو، بیوی کے ساتھ جماع کرنے سے پرہیز لازم ہے۔

جس عورت کی اندرونی شرمگاہ آئینہ یا پانی میں دیکھی گئی ہے اس کے اصول و فروع حرام نہیں ہوتے ہیں کیونکہ اس صورت میں شرمگاہ کی مثال اور عکس پر نظر پڑتی ہے، خود شرمگاہ نہیں دیکھی جاتی ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تصور اور خیال میں دیکھنے سے بھی حرمت ثابت نہیں ہوتی ہے۔

حرمت کی شرط زنا سے اور چھونے، اور دیکھنے سے حرمت مصاہرت اُس وقت ثابت ہوتی ہے، جب عورت لائق شہوت ہو، اگرچہ وہ گذشتہ زمانہ میں لائق شہوت رہی ہو، اور اب نہیں ہے جیسے بڈھی اور بدشکل، اور اگر عورت مردہ ہو یا نابالغہ نو برس سے کم کی، تو اس کے ساتھ جماع کرنے سے اور چھونے سے اور یا اس کی شرمگاہ کی طرف دیکھنے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، جیسے عورت اور مرد کے ساتھ اغلام سے مطلقاً حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی ہے (اغلام سے حرمت اس وجہ سے ثابت نہیں ہوتی کہ اس میں بچہ کے پیدا ہونے کا کوئی احتمال سرے سے نہیں ہے، حالانکہ حرمت کی علت وہ جماع ہے جس سے بچہ پیدا ہو، اور چھونے کو سبب اس لیے قرار دیا گیا کہ وہ جماع کا سبب ہوتا ہے)

اسی طرح اگر مرد نے ایسی عورت کے ساتھ وطی کی، جس کی شرمگاہ اور مقام پائخانہ کے درمیان کا پردہ پھٹ چکا ہے اور

دونوں مل کر ایک ہو گیا ہے تو اس کے ساتھ وطی کرنے سے حرمت ثابت نہیں ہو گی کیونکہ یقین نہیں ہے کہ جماع عورت کی شرمگاہ والے حصہ میں ہی پایا گیا ہو گا، البتہ اگر اس جماع سے عورت حاملہ ہو جائے گی تو حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی کیونکہ یہ علامت ہو گی کہ وطی اس کی شرمگاہ میں ہوئی ہے۔

میت اور نابالغہ کے ساتھ جماع سے حرمت ثابت نہ ہونے میں زنا اور نکاح میں کوئی فرق نہیں ہے، دونوں کا حکم یکساں ہے۔

فلو تزوج صغيرة لا تشتهي فدخل بها فطلقها وانقضت عدتها و تزوجت بآخر جاز للاول التزوج ببنتها لعدم الاشتهاء وكذا تشتطر الشهوة في الذكر فلو جامع غير مراهق زوجة ابيه لم تحرم فتح ولا فرق فيما ذكر بين اللمس والنظر بشهوة بين عمد و نسيان و خطأ واكراه فلو ايقظ زوجته او ايقظته هي لجماعها فمست يده بنتها المشتهاة او يدها ابنه حرمت الام ابداً فتح

نابالغہ بیوی کی لڑکی سے نکاح ایک مرد نے ایک ایسی نابالغہ لڑکی سے شادی کی جو لائق شہوت نہیں تھی، پھر اس نے اس کے ساتھ جماع کیا اور بعد جماع طلاق دی، طلاق کے بعد اس عورت کی جب عدت پوری گذر چکی تو اس عورت نے بعد عدت (لائق شہوت ہونے کے بعد) کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لیا اب اس صورت میں پہلے شوہر کے لیے یہ جائز ہو گا کہ وہ اس عورت کی بیٹی سے (جو اس کے دوسرے شوہر سے پیدا ہوئی ہے) شادی کر لے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے شوہر سے جب اس کا نکاح ہوا تھا یہ لڑکی شہوت کے قابل نہیں تھی، اور حرمت مصاہرت شہوت کے لائق ہوئے بغیر ثابت نہیں ہوتی ہے، البتہ اس عورت کی ماں اس پر حرام ہو گی، اس لیے کہ بیٹی سے خواہ جس عمر کی ہو نکاح کرنا اس کی ماں کو حرام کر دیتا ہے۔

مرد میں شہوت کا ہونا اسی طرح حرمت مصاہرت ثابت ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ مرد میں شہوت ہو، لہٰذا اگر کسی ایسے لڑکے نے جو ابھی قریب البلوغ بھی نہیں تھا باپ کی بیوی سے جماع کر لیا، تو باپ کی بیوی باپ پر حرام نہیں ہو گی، یعنی شہوت کے پائے نہ جانے کی وجہ سے مزنیہ بہو قرار نہیں پائے گی۔

اوپر ذکر کیے ہوئے مسئلوں میں کہ شہوت کے ساتھ چھونے یا دیکھنے میں اس کی کوئی تمیز نہیں ہے کہ اس نے یہ فعل قصداً (جان بوجھ کر) کیا ہو یا اس سے بھول سے ایسا ہو گیا ہو، یا غلطی میں ایسا کر گیا ہو، یا زبردستی کی وجہ سے ہوا ہو، مختصر یہ کہ جس طور پر بھی یہ ہوا ہو، حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی، عمداً ہو یا بھول سے ہو، غلطی سے ہو یا زبردستی ہو ہر صورت کا حکم ایک ہے۔

حرمت کا ایک مسئلہ کسی مرد نے وطی کے لیے اپنی بیوی کو جگایا یا عورت نے شوہر کو جگایا، اسی حالت میں مرد کا ہاتھ بیوی کی جوان لڑکی کو لگ گیا۔ وہ لڑکی خواہ اس مرد سے ہو یا دوسرے مرد سے، یا عورت کا ہاتھ اسی حالت میں شوہر کے جوان بیٹے کے اوپر پڑ گیا خواہ وہ اس مرد سے ہو یا دوسرے مرد سے، تو ماں ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہو جائے گی۔ اس لیے کہ چھونا شہوت کے ساتھ پایا گیا گو غلطی سے ہوا ہے۔

قبل ام امرأته فی ای موضع کان علی الصحیح جوهرة حرمت علیه امرأته مالم یظهر عدم الشهوة ولو علی الفم کما فهمه فی الذخیرة وفی المس لا تحرم مالم تعلم الشهوة لان الاصل فی التقبیل الشهوة بخلاف المس والمعانقة کالتقبیل وکذا القرص والعض بشهوة ولو لاجنبیة و تکفی الشهوة من احدهما ومراهق و مجنون وسکران کبالغ بزازیة و فی القنیة قبّل السکران بنته تحرم امها

بیوی کی ماں کا بوسہ لینا کسی نے اپنی بیوی کی ماں کا بوسہ لے لیا خواہ کسی بھی حصہ کا لیا اس صورت میں اس پر اس کی بیوی حرام ہو جائے گی جب تک یہ ظاہر نہ ہو کہ شہوت نہیں تھی، گو بوسہ منہ کا ہی کیوں نہ لیا ہو کذا فی الذخیرۃ۔

شہوت کا شرط ہونا خوشدامن (ساس) کو چھونے سے بیوی اُس وقت حرام ہوتی ہے، جب شہوت کا یقین ہو، جب تک شہوت کا یقین نہ ہوگا حرمت ثابت نہیں ہوگی، اس لیے کہ بوسہ لینے میں اصل شہوت ہے اور یہ مسلم ہے کہ بوسہ شہوت سے عموماً خالی نہیں ہوتا ہے، البتہ چھونے میں شہوت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے اس لیے اس میں شہوت کی شرط لگائی گئی ہے۔

معانقہ (گلے ملنا) بوسہ کے درجہ میں ہے یعنی اس میں بھی دراصل شہوت پائی جاتی ہے لہٰذا اس سے بھی حرمت ثابت ہوگی جب تک اس کا یقین نہ ہو جائے کہ شہوت نہیں پائی جاتی تھی، یہی حکم شہوت کے ساتھ چٹکی لینے اور دانت کاٹنے کا ہے، اس سے بھی حرمت ثابت ہوگی۔ گو اجنبی عورت کا بوسہ لیا ہو یا اس کے ساتھ معانقہ ہو یا شہوت سے اس کی چٹکی لی ہو یا دانت کاٹا ہو، ان صورتوں میں دونوں (مرد عورت) میں سے کسی ایک میں بھی شہوت کا پایا جانا ثبوت حرمت کے لیے کافی ہے دونوں میں شہوت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ ان مسائل میں قریب البلوغ، پاگل، اور مست یہ سب بالغ کے حکم میں ہیں۔

جوان لڑکی کا بوسہ قنیہ میں ہے کہ کسی مست نے اپنی جوان لڑکی کا بوسہ لیا تو اس پر اس لڑکی کی ماں حرام ہو جائے گی۔

وبحرمة المصاهرة لا یرتفع النکاح حتی لایحل لها التزوج بآخر الا بعد المتارکة وانقضاء العدة والوطؤ بها لایکون زنا و فی الخانیة ان النظر الی فرج ابنته بشهوة یوجب حرمة امرأته وکذا لو فزعت فدخلت فراش ابیها عریانة فانتشر لها ابوها تحرم علیه امها وبنت سنها دون تسع لیست بمشتهاة به یفتی وان ادعت الشهوة فی تقبیله او تقبیلها ابنه وانکرها الرجل فهو مصدق لاهی الا ان یقوم الیها منتشرا آلته فیعانقها لقرینة کذبه او یاخذ ثدیها او یرکب معها او یمسها علی الفرج او یقبلها علی الفم قاله الحدادی و فی الفتح یتراءی الحاق الخدین بالفم و فی الخلاصة قیل له ما فعلت بأم

امراتك فقال جامعتها تثبت الحرمة ولا يصدق انه كذب ولو هازلا

حرمت مصاہرت سے نکاح پر اثر

حرمت مصاہرت سے نکاح ٹوٹتا نہیں ہے چنانچہ عورت کے لیے دوسرے مرد سے نکاح اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک وہ مرد اس کو چھوڑ نہ دے اور اس کی عدت گذر نہ جائے۔ چنانچہ اس حرمت مصاہرت کے زمانہ میں وطی کرنا زنا قرار نہیں پائے گا یعنی اگر شوہر بیوی کو چھوڑنے سے پہلے اس کے ساتھ وطی کرلے گا تو اس پر زنا کی حد جاری کرنا واجب نہیں ہوگی۔

شہوت سے شرمگاہ دیکھنا

اپنی لڑکی کی شرمگاہ کو شہوت کے ساتھ دیکھنا اس کی بیوی کو اس پر حرام کر دیتا ہے، لڑکی خوفزدہ ہوئی اور اسی خوف کی حالت میں ننگی ہو کر اپنے باپ کے بستر میں داخل ہوگئی۔ اس کے آجانے کی وجہ سے باپ میں شہوت پیدا ہوگئی تو اس صورت میں اس بیٹی کی ماں اس باپ پر حرام ہو جائے گی۔ بشرطیکہ اس کے باپ نے اس لڑکی کو چھوا ہو، اور اگر اس نے اس کو مس نہیں کیا تو حرام نہیں ہوگی۔

جس بچی کی عمر نو سال سے کم ہو، وہ مشتہاۃ (لائق شہوت) قرار نہیں پاتی ہے فتویٰ اسی قول پر ہے (موٹی دبلی ہونے کا کوئی فرق نہیں)

بیوی کا دعویٰ

اگر بیوی نے دعویٰ کیا کہ اس کے شوہر نے اس کی ماں یا بیٹی کا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا ہے یا یہ دعویٰ کیا کہ خود اس نے شوہر کے اصول و فروع میں سے کسی کا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا ہے لیکن شوہر شہوت کا انکار کرتا ہے اس صورت میں تصدیق شوہر کے قول کی ہوگی نہ کہ عورت کے قول کی، گویا حرمت مصاہرت بغیر شوہر کی تصدیق کے ثابت نہیں ہوگی، البتہ اس وقت شوہر کی بات قابل تسلیم نہیں ہوگی جب شوہر اس حال میں بیوی کی لڑکی کی طرف کھڑا ہوا ہو کہ اس کا عضو تناسل استادہ ہو اور جا کر اس سے لپٹ گیا ہو اس صورت میں اس کے جھوٹے ہونے کا قرینہ موجود ہے، یا مرد عورت کی چھاتی پکڑ لے یا اس کے ساتھ سوار ہو، یا اس کی شرمگاہ کو چھوئے یا اس کے منہ کا بوسہ لے ان تمام صورتوں میں شوہر کا یہ کہنا کہ شہوت نہیں تھی قابل تسلیم نہیں ہوگا، اور حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔

رخساروں اور لبوں کا بوسہ

فتح القدیر میں یہ ہے کہ رخساروں کا بوسہ لینا لبوں کا بوسہ لینے کے حکم میں ہے، یعنی دونوں کا حکم ایک ہے۔

خلاصہ میں ہے کہ کسی نے مرد سے کہا کہ تو نے اپنی خوش دامن (ساس) کے ساتھ کیا کیا، اس کے جواب میں اس نے کہا کہ میں نے اس کے ساتھ جماع کیا، اس کہنے سے حرمت ثابت ہو جائے گی اور اس کے جھوٹے ہونے کو مانا نہیں جائے گا اگرچہ اس نے یہ مذاق اور دل لگی سے ہی کیوں نہ کہا ہو۔

وتقبل الشهادة على الاقرار باللمس والتقبيل عن شهوة وكذا تقبل على نفس اللمس والتقبيل والنظر الى ذكره او فرجها عن شهوة فى المختار تجنيس لان الشهوة مما يوقف عليها فى الجملة بانتشار او آثار وحرم الجمع بين المحارم نكاحا اى عقدا صحيحا

وعدة ولو من طلاق بائن وحرم الجمع وطأ بملك يمين بين امرأتين ايتهما فرضت

ذکرا لم تحل للاخری ابدا الحدیث مسلم لا تنکح المرأة علی عمتها و ھو مشھور یصلح مخصصا للکتاب فجاز الجمع بین امرأة و بنت زوجھا او امرأة ابنھا وامة ثم سیدتھا لانه لو فرضت المرأة او امرأة الابن اوالسیدة ذکرا لم یحرم بخلاف عکسه

گواہی قبول کب ہوگی

شہوت کے ساتھ چھونے اور بوسہ لینے کے اقرار پر گواہی قبول کی جائے گی یعنی مرد نے گواہوں کے سامنے یہ اقرار کیا کہ اس نے بیوی کی بیٹی کا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا ہے یا اس کو چھوا ہے اور بیوی کے دعویٰ کرنے پر شوہر انکار کردے تو اس صورت میں اس کے سنے ہوئے اقرار کی گواہی معتبر ہوگی اور بیوی شوہر پر حرام ہو جائے گی۔

اسی طرح وہ گواہی بھی قبول کی جائے گی جب اس عورت نے اقرار کیا ہو کہ شہوت کے ساتھ اس نے مرد کو چھوا ہے یا اس کا بوسہ لیا ہے یا اس مرد کے عضو تناسل کی طرف دیکھا ہے یا مرد نے اس عورت کی شرمگاہ دیکھی ہے مذہب مختار یہی ہے کیونکہ شہوت ایسی چیز ہے جس پر فی الجملہ اطلاع ہو سکتی ہے تناسل کی استادگی اور اس کے آثار کے ذریعہ۔

دو محرم عورتوں کا جمع کرنا

کئی محرم عورتوں کا ایک نکاح صحیح میں جمع کرنا حرام ہے جیسے دو بہنوں کا نکاح میں جمع کرنا یا خالہ اور بھانجی کا یا پھوپی اور بھتیجی کا یہ نسبی ہوں یا رضاعی جائز نہیں، بلکہ حرام ہے (نکاح کی قید لگا کر اشارہ کیا ہے کہ اگر کسی نے ایک بہن سے نکاح فاسد کیا پھر اس کی دوسری بہن سے نکاح صحیح کیا تو یہ درست ہے، کیونکہ نکاح فاسد میں وطی کرنا حلال نہیں ہے۔)

اسی طرح محارم عورتوں کا عدت میں جمع کرنا بھی حلال نہیں ہے گو وہ طلاق بائن کی عدت ہو یعنی جب عورت کو طلاق رجعی یا بائن دی گئی تو جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی بہن یا خالہ یا پھوپی سے نکاح نہیں کر سکتے ہیں، اگر نکاح کرے گا تو جائز نہیں ہوگا حرام ہوگا۔

محارم کا وطی میں بواسطہ ملک یمین جمع کرنا بھی حرام ہے یعنی جب کوئی لونڈی تصرف میں آئی تو اس کی بہن یا اس کی خالہ یا پھوپی کو تصرف میں نہیں لا سکتے ہیں، کیونکہ یہ درست نہیں ہے۔

جمع کی حرمت کا قاعدہ

نکاح، عدت اور بواسطہ ملک یمین وطی میں ان دو عورتوں کا جمع کرنا حرام ہے کہ ان دو میں سے جس کو مرد فرض کریں اس کے لیے دوسری کبھی حلال نہ ہو جیسے عورت اور اس کی پھوپی ان دو میں سے اگر عورت کو مرد فرض کرلے تو پھوپی کے ساتھ اس کا نکاح درست نہیں ہوگا اور اگر پھوپی کو مرد فرض کرلیں تو اس کا نکاح بھتیجی سے جائز نہیں ہوگا۔

مسلم شریف کی حدیث میں صراحت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ عورت کا نکاح اس کی پھوپی پر نہ کیا جائے اور یہ حدیث مشہور ہے اور حدیث مشہور سے کتاب اللہ کی تخصیص ہو جاتی ہے یعنی اگرچہ قرآن میں صرف جمع بین الاختین دو بہنوں کا جمع کرنا حرام بتایا گیا ہے پھوپی بھتیجی کا جمع کرنا بیان نہیں کیا گیا ہے، بلکہ فرمایا گیا ہے واُحِلَّ لکم ما وراء ذالکم حدیث مشہور سے اصل حکم ما وراء ذلکم میں تخصیص درست ہے۔ اور بھی حدیثیں ہیں جن میں عورت اور اس کی پھوپی کو جمع کرنے کی حرمت صراحت کے ساتھ موجود ہے۔

جہاں جمع اس طرح ہو کہ ان دو میں سے جس کسی کو مرد پر فرض کر دیا جائے تو اس کا نکاح دوسرے سے ناجائز نہ ہو تو ایسی دو عورتوں کا جمع کرنا درست ہوگا چنانچہ فقہاء صراحت کرتے ہیں کہ عورت اور اس کے شوہر کی بیٹی کو ایک ساتھ جمع کرنا درست ہے۔

اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ عورت اور اس کے بیٹے کی بیوی کے درمیان جمع کرے اور لونڈی اور اس کے مالک کی بیوی کو جمع کیا جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر عورت اور اس کے شوہر کی بیٹی کو یا عورت اور اس کے بیٹے کی بیوی میں سے ایک کو مرد فرض کیجیے تو اس کا نکاح دوسرے سے جائز ہوگا۔ حرام نہیں ہوگا۔ البتہ اس کے برعکس میں حرمت ہوگی یعنی ایک طرف سے بہر حال حرمت نہیں ہوگی۔

وان تزوج بنكاح صحيح اخت امة قد وطئها صح النكاح لكن لا يطأ واحدة منهما حتى يُحَرِّم حل استمتاع احدىٰها عليه بسبب مَّا لان للعقد حكم الوطئ حتى لونكح مشرقي مغربية يثبت اولادها منه لثبوت الوطئ حكما ولو لم يكن وطئ الامة له وطأ المنكوحة ودواعىُ الوطئ كالوطئ

لونڈی کی بہن سے نکاح اپنی جس لونڈی سے صحبت کر چکا تھا اگر اس کی بہن سے صحیح نکاح کیا تو یہ نکاح صحیح ہوگا لیکن اس نکاح کے بعد ان دونوں بہنوں میں سے کسی سے بھی اس وقت تک وطی نہیں کر سکتا ہے جب تک ان میں سے کسی ایک کی وطی حلال کو کسی طرح اپنے اوپر حرام نہ کر لے، اگر منکوحہ کو رکھنا ہو تو لونڈی سے وطی ہرگز نہ کرے اور اگر لونڈی سے وطی کرنا ہو تو پھر منکوحہ کو علیحدہ کر دے۔

وطی صرف ایک سے ان دونوں بہنوں میں سے ایک کا حرام کرنا اس وجہ سے ضروری ہے کہ نکاح جماع کے حکم میں ہے یہاں تک کہ اگر کوئی مشرق میں رہنے والا، مغرب میں رہنے والی عورت سے نکاح کر لے تو (گو دونوں میاں بیوی اتنے فاصلہ پر الگ الگ ہیں لیکن) اس عورت کی اولاد کا نسب مشرق میں رہنے والے شوہر سے ثابت ہوگا اور یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ نکاح وطی کے حکم میں ہے لہٰذا نکاح کی وجہ سے حکماً وطی تسلیم ہوگی (اور کہا جائے گا کہ بطور کرامت اتنی لمبی مسافت طے ہو سکتی ہے اور دونوں مل سکتے ہیں)

اور اگر لونڈی کی بہن سے شادی کرنے والے نے لونڈی سے وطی نہیں کی ہے تو اس کے لیے اس منکوحہ سے وطی کرنا درست ہوگا اس لیے کہ مملوک ہونا وطی کے حکم میں نہیں ہے۔

دواعی وطی بحکم وطی حرمت کے باب میں وطی کے دواعی اور اس کے اسباب بھی وطی کے حکم میں ہوتے ہیں چنانچہ اگر اس نے اپنی لونڈی سے مثلاً وطی نہ کی ہو مگر شہوت سے اس کا بوسہ لیا ہو یا شہوت کے ساتھ اس کو چھوا ہو تو یہ بھی وطی کے حکم میں شمار ہوگا اور منکوحہ سے اس وقت تک وطی نہ کر سکے گا جب تک اس کی وطی کو اپنے اوپر حرام نہ کرے۔

ابن كمال وان تزوجهما معا اى الاختين او من بمعناهما اوبعقدتين ونسى النكاح الاولَ

فرق القاضی بینه و بینهما ویکون طلاقا ولهما نصف المهر یعنی فی مسئلة النسیان اذالحکم فی تزوجهما معا البطلان و عدم وجوب المهر الا بالوطیٔ کما فی عامة الکتب فتنبه و هذا ان کان مهرا هما متساویین قدرا و جنسا وهو مسمی فی العقد و کانت الفرقة قبل الدخول وادعی کل منهما انها الاولی ولا بینة لهما فان اختلف مهرا هما فان علما فلکلٍ ربع مهرها والا فلکل نصف اقل المسمیین وان لم یکن مسمی فالواجب متعة واحدة لهما بدل نصف المهر وان کانت الفرقة بعد الدخول وجب لکل واحدة مهر کامل لتقرره بالدخول ومنه یعلم حکم دخوله بواحدة وکذا الحکم فیما جمعهما من المحارم فی نکاح

دو سگی بہنوں یا دو محارم کا جمع کرنا

اگر کسی نے دو سگی بہنوں یا ایسی دو عورتوں سے جن کا جمع کرنا حرام ہے ساتھ ساتھ ایک ایجاب و قبول سے نکاح کیا۔ یا دونوں کا ایجاب و قبول الگ الگ مجلس میں کیا اور پہلا نکاح فراموش کر گیا تو اس نکاح کرنے والے مرد اور ان دونوں عورتوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور یہ تفریق طلاق کے حکم میں ہوگی، اور ان دونوں محارم عورتوں کو آدھا آدھا مہر ملے گا جب وہ پہلا نکاح بھول گیا تھا اور اس حالت میں دوسرا نکاح کیا، اور اگر ساتھ ساتھ کیا یا یاد رہتے ہوئے کیا تو ساتھ ساتھ کرنے سے دونوں نکاح باطل ہو گئے، لہٰذا مہر کے واجب ہونے کا سوال نہیں۔ اگر یکے بعد دیگرے نکاح کیا تو یاد ہونے کی صورت میں دوسرا نکاح باطل ہوا، لہٰذا اس کا مہر واجب نہیں ہوگا۔ لیکن اگر وطی کر لے گا تو البتہ مہر واجب ہوگا۔ چنانچہ یہ مسئلہ تمام کتب فقہ میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔

مہر کی بحث

نصف مہر کا وجوب اُس وقت ہے جب دونوں کا مہر تعداد میں برابر برابر ہو، اور ایک جنس کے ہوں اور بوقت نکاح متعین ہو چکے ہوں، اور جدائی خلوت صحیحہ سے پہلے ہوئی ہو، یا یہ کہ دونوں بیویوں سے ہر ایک دعویٰ کرے کہ میرا نکاح پہلے ہوا، اور ان میں سے کسی کے گواہ نہ ہوں۔

لہٰذا اگر ان دو بیویوں کے مہر مختلف ہوں اور دونوں معلوم ہوں کہ فلاں کا اتنا ہے اور فلاں کا اتنا، تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو اس مہر کا چوتھائی ملے گا، اور اگر ہر ایک کا مہر معلوم نہ ہو، تو اس صورت میں ہر ایک کو دونوں مہروں میں جو کمتر ہو اس کا آدھا آدھا ملے گا۔ اور اگر مہر سرے سے متعین نہ ہوا ہو، تو واجب یہ ہے کہ دونوں کو نصف مہر کے بدلے تین متعہ یعنی تین کپڑے دیئے جائیں، قمیص، دوپٹہ اور چادر۔

اور اگر جدائی خلوت صحیحہ کے بعد ہوئی ہے، تو دونوں میں سے ہر ایک کو پورا پورا مہر دینا واجب ہوگا کیونکہ خلوت صحیحہ کے بعد مہر موکد ہو جاتا ہے، اور اگر ان دونوں میں سے ایک سے خلوت صحیحہ ہوئی ہے تو اس کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ جس کے ساتھ خلوت صحیحہ ہوئی ہوگی اس کو پورا مہر ملے گا اور جس کے ساتھ نہیں ہوئی ہے اس کو چوتھائی مہر ملے گا۔

جو حکم دو بہنوں کو جمع کرنے کا ہے ویسا ہی حکم ان محارم عورتوں کا ہے جن کو ایک نکاح میں جمع کر لیا گیا ہے۔

وحرم نكاح المولى امته و العبدِ سيدتَه لان المملوكية تنافي المالكية نعم لو فعله المولى احتياطا كان حسنا و فيه ما لايخفى فى عدم عدها خامسة و نحوه عدم الاحتياط و حرم نكاح الوثنية بالاجماع وصح نكاح كتابيةٍ و ان كره تنزيها مومنةٍ بنبى مرسل مقرة بكتاب منزل و ان اعتقد والمسيح الٰها وكذا حل ذبيحتهم على المذهب بحر و فى النهر تجوز مناكحة المعتزلة لانا لا نكفّر احدا من اهل القبلة و ان وقع الزاما لهم فى المباحث

اپنی لونڈی اور اپنی آقا عورت سے نکاح کی حرمت

مالک کا اپنی لونڈی سے نکاح کرنا حرام ہے کیونکہ دو ملکیت جمع نہیں ہوا کرتی ہیں، حرمت سے مراد یہاں یہ ہے کہ مولیٰ پر نکاح کے احکام جیسے مہر، طلاق وغیرہ لازم نہیں ہوں گے، یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ لائق عذاب قرار پائے گا۔ اسی طرح غلام کے لیے اپنی آقا عورت سے نکاح کرنا حرام ہے، اس وجہ سے کہ مملوک ہونا مالک بننے کے خلاف ہے، غلام مملوک ہے لہٰذا اس کے لیے مغلوب و محکوم ہونا لازم ہے اور جب غلام شوہر بن جائیگا تو قاعدہ میں بحیثیت شوہر بیوی پر غالب ہوگا تو ایک ہی شخص غالب و مغلوب دونوں کیسے ہو سکتا ہے؟

البتہ مولیٰ اگر بطور احتیاط اپنی لونڈی سے نکاح کرلے گا تو یہ بہتر ہوگا اس لیے کہ ہو سکتا ہے وہ لونڈی شاید آزاد ہو، کبھی ایسا دھوکہ بھی سامنے آتا ہے اس لونڈی کو پانچویں یا اس کے مثل شمار کرنے میں کوئی احتیاط نہیں ہے (صحیح یہ ہے کہ اگر متیقن طور پر لونڈی ہی ہے تو نکاح کی قطعاً ضرورت نہیں ہے اور اگر آزاد ہے تو پھر اس کو لونڈی کے طور پر رکھنا جائز نہیں ہے)

بت پرست عورت سے نکاح کی حرمت

بت پرست عورت سے نکاح متفقہ طور پر حرام ہے، فتح القدیر میں ہے کہ سورج کی پوجا، ستاروں کی پوجا یا مورت کی پوجا اسی طرح فرقہ معتزلہ، ملحد، باطنیہ، اباحیہ سب بت پرست میں داخل ہیں، دوسری کتابوں میں ہے کہ جس عقیدہ پر کفر کا فتویٰ لگتا ہو، اس مذہب والی عورت سے نکاح درست نہیں ہے، ان سب پر مشرک کا اطلاق ہوتا ہے۔

اہل کتاب عورت سے نکاح

اہل کتاب عورت سے نکاح درست ہے گو مکروہ تنزیہی ہے، فتح القدیر میں ہے کہ کتابیہ عورت سے نکاح جائز ہے مگر بہتر یہ ہے کہ اس سے نکاح نہ کیا جائے اور کتابیہ جو دار الحرب میں رہتی ہے اس سے نکاح مکروہ ہے، تاکہ اس کی وجہ سے مسلمان کے دار الحرب میں رہنے کا سلسلہ نہ ہو سکے، دوسرے اہل کفر کی صحبت اولاد کے اخلاق واعمال کے لیے مضر اور موجب فساد ہے۔

کتابیہ سے وہ عورت مراد ہے جو کسی نبی مرسل (بھیجے ہوئے) پر ایمان رکھتی ہو اور الٰہی کتاب کا اقرار کرتی ہو، جیسے یہود و نصاریٰ، اگرچہ اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود جانتے ہوں، یعنی اس اعتقاد سے گو وہ مشرک ہو جائیں گے مگر اہل کتاب باقی رہیں گے۔

اہل کتاب کا ذبیحہ

جیسے کتابیہ سے نکاح درست ہے ایسے ہی اہل کتاب کا ذبیحہ بھی جائز ہے یعنی جس حلال جانور کو اہل کتاب نے ذبح کیا ہو اس کا گوشت کھانا جائز ہوگا قوی مذہب اس باب میں یہی ہے۔

معتزلہ عورت سے نکاح نحر الفائق میں صراحت کی ہے کہ معتزلہ سے بیاہ شادی کرنا جائز ہے، کیونکہ ہم اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ اہل قبلہ میں کسی کی ہم تکفیر نہیں کرتے اگرچہ اختلافی مباحث میں بطور الزام ان کی تکفیر ہو گئی ہے۔

فرقہ معتزلہ معتزلہ اسلام میں ایک فرقہ ہے جو قرآن پاک کو مخلوق کہتا ہے، اور قیامت میں دیدار الٰہی کا منکر ہے، اور بندے کو اپنے افعال کا خالق مانتا ہے۔ اور اسی طرح کچھ اور اختلافات معتزلی عقائد میں رکھتے ہیں۔ خیر الدین رملی نے لکھا ہے کہ رافضیوں اور معتزلیوں کے فرقے اہل کتاب میں داخل ہیں، اس بنیاد پر سنی مسلمان عورت کا نکاح کسی رافضی اور معتزلی سے درست نہیں ہوگا اس وجہ سے کہ عورت مسلمان ہوئی اور مرد اہل کتاب (کافر) اور اہل کتاب مرد سے مسلمان عورت کا نکاح سرے سے درست نہیں البتہ ان کی عورتوں سے نکاح کرنا اہل سنت کے لیے درست ہے۔

لا یصح نکاح عابدۃ کوکب لا کتاب لھا ولا وطؤھا بملک یمین والمجوسیۃ والوثنیۃ هذا ساقط من نسخ الشرح ثابت فی نسخ المتن وهو عطف علی عابدۃ کوکب وقوله والمُحرِمة بحج او عمرة ولو بمحرم عطف علی کتابیۃ فتنبۃ والامۃ ولو کانت کتابیۃ او مع طول الحرۃ الاصل عندنا ان کل وطئ یحل بملک یمین یحل بنکاح ومالا فلا وان کرہ تحریما فی المحرمۃ و تنزیها فی الامۃ وحرۃ علی امۃ لا یصح عکسه ولو ام ولد فی عدۃ حرۃ ولو من بائن وصح لو راجعها ای الامۃ علی حرۃ لبقاء الملک

صابیہ اور ستارہ پرست سے نکاح ایسی ستارہ پرست عورت سے نکاح جائز نہیں ہے جس کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں ہے، فرقہ صابیہ کے اہل کتاب ہونے میں شبہ ہے، صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ صابیہ عورت سے نکاح جائز ہے، اگر وہ کسی نبی اور کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتی ہو، اور اگر وہ ستارہ پرست ہوں اور کسی آسمانی کتاب پر ایمان نہ رکھتی ہوں تو نکاح جائز نہیں ہوگا۔ اور نہ بذریعہ ملک یمین اس سے وطی درست ہے۔

آگ کے پجاری سے نکاح آتش پرست سے بھی نکاح صحیح نہیں اور نہ اس سے بملک یمین وطی جائز ہے اس پر تمام ائمہ اربعہ کا اجماع ہے، اور نہ بت پرست عورت سے نکاح صحیح ہے یہاں بتایا گیا ہے کہ نکاح صحیح نہیں ہے اور اس سے پہلے کہا کہ حلال نہیں ہے، کیونکہ صحیح نہ ہونے سے حلال نہ ہونا لازم نہیں آتا ہے۔

حالتِ احرام میں نکاح جس عورت نے حج یا عمرہ کا احرام باندھ رکھا ہے اس کا نکاح درست ہے گو اُس شخص کے ساتھ ہو جس نے خود بھی حج یا عمرہ کا احرام باندھ رکھا ہو اگرچہ بعض لوگوں نے اس نکاح کو مکروہ تحریمی کہا ہے جو صحیح نہیں ہے کیونکہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حالت احرام میں حضرت میمونہؓ سے نکاح کیا۔

لونڈی کے ساتھ نکاح غیر کی لونڈی سے نکاح کرنا درست ہے، گو وہ کتابیہ ہو، اور اگرچہ وہ مرد آزاد عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت رکھتا ہو، احناف کا اس باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ملک یمین کے ذریعہ جو وطی حلال ہے، وہ بذریعہ نکاح بھی حلال ہے، اور جو وطی ملک یمین سے حلال نہیں ہے وہ نکاح سے بھی حلال نہیں۔ تو

چونکہ لونڈی سے بذریعہ خریداری وطی حلال ہے، لہٰذا اگر کوئی نکاح کر کے وطی کرے وہ بھی حلال ہوگی، گو لونڈی سے نکاح کرنا مکروہ تنزیہی کہا گیا ہے۔

لونڈی کے نکاح میں ہوتے ہوئے آزاد عورت سے نکاح اور اسکے برعکس

اگر کوئی پہلے لونڈی سے نکاح کر چکا ہے، اس کے بعد آزاد عورت سے نکاح کرے تو یہ بھی درست ہے، البتہ اس کے برعکس صورت درست نہیں ہے یعنی اگر کوئی آزاد عورت سے نکاح کر چکا ہے اور بیوی موجود ہے تو اس کے رہتے ہوئے لونڈی سے نکاح کرنا درست نہیں ہے طبرانی میں حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آزاد عورت کے ہوتے ہوئے لونڈی سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے۔

آزاد عورت طلاق بائن کی وجہ سے عدت میں ہو، اور ابھی عدت ختم نہیں ہوئی کہ کسی نے ام ولد (لونڈی) سے نکاح کیا تو یہ نکاح درست نہیں ہے۔

ایک صورت کا جواز

اگر کسی نے پہلے لونڈی سے نکاح کیا پھر آزاد عورت سے نکاح کیا۔ اس کے بعد لونڈی کو طلاق رجعی دی اور آزاد عورت کے عقد میں ہوتے ہوئے اس مطلقہ لونڈی سے رجعت کی تو یہ رجعت درست ہے، کیونکہ طلاق رجعی دینے سے لونڈی نکاح سے باہر نہیں ہوئی بلکہ وہ ابھی تا رجعت ملکیت نکاح میں باقی ہے لہٰذا یہ نہیں کہا جائے گا کہ آزاد عورت پر لونڈی سے نکاح ہوا۔

ولو تزوج اربعا من الاماء و خمسا من الحرائر فی عقد واحد صح نکاح الاماء لبطلان الخمس و صح نکاح اربع من الحرائر والاماء فقط للحر لا اکثر وله التسری بماشاء من الاماء فلو له اربع والف سرية واراد شراء اخری فلامه رجل خیف علیه الکفر ولو اراد فقالت له امرأته اقتل نفسی لا یمتنع لانه مشروع لکن لو ترك لئلا یغمها یوجر لحدیث من رق لامتی رق الله له بزازیة

لونڈی اور آزاد عورت سے ایک ساتھ نکاح

اگر کسی نے چار لونڈی اور پانچ آزاد عورت سے ایک عقد میں نکاح کیا تو لونڈیوں سے نکاح درست ہوگا کیونکہ پانچ آزاد عورت سے نکاح باطل قرار پائے گا۔

بیک وقت کتنی عورتیں رکھ سکتا ہے

آزاد مرد کے لیے درست ہے کہ وہ صرف چار آزاد عورت سے نکاح کرے یا صرف چار لونڈیوں سے، کیونکہ بیک وقت چار عورت سے زیادہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے، البتہ آزاد مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ جس قدر لونڈی چاہے رکھ سکتا ہے لونڈیوں کو لونڈی کی حیثیت سے رکھنے میں کوئی تعداد مقدار متعین نہیں ہے۔

زیادہ لونڈیوں پر اعتراض

اگر کسی شخص کی چار بیویاں ہوں اور ہزار لونڈیاں اور اس کے بعد بھی وہ کوئی لونڈی خریدنا چاہے، اور اس پر اس کو کوئی ملامت کرے تو ملامت کرنے والے پر کفر کا خوف

ہے، کیونکہ جب لونڈیوں کی تعداد محدود نہیں اور وہ ایک جائز فعل کرنا چاہتا ہے تو اعتراض بظاہر یہ بتاتا ہے کہ اس کو قرآن کے جواز پر شک ہے پس معلوم ہوا کہ اگر اعتراض جواز پر شک کے طور پر ہو تو خوف کفر ہے ورنہ نہیں۔

اگر کسی شخص نے لونڈی کے تصرف کا ارادہ کیا، یہ دیکھ کر اس کی بیوی نے اس سے کہا اگر تو باز نہیں آتا تو میں خودکشی کرتی ہوں تو اس کے لیے ایک فعل جائز سے روکنا واجب نہیں ہے۔ یعنی وہ اس دھمکی کے باوجود لونڈی خرید کر اس کے ساتھ وطی کرے، تو مجرم نہیں ہے، اس لیے کہ اسے اسلام میں جائز رکھا گیا ہے۔

لیکن اگر کوئی بیوی کے رہتے ہوئے لونڈی خرید کر اس سے ہمبستر اس لیے نہ ہو کہ بیوی کو غم ہوگا تو وہ لائق اجر ہے کیونکہ حدیث نبویؐ ہے کہ جو میری امت پر نرمی اور شفقت کرے گا حق تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا

ونصفها للعبد لو مدبرا و یمتنع علیه غیر ذلك فلا یحل له التسری اصلا لانه لا یملك الا الطلاق و صح نکاح حبلی من زنا لا حبلی من غیره ای الزنا لثبوت نسبه ولو من حربی او سیدها المُقِرّ به وان حرم وطؤها ودواعیه حتی تضع متصل بالمسئلة الاولی لئلا یسقی ماؤہ زرع غیرہ اذا لشعر ینبت منه

غلام اور آزاد کے لیے عورت کی تعداد

آزاد مرد کو جتنی عورتوں کے ساتھ بیک وقت نکاح کرنا درست ہے، اس تعداد کے آدھے سے غلام کو نکاح کرنا درست ہے یعنی آزاد کے لیے چار عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے اور غلام کے لیے دو سے، اگرچہ وہ غلام مدبر ہی کیوں نہ ہو، اور اس سے زائد سے نکاح کرنا اس کے لیے منع ہے لہٰذا غلام کے لیے لونڈیوں کا تصرف حلال نہیں ہے اس لیے کہ وہ سوائے اپنی بیوی کے طلاق کے اور کسی کا مالک نہیں ہوتا ہے۔

حاملہ من الزنا سے نکاح اور وطی

زنا سے حاملہ عورت کے ساتھ نکاح درست ہے۔ زنا کے علاوہ سے جو حاملہ عورت ہے اس سے نکاح درست نہیں ہے۔ حاملہ عورت سے نکاح اس لیے درست ہے کہ اس کا نسب ثابت ہے، خواہ حربی کافر کا نسب ہو یا لونڈی کے ایسے مالک کا جو خود اس کا اقرار کرتا ہو، لیکن زنا سے حاملہ عورت سے بعد نکاح اس وقت تک وطی اور وطی کے دواعی جیسے بوسہ وغیرہ حرام ہے جب تک اس کو بچہ پیدا نہ ہو جائے۔ تاکہ دوسرے کی کھیتی میں یہ اپنے پانی سے سینچائی نہ کر سکے، کیونکہ اس حال میں وطی سے بال جمتے ہیں۔

یعنی اگر کوئی عورت زنا سے حاملہ ہے تو اس سے نکاح کرنا درست ہوگا، مگر وطی یا جو چیز وطی کی خواہش پیدا کرے جیسے بوسہ وغیرہ لینا اس وقت تک حرام ہوگا جب تک اس عورت کو بچہ پیدا نہ ہو جائے، تاکہ زنا سے حمل والے بچے میں دوسرے کی شرکت نہ ہو بلکہ وہ الگ تھلگ رہے، جب حاملہ کو زنا کا بچہ ہو چکے گا تو اب شوہر کو اس سے وطی کرنے کا اختیار ہے، اور اس کے بعد جو بچہ پیدا ہوگا شوہر کا ہوگا۔

باقی جو عورت اپنے شوہر سے حاملہ ہو اور شوہر نے طلاق دیدیا ہے یا فوت ہو گیا ہے، تو ایسی **حاملہ عورت کے ساتھ نکاح** جائز نہیں ہے جب تک اس کو بچہ پیدا نہ ہو جائے۔

فروع لو نکحها الزانی حل له وطؤها اتفاقا والولد له ولزمه النفقة ولو زوج امته او ام ولده الحامل بعد علمه قبل اقراره به جاز وکان نفیا دلالة نهر عن التوشیح و صح نکاح الموطؤة بملك یمین ولا یستبرؤها زوجها بل سیدها وجوبا علی الصحیح ذخیرة او الموطؤة بزنا ای جاز نکاح من رآها تزنی وله وطؤها بلا استبراء و اما قوله تعالی الزانیة لا ینکحها الا زانٍ فمنسوخ بآیة فانکحو ماطاب لکم و فی آخر حظر المجتبی لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرة ولا علیها تسریح الفاجر الا اذا خافا ان لا یقیما حدود الله فلا باس ان یتفرقا فما فی الوهبانیة ضعیف کما بسطه المصنف

زانی کی زانیہ سے نکاح کے بعد وطی کی اجازت

اگر زنا والی حاملہ عورت سے خود زنا کرنے والے نے نکاح کیا ہے تو اس لیے وطی کرنا البتہ درست ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اس حمل سے پیدا ہونے والے بچہ کا نسب اسی زنا کرنے والے سے ثابت ہوگا جس نے زنا کے بعد نکاح کرلیا ہے، اور اس بچہ کا نفقہ بھی اسی پر واجب ہوگا۔

حاملہ لونڈی اور ام ولد کا نکاح

اگر کسی نے اپنی حاملہ لونڈی یا اپنی حاملہ ام ولد (لونڈی) کا اس کے حمل کے معلوم ہونے کے باوجود نکاح کر دیا تو یہ نکاح جائز ہوگا، اور ولد کے نسب کی نفی ہوگی۔

موطوئہ لونڈی سے نکاح اور وطی بلا استبراء

اگر کوئی اپنی اُس لونڈی کا نکاح کردے جس سے وہ وطی کرتا تھا تو یہ نکاح جائز ہوگا (بشرطیکہ وہ حاملہ نہ ہو) اس سے شادی کرنے والا شوہر استبراء نہیں کریگا یعنی اس سے وطی کرنے کیلئے یہ انتظار نہیں کریگا کہ اسکو حیض آجائے تاکہ معلوم ہوجائے کہ اسکے آقا کا حمل نہیں ہے، البتہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کے لیے یہ جاننا مستحب ہے کہ اس کو پہلے سے حمل نہیں ہے اور یہ معلوم ہوگا حیض آجانے کے بعد، لیکن اگر کوئی دوسرے کی لونڈی خریدے گا تو اس کے ساتھ وطی کرنے سے پہلے یہ جاننا واجب ہوگا کہ اس کو حمل نہیں ہے، اور یہ معلوم ہوگا ایک حیض گذرنے سے، بلکہ اس آقا پر استبراء واجب ہے جو فروخت کر رہا ہے یعنی وہ جب بیچنے کا ارادہ کرے تو حیض کا انتظار کرے اور حیض آجانے کے بعد اس کے ساتھ وطی نہ کرے پھر اسی زمانہ میں فروخت کرے۔

اگر کسی نے کسی عورت کو زنا کرتے دیکھا تو بھی اس کے لیے زانیہ سے نکاح کرنا درست ہے اور وہ وطی کے لیے رحم کے صاف ہونے کا انتظار نہیں کرے گا۔ البتہ حاملہ ہوگی تو یہ معلوم کرنا لازم ہوگا کہ وہ صاف ہوچکا ہے اور اب حمل باقی نہ رہا۔

غیر زانی کا زانیہ سے نکاح

قرآن پاک میں آیا ہے۔ الزانیة لا ینکحها الا زانٍ کہ زناکار عورت سے صرف زانی ہی نکاح کرے گا، یہ آیت دوسری آیت فانکحوا ما طاب لکم (تم کو جو عورت اچھی معلوم ہو اس سے نکاح کرو) سے منسوخ ہے، اس دوسری آیت میں کوئی شرط نہیں ہے، فسخ کی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ میری عورت کسی ہاتھ لگانے والے کا ہاتھ نہیں روکتی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کو طلاق دیدو۔ اس نے عرض کیا وہ خوب صورت ہے مجھے بہت پسند ہے، آپ نے

فرمایا پھر تم اس سے فائدہ اٹھاتے رہو۔

بدکار عورت کو طلاق مجتبیٰ نامی کتاب کے باب الحظر میں ہے کہ شوہر پر اپنی بدکار عورت کا طلاق دینا واجب نہیں ہے۔ اور نہ عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنے بدکار شوہر کو چھوڑ دے البتہ جب دونوں خطرہ محسوس کرنے لگیں کہ وہ حدود اللہ کو باقی نہ رکھ سکیں گے تو اس صورت میں باہم تفریق کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں یعنی دونوں ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کر لیں، لہٰذا وہبانیہ نامی کتاب میں جو یہ آیا ہے کہ زانیہ سے شوہر کے لیے اُس وقت تک وطی حرام ہے جب تک حیض نہ آجائے یہ ضعیف روایت ہے مصنف نے اس کو اپنی شرح میں بسط و تفصیل سے بیان کیا ہے۔

وصح نكاح المضمومة الى محرمة والمسمى كله لها ولو دخل بالمحرمة فلها مهر المثل وبطل نكاح متعة وموقت و ان جهلت المدة او طالت في الاصح وليس منه ما لو نكحها على ان يطلقها بعد شهر او نوى مكثه معها مدة معينة ولا بأس بتزوج النهاريات عيني

حلال وحرام عورت سے ایک ساتھ نکاح ایک جائز عورت ہو اور دوسری حرام عورت ہو اور ایک شخص دونوں سے ایک عقد میں نکاح کرے، تو جس عورت سے نکاح حلال ہے اس سے نکاح درست ہوگا اور جس سے نکاح حرام ہے اس سے نکاح باطل ہوگا، اور جو کچھ مہر متعین ہوا ہے وہ کل جائز عورت کا ہوگا۔ ہاں اگر اس نے اس عورت سے جس سے نکاح حرام تھا صحبت کر لی ہے، تو اس کو مہر مثل ملے گا۔

نکاح متعہ نکاح متعہ باطل ہے متعہ یہ ہے کہ کوئی مرد کسی عورت سے متعین دنوں کے لیے ایک خاص مقدار مال کی مقرر کر کے نکاح کرے مثلاً دس دنوں یا دو تین مہینے کے لیے۔ متعہ اسلام میں خیبر اور فتح مکہ کے موقع سے مباح ہوا تھا، جب لوگوں کا مجرد رہنا سخت مشکل ہو گیا تھا، لیکن فتح مکہ کے بعد متعہ کی حرمت کا مستقل طور پر اعلان کر دیا گیا، اور بتا دیا گیا کہ یہ ہمیشہ کے لیے حرام قرار دیدیا گیا، مسلم میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ میں تین دونوں کے لیے متعہ کے مباح ہونے کا اعلان فرمایا تھا پھر فرمایا، اے لوگو! میں نے تمہارے لیے متعہ کی اجازت دی تھی، اب اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے اس کو حرام قرار دیدیا ہے، صحابہ کرامؓ کا متعہ کی حرمت پر اجماع ہے اب جو اس کو حلال جانے وہ کافر کے حکم میں ہے۔

نکاح موقّت نکاح موقت بھی حرام اور باطل ہے اگرچہ مدت مجہول اور لمبی ہو اس نکاح میں وقت متعین ہوتا ہے کہ اتنے دن کے لیے ہے، متعہ اور موقت میں یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ متعہ میں لفظ متعہ کا بولا جانا ضروری ہے اور موقت میں نکاح وغیرہ کے الفاظ بولے جاتے ہیں، پھر متعہ میں مہر کی مالیت کی تعیین ضروری ہے موقت میں ضروری نہیں اسی طرح متعہ میں گواہ شرط نہیں ہے موقت میں گواہ کا ہونا شرط ہے۔

اگر کسی نے عورت سے نکاح اس شرط پر کیا کہ وہ اس کو ایک مہینہ کے بعد طلاق دیدے گا، تو یہ نکاح موقت نہیں ہوگا بلکہ طلاق کی شرط باطل ہو جائے گی اور نکاح درست ہوگا۔ یا کسی نے نکاح میں یہ نیت کی کہ اتنی مدت تک بیوی کے ساتھ رہے گا تو یہ نکاح بھی نکاح موقت میں داخل نہیں ہوگا۔

نکاح نہاریات نہاریات کے نکاح میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کذا فی العینی، نہاریات اس نکاح کو کہتے ہیں جس میں شوہر عورت کے پاس دن میں رہے اور رات میں نہ رہے۔

ويحل له وطؤ امرأة ادعت عليه عند قاض انه تزوجها بنكاح صحيح وهي اى والحال انها محل للانشاء اى لانشاء النكاح خالية عن الموانع وقضى القاضى بنكاحها ببينة اقامتها ولم يكن فى نفس الامر تزوجها وكذا تحل له لو ادعى هو نكاحها خلافا لهما و فى الشرنبلالية عن المواهب و بقولهما يفتى

غلط طور پر نکاح ثابت کرنا ایک عورت نے قاضی کے پاس ایک مرد پر دعویٰ کیا کہ اس نے اس سے صحیح طور پر نکاح کیا ہے، اور وہ عورت نکاح کی محل تھی یعنی اس سے نکاح کرنا اس مرد کے لیے حلال تھا، اور کوئی مانع بھی نکاح کا نہیں پایا جارہا تھا، یعنی اس عورت سے مرد کا کوئی ایسا رشتہ نہیں تھا جس سے حرمت ثابت ہوتی ہو، اور نہ وہ کسی غیر کی منکوحہ تھی اور نہ کسی کی معتدہ

قاضی کے فیصلہ کے بعد وطی عورت نے اپنے اس دعویٰ نکاح پر ثبوت (گواہوں کی گواہی) قاضی کے پاس پیش کردی، قاضی نے ثبوت شرعی کے پیش ہونے کی وجہ سے اس کے نکاح کا فیصلہ کردیا۔ اور حال یہ تھا کہ حقیقت میں مرد نے اس عورت سے نکاح نہیں کیا تھا، مدعیہ اور گواہان سب جھوٹے تھے، لیکن یہ بات قاضی کو معلوم نہیں ہوسکی، ظاہری ثبوت پر اس نے فیصلہ دیدیا۔

اس صورت میں مرد کا اس عورت سے وطی کرنا جائز و درست ہوگا، اور قاضی کا فیصلہ نکاح کے حکم میں سمجھا جائے گا اور مرد پر عورت کا نان نفقہ واجب ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے روبرو ایک مرد نے ایک عورت سے اپنا نکاح کرنا گواہوں کے ذریعہ ثابت کردیا، حالانکہ حقیقت میں نکاح نہیں ہوا تھا۔ عورت نے کہا کہ مرد کا دعویٰ غلط اور جھوٹا ہے اگر آپ کا یہی حکم ہے تو میرا باضابطہ اس سے نکاح کردیں، تاکہ وطی حلال ہوجائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دونوں گواہوں نے تمہاری شادی اس کے ساتھ کردی، اب نکاح کی ضرورت نہیں ہے یعنی نکاح نہیں تھا تو بھی گواہوں کی گواہی کے بعد نکاح ہوگیا۔

اسی طرح اگر خود مرد نے عورت کے ساتھ نکاح کا دعویٰ کیا، اور گواہوں کی گواہی گذرنے کے بعد قاضی نے فیصلہ مرد کے حق میں دیدیا ہے تو مرد کے لیے اس عورت سے وطی کرنا درست ہے۔

البتہ پہلی صورت میں جب کہ عورت نے غلط دعویٰ کر کے نکاح ثابت کیا تھا عورت گنہگار ہوگی اور دوسری صورت میں غلط دعویٰ اور ثبوت پر مرد گنہگار ہوگا۔ صاحبینؒ ان صورتوں میں وطی کے حلال ہونے میں خلاف ہیں وہ فرماتے ہیں بغیر جدید نکاح کے وطی حلال نہیں ہے۔ شرنبلالیہ میں مواہب سے فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر نقل کیا ہے احتیاط اسی میں ہے کہ وطی نہ کی جائے لیکن ظاہر میں قاضی کا فیصلہ نافذ ہوگا واللہ اعلم۔

ولو قضى بطلاقها بشهادة الزور مع علمها بذلك نفذ وحل لها التزوج بآخر بعد العدة و حل للشاهد زورا تزوجها و حرمت على الاول و عند الثانى لا تحل لهما و عند محمد تحل للاول مالم يدخل الثانى وهى من فروع القضاء بشهادة الزور كما سيجئ والنكاح لايصح تعليقه بالشرط كتزوجتك ان رضى ابى لم ينعقد النكاح لتعليقه بالخطر كما فى العمادية

وغیرها و ما فی الدرر فیه نظر ولا اضافته الی المستقبل کتزوجتك غدا او بعد غد لم یصح

ثبوت پاکر قاضی کا فیصلۂ طلاق

اگر قاضی نے شرعی گواہی پیش ہونے کی وجہ سے عورت کے طلاق کا فیصلہ کردیا، تو یہ فیصلہ نافذ ہوگا اور عورت کے لیے دوسرا نکاح کرنا درست ہوگا، حالانکہ عورت کے علم میں تھا کہ اس نے جو گواہی پیش کی ہے وہ جھوٹی تھی گو قاضی پر وہ جھوٹ ظاہر نہیں ہو سکا تھا۔

خود جھوٹی گواہی دینے والے کے لیے بھی اس عورت سے نکاح کر لینا درست ہوگا، کیونکہ قاضی کا فیصلۂ طلاق ظاہر و باطن دونوں میں نافذ ہو چکا ہے اور اس فیصلہ کی وجہ سے عورت پہلے شوہر پر حرام ہو چکی ہے، امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ عورت ان دونوں شوہروں میں سے کسی کے لیے حلال نہیں اور امام محمدؒ کا قول ہے کہ پہلے شوہر کے لیے اس وقت تک حلال ہے جب تک شوہر ثانی نے اُس عورت سے صحبت نہ کی ہو، اور اگر اس نے صحبت کرلی ہے تو پہلے شوہر پر حرام ہو گئی، کیونکہ اس سے اس پر عدت واجب ہو گئی، اور یہ فیصلہ نکاح اور طلاق کا شہادت زور سے متعلق ہے۔

نکاح معلّق

نکاح کا کسی شرط کے ساتھ معلق کرنا صحیح نہیں ہے جیسے کوئی کہے میں نے تجھ سے نکاح کیا اگر میرا باپ راضی ہوگا دوسرے نے کہا میں نے قبول کیا، تو اس ایجاب و قبول سے نکاح منعقد نہیں ہوگا، کیونکہ یہ خطرہ کے ساتھ معلق رہا، ہو سکتا ہے باپ راضی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باپ راضی نہ ہو، چنانچہ یہ مسئلہ عمادیہ وغیرہ میں موجود ہے۔

اور دُرَرْ میں اس کا جائز ہونا جو لکھا گیا ہے اس میں شک ہے، دُرَرْ میں ہے کہ اگر کسی نے معلق طور پر نکاح کیا تو تعیین باطل ہو جائے گی اور نکاح منعقد ہو جائے گا۔

اسی طرح نکاح کا مستقبل کی طرف منسوب کرنا بھی صحیح نہیں ہے جیسے کوئی کہے کہ میں نے تجھ سے آئندہ کل میں نکاح کیا یا آئندہ پرسوں میں نکاح کیا تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

ولکن لا یبطل النکاح بالشرط الفاسد و انما یبطل الشرط دونہ یعنی لو عقد مع شرط فاسد لم یبطل النکاح بل الشرط بخلاف مالو علقه بالشرط الا ان یعلقه بشرط ماض کائن لا محالة فیکون تحقیقا فینعقد فی الحال کان خطب بنتا لابنه فقال ابوها زوجتها قبلك من فلان فکذبه فقال ان لم اکن زوجتها لفلان فقد زوجتها لابنك فقبل ثم علم کذبه انعقد لتعلیقه بموجود و کذا اذا وجد المعلق علیه فی المجلس ذکره جوی زاده و عممه المصنف بحثا لکن فی النحر قبیل کتاب الصرف فی مسئلة التعلیق برضا الاب والحق الاطلاق فلیتأمل المفتی

نکاح میں شرط فاسد

لیکن یہ بھی طے ہے کہ شرط فاسد کی وجہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا ہے، جیسے کوئی کہے کہ میں نے تجھ سے اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ میں تجھے مہر نہیں دوں گا۔ یا اس شرط پر کہ مجھ سے اپنا نفقہ طلب نہ کرے، اگر کوئی اس طرح کی شرط فاسد کے ساتھ نکاح کرے گا تو شرط فاسد باطل ہو جائے گی مگر نکاح باطل نہیں ہوگا وہ باقی رہے گا اس کے خلاف اگر کسی نے نکاح کو شرط پر معلق کیا ہے تو وہاں شرط بھی باطل ہو گی اور نکاح بھی باطل ہوگا۔

معلّق نکاح اور مشروط بشرط فاسد نکاح میں فرق؟

(معلق علی الشرط کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کے پائے جانے کا احتمال ہے مگر وہ موجود نہیں ہے نکاح کا

اس پر معلق کرنا جیسے اس شرط پر نکاح کرنا کہ اگر فلاں راضی ہوا، یا اگر کل بارش ہوئی یا فلاں مر گیا، اور مشروط بشرط فاسد سے مراد یہ ہے کہ نکاح میں لوازم نکاح کے مخالف چیزوں کی شرط لگا دینا جیسے مہر نہیں دیں گے، یا نفقہ خود عورت برداشت کرے گی)

البتہ وہ معلق نکاح درست ہو جاتا ہے جس کو گذشتہ زمانہ کی موجود چیز پر معلق کیا گیا ہو اور اس کے ماضی میں پائے جانے میں کوئی تردد نہ رہا ہو یا وہ اس وقت فوراً موجود ہو گیا ہو جیسے کسی نے کہا کہ میں نے تجھ سے نکاح کیا زید کے آنے پر اور دوسرے نے قبول کیا اور اسی وقت زید آ گیا تو نکاح ہو جائے گا۔

موجود چیز پر معلّق کرنا جب موجود شرط پر معلق کر کے نکاح کیا گیا تو وہ نکاح اسی وقت ہو گیا معلق نہیں رہا، جیسے ایک شخص نے اپنے بیٹے کے لیے ایک لڑکی سے نکاح کا پیغام دیا یا اس سے منگنی کی، لڑکی کے باپ نے کہا کہ میں اس لڑکی کا نکاح تمہارے کہنے سے پہلے فلاں سے کر چکا ہوں، لڑکے والے نے اس کے قول کی تکذیب کی کہ ایسا نہیں ہوا ہے یہ سن کر لڑکی کے باپ نے کہا اگر میں نے فلاں سے اپنی اس لڑکی کا نکاح نہیں کیا ہو تو یقین کرو میں نے اس کا نکاح تیرے بیٹے کے ساتھ کر دیا، لڑکے والے نے اپنے بیٹے کے لیے اس نکاح کو قبول کر لیا، پھر معلوم ہوا کہ وہ پہلے جھوٹ بولا تھا، یا تو خود اسی نے اس کو ظاہر کیا، یا جس سے نکاح کرنا بتایا تھا اس نے بتایا کہ انھوں نے جھوٹ کہا تھا، اس صورت میں یہ نکاح ہو گیا کیونکہ اس نے نکاح کو ایک موجود شرط پر معلق کیا تھا، تو گویا یہ نکاح معلق نہیں رہا بلکہ محقق ہو گیا۔

اسی طرح وہ نکاح بھی صحیح ہو جاتا ہے جب وہ چیز ایجاب و قبول کی مجلس میں موجود ہو جس پر تعلیق کی ہے جیسا کہ خواہر زادہ نے ذکر کیا ہے، اور مصنف نے اس کو اپنی شرح میں عام رکھا ہے (اس میں انھوں نے عمادیہ سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ میں نے تجھ سے ہزار درہم پر اگر فلاں شخص راضی ہو نکاح کیا، جس شخص پر معلق کیا تھا وہ مجلس نکاح میں حاضر تھا سن کر بولا میں راضی ہوا تو نکاح صحیح ہو گیا، البتہ اگر وہ حاضر نہ ہو گا تو نکاح نہیں ہو گا۔ اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ جس شخص پر نکاح معلق کیا ہے اگر وہ مجلس نکاح میں موجود ہے اور اپنی رضا اسی وقت ظاہر کر رہا ہے تو نکاح ہو جائے گا ورنہ نہیں، صرف حاضر رہنا کافی نہیں ہے، اسی طرح مجلس کے بعد اجازت دینا بھی کافی نہیں۔

نہر الفائق میں کتاب الصرف سے ذرا پہلے باپ کی رضامندی سے متعلق مسئلہ تعلیق میں لکھا ہے کہ تعلیق علی الاطلاق صحیح نہیں ہے، خواہ باپ مجلس میں حاضر ہو اور رضا کا اظہار کرے، یا عدم رضا کا، اور جس پر معلق کیا ہے وہ خواہ باپ ہو یا اجنبی کسی طرح نکاح صحیح نہیں، اس اطلاق کو صاحب نہر نے خانیہ سے نقل کیا ہے، للہذا مفتی کو چاہیے کہ اس مسئلہ کے بیان کرنے میں غور و فکر سے کام لے کیونکہ فتاویٰ خانیہ معتمد کتاب ہے۔

باب الولی

هو لغةً خلاف العدو وعرفا العارف بالله تعالى و شرعاً البالغ العاقل الوارث ولو فاسقا على المذهب ما لم يكن متهتكا و خرج نحو صبي و وصي مطلقا على المذهب والولاية تنفيذ القول على الغير تثبت باربع قرابة وملك وولاء وامامة شاء او ابى

ولی نکاح کی تعریف اور اس سے متعلق احکام ومسائل

لفظ ولی کا استعمال عدو (دشمن) کے مقابلہ میں ہوتا ہے لغت میں ولی بمعنی دوست ہے اور عرف عام میں ولی عارف باللہ کو کہتے ہیں، اور شریعت میں ولی اس عاقل بالغ کو کہتے ہیں جو کسی کا وارث ہو، گو وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو صحیح مذہب یہی ہے، مگر شرط یہ ہے کہ حرمت کی کھلم کھلا خلاف ورزی نہ کرتا ہو۔

ولی کی اس تعریف سے نابالغ، دیوانہ اور وصی نکل گیا۔ نابالغ اس لیے کہ بالغ نہیں ہے، دیوانہ اور بے ہوش اس وجہ سے کہ عقل نہیں ہوتی اور وصی اس واسطے کہ وہ وارث نہیں ہوتا۔ اور اس کو صحیح مذہب کی بنیاد پر مطلقاً نکاح کی ولایت حاصل نہیں ہوتی، خواہ باپ نے اس کو نکاح کردینے کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو، اور وارث کی قید سے کافر اور غلام بھی نکل گئے، لہٰذا کافر اپنے مسلمان بیٹے کا اور غلام اپنے آقا کا ولی نہیں ہوسکتا ہے۔

ولایت کی تعریف اور اسباب ولایت کہتے ہیں اپنی بات کا دوسرے (غیر) پر نافذ کرنا خواہ وہ راضی ہو یا راضی نہ ہو ولایت چار اسباب میں سے کسی ایک سبب سے حاصل ہوتی ہے، اولاً قرابت سے جیسے باپ اپنی نابالغہ بیٹی کا نکاح کرے، دوسرے ملک جیسے آقا اپنے غلام یا لونڈی کا نکاح کرے، تیسرے آزاد کرنے کی ولایت کے ذریعہ جیسے آزاد غلام کا نکاح آقا کردے، چوتھا سبب ولایت امامت، جیسے لاوارث کا بادشاہ یا قاضی نکاح کردے۔

و هی هنا نوعان ولاية ندب علی المكلفة ولو بكرا و ولاية اجبار علی الصغيرة ولو ثيبا و معتوهة و مرقوقة كما افاده بقوله وهو ای الولی شرط صحة نكاح صغير و مجنون و رقيق لا مكلفة فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضی ولی والاصل ان كل من تصرف فی ماله تصرف فی نفسه وما لا فلا

ولایت مستحب اس ولایت نکاح کی دو قسمیں ہیں ایک ولایت مستحب جیسے عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح اس کا باپ کرے، خواہ کنواری ہو یا بیاہی بیوہ یا مطلقہ۔ بالغہ لڑکی پر باپ کو جبر کا قطعاً حق نہیں ہے، لیکن مناسب یہ ہے کہ بالغہ اپنے نکاح کا معاملہ اپنے ولی کے ذریعہ طے کرائے پہلا فائدہ یہ ہوگا کہ فقہاء کے اختلاف میں نہیں پڑے گا۔ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ بے حیائی کی طرف منسوب نہیں کی جائے گی۔

ولایت اجبار ولایت کی دوسری قسم ولایت اجبار ہے، جو باپ اور دوسرے ولی کو نابالغہ پر حاصل ہوتی ہے گو وہ کنواری نہ ہو یا اسی طرح بالغہ مدہوش و پاگل پر، اسی طرح لونڈی پر ولایت اجبار حاصل ہوتی ہے، یعنی اگر آقا نکاح کردے گا تو وہ نافذ ہو جائے گا۔

آزاد عاقل و بالغ پر ولایت اجبار نہیں ولایت اجبار کو مصنف نے اس طرح بیان کیا ہے کہ نابالغ لڑکا لڑکی اور پاگل بالغ اور غلام کے نکاح کے لیے ولی شرط ہے آزاد عاقل و بالغ کے نکاح کے لیے ولی شرط نہیں ہے، چنانچہ اگر کوئی بالغ لڑکا لڑکی اپنا نکاح بطور خود ولی کی رضامندی کے بغیر کرلے گا تو وہ نکاح

نافذ ہوگا احناف کا یہی مذہب ہے، حدیث نبویؐ ہے الایم احق بنفسها من ولیها بے شوہر کی عورت ولی کے اعتبار سے خود اپنی ذات کی زیادہ مستحق ہے اس سے معلوم ہوا کہ بالغہ پر ولی کو حق جبر حاصل نہیں ہے۔

اس باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو اپنے مال میں تصرف کا حق رکھتا ہے، وہ اپنی ذات میں بھی تصرف کا حق رکھتا ہے اور جو اپنے مال میں تصرف کا حق نہیں رکھتا وہ اپنے نفس میں بھی تصرف کا حق نہیں رکھتا، اور یہ ظاہر ہے کہ عاقلہ بالغہ اپنے مال میں تصرف کا پورا حق رکھتی ہے لہٰذا وہ اپنی ذات کے سلسلہ میں بھی تصرف کا پورا حق رکھے گی، لہٰذا وہ اپنا نکاح اپنی مرضی سے کر سکتی ہے۔

وله ای للولی اذا کان عصبة ولو غیر محرم کابن عم فی الاصح خانیة وخرج ذو الارحام والام والقاضی الاعتراض فی غیر الکفؤ فیفسخه القاضی ویتجدد بتجدد النکاح مالم یسکت حتی تلد منه لئلا یضیع الولد و ینبغ الحاق الحبل الظاهر به ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازه اصلا وهو المختار للفتوی لفساد الزمان فلا تحل مطلقة ثلثا نکحت غیر کفؤ بلا رضی ولی بعد معرفته ایاه فلیحفظ و بناء علی الاول و هو ظاهر الروایة فرضی البعض من الاولیاء قبل العقد او بعده کالکل لثبوته لکل کملا کولایة امان وقود و سنحققه فی الوقف لواستووا فی الدرجة والا فللاقرب منهم حق الفسخ

ولی کو حق اعتراض ولی جو عصبہ بنفسہ ہے خواہ وہ محرم نہ ہو، جیسے چچا کا لڑکا، غیر کفو میں نکاح کرنے کی صورت میں اسے اعتراض کا حق ہوگا، کہ وہ قاضی کے پاس درخواست دے کر اس نکاح کو فسخ کرا دے، عصبہ کی قید لگنے سے ذوی الارحام نکل گئے اور قاضی اور ماں بھی، ان کو اعتراض کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ یہ عصبہ بنفسہ میں داخل نہیں ہیں۔

فسخ نکاح اور نکاح کے تجدد سے فسخ نکاح کا تجدد پایا جائے گا، مثلاً ولی نے عورت کا نکاح کفو میں کر دیا پھر عورت نے ولی کی مرضی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کر لیا، تو اس صورت میں بھی ولی کو تفریق کا حق حاصل ہوگا۔ کیونکہ پہلے نکاح کی رضامندی سے دوسرے نکاح سے راضی ہونا لازم نہیں آتا ہے، جب تک ولی نے سکوت اختیار نہیں کیا ہو قاضی نکاح فسخ کر سکتا ہے۔

فسخ نکاح کی مدت مگر اس وقت تک قاضی کو فسخ کا اختیار ہوگا جب تک اس غیر کفو والے شوہر سے بچہ پیدا نہیں ہوا ہے، اگر نکاح کے بعد بچہ پیدا ہو گیا، تو پھر ولی کو اعتراض کا حق باقی نہیں رہے گا۔ اور اس میں مصلحت یہ ہے کہ لڑکا ضائع نہ ہونے پائے، اس سے معلوم ہوا کہ جب تک قاضی تفریق نہ کر دے ولی کو جدا کرنے کا حق نہیں ہے، اور تفریق سے پہلے تک نکاح کے تمام احکام ارث اور طلاق وغیرہ ثابت رہیں گے۔ لہٰذا اگر تفریق خلوت صحیحہ اور دخول کے بعد ہوئی ہے، تو عورت کو مہر معین ملے گا اور اس پر عدت واجب ہوگی اور اگر تفریق دخول اور صحبت سے پہلے ہوئی ہے تو بیوی کو مہر نہیں ملے گا۔ اس واسطے کہ یہ جدائی شوہر کی طرف سے نہیں ہوئی ہے۔

غیر کفو میں شادی اگر عورت نے غیر کفو میں شادی کی اور ولی ساکت رہا یہاں تک کہ عورت حاملہ ہو گئی تو اب فسخ کا حق جاتا رہا عورت کا ولی کی مرضی کے خلاف غیر کفو میں نکاح کرنا فتویٰ کے لیے قطعاً ناجائز ہے اسی پر فتویٰ دیا گیا ہے، اور فتویٰ دینے کے لیے اسی روایت کو پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ حسن بن زیاد نے امام اعظمؒ سے روایت نقل کی ہے کہ اگر

بالغہ نے شادی کی اور اس کا شوہر ہم کفو ہے تو بغیر ولی نکاح درست ہے اور وہ نافذ ہوگا اور اگر غیر کفو ہے تو نافذ نہیں ہوگا، اور اکثر مشائخ نے اسی روایت کو اختیار کیا ہے، اور ناجائز ہونے کا فتویٰ زمانہ کے فساد کی وجہ سے دیا گیا ہے کیونکہ نہ ہر بالغہ باشرم وحیا ہے اور نہ ہر قاضی عادل، اور نہ ہر ولی کو نالش کا سلیقہ آتا ہے۔

مطلقہ ثلثہ کا غیر کفو میں شادی کرنا جس عورت کو شوہر نے تین طلاق دی ہو اگر وہ اس طلاق ثلثہ کے بعد کسی غیر کفو میں ولی کی مرضی کے خلاف ہو کر شادی کر لے گی اور وہ طلاق دیدیگا یا مرجائے گا تو یہ عورت پہلے شوہر کے لیے جائز نہیں ہوگی، اگر اس عورت کا کوئی ولی نہیں ہے یا ولی تھا اور اس نے غیر کفو میں شادی کی اجازت دیدی ہے تو یہ پہلے شوہر کے لیے جائز ہو جائے گی اور بعض لوگوں نے امام اعظمؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے کہ بالغہ عاقلہ اگر غیر کفو میں شادی کرلے گی تو وہ جائز ہوگی، ظاہر الروایۃ کے مطابق ولیوں میں سے بعض کا عقد سے پہلے یا بعد راضی ہونا تمام کے راضی ہونے کے حکم میں ہے، اس لیے کہ ولایت کا ہر ایک کو پورا حق حاصل ہے لہٰذا جب ایک بھی راضی ہوگیا تو باقی کو اعتراض کا حق باقی نہیں رہ جاتا، جیسا کہ امان اور قصاص کے باب میں حکم ہے، یعنی ایک مسلمان نے بھی حربی کو امان دیدی ہے تو دوسرے مسلمان اس کو نہیں چھیڑ سکتے ہیں، یا ایک ولی نے قصاص معاف کر دیا ہے تو بقیہ اولیاء کو قصاص کا حق باقی نہیں رہتا۔

قریب ترین ولی کا حق ایک ولی کی رضامندی سب کی رضامندی کے برابر اس وقت ہے جب سب درجہ میں برابر ہوں، اور اگر اولیاء درجہ میں برابر نہ ہوں ایک زیادہ قریب ہو جیسے باپ اور دوسرا اس کی نسبت بعید ہو جیسے بھائی تو ان اولیاء میں قریب ترین کو فسخ کا حق ہوتا ہے مثلاً بھائی نے نکاح کردیا تو باپ اسے فسخ کر سکتا ہے۔

و ان لم يكن لها ولی فهو ای العقد صحيح نافذ مطلقا اتفاقا وقبضه ای ولی له حق الاعتراض المهر ونحوه مما يدل على الرضی رضا دلالة ان كان عدم الكفاءة ثابتا عند القاضی قبل مخاصمته والا لم يكن رضا كما لا يكون سكوته رضا مالم تلد و اما تصديقه بانه كفؤ فلا يسقط حق الباقين مبسوط

جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو اگر بالغہ عورت کا کوئی ولی نہیں ہے تو پھر اس کا خود کیا ہوا نکاح متفقہ طور پر درست ہوگا اور وہ نافذ ہوگا خواہ اس نے کفو میں نکاح کیا ہو خواہ غیر کفو میں۔

ولی کی رضامندی اس ولی کا مہر وغیرہ پر قبضہ کرنا جس کو حق اعتراض حاصل ہے، یا ایسا کام کرنا جس سے رضامندی ظاہر ہوتی ہو، جیسے تحفہ وغیرہ خوشی سے لینا یہ فعل دلالت حال کی وجہ سے رضامندی کے حکم میں ہے، اگر ولی کے مقدمہ کرنے سے پہلے قاضی کے نزدیک ہم کفو نہ ہونا ثابت ہو چکا ہو، اور اگر قاضی کے نزدیک ہم کفو نہ ہونا پہلے سے ثابت نہیں تھا تو ولی کا مہر وغیرہ لینا رضامندی کی دلیل نہیں ہوگی، جیسے ولی کا خاموش رہنا اس کی رضامندی کی دلیل نہیں ہوتی ہے، ہاں اگر خاموش اس وقت تک رہے کہ عورت کو بچہ پیدا ہوگیا تو یہ رضامندی کے حکم میں ہوگا ولیوں میں سے ایک ولی کا یہ تصدیق کرنا کہ شوہر ہم کفو ہے بقیہ اولیاء کے حق اعتراض کو ساقط نہیں کرتا ہے۔

ولا تجبر البالغة البكر على النكاح لانقطاع الولاية بالبلوغ فان استأذنها هو ای الولی وهو السنة او وكيله او رسوله او زوجها وليها واخبرها رسوله او فضولی عدل فسكتت

عن رده مختارة او ضحكت غير مستهزئة او تبسمت او بكت بلا صوت فلو بصوت لم يكن اذنا ولا ردا حتى لو رضيت بعده انعقد معراج وغيره فما في الوقاية والملتقى فيه نظر فهو اذن اى توكيل في الاول ان اتحد الولي فلو تعدد المزوج لم يكن سكوتها اذنا و اجازة في الثاني ان بقي النكاح لا لو بطل بموته

عورت بالغہ کی رضامندی کی صورتیں

جو عورت بالغہ ہے اور اس کی پہلی شادی ہو رہی ہے، ایسی عورت کو اس کا ولی نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ عورت کے بالغ ہو جانے کے بعد ولی کی ولایت منقطع ہو جاتی ہے، اگر ولی نے بالغہ لڑکی سے نکاح کی اجازت چاہی، اور سنت یہ ہے کہ ولی ہی لڑکی سے اجازت طلب کرے یا ولی کے وکیل نے اجازت طلب کی یا اس کے قاصد نے اجازت چاہی یا ولی نے اجازت لینے سے پہلے بالغہ لڑکی کا نکاح کر دیا اور اس کے قاصد نے یا کسی عادل فضولی نے لڑکی کو نکاح کی خبر دی۔ خبر سن کر لڑکی نے خاموشی اختیار کی نکاح کو صراحتاً رد نہیں کیا، اس حال میں کہ وہ مختار تھی، یا خبر سن کر ہنسی اور یہ ہنسنا بطور تمسخر کے نہیں تھا، یا خبر سن کر مسکرائی یا بلا آواز کے روئی تو یہ سکوت، ہنسنا، مسکرانا اور بلا آواز رونا نکاح کے لیے اجازت شمار ہو گی، اور نکاح منعقد ہو جائے گا لیکن اگر ہنسنا بطور تمسخر ہوا، یہ اجازت نہیں شمار ہو گی اسی طرح روئی مگر آواز کے ساتھ، تو یہ نہ اجازت ہو گی اور نہ نکاح کا رد کرنا، چنانچہ اگر اس رونے کے بعد رضامندی ظاہر کرے گی تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔

ملتقی اور وقایہ میں بیان کیا گیا ہے کہ بالغہ کا بے آواز رونا اجازت ہے اور اگر آواز سے روئی تو اجازت نہیں ہو گی، اس قول میں تردد ہے، دونوں قولوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے قول کا مطلب یہ ہے کہ آواز کے ساتھ رونا نہ اجازت ہے اور نہ رد، اور دوسرے قول میں کہا گیا کہ اجازت نہیں ہے یعنی اس میں رد کی نفی نہیں ہے، اس مسئلہ میں یہ دو قول ہوئے۔

جب ولی متعدد ہوں تو سکوت اجازت نہیں

اوپر جو کہا کہ بالغہ کا خاموش رہنا، ہنسنا اور بلا آواز رونا اجازت کے حکم میں ہے تو یہ اُس وقت ہے جب ولی ایک ہو، لیکن اگر ولی نکاح کرنے والے متعدد ہوں تو اس وقت بالغہ کا سکوت اجازت نہیں، مثلاً جس عورت کا نکاح ہو رہا ہے اس کے دو بھائی ہیں ایک نے کہا میں تیرا نکاح زید سے کرتا ہوں اور دوسرے نے کہا محمود سے کرتا ہوں اور دونوں کے اجازت طلب کرنے کے وقت وہ خاموش رہی تو یہ چپ رہنا اجازت نہیں ہے۔

اجازت سے پہلے نکاح

بالغہ کا چپ رہنا یا ہنسا وغیرہ دوسری صورت میں جب ولی نے اجازت حاصل کرنے سے پہلے نکاح کر دیا، اور اس کی خبر ہونے کے بعد بالغہ نے سکوت اختیار کیا تو یہ نکاح کا جائز رکھنا ہے اگر اس وقت تک نکاح باقی تھا اور اگر نکاح شوہر کے مرنے کی وجہ سے جب باطل ہو چکا تھا اس وقت خبر پہنچی اور بالغہ چپ رہی، تو اس وقت اس کا چپ رہنا اجازت کے حکم میں نہیں ہے، اس لیے کہ نکاح خود ختم ہو چکا ہے۔

ولو قالت بعد موته زوجني ابي بامري وانكرت الورثة فالقول لها فترث و تعتد ولو قالت بغير امري لكنه بلغني فرضيت فالقول لهم و قولها غيره اولى منه رد قبل العقد لا بعده ولو زوجها لنفسه فسكوتها رد بعد العقد لاقبله ولو استاذنها في معين فردت ثم زوجها منه فسكتت صح

فی الاصح بخلاف ما لو بلغها فردت ثم قالت رضیت لم یجز لبطلانه بالرد ولذا استحسنوا التجدید عند الزفاف لان الغالب اظهار النفرۃ عند فجأۃ السماع ولو استأذنها فسکتت فوکل من یزوجها ممن سماہ جاز ان عرف الزوج والمهر کما فی القنیة واستشکله فی البحر بانه لیس للوکیل ان یوکل بلا اذن فمقتضاہ عدم الجواز و انها مستثناہ

عورت اور وارثین شوہر میں اختلاف

اگر عورت نے شوہر کی موت کے بعد کہا کہ میرے باپ نے میری اجازت سے نکاح کیا تھا اور شوہر کے وارثین نے اس کا انکار کیا، تو اس صورت میں عورت کا قول معتبر ہوگا، چنانچہ عورت شوہر کے ترکہ میں وارث قرار پائے گی اور عدت کے ایام گذارے گی۔

اور اگر عورت نے یہ کہہ دیا کہ میرے باپ نے میری اجازت کے بغیر نکاح کیا تھا لیکن مجھ کو نکاح کی خبر پہنچی ہے اور جب یہ خبر پہنچی تو میں راضی ہوگئی تھی اس صورت میں شوہر کے وارثوں کا قول لائق اعتبار ہوگا، لہٰذا اس کو نہ مہر ملے گا اور نہ میراث، لیکن اگر اسے نکاح کے صحیح ہونے کا علم ہے تو اس صورت میں اس پر عدت لازم ہوگی۔

ولی نے بالغہ سے کسی اور کے ساتھ نکاح کی اجازت چاہی اس نے کہا کہ اس سے دوسرا بہتر ہے، بالغہ کا یہ کہنا اگر نکاح سے پہلے ہے تو اجازت نہیں ہوئی انکار ہوا، اور اگر بعد عقد یہ کہا ہے تو انکار نہیں ہوگا بلکہ اجازت ہوگی۔

ولی کا اپنے ساتھ نکاح کرلینا

اگر ولی نے بالغہ کا نکاح خود اپنے ساتھ کرلیا اس سے اجازت نہیں لی تھی، لیکن جب بالغہ کو اس نکاح کی خبر ہوئی تو وہ خاموش رہی، تو اس کا یہ سکوت نکاح کے بعد انکار کے حکم میں ہے رضامندی نہیں ہوگی اور اگر اجازت عقد سے پہلے طلب کی اور وہ خاموش رہی تو اس کا یہ چپ رہنا اجازت اور رضامندی کے حکم میں ہے۔

نکاح کی دیگر صورتیں

اور اگر ولی نے نکاح کے لیے کسی متعین شخص کے ساتھ اجازت چاہی، اس نے اسکو رد کردیا، اسکے رد کرنے کے بعد پھر اس نے اس بالغہ کا نکاح اسی شخص سے کردیا، لیکن اب خبر معلوم ہونے پر چپ رہی تو نکاح صحیح ہوجائیگا، اصح قول یہی ہے، اسکے خلاف یہ کہ اگر عورت کو نکاح کی خبر ہوئی تو اس نے رد کردیا پھر بعد میں کہا کہ میں راضی ہوں تو یہ نکاح جائز نہیں ہوگا کیونکہ رد کرنے کی وجہ سے نکاح باطل ہوچکا تھا اب رضا ظاہر کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔

فقہاء نے اسی وجہ سے کہا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اجازت کے وقت نکاح دوبارہ کردیا جائے، اس لیے کہ عمومی طور پر عورت اچانک اس طرح کی خبر سن کر نفرت کا اظہار کرتی ہے تو ہوسکتا ہے کہ اس نے ایسا کیا ہو، جس سے نکاح باطل ہوگیا ہو، لیکن جب تجدید نکاح ہوگیا تو وہ شک جاتا رہا، لیکن یہ صورت اس وقت کے لیے ہے کہ جب بغیر اجازت لیے نکاح کیا گیا ہو، اور اگر اجازت لے کر نکاح کیا گیا تھا تو اس کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر کسی متعین شخص کے ساتھ نکاح کردینے کی اجازت طلب کی، اس نے اس موقع پر سکوت کیا، پھر ولی نے ایک شخص کو وکیل بنادیا کہ اس کا نکاح اس متعین شخص کے ساتھ کردے جس کا پہلے نام لیا تھا۔ تو یہ وکیل بنانا اور اس کا نکاح کرنا دونوں جائز ہے شرط یہ ہے کہ عورت کے علم میں یہ بات آگئی ہو کہ فلاں سے اسکی شادی ہو رہی ہے اور اس قدر مہر ہے اور وکیل کو بھی اس کا علم ہوچکا ہو۔

پہلے مسئلہ کو بحر الرائق میں مشکل شمار کیا ہے اس طرح کہ انھوں نے لکھا ہے کہ وکیل کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ وہ موکل

کی اجازت کے بغیر دوسرے کو وکیل بنادے اس سے لازم یہ آتا ہے کہ نکاح جائز نہیں ہوا، کیونکہ جب پوچھنے پر وہ چپ رہی تو وہ خود عورت کا وکیل بن گیا، اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ دوسرے کو وکیل بنادے یا یہ کہا جائے کہ یہ مسئلہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔

ان علمت بالزوج انه من هو لتظهر الرغبة فيه او عنه ولو في ضمن العام كجيراني او بني عمي لو يحصون والا لا مالم تفوض له الامر لا العلم بالمهر وقيل يشترط وهو قول المتاخرين بحر عن الذخيرة واقره المصنف وما صححه في الدرر عن الكافي رده الكمال

معلوم ہونے کے بعد اجازت طلبی

اگر بالغہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ فلاں شخص شوہر ہونے والا ہے اور اس کے اجازت طلب کرنے پر وہ چپ رہی ہے تو یہ چپ رہنا اجازت ہوگی، تاکہ شوق یا نفرت کا اظہار ہو سکے اگر شوہر کا علم عام کے ضمن میں ہوا ہو، جیسے ولی کا یہ کہنا کہ میں تیرا نکاح اپنے ہمسایوں میں کر رہا ہوں یا اپنے چچا کے بیٹوں میں سے کسی سے کر رہا ہوں اگر یہ محدود و متناہی ہوں، تاکہ یہ اندازہ ہو کہ عورت کو ان کا علم ہے، اور اگر ان کی تعداد محدود نہیں ہے تو پھر اس کی رضامندی ثابت نہیں ہوگی، جب تک وہ اپنا معاملہ ولی کے سپرد نہ کر دے، مثلاً یہ کہہ دے کہ جس سے چاہیں آپ میرا نکاح کر دیں یا آپ جو کچھ کریں گے اس پر میں راضی ہوں، اس طرح رضا ثابت ہو جائے گی۔

بوقت طلب اجازت مقدار مہر کا بتانا

اجازت لینے میں مہر کی مقدار کا بتانا ضروری نہیں ہے، کیونکہ مہر کی مقدار پر نکاح کا صحیح ہونا موقوف نہیں ہے اور بعضوں کا کہنا ہے کہ اس میں مہر کی مقدار کا ذکر کرنا شرط ہے اس لیے کہ مہر کی کثرت و قلت کا بھی اثر ہوا کرتا ہے۔ متاخرین کا یہی قول ہے، اور مصنف نے بھی اپنی شرح منح الغفار میں اسی قول کو برقرار رکھا ہے اور دُرر میں جس قول کی کافی سے نقل کر کے تصحیح کی گئی ہے کمال نے اس کو رد کر دیا ہے، درر میں لکھا ہے کہ اگر ولی باپ یا دادا ہے تو اس صورت میں شوہر کا ذکر کافی ہے، مہر کی مقدار کا ذکر کرنا ضروری نہیں ہے، اور اگر ولی ان کے علاوہ ہے، تو اس وقت مہر کی مقدار کا ذکر ضروری ہے کمال الدین اس پر لکھتے ہیں ولی کے اندر باپ دادا اور دوسرے ولیوں میں یہ تفریق اس وقت ہے جب صغیرہ نابالغہ کا نکاح ہو کیونکہ اس صورت میں ولایت اجبار حاصل ہوتی ہے لیکن یہاں گفتگو بالغہ کے نکاح میں ہے۔ اس میں خود باپ اجنبی کے برابر ہے۔ باپ بھی بالغہ کی رضامندی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا ہے۔

وكذا اذا زوجها الولي عندها اي بحضرتها فسكتت صح في الاصح ان علمته كما مر والسكوت كالنطق في سبع و ثلثين مسئلة مذكورة في الاشباه

بالغہ کے روبرو نکاح کرنا

اسی طرح جب ولی نے بالغہ کا نکاح اس کے روبرو کر دیا، پس وہ چپ رہی تو قول اصح میں نکاح درست ہو گیا، بشرطیکہ اس بالغہ کو شوہر کا علم ہو، جیسا کہ سابق میں گذرا۔

۳۷ مسائل میں خاموشی بولنے کے قائم مقام ہے

سینتیس مسئلوں میں چپ رہنا بولنے کے قائم مقام ہے، الاشباہ والنظائر کے بارھویں قاعدہ میں ابن نجیم مصری نے لکھا ہے کہ سینتیس مسئلوں میں چپ رہنا بولنے کے مانند ہے جس کی تفصیل یہ ہے: (۱) جس وقت ولی بالغہ سے نکاح کی اجازت طلب کرے اُس وقت باکرہ کا سکوت بولنے کے حکم میں ہے، یہ عقد سے پہلے ہو یا بعد عقد ہو، (۲) بالغہ کا اپنے مہر پر قبضہ کرتے وقت خاموش رہنا، (۳) باکرہ کا اپنے بالغ ہونے کے وقت خیار بلوغ میں چپ رہنا، جبکہ نکاح کرنے والے ولی

باپ دادا کے علاوہ دوسرے لوگ ہوں، (۴) عورت نے نکاح نہ کرنے کی قسم کھائی تھی مگر اس کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا اور وہ چپ رہی تو وہ حانث ہوگی، (۵) جس محتاج پر صدقہ کیا جائے وہ خاموش رہے، تو یہ قبول کرنے کے حکم میں ہے۔ لیکن جس پر ہبہ کیا جائے اس کی خاموشی کافی نہیں ہے، (۶) جس شخص پر صدقہ یا ہبہ کیا گیا ہے وہ شخص اگر صدقہ اور ہبہ کے مال پر قبضہ کرلے اور مالک دیکھ کر خاموش رہے تو یہ اجازت کے حکم میں ہے، (۷) کسی نے کسی شخص کو وکیل بنایا اور وہ چپ رہا تو یہ قبول کے حکم میں ہے، لیکن اس کے رد کرنے سے رد ہو جاتا ہے، (۸) مقرلہ کا سکوت قبول کے حکم میں ہے، (۹) کسی کو کوئی چیز سپرد کی جائے اور وہ خاموش رہے تو یہ بھی قبول کے حکم میں ہے، (۱۰) کسی پر کوئی چیز وقف کی گئی اور وہ سن کر خاموش رہا تو یہ بھی قبول کے حکم میں ہے، (۱۱) بیع التلجیہ میں بائع یا مشتری نے کہا میں اس بیع کو صحیح قرار دیتا ہوں، اور دوسرا سن کر چپ رہا تو یہ بھی ماننے کے حکم میں ہے، (۱۲) مال غنیمت مجاہدین پر تقسیم کرتے وقت مالک قدیم کا چپ رہنا رضامندی ہے، (۱۳) غلام کو خرید و فروخت کرتے دیکھ کر مشتری بالخیار کا چپ رہنا خیار کو ساقط کر دیتا ہے، (۱۴) خریدار کا خریدی ہوئی چیز پر قبضہ دیکھ کر اُس بیچنے والے کا چپ رہنا جس کو مال روک رکھنے کا اختیار تھا اس کی طرف سے اجازت ہے، (۱۵) جس کو حق شفعہ پہنچتا تھا اس کو معلوم ہوا کہ حق شفعہ والی چیز بیچ لی گئی ہے مگر وہ چپ رہا تو اس کا حق باطل ہو گیا، (۱۶) غلام کو غیر کا مال بیچتے خریدتے دیکھتے ہوئے بھی آقا کا چپ رہنا تجارت کی اجازت کے حکم میں ہے، (۱۷) آقا نے قسم کھائی کہ اپنے غلام کو تجارت کی اجازت نہیں دوں گا لیکن جب دیکھا کہ وہ خرید و فروخت کر رہا ہے تو خاموش رہا اس صورت میں وہ حانث قرار پائے گا، (۱۸) بیچتے وقت غلام کا چپ رہنا غلامی کا اقرار ہے، (۱۹) ایک شخص نے قسم کھائی کہ فلاں کو اپنے گھر نہیں اترنے دوں گا، پھر اس کو اپنے گھر میں اترتے دیکھا اور چپ رہا تو وہ حانث قرار پائے گا، (۲۰) عورت کے بچہ پیدا ہوتے وقت یا مبارکبادی دیتے وقت شوہر کا چپ رہنا ثبوت نسب کا اقرار ہے، اس کے بعد لڑکے سے انکار معتبر نہیں، (۲۱) ام ولد کے ولادت کے وقت آقا کا خاموش رہنا بچہ کا اقرار ہے، (۲۲) فروخت سے پہلے سامان میں عیب سن کر چپ رہنا عیب پر رضامندی ہے بشرطیکہ خبر دینے والا عادل ہو، (۲۳) باکرہ نے سنا کہ ولی نے اس کی شادی کر دی ہے اور وہ خاموش رہی تو یہ اس کی طرف سے رضامندی ہوگی، (۲۴) بیوی یا کسی قریبی رشتہ دار نے زمین بیچی اور اس وقت شوہر نے سکوت کیا تو یہ اس کا سکوت اقرار ہے کہ وہ زمین اس کی نہیں ہے، مشائخ سمرقند کا اسی پر فتویٰ ہے اسی طرح بیوی دیکھ رہی ہے کہ شوہر ایک چیز بیچ رہا ہے اور وہ خاموش رہی تو یہ اس کی طرف سے اقرار ہے کہ اس کی ملکیت نہیں ہے، (۲۵) ایک شخص نے دیکھا کہ کوئی دوسرا شخص سامان یا گھر بیچ رہا ہے پھر خریدار نے عرصہ تک اس پر تصرف رکھا اور یہ شخص چپ رہا تو یہ چپ رہنا اس کے دعویٰ کو ساقط کر دیتا ہے، (۲۶) شرکت عنان کے دو شریکوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اس لونڈی کو میں خاص طور پر اپنے لیے لیتا ہوں اور دوسرا چپ رہا تو اس میں دونوں کی شرکت نہیں ہوگی، (۲۷) وکیل نے مؤکل سے کہا کہ فلاں چیز مخصوص طور پر اپنے لیے خرید رہا ہوں اور مؤکل خاموش رہا تو وہ چیز وکیل کی ہوگی۔ (۲۸) نابالغ سمجھ دار کو خرید و فروخت کرتے دیکھ کر اس کے ولی نے خاموشی اختیار کی تو یہ اس کی طرف سے اجازت شمار ہوگی، (۲۹) کسی نے غیر کو دیکھا کہ اس نے مشک پھاڑ ڈالا اور جو چیز اس مشک میں تھی وہ بہہ گئی اور دیکھنے والا خاموش رہا تو یہ اس کی طرف سے رضامندی سمجھی جائے گی، (۳۰) کسی نے قسم کھائی کہ غلام سے خدمت نہیں لوں گا پھر غلام آقا کے کہے بغیر اس کی خدمت کرنے لگا اور آقا چپ رہا تو آقا حانث قرار پائے گا۔ یہ تیس مسائل جامع الفصولین وغیرہ میں درج ہیں: (۳۱) ماں نے اپنی بیٹی کے جہیز میں کچھ

سامان اس کے باپ نے سامان سے دیا اور باپ خاموش رہا تو اب باپ کو حق نہیں رہتا کہ اس سامان کو واپس لے، (۳۲) ماں نے بیٹی کے جہیز میں وہ سامان دیئے جو رائج تھے اور باپ خاموش رہا تو اب ماں اس دینے کی ضامن نہیں ہوگی، (۳۳) لونڈی زیور پہنے ہوئی تھی اسی کے ساتھ اس کو بغیر کسی شرط کے فروخت کر دیا پھر لونڈی مع زیور خریدار کے سپرد کر دی وہ اس کو لے گیا اور بیچنے والا خاموش رہا تو یہ خاموشی اجازت کے حکم میں ہوگی خریدار زیور کا مالک بھی ہوگا، (۳۴) شاگرد نے استاذ کے سامنے پڑھا اور استاذ خاموش رہا تو یہ استاذ کے نطق کے حکم میں ہوگا، (۳۵) مدعا علیہ کا بلا عذر خاموش رہنا انکار کے حکم میں ہے اور بعضوں نے کہا کہ یہ انکار نہیں، (۳۶) مرتہن نے مال رہن پر قبضہ کیا اور راہن خاموش رہا تو یہ تسلیم کے حکم میں ہے، (۳۷) قاضی نے مزکی (گواہ کی صفائی دینے والے) سے گواہ کے متعلق دریافت کیا اور وہ چپ رہا تو یہ عادل قرار دینے کے معنی میں ہے، یہ مسائل الاشباہ والنظائر سے لیے گئے ہیں، ۱۴ مسائل حموی نے زیادہ کیے ہیں، جن کو یہاں چھوڑا جا رہا ہے۔

فان استاذنها غير الاقرب كاجنبى او ولى بعيد فلا عبرة لسكوتها بل لا يدمن القول كالثيب البالغة لا فرق بينهما الا فى السكوت لان رضاهما يكون بالدلالة كما ذكره يقوله او ما هو فى معناه من فعل يدل على الرضا كطلب مهرها و نفقتها و تمكينها من الوطئ و دخوله بها برضاها ظهيرية و قبول التهنئة والضحك سرور او نحو ذلك بخلاف خدمته او قبول هديته من زالت بكارتها بوثبة اى نطة او درور حيض او حصول جراحة او تغنيس اى كبر بكر حقيقة كتفريق يجب او عنه او طلاق او موت بعد خلوة قبل وطئ او زنا و هذه فقط بكر حكما ان لم يتكرر و لم تحد به والا فثيب كموطوئة تشبة او نكاح فاسد

غیر ولی کی اجازت طلبی پر باکرہ کے لیے بولنا

اگر بالغہ باکرہ سے نکاح کی اجازت ولی کے سوا دوسرے کسی قریب یا اجنبی نے یا ولی بعید نے لی، درانحالیکہ ولی قریب موجود تھا تو اس وقت اس کے چپ رہنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ بلکہ اس وقت اس کا بولنا اسی طرح ضروری ہے جیسے بالغہ ثیبہ کا، ثیب اس عورت کو کہتے ہیں جس کا ایک مرتبہ نکاح ہو چکا ہو اور اس کے ساتھ صحبت بھی ہو چکی ہو، پھر طلاق دینے یا شوہر کے مرنے سے جدائی حصہ میں آئی ہو۔

بالغہ باکرہ اور بالغہ ثیبہ دونوں کے اندر صرف ایک مسئلہ میں فرق ہے اور وہ ہے نکاح کے لیے طلب اجازت کے وقت خاموش رہنا، کہ باکرہ کا خاموش رہنا رضامندی کی دلیل ہوتی ہے، ثیبہ کے لیے بولنا ضروری ہے، اس کی خاموشی دلیل رضا نہیں، جب کہ اجازت چاہنے والا ولی ہو۔

دلالت حال سے رضا کا اظہار

باکرہ اور ثیبہ دونوں کی رضا دلالت حال سے معلوم ہوتی ہے جیسا کہ مصنف نے ذکر کیا ہے کہ باکرہ بالغہ سے جب غیر ولی اجازت طلب کرے گا تو اس کے لیے لازم ہوگا کہ وہ ثیبہ کی طرح بولے یا ایسا کام کرے جس سے قول کے مانند رضا سمجھی جاتی ہے جیسے اپنے مہر اور نفقہ کا طلب کرنا، یا اپنے اوپر وطی کی قدرت دینا، اور اپنی خوشی سے شوہر کے ساتھ خلوت کرنا، ہدیہ اور مبارکبادی کا قبول کرنا، خوشی میں آکر ہنسنا،

اور ان جیسے دوسرے افعال کرنا، جو رضامندی کو ظاہر کرے جیسے اپنا سامان اور بستر شوہر کے گھر اٹھوا لیجانا، باقی شوہر کی خدمت اور اس کا تحفہ قبول کرنا، رضامندی کی دلیل نہیں ہے۔

بکارت کے زائل ہونے کے بعد باکرہ کا حکم

جس عورت کی بکارت (اندرونی جھلی) وطی سے پہلے کسی وجہ سے زائل ہو گئی جیسے اُچھلنے کودنے سے شرمگاہ کا پردہ پھٹ گیا یا حیض آنے کی وجہ سے ایسا ہوا یا وہاں زخم لگنے سے ایسا ہوا، یا زیادہ عمر ہو جانے کی وجہ سے ہوا، تو ایسی تمام عورت حقیقی باکرہ کے حکم میں ہے جیسے وہ عورت جس کی تفریق شوہر کے مقطوع الذکر ہونے کی وجہ سے ہوئی یا نامرد ہونے کی وجہ سے ہوئی یا بعد خلوت مگر وطی کے پہلے شوہر کے طلاق دیدینے یا شوہر کے مرنے سے ہوئی ہے، اگر اس کی بکارت زنا کی وجہ سے زائل ہوئی ہے تو یہ عورت حکماً باکرہ ہے، یعنی بمنزلہ باکرہ ہے، جب کہ دوبارہ زنا نہ ہوا ہو اور نہ اس کی وجہ سے اس پر حد لگی ہو، لیکن اگر چند دفعہ زنا پایا گیا ہے یا زنا کی وجہ سے حد جاری ہوئی ہے تو باکرہ کے حکم میں نہیں ہے بلکہ ثیبہ ہے اُس عورت کی طرح جس سے شبہ میں وطی کی گئی ہو یا نکاح فاسد کی وجہ سے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر باکرہ سے ولی نے اجازت چاہی خواہ حقیقتاً باکرہ ہو خواہ حکماً اور وہ خاموش رہی تو حکماً یہ اجازت ہو گی اور اس کی یہ خاموشی نطق (بولنے) کے حکم میں قرار پائے گی۔ اس کا بولنا ضروری نہیں ہے۔

قال الزوج للبكر البالغة بلغكِ النكاح فسكتِّ و قالت بل رددت النكاح ولا بينة لهما على ذلك ولم يكن دخل بها طوعا فى الاصح فالقول قولها بيمينها على المفتى به و تقبل بينته على سكوتها لانه وجودى بضم الشفتين ولو برهنا فبينتها اولى الا ان يبرهن على رضاها او اجازتها كما لو زوجها ابوها مثلا زاعما عدم بلوغها فقالت انا بالغة والنكاح لم يصح و هى مراهقة و قال الاب او الزوج بل هى صغيرة فان القول لها ان ثبت ان سنها تسع و كذا الوادعى المراهق بلوغه ولو برهنا فبينة البلوغ اولى على الاصح بخلاف قول الصغيرة رددت حين بلغت و كذَّبها الزوج فالقول له لانكاره زوالَ ملكه هذا لو اختلفا بعد زمان البلوغ ولو حالة البلوغ فالقول لها شرح وهبانية فليحفظ

میاں بیوی کے اختلاف کی صورت

شوہر نے اپنی بیوی باکرہ بالغہ سے کہا تجھے نکاح کی خبر پہنچی اور تو خاموش رہی، باکرہ نے کہا نہیں میں نے نکاح کو رد کر دیا تھا، اپنے اس دعوے پر دونوں میں سے کسی کے پاس شرعی ثبوت نہیں ہو اور شوہر نے اب تک بیوی سے اس کی رضا سے خلوت بھی نہیں کی، اس صورت میں عورت کا قول لائق اعتبار ہوگا مگر اس کی قسم کے ساتھ مفتیٰ بہ قول یہی ہے، یعنی اگر عورت قسم کھالے گی تو نکاح ثابت نہیں ہوگا، ہاں اگر عورت خاموش رہے گی تو اس وقت شوہر کے گواہ مقبول ہوں گے اس وجہ سے کہ چپ رہنا وجودی امر ہے کیونکہ یہ دونوں لبوں کے ملانے سے ہوتا ہے۔

اور اگر اس مسئلہ میں میاں بیوی دونوں گواہ لائیں تو قابل ترجیح عورت کے گواہ ہوں گے لیکن اگر شوہر نے عورت کی

رضامندی یا اس کی اجازت پر گواہ پیش کیے تو اس صورت میں شوہر کے گواہ قابل ترجیح ہوں گے۔

جیسے اگر کسی عورت کا باپ اس کو نابالغہ سمجھ کر اس کی شادی کر دے اور عورت کہے کہ میں بالغہ ہوں تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا، جب وہ قریب البلوغ ہو اور باپ یا شوہر نے کہا کہ یہ نابالغہ ہے اس صورت میں بھی عورت کا قول مانا جائے گا اگر یہ ثابت ہو جائے گا کہ اس کی عمر نو سال ہو چکی ہے اگر عورت بالغہ ہونے کا دعویٰ کرے۔

قریب البلوغ کے قول کا اعتبار

اسی طرح اگر کوئی لڑکا جو قریب البلوغ ہے وہ اپنے بالغ ہونے کا دعویٰ کرے تو اس لڑکے کی بات مانی جائے گی مثلاً باپ نے بیٹے کی کوئی چیز اس کی بلا اجازت بیچ دی، بیٹے نے کہا میں بالغ ہوں میری مرضی کے بغیر آپ کا بیچنا جائز نہیں ہے، اور باپ نے یا خریدار نے کہا کہ لڑکا نابالغ ہے تو اس صورت میں بیٹے کا قول معتبر ہوگا۔ اور اگر اپنے اپنے دعوے پر باپ بیٹے دونوں نے گواہ پیش کر دیئے تو جو گواہ بلوغ کے گذریں گے ان کی بات قابل تسلیم ہوگی اصح قول یہی ہے۔

شوہر و بیوی کے اختلاف کی صورت

اس کے خلاف مسئلہ اس نابالغہ کا ہے جو کہتی ہے کہ جس وقت میں بالغ ہوئی تھی اسی وقت میں نے نکاح رد کر دیا تھا۔ اور شوہر اس کی تکذیب کرتا ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ تو اس صورت میں شوہر کی بات مانی جائے گی اس لیے کہ شوہر اپنے مِلک کے زائل ہونے کا منکر ہے اور لڑکی مدعی ہے بات منکر کی تسلیم ہوگی۔

عورت کے بالغ ہونے کے بعد اگر شوہر اور بیوی میں اختلاف ہوا ہے تو شوہر کا قول قابل اعتبار ہوگا اور اگر یہ اختلاف بالغ ہونے کے وقت ہوا ہے تو بالغہ کی بات مانی جائے گی کذا فی شرح الوہبانیہ۔

وللولی الآتی بیانه نکاح الصغیر والصغیرة جبرا ولو ثیبا کمعتوه و مجنون شهرا ولزم النکاح ولو بغبن فاحش بنقص مهرها و زیادة مهره او بزوجها بغیر کفؤ ان کان الولی المزوج بنفسه بغبن ابا او جدا و کذا المولی و ابن المجنونة ولم یعرف منهما سوأ لاختیار مجانة و فسقا وان عرف لا یصح النکاح اتفاقا وکذا لو کان سکران فزوجها من فاسق او شریرا و فقیرا و ذی حرفة دنیة لظهور سؤ اختیاره فلا تعارضه شفقته المظنونة بحر

نابالغ لڑکے، لڑکیوں کے ولی کو اختیار

جن ولیوں کا بیان آرہا ہے ان کو نابالغ لڑکا اور لڑکی کے زبردستی نکاح کرنے کا اختیار ہے اگرچہ وہ ثیبہ اور ثیب ہوں جیسے بے عقل اور اس پاگل کے ولی کو زبردستی نکاح کر دینے کا اختیار ہوتا ہے جس کا جنون ایک ماہ رہتا ہے، ولی باپ دادا ہے تو ان کے نکاح کر دینے کے بعد نابالغوں کا نکاح لازم ہو جاتا ہے گو غبن فاحش کے ساتھ نکاح ہوا ہو، وہ اسے بعد بلوغ فسخ نہیں کر سکتے ہیں، اور غبن فاحش کی مثال جیسے نابالغہ کا مہر کم کر دیا گیا ہو یا نابالغ لڑکے کا مہر زیادہ کر دیا گیا ہو جو عام طور پر نہیں ہوتا یا غیر کفو میں شادی کر دی گئی ہو، مگر شرط یہ ہے کہ ولی جس نے نکاح کیا ہے اس نے بطور خود ایسا کیا ہو، اور وہ لڑکی یا لڑکے کا باپ ہو یا دادا ہو۔ اسی طرح اگر آقا نے غلام یا لونڈی کا نکاح کر دیا ہے اسی طرح پاگل عورت کا لڑکا، جس نے پاگل ماں کا نکاح کر دیا ہے یہ نکاح بھی لازم ہو جاتا ہے، فسخ نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن اُس باپ دادا کا کیا ہوا نکاح لازم ہوتا ہے جس کی بد تدبیری راہ بیبائی اور جس کا فسق و فجور معروف و مشہور نہ ہو اور اگر وہ اپنی بد تدبیری اور فسق و فجور میں مشہور ہو چکا ہے تو اس کا کیا ہوا نکاح بالاتفاق صحیح نہیں ہوتا ہے۔

جو نکاح درست نہیں

اسی طرح وہ نکاح بھی صحیح نہیں ہوتا ہے جس کو باپ دادا بدمستی اور مدہوشی کے عالم میں کیا ہو یا نابالغ لڑکے لڑکی کا اس نے نکاح کسی شریر یا فاسق سے کر دیا ہو یا ایسے محتاج سے کر دیا ہو جو مہر اور نفقہ دینے پر قادر نہیں ہے یا وہ ذلیل پیشہ سے کمانے والا ہے جیسے خاکروب اور موچی، کیونکہ اس صورت میں اس کا بدلہ سد ہونا ظاہر ہے، لہٰذا مظنونہ شفقت اس کے مقابل نہیں ہو سکے گی، بلکہ شفقت کا گمان جاتا رہے گا۔

وان كان المزوج غيرهما اى غير الاب و ابيه ولو الام او القاضى او وكيل الاب لكن فى النهر بحثا لو عين لوكيله القدر صح لا يصح النكاح من غير كفؤ او بغبن فاحش اصلا و ما فى صدر الشريعة صح ولهما فسخه وهم وان كان من كفؤ و بهمر المثل صح و لكن لهما اى لصغير و صغيرة و ملحق بهما خيار الفسخ ولو بعد الدخول بالبلوغ والعلم بالنكاح بعده لقصور الشفقة و يغنى عنه خيار العتق ولو بلغت وهو صغير فرق بحضرة ابيه او وصيه بشرط القضاء للفسخ فيتوارثان فيه ويلزم كل المهر

باپ دادا کے علاوہ ولیوں کا کیا ہوا نکاح

اگر نکاح کرانے والا باپ دادا کے علاوہ ہے، خواہ وہ ماں ہو، قاضی، یا باپ کا وکیل اور یہ لوگ غیر کفو میں نکاح کر دیں یا غبن فاحش کے ساتھ کریں تو اس صورت میں نکاح سرے سے صحیح نہیں ہوگا۔ نہر الفائق میں بحث کر کے لکھا ہے کہ اگر باپ نے جس کو وکیل بنایا ہے اس سے مہر کی مقدار متعین کر دی تھی تو اس کا کیا ہوا نکاح صحیح ہوگا (لیکن فتویٰ پہلے قول پر ہے)

صدر الشریعہ نے یہ جو لکھا ہے کہ باپ دادا کے سوا دوسروں کا غیر کفو میں یا غبن فاحش (صریح نقصان) کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے اور نابالغ لڑکا لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد فسخ نکاح کا اختیار ہے یہ ان کا وہم ہے، یہ نکاح جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے صحیح نہیں ہے کذافی فتح القدیر۔

البتہ اگر یہ دوسرے لوگ کفو میں شادی کر دیں اور مہر مثل کے ساتھ، تو نکاح صحیح ہوگا۔ لیکن ان دونوں نابالغ لڑکا لڑکی کو اور اسی طرح پاگل اور نرے بیوقوف کو بعد بلوغ اور جنون کے اور بیوقوفی کے ختم ہونے کے بعد نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار ہوگا، اگرچہ بیوی کے پاس جا چکا ہو، مگر شرط یہ ہے کہ اسکو نکاح کا ہونا پہلے سے نامعلوم ہو اور اگر پہلے سے معلوم نہیں تھا بالغ ہونے کے بعد معلوم ہوا تو بالغ ہونے کے بعد علم میں آتے ہی فسخ کا اختیار حاصل ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ دادا کے علاوہ دوسرے لوگوں میں وہ شفقت نہیں ہوتی ہے جو باپ دادا میں ہوتی ہے بلکہ بہت کم ہوتی ہے اور اسی وجہ سے نابالغ کو بلوغ کے بعد فسخ کا اختیار دیا گیا ہے۔

اگر ایسے ہی نابالغ غلام اور لونڈی ہوں اور ان کا نکاح کیا گیا ہو پھر بالغ ہونے کے بعد ان کو آزادی حاصل ہو گئی، تو آزادی کا اختیار بلوغ کے اختیار سے بڑھا ہوا ہے۔

لڑکی بالغ اور لڑکا نابالغ

لڑکی بالغہ ہو گئی اور لڑکا نابالغ ہی رہا اور لڑکی نے چاہا کہ نکاح توڑ دیا جائے تو ان دونوں میں لڑکے کے باپ یا اس کے وصی کے روبرو تفریق کی جائے گی لیکن فسخ کے لیے قاضی کا

فیصلہ ضروری ہوگا۔ لہٰذا دونوں ایک دوسرے کے نکاح میں وارث ہوں گے یعنی لڑکی کے بالغہ ہونے کے بعد قاضی نے نکاح فسخ نہیں کیا یہاں تک کہ ان دونوں میں سے کوئی مرگیا تو نکاح کے باقی ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث قرار پائیں گے، اور شوہر کے ذمہ تمام مہر ادا کرنا ہوگا۔ اس لیے کہ موت سے بھی مہر موکد ہو جاتا ہے۔

ثم الفرقة ان من قبلها ففسخ لا ينقص عدد طلاقٍ ولا يلحقها طلاق الا فى الردة وان من قبله فطلاق الا بملك اوردة او خيار عتق وليس لنا فرقة منه ولا مهر عليه الا اذا اختار نفسه بخيار عتق و شرط لكل القضاء الا ثمانية و نظمه صاحب النهر فقال فرقُ النكاح اتتك جمعا نافعا فسخ طلاق و هذا الدر يحكيها تباين الدمع نقصان مهر كذا فساد عقد و فقد الكفؤ ينعيها تقبيل سبى واسلاما لمحارب و ارضاع ضرتها قد عدّ ذا فيها خيار عتق بلوغ ردة و كذا ملك لبعض و تلك الفسخ يحصيها اما الطلاق فجب عنة و كذا ايلاؤه ولعان ذاك يتلوها قضاء قاضٍ اتى شرط الجميع خلا عتق و ملك اسلام اتى فيها تقبيل سبى مع الايلاء يا املى تباين مع فساد العقد يدنيها

جدائی منجانب بیوی اگر جدائی کا مطالبہ بیوی کی جانب سے ہے تو نکاح کا فسخ کرنا طلاق کے عدد کو کم نہیں کرے گا یعنی اگر آزاد عورت کے نکاح فسخ ہونے کے بعد اس کی خوشی سے اس کا نکاح ہوا ہے تو شوہر کو تین طلاق دینے کا حق حاصل ہوگا اور جو عورت فسخ کی عدت میں ہے اس کو طلاق لاحق نہیں ہوگی، مگر اس کے مرتد ہو جانے کے بعد البتہ طلاق لاحق ہوگی، گو عورت کا ارتداد فسخ نکاح کے حکم میں ہے مگر اس فسخ کی عدت میں طلاق واقع ہوگی۔

جدائی منجانب شوہر اور اگر جدائی منجانب شوہر ہے تو یہ طلاق کے حکم میں ہے لیکن شوہر کے مالک ہونے، مرتد ہونے اور شوہر کو خیار عتق حاصل ہونے سے جو جدائی ہوگی وہ طلاق شمار نہیں ہوگی، بلکہ وہ فسخ شمار ہوگا۔ جیسے کسی نے لونڈی سے شادی کی تھی پھر اس نے اس کو خرید لیا تو اس صورت میں اس کا نکاح فسخ ہو گیا، یہ جدائی ہوئی تو شوہر کی جانب سے ہے مگر یہ طلاق نہیں ہے بلکہ فسخ ہے۔ اور اسی طرح اور صورتیں۔

جدائی کے بعد مہر کی ادائیگی حنفیوں کے نزدیک شوہر کی جانب سے کوئی جدائی ایسی نہیں ہے جس میں شوہر پر مہر کی ادائیگی ضروری نہ ہو، سوائے ایک صورت کے کہ شوہر نابالغ تھا جب اس کا نکاح ہوا تھا، بالغ ہونے کے بعد اس کو خیار بلوغ حاصل ہوا تو اس راہ سے جو جدائی ہوگی اس میں شوہر پر مہر واجب نہیں ہے، اور ان تمام جدائی میں قضائے قاضی شرط ہے البتہ آٹھ جدائی ایسی ہیں جن میں قاضی کا فیصلہ شرط نہیں ہے۔ اور ان آٹھ جدائیوں کو نہرالفائق میں نظم کر دیا گیا ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے:

طلاق و فسخ نکاح کی جدائی ترے پاس مجموعہ نفع ہو کر آئیں اور یہ دو جنس میں منحصر ہیں ایک طلاق دوسرے فسخ۔ ان دونوں کو یہ نظم بیان کر رہی ہے۔ اوّل ان میں دار کا تباین ہے جب دار کے متباین ہونے کی وجہ سے فرقت پیش آئے، دوسری فرقت مہر کا کم ہونا ہے یعنی مہر کے کم ہونے کی وجہ سے جدائی پیش آئے، تیسری جدائی عقد کا فاسد ہونا ہے چوتھی جدائی کفو کا فقدان ہے، جو عورت کو موت کی خبر سناتا ہے تباین دار یہ ہے کہ مثلاً عورت دارالحرب کو چھوڑ کر دارالاسلام میں آگئی، خواہ

مسلمان ہو کر خواہ ذمیہ ہو کر، تو وہ اپنے شوہر سے جدا ہو گئی، اگر وہ معاملہ نہیں ہے تو فوراً اس کا نکاح کر لینا درست ہے، مہر کے کم ہونے کی مثال یہ کہ عورت اپنا نکاح مہر مثل پر کر لے تو اس صورت میں ولی کو حق ہے کہ تفریق کرا دے اگر دخول سے پہلے تفریق ہوئی تو عورت کو کچھ مہر نہیں ملے گا اور اگر بعد دخول تفریق کی نوبت آئی ہے تو مہر متعین ملے گا، فساد عقد کی مثال جیسے کسی کے پاس آزاد عورت بیوی موجود تھی اور اس کے باوجود اس نے لونڈی سے نکاح کر لیا تو اس کا یہ دوسرا نکاح فاسد ہو جائے گا، اور تفریق ہو جائے گی اور فقدان کفو کی مثال یہ ہے کہ عورت نے اپنا نکاح غیر کفو میں کر لیا اس صورت میں اولیاء کو حق اعتراض ہے اور وہ اسے فسخ کرا سکتا ہے۔

فرقت تقبیل پانچویں فرقت تقبیل والی ہے اور چھٹی قیدی کی اور ساتویں حربی کا اسلام لانا، اور آٹھویں سوت کے سوت کو دودھ پلانے کی، اسلام لانے اور دودھ پلانے کا شمار اسی میں ہے۔

فرقت تقبیل کا مطلب یہ ہے کہ عورت شوہر کے بیٹے کو شہوت سے چھو لے یا اس کا بوسہ لے لے تو نکاح جاتا رہے گا یا شوہر نے عورت کی بیٹی کا شہوت سے بوسہ لیا یا اس کو شہوت کے ساتھ چھو لیا تو اس سے بھی نکاح ٹوٹ جائے گا، کیونکہ حرمت مصاہرت لازم آئے گی، قید کی فرقت یہ کہ عورت دار الحرب سے قید ہو کر دار الاسلام میں آ گئی، اسلام کی فرقت یہ ہے کہ حربی شوہر مسلمان ہو گیا اور عورت کو تین حیض آ چکے یا تین مہینے گذر چکے تو یہ جدائی فسخ قرار پائے گی، دودھ پلانے کی فرقت مثلاً عورت نے اپنی نابالغہ سوت کو دودھ پلا دیا جس کی عمر دو سال سے کم تھی، تو اس سے دونوں کا نکاح فسخ ہو جائے گا۔

نویں فرقت خیار عتق ہے اور دسویں خیار بلوغ کی، گیارہویں ارتداد کی بارہویں جدائی، بعض کا ملک ہونا یہ سب جدائیاں فسخ شمار ہوتی ہیں طلاق نہیں۔ خیار عتق کی جدائی صرف عورت کی طرف سے ہوتی ہے، بعض کی ملک جیسے شوہر بیوی کا مالک ہو جاوے یا بیوی شوہر کی، تو اس صورت میں نکاح جاتا رہے گا، اور جب بعض ملک سے جدائی ہو گی تو کل ملک سے بدرجہ اولیٰ ہو گی۔

طلاق سے جدائی باقی طلاق سے جو جدائی ہوتی ہے وہ چار ہیں، مجبوب ہونا، نامرد ہونا، ایلاء کا پایا جانا، اور لعان کا ہونا یہ حکم میں ماقبل کے تابع ہے۔ مجبوب کا مطلب ہے کہ شوہر کو بیوی مقطوع الذکر وا لخصیتین پائے۔ ایلاء کہتے ہیں کہ شوہر قسم کھائے کہ وہ چار ماہ بیوی سے صحبت نہیں کرے گا اور چار مہینے اسی طرح گذر گئے، لعان کا مطلب ہے کہ شوہر بیوی کو زنا کی تہمت لگائے اور گواہ نہ پیش کر سکے پھر دونوں قسم کھائیں کہ جھوٹے پر لعنت ہو اس کے بعد باہم جدائی ہو جاتی ہے کل سولہ قسم کی جدائی ہوئیں بارہ فسخ کی ہیں اور چار طلاق کی۔

قضائے قاضی ان تمام جدائیوں میں سے آٹھ میں قضائے قاضی شرط ہے اور آٹھ میں شرط نہیں ہے۔ اور وہ یہ ہیں: (۱) خیار عتق، (۲) جدائی بوجہ ملک اور (۳) جدائی بوجہ اسلام، (۴) جدائی بوجہ تقبیل، (۵) جدائی بوجہ قید، (۶) جدائی بوجہ ایلاء، (۷) جدائی بوجہ تباین دار، (۸) جدائی بوجہ فساد عقد۔

وبطل خيار البكر بالسكوت لو مختارة عالمة باصل النكاح و لو سألت عن قدر المهر قبل الخلوة او عن الزوج او سلمت على الشهود لم يبطل خيارها نهر بحثا ولا يمتد الى آخر المجلس لانه كالشفعة ولو اجتمعت معه تقول اطلب الحقين ثم تبدأ بخيار البلوغ لانه ديني و تشهد قائلة بلغت الآن ضرورة احياء الحق وان جهلت به لتفرغها للعلم

بخلاف خیار المعتقة فانه یمتد لشغلها بالمولی

مسئلہ باکرہ کا خیار بلوغ

باکرہ کے خیارِ بلوغ کا اختیار سکوت (خموشی) باطل ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ اصل نکاح کو جانتی ہو اور خوشی اختیار کرنے میں مختار ہو۔ لہٰذا اگر باکرہ کو چھینک یا کھانسی آئے یا کسی کے منہ بند کر دینے سے بول نہ سکے تو اس خاموشی سے اختیار باطل نہیں ہوگا۔

باکرہ نے مہر کی مقدار دریافت کی اور یہ خلوت سے پہلے کی، یا شوہر کے متعلق کچھ پوچھا یا گواہوں کو سلام کیا، تو ان افعال سے اس کا اختیار باطل نہیں ہوگا کذا فی نہر الفائق، خیار بلوغ مجلس کے اخیر تک دراز نہیں ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ خیار بلوغ شفعہ کی طرح ہے یعنی جس مجلس میں عورت کو اپنے بالغ ہونے کا علم ہو اسی مجلس میں فوراً اس کو اظہار کرنا چاہیے اگر فوراً نہیں اظہار کرے گی اور خموشی اختیار کرے گی تو پھر ساعت نہیں ہوگی جیسے شفعہ میں علم کے بعد سکوت کرنے سے شفعہ باطل ہو جاتا ہے۔

اگر حق شفعہ خیار بلوغ کے ساتھ جمع ہو جائے تو وہ کہے کہ میں دونوں حق طلب کرتی ہوں، پھر تفصیل میں پہلے خیار بلوغ کا نام لے کہ یہ ایک دینی امر ہے اور یہ کہہ کر گواہ بنائے کہ میں اب بالغ ہو چکی ہوں، یہ کہنا اس کے حق کو زندہ کرنے کیلئے ہوگا۔

بالغ ہونے کے بعد چپ رہنے سے خیار بلوغ باطل ہو جاتا ہے گو وہ اس مسئلہ سے واقف نہ ہو، اس لیے کہ نہ جاننا عذر نہیں مانا گیا ہے آزاد عورت کا فرض ہے کہ وہ ان ضروری مسائل سے واقف رہے البتہ اگر وہ لونڈی ہے جو ابھی آزاد ہوئی ہے تو اسکے لیے نہ جاننا عذر ہے کیونکہ وہ خدمت مولیٰ میں مشغول تھی، لہٰذا جب تک اس کو خیار عتق کا مسئلہ معلوم نہ ہو اس کا خیار عتق باقی رہے گا۔

وخیار الصغیر والثیب اذا بلغا لا یبطل بالسکوت بلا صریح رضا او دلالة علیه کقبلة ولمس و دفع مهر ولا یبطل بقیامها عن المجلس لان وقته العمر فیبقی حتی یوجد الرضا ولو ادعت التمکین کرها صدقت ومفاده ان القول لمدعی الاکراه لو فی حبس الوالی فلیحفظ

نابالغ کا خیار بلوغ

نابالغ لڑکا اور ثیب کا خیار بلوغ بالغ ہونے کے بعد صرف خاموشی سے باطل نہیں ہوتا ہے جب تک صراحت یا دلالت حال سے رضامندی نہ پائی جائے دلالتِ حال جیسے بوسہ لینا، چھونا، مہر دینا، یعنی لڑکا نابالغ تھا اور لڑکی بھی نابالغ تھی، اور ان کا نکاح باپ دادا کے سوا دوسرے ولیوں میں سے کسی نے کیا تھا تو بالغ ہوتے ہی اس کا خیار بلوغ باطل نہیں ہوگا۔ ہاں جب کہہ دے گا کہ میں نے اس نکاح کو باقی رکھا، یا بیوی کے ساتھ بوس و کنار کر لیا یا مہر دیدیا، یا اس طرح کا کوئی اور کام کیا تو اب اس کا خیار بلوغ باطل ہو جائے گا۔ ثیب اس لڑکے کو کہتے ہیں جس کا پہلے نکاح ہوا تھا پھر لڑکی کے مر جانے سے اس کا حالت نابالغی میں دوسرا نکاح ہوا۔

مجلس سے ان دونوں کے اٹھ جانے سے بھی ان دونوں کا خیار باطل نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ ان کے اختیار کا وقت ان کی پوری عمر ہے، لہٰذا جب تک رضامندی نہ پائی جائے اختیار باقی رہے گا۔

مرد کے کہنے پر عورت دعویٰ کرے کہ شوہر نے زبردستی جماع کیا ہے تو عورت کی تصدیق کی جائے گی اس کا فائدہ یہ ہے کہ جو بھی زبردستی کا دعویٰ کرے گا اس کی بات مانی جائے گی اگرچہ مدعی حاکم کی قید میں ہو اس فائدہ کو یاد رکھنا چاہیے۔

الولیُّ فی النکاح لا المالِ العصبةُ بنفسه وهو من یتصل بالمیت حتی المعتقة بلا توسط

انثی بیان لما قبله علی ترتیب الارث والحجب فیقدم ابن المجنونة علی ابیها لانه یحجبه حجب نقصان بشرط حریة و تکلیف واسلام فی حق مسلمة تردید التزوج وولد مسلم لعدم الولایة وکذا الا ولایة فی نکاح ولا فی مال لمسلم علی کافرة الا بالسبب العام بان یکون المسلم سید امة کافرة او سلطانا او نائبه او شاهدا

تفصیل اولیاء نکاح ولی نکاح کی تفصیل یہ ہے، یہ مال کے ولی کا بیان نہیں بلکہ اولیاء نکاح کا ہے، ولی نکاح وہ ہے جو بذات خود عصبہ ہو، عصبہ بنفسہ وہ ہے جو میت اور آزاد عورت سے بغیر کسی عورت کے واسطہ کے تعلق رکھتا ہو جیسے باپ بیٹا اور آزاد کرنے والا آقا یہ سب عصبہ بنفسہ ہیں اس لیے باپ کا تعلق بیٹے سے اور بیٹے کا تعلق ماں سے اسی طرح آزاد کرنے والے آقا کا تعلق اس لونڈی سے جس کو اس نے آزاد کیا ہے بلاواسطہ عورت کے ہے۔ یہاں عصبہ بنفسہ میں میت کا لفظ مناسب نہیں ہے بلکہ جس لڑکی یا لڑکے کا نکاح کر رہا ہے اس سے اس کا تعلق بلاواسطہ عورت کے ہو، کہنا چاہیے تھا۔

ولایت نکاح کی ترتیب، ارث اور حجبت پر ہے لہٰذا پاگل عورت کا لڑکا اس کے باپ پر مقدم ہوگا اس لیے کہ بیٹا باپ کے لیے حاجب نقصان بنتا ہے، کیونکہ اگر بیٹا نہ ہو تو باپ کو میت کا سارا مال ملتا ہے اور جب بیٹا ہوگا تو وہ کل نہیں پائے گا صرف چھٹا حصہ پائے گا۔ اس لیے بیٹے کی ولایت باپ پر مقدم ہوئی۔

عصبہ بنفسہ کے شرائط عصبہ بنفسہ کے ولی ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ آزاد ہو، عاقل بالغ ہو، مسلمان ہو۔ اسی عورت کے حق میں جو نکاح کا ارادہ رکھتی ہو اور مسلمان لڑکے کے حق میں، اس لیے کہ کافر کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں ہے اسی طرح مسلمان کو بھی نکاح میں کافر عورت پر ولایت حاصل نہیں ہے، البتہ سبب عام کی وجہ سے ولایت حاصل ہوتی ہے۔

سبب عام سبب عام یہ ہے کہ مسلمان کافر لونڈی کا مالک ہو، یا مسلمان بادشاہ ہو، یا اس کا نائب ہو، تو ان صورتوں میں مسلمان کو کافرہ پر ولایت حاصل ہو گی۔

کافر کی ولایت کافر کو اپنے جیسے کافر پر ولایت حاصل ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، مماثلت اور برابری کفر میں چاہیے ملت میں نہیں، چنانچہ ایک نصرانی ایک یہودی لڑکی کا ولی ہو سکتا ہے۔

وللکافر ولایة علی کافر مثله اتفاقا فان لم تکن عصبة فالولایة للام ثم لام الاب و فی القنیة عکسه ثم للبنت ثم لبنت الابن ثم لبنت البنت ثم لبنت ابن الابن ثم لبنت بنت البنت و هکذا ثم للجد الفاسد ثم للاخت الاب و ام ثم للاخت لاب ثم لولد الام الذکر والانثی سواء ثم لاولادهم ثم لذوی الارحام العمات ثم الاخوال ثم الخالات ثم بنات الاعمام و بهذا الترتیب اولادهم شمنی ثم مولی الموالاة ثم للسلطان ثم لقاض نص له علیه فی منشوره ثم لنوابه ان فوض له ذلك والا لا

عصبہ نہ ہونے کی صورت میں حق ولایت اگر نابالغ کا کوئی عصبہ نہ ہو تو نکاح کی ولایت ماں کو حاصل ہوتی ہے پھر دادی کو۔ اور قنیہ میں اس کے برعکس لکھا ہے

کہ پہلے دادی کو ولایت حاصل ہوگی پھر ماں کو۔ پہلا قول راجح ہے کہ عصبہ نہ ہونے کی صورت میں ولایت ماں کو حاصل ہوگی پھر دادی کو۔ دادی کے بعد بیٹی کو پھر پوتی کو پھر نواسی کو، پھر پڑپوتی کو، پھر پرنواسی کو۔ اسی ترتیب سے فروع کے آخر تک، ان سب کے بعد ولایت نانا کو حاصل ہوگی۔

ولایت نانا کے بعد نانا کے بعد ولایت سگی بہن کو حاصل ہوتی ہے پھر سوتیلی بہن کو پھر ماں کی اولاد کو۔ ان میں عورت اور مرد برابر ہوتے ہیں پھر ماں کی اولاد کی اولاد کو۔ پھر ان کے بعد بقیہ ذوی الارحام کو جیسے پہلے پھوپی، پھر ماموں پھر خالہ، پھر چچا کی لڑکیاں پھر اسی ترتیب سے ان سب کی اولاد کو۔ پھر مولی الموالات کو۔

مولی الموالات مولی الموالات وہ ہے جس کے ہاتھ پر کوئی کافر مسلمان ہوا ہو، جو شخص مسلمان ہوا تھا وہ مجہول النسب تھا اور وہ نابالغہ لڑکی چھوڑ کر مر گیا تو اس لڑکی کا ولی وہ شخص ہوگا جس کے ہاتھ پر مجہول النسب ایمان لایا تھا۔

ولایت نکاح بادشاہ اور قاضی کو پھر ان سب کے بعد بادشاہ کو ولایت نکاح حاصل ہوتی ہے پھر اس قاضی کو جس کی سند میں نابالغہ کے نکاح کی ولایت کی صراحت کی گئی ہو، پھر قاضی کے نائبوں کو اگر قاضی پر بادشاہ کی طرف سے صغار (نابالغ لڑکا لڑکی) کے نکاح کی ذمہ داری ڈالی گئی ہو، اور اگر قاضی کو یہ فریضہ تفویض نہ کیا گیا ہو تو اس کے نائب کو ولایت نکاح حاصل نہیں ہوگی۔

وليس للوصي من حيث هو وصي ان يزوج اليتيم مطلقا و ان اوصى اليه الاب بذلك على المذهب نعم لو كان قريبا او حاكما يملكه بالولاية كما لا يخفى

جو شخص وصی ہے اس کو وصی ہونے کی حیثیت سے یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی طرح یتیم کی شادی کر دے اگرچہ اس کو باپ نے نکاح کر دینے کی وصیت ہی کیوں نہ کی ہو، قوی مذہب اس باب میں یہی ہے۔ البتہ اگر وصی قرابت دار یا حاکم ہو تو وہ نکاح کا مالک ہوگا، کیونکہ اس کو ولایت حاصل ہے، یہ مخفی نہیں ہے۔

شارح کی طرف سے اضافہ شدہ مسائل

چند جزئیات

فروع ليس للقاضي تزويج الصغيرة من نفسه ولا ممن تقبل شهادته له كما في معين الحكام و اقره المصنف و به علم ان فعله حكم و ان عَرِيَ عن الدعوى صغيرة زوجت نفسها ولا ولي ولا حاكم ثمه توقف و نفذ باجازتها بعد بلوغها لان له مجيز او هو السلطان ولو زوجها وليان مستويان قدم السابق فان لم يدر او وقعا معا بطلا

قاضی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ نابالغہ کی شادی اپنے آپ سے کر دے اور نہ اس شخص سے جس کی گواہی اس کے حق میں مقبول نہیں، جیسے باپ بیٹا، صغیرہ (نابالغہ) نے نکاح کیا اور وہاں کوئی ولی، حاکم وغیرہ نہیں تھا، تو یہ نکاح موقوف رہے گا اور اس کے بالغ ہو جانے کے بعد اس کی اجازت سے نافذ ہوگا، یہ نکاح اس لیے باطل نہیں ہوگا کہ اس کی اجازت دینے والا یعنی

بادشاہ موجود تھا گو وہ وہاں موجود نہیں تھا۔

اگر کسی نابالغ کا نکاح دو برابر درجہ کے ولیوں نے کر دیا تو اس میں پہلا نکاح مقدم ہوگا اور دوسرا منعقد نہیں ہوگا، اور اگر یہ معلوم نہ ہو سکے کہ پہلا کون ہے اور پچھلا کون، یا دونوں نکاح ساتھ ساتھ ہوئے تو دونوں باطل قرار پائیں گے۔ جیسے کسی نابالغہ کے دو بھائی تھے ایک نے کسی اور سے اس کا نکاح کیا اور دوسرے نے کسی اور سے۔

وللولی الا بعد التزویج بغیبة الاقرب فلو زوج الا بعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته ولو تحولت الولایة الیه لم یجز الا باجازته بعد التحول قهستانی و ظهیریة مسافة القصر واختار فی الملتقی مالم ینتظر الکفؤ الخاطب جوابه واعتمده الباقانی و نقل ابن کمال ان علیه الفتوی و ثمرة الخلاف فیمن اختفی فی المدینة هل تکون غیبة منقطعة

ولی اقرب کے نہ ہونے کی صورت میں

جب ولی اقرب غائب ہو تو اس ولی کا نکاح کر دینا درست ہے جو بعید ہے اور اگر ولی اقرب کے رہتے ہوئے ولی ابعد نے نکاح کر دیا ہے تو یہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ جیسے کسی لڑکی کا ایک سگا بھائی ہے اور ایک سوتیلا، تو ان میں سگا ولی اقرب ہے اور سوتیلا ولی ابعد۔ سگے کے رہتے ہوئے سوتیلا نہیں کر سکتا، اگر کر دے گا تو سگے بھائی کی اجازت پر موقوف رہیگا۔

اگر ولایت نکاح ولی ابعد کی طرف منتقل ہو گئی ہے، تو اب نکاح اس کی اجازت سے ہوگا مثلاً اقرب موجود تھا اس کے باوجود ابعد نے نکاح کر دیا اس کے بعد اقرب مر گیا یا بالکل غائب ہو گیا تو اس کے مرنے کے بعد ولایت ابعد کی طرف آگئی لیکن پہلا ابعد کا کیا ہوا نکاح اس وقت تک جائز نہیں ہوگا جب تک ولی ابعد ولایت آنے کے بعد دوبارہ اجازت نہیں دے گا۔

ولی ابعد کا حق ولایت

ولی ابعد اس وقت نابالغ لڑکے لڑکی کا بحیثیت ولی نکاح کر سکتا ہے جب ولی اقرب مسافت قصر کی مقدار پر غائب ہو اور ملتقی میں غائب ہونے کی مقدار یہ بتائی ہے کہ جس سے منگنی طے پائی ہے وہ اس کے جواب کا انتظار کرنے پر آمادہ نہ ہو، باقانی نے اسی قول پر اعتماد کیا ہے اور ابن کمال نے اسی پر فتویٰ دینا نقل کیا ہے۔

ان دونوں قولوں میں اختلاف کا ثمرہ اس وقت ظاہر ہوگا جب ولی اقرب شہر میں چھپ گیا ہو اور یہ اندازہ نہیں ہوتا ہے کہ یہ چھپنا غیبت منقطعہ ہے یا نہیں، تو پہلے قول کی بنیاد پر ولی ابعد کا نکاح کرنا اس صورت میں جائز نہیں ہوگا کیونکہ قصر مسافت کی دوری پر نہیں ہے اور ملتقی کی روایت پر اگر منگنی والا کفو کا انتظار نہ کرے تو جائز ہوگا۔

ولو زوجها الاقرب حیث هو جاز النکاح علی القول الظاهر ظهیریة و یثبت للابعد من اولیاء النسب شرح وهبانیة لکن فی القهستانی عن الغیاثی لو لم یزوج الاقرب زوج القاضی عند فوت الکفؤ التزویج بعضل الاقرب ای بامتناعه عن التزویج اجماعا خلاصه ولا یبطل تزویجه السابق بعود الاقرب لحصوله بولایة تامة

ولی اقرب جہاں ہے اگر وہیں اس نے نابالغہ کا نکاح کر دیا تو یہ نکاح جائز ہوگا کذافی الظہیریہ (اور نہر الفائق میں ہے یہ نکاح جائز نہیں ہے کیونکہ وہ غائب ہے) لیکن فتویٰ پہلے قول پر ہے۔

ولی اقرب کے انکار کے بعد ولایت ولی ابعد کو

اگر ولی اقرب نابالغ لڑکے لڑکی کا نکاح نہ کرے تو ولی ابعد کے لیے ولایت ثابت ہوگی یعنی جب اقرب نکاح کو روک دے گا تو وہ ولایت سے معزول قرار پائے گا اور ابعد اس کے قائم مقام گردانا جائے گا۔

لیکن قہستانی میں ہے کہ جب ولی اقرب نابالغ لڑکا لڑکی کی شادی نہ کردے تو کفو کے فوت ہونے کے وقت قاضی ولی بن کر شادی کردے گا۔

ولی اقرب کے نہ ہونے کے وقت جو نکاح ولی ابعد نے کردیا ہے وہ نکاح ولی اقرب کے واپس آجانے سے باطل نہیں ہوگا، کیونکہ جس وقت ولی ابعد نے نکاح کیا تھا اس کو ولایت تامہ حاصل تھی۔

وولی المجنونة والمجنون ولو عارضا فی النکاح اما التصرف فی المال فللاب اتفاقا ابنها وان سفل دون ابیها کما مر و الاولی ان یامر الاب به لیصح اتفاقا ولو اقر ولی صغیر او صغیرة او اقر وکیل رجل او امرأة او مولی العبد بالنکاح لم ینفذ لانه اقرار علی الغیر بخلاف مولی الامة حیث ینفذ اجماعا لان منافع بضعها ملکه

پاگل عورت کا ولی

پاگل عورت اور مرد کا ولی نکاح اس کا لڑکا ہے اور اسکے نیچے والا مثلاً پوتا وغیرہ اگرچہ ان کو پاگل پن عارضی طور پر ہی کیوں نہ ہو۔ پاگل کے بیٹا کے رہتے ہوئے اس کا باپ ولی نہیں ہوگا، یہ پہلے بھی گذر چکا ہے، البتہ پاگل کے مال میں تصرف کا ولی اس کا باپ ہوگا اس میں تمام ائمہ متفق ہیں یعنی امام اعظمؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ۔

اور بہتر یہ ہے کہ پاگل کے نکاح میں اس کا باپ اس کے بیٹے کو حکم دے اور پھر بیٹا پاگل ماں کا نکاح کرے، تاکہ کسی کا اختلاف باقی نہ رہے۔

دوسرے کا اقرار

نابالغ لڑکے یا لڑکی کا ولی انکے نکاح کا اقرار کرے، یا کسی شخص کا وکیل اقرار کرے یا غلام کے نکاح کا آقا اقرار کرے یہ اقرار نافذ نہیں ہوگا، کیونکہ یہ غیر کے اوپر اقرار ہے، اپنی ذات پر نہیں ہے کہ حجت بن سکے۔

البتہ اگر لونڈی کے نکاح کا آقا اقرار کرلے گا تو اس کا اقرار نافذ مانا جائے گا، اور اس میں اتفاق ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ لونڈی سے صحبت کا فائدہ آقا کو حاصل ہے اور وہی اس کا مالک ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے دعویٰ کیا کہ میرا نکاح فلاں کی لونڈی سے ہوا ہے، مگر اس کے پاس گواہ نہیں ہیں اب اس کا آقا تصدیق کرتا ہے کہ ہاں اس کا نکاح اس لونڈی سے ہوا ہے تو بات مان لی جائے گی، اور نکاح ثابت ہوجائے گا۔

الا ان یشهد الشهود علی النکاح بان ینصب القاضی خصمان عن الصغیر حتی ینکر فتقام البینة علیه او یدرك الصغیر او الصغیرة فیصدقه ای الولی المقر او یصدق الموکل او العبد عند ابی حنیفة و قالا یصدق فی ذلك و هذه المسئلة مخرجة من قولهم من ملك الانشاء ملك الاقرار به ولها نظائر فرع هل لولی مجنون و معتوه تزویجه اکثر من واحدة لم اره ومعنه الشافعی وجوزه فی الصبی للحاجة .

ولی کے اقرار کا نفاذ

نکاح کے سلسلہ میں ولی کا اقرار اس وقت نافذ ہوگا جب گواہ نکاح ہونے کی گواہی دیں، اسکی صورت یہ ہو کہ قاضی صغیر کی طرف سے مدعا علیہ کھڑا کرے کہ وہ نکاح کا انکار کرے، پھر مدعی کی طرف سے گواہ پیش ہوں یا تو بالغ لڑکا لڑکی بالغ ہو کر اسکی تصدیق کریں یا موکل اپنے وکیل کے اقرار کی تصدیق کرے یا غلام اپنے آقا کے اقرار کی تصدیق کرے، یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے اور صاحبین کا کہنا ہے کہ بغیر تصدیق اور بغیر شہادت بھی ولی کے اقرار کی تصدیق ہوگی۔

اقرار کا یہ مسئلہ فقہاء کے اس قول سے نکلا ہے کہ جو شخص انشاء کا مالک ہے وہ اقرار کا بھی مالک ہوگا، اور اس کی اور بھی نظیریں ہیں اوپر والا مسئلہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے کیونکہ ولی انشاء کا مالک ہے لیکن نکاح کے اقرار کا مالک نہیں ہے۔

ایک مسئلہ یہ ہے کہ کیا پاگل اور بد تدبیر احمق کے ولی کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کا نکاح ایک سے زیادہ عورت کے ساتھ کردے، شارح کہتے ہیں میں نے یہ مسئلہ کہیں نہیں دیکھا۔ امام شافعیؒ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے البتہ اسے نابالغ کے حق میں اس کی ضرورت کے پیش نظر جائز رکھا ہے۔

باب الکفاءة

من كافاه اذا ساواه والمراد هنا مساواة مخصوصة او كون المرأة ادنى الكفائة معتبرة في ابتداء النكاح للزومه او لصحته من جانبه اى الرجل لان الشريفة تابى ان تكون فراشا للدنئ ولذا لا تعتبر من جانبها لان الزوج مستفرش فلا تعيظه دناءة الفراش وهذا عند الكل في الصحيح كما في الجنازية لكن في الظهيرية وغيرها هذا عنده و عندهما تعتبر في جانبها ايضا

میاں بیوی میں برابری

کفاءۃ کے معنی برابری کے ہیں عرب بولتے ہیں کافاہ جب کسی چیز کے برابر ہو اور یہاں کفاءت سے مخصوص قسم کی برابری مراد ہے یا عورت کا مرد سے کمتر ہونا، لہٰذا اگر عورت نے اپنے سے افضل مرد سے نکاح کیا تو ولی کو حق تفریق حاصل نہیں۔

کفاءت کا اعتبار اور اس کا وقت

کفاءت کا اعتبار ابتدائے نکاح میں ہوتا ہے، لہٰذا بوقت نکاح مرد عورت کے برابر تھا بعد میں فاسق ہو گیا تو اس کی وجہ سے حکم نہیں بدلے گا اور کفاءت نکاح کے شروع میں معتبر نکاح کے لازم ہونے کے لیے ہے یعنی نکاح بغیر کفاءت بھی درست ہے البتہ ولی کو اعتراض کا حق باقی رہتا ہے دوسری روایت یہ ہے کہ کفاءت کا اعتبار نکاح کے درست ہونے کے واسطے ہے یعنی بغیر کفاءت نکاح درست نہیں ہوتا۔

کفاءت کا اعتبار مرد کی جانب ہے کہ مرد شریف ہو اس لیے کہ عموماً شریف عورت کمتر مرد کے نیچے رہنے سے انکار کرتی ہے وہ ایسے شخص کا فراش بننا پسند نہیں کرتی، اسی وجہ سے برابری کا عورت کی جانب اعتبار نہیں، اس لیے کہ مرد کو عورت چاہیے جس کو وہ استعمال کر سکے چنانچہ اس کو کمتر عورت کو فراش بنانے سے غیظ نہیں، اور یہ ایک جانب میں اعتبار ا... ی جانب میں

نہیں، امام اعظمؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ تینوں کے نزدیک ہے صحیح قول یہی ہے اور فتاویٰ ظہیریہ وغیرہ میں ہے کہ یہ اعتبار صرف امام صاحبؒ کے نزدیک ہے باقی صاحبینؒ عورت کی جانب میں بھی کفاءت کا اعتبار کرتے ہیں۔

والكفاءة هي حق الولي لاحقها فلو نكحت رجلا ولم تعلم حاله فاذا هو عبد لاخيار لها بل للاولياء ولو زوجوها برضاها ولم يعلموا بعدم الكفاءة ثم علموا لاخيار لاحد الا اذا شرطوا الكفاءة او اخبرهم بها وقت العقد فزوجوها على ذلك ثم ظهر انه غير كفؤ كان لهم الخيار ولو الجية فيلحفظ و تعتبر الكفاءة للزوم النكاح خلافا لمالك نسبا فقريش بعضهم اكفاء بعض و بقية العرب بعضهم اكفاء بعض واستثنى فى الملتقى تبعا للهداية بني باهلة لخستهم والحق الاطلاق قاله المصنف كالبحر والنهر والفتح والشرنبلالية و يعضده اطلاق المصنفين كالكنز والدرر وهذا في العرب

کفاءت ولی کا حق ہے

کفاءت ولی کا حق ہے عورت کا حق نہیں ہے چنانچہ اگر کوئی عورت کسی ایسے مرد سے نکاح کرلے جس کا حال اُسے معلوم نہیں تھا، بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ غلام ہے تو فسخ نکاح کا اختیار عورت کو حاصل نہیں ہوگا بلکہ یہ حق اولیاء عورت کو حاصل ہوگا کہ وہ اس نکاح کو فسخ کردے۔

اگر عورت کے تمام ولیوں نے عورت کی رضامندی سے نکاح کردیا اور ان پر یہ ظاہر نہیں ہوسکا کہ شوہر کفو نہیں ہے، بعد نکاح یہ بات ظاہر ہوئی، تو اب نہ اولیاء کو نکاح کے فسخ کا اختیار ہوگا اور نہ عورت کو، لیکن اگر اولیاء نے اس شرط کے ساتھ نکاح کیا ہو کہ لڑکا ہم کفو ہے یا لڑکے نے بوقت نکاح بتایا تھا کہ وہ لڑکی کا ہم کفو ہے اور اسی شرط پر یہ نکاح ہوا تھا پھر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ہم کفو نہیں ہے تو اس صورت میں اولیاء کو نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

کفاءت نسب میں

کفاءت کا اعتبار نکاح کے لازم ہونے کے لیے نسب میں ہے لہٰذا قریش ایک دوسرے کے آپس میں ہم کفو ہیں، قریش وہ کہے جاتے ہیں جو نضر بن کنانہ کی اولاد میں ہوں، یہ نضر بن کنانہ آنحضرت ﷺ کی بارہویں پشت میں آتے ہیں۔ چاروں خلفاء راشدین قریش میں داخل ہیں، لہٰذا نیچے کی پشتیں ہاشمی نوفلی اور تیمی سب برابر اور ہم کفو ہیں، چنانچہ حضرت علیؓ نے اپنی صاحبزادی ام کلثومؓ کی شادی حضرت فاروق اعظمؓ سے کی تھی، حالانکہ حضرت علیؓ ہاشمی اور حضرت فاروق اعظمؓ عدوی تھے۔

قریش کے سوا دوسرے عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں، البتہ باہم عرب اور عجم دونوں ہم کفو نہیں ملتقی نامی کتاب میں ہدایہ کی پیروی میں بنوباہلہ کو ان کی خست کی وجہ سے عرب سے نکال دیا ہے، لیکن حق یہ ہے عرب سے اس خاندان (بنوباہلہ) کو نکالنا صحیح نہیں ہے، بلکہ مطلقاً تمام عرب برابر ہیں ان میں بنوباہلہ بھی داخل ہیں، مصنف نے اپنی شرح میں یہی لکھا ہے جیسا کہ بحرالرائق، نہرالفائق، فتح القدیر وغیرہ میں ہے۔

و اما في العجم فتعتبر حرية واسلاما فمسلم بنفسه او معتق غير كفؤ لمن ابوها مسلم او حر او معتق و امها حرة الاصل و من ابوه مسلم او حر غير كفؤ لذات ابوين ابوان فيهما

کالاباء لتمام النسب بالجد و فی الفتح ولا یعد مکافاۃ مسلم بنفسہ لمعتق بنفسہ و اما معتق الوضیع فلا یکافئ معتقۃ الشریف و اما مرتد اسلم فکفؤ لمن لم یرتد

کفاءت نسب عجم میں

کفاءت نسب کا اعتبار صرف عرب میں ہے باقی عجم تو انھوں نے اپنا نسب ضائع کرڈالا ہے لہٰذا ان کے اندر کفاءت کا اعتبار آزاد ہونے اور مسلمان ہونے میں ہے، پس جو شخص خود مسلمان ہوا ہے یا آزاد ہوا ہے، وہ اس عورت کا ہم کفو نہیں ہے جس کا باپ مسلمان ہوا تھا، یا آزاد ہوا تھا یا اس کی ماں اصلی آزاد ہے، اور جو ایک پشت سے مسلمان ہے یا آزاد وہ اس عورت کا کفو نہیں ہے جو دو پشت سے مسلمان یا آزاد ہے۔

دو پشت کا اسلام

کسی کے باپ دادا کا مسلمان ہونا اور آزاد ہونا اس کی طرح ہے جیسا کہ کوئی جو چند پشت سے مسلمان یا آزاد ہے، یعنی دو پشت کا اسلام اور آزادی دس پشت کے اسلام اور آزادی کے برابر ہے، اس وجہ سے کہ نسب دادا پر ختم ہوتا ہے، فتح القدیر میں ہے کہ جو خود مسلمان ہوا ہے وہ برابری میں اس سے دور نہیں ہے جو خود آزاد ہوا ہے، مثلاً جو شخص مسلمان ہوا ہے اس کے باپ دادا آزاد تھے، البتہ مسلمان نہیں تھے، اور جو خود سے آزاد ہوا ہے اس کے باپ دادا مسلمان تھے مگر آزاد نہیں تھے ماحصل یہ ہے دونوں میں ایک ایک کی تھی۔

کم ذات کا جو مرد مسلمان ہوا ہے وہ اس عورت کے برابر نہیں ہے جس کو کسی شریف نے آزاد کیا ہے اور جو شخص مرتد ہو کر مسلمان ہو گیا ہے وہ اس مسلمان کے برابر ہے جو مرتد نہیں ہوا ہے۔

واما الکفاءۃ بین الذمیین فلا تعتبر الا لفتنۃ و تعتبر فی العرب والعجم دیانۃ ای تقوی فلیس فاسق کفوًا لصالحۃ او فاسقۃ بنت صالح معلنا کان اولا علی الظاھر نھر ومالاً بان یقدر علی المعجل و نفقۃ شھرلو غیر محترف والا فان کان یکتسب کل یوم کفایتھا لو تطیق الجماع وحرفۃ فمثل حائک غیر کفؤ لمثل خیاط ولاخیاط لبزاز و تاجر و لاھما لعالم و قاض و اما اتباع الظلمۃ فاخسُّ من الکل و اما الوظائف فمن الحرف فصاحبھا کفؤ للتاجر لو غیر دنیئۃ کبوابۃ وذو تدریس او نظر کفؤ لبنت الامیر بمصر بحر.

ذمیوں میں کفاءت

دونوں ذمیوں کے درمیان کفاءت معتبر نہیں ہے مگر صرف فساد کے ختم کرنے کے لیے، یعنی ذمیوں میں راجہ اور چمار دونوں برابر ہیں اگر راجہ کی بیٹی چمار سے نکاح کرلے گی تو قاضی صرف فساد کو ختم کرنے کے لیے ان دونوں میں تفریق کردے گا، ناجائز ہونے کی وجہ سے نہیں۔

کفاءت دینداری میں

عرب اور عجم میں کفاءت کا اعتبار دینداری و پرہیزگاری میں ہے لہٰذا فاسق مرد نیک عورت کا کفو نہیں ہوگا اور نہ اس فاسقہ کا کفو قرار پائے گا جس کا باپ نیک ہے، وہ فاسق خواہ علی الاعلان ہو یا علی الاعلان نہ ہو۔

کفاءت مال میں

اور کفاءت کا اعتبار مال میں بھی ہے اس طرح کہ شوہر مہر معجّل کی ادائیگی اور ایک مہینہ کے نفقہ پر قادر ہو، یہ اس وقت جب وہ پیشہ ور نہ ہو، اور اگر پیشہ ور ہے تو وہ روزانہ اتنا کما سکتا ہے جو عورت کے لیے کافی ہو اگر وہ جماع کو برداشت کرسکتی ہے تو اس کے لیے نفقہ کا انتظام ضروری ہے اور اگر عورت قابل جماع نہیں ہے تو مرد کا صرف معجّل کی ادائیگی پر قادر ہونا کافی ہے۔

کفاءت میں پیشہ کا اعتبار کفاءت میں پیشہ کا بھی اعتبار ہے پس کپڑا بننے والا درزی کا ہم کفو نہیں، گویا درزی کا پیشہ کپڑا بننے کے پیشے سے اونچا ہے اور درزی کپڑا بیچنے والے اور سوداگر کے برابر نہیں ہے اور بزاز و سوداگر یہ دونوں عالم اور قاضی برابر نہیں ہیں اور ظالموں کے خدام تمام لوگوں سے زیادہ ذلیل ہیں، گو مالدار ہوں۔

جو اوقاف کے وظائف پیشوں میں داخل ہیں، جیسے امامت، خطابت یہ وظائف خوار سوداگر کے ہم کفو ہیں بشرطیکہ وظیفہ حقیر نہ ہو، جیسے دربانی اور فراشی کا وظیفہ نہ ہو۔ اور مدرس و ناظر امیر مصر کی لڑکی کا ہم کفو ہے۔

والكفاءة اعتبارها عند ابتداء العقد فلا يضر زوالها بعده فلو كان وقته كفؤا ثم فجر لم يفسخ و اما لو كان دبّاغاً ثم صار تاجرا فان بقي عارها لم يكن كفؤا و الا لانهر بحثا العجمي لا يكون كفؤا للعربية ولو كان العجمي عالما اوسلطانا و هو الاصح فتح عن الينابيع و ادعى في البحر انه ظاهر الرواية و اقره المصنف لكن في النهر ان فسر الحسيب بذى المنصب والجاه فغير كفؤ للعلوية كما في الينا بيع و ان بالعالم فكفؤ لان شرف العلم فوق شرف النّسب والمال كما جزم به البزازى و ارتضاه الكمال و غيره والوجه فيه ظاهر ولذا قيل ان عائشة افضل من فاطمة رضى الله عنهما ذكره القهستاني والحنفي كفؤ لبنت الشافعي و متى سئلنا عن مذهبه اجبنا بمذهبنا كما بسطه المصنف معزيا لجواهر الفتاوى.

کفاءت کا اعتبار ابتدائے نکاح میں ہے کفاءت کا نکاح میں اعتبار ابتدائے عقد میں ہوتا ہے بعد عقد اگر کفاءت کسی وجہ سے جاتی رہے تو وہ ہو چکے نکاح کے لئے ضرر رساں نہیں ہے، لہٰذا بوقت عقد اگر شوہر ہم کفو و ہم سر تھا بعد نکاح و فاسق ہو گیا تو نکاح فسخ ہوگا، لیکن اگر شوہر پہلے دباغ (کھال کو دباغت دینے والوں میں) تھا بعد میں سوداگر ہو گیا، اگر اسکے بعد بھی دباغت کی عار باقی ہے تو ہمسر و ہم کفو نہیں ہوتا اور اگر اسکی عار باقی نہیں ہے تو پھر ہم کفو ہوگا۔

عجمی و عربی ہم کفو نہیں عجمی مرد عربی عورت کا ہم کفو نہیں ہوتا ہے گو وہ عجمی عالم یا بادشاہ ہی کیوں نہ ہو، اور یہی قول زیادہ صحیح ہے، اور یہی ظاہر الروایۃ ہے، اور نہر الفائق میں لکھا ہے کہ اگر حسیب (حسب والے) کا مطلب منصب و وجاہت والا ہے تو یہ علویہ کا کفو نہیں ہے کما فی الینابیع اور اگر حسیب سے مراد عالم ہے تو عالم علویہ کا کفو یہ ہوگا، اس لئے کہ علم کی بزرگی اور شرافت نسب اور مال کی شرافت سے بڑھ کر ہے بزازی میں اسی پر یقین ظاہر کیا ہے، اور اسی کو کمال وغیرہ نے پسند کیا ہے اور اس کی وجہ یعنی شرافت علم ظاہر ہے اور اسی بنیاد پر کہا گیا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت فاطمہؓ سے افضل ہیں کیونکہ حضرت عائشہؓ علم و فضل میں بڑھی ہوئی ہیں۔

حنفی و شافعی ہم کفو ہیں حنفی مرد شافعی عورت کا کفو ہے، جب ہم سے مذہب شافعیؒ کے متعلق سوال ہوگا تو ہم اپنے مذہب کے مطابق جواب دیں گے مصنف نے اپنی شرح میں تفصیل سے بیان کیا

ہے، وہ اس طرح ہے کہ ایک شافعی المذہب بالغہ نے ایک حنفی المذہب مرد سے نکاح کیا اور اس کا باپ راضی نہیں تھا تو نکاح درست ہے اسی طرح اگر حنفی لڑکی شافعی لڑکے سے نکاح کرے اور پھر ہم سے سوال کرے تو ہم یہی جواب دیں گے کہ ابو حنیفہؒ کے نزدیک درست ہے۔

والقروی کفؤ للمدنی فلا عبرة بالبلد کما لا عبرة بالجمال خانیة و لا بالعقل و لا بعیوب یفسخ بها البیع خلافا للشافعی لکن فی النحر عن المرغینانی المجنون لیس بکفؤ للعاقلة و کذاالصبی کفؤ بغنی ابیه او امه او جده نهر عن المحیط بالنسبة الی المهر یعنی المعجل کما مر لا بالنسبة الی النفقة لان العادة ان الآباء یتحملون عن الابناء المهر لا النفقة ذخیرة و لو نکحت باقل من مهرها فللولی العصبة الاعتراض حتی یتم مهر مثلها او یفرق القاضی بینهما دفعا للعار.

کفاءت میں دیہات یا شہر اور حسن و جمال کا اعتبار نہیں

گاؤں کا رہنے والا شہر میں رہنے والے کا کفو ہے، گویا کفاءت میں شہر کا کوئی اعتبار نہیں، جیسے کفاءت میں خوبصورتی کا کوئی اعتبار نہیں، اور نہ عقل و خرد کا اعتبار ہے، یعنی مجنون عاقل کا کفو ہے اور نہ اُن عیبوں کا کفاءت میں اعتبار ہے جن سے بیع فسخ ہو جاتی ہے، جیسے جذام، برص، منہ کا بدبو کرنا، البتہ امام شافعی کے نزدیک اس کا اعتبار کیا گیا ہے، لیکن نہر الفائق میں ہے کہ مجنون عاقل کا کفو نہیں ہے۔

ایسے ہی لڑکا اپنے باپ دادا اور ماں کی مالداری کی وجہ سے مہر معجّل کے اعتبار سے ہم کفو ہوتا ہے نفقہ کا اعتبار نہیں اس لئے کہ رواج یہ ہے کہ باپ دادا اپنے لڑکے کا مہر برداشت کر لیتے ہیں نفقہ اپنے ذمہ لینے کو تیار نہیں ہوتے کذا فی الذخیرہ۔

مہر مثل سے کمی پر ولی کو حق اعتراض

عورت اگر اپنے مہر مثل سے کم پر کسی مرد سے نکاح کر لے تو ولی عصبہ کو اس نکاح کا روک دینا جائز ہے تا آنکہ وہ اس کا مہر مثل پورا کردے یا پھر قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کردے، تاکہ عار باقی نہ رہے بلکہ وہ ختم ہو جائے۔

و لو طلقها الزوج قبل تفریق الولی قبل الدخول فلها نصف المسمی فلو فرق الولی بینهما قبل الدخول فلا مهر لها و ان بعده فلها المسمی و کذا لو مات احدهما قبل التفریق فلیس للولی المطالبة بالاتمام لانتهاء النکاح بالموت جواهر الفتاوی امره بتزویج امرأة فزوجه امة جاز و قالا لا یصح و هو استحسان ملتقی تبعا للهدایة . و فی شرح الطحاوی قولهما احسن للفتوی و اختاره ابو اللیث و اقره المصنف.

بیوی کا مہر

اور اگر شوہر عورت کو ولی کی تفریق اور خلوت سے پہلے طلاق دیدے گا تو عورت کو متعین مہر کا آدھا ملے گا، اور اگر خلوت و صحبت سے پہلے ہی ولی نے دونوں کے درمیان تفریق کرادی ہے، تو اس صورت میں عورت

کے لئے کچھ مہر نہیں ہے اور اگر دخول کے بعد تفریق کی گئی ہے، تو عورت کو پورا مہر معین لے گا۔

اسی طرح اگر میاں بیوی میں کوئی تفریق سے پہلے انتقال کر جائے گا تو اس صورت میں ولی کے لئے مہر مثل کے پورا کرنے کا مطالبہ باقی نہیں رہے گا اس لئے کہ موت سے نکاح اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔

وکیل کا کمتر سے نکاح کرنا جائز نہیں

کسی نے ایک شخص کو اپنا وکیل بنایا کہ وہ اس کا کسی عورت سے نکاح کر دے، وکیل نے اپنے موکل کا نکاح بجائے آزاد عورت کے کسی لونڈی سے کر دیا تو امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ نکاح نافذ ہوگا اور صاحبین کہتے ہیں یہ نکاح سرے سے صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ وکیل بنانے کا منشا یہ تھا کہ اس کی عمدہ شادی کر دے یوں وہ خود کر سکتا تھا لہٰذا کم سے کم اس کے برابر سے تو کر دے کمتر سے کرنے کا کوئی مطلب نہیں، شرح طحاوی میں ہے فتویٰ دینا صاحبینؒ کے قول پر بہتر ہے اور فقیہ ابو اللیث نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے، اور مصنف نے بھی اپنی شرح میں اسی قول کو برقرار رکھا ہے۔

واجمعوا انه لو زوجه بنته الصغيرة او موليته لم يجز كما امره بمعينة او بحُرّة او امة فخالف او امرته بتزويجها و لم تعين فزوجها غير كفؤ لم يجز اتفاقا و لو زوجه المامور بنكاح امرأة امرأتين فى عقد و احد لا ينفذ للمخالفة و له ان يجيزهما او احدهما و لو فى عقدين لزم الاول و توقف الثانى.

وکیل کا اس طرح نکاح کرنا درست نہیں

اس بات پر فقہاء کا اجماع ہے کہ اگر مذکورہ صورت میں وکیل نے اپنے موکل کا نکاح اپنی چھوٹی لڑکی سے کر دیا اپنی آزاد کردہ لونڈی سے کر دیا تو یہ جائز نہیں ہوگا، جیسے وہ نکاح جائز نہیں ہے کہ کسی نے کسی کو اپنا وکیل بنایا اور حکم دیا کہ فلاں متعین عورت سے اس کا نکاح کر دے یا کسی آزاد عورت سے نکاح کر دے، یا کسی لونڈی سے کر دے لیکن وکیل نے موکل کے حکم کی مخالفت کی۔ یا کسی عورت نے اپنے وکیل سے کہا کہ میرا نکاح کر دے اور کسی کو تعین نہیں کیا اور اس نے اس کا نکاح غیر کفو میں کر دیا تو یہ نکاح بھی جائز نہیں ہوگا۔

اسی طرح کسی کو وکیل بنایا تھا کہ کسی ایک عورت سے وہ اس کا نکاح کر دے وکیل نے موکل کا نکاح دو عورتوں سے ایک عقد میں کر دیا تو اسکا کیا ہوا نکاح نافذ نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس نے موکل کے حکم کی مخالفت کی، یوں موکل کے لئے جائز ہے کہ وہ دونوں کو نافذ کرے یا ایک کو کرے اور اگر دو عورتوں سے نکاح دو عقد میں کیا گیا ہے تو پہلا نافذ ہوگا اور دوسرا موکل کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

و لو امره بامرأتين فى عقدة فزوجه واحدة او ثنتين فى عقدتين جاز الا اذا قال لا تزوجنى الاامرأتين فى عقدة او فى عقدتين لم تجز المخالفةُ و لا يتوقف الا يجاب على قبول غائب عن المجلس فى سائر العقود من نكاح و بيع و غيرهما بل يبطل الايجاب و

لاتلحقه الاجازة اتفاقا.

موکل کی مخالفت کی صورت

اور کسی نے کسی کو وکیل بنایا کہ وہ اس کا نکاح دو عورتوں سے ایک عقد میں کر دے پس وکیل نے ایک عورت یا دو عورت سے دو عقد میں نکاح کر دیا تو یہ جائز ہے، لیکن اگر اس طرح کہا تھا کہ میرا نکاح صرف عورتوں سے ایک عقد میں کرنا اور بس، اور وکیل نے دو عقد میں دو عورتوں سے اس کا نکاح کیا تو یہ مخالفت اس کی جائز نہیں ہوئی۔

غائب کے قبول پر ایجاب کا موقوف ہونا

جو شخص مجلس سے غائب ہے اس کے قبول پر ایجاب موقوف نہیں رہے گا، یہ حکم اُن تمام عقود کا ہے جن میں معاوضہ پایا جاتا ہے جیسے نکاح، بیع اور ان دونوں کے علاوہ جیسے صلح، اجارہ بلکہ یہ ایجاب باطل ہو جائے گا اور اس ایجاب کے ساتھ قبول ملحق نہیں ہو سکتا ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

و یتولی طرفی النکاح واحد بایجاب یقوم مقام القبول فی خمس صور کأن کان ولیاً او وکیلا من الجانبین او اصیلا من جانب و وکیلا او ولیا من آخر او ولیا من جانب وکیلا من آخر کزوجت بنتی من موکلی لیس ذلك الواحد بفضولی و لو من جانب و ان تکلم بکلامین علی الراجح اذ قبوله غیر معتبر شرعا لما تقرر ان الایجاب لا یتوقف علی قبول غائب.

طرفین کا ذمہ دار ایک شخص

نکاح کے طرفین (ایجاب و قبول) کا ایک شخص ذمہ دار ہو سکتا ہے، اس کا صرف ایک ایجاب کافی ہوگا وہی قبول کے بھی قائم مقام بن جائے گا ایجاب و قبول دونوں کا متولی ایک شخص ہو اس کی پانچ صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ ایک شخص دونوں طرف کا ولی ہو، جیسے کوئی کہے کہ میں نے اپنی نواسی کا نکاح اپنے پوتے سے کر دیا، دوسری صورت یہ ہے ایک شخص دونوں طرف کا وکیل ہو اور وہ کہے کہ میں نے اپنے موکل کا نکاح اپنی موکلہ سے کر دیا، تیسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص ایک کی جانب سے اصیل ہو اور دوسری طرف سے وکیل ہو، اور اس طرح کہے کہ میں نے اپنی موکلہ کا نکاح اپنی ذات سے کر دیا، چوتھی صورت یہ ہے کہ ایک شخص ایک طرف سے اصیل ہو اور دوسرے کا ولی ہو اور وہ اس طرح کہے کہ میں نے اپنے چچا کی لڑکی نابالغہ کا نکاح اپنے آپ سے کر دیا، پانچویں صورت یہ ہے کہ ایک طرف سے ولی ہو اور دوسری جانب سے وکیل ہو جیسے اس طرح کہے کہ میں نے اپنی بیٹی کا نکاح اپنے موکل سے کر دیا۔

مگر شرط یہ ہے کہ یہ ایک شخص دونوں کا ذمہ دار بننے والا فضولی نہ ہو، نہ ایک جانب سے اور نہ دونوں جانب سے اگرچہ فضولی ایجاب و قبول دونوں کرے راجح قول یہی ہے یعنی اگر وہ اس طرح کہے کہ میں نے زید کا نکاح حامدہ سے کیا پھر کہے میں نے حامدہ کی طرف سے قبول کیا، تو یہ درست نہیں ہوگا، کیونکہ فضولی کا قبول کرنا شرعاً معتبر نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ایجاب غائب کے قبول پر موقوف نہیں رہتا۔

و نکاح عبد و امة بغیر اذن السید موقوف علی الاجازة کنکاح الفضولی و سیجئی فی

البیوع توقف عقوده کلهااِنْ لها مُجیز حالة العقد و الا تبطل و لابن العم ان یزوج بنت عمه الصغیرة فلو کبیرة فلا بد من الاستیذان حتی لو تزوجها بلا استیذان فسکتت او افصحت بالرضاء لا یجوز عندهما و قال ابو یوسف یجوز و کذا المولی المعتق والحاکم والسلطان جوهرة یعنی بخالف الصغیرة کما مر فلیحرر من نفسه فیکون اصیلا من جانب ولیامن آخر کما للوکیل الذی وکلته ان یزوجها من نفسه فان له ذلك فیکون اصیلا من جانب وکیلا من آخر بخلاف ما لو وکلته بتزویجها من رجل فزوجها من نفسه لانها نصبته مزوجا لامتزوجا.

اجازت پر موقوف

غلام اور لونڈی کا بغیر آقا کی اجازت نکاح کرنا آقا کی اجازت پر موقوف ہوگا جیسے فضولی کا نکاح کر دینا میاں بیوی کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے، فضولی اس کو کہتے ہیں جو بلا اجازت غیر کی طرف سے تصرف کرے، نہ اس کو ولایت حاصل ہو نہ وکالت۔

فضولی کے عقود کا حکم

کتاب البیوع میں عنقریب یہ بات آئے گی کہ فضولی کے تمام عقود و معاملات اگر بوقت عقد اجازت دینے والا پایا جاتا ہے تو وہ سب اجازت دینے والے کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اور اگر حالت عقد میں کوئی اجازت دینے والا موجود نہیں ہے تو وہ عقود تمام کے تمام باطل ہوں گے۔

چچازاد بھائی کا بحیثیت ولی نکاح کرنا

چچا کے لڑکے کیلئے اپنے چچا کی نابالغہ لڑکی کے ساتھ اپنا نکاح کرنا جائز ہے، لیکن اگر چچا کی لڑکی بالغہ ہے تو اس کی اجازت کے بغیر نکاح جائز نہیں ہوگا یہاں تک کہ اگر چچا کی بالغہ لڑکی سے اس کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گا اور وہ چپ رہے گی یا بعد میں رضامندی کا اظہار کردے گی تو بھی نکاح جائز نہیں ہوگا طرفین کا مذہب یہی ہے اور امام ابویوسفؒ کہتے ہیں جائز ہوگا۔

بالغہ سے اجازت

اسی طرح آزاد کرنے والے مولیٰ کو جو اپنی آزاد کردہ لونڈی کا نکاح کر رہا ہے اور سلطان وقت کو جو بالغہ کا نکاح کر رہا ہے بالغہ سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے، بغیر اجازت ان دونوں کا کیا ہوا نکاح جائز نہیں ہے، بخلاف نابالغہ کے کہ اس میں وہ اپنی ولایت سے نکاح کر سکتے ہیں مگر خود اپنا نکاح اس نابالغہ سے کرنا قاضی و سلطان کو جائز نہیں ہے۔

البتہ چچا کے لڑکے کے لئے چچا کی نابالغہ لڑکی کے ساتھ اپنا نکاح کرنا درست ہے، ایک جانب سے وہ اصیل ہوگا اور دوسری جانب سے ولی، جس طرح عورت کے وکیل کے لئے جائز ہے کہ وہ اُس موکلہ کا نکاح ضرور اپنے ساتھ کرلے جس نے اس کو وکیل بنادیا ہے کہ وہ اس کا نکاح اپنے ساتھ کردے، اپنی طرف سے یہ اصیل ہوگا اور عورت کی طرف سے وکیل ہوگا۔

وکیل کا خلاف ورزی کرنا

اس کے خلاف یہ صورت ہے کہ ایک عورت نے اس کو وکیل بنایا تھا کہ وہ اس کا کسی مرد سے نکاح کردے اور اس نے اس عورت کا نکاح اپنے ساتھ کرلیا تو یہ جائز نہیں ہوگا، اسلئے کہ عورت نے اس کو نکاح کردینے والا مقرر کیا تھا نکاح کرنے والا متعین نہیں کیا تھا۔

او وکلته ان یتصرف فی امرھا او قالت له زوج نفسی ممن شئت لم یصح تزویجھا من نفسه کما فی الخانیة والاصل ان الوکیل معرفة بالخطاب فلا یدخل تحت النکرة ولو اجاز من له الاجازه نکاح الفضولی بعد موته صح لان الشرط قیام المعقود له واَحد العاقدَین فقط بخلاف اجازة بیعه فانه یشترط قیام اربعة اشیاء کما سیجیئ فروع الفضولی قبل الاجازة لا یملك نقض النکاح بخلاف البیع یشترط للزوم عقد الوکیل موافقته فی المھر المسمیٰ و حکم رسول کوکیل

وکیل کا اپنی ذات سے موکلہ کی شادی کرنا

یا عورت نے کسی کو وکیل بنایا کہ وہ اس کے معاملہ میں اس کے حکم سے تصرف کرے، یا اس وکیل سے کہا تو جس شخص سے چاہے میرا نکاح کردے، اس صورت میں اس وکیل کو عورت کا نکاح اپنی ذات سے کرنا صحیح نہیں ہوگا، جیسا کہ خانیہ میں ہے اور جائز نہ ہونے کا اس باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ وکیل عورت کے خطاب کیوجہ سے معین ہوگیا اور عورت نے شوہر کو معین نہیں کیا، اور قاعدہ یہ ہے کہ معین غیر معین میں داخل نہیں ہوتا ہے، لہٰذا وہ خود نکرہ کے تحت داخل نہیں ہوگا۔

نکاح فضولی کے بعد فضولی کی موت

جس کو اجازت دینے کا حق حاصل ہے اگر اس نے فضولی کی موت کے بعد اس کے کئے ہوئے نکاح کی اجازت دیدی، تو نکاح صحیح ہو جائے گا اس لئے کہ نکاح کے صحیح ہونے میں اجازت کے وقت شرط یہ ہے کہ جس کے لئے نکاح کا انعقاد ہوا ہے وہ قائم رہے، اور دو عاقدوں میں سے صرف ایک ایک عاقد (فضولی) کی موت نکاح کے صحیح ہونے کے لئے مضر نہیں ہے، کیونکہ دوسرا عاقد موجود ہے بخلاف فضولی کی بیع کی اجازت دینے کے فضولی کی موت کے بعد، کہ یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس وقت چار چیزوں کی موجودگی شرط ہے جس کی تفصیل آرہی ہے جو چیز بیچی جارہی ہے وہ موجود ہو، دونوں معاملہ کرنے والے موجود ہوں اور قیمت پائی جائے۔

فضولی اجازت سے پہلے

فضولی نے جو نکاح کیا ہے اس کو وہ اجازت سے پہلے توڑنے کا مالک نہیں ہوتا ہے، البتہ بیع کو اجازت سے پہلے توڑ سکتا ہے۔

وکیل کا موکل کی خلاف ورزی

وکیل کے عقد کے لازم ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ وکیل اس مہر میں موکل کے موافق ہو جو اس نے متعین کر رکھے ہیں، اگر مہر موکل کے مہر کے موافق نہیں ہے تو موکل کو قبول کرنے اور قبول نہ کرنے دونوں کا اختیار ہوگا۔

پیام لے جانے والے کا حکم

اور پیام لیجانے والے کا حکم مثل وکیل کے حکم کے ہے مثلاً مرد نے کسی شخص کو عورت کے پاس نکاح کا پیغام لے کر بھیجا اور عورت نے گواہوں کے سامنے اسے قبول کرلیا تو نکاح درست ہوگا بشرطیکہ اس نے جو مہر متعین کیا ہے اس میں مخالفت نہ کی ہو۔

بسم اللّٰه الرَّحْمٰن الرَّحِيْم

باب المهر

ومن اسمائه الصداق والصدقة والنحلة والعطية والعقر و فى استيلاد الجوهرة العقر فى الحرائر مهر المثل و فى الاماء عشر قيمة البكر و نصف عشر قيمة الثيب اقله عشرة دراهم لحديث البيهقى وغيره لا مهر اقل من عشرة دراهم و رواية الاقل تحمل على المعجل فضة وزن سبعة مثاقيل كما فى الزكوٰة مضروبة كانت اولاً ول دينا او عرضا قيمته عشرة وقت العقد اما فى ضمانها بطلاق قبل الوطى فيوم القبض.

مہر کا بیان

نکاح کے ارکان اوراس کی شرطوں کو بیان کرنے کے بعد مہر کے احکام کی تفصیل بیان کر رہے ہیں، مہر کے کئی نام ہیں، اسے صداق بھی کہتے ہیں اور صدقہ، نحلہ، عطیہ اور عقر یہ بھی، جوہر نیرہ میں ہے کہ آزاد عورتوں میں عقر مہر مثل کو کہتے ہیں، اورلونڈیوں میں باکرہ کی قیمت کے دسویں حصہ کو، اور ثیبہ کے بیسویں حصہ کو عقر کہتے ہیں۔

مہر کی کم از کم مقدار مہر کی مقدار کم از کم دس درہم ہے، جیسا کہ بیہقی وغیرہ کی حدیث میں صراحت ہے کہ دس درہم سے کم مہر نہیں ہے اور یہ حدیث کثرت طرق کی وجہ سے لائق حجت ہے اور اس سے کم والی روایت مہر معجل پر محمول ہے مثلاً جن روایتوں میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوہے کی انگوٹھی ہو تو وہی دیدو یا دو کپ ستو یا کھجور دیدو، تو ان سب کی مراد یہ ہے کہ مہر معجل میں کچھ نہ کچھ دیدیا جائے، کیونکہ عرب میں دستور تھا کہ بیوی کے پاس جانے سے پہلے کچھ دیدیا کرتے تھے، یہ مطلب نہیں ہے کہ کھجور، ستو یا انگوٹھی کے سوا کچھ اور مہر نہیں تھا، کل مہر یہی تھا۔

دس درہم کا وزن چاندی کے دس درہم، جو کم از کم مہر کی مقدار بتائی گئی ہے، اس کا وزن سات مثقال کے برابر ہوتا ہے جس کی تفصیل کتاب الزکوٰۃ میں گذر چکی ہے، سات مثقال برابر ساڑھے اکتیس ماشہ کے ہوتے ہیں، اس طرح دس درہم کا وزن تین تولہ ڈیڑھ ماشے ہوا، لہٰذا تین تولہ ڈیڑھ ماشہ چاندی کی جو قیمت بازار میں ہو وہ کم سے کم مہر کی مقدار ٹھہرے گی، ہر زمانہ میں اس کی قیمت بازار کی لگائی جائے۔

قیمت لگانے میں قبضہ کے دن کا اعتبار یہ درہم ڈھلے ہوئے ہوں یا ڈھلے ہوئے نہ ہوں، اور خواہ وہ کسی پر

قرض ہوں، یا سامنے کا اس کے پاس کوئی سامان ہو جس کی قیمت بوقت نکاح دس درہم ہوتی ہو، للہذا اگر نکاح ہو جانے کے بعد اس کی قیمت کم ہو جائے تو اس کا مضائقہ نہیں، لیکن اگر کوئی اتنی قیمت کی جنس کا طلاق کے سلسلہ میں ضامن ہو، اور وطی سے پہلے، تو اس صورت میں قیمت کے باب میں قبضہ کرنے کے دن کا اعتبار ہوگا۔

مثلاً ایک عورت کا نکاح ایک کپڑے پر ہوا جس کی قیمت دس درہم تھی، لیکن عورت نے جس دن اس کپڑے پر قبضہ کیا تھا اس دن کپڑے کی قیمت بیس درہم ہو گئی تھی، اب شوہر نے اس عورت کو وطی سے پہلے طلاق دیدی، تو شوہر پر قاعدہ کے اعتبار سے نصف مہر کا دینا واجب ہوا، اور جو کپڑا مہر میں تھا وہ ضائع ہو گیا، للہذا شوہر اپنی مطلقہ کو اس صورت میں بیس کا آدھا دس درہم دے گا کیونکہ عورت نے جس دن کپڑے پر قبضہ کیا تھا اس دن اس کی قیمت بیس درہم تھی۔

وتجب العشرة ان سماها او دونها و يجب الاكثر منها ان سمى الاكثر و يتاكد عند وطى او خلوة صحت من الزوج او موت احدهما تزوج ثانيا فى العدة او ازالة بكارتها بنحو حجر بخلاف ازالتها بدفعة فانه يجب النصف بطلاق قبل وطى و لو الدفع من اجنبى فعلى الاجنبى ايضا نصف مهر مثلها ان طلقت قبل الدخول والا فكله نهر بحثا و يجب نصفه بطلاق قبل وطى او خلوة فلو كان نكحها على ما قيمته خمسة كان لها نصفه درهمان و نصف وعاد النصف الى ملك الزوج بمجرد الطلاق اذا لم يكن مسلما لها و ان كان مسلما لها لم يبطل ملكها منه بل توقف عوده الى ملكه على القضاء او الرضاء فلهذا لا نفاذ لعتقه اى الزوج عبدالمهر بعد طلاقها قبله اى قبل القضاء ونحوه لعدم ملكه قبله و نفذ تصرف المرأة قبله فى الكل لبقاء ملكها و عليها نصف قيمة الاصل يوم القبض لان زيادة المهر المنفصلة تتنصف قبل القبض لا بعده.

دس سے کم کی صورت

اگر کسی نے نکاح کے وقت مہر دس درہم متعین کیا یا اس سے کم تو اس صورت میں اس پر دس درہم واجب ہوگا اس سے کم نہیں۔ اور اگر دس درہم سے زیادہ متعین کیا ہے تو جتنا متعین کیا ہے وہی شوہر کے ذمہ واجب ہوگا، اور زیادہ مقدار کی کوئی حد نہیں ہے جس قدر چاہے زیادہ مہر مقرر کر سکتا ہے (گو بہتر یہ ہے کہ مہر کم ہو)

پورا مہر کب لازم ہوتا ہے

پورا مہر اس وقت لازم اور موکد ہوتا ہے جب شوہر وطی کرلے یا بیوی کے ساتھ خلوت صحیحہ کرلے، یا میاں بیوی میں کوئی وفات پا جائے یا عدّت کے اندر دوبارہ نکاح کرے، اور اس کے بعد قبل وطی طلاق دے۔

اور عورت کی بکارت کے زائل ہونے سے بھی مہر واجب ہوتا ہے خواہ پتھر وغیرہ سے ہو لیکن اگر ڈھکیلنے سے ازالۂ بکارت ہوا ہے اور اس نے وطی سے پہلے طلاق دیدی ہے تو پھر نصف ہی مہر واجب ہوگا پورا واجب نہیں ہوگا اور اگر یہ ڈھکیلنا کسی اجنبی کی طرف سے ہوا ہو اور اس کی وجہ سے اس کی بکارت زائل ہوئی ہو اور شوہر نے وطی سے پہلے طلاق دیدی ہو تو

نصف مہر مثل اجنبی پر واجب ہوگا، اور اگر دخول کے بعد طلاق ہوئی ہوگی تو پورا مہر لازم ہوگا۔

وطی سے پہلے طلاق اگر کوئی اپنی بیوی کو وطی یا خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دیدے تو نصف مہر واجب ہوتا ہے سوا گر کسی نے کسی سے ایسی چیز پر نکاح کیا جس کی قیمت پانچ درہم تھی اب اگر اس بیوی کو اس نے وطی یا خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دیدی ہے تو وہ چیز آدھی عورت کو ملے گی اور ڈھائی درہم بھی ملیں گے، آدھی چیز اس لئے ملے گی کہ خلوت سے پہلے طلاق دی ہے، ڈھائی درہم کی یہ چیز ہوئی ڈھائی درہم اوپر سے ملیں گے دونوں مل کر پانچ درہم ہوگئے جو آدھا ہے دس درہم کا گویا کم سے کم مقدار مہر کا نصف ملا۔

طلاق اور مہر طلاق دینے کے ساتھ آدھا مہر شوہر کی ملکیت میں آجائے گا جب کہ اس نے مہر بیوی کے حوالہ نہیں کیا ہے، اور اگر پورا مہر بیوی کو دے چکا ہے تو عورت کی ملکیت وطی سے پہلے کل مہر سے باطل نہیں ہوگی۔

بلکہ آدھے مہر کا شوہر کی ملکیت میں آنا قضائے قاضی یا عورت کی رضامندی پر موقوف ہوگا، اسی وجہ سے مہر کے غلام کو شوہر کا آزاد کرنا عورت کو دینے کے بعد نافذ نہیں ہے جب تک قضائے قاضی یا بیوی کی رضامندی نہ پائی جائے۔ کیونکہ شوہر قاضی کے فیصلہ یا بیوی کی رضامندی سے پہلے اس کا مالک نہیں ہوتا ہے، گویا جب شوہر کی ملکیت قاضی کے فیصلہ اور بیوی کی رضامندی پر موقوف ہے تو اس سے پہلے اس کا آزاد کرنا درست نہیں ہوگا۔

البتہ قضائے قاضی سے پہلے کل مہر میں عورت کا تصرف نافذ ہوگا، کیونکہ عورت کی ملکیت باقی رہتی ہے لہٰذا جس غلام پر عورت نے مہر کی وجہ سے قبضہ کیا ہے، طلاق ہونے کے بعد بھی اگر وہ اس کو آزاد کردے، تو یہ آزاد کرنا اس پر نافذ ہوگا۔

قبضہ کرنے کے دن اصل کی جو قیمت تھی، عورت پر اس کا آدھا واجب ہوگا، کیونکہ مہر پر الگ سے جو زیادتی ہوئی ہے اس کی تنصیف اس وقت ہوتی ہے جب مہر پر قبضہ کرنے سے پہلے یہ زیادتی ہوئی ہو، قبضہ کرنے کے بعد جو زیادتی ہوتی ہے اس کی تنصیف نہیں ہوا کرتی ہے، مثلاً عورت کو مہر میں ایک لونڈی ملی، عورت نے اس لونڈی پر قبضہ کرلیا، جب لونڈی عورت کے قبضہ میں آگئی تو اس کو بچہ پیدا ہوا، شوہر نے اس عورت کو وطی سے پہلے طلاق دیدی، تو اب عورت صرف لونڈی کی قیمت کا آدھا واپس کرے گی، بچہ پورا کا پورا عورت کا ہوگا۔ کیونکہ بچہ جو زیادہ ہوا ہے یہ لونڈی سے الگ شی ہے، اور یہ قبضہ کرنے کے بعد پیدا ہوا ہے۔

ووجب مهر المثل في الشغار و هو ان يزوجه بنته او اخته على ان يزوجه الآخر بنته او اخته مثلاً معاوضة بالعقدين و هو منهي عنه لخلوه عن المهر فاوجبنا فيه مهر المثل فلم يبق شغارا و في خدمة زوج حر سنة للامهار لحرة او امة لان فيه قلب الموضوع كذا قالو و مفاده صحة تزوجها على ان يخدم سيدها او وليها لقصة شعيب مع موسى عليهما السلام كصحته على خدمة عبده او امته او عبدالغير برضا مولاه او حر آخر برضاه و في تعليم القرآن للنص بالابتغاء بالمال و باء زوجتك بما معك من القرآن للسببية او للتعليل لكن في النهر ينبغي ان يصح على قول المتاخرين و لها خدمته لو كان الزوج عبدا ماذونا

فی ذلك اما الحر فخدمته لها حرام لما فیه من الاهانة والاذلال و کذا استخدامه نهر عن البدائع.

مہر اور نکاح شغار

نکاح شغار کی صورت میں مہر مثل واجب ہوتا ہے، شغار یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح دوسرے مرد سے اس شرط پر کرے کہ وہ دوسرا مرد اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح اس سے کردے۔ تاکہ ایک عقد دوسرے کا بدلہ ہوجائے اور دونوں میں سے کسی میں مہر کا نام نہ لیا جائے ایسا نکاح جس میں مہر نہ ہو ممنوع ہے، لیکن نکاح ہوجاتا ہے فقہاء نے ایسے نکاح میں مہر مثل واجب قرار دیا ہے، اس طرح کوئی نکاح مہر سے خالی نہ ہوگا۔

مہر کے بدلے بیوی کی خدمت

اگر مہر میں یہ طے ہوا کہ شوہر مہر کے بدلے آزاد یا لونڈی بیوی کی ایک سال خدمت کرے گا تو اس صورت میں بھی نکاح ہوجائے گا اور شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا۔ خدمت واجب نہیں ہوگی، کیونکہ یہ موضوع کے بالکل الٹا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ عورت شوہر کی خدمت کرتی ہے نہ کہ شوہر بیوی کی، قاضی خاں میں ہے کہ مہر کے بدلے شوہر سے خدمت لینا حرام ہے، کیونکہ اس میں شوہر کی ذلت ہے۔

فائدہ یہ ہے کہ مہر مثل کے وجوب سے نکاح درست ہوجائے گا اگر کوئی اس شرط پر نکاح کرے گا کہ شوہر اس کے ولی یا آقا کی خدمت کرے گا اس دلیل پر کہ شعیب علیہ السلام نے اپنی صاجبزادی کا نکاح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اسی طرح کیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام آٹھ یا دس برس بکریاں چرائیں گے جس طرح وہ نکاح صحیح ہوتا ہے جس میں کہا گیا ہو کہ مہر یہ ہوگا کہ شوہر کا غلام یا اس کی لونڈی بیوی کی خدمت کرے گی، یا شوہر کے غیر کا غلام اپنے آقا کی رضامندی سے عورت کی خدمت کرے گا یا کوئی اور آزاد مہر میں خدمت کرے گا۔

تعلیم قرآن کی صورت میں مہر

اگر کسی نے مہر میں تعلیم القرآن مقرر کیا ہے تو اس صورت میں بھی مہر مثل واجب ہوگا، نص قرآنی کا تقاضا یہی ہے کیونکہ ارشاد ربانی ہے اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِکُمۡ کہ نکاح مال کے عوض طلب کرو، اور تعلیم قرآن مال نہیں ہے، لہٰذا مہر مثل واجب ہوگا۔

حدیث میں جو آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا **ازوجك بما معك من القرآن** میں تیرا نکاح اس کے بدلہ میں کرتا ہوں جو قرآن تیرے ساتھ ہے، اس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم قرآن مہر ہوسکتی ہے اس کا جواب شارح یہ دے رہے ہیں کہ اس میں باء سبب اور تعلیل کے لئے ہے، عوض کے لئے نہیں ہے یعنی تم سے نکاح اس وجہ سے کر رہا ہوں کہ تم کو قرآن یاد ہے۔

متاخرین کے قول کی بنیاد پر مناسب یہ ہے کہ کہا جائے کہ تعلیم قرآن مہر ہوسکتا ہے کیونکہ متاخرین نے تعلیم قرآن پر اجرت لینا درست قرار دیا ہے، جس کی اجرت لینا جائز ہے اس کا مہر ہونا بھی جائز ہونا چاہئے، چنانچہ فتح القدیر میں مفتی بہ قول نقل کیا ہے کہ تعلیم قرآن کا مہر قرار دینا درست ہے۔

غلام شوہر کا بیوی کی خدمت کرنا

لیکن اگر شوہر غلام ہو اور اس کے آقا نے خدمت کرنے کی اجازت دی ہو، اور وہ اپنے آقا کی اجازت سے کسی آزاد عورت سے نکاح کرے اور اس کا مہر بیوی کی خدمت مقرر ہو تو نکاح درست ہے کیونکہ غلام شوہر کے لئے آزاد بیوی کی خدمت کرنا باعث ذلت نہیں۔

و کذا یجب مهر المثل فیما اذا لم یسم مهرا او نفی ان وطی الزوج او مات احدهما اذا لم یتراضیا علی شئ یصلح مهر الا فذاك الشئ هو الواجب او سمی خمراً او خنزیرا او هذا الخل و هو خمرا و هذا العبد و هو حر لتعذر التسلیم او دابة او ثوباً او دار او لم یبین جنسها لفحش الجهالة و تجب متعة لمفوضة هی من زوجت بلا مهر طلقت قبل الوطی و هی درع و خمار و ملحفة لا تزید علی نصفه ای نصف المهر المثل لو الزوج غنیا و لا تنقص عن خمسة دراهم لو فقیرا و تعتبر المتعة بحالها کالنفقة به یفتی.

بے مہر نکاح اسی طرح جب نکاح کیا گیا اور اس میں مہر کا نام نہیں لیا گیا یا مہر کی نفی کی گئی تو اس صورت میں بھی مہر مثل واجب قرار پائے گا، یہ اس صورت میں ہے جب شوہر نے وطی کی ہو یا ان میاں بیوی میں سے کوئی مر گیا ہو، اور دونوں کسی مہر بننے کے لائق چیز کے مہر بنانے پر راضی نہ ہوئے ہوں، اور اگر دونوں کسی مہر بننے کے لائق چیز کے مہر بنانے پر راضی ہو گئے ہوں تو پھر وہی چیز مہر قرار پائے گی۔

مہر مثل کے وجوب کی صورت اسی طرح اگر کسی نے نکاح میں مہر کی جگہ شراب یا خنزیر کا نام لیا تو اس صورت میں بھی مہر مثل واجب ہوگا، کیونکہ شراب اور خنزیر مسلمان کے حق میں مال نہیں ہے، یا نکاح میں مہر کے لئے ایک برتن کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ یہ سرکہ مہر ہے، حالانکہ اس برتن میں شراب تھی، یا ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ غلام مہر ہے حالانکہ وہ آزاد شخص تھا تو ان صورتوں میں بھی مہر مثل واجب ہوگا۔ کیونکہ آزاد کا سپرد کرنا متعذر اور دشوار ہے اسی طرح شراب اور سور کا بھی۔

یا مہر میں جانور کا نام لیا یا کپڑے کا یا گھر کا، اور اس کی جنس بیان نہیں کی کہ جانور میں کون جانور، اور کپڑے میں کونسا کپڑا، اور کیسا گھر، تو ایسا مہر جہالت فاحشہ ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہے لہٰذا ان صورتوں میں مہر مثل واجب ہوگا۔

بلا مہر نکاح اور متعہ جس عورت کا نکاح بلا مہر کے ہوا ہو اور اس کو اس کے شوہر نے وطی سے پہلے طلاق دیدی ہو، تو اس کے لئے متعہ واجب ہوگا متعہ سے مراد تین کپڑے ہیں ایک قمیص دوسرے اوڑھنی، تیسرے چادر جو سر سے قدم تک ہو، لیکن ان تینوں کپڑوں کی قیمت مہر مثل کے نصف سے زیادہ نہ ہونی چاہئے، اگر شوہر مالدار ہے، اور اگر فقیر و غریب ہے تو ان تینوں کی قیمت پانچ درہم سے کم نہیں ہونی چاہئے، متعہ والے کپڑوں میں میاں بیوی دونوں کے حالات کا اعتبار ہوگا جیسے بیوی کا نفقہ دونوں کے حالات کے اعتبار سے طے ہوتا ہے اسی پر فتویٰ دیا گیا ہے (بحر الرائق میں ہے کہ اگر دونوں محتاج ہیں تو متوسط سوتی کپڑے دیئے جائیں گے اور اگر دونوں مالدار ہیں تو متوسط ریشمی کپڑے دیئے جائیں اور اگر ایک مالدار اور دوسرا محتاج ہے تو متوسط کپڑا دیا جائے گا)

و تستحب المتعة لمن سواها ای المفوضة الا من سمی لها مهر او طلقت قبل وطی فلا تستحب لها بل للموطوة سمی لها مهرا و لا فالمطلقات اربع و مافرض بتراضیهما او بفرض قاض مهر المثل بعد العقد الخالی عن المهر او زید علی ما سمی فانها تلزمه

بشرط قبولها فی المجلس او قبول و لی الصغیرة و معرفة قدرها و بقاء الزوجیة علی الظاهر نهر و فی الکافی جدد النکاح بزیادة الف لزمه الالفان علی الظاهر نهر لو وهبته مهرها ثم اقر بکذا من المهر و قبلت صح و یحمل علی الزیادة و فی البزازیة الا شبه انه لا یصح بلا قصد الزیادة.

متعہ کا استحباب مفوضہ کے علاوہ جن عورتوں کا مہر مقرر ہو، ان کو متعہ کے تینوں کپڑے دینے مستحب ہیں، لیکن جس کا مہر مقرر تھا اور اس کو وطی سے پہلے طلاق دی گئی ہے تو اس کے واسطے متعہ مستحب نہیں ہے پس متعہ اس عورت کے واسطے مستحب ہے جس کا مہر مقرر ہو یا نہ ہو لیکن اس کو وطی کے بعد طلاق دی گئی ہو اس طرح مطلقہ چار قسم کی ہوئیں۔

(۱) ایک وہ عورت جس کے ساتھ وطی نہ ہوئی ہو اور نہ اس کا مہر مقرر ہوا ہو اور طلاق دیدی گئی ہو، اس کو متعہ کے تینوں کپڑے دینے واجب ہیں۔

(۲) دوسری وہ عورت مطلقہ جس کا مہر متعین تھا اور قبل وطی طلاق دیدی گئی ہو اس کو متعہ دینا مستحب نہیں ہے۔

(۳) تیسری وہ مطلقہ عورت ہے جس کے ساتھ وطی ہو چکی ہو اور مہر معین نہ ہو۔

(۴) چوتھی وہ مطلقہ (طلاق دی ہوئی عورت) جس کے ساتھ وطی کی گئی ہو اور اس کا مہر معین رہا ہو تو ان اخیر والی دونوں کو متعہ دینا مستحب ہے۔

مہر قضائے قاضی سے جو مہر میاں بیوی کی رضامندی سے مقرر ہوا، یا ایسے نکاح میں جو مہر سے خالی تھا بعد میں قاضی کے فیصلہ سے مہر مثل طے ہوا۔ یا مہر متعین پر کچھ بڑھایا گیا، عورت کے مجلس میں قبول کرنے سے وہ زیادتی لازم ہو جاتی ہے اور اگر لڑکی نابالغ تھی اور اس کے ولی نے قبول کیا تو بھی لازم ہے، جب کہ وہ زیادتی کی مقدار جانتا ہو اور یہ کہ رشتہ نکاح باقی ہے (لہٰذا اگر شوہر اجمالی طور پر کہے کہ مہر زیادہ کر دیا اور مقدار نہ بیان کرے یا طلاق بائن کے بعد مہر میں اضافہ کیا تو یہ صورتیں جائز نہیں ہیں)

کافی نامی کتاب میں ہے کہ شوہر نے ایک ہزار کے اضافہ کے ساتھ نکاح کی تجدید کی تو ظاہر قول کی بناء پر اس پر دو ہزار لازم ہوں گے (ایک ہزار پہلے نکاح کا اور ایک ہزار دوسرے نکاح کا) اور خانیہ میں ہے کہ اگر بیوی نے شوہر کو مہر ہبہ کر دیا پھر شوہر نے اتنے ہی مہر کا اقرار کیا اور عورت نے اسے قبول کر لیا تو یہ صحیح ہے اور یہ مہر کے زیادہ کر دینے پر محمول ہوگا، اور بزازیہ میں ہے کہ حق کے زیادہ مشابہ یہ ہے کہ بغیر زیادتی کے قصد کا اقرار درست نہیں ہے۔

لا ینصف لاختصاص التنصیف بالمفروض فی العقد بالنص بل تجب المتعة فی الاول و نصف الاصل فی الثانی وصح حطها لکله او بعضه عنه قبل اولا ویرتد بالرد کما فی البحر والخلوة مبتدأ خبره قوله الآتی کالوطی بلا مانع حسی کمرض لاحدهما یمنع الوطی. وطبعی کوجود ثالث عاقل ذکره ابن الکمال وجعله فی الاسرار من الحسی و

علیہ فلیس للطبعی مثال مستقل و شرعی کاحرام لفرض او نفل.

بعد عقد مہر کا تعین یا اس میں اضافہ جو مہر بعد عقد طے ہوا ہے یا بعد میں مہر متعین پر زیادہ ہوا ہے اس کی تنصیف نہیں ہوگی، اگر وطی سے پہلے طلاق ہو گئی ہے، اس لئے کہ تنصیف اس مہر کے لئے خاص ہے جو بوقت عقد طے پایا ہو کیونکہ ارشاد ربانی ہے یَنصفُ مَا فَرَضْتُمْ تم نے جو مقرر کر رکھا ہے اس کا آدھا یعنی بوقت عقد، بعد کا اضافہ مراد نہیں ہے۔

مہر کا معاف کرنا عورت کے لئے کل مہر یا مہر کے بعض حصہ کا معاف کر دینا درست ہے، شوہر اسے قبول کرے یا نہ کرے دونوں صورتوں میں البتہ اگر شوہر بیوی کی طرف سے مہر کی معافی کو رد کر دے کہ میں اسے تسلیم نہیں کرتا تو اس سے رد ہو جائے گا اور معاف نہیں ہوگا، (یہ شرط ضرور ہے کہ عورت کا یہ معاف کرنا اس کے مرض الوفات میں نہ ہو)

خلوت صحیحہ بحکم وطی خلوت صحیحہ وطی کے مانند ہے، جب کہ کوئی حسی شرعی اور طبعی مانع نہ ہو، حسی مانع وہ ہے جو حواس سے معلوم ہو، جیسے میاں بیوی کا اس طرح بیمار ہونا جو وطی کے لئے مانع ہو، اور مانع طبعی یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اس وقت کوئی تیسرا عاقل شخص موجود ہو، ابن کمال نے اسی طرح اسے ذکر کیا ہے، اور اسرار نامی کتاب میں تیسرے عاقل شخص کے ہونے کو مانع حسی میں شمار کیا ہے، اس تقدیر پر مانع طبعی کی کوئی مستقل مثال نہیں ہو سکی، مانع شرعی جیسے حج فرض یا حج نفل کا احرام ہونا۔

و من الحسی رتق بفتحتین التلاعم و قرن بالسکون عظم و عقل بفتحتین غدة صغر و لو بزوج لا یطاق معه الجماع و بلا وجود ثالث معهما و لونائما او اعمی الا ان یکون الثالث صغیر الا یعقل و بان لا یعبر عما یکون بینهما او مجنونا او مغمی علیه لکن فی البزازیة ان فی اللیل صحت لا فی النهار و کذا الاعمی فی الاصح او جاریة احدهما فلا تمنع به یفتی مبتغی والکلب یمنع ان کان عقوراً مطلقاً و فی الفتح و عندی انه کلبه لایمنع مطلقا او کان للزوجة و الا یکن عقوراً کان له لایمنع و بقی عدم صلاحیة المکان کمسجد و طریق و حمام و صحراء و سطح و بیت بابه مفتوح و ما اذا لم یعرفها.

مانع حسی مانع حسی میں رتق ہے یعنی شرمگاہ کا اس طرح بند ہو جانا کہ اس میں مرد کا عضو خاص کا داخل کرنا ممکن نہ ہو، اور اسی طرح مانع حسی میں سے قَرن ہے، یعنی شرمگاہ میں ایسی ہڈی کا پایا جانا جو دخول کے لئے مانع ہو، اور مانع حسی میں غفل بھی ہے یعنی عورت کی شرمگاہ میں غدہ ہونا اور مانع حسی سے ہی شوہر کا نابالغ ہونا ہے کہ شوہر اس عمر کا ہو جو جماع کی قدرت نہ رکھتا ہو۔

خلوت کی مزید شرط جو خلوت وطی کے مانند ہے اس میں شرط یہ بھی ہے کہ کوئی تیسرا شخص میاں بیوی کے ساتھ نہ ہو، خواہ وہ تیسرا سوتا ہو یا اندھا ہی کیوں نہ ہو، لیکن اگر وہ تیسرا نابالغ بچہ ہے جو ان میاں بیوی

کے درمیان ہونے والی چیز کو بیان کرنے پر قادر نہ ہو، یا وہ تیسرا پاگل یا بے ہوش ہو تو مانع خلوت نہیں ہے لیکن بزازیہ میں ہے کہ اگر خلوت رات میں ہو اور دیوانہ یا مدہوش پاس ہو تو خلوت صحیح ہے لیکن دن میں ان کے رہتے ہوئے خلوت صحیح نہیں ہے اور یہی حکم اندھے کا ہے، یا تیسرا شخص لونڈی ہو ان دونوں میاں بیوی میں سے کسی کی بھی ملکیت ہو تو یہ مانع خلوت نہیں فتویٰ اسی پر ہے۔

لیکن بعض علماء نے لونڈی کی موجودگی کو مانع قرار دیا ہے اور اسی کو درایت وروایت کے موافق قرار دیا ہے کہ لونڈی کے رہتے ہوئے بیوی جماع پر تیار نہیں ہوتی، اور امام صاحب اور صاحبین کا قول اسی کو قرار دیا ہے واللہ اعلم

کاٹ کھانے والا کتا

کاٹ کھانے والے کتے کا ہونا مانع خلوت ہے، خواہ وہ کتا شوہر کا ہو یا بیوی کا، رات ہو یا دن، اور فتح القدیر میں ہے کہ میرے نزدیک شوہر کا کتا مطلقاً مانع خلوت نہیں ہے، کاٹ کھانے والا ہو یا نہ ہو، اس واسطے کہ مالک کو نہیں کاٹتا، ہاں عورت کا کتا ہو تو وہ مانع خلوت ہوگا، لیکن اگر کتا کاٹ کھانے والا نہیں ہے یا کاٹنے والا ہو مگر شوہر کا ہو تو ایسا کتا خلوت کے لئے مانع نہیں ہے۔

خلوت کی جگہ کا مناسب ہونا

مانع حسی میں باقی ایک صورت رہ گئی کہ وہ جگہ وطی کے لائق نہ ہو، جیسے مسجد، راستہ، بیابان، چھت بلا پردہ یا کوٹھری جس کا دروازہ کھلا ہوا ہو، اس لئے کہ یہ جگہیں مامون نہیں ہوتی ہیں آنے والے آتے رہتے ہیں اور جب کہ شوہر بیوی کو پہچانتا نہ ہو، یہ بھی مانع خلوت ہے۔

وصوم التطوع والمنذور و الكفارات والقضاء غير مانع لصحتها في الاصح اذ لا كفارة بالافساد و مفاده انه لو اكل ناسيا فامسك فخلا بها ان تصح و كذا كل ما اسقط الكفارة نهر بل المانع صوم رمضان اداءً و صلوة الفرض فقط كالوطئ فيما يجيئ و لو كان الزوج مجبوبا او عنينا او خصياً او خنثیٰ ان ظهر حاله والا فنكاحه موقوف و ما في البحر والاشباه ليس على ظاهره كما بسطه في النهر و فيه عن شرح الوهبانية أن العنة قد تكون لمرض او ضعف خلقة او كبر سن في ثبوت النسب و لو من المجبوب و في تاكد المهر المسمى و مهر المثل بلا تسمية و النفقة والسكنى.

روزے جو خلوت کے لئے مانع بنتے ہیں اور جو نہیں بنتے

نفلی روزہ، نذر کا روزہ، اور کفارات اور قضا خلوت صحیحہ کے لئے مانع نہیں ہیں قول اصح یہی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان روزوں کے توڑنے میں کفارہ نہیں ہے اور اس کا مفاد یہ ہے کہ اگر ایسے روزہ دار نے بھول کر کھالیا، پھر اس کے بعد دن بھر کھایا پیا نہیں، پھر عورت سے خلوت کی تو یہ خلوت صحیح ہوگی، اس وجہ سے کہ اس میں کفارہ نہیں، اسی طرح جو روزہ بھی کفارہ کو ساقط کرے وہ مانع خلوت نہیں ہے۔

خلوت صحیحہ کے لئے مانع صرف ادائے رمضان کا روزہ ہے اور فرض نماز ہے، اوپر خلوت صحیحہ کے جو موانع (روکنے والے) مذکور ہوئے اگر ان میں سے کوئی مانع نہ ہو تو چند احکام میں خلوت وطی کی طرح ہے، جس کی تفصیل آئندہ آرہی ہے،

اگرچہ شوہر نامرد ہو یا خصی ہو یا خنثیٰ بشرطیکہ خلوت سے پہلے خنثیٰ کا حال معلوم ہو گیا ہو، یعنی اس کا مرد ہونا ثابت ہو گیا ہو، تب اس کی خلوت وطی کے مانند ہو گی، اور اگر یہ معلوم نہ ہوا ہو کہ خنثیٰ مرد ہے یا عورت، تو اس کا نکاح موقوف رہے گا، جب تک حال ظاہر نہ ہو جائے ایسے خنثیٰ کی خلوت وطی کے مانند نہیں ہو گی، خنثیٰ کا جو مسئلہ بحر الرائق اور اشباہ میں ہے وہ اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے اس کی تفصیل نہر الفائق میں ہے۔

خلوت بحکم وطی ثبوت نسبت اور تکمیل مہر میں

اور نہر الفائق میں شرح وہبانیہ سے منقول ہے کہ نامردی کبھی بیماری یا پیدائشی کمزوری یا درازی عمر سے بھی ہوتی ہے خلوت صحیحہ وطی کے حکم میں نسب کے ثابت ہونے میں بھی ہے، اگرچہ خلوت **مقطوع الذکر والخصیتین** سے ہو، اور اسی طرح خلوت صحیحہ مہر متعین کے موکد کرنے میں بھی وطی کے مانند ہے، اور جب نکاح بلا مہر ہو تو مہر مثل کے واجب ہونے میں یعنی جس طرح وطی کرنے سے مہر متعین پورا لازم ہو جاتا ہے اور جب بلا مہر نکاح ہو تو مہر مثل لازم ہو جاتا ہے اسی طرح یہ لزوم خلوت صحیحہ سے بھی ہو جاتا ہے، اور نفقہ اور سکنی کے لازم ہونے میں بھی خلوت وطی کے مانند ہے، یعنی خلوت کے بعد طلاق دے گا تو شوہر پر عدت کا نفقہ اور سکنی واجب ہو گا۔

والعدة و حرمة نكاح اختها و اربع سواها فی عدتها و حرمة نكاح الامة و مراعات وقت الطلاق فی حقها و كذا فی وقوع طلاق بائن آخر علی المختار لا تكون كالوطی فی حق بقية الاحكام فالغسل.

خلوت سے عدّت وغیرہ کا وجوب

جس طرح وطی سے عدت واجب ہوتی ہے خلوت صحیحہ سے بھی عدت واجب ہوتی ہے، اسی طرح بیوی کی بہن اور اس کے سوا چار عورتوں سے نکاح کے حرام ہونے میں بھی خلوت وطی کی طرح ہے، یعنی نکاح کیا پھر بیوی سے خلوت صحیحہ ہوئی، پھر طلاق دی تو اس مطلقہ کی عدت میں نہ اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے کہ وہ حرام ہے، اسی طرح اس کے سوا چار عورتوں سے اس کی عدت میں نکاح کرنا حرام ہے۔

اسی طرح جب آزاد عورت کو بعد نکاح خلوت کر کے طلاق دی ہے تو اس کی عدت میں لونڈی سے نکاح کرنا حرام ہے۔
جس طرح وطی کے بعد طلاق دینے سے عدت میں خود اس سے نکاح کرنا حرام ہے۔

خلوت سے احکام پر اثر

بعد خلوت صحیحہ بھی طلاق کے وقت کی رعایت عورت کے حق میں رکھنی چاہئے یعنی جس طرح بعد وطی طلاق کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ زمانہ طہر میں طلاق دے اسی طرح خلوت صحیحہ کے بعد بھی زمانہ طہر میں طلاق دینی چاہئے، اسی طرح خلوت صحیحہ مثل وطی دوسری طلاق بائن پڑنے میں بھی ہے، قول مختار یہی ہے، یعنی خلوت کے بعد ایک طلاق دی، پھر عدت کے اندر دوسری طلاق بائن دی تو یہ دوسری طلاق بھی واقع ہو گی اور اس طرح پہلی طلاق بھی گو وہ صریح تھی بائن کے حکم میں ہو جائے گی۔

بقیہ احکام میں خلوت صحیحہ وطی کے مانند نہیں ہے جیسے غسل، کہ وطی سے میاں بیوی پر غسل واجب ہوتا ہے مگر صرف خلوت صحیحہ سے دونوں پر یا کسی پر غسل واجب نہیں ہوتا ہے۔

جہاں خلوت بحکم وطی نہیں

احصان (شادی شدہ ہونے) کے ثبوت میں خلوت وطی کے مانند نہیں ہے یعنی وطی سے احصان (شادی شدہ ہونا) ثابت ہوتا ہے، لیکن صرف خلوت سے نہیں ثابت ہوتا ہے، محصن (شادی شدہ) زنا کرے تو وہ سنگسار کیا جائے گا، لیکن صرف خلوت ہوئی اور وطی نہیں ہوئی ہے تو زنا کرنے سے وہ سنگسار نہیں ہوگا۔

وحرمة البنات وحلها للاول والرجعة والميراث و تزويجها كالابكار على المختار وغير ذلك كما نظمه صاحب النهر و خلوة الزوج مثل الوطى فى صور وغيره بهذا العقد تحصيل: تكميل مهر و اعداد كذا نسب ، انفاق سكنى و منع الاخت مقبول و اربع و كذا قالوا الاماء و لقد، راعوا زمان فراق فيه ترحيل، و اوقعوا فيه تطليقا اذا لحقا، و قيل لا والصواب الاول القيل، اما المعابر فالاحصان يا املے ، و رجعة و كذا التوريث معقول سقوط وطى و احلال لها و كذا تحريم بنت نكاح البكر مبذول كذلك الفى والتكفير ما فسدت عبادة و كذا بالغسل تكميل.

بیٹیوں کی حرمت میں بھی خلوت وطی کے مانند نہیں ہے یعنی مرد جس عورت سے وطی کرے گا اس عورت کی بیٹی مرد پر حرام ہوگی، لیکن مرد جس عورت کے ساتھ خلوت بلا وطی کرے گا اس کی بیٹی مرد پر حرام نہیں ہوگی۔

عورت کے پہلے شوہر کے لئے حلال ہونے میں خلوت وطی کے مانند نہیں ہے، یعنی جس عورت کو شوہر اول نے تین طلاق دی، اس نے دوسرے مرد سے بعد عدت شادی کی، اور اس دوسرے شوہر نے بھی وطی کرنے کے بعد طلاق دیدے یا مر گیا تو اس سے پہلے شوہر کے لئے نکاح جائز ہوگا، لیکن اگر دوسرے شوہر نے صرف خلوت کی تھی اور وطی نہیں کی تھی، تو اس کے مرنے یا طلاق دینے سے عورت پہلے شوہر کے لئے جائز نہیں ہوگی۔

خلوت اور مسئلہ رجعت

رجعت میں بھی خلوت وطی کے حکم نہیں ہے یعنی وطی کرنے کے بعد طلاق دینے میں رجعت کرنا درست ہے لیکن خلوت کے بعد طلاق دینے میں رجعت درست نہیں ہے، اس لئے کہ صرف خلوت کے بعد جو طلاق ہوتی ہے وہ رجعی نہیں ہوتی، بلکہ بائن ہو جاتی ہے کیونکہ غیر مدخولہ کو طلاق ہوتی ہے۔

خلوت اور مسئلہ میراث

میراث کے حق میں بھی خلوت وطی کے مانند نہیں ہے، یعنی اگر وطی کے بعد طلاق ہوئی اور عدت میں شوہر مر گیا، تو عورت وارث قرار پائے گی، لیکن اگر خلوت کے بعد طلاق ہوئی اور عدت میں شوہر وفات پا گیا تو عورت وارث نہیں ہوگی۔

جس عورت کے ساتھ صرف خلوت صحیحہ ہوئی وطی نہیں ہوئی اسکی شادی باکرہ عورتوں کے مثل ہے قول مختار یہی ہے یعنی جب باکرہ عورت کو اسکے شوہر نے خلوت کے بعد طلاق دیدی تو اس کا نکاح ثانی باکرہ عورتوں کی طرح ہوگا اور ان کے علاوہ دوسرے احکام میں جن میں خلوت وطی کے مانند نہیں ہے نہر الفائق میں اس کو صاحب نہر نے نظم کر دیا ہے، ترجمہ یہ ہے۔

مسائل جن میں خلوت وطی کے حکم میں ہے۔

شوہر کا بیوی کے ساتھ خلوت کرنا چند صورتوں میں وطی کی طرح ہے اور چند صورتوں میں وطی کے مغائر ہے، اور اس نظم سے جو موتیوں کی لڑی ہے خلوت کے احکام حاصل ہوتے ہیں، خلوت وطی کے حکم میں ہے تکمیل مہر میں وجوب عدت میں، ثبوت نسب میں، نفقہ دینے میں، سکنی میں، اور اس کی بہن کے ساتھ نکاح حرام ہونے میں، یہ قول علماء کے نزدیک مقبول ہے مردود نہیں، اور چار عورتوں کے ساتھ اس کی عدت میں نکاح حرام ہونے میں، اسی طرح علماء نے لونڈیوں کے متعلق کہا ہے، اور طلاق دینے میں طہر کی رعایت کے اندر۔

اور علماء نے طلاق کے بعد دوسری طلاق واقع کی ہے جب کہ وہ پہلی طلاق سے لاحق ہو اور بعضوں نے کہا کہ وہ دوسری طلاق واقع نہیں ہوتی ہے لیکن ان میں درست پہلا قول ہے کہ طلاق واقع ہوتی ہے۔

مسائل جن میں خلوت وطی کے حکم میں نہیں

لیکن وہ احکام جن میں خلوت وطی کے حکم میں نہیں ہے بلکہ مغائر ہے پہلا ان میں احصان ہے اور پھر رجعت ہے اور اسی طرح وراثت بھی ہے اور ایک دفعہ شوہر کے وطی کرنے کے بعد وطی کے مطالبہ کا ساقط ہونا کیونکہ فقط خلوت ہوئی ہے تو وطی کے مطالبہ کا حق باقی رہتا ہے اور بیوی کا حلال کرنا یعنی اگر خلوت کے بعد طلاق دی، تو دوسرے شوہر کے صرف خلوت سے یہ پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی، اور اس کے وطی کرنے سے حلال ہو جائے گی اور اسی طرح بیٹی کا حلال ہونا یعنی اگر بیوی سے صرف خلوت ہوئی اور اسے چھوا وغیرہ نہیں اور طلاق دیدی تو اس عورت کی لڑکی شوہر پر حرام نہیں ہوگی، بخلاف وطی کے کہ اس سے حرام ہو جاتی ہے اور جس عورت سے صرف خلوت ہوئی وطی نہیں ہوئی ہے، نکاح ثانی میں وہ باکرہ کے حکم میں ہے اسی طرح ایلاء سے رجوع کرنا یعنی شوہر نے قسم کھائی کہ وہ چار ماہ تک بیوی سے وطی نہیں کریگا اور قسم پوری کر دی، تو بیوی مطلقہ بائنہ ہو جائے گی، اور اگر اس مدت میں وطی کر لی تو وہ رجعت کے حکم میں ہوگا خلوت کا یہ حکم نہیں ہے۔ اسی طرح روزہ دار پر خلوت سے کفارہ واجب نہیں ہوتا ہے اور وطی سے کفارہ واجب ہوتا ہے، اسی طرح بیوی کے ساتھ صرف خلوت سے نہ حج فاسد ہوتا ہے نہ روزہ، اور نہ اعتکاف، بخلاف وطی کے کہ اس سے یہ سب فاسد ہو جاتے ہیں اسی طرح خلوت سے غسل واجب نہیں ہوتا لیکن وطی سے واجب ہوتا ہے، اتنے مسائل ہیں جن میں خلوت وطی کے مانند نہیں ہے۔

و لو افترقا فقالت بعد الدخول و قال الزوج قبل الدخول فالقول لها لانكارها سقوط نصف المهر و ان انكر الوطی و لو لم تمكنه فی الخلوة فان بكرا صحت والا لا لان البكر انها توطاء كرها كما بحثه الطرسوسی و اقره المصنف.

میاں بیوی میں اختلاف کی صورت

اگر میاں بیوی میں جدائی ہوگئی اس کے بعد بیوی نے کہا کہ دخول کے بعد مجھے شوہر نے طلاق دی ہے اور شوہر نے کہا کہ دخول سے پہلے طلاق دی ہے تو اس صورت میں بیوی کی بات مانی جائے گی اس لئے کہ عورت آدھے مہر کے ساقط ہونے کی گویا منکر ہے، لہٰذا حلف کے ساتھ اسی کا قول مانا جائے گا اور پورا مہر پائے گی اور اگر عورت وطی کا انکار کرے اور شوہر اقرار تو اس صورت میں بھی عورت کا ہی قول مانا جائے گا۔

خلوت صحیحہ عورت نے خلوت میں شوہر کو اپنے اوپر جماع کی قدرت نہیں دی، تو دیکھا جائے گا کہ اگر عورت اس کے بعد بھی باکرہ ہی ہے تو خلوت صحیحہ ہوگی، اور اگر اس کی بکارت نہیں ہے زائل ہو چکی ہے، تو خلوت صحیحہ نہیں ہوگی، اس لئے کہ باکرہ کے ساتھ وطی دباؤ سے ہوتا ہے، طرطوسی نے یہی تفصیل کی ہے اور مصنف نے اسی کو برقرار رکھا ہے۔

و لو قال ان خلوت بك فانت طالق فخلا بها طلقت بائنا لوجود الشرط و وجب نصف المهر و لا عدة عليها بزازية و تجب العدة فى الكل اى كل انواع الخلوة و لو فاسدة احتياطاً اى استحساناً لتوهم الشغل و قيل قائله القدورى و اختاره التمرتاشى و قاضى خان ان كان المانع شرعيا كصوم تجب العدة و ان كان حسيا كصغر و مرض مدنف لا تجب والمذهب الاول لانه نص محمد قاله المصنف و فى المجتبى الموت ايضا كالوطى فى حق العدة والمهر فقط حتى لو ماتت الام قبل دخوله بها حلت بنتها.

شوہر نے بیوی سے کہا اگر میں تیرے ساتھ خلوت کروں تو تجھ کو طلاق ہے پھر اس نے اس کے ساتھ خلوت کی، تو اس کی بیوی پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی کیونکہ شرط پائی گئی، اور شوہر پر نصف مہر واجب ہوگا لیکن اس پر عدت نہیں ہوگی کذا فی البزازیہ، جب عدت نہیں ہوئی تو نفقہ، سکنی اور لباس بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ سب عدت سے متعلق ہیں۔

خلوت کی تمام قسموں میں احتیاطاً عدت واجب ہوتی ہے خواہ خلوت فاسدہ ہی کیوں نہ ہو، یعنی استحسان کا تقاضا ہے کیونکہ اس کا وہم پایا جاتا ہے کہ عورت کا رحم مرد کے نطفہ کے ساتھ مشغول ہو گیا ہو۔

معلوم خلوت صحیحہ اور فاسدہ دونوں میں عدت واجب ہے، اور کہا گیا ہے کہ اس قول کا قائل قدوری ہے تمرتاشی اور قاضی نے بھی اس کو پسند کیا ہے کہ اگر خلوت صحیحہ کا مانع شرعی ہے جیسے روزہ تو عدت واجب ہوگی اور اگر خلوت کا مانع حقیقی ہے جیسے کم سن ہونا، یا دائمی بیماری جس نے قوت بالکل زائل کر دی ہے تو عدت واجب نہیں ہوگی، مذہب مختار اول قول ہے یعنی ہر صورت میں عدت واجب ہے خلوت صحیح ہو یا نہ ہو۔

مجتبیٰ میں ہے کہ موت بھی مہر اور عدت کے حق میں وطی کے مانند ہے حتی کہ اگر ماں دخول سے پہلے مر گئی تو ماں کے شوہر پر اس کی بیٹی حلال ہوگی۔

قبضت الف المهر فوهبته له و طلقت قبل وطى رجع عليها بنصفه لعدم تعيين النقود فى العقود و ان لم تقبضه او قبضت نصفه فوهبته الكل فى الصورة الاولىٰ او ما بقى وهو النصف فى الثانية او وهبت عرض المهر كثوب معين او فى الذمة قبل القبض او بعده لا رجوع لحصول المقصود.

مسئلہ مہر اور قبل وطی طلاق بیوی نے مہر کے ہزار درہم پر قبضہ کیا۔ پھر اس نے وہ ہزار اپنے شوہر کو ہبہ کر دیا، لیکن ابھی وطی نہیں ہوئی تھی کہ اس کے شوہر نے قبل وطی اسے طلاق دیدی، تو اس

صورت میں شوہر اپنی اس بیوی سے ہزار کا آدھا پانچ سو واپس لے گا، باقی بیوی نے جو شوہر کو ہزار ہبہ کیا تھا اس کا اس میں اعتبار نہ ہوگا۔ اس لئے کہ وہ اسکا فعل تھا، اس نے تو پورا پالیا تھا لہٰذا وہ آدھا واپس کرے گی، اور نقدی معاملات میں تعین نہیں ہوتا ہے کہ کہا جائے جو ہزار دیا تھا بعینہٖ وہی اس نے شوہر کو دیدیا تھا۔

اور اگر بیوی نے مہر پر قبضہ نہیں کیا یا قبضہ کیا تو نصف پر، پھر نہ قبضہ کرنے کی صورت میں کل شوہر کو ہبہ کر دیا یا نصف پر قبضہ کرنے کی صورت میں اسی نصف کو ہبہ کر دیا، یا مہر نقد کے بجائے جنس کی صورت میں تھا، اور بیوی نے شوہر کو وہ جنس ہبہ کر دی جیسے کوئی معین کپڑا تھا یا وہ کپڑا تھا جو کسی کے ذمہ بصورت دین (قرض) تھا، بیوی نے اسی کو ہبہ کر دیا۔ خواہ اس جنس پر قبضہ کرنے کے بعد ہبہ کیا، یا قبضہ کرنے سے پہلے، پھر اس عورت کو طلاق ہو گئی اور وطی سے پہلے ہو گئی، تو ان صورتوں میں سے کسی صورت میں شوہر بیوی سے وہ رقم واپس نہیں لے گا، اس لئے کہ شوہر کا جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا یعنی اس کو اس کا حق مل گیا۔

نكحها بالف على ان لا يخرجها من البلد او لا يتزوج عليها او نكحها على الف ان اقام بها و على الفين ان اخرجها فان وفى بما شرطهٔ فى الصورة الاولىٰ و اقام بها فى الثانية فلها الالف لرضاها بها فههنا صورتان الاولى تسمية المهر مع ذكر شرط ينفعها والثانية تسمية المهر على تقدير و غيره على تقدير والا يوف و لم يقم فمهر المثل لعقد رضاها بفوات النفع ولكن لا يزاد المهر فى المسئلة الاخيرة على الفين ولا ينقص عن الف لاتفاقهما على ذلك.

مہر کی کمی زیادتی مشروط

ایک شخص نے کسی عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ وہ اسے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا، یا اس شرط پر کہ اس کے رہتے ہوئے وہ دوسری عورت سے شادی نہیں کرے گا۔ یا اس شرط پر نکاح کیا کہ اس نے عورت کے شہر میں عورت کو رکھا تو ایک ہزار مہر اور اگر باہر لے گیا تو دو ہزار مہر، لہٰذا اگر اس نے جو شرط کی تھی وہ پوری کی، یعنی ہزار والی شرط میں شہر میں رکھا یا دوسرا نکاح نہیں کیا یا دوسری صورت میں عورت کے شہر میں مقیم رہا تو اس صورت میں عورت کو ہزار درہم ملیں گے، کیونکہ عورت مہر معین پر راضی تھی۔ یہاں دو صورتیں ہیں ایک مہر کا معین ہونا ایسی شرط کے ساتھ جو عورت کے لئے فائدہ بخش ہے اور دوسری صورت یہ کہ مہر ایک صورت میں کم (ایک ہزار) مقرر کیا اور دوسری صورت میں زیادہ یعنی دو ہزار۔

مہر مثل کا وجوب

اور اگر پہلی صورت میں شرط اس نے پوری نہیں کی اور دوسری صورت میں شہر میں مقیم نہیں رہا تو شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا کیونکہ عورت نفع کے ختم ہو جانے کے بعد اس پر راضی نہیں تھی، لیکن دوسری صورت میں مہر مثل دو ہزار سے زیادہ نہیں ہوگا اور نہ ایک ہزار سے کم ہوگا، اس لئے کہ میاں بیوی دونوں اس پر راضی تھے، جب کہا گیا تھا کہ اگر شہر کے باہر لے جائے گا تو مہر دو ہزار ہوگا بیوی نے رضامندی کا اظہار کیا تھا، تو اب دو ہزار سے زیادہ کیسے ملے گا۔ اب اگر پانچ ہزار مہر مثل تھا تو بھی دو ہی ہزار ملیں گے اور اگر مہر مثل پانچ سو تھا تو ایک ہزار سے کم نہیں، ...

جائیں گے، اس لئے کہ اس پر مرد راضی ہو چکا تھا کہ شہر میں رہنے کی صورت میں ہزار اور نکلنے پر دو ہزار۔ تو اب نکلنے کی صورت میں ایک ہزار سے کم کیسے مہرِ مثل ہو گا۔

و لو طلقها قبل الدخول تنصف المسمىٰ فى المسئلتين لسقوط الشرط قالا الشرطان صحيحان بخلاف ما اذا تزوجها على الف ان كانت قبيحة و على الفين ان كانت جميلة فانه يصح الشرطان اتفاقاً فى الاصح لقلة الجهالة بخلاف ما لوردد فى المهر بين القلة و الكثرة للثبوبة والبكارة فانها ان ثيبا لزمه الاقل والا فمهر المثل لا يزاد على الاكثر و لا ينقص عن الاقل فتح و لو شرط البكارة فوجدها ثيبا لزمه الكل درر و رجحه فى البزازية و لو تزوجها على هذا العبد او على هذا الالف او الالفين او علىٰ هذ العبد او علىٰ هذا العبد او على احد هذين و احدهما او كس حكم القاضى مهر المثل فان مثل الارفع وفوقه فلها الارفع و ان مثل الاوكس او دونه فلها الاوكس والا فمهر المثل.

اور اگر شوہر نے بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دی ہے تو دونوں مسئلوں میں آدھا مہر معین دیا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ دخول سے پہلے طلاق دینے میں شرطیں ساقط ہو گئیں اور صاحبین نے کہا کہ دونوں شرطیں صحیح ہیں لہٰذا اگر شہر میں رکھا ہے تو عورت کو ایک ہزار ملے گا اور اگر شہر سے باہر رکھا ہے تو دو ہزار ملے گا۔

خوبصورتی و بدصورتی کے معیار پر مہر

اگر کسی نے اس شرط پر نکاح کیا کہ اگر عورت بد صورت ہے تو مہر ایک ہزار، اور اگر حسین و جمیل ہے تو مہر دو ہزار، تو یہ دونوں شرطیں درست ہیں، امام صاحب کے نزدیک بھی صاحبین کے نزدیک بھی قول اصح یہی ہے، کیونکہ خوبصورتی بد صورتی میں زیادہ جہالت نہیں ہوتی، بڑی آسانی سے یہ فیصلہ ہو سکتا ہے۔

ثیبہ اور باکرہ ہونے پر مہر

اگر مہر کے کم اور زیادہ ہونے کو کسی شرط پر موقوف کیا جیسے ثیبہ اور باکرہ ہونے مثلاً کہا کہ ثیبہ ہوئی تو مہر ایک ہزار اور باکرہ ہوئی تو دو ہزار، لہٰذا اگر وہ ثیبہ ثابت ہوئی تو ایک ہزار مہر قرار پائے گا جو کمتر ہے اور باکرہ ہو گی تو مہر مثل لازم ہو گا جو دو ہزار سے زیادہ نہ ہو گا اور نہ وہ ایک ہزار سے کم ہو گا کذا فی الفتح، اور اگر باکرہ ہونے کی شرط تھی اور پائی گئی وہ ثیبہ تو کل مہر لازم ہو گا۔ اس لئے کہ مہر بیوی سے لذت اندوز ہونے کے لئے مشروع ہے نہ کہ بکارت کے لئے البتہ یہ شرط فاسد ٹھہری، چونکہ شرط فاسد سے نکاح نہیں فاسد ہوتا بلکہ خود شرط باطل قرار پاتی ہے۔

مہر دو مختلف چیزوں کا نام

اور اگر مہر میں دو چیز مختلف قیمت والی کا نام لیا خواہ وہ ایک جنس کی ہوں خواہ مختلف جنس کی، جیسے اس غلام پر نکاح کیا یا اس ہزار درہم پر یا دو ہزار پر، یا نکاح کیا اس غلام پر یا اس غلام پر یا یوں کہا کہ ان دو میں سے کسی پر، اور ان دو چیزوں میں سے ایک کی قیمت کم ہے اور دوسرے کی زیادہ، تو اس صورت میں قاضی مہر مثل کا فیصلہ کرے گا۔ لہٰذا اگر مہر مثل زیادہ قیمت والی کے برابر یا اس سے بھی زیادہ ہو تو عورت کو زیادہ قیمت والی چیز ملے

گی اور اگر مہر مثل کم قیمت والی کے برابر ہے یا اس سے بھی کم تو عورت کو کم قیمت والی چیز ملے گی، اور اگر مہر مثل بیش قیمت والی سے کم ہو اور کم قیمت والی سے زیادہ تو عورت کو مہر مثل ملے گا۔

وَ فی الطلاق قبل الدخول تحکم متعة المثل لانها الاصل حق لو کان نصف الاوکس اقل من المتعة وجبت المتعة فتح و لو تزوجها علی فرس او عبد او ثوب هروی او فراش بیت او عدد معلوم من نحو ابل فالواجب فی کل جنس له وسط الوسط او قیمته و کل مالم یجز السلم فیه فالخیار للزوج والا فللمرأة.

دخول سے پہلے طلاق اور متعہ

اسی مسئلہ میں اگر دخول سے پہلے طلاق ہو گئی ہے تو اس کے لئے متعہ مثل کا حکم کیا جائے گا، اس لئے کہ اصل وہی ہے۔ لہٰذا اگر کم قیمت والی چیز کا نصف متعہ مثل سے کم ہے تو متعہ مثل واجب ہو گا۔ اور اگر نکاح کیا گھوڑے کے مہر ہونے پر یا غلام پر یا ہراتی کپڑے پر یا گھر کے فرش پر یا اونٹ وغیرہ کے عدد معلوم پر، تو اس صورت میں متوسط درجہ کی جنس کا متوسط واجب ہو گا یا اس کی قیمت واجب ہو گی۔ مرد کو اختیار ہے کہ وہ متوسط درجہ کی جنس مہر میں دے یا اس کی قیمت دے۔

جس چیز میں بیع سلم جائز نہیں ہے اس میں شوہر کو اختیار ہے خواہ وہ چیز دے خواہ اس کی قیمت دے اور جس چیز میں بیع سلم جائز ہے اس میں عورت کو اختیار ہے خواہ وہ چیز لے خواہ اس کی قیمت لے۔

و کذا الحکم وهو لزوم الوسط فی کل حیوان ذکر جنسه هو عند الفقهاء المقول علی کثیرین مختلفین فی الاحکام دون نوعه هو المقول علی کثیرین متفقین فیها بخلاف مجهول الجنس کثوب ودابة لانه لاوسط له و وسط العبد فی زماننا الحبشی

مہر میں حیوان اور مجہول الجنس

ایسا ہی حکم ہر اس حیوان کے مہر ہونے میں ہے جس کی جنس ذکر کی گئی ہو اور نوع بیان نہ کی گئی ہو یعنی اس صورت میں متوسط درجہ کا حیوان لازم ہو گا، جنس فقہاء کی اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں جو بہت سے افراد پر صادق آئے جن کے احکام مختلف ہوں، جیسے انسان کہ یہ مرد و عورت دونوں پر صادق آتے ہیں اور دونوں کے احکام الگ الگ ہیں، اور نوع اس کو کہتے ہیں جو بہت سے ایسے افراد پر صادق آئے جن سب کے احکام متفق ہوں۔

لیکن جو چیز مجہول الجنس ہو جیسے کپڑا اور چوپایہ اگر ان میں سے کوئی مہر میں ہو تو اس جنس کا متوسط مراد نہ ہو گا، اس لئے کہ اس میں متوسط نہیں ہے، مجہول الجنس وہ ہے جس کے احکام کثرت کے ساتھ اختلاف رکھتے ہوں، جس طرح کپڑے میں بعض کا استعمال جائز ہے اور بعض کا استعمال جائز نہیں، پھر قیمت کا اعتبار سے بھی بڑا فرق ہوتا ہے مثلاً سوتی کپڑا اور ریشمی کپڑا۔ یہی حال جانور میں ہے بعض حلال ہے، بعض حرام کوئی سواری کے لائق ہوتا ہے کوئی نہیں ہوتا، اس لئے کہ اس صورت میں مہر مثل واجب ہو گا۔

اور غلاموں کے اندر متوسط ہمارے زمانہ میں حبشی غلام ہے، بہر حال متوسط ہر دور میں رواج کے اعتبار سے ہو گا۔

وان امهرها العبدين والحال ان احدهما حر فمهرها العبد عند الامام ان ساوى اقله اى عشرة دراهم والاكمل لها العشرة لان وجوب المسمٰى و ان قل يمنع مهر المثل و عند الثانى لها قيمة الحر لو عبداً و رجحه الكمال كما لو استحق احدهما و يجب مهر المثل فى نكاح فاسد و هو الذى فقد شرطاً من شرائط الصحة كشهود بالوطى فى القبل لا بغيره كالخلوة لحرمة وطيها.

مہر میں غلام و آزاد

اور اگر شوہر نے بیوی کا مہر دو غلام کے مقرر کیا، حالانکہ ایک اُن دونوں میں آزاد تھا تو عورت کا مہر اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک وہی ایک غلام ہوگا اگر اس کی قیمت اقل مہر دس درہم کے برابر ہے اور اگر اس غلام کی قیمت دس درہم سے کم ہے تو دس درہم پورا کیا جائے گا، کیونکہ اگر وہ مہر جو مقرر کیا گیا ہے دس درہم سے کم ہے تو وہ مہر مثل کے لئے مانع بن جائے گا۔ اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ عورت غلام لے گی اور آزاد کی قیمت لے گی، اگر اس کو غلام فرض کر لیا جائے تو کیا قیمت ہوگی وہی قیمت لگائی جائے گی، اسی قول کو کمال نے ترجیح دی ہے، جس طرح اگر ان دو غلاموں میں سے ایک دوسرے کا ثابت ہو جائے تو کیا ہوتا ہے اس کی قیمت دی جاتی ہے۔

نکاح فاسد میں مہر مثل

نکاح فاسد میں وطی کرنے سے مہر مثل واجب ہوتا ہے، نکاح فاسد وہ ہے جس میں صحت نکاح کی شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے، جیسے نکاح میں گواہ نہ ہوں، یعنی اگر بغیر گواہ کے ایجاب قبول ہوا ہے تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا فاسد ہوگا۔

نکاح فاسد میں اگر وطی عورت کی شرمگاہ میں پائی جائے گی تو مہر مثل واجب ہوگا، اگر وطی فی القُبُل نہیں پائی گئی ہے تو مہر مثل واجب نہیں ہوگا، مثلاً اگر نکاح فاسد میں صرف خلوت صحیحہ پائی گئی ہے وطی نہیں پائی گئی ہے تو مہر مثل واجب نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ نکاح فاسد میں عورت سے وطی کرنا حرام ہے اور اس صورت میں مہر مثل ہوتا ہے۔

ولم يزد مهر المثل على المسمٰى لرضاها بالحط و لو كان دون المسمٰى لزم مهر المثل لفساد التسمية بفساد العقد و لو لم يسم اوجهل لزم بالغا ما بلغ و يثبت لكلٍ واحد منها فسخه و لو بغير محضر من صاحبه دخل بها اولا و فى الاصح خروجاً عن المعصية فلا ينافى وجوبه بل يجب على القاضى التفريق بينهما و تجب العدة بعد الوطى لا الخلوة للطلاق لا للموت من وقت التفريق او متاركة الزوج و ان لم تعلم المرأة بالمتاركة فى الاصح و يثبت النسب احتياطاً بلا دعوة و تعتبر مدته و هى ستة اشهر من الوطى فان كانت منه الى الوضع اقل مدة الحمل يعنى ستة اشهر فاكثر يثبت النسب و الا بان ولدته لاقل من ستة اشهر لا يثبت هذا قول محمد و به يفتى.

مہر معین اور مہر مثل

جس قدر مہر معین ہے مہر مثل اس سے زیادہ نہیں کیا جائے گا، کیونکہ عورت اتنے پر راضی تھی لیکن اگر مہر مثل مہر معین سے کم ہے تو اس صورت میں مہر مثل لازم آئے گا۔ کیونکہ عقد کے فاسد ہو جانے

کی وجہ سے مہرمعین بھی فاسد ہو گیا تھا اور نکاح فاسد میں مہر کا نام ہی نہیں لیا، یا مہر ہوا لیکن مقدار ظاہر نہ ہوئی مجہول رہی تو اس صورت میں بھی مہرمثل ہی لازم ہو گا، خواہ وہ کتنا ہی کیوں نہ ہو، کم ہو یا زیادہ۔ اور نکاح فاسد کے فسخ کرنے کا دونوں یعنی مرد و عورت میں سے ہر ایک کو حق حاصل ہو گا اگر چہ دوسرا فریق حاضر اور موجود نہ ہو، عورت سے اس نے وطی کی ہو یا نہ کی ہو، تا کہ وہ سب گناہ سے نکل آئیں، اس لئے کہ عقد فاسد کا ارتکاب اور پھر اس پر قائم رہنا حرام ہے، لہٰذا فسخ کی ملکیت اور وجوب فسخ میں منافات نہیں، بلکہ قاضی کا فرق ہے کہ وہ تفریق کر دے، اور ان دونوں کو علیحدہ کر دے (مرد و عورت اگر فسخ نہ کریں تو یہ فریضہ قاضی صاحب ضرور ادا کریں)

نکاح فاسد میں عدت

نکاح فاسد میں وطی کے بعد عدت واجب ہے صرف خلوت صحیحہ کے بعد واجب نہیں ہے، یہ طلاق کی عدت ہو گی موت کی عدت نہیں ہو گی یعنی نکاح فاسد میں اگر شوہر نے وطی کے بعد فسخ کیا ہے یا وہ مر گیا تو عورت پر طلاق کی عدت واجب ہو گی یعنی تین حیض یا تین مہینے یا وضع حمل جیسی صورت ہو، شوہر کے مرنے سے اس نکاح میں عدت وفات واجب نہیں ہوتی ہے جو چار مہینے دس دن ہے۔

یہ عدت اس وقت سے شروع ہو گی جب سے شوہر نے بیوی سے علیحدگی اختیار کر لی ہے اور اسے چھوڑ دیا ہے یا قاضی نے تفریق کر دی ہے خواہ عورت کو چھوڑنے اور علیحدہ کرنے کا علم نہ ہو اصح قول یہی ہے۔

نسب کا ثبوت

بلا دعویٰ کے ہی نسب احتیاطاً ثابت ہو گا یعنی شوہر دعویٰ کرے یا نہ کرے نسب ثابت ہو گا، اور نسب کی مدت کا اعتبار ہو گا یعنی وطی سے چھ مہینے بعد۔

اگر بچہ پیدا ہونے کے وقت سے پیدائش تک حمل کی کمتر مدت چھ مہینے ہو یا اس سے زیادہ نسب ثابت ہو گا اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ وطی کے بعد چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہو گیا ہے تو پھر نسب ثابت نہیں ہو گا، امام محمدؒ کا قول یہی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

و قالا ابتداء المدة من وقت العقد كالصحيح رجحه في النهر بانه احوط ذكر من التصرفات الفاسدة احدى و عشرين و نظم منها العشرة التي في الخلاصة فقال و فاسد من العقود عشرا، جارة و حكم هذا الاجر، وجوب ادنى مثل او مسمٰى، او كله مع فقدك المسمٰى، والواجب الاكثر في الكتابة، من الذي سماه او من قيمة، و في نكاح المثل ان يكن دخل و خارج البذر لمالك اجل، والصلح والرهن لكل نقضه امانة و كالصحيح حكمه ثم الهبة مضمونة يوم قبض، و صح بيعه لعبد اقترض، مضاربه و حكمه الامانة والمثل في البيع والا القيمة.

تصرفات فاسدہ

امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ ثبوت نسب کی مدت عقد کے وقت سے ہو گی جس طرح نکاح صحیح میں وقت عقد سے ہوتا ہے، نہر الفائق میں اسی قول کو ترجیح دی گئی ہے، انہوں نے کہا ہے کہ احتیاط اسی میں ہے اور نہر الفائق میں تصرفات فاسدہ اکیس ذکر کیے گئے ہیں اور ان صورتوں میں سے اس کو نظم کر دیا ہے جو خلاصہ میں مذکور ہے، نظم کا ترجمہ یہ ہے۔

عقود فاسدہ دس ہیں، ان میں سے ایک اجارہ فاسدہ ہے اور اس کا حکم اجرت کا واجب ہونا ہے اگر اجرت معین ہو گئی ہے تو کمتر اجرت واجب ہو گی اگر متعین اجرت سے اجرت مثل کم ہے تو اجرت مثل واجب ہو گی اور اگر متعین اجرت کم ہے تو یہی واجب ہو گی اور اجرت متعین نہ ہو تو پوری اجرت مثل واجب ہو گی اور کتاب فاسدہ میں جو متعین اور قیمت سے زیادہ ہے وہ واجب ہو گا اور نکاح فاسد میں مہر مثل واجب ہے اگر وطی ہو چکی ہو، اور مزارعت فاسدہ میں جو چیز کھیت میں پیدا ہوئی ہے وہ بیج کے مالک کی ہے اگر بیج مالک زمین کا ہے تو کام کرنے والے کو اجرت مثل ملے گی اور اگر بیج کام کرنے والے کا ہے تو زمین والے کو زمین کی اجرت ملے گی، اور صلح فاسد اور رہن فاسد میں عاقدین میں سے ہر ایک کو اس کے توڑ دینے کا حق ہے، اور صلح کا بدل مصالح کے ہاتھ میں امانت ہے، اسی طرح رہن مرتہن کے ہاتھ میں امانت ہے یا یہ کہ صلح فاسد کا مثل صلح صحیح کے حکم میں ہے، اور رہن فاسد کا حکم مثل رہن صحیح کے ہے۔ اور ہبہ فاسد میں ہبہ کی جانے والی چیز کا ضمان اس شخص پر ہے جس کے لئے ہبہ کیا گیا ہے اور ضمان اس دن کا ہو گا، جس دن اس پر قبضہ کیا ہے۔

اور قرض فاسد میں مالک قرض لینے والا ہوتا ہے لہٰذا قرض لینے والے کو اس کا بیچنا جائز ہے، اور مضاربت فاسد میں مضاربت کا مال مضارب کے ہاتھ میں امانت ہوتا ہے اور بیع فاسد میں اگر مثلی چیز ہے تو اس کا ضمان خریدار پر ہے اور اگر قیمت والی چیز ہے تو قیمت کا ضمان ہو گا۔ ہر ایک کی تفصیل اپنی اپنی جگہ آئے گی۔

والحرة مهر مثلها الشرعي مهر مثلها اللغوى اى مهر امرأة تماثلها من قوم ابيها لا امها ان لم تكن من قومه كبنت عمه و في الخلاصة ويعتبر باخواتها و عماتها فان لم تكن فبنت الشقيقة و بنت العم انتهى و مفاده اعتبار الترتيب فليحفظ و تعتبر المماثلة في الاوصاف وقت العقد سناً و جمالاً و ما لا وبلداً و عصراً و عقلاً و ديناً و بكارة وثيوبة و عفةً و علماً و ادباً و كمال خلق و عدم ولد و يعتبر حال الزوج ايضا ذكرهُ الكمال و قال و مهر الامة بقدر الرغبة فيها و يشترط فيه اى في ثبوت مهر المثل لما ذكر اخبار رجلين او رجل و امرأتين و لفظ الشهادة فان لم يوجد شهود عدل فالقول للزوج بيمينه و ما في المحيط من ان للقاضى فرض المهر حمله في النهر على ما اذا رضيا بذلك فان لم يوجد من قبيلة ابيها فمن الاجانب اى فمن قبيلة تماثل قبيلة ابيها فان لم يوجد فالقول له اى للزوج في ذلك بيمينه كما مر.

مہر مثل شرعی

آزاد عورت کا مہر مثل شرعی وہ ہے جو اس کے برابر والی عورت کا مہر ہے، شرط یہ ہے کہ وہ عورت برابر والی اس کے باپ کے نسل سے ہو، اس کے ماں کی نسل سے نہ ہو، اگر اس کی ماں اس کے باپ کے قوم سے نہیں ہے، اور اگر ماں بھی باپ کی قوم سے ہو جیسے اس کے چچا کی لڑکی تو اس صورت میں ماں کی قوم کا ہی اعتبار ہو گا، اس لئے کہ دونوں ایک ہی خاندان سے ہوئے، لیکن ماحصل یہی ہوا کہ اس برابر والی عورت کا باپ کے خاندان سے ہونا ضروری ہے، اور خلاصہ نامی کتاب میں ہے کہ مہر مثل میں اولاً اس کی بہنوں اور پھوپھیوں کا اعتبار ہو گا، اگر یہ سب نہ ہوں تو سگی بھانجیوں اور چچا کی لڑکیوں کا اعتبار ہو گا، جس کا ماحصل یہ ہے کہ باپ کے خاندان میں بھی ترتیب ہے پہلے جو سب سے قریب تر ہے پھر جو اس کے بعد قریب تر ہے۔

مماثلت کن چیزوں میں

مماثلت (برابری) میں ان اوصاف مذکرہ کے اندر عقد کے وقت کا اعتبار ہوگا۔ عمر میں خوبصورتی میں، مالداری میں، ایک شہر کے رہنے میں، ہم عصر ہونے میں، عقل میں، تقویٰ میں، باکرہ اور ثیبہ ہونے میں بیاپاکدامنی میں، علم وادب میں، کمال خلق میں، اور اولاد کے نہ ہونے میں۔

مماثلت میں شوہر کی حالت کا بھی اعتبار ہوگا، یعنی جس عورت کے مہر کا اعتبار کیا ہے اس میں یہ بھی دیکھا جائے گا کہ اُس کے شوہر اور اس کے شوہر کی مالی حالت میں کیا مماثلت ہے اسے صاحب فتح القدیر نے ذکر کیا ہے، اور لونڈی کا مہر مثل اس لونڈی میں خواہش رکھنے کی ہمت کے برابر ہے کہ اس کا دوسرا چاہنے والا کس قدر مہر دے سکتا تھا، لونڈی میں اس کے باپ کے خاندان کی عورت کا اعتبار نہیں ہے۔

مہرمثل میں نصاب شہادت

مہر مثل کے ثبوت میں ان اوصاف کے اندر جو ذکر کیے گئے -دو عادل مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت معتبر ہوگی اور یہ بھی شرط ہے کہ گواہی کے الفاظ سے وہ اس کو ادا کرے اور اگر عادل گواہ نہ پائے جائیں تو پھر مہر مثل کے اندازہ میں شوہر کا قول اس کے قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور محیط میں جو یہ مذکور ہے کہ گواہ نہ ہونے کے وقت قاضی مہر کا اندازہ لگائے تو اس قول کو اس پر محمول کیا ہے کہ جب میاں بیوی دونوں قاضی کے اندازہ پر راضی ہوں۔

اجنبی خاندان کا اعتبار

اگر باپ کے خاندان کی عورت میں یہ سب اوصاف نہ پائے جائیں تو پھر اجنبی قوم کے مہر کا اعتبار ہوگا یعنی وہ اجنبی خاندان جو اس کے باپ کے خاندان کے مساوی ہو پھر اگر کسی اجنبی قوم میں بھی باپ کے قوم کی مماثلت نہ پائی جائے تو مہر مثل میں شوہر کا قول معتبر ہوگا، مگر قسم کے ساتھ جیسا کہ ابھی اوپر گذرا۔

وصح ضمان الولی مهرها و لو المرأة صغيرة و لو عاقد الانه سفير لكن بشرط صحة فلو في مرض موته و هو وارثه لم يصح والاصح من الثلث و قبول المرأة او غيرها في مجلس الضمان و تطالب اياشأت من زوجها البالغ او الولی الضامن فان ادى رجع على الزوج ان امر كما هو حكم الكفالة ولا يطالب الاب بمهر ابنه الصغير الفقير اما الغنى فيطالب ابوه بالدفع من مال ابنه لامن مال نفسه اذا زوجه امرأة الا اذا ضمنه على المعتمد كما في النفقة فانه لا يواخذ بها الا ضمن ولا رجوع للاب الا اذا اشهد على الرجوع عند الاداء.

ولی کی ضمانت

عورت کے مہر کی ضمانت ولی کو لینا درست ہے، گو عورت نابالغہ ہو، اور گو ولی نکاح کا منعقد کرنے والا ہو، اس لئے کہ نکاح کا منعقد کرنے والا ولی سفیر محض ہوتا ہے اس پر نکاح کے حقوق عاید نہیں ہوتے ہیں البتہ یہ شرط ہے کہ ولی اس وقت حالت صحت میں ہو لیکن اگر ولی مرض الموت میں تھا اور وہ اس کے واسطے ضامن ہوا ہے وہ ولی کا وارث تھا تو پھر اس کا ضامن ہونا درست نہیں ہے لیکن اگر وہ اس ولی کا وارث نہیں ہے تو پھر اس کی ضمانت درست ہوگی، اور اس کے تہائی مال سے مہر ادا کیا جائے گا اور دوسری شرط ولی کے ضمان کے صحیح ہونے کی یہ ہے کہ عورت یا اس کے علاوہ دوسرا مجلس ضمان میں اس کو قبول کرے، یعنی اگر وہ بالغہ ہے تو عورت خود قبول کرے اور اگر نابالغہ

ہے تو اس کا ولی قبول کرے۔

حق مطالبہ عورت اپنی مہر ان میں سے جس سے چاہے مطالبہ کر سکتی ہے یعنی بالغ شوہر سے بھی اور جو ولی ضامن ہوا اس سے بھی اب یہ ولی خواہ عورت کا ہو یا شوہر کا ہو، اور اگر شوہر بالغ نہیں ہے تو مطالبہ بہر صورت ولی ضامن سے ہوگا، شوہر سے نہیں ہوگا، اگر ولی ضامن نے اپنے پاس سے مہر ادا کر دیا ہے اور شوہر کے کہنے سے دیا ہے تو وہ اپنی رقم شوہر سے وصول کرے گا، کیونکہ اسی نے اس کو ضامن بنایا تھا اور ضامن کا حکم ایسا ہی ہے البتہ اگر شوہر نے ولی کو ضامن نہیں بنایا تھا اس نے بطور خود دیدیا تھا تو اس کو شوہر سے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

اگر شوہر نابالغ اور محتاج ہے تو اس کے مہر کا مطالبہ اس کے باپ سے نہیں ہوگا، لیکن اگر وہ نابالغ شوہر مالدار ہے تو اس کے باپ سے بایں طور اسکے مہر کا مطالبہ ہوگا، کہ اس سے کہا جائے گا کہ وہ اپنے بیٹے کے مال سے ادا کر دے نہ کہ اپنے مال سے۔

جب باپ نے اپنے نابالغ محتاج بیٹے کا نکاح کسی عورت کے ساتھ کر دیا ہو تو صرف نکاح کرنے کی وجہ سے اس کے مہر کا مطالبہ اس کے باپ سے نہیں کیا جائے گا۔ البتہ جب باپ نے اس بیٹے کے مہر کی ضمانت لی ہو تو باپ سے اس کا مطالبہ ہوگا معتمد قول یہی ہے جیسا کہ نفقہ کا باپ سے مطالبہ نہیں ہوتا ہے مگر اُس وقت ہوتا ہے جب کہ باپ نے ضمانت لی ہو۔

جب باپ نے اپنے نابالغ بیٹے کا مہر ادا کر دیا ہو خواہ بیٹا محتاج ہو یا مالدار تو باپ کو یہ حق نہیں رہتا کہ وہ اپنی یہ رقم بیٹے سے واپس لے، لیکن اگر باپ نے دیتے وقت گواہ بنالیا ہو کہ میں یہ رقم بیٹے سے واپس لے لوں گا تو اس صورت میں وہ لے سکتا ہے۔

ولها منعه من الوطی و دواعیه شرح مجمع والسفر بها ولو بعد وطی او خلوة رضیتهما لان کل وطاة معقود علیها فتسلیم البعض لا یوجب التسلیم الباقی لاخذ ما بین تعجیله من المهر کلة او بعضة او اخذ قدر ما یعجل لمثلها عرفا به یفتی لان المعروف کالمشروط ان لم یؤجل او یعجل کلہ فکما شرطا لان الصریح یفوق الدلالة الا اذا جهل الاجل جهالة فاحشة فیجب حالا غایة الا التاجیل لطلاق او موت فیصح للعرف بزازیة و عن الثانی لها منعه ان اجلهٗ کله و به یفتی استحساناً و لوالجیة و فی النهر لو تزوجها علی مائة علی حکم الحلول علی ان یعجل اربعین لها منعه حتی تقبضه.

مہر معجّل کی وصولی کیلئے عورت کو حق عورت اپنے مہر معجّل کی وصولی کے لئے اپنے شوہر کو وطی کرنے اور وطی کے دواعی بوس و کنار سے روک سکتی ہے، اسی طرح اس کے ساتھ سفر کرنے سے انکار کر سکتی ہے اگر چہ اس نے ایسا اس وطی اور خلوت کے بعد کیا ہو جو اس کی رضامندی ہو چکی تھی، اس لئے کہ ہر وطی مہر کے ساتھ بندھی ہوئی ہے، لہٰذا بعض کے حوالہ کرنے سے باقی کا حوالہ کرنا لازم نہیں ہوتا ہے، یہ وطی وغیرہ سے روکنا مہر معجّل کے کل کی وجہ سے ہو یا بعض کی وجہ سے یا اس مہر کے لینے کے لئے روک سکتی ہے جو اس جیسی عورت کو عرف میں جلد دیئے جانے کا رواج ہو، فتوی اسی پر ہے اس کی وجہ یہ ہے رواج شدہ چیز مشروط کے درجہ میں ہوتی ہے اگر کل مہر کی ادائیگی کی مدت مقرر نہیں کی گئی ہو یا جلد دینے کا تذکرہ نہ کیا گیا ہو تو رواج کا اعتبار ہوگا۔ اگر اگر کل مہر کی ادئیگی کی مدت طے پا چکی ہے تو ویسا ہی کرنا چاہئے جیسا دونوں نے شرط کیا ہے، یعنی اگر مہر مؤجل ہے تو عورت اس کی وجہ سے شوہر کو وطی

وغیرہ سے نہیں روک سکتی ہے، اور اگر معجّل ہے تو روک سکتی ہے، کیونکہ صراحت دلالت پر مقدم ہے۔

مہر مؤجل کا حکم

مہر مؤجل میں عورت کو روکنے کا حق نہیں ہے، لیکن اُس وقت ہے جب کہ مدت قطعاً مجہول ہو، جس کو جہالت فاحشہ سے تعبیر کرتے ہیں، کیونکہ ایسی صورت میں مہر کی ادائیگی فوراً واجب ہوتی ہے، لیکن اگر اس کی مدت موت یا طلاق تک مقرر ہو تو یہ درست ہے گو اس میں جہالت فاحشہ پائی جاتی ہے کیونکہ موت اور طلاق کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا ہے، مگر یہ صحیح کے مروج ہونے کی وجہ سے درست ہے، کذافی البزازیۃ۔ ہندوستان کے اکثر خطہ میں مہر کے سلسلہ میں یہی رواج ہے کہ اس کی آخری مدت موت یا طلاق ہوتی ہے۔

امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر کل مہر کی مدت مقرر ہو گئی ہے تو بھی عورت کو وطی سے روکنے کا حق ہوتا ہے استحسان کی وجہ سے اسی قول پر فتویٰ بھی ہے یعنی جب شوہر نے مہر کے لئے ایک مدت مقرر کر دی ہے تو گویا شوہر نے اس وقت تک اپنے فائدہ اٹھانے کے حق کو ساقط کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی ہے، کیونکہ مہر فائدہ اٹھانے کا بدلا ہے، مختصر یہ کہ بعض کا فتویٰ یہ ہے کہ مہر مؤجل میں روکنا جائز نہیں اور بعض روکنا جائز کہتے ہیں۔

نہر الفائق میں لکھا ہے کہ اگر کسی نے کسی عورت سے سو درہم پر نکاح کیا اس شرط کے ساتھ کہ وہ چالیس درہم فوری ادا کرے گا تو اس صورت میں عورت کو باقی کے لینے کے لئے شوہر کو وطی سے روکنا درست ہو گا۔

ولها النفقة بعد المنع ولها السفر والخروج من بيت زوجها للحاجة و لها زيارة اهلها بلا اذنه مالم تقبضه اى المعجل فلا تخرج الا لحق لها او عليها او لزيارة ابويها كل جمعة مرة او المحارم كل سنة او لكونها قابلة او غاسلة لا فيما عدا ذلك و ان اذن كانا عاصيين والمعتمد جواز الحمام بلا تزين اشباه و سيجئ فى النفقة .

روکنے کے زمانہ کا نفقہ

وطی سے روکنے کے باوجود عورت کو حق نفقہ حاصل ہوتا ہے (بشرطیکہ مطالبہ سے پہلے عورت کی رضامندی سے خلوت ہو چکی ہو، یا شوہر بیوی سے وطی کر چکا ہو)

بیوی کے مخصوص حقوق

عورت کے لئے سفر کرنا اور شوہر کے گھر سے نکلنا جائز ہے، جب اس کی اسے ضرورت ہو، بے ضرورت البتہ نکلنا جائز نہیں ہو گا اور عورت کے لئے اپنے گھر والوں اور قرابت داروں سے شوہر کی اجازت کے بغیر ملنا جلنا بھی جائز ہے جب تک اس نے اپنا مہر معجّل نہیں پایا ہے، لیکن جب وہ مہر معجّل پا چکی ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ شوہر کے گھر سے نہ نکلے، البتہ اگر کسی پر اس کا کوئی حق باقی ہے تو اس کے لینے کے لئے وہ نکل سکتی ہے، یا اس پر کسی کا حق ہے تو ادا کرنے کے لئے نکل سکتی ہے، خواہ شوہر کی اجازت ہو یا نہ ہو۔

اسی طرح عورت کو حق ہے کہ وہ اپنے والدین کی ملاقات کے لئے ہفتہ میں ایک بار جا سکتی ہے، محارم سے ملنے کے لئے سال میں ایک مرتبہ، گو شوہر روکتا ہو، اسی طرح عورت اس وقت بھی نکل سکتی ہے جب کہ وہ بچہ پیدا کرنے والی دائی ہو یا مردہ کو غسل دینے والی ہو، لیکن ان صورتوں کے علاوہ میں شوہر کو نکلنے سے روکنے کا حق ہے اور عورت کے لئے بھی ان کے سوا میں نکلنا جائز نہیں ہے، انکے علاوہ میں اگر شوہر نکلنے کی اجازت دیگا، تو شوہر اور بیوی (نکلنے کی صورت میں) دونوں گنہ گار ہوں گے۔

معتمد قول یہ ہے کہ عورت کا بغیر آرائش و خوشبو کے حمام میں غسل خانہ میں جانا درست ہے۔ نکلنے سے متعلق مسائل

عنقریب باب نفقہ میں آئیں گے۔ ابن ہمامؒ نے لکھا ہے جن مواقع میں عورت کا شوہر کے گھر سے نکلنا جائز ہے وہاں یہ شرط ہے کہ عورت بن سنور کر اور عطر لگا کر نہ نکلے، بلکہ اس حال میں نکلے کہ مردوں کی نگاہ اس کی طرف خود بخواہ نہ اٹھے۔

ویسافر بھا بعد اداء کلہ مؤجلا او معجلا اذا کان مامونا علیھا و الا یؤد کلہ اولم یکن مامونا لا یسافر بھا، و بہ یفتی کما فی شروح المجمع و اختارہ فی ملتقی الا بحر و مجمع الفتاویٰ و اعتمدہ المصنف و بہ افتی شیخنا الرملی لکنہ فی النھر والذی علیہ العمل فی دیارنا انہ لا یسافر بھا جبراً علیھا و جزم بہ البزازی و غیرہ فی المختار علیہ الفتویٰ و فی الفصول یفتی بما یقع عندہ من المصلحۃ و ینقلھا فیما دون مدتہ ای السفر من المصر الی القریۃ و بالعکس و من قریۃ الی قریۃ لانہ لیس بقریۃ و قیدہ فی التاتار خانیہ بقریۃ یمکنہ الرجوع قبل اللیل الی وطنہٖ واطلقہ فی الکافی و علیہ الفتوی.

عورت کو سفر میں لیجانا

کل مہر ادا کردینے کے بعد خواہ وہ معجل یا مؤجل، شوہر اپنی بیوی کو اپنے ساتھ سفر میں تین منزل یا زیادہ کی دوری پر لے جاسکتا ہے جب کہ عورت کو اپنے شوہر سے اطمینان ہو کہ وہ ایذا نہیں پہونچائے گا، اور اگر شوہر نے کل مہر ادا نہیں کیا ہے یا وہ قابل اطمینان نہیں ہے تو وہ بیوی کو سفر میں نہیں لے جاسکتا ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے، جیسا کہ مجمع کی شرحوں میں ہے اور اسی کو ملتقی الابحر اور مجمع الفتاویٰ میں پسند کیا ہے اور مصنف نے بھی اپنی شرح میں اسی قول پر اعتماد کیا ہے اور اسی پر ہمارے استاذ خیر الدین نے فتویٰ دیا ہے۔

نہر الفائق نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہمارے دیار مصر میں عمل یہ ہے کہ عورت کو سفر میں زبردستی نہ لیجائے خوشی سے لے جائے تو لیجائے ورنہ نہیں، بزازی نے اسی قول پر یقین کیا ہے اور مختار میں اسی پر فتویٰ ہے، اور فصول میں یہ ہے کہ مفتی اپنی صوابدید کے مطابق مصلحت دیکھ کر فتویٰ دے۔

اگر وہ جگہ مدت سفر سے کم ہے تو شوہر وہاں بیوی کو لے جاسکتا ہے خواہ گاؤں سے شہر میں لے جائے یا شہر سے گاؤں میں، یا ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں لے جائے، کیونکہ اتنی دور جانا سفر میں داخل نہیں ہے، اور فتاویٰ تاتارخانیہ میں یہ قید لگائی ہے کہ اس قدر مسافت پر لے جانا درست ہے جہاں سے رات تک واپسی ممکن ہو یا رات آنے سے پہلے وہ اپنے وطن واپس آسکتا ہو۔ اور کافی میں یہ قید بیان نہیں کی ہے۔

و ان اختلفا فی المھر ففی اصلہ حلف منکر التسمیۃ فان نکل ثبتت و ان حلف یجب مھر المثل و فی المھر یحلف اجماعاً و ان اختلفا فی قدرہ حال قیام النکاح فالقول لمن شھد لہ مھر المثل بیمینہٖ و ای اقام بینۃ قبلت سواء شھد مھر المثل لہ اولھا اولا و ان اقاما البینۃ فبینتھا مقدمۃ ان شھد لہ مھر المثل و بینۃ مقدمۃ ان شھد مھر المثل لھا لان البینات لاثبات خلاف الظاھر و ان کان مھر المثل بینھما تحالفا فان خلفا او برھنا قضی بہ و ان برھن احدھا قبل برھانہ لانہ نور دعواہ.

مہر میں اختلاف کے وقت حکم

مہر میں اگر میاں بیوی کے اندر اختلاف ہو جائے اگر یہ اختلاف اصل مہر میں ہو جائے کہ ایک کہے مہر معین ہوا تھا دوسرا کہے کہ مہر معین نہیں ہوا تھا اور دونوں میں سے کسی کے پاس گواہ نہ ہوں تو انکار کرنے والے سے قسم لی جائے، اگر وہ انکار کرے تو قسم سے دعویٰ ثابت ہو جائے گا، اور اگر انکار کرنے والے نے حلف لے لیا ہے تو پھر اس صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔ لیکن اگر مدعی عورت ہے تو مہر مثل اس کے دعویٰ سے زیادہ نہیں دیا جائے گا، باب مہر میں اس بات پر اتفاق ہے کہ انکار کرنے والے پر قسم ہے۔

اور اگر نکاح کے قائم رہتے ہوئے مہر کی مقداریں دونوں کے اندر اختلاف ہوا ہے تو اس صورت میں اس کا قول قابل اعتماد ہوگا جس کی گواہی مہر مثل دے گا، مگر قسم کے ساتھ، یعنی مہر مثل جس کے قول کے برابر ہوگا اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

مقدار کے اندر اختلاف کی صورت میں جو اپنے گواہ اور ثبوت پیش کرے گا اس کو مانا جائے گا اس صورت میں مہر مثل کو سامنے نہیں رکھا جائے گا اور نہیں دیکھا جائے گا کہ اس کے مطابق کس کا قول ہے۔

اور اگر دونوں گواہ پیش کریں تو اس صورت میں عورت کے گواہ مقدم ہوں گے جب مہر مثل مرد کے دعویٰ کے مطابق ہے اور اگر مہر مثل عورت کے دعویٰ کے مطابق ہے تو مرد کے گواہ مقدم ہوں گے، کیونکہ گواہ ظاہر کے خلاف کو ثابت کرنے کے لئے پیش ہوتے ہیں اور ظاہر کے خلاف اس کا دعویٰ ہوگا جو مہر مثل کے مطابق نہ ہو۔

اور اگر مہر مثل دونوں کے درمیان ہو تو دونوں سے قسم لی جائے گی، اگر دونوں قسم کھالیں گے یا دونوں گواہ پیش کریں گے تو قاضی مہر مثل کا فیصلہ کرے گا، اور اگر دونوں میں کوئی ایک گواہ لایا ہے تو اس کے گواہ کو مانا جائے گا کیونکہ گواہ کے ذریعہ اس نے اپنے دعویٰ کو روشن کر دیا ہے۔

و فی الطلاق قبل الوطی حکم متعة المثل لو المسمٰی دینا و ان عینا کمسئلة العبد والجاریة فلها المتعة بلا تحکیم الا ان یرضی الزوج بنصف الجاریة و ای اقام بینة قبلت فان اقاما فبینتها اولی ان شهدت له المتعة و بینته ان شهدت لها و ان کانت المتعة بینهما تحالفا و ان حلفا وجب متعة المثل و موت احدهما کحیوتهما فی الحکم اصلاً و قدراً لعدم سقوطه بموت احدهما و بعد موتهما ففی القدر القول لورثته و فی الاختلاف فی اصله القول لمنکر التسمیة لم یقض بشئ مالم یبرهن علی التسمیة.

مہر میں اختلاف بعد طلاق

اگر میاں بیوی میں اختلاف قبل وطی طلاق کے بعد ہوا ہے، تو متعہ مثل کے مطابق فیصلہ ہوگا، بشرطیکہ مہر مسمی دین ہو، جیسے درہم اور دینار اور اگر مہر مسمی عین ہو یعنی مشلی اور قیمی ہو جیسے لونڈی اور غلام میں اختلاف کہ شوہر کہتا ہے مہر میں غلام تھا اور بیوی کہتی ہے مہر میں لونڈی تھی، تو بیوی کو بلا تحکیم متعہ مثل ملے گا، لیکن اگر شوہر نصف لونڈی پر راضی ہو جائے تو متعہ مثل کی ضرورت نہیں ہوگی، اور دونوں میں جو گواہ پیش کرے گا مانا جائے گا، اور اگر دونوں گواہ پیش کریں تو اگر متعہ کے مطابق ہے تو عورت کے گواہ کو اولیت حاصل ہوگی اور اگر متعہ عورت کے مطابق ہے تو مرد کے گواہ کو اولیت حاصل ہوگی، اس لئے کہ گواہ خلاف ظاہر کو ثابت کرتے ہیں، اور اگر متعہ دونوں کے بین بین ہو تو اس صورت میں دونوں سے قسم لی جائے گی اور جب دونوں حلف لے لیں گے تو اس صورت میں

متعہ مثل واجب ہوگا۔

اور دونوں میں سے کسی کا مرنا حکم میں ان دونوں کے زندہ ہونے کے برابر ہے، خواہ اختلاف اصل مہر میں ہو یا مقدار میں کیونکہ کسی ایک کے مرنے سے مہر مثل ساقط نہیں ہوتا ہے، اور دونوں کے مرجانے کے بعد اختلاف ہو تو مہر کی مقدار کے اختلاف میں شوہر کے وارثوں کا قول معتبر ہوگا، لیکن قسم کے ساتھ، اور اصل مہر میں اختلاف کی صورت میں جو تسمیہ (مہر متعین) کا منکر ہے اس کا قول معتبر ہوگا، یعنی شوہر کے وارثوں کا قول کیونکہ اگر عورت کے وارث تسمیہ مہر کا انکار کریں تو ان کا حق ثابت ہوتا ہے۔

میاں بیوی دونوں کے مرنے کے بعد اگر اصل تسمیہ مہر میں اختلاف ہو تو کچھ فیصلہ نہیں کیا جائے گا جب تک گواہوں کے ذریعہ ثابت نہ ہو جائے۔

و قالا یقضی بمہر المثل کحال حیوة و به یفتي و هذا کله اذا لم تسلم نفسها فان سلمت و وقع الاختلاف فی الحالین الحیوة و بعد ها لا یحکم بمهر المثل لانها لا تسلمهٗ نفسها الا بعد تعجیل شیء عادة بل یقال لها لابد ان تقری بما تعجلت و الا قضینا علیك بالتعارف تعجیله ثم یعمل فی الباقی کما ذکرنا و هذا اذا ادعی الزوج ایصال شیء الیها بحر و لو بعث الی امرأته شیئاً و لم یذکر جهة عند الدفع غیر جهة المهر کقوله لشمع اوحناء ثم قال انه من المهر لم یقبل قنیه لوقوعه هدیته فلا ینقلب مهرا فقالت هو ای المبعوث هدیة و قال هو من المهر او من الکسوة او عاریة فالقول له بیمینه و البینة لها فان حلف و المبعوث قائم فلها ان ترده او ترجع بباقی المهر ذکره ابن الکمال و لو عوضته ثم ادعاه عاریة فلها ان تسترد العوض من جنسه. زیلعی

صاحبین کا کہنا ہے کہ دونوں کی موت کے بعد بھی مہر مثل کا حکم ہوگا جس طرح زندہ ہونے کی صورت میں ہوتا ہے اور فتویٰ اسی قول پر ہے۔

جب مہر مؤجل ہو یہ ساری صورتیں اس وقت ہیں جب کہ بیوی نے خود کو بخوشی شوہر کے حوالہ نہ کیا ہو، لیکن اگر بیوی نے خود کو سپرد کر دیا ہے اور پھر زندگی یا بعد موت میں اختلاف ہوا ہے تو مہر مثل پر فیصلہ نہیں ہوگا، اس لئے کہ رواج یہ ہے کہ جب تک عورت کچھ مہر معجّل شوہر سے وصول نہ کرلے سپرد نہیں ہوتی یہ اس صورت میں ہے جہاں فوری دینے کا رواج ہے، اور جہاں مہر کی مدت موت یا طلاق ہو تو وہاں عورت کا اپنے کو سپرد کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں، بلکہ عورت یا اس کے وارثوں سے کہا جائے گا کہ تم کو یقینی طور پر مہر معجّل کے پانے کا اقرار کرنا ہوگا، ورنہ ہم تم پر تعجیل متعارف کا حکم کریں گے، پھر باقی پر عمل کیا جائے گا، یہ ایسی صورت میں ہوگا جب شوہر نے عورت کو کچھ دینے کا دعویٰ کیا ہو اور اگر وہ کچھ دینے کا مدعی نہ ہوگا تو پھر تعجیل متعارف پر فیصلہ نہیں ہوگا۔

ہدیہ جو بیوی کو دیا اگر شوہر نے اپنی بیوی کو کچھ بھیجا خواہ نقد خواہ جنس اور دیتے وقت کوئی ایسی بات نہیں ذکر کی جو مہر

کے مغائر ہے۔ یعنی نہ یہ کہا کہ یہ مہر ہے اور نہ یہ بتایا کہ مہر کے علاوہ کچھ اور ہے، جیسے یہ کہا ہو تا کہ اسے شمع یا مہندی میں خرچ کرو، پھر شوہر نے بعد میں صراحت کر کے کہا کہ وہ مہر میں بھیجا تھا تو اس کا یہ قول قابل اعتبار نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ چیز ہدیہ قرار پا چکی ہے لہٰذا وہ مہر میں شمار نہیں ہو سکتی ہے۔

بھیجی چیز میں اختلاف کی صورت شوہر نے کوئی چیز بیوی کو بھیجی اُس وقت کچھ صراحت نہیں کی، بعد میں بیوی نے کہا کہ وہ بھیجی ہوئی چیز ہدیہ تھی اور شوہر نے کہا کہ نہیں وہ مہر کی رقم میں داخل تھی۔ یا لباس کے لئے تھی، یا عاریت تھی، تو اس صورت میں شوہر کی بات مانی جائے گی مگر اس کے قسم کے ساتھ۔ اور اگر دونوں ثبوت پیش کریں گے تو عورت کے ثبوت کو ترجیح دی جائے گی، اگر وہ بھیجی ہوئی چیز عورت کے پاس موجود ہو اور شوہر مہر کے حق میں قسم کھائے تو عورت کو اختیار ہے کہ وہ اس کو واپس کر دے اور اپنا باقی شوہر سے وصول کرے، ابن کمال نے اس کو بیان کیا ہے۔

شوہر نے بیوی کو ہدیہ بھیجا پھر عورت نے بھی اسکے عوض شوہر کو ہدیہ بھیجا دونوں ملے پھر مرد نے اسکو علیحدہ کر دیا پھر شوہر نے دعویٰ کیا کہ وہ عاریت ہے تو عورت کیلئے جائز ہے کہ عوض میں دی ہوئی چیز اسکے جنس کے بدلہ میں واپس لے لے۔

في غير المهيا للاكل كثياب و شاة حية و سمن و عسل و ما يبقى شهرا الى زاده والقول لها يمينها في المهيأ له كخبز ولحم مشوى لان الظاهر يكذبه و لذا قال الفقيه المختار انه يصدق فيما لا يجب عليه كخف و ملاء ة لا فيما يجب كخمار ودرع يعني مالم يدع انه كسوة لان الظاهر معه خطب بنت رجل و بعث اليها اشياء و لم يزوجها ابوها فما بعث للمهر يسترد عينه قائما فقط و ان تغير بالاستعمال او قيمته هالكا لانه معاوضة ولم تتم فجاز الاسترداد و كذا استرد ما بعث هدية و هو قائم دون الهالك والمستهلك لان فيه معنى الهبة.

چیزوں کا اعتبار اختلاف کی صورت میں شوہر کا قول ان چیزوں میں قابل اعتبار قرار پائے گا جو کھانے کے واسطے بنائی گئی ہو جیسے کپڑے زندہ بکری، گھی شہد اور ایسی چیز جو ایک ماہ باقی رہ سکے اور سڑے گلے نہیں، اور جو چیزیں کھانے کے لئے تیار کی گئی ہوں جیسے روٹی بھنا ہوا گوشت تو ان میں عورت کا قول اس کے قسم کے ساتھ مانا جائے گا۔ کیونکہ یہ چیزیں ایسی ہیں جو شوہر کو اس کے کہنے میں جھٹلاتی ہیں کہ مہر کے حساب میں دیا تھا۔ وجہ یہ ہے کہ یہ چیزیں کوئی مہر میں نہیں دیا کرتا ہے۔

اسی وجہ سے فقیہ ابواللیث نے کہا ہے کہ مختار یہ ہے کہ شوہر کی تصدیق ایسی چیزوں میں ہوگی جو شوہر پر واجب نہیں ہیں جیسے موزہ، چادر، ان چیزوں میں تصدیق نہیں ہوگی جو شوہر کے ذمہ واجب ہیں جیسے اوڑھنی، قمیص، جب تک شوہر نے یہ دعویٰ نہ کیا ہو کہ قمیص اور اوڑھنی پوشاک میں دیا ہے، اگر شوہر نے پوشاک کا دعویٰ کیا اور بیوی نے کہا ہدیہ ہے تو اس صورت میں شوہر کی بات مانی جائے گی اس لئے کہ ظاہر حال شوہر کے ساتھ ہے۔

منگنی میں بھیجی جانے والی چیزیں ایک شخص نے کسی شخص کی لڑکی سے منگنی کی اور شوہر نے اس کے پاس چند

چیزیں بھیجیں، بعد میں ترک کے باپ نے اس عورت کا نکاح اس لڑکے سے نہیں کیا تو جو چیزیں اس نے مہر کے واسطے بھیجی تھیں اگر وہ موجود ہوں تو وہ صرف ان چیز کو واپس لے گا نہ کہ اس کی قیمت، اگر چہ وہ چیز استعمال کی وجہ سے متغیر ہو چکی ہو، اور وہ چیز موجود نہ ہو تو اس کی قیمت واپس لے گا کیونکہ یہ بدلہ تھا جو مکمل نہیں ہوا لہٰذا قیمت واپس ہو گی۔

اسی طرح وہ چیز بھی واپس لے گا جو اس کو بطور تحفہ بھیجا تھا اگر وہ موجود ہو، لیکن اگر وہ چیز خراب ہو چکی ہو اور سڑ گل چکی ہو تو وہ واپس نہیں لے گا خواہ خود بخود خراب ہوئی ہوں یا کسی کے فعل کی وجہ سے بگڑی ہوں، جیسے مٹھائی تھی یا میوہ تھا وہ خراب ہو گیا، خراب ہونے کے بعد اس لئے واپس نہیں ہو گا کہ تحفہ میں ہبہ کا معنی بھی پایا جاتا ہے اور جب وہ قابل استعمال ہو گئی تو اس کا واپس لینا کیسے درست ہو گا۔

و لو ادعت انه ای المبعوث من المهر و قال هو ودیعة فان کان من جنس المهر فالقول لها و ان کان من خلافه فالقول له بشهادة الظاهر انفق رجل علی معتدة الغیر بشرط ان یتزوجها بعد عدتها ان تزوجته لارجوع مطلقاً و ان ابت فله الرجوع ان کان دفع لها و ان اکلت معه فلا مطلقاً بحر عن العمادیة و فیه عن المبتغی جهزا بنته بجهاز و سلمها ذلك لیس له الاسترداد منها و لا لورثته بعده ان سلمها ذلك فی صحته بل تختص به و به یفتی و کذا لو اشتراه لها فی صغرها و لوالجیة.

کب شوہر کی بات مانی جائے گی کب بیوی کی

عورت نے دعویٰ کیا کہ جو چیز بھیجی گئی تھی وہ مہر میں تھی اور شوہر نے کہا کہ وہ بطور امانت تھی تو دیکھا جائے گا اگر وہ بھیجی ہوئی چیز مہر کی جنس ہے تو عورت کی بات قابل تسلیم ہو گی جیسے وہ روپیہ اور اشرفی وغیرہ، اور اگر وہ مہر کی جنس سے نہیں ہے بلکہ اس کے مخالف ہے جیسے مہر میں روپیہ مقرر ہوا تھا اور شوہر نے کپڑا بھیجا تو اس صورت میں شوہر کی بات مانی جائے گی کیونکہ دونوں صورتوں میں دونوں کی گواہی ظاہر حال پیش کر رہا ہے۔

ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تھی وہ عدت میں تھی کہ دوسرے نے یہ شرط کر کے کہ وہ معتدہ عورت بعد عدت اُس سے شادی کرے گی اس عورت پر کچھ خرچ کیا تھا، اب اگر وہ عورت اس سے نکاح کرے گی تو اس کی واپسی کا سوال پیدا نہیں ہوتا، لیکن اگر عورت نے نکاح سے انکار کر دیا ہے تو اس مرد کو حق ہے کہ جو اس نے خرچ کیا تھا اور دیا تھا وہ اس سے واپس لے لے، اور اگر مرد کے ساتھ کھاپی رہی تھی تو پھر مرد واپس نہیں لے سکتا ہے خواہ اس نے نکاح کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

جہیز کا سامان واپس نہیں لے سکتا

بحر الرائق میں یہ نقل کیا ہے کہ کسی باپ نے اپنی بیٹی کو جہیز دیا اور وہ اس کے قبضہ میں دیدیا تو باپ کو بیٹی سے اس جہیز کے واپس لینے کا حق باقی نہیں رہتا ہے، اور نہ باپ کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کو یہ حق حاصل ہوتا ہے اگر باپ نے اپنی صحت کے زمانہ میں دیا تھا تو وہ چیز مخصوص طور پر بیٹی کی ملکیت قرار پائے گی فتویٰ اسی پر ہے۔

اسی طرح وہ چیز بھی واپس نہیں ہو سکتی جسے باپ نے اپنی بیٹی کے لئے اس کی نابالغی کے زمانہ میں بطور جہیز خریدا تھا۔

والحيلة ان يشهد عند التسليم اليها انه انما سلمه عارية والاحوط ان يشتريه منها ثم تبرئه درر اخذ اهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج ان يسترده لانه رشوة جهز ابنته ثم ادعى ان ما دفعه لها عارية و قالت هو تمليك او قال الزوج ذلك بعد موتها ليرث منه و قال الاب و ورثته بعدموته عارية فالمعتمد ان القول للزوج و لها اذا كان العرف مستمرا ان الاب يدفع مثله جهاز الا عارية و ما ان كان مشتركا كمصر والشام فالقول للاب كما لو كان اكثر مما يجهز به مثلها والام كالاب في تجهيزها و كذا ولي الصغيرة شرح وهبانية استحسن في النهر تبعا لقاضي خان ان الاب ان كان من الاشراف لم يقبل قوله انه عارية

جہیز کی واپسی کی صورت واپس لینے کا حیلہ یہ ہے کہ باپ جس وقت بیٹی کو جہیز دے اس وقت گواہ بنادے کہ میں یہ اسے عاریتاً دے رہا ہوں اور اس باب میں زیادہ احتیاط یہ ہے کہ وہ چیز باپ بیٹی سے خریدے پھر بیٹی باپ کو قیمت معاف کردے۔

شوہر سے لی ہوئی رقم لڑکی والوں نے جس وقت لڑکی کو شوہر کے یہاں بھیجا اس وقت شوہر سے کچھ لے لیا تو شوہر کو حق ہے کہ وہ اپنی اس رقم کو واپس لے لے، کیونکہ اس وقت وہ رشوت کے حکم میں تھی۔

سامان جہیز میں اختلاف ایک باپ نے اپنی بیٹی کو جہیز دیا، بعد میں اس نے دعویٰ کیا کہ میں نے عاریتاً دیا تھا اور بیٹی کہتی ہے کہ مالک بنادیا تھا یا شوہر نے بھی بیوی کے مرنے کے بعد تملیک کا ہی دعویٰ کیا تاکہ وہ اس طرح اس کا وارث ہو جائے اور باپ یا باپ کے وارثوں نے لڑکی کے مرنے کے بعد کہا کہ وہ عاریتاً دیا گیا تھا تو قابل اعتماد قول اس باب میں یہ ہے کہ شوہر اور لڑکی کی بات قابل تسلیم ہوگی جب دائمی طور پر وہاں کا یہ رواج ہو کہ باپ اپنی بیٹی کو جہیز میں اس قدر مال دیا کرتا ہے اور یہ دینا تملیکاً ہو نہ کہ عاریتاً۔

اور اگر وہاں کا رواج مشترک ہو کہ بعض باپ سامان بطور جہیز دیتے ہوں اور بعض باپ عاریتاً جیساکہ مصر میں اور شام میں رواج ہے تو اس صورت میں باپ کی بات مانی جائے گی چنانچہ اگر وہ جہیز اس سے بہت زیادہ ہو جتنا عام طور پر باپ اپنی ایسی بیٹی کو وہاں جہیز دیا کرتا ہے تو زیادہ والے حصہ میں باپ کا قول قابل اعتبار ہوگا۔

سامان جہیز میں ماں کا حق بیٹی کے جہیز میں ماں کا وہی مقام ہے جو اس کے باپ کا ہے اور یہی حکم نابالغہ کے ولی کا ہے یعنی اگر ماں یا ولی نے جو جہیز لڑکی کو دیا ہے تو وہ واپس نہیں ہوگا، لیکن اگر ماں اور ولی دعویٰ کرے کہ ہم نے عاریتاً دیا تھا تو اس صورت میں باپ کا حکم بیان کیا گیا اسی طرح کا حکم ماں اور ولی کے دعویٰ کے باب میں بھی ہے، اور نہر الفائق میں قاضی خاں کی پیروی میں مستحسن اس کو قرار دیا ہے اگر باپ اشراف میں ہے تو اس کی عاریت والی بات مانی نہیں جائے گی۔

و لو دفعت في تجهيزها لابنتها اشياء من امتعة الاب بحضرته و علمه و كان ساكتا و زفت الى الزوج فليس للاب ان يسترد ذلك من ابنته لجريان العرف به و كذا لو انفقت

الام فی جهازها ما هو معتاد و الاب ساکت لا تضمن الام و هما من المسائل السبع والثلاثین بل الثمان و الاربعین علی ما فی زواهر الجواهر التی السکوت فیها کا لنطق فروع مسائل ملحقه لو زفت الیه بلا جهاز یلیق به فله مطالبة الاب بالنقد قنیه زاد فی البحر عن المبتغی الا اذا سکت طویلاً فلا خصومة له لکن فی النهر عن البزازیة الصحیح انه لا یرجع علی الاب بشیء لان المال فی النکاح غیر مقصود.

باپ کا سامان بیٹی کے جہیز میں بیٹی کے جہیز میں اگر ماں نے اس کے باپ کے سامانوں میں کچھ سامان باپ کی موجودگی میں اور اس کے علم میں لا کر دیدیا۔ اور باپ دیتے وقت خاموش رہا اور بیٹی کو اس کے شوہر کے گھر پہونچادیا گیا۔ تو اس کے باپ کو یہ حق نہیں رہتا ہے کہ اپنے سامانوں کو جہیز سے واپس لے لے، کیونکہ رواج یہی ہے کہ باپ جہیز کا سامان بیٹی کی ماں کے سپرد کردیا کرتا ہے کہ وہ لڑکی کو دیدے۔

اسی طرح اگر کسی ماں نے اپنی بیٹی کے جہیز میں اتنا دیا جتنا وہاں کا رواج تھا اور باپ خاموش رہا تو اس صورت میں ماں پر کوئی ضمان نہیں ہے اور یہ دونوں مسئلے ان سینتیس یا اڑتالیس میں سے ہیں جن میں چپ رہنا بولنے کے حکم میں ہے۔

نقدی کا مطالبہ اگر لڑکی کو بغیر اس جہیز کے شوہر کے پاس بھیج دیا گیا ہے جو عام طور پر اس کے لائق تھا، تو شوہر کو اتنے کے لڑکی کے باپ کے نقد سے واپسی کے مطالبہ کا حق ہے، یہ دراصل اس صورت حال کے ساتھ مخصوص ہے جہاں رواج یہ ہو کہ لڑکی کا ولی شوہر سے کچھ نقد نکاح کے شان کے لئے وصول کرتا ہو، اس نقد سے کچھ سامان لڑکے کے لئے تیار کیا جاتا ہو اور کچھ سامان لڑکی کے لئے، اب نقد لینے کے بعد جو سامان اس نقد سے لڑکے کے لئے تیار ہوتا ہے وہ لڑکے کو نہ ملا ہو تو لڑکا وہ نقد واپس لینے کا مطالبہ کرسکتا ہے، لیکن بحر الرائق میں یہ بھی بعض کتاب سے زیادہ کیا ہے کہ اگر شوہر بہت دنوں چپ رہا تو پھر اس کو مطالبہ کا حق باقی نہیں رہتا ہے کیونکہ زیادہ دنوں تک خموشی رضامندی کی دلیل ہے، نہر الفائق میں بعض کتابوں کے حوالے سے یہ درج ہے کہ صحیح یہ ہے کہ شوہر لڑکی کے باپ سے کچھ واپس کرنے کا مطالبہ نہ کرے اس لئے کہ نکاح میں مال مقصود نہیں ہوا کرتا ہے۔

نکح ذمی او مستا من ذمية او حربی حربية لمة بميتة او بلا مهر بان سكتا عنه او نفياه و الحال أن ذا جائز عندهم فوطئت او طلقت قبله او مات عنها فلا مهر لها و لو اسلما وترا فعا الينا لانا امرنا بتركهم و ما يدينون و تثبت بقية احكام النكاح فی حقهم كالمسلمين من وجوب النفقة فی النكاح و وقوع الطلاق و نحو هما كعدة و نسب و خيار بلوغ و توارث بنكاح صحيح و حرمة مطلقة ثلثا و نكاح محارم و ان نكحها بخمر او خنزير عين ای مشار اليه ثم اسلما او اسلم احدهما قبل القبض فلها ذلك فتخلل الخمر و تسيب

الخنزير و لو طلقها قبل الدخول فلها نصفه و لها في غير عين قيمة الخمر و مهر المثل في الخنزير اذ اخذ قيمة القيمي كاخذ عينه

کافرہ کے مہر میں خنزیر و شراب

کوئی ذمی مستامن ذمیہ سے نکاح کرے یا کوئی حربی حربیہ عورت سے نکاح کرے اور یہ دارالحرب میں ہو، اور مہر مردار جانور کو مقرر کرے یا بلا مہر کے نکاح کرے یا ان دونوں کے نکاح میں مہر کا کوئی تذکرہ سرے سے نہیں آئے یا صراحت کے ساتھ مہر کی نفی کردے اور ایسا کرنا ان کے مذہب میں جائز ہو، پھر اس نکاح کے بعد ذمیہ یا حربیہ سے وطی ہوئی یا وطی سے پہلے طلاق ہوگئی یا شوہر بیوی کو چھوڑ کر مرگیا، تو ان تمام صورتوں میں اُن عورتوں کو کچھ مہر نہیں ملے گا، اور نہ متعہ ملے گا، گو وہ دونوں میاں بیوی مسلمان ہوگئے ہوں، اور انہوں نے مسلمان قاضی کے پاس مقدمہ کیا ہو پھر بھی مہر نہیں ملے گا، کیونکہ ہم مسلمان حکمرانوں کو حکم ہے کہ ذمیوں کو ان کے دین پر باقی رہنے دیا جائے، اسلامی احکام ان پر جاری نہ کئے جائیں، اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی حکومت میں ان ذمیوں کو سود کھانے اور شراب پینے سے روکنے کی اجازت نہیں ہے۔

مہر کے علاوہ احکام کا نفاذ

مہر کے علاوہ بقیہ اور احکام نکاح ان ذمیوں کے لئے ثابت ہوں گے، جس طرح مسلمانوں کے حق میں ہوتے ہیں، جیسے نکاح میں وجوب نفقہ کا مسئلہ ہے یا طلاق کے واقع ہونے کا مسئلہ ہے، یا ان کے جیسے اور احکام ہیں مثلاً عدت، خیار بلوغ، نسب اور نکاح صحیح میں وارث ہونا، مطلقہ ثلثہ کا حرام ہونا، محارم کے ساتھ نکاح حرام ہونا، لیکن یہ احکام اس وقت ان میں جاری ہوں گے جب وہ بھی ان کا باہم اعتقاد رکھتے ہوں اور مقدمہ ہمارے قاضی کے سامنے پیش کریں۔ کذافی الطحاوی۔

اور اگر کسی ذمی نے کسی ذمیہ عورت سے شراب معین یا خنزیر معین پر نکاح کیا یعنی ان کو اشارہ کر کے متعین کردیا ہو پھر وہ دونوں مسلمان ہوگئے یا مہر پر قبضہ سے پہلے ان دونوں میں سے کوئی ایک مسلمان ہوگیا تو عورت کو مہر میں وہی متعین چیز یعنی شراب اور سور ملے گا، اب وہ اس شراب کو سرکہ بنا کر کام میں لاسکتی ہے البتہ خنزیر کو چھوڑ دے گی، اور اگر بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دی ہے تو اس مہر میں متعین چیزوں کا آدھا ملے گا یعنی آدھی شراب اور آدھا سور۔

اور اگر مہر میں معین شراب اور معین سور نہیں تھا، بلکہ مطلقاً یہ چیزیں تھی تو شراب کی صورت میں شراب کی قیمت ملے گی اور سور کی صورت میں مہر مثل ملے گا، سور کی قیمت اس لئے نہیں ملے گی کہ قیمت والی چیز کی قیمت لینا ایسا ہی ہے جیسے بعینہٖ اس شی کا لینا، تو سور کی قیمت لینا سور لینے کے حکم میں ہوگا، جو نجس عین ہے اور مسلمان کے لئے حرام۔

لوقوع الوطي في دار الاسلام لا يخلو عن حدٍ او مهر الا في مسئلتين صبي نكح بلا اذن و طاوعته و بائع امة قبل تسليم و يسقط من الثمن ما قابل البكارة والا فلا تدافعت جارية مع اخرى فازالت بكارتها لزمها مهر المثل لاب الصغيرة المطالبة بالمهر و للزوج المطالبة بتسليمها ان تحملت الرجل قال البزازي لا يعتبر السن فلو سلمها فهربت لم يلزمه طلبها.

فروع (شارح کی طرف سے اضافہ شدہ مسائل)

حد یا مہر دار الاسلام میں ملک یمین کے علاوہ اس صورت میں کوئی وطی دو چیزوں میں سے ایک سے خالی نہیں ہوگی یا اس پر وطی کی وجہ سے حد ہوگی، یا مہر عائد ہوگا، البتہ دو مسئلے ایسے ہیں کہ ان میں وطی کے اندر نہ حد ہے نہ مہر، ایک مسئلہ یہ ہے کہ کسی نابالغ لڑکے نے کسی بالغہ عورت سے بلا اجازت ولی نکاح کیا اور عورت نے وطی میں نابالغ کی اطاعت کی تو اس میں نہ حد ہوگی اور نہ مہر ہوگا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ لونڈی کے بیچنے والے نے لونڈی کو حوالہ کرنے سے پہلے اس کے ساتھ وطی کرلی تو اس صورت میں بھی وطی کرنے والے پر نہ حد ہوگی اور نہ مہر ہوگا، البتہ اس لونڈی کی قیمت میں سے ازالہ بکارت کی مقدار کم ہو جائے گی اس لئے کہ اس کی بکارت بیچنے والے نے زائل کردی ہے، اور اگر وہ باکرہ نہیں تھی تو قیمت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

بکارت زائل کرنے کا بدلہ ایک لڑکی نے دوسری لڑکی کو دھکا دیا، اور ڈھکیلا، پس اس طرح اس نے اس کی بکارت زائل کردی، تو اس صورت میں ڈھکیلنے والی لڑکی پر مہر مثل عائد ہوگا۔

نابالغہ شوہر کے حوالہ کب ہوگی نابالغہ لڑکی کے باپ کو حق پہونچتا ہے کہ وہ اس کے شوہر سے مہر کا مطالبہ کرے، اگرچہ شوہر بیوی سے لذّت اندوز ابھی نہ ہوا ہو، اور اس کے شوہر کو حق ہے کہ وہ اپنی نابالغہ بیوی کے سپرد کیے جانے کا مطالبہ کرے بشرطیکہ وہ لڑکی مرد کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتی ہو، بزازی کا کہنا ہے کہ لڑکی میں سن (عمر) کا کوئی اعتبار نہیں، یعنی اگر شوہر اور لڑکی کے باپ میں اختلاف ہو، شوہر کہتا ہو کہ لڑکی مرد کو برداشت کرسکتی ہے اور لڑکی کا باپ کہتا ہے کہ لڑکی میں مرد کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے، تو اس وقت یہاں لڑکی کی عمر کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ قاضی عورتوں کو دکھائے گا کہ یہ لڑکی اس قابل ہے یا نہیں، اگر عورتیں بتائیں گی کہ مرد کا تحمل کرسکتی ہے، تو شوہر کے حوالہ کردی جائے گی اور اگر وہ بتائیں کہ اس لائق نہیں ہے تو شوہر کے حوالہ نہیں کی جائے گی۔

اگر لڑکی کے باپ نے اپنی اس لڑکی کو اس کے شوہر کے حوالہ کردیا، لیکن وہ لڑکی شوہر کے پاس سے بھاگ گئی، تو شوہر پر اس لڑکی کی تلاش لازم نہیں ہے، کیونکہ آزاد عورت کے گم ہو جانے کی وجہ سے ضمان نہیں عاید ہوتا ہے۔

خدع امرأة و اخذها حبس الى ان ياتى بها او يعلم موتها المهر مه. السرور و قيل العلانية المؤجل الى الطلاق يتعجلُ بالرجعي و لا يتاجل بمراجعتها و لو وهبته المهر على ان يتزوجها فابى فالمهر باق نكحها اولا و لو وهبته لا حد و وكلتهُ بقبضه صح و لو احالت به انسانا ثم وهبته للزوج لم تصح و هذه حيلة من يريد ان يهب و لا تصح.

عورت بھگانے والے کی سزا کسی نے عورت کو دھوکہ دیا اور اس کو نکال لے گیا تو اس صورت میں اس شخص کو قید کردیا جائے گا جب تک وہ اس عورت کو نہ لے آئے یا اس عورت کا مرجانا معلوم نہ ہو جائے۔

مسئلہ مہر مہر وہی معتبر ہوتا ہے جو پوشیدگی کا مہر ہو، اور ایک قول یہ ہے وہ مہر معتبر ہے جو ظاہر کا مہر ہے، یعنی کسی نے ایک

عورت سے نکاح کیا اور پوشیدہ طور پر ایک ہزار مہر مقرر کیا، اور پھر لوگوں کو دکھلانے کے لئے مجمع میں دو ہزار مہر مقرر کیا تو اس صورت میں پوشیدہ مہر کا اعتبار ہوگا، ظاہر مہر کا اعتبار نہیں ہوگا۔

جو مہر طلاق تک مؤجل ہو وہ طلاق رجعی دینے سے معجّل ہو جاتا ہے، اور رجعت کرنے سے وہ مہر معجّل دوبارہ مؤجل نہیں ہوتا ہے عورت نے اس شرط پر مہر بخش دیا کہ مرد اس کے ساتھ نکاح کرے، مرد نے اس بخش دینے کو قبول نہیں کیا تو وہ مہر اس کے ذمہ باقی رہا، خواہ اس نے عورت سے نکاح کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

اس مسئلہ کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ ایک شخص نے اپنی مطلقہ عورت سے کہا کہ میں تجھ سے نکاح اس وقت تک نہیں کروں گا جب تک تو اپنا مہر معاف نہ کر دے، عورت نے بشرط نکاح مہر معاف کر دیا، پھر مرد نے انکار کیا، تو مہر باقی رہا۔

اگر کسی عورت نے اپنا مہر کسی اور کو ہبہ کر دیا اور اسی کو مہر لینے پر وکیل بنا دیا، تو یہ صحیح ہے، اور اگر عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ میرا مہر فلاں شخص کو دیدو اور شوہر نے اس کو قبول کر لیا، پھر عورت نے وہی مہر شوہر کو ہبہ کر دیا تو اس کا یہ ہبہ کرنا صحیح نہیں ہوگا کیونکہ وہ پہلے دوسرے کے حوالہ کر چکی ہے۔

بَابْ نکاحْ الرَقیق

هو المملوك كلاً او بعضاً والقن المملوك كلا توقف نكاح قن و امة و مكاتب و مدبر و ام ولد على اجازة المولى فان اجاز نفذ و ان رد بطل فلا مهر مالم يدخل فيطالب بمهر المثل بعد عتقه ثم المراد بالمولىٰ من له ولاية تزويج الامة كاب وجد و قاض و وصى و مكاتب و مفاوض و متول و اما العبد فلا يملك تزويجه الا من يملك اعتاقه درر فان نكحوا بالاذن فالمهر والنفقة عليهم اى على القن وغيره لوجود سبب الوجود منه و يسقطان بموتهم لفوات محل الاستيفاء و بيع قن فيهما لا يباع غيره كمدبر بل يسعى و لو مات مولاهُ لزمه جملة ان قدر نهر و قنية لكنه يباع فى النفقة مرارا ان تجددت و فى المهر مرة و يطالب بالباقى بعد عتقه الا اذا باعه منها خانية

(غلام کے نکاح کا بیان)

غلام کا نکاح

رقیق اس غلام کو کہتے ہیں جو پورے طور پر غلام ہو یا اس کا کچھ حصہ غلام ہو، اور قن اس غلام کو کہتے ہیں جو پورا غلام ہو، پورے طور پر جو غلام ہو اسکا نکاح اسی طرح لونڈی اور مکاتب ومدبر اور امّ ولد کا نکاح آقا کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے اگر اس نے جائز رکھا جائز ہوگا اور اگر رد کر دیا تو باطل ہو جائے گا۔

مکاتب، اس غلام کو کہتے ہیں جس کو مالک نے کہا کہ تو اتنے روپے کمالا، تو تو آزاد ہے، اور مدبر وہ غلام ہے جس سے مالک نے کہا تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے، اور امّ ولد، وہ لونڈی ہے جو مالک کے تصرف میں رہے اور مالک نے اس سے لڑکا پیدا کیا ہو۔

مالک کی اجازت کے بغیر غلام وغیرہ جو نکاح کرے گا اس میں اس وقت تک مہر لازم نہیں ہوتا ہے جب تک وہ بیوی سے وطی نہ کرلے، اور وطی کے بعد بیوی کی طرف سے مہر مثل کا مطالبہ ہوگا مگر اس کے آزاد ہونے کے بعد پہلے نہیں۔

مولی سے مراد وہ شخص ہے جس کو لونڈی کے نکاح کر دینے کا اختیار ہو، جیسے لونڈی کا باپ، دادا، قاضی، وصی، مکاتب، مفاوض اور متولی، چنانچہ باپ اپنی نابالغ بیٹی کی لونڈی کا نکاح کر سکتا ہے، اسی طرح دادا قاضی اور وصی وغیرہ بھی، لیکن ان کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ اس کے ساتھ اپنے غلام کا نکاح کر دیں، اسی طرح مکاتب کو اپنی لونڈی کے نکاح کا اور مفاوض کو شرکت کی لونڈی کے نکاح کا اور متولی کو بیت المال کی لونڈی کے نکاح کا اختیار ہے۔

غلام کا نکاح کون کرسکتا ہے

غلام کے نکاح کا مالک صرف وہ شخص ہوگا جو اس کے آزاد کرنے کا حق رکھتا ہے، غلام کا باپ، غلام کے نکاح کا حقدار نہیں ہے۔ اگر غلام وغیرہ اپنے آقا کی اجازت سے نکاح کریں گے تو ان کی بیویوں کا مہر اور نفقہ خود ان غلام وغیرہ پر لازم ہوگا کیونکہ نفقہ مہر کے واجب ہونے کے سبب خود یہی ہیں، اور جب یہ غلام وغیرہ مر جائیں گے، تو ان کی موت کیوجہ سے مہر اور نفقہ ساقط ہو جائیں گے، کیونکہ ان کی موت کے بعد مہر اور نفقہ لینے کا مقام باقی نہ رہا۔

شوہر کی فروختگی مہر ونفقہ میں

بیوی کے مہر اور نفقہ میں ان غلاموں کا بیچ دینا جائز ہے تاکہ اس کی قیمت سے مہر اور نفقہ ادا کیا جائے، پورے طور پر جو غلام ہے اس کے سوا دوسرا جیسے مدبر اور مکاتب وغیرہ بیچا نہیں جائے گا، بلکہ ان سے محنت مزدوری کرا کے مہر اور نفقہ کا انتظام کیا جائے گا۔

اگر مدبر کا آقا مر جائے تو بشرطِ قدرت مدبر پر مہر لازم ہوگا اور اگر قدرت نہ ہو تو تا قدرت انتظار کیا جائے گا، قن (پورا غلام) اپنی بیوی کے نفقہ میں بار بار بیچا جائے گا لیکن مہر کے سلسلہ میں صرف ایک بار بیچا جائے گا اور اسکے باوجود مہر باقی رہ جائے تو اس کے آزاد ہونے کے بعد اس سے اس کا مطالبہ کیا جائے گا، البتہ اس صورت میں باقی مہر کا مطالبہ نہیں ہے جب اس کے

مالک نے خود اس کی بیوی کے ہاتھ اس کو بیچ دیا ہو۔

و لو زوج المولی امته من عبده لا یجب المهر فی الاصح و لو الجیة قال البزازی بل یسقط و محل الخلاف اذا لم تکن الامة ماذونة مدیونة فان کانت بیع ایضا لانه یثبت لها ثم ینتقل للمولی نهر فلو باعه سیده بعد ما زوجه امرأة فالمهر برقبته یدور معه این ما دار کدین الاستهلاك لکن للمرأة فسخ البیع لو المهر علیه لانه دین فکانت کالغرماء منح و قوله لعبده طلقها رجعیة اجازة للنکاح الموقوف لا طلقها او فارقها لانه یستعمل للمتارکة حتی لو اجازه بعد ذلك لا ینفذ بخلاف الفضولی و اذنه لعبده فی النکاح ینتظم جائزهٗ وفاسده فیباع العبد لمهر من نکحها فاسداً بعد اذنه فوطیها خلافا لهما و لو نوی المولی الصحیح فقط تقید به کما لو نص علیه و لو نص علی الفاسد صح و صح الصحیح ایضاً نهر.

لونڈی کا نکاح اگر آقا نے اپنی لونڈی کا نکاح اپنے غلام سے کر دیا تو اس صورت میں مہر واجب نہیں ہوگا، صحیح تر قول یہی ہے اور بزازی نے کہا کہ مہر واجب تو ہوگا لیکن ساقط ہو جائے گا، اور یہ اختلافی شکل اس وقت سامنے آئے گی جب لونڈی قرضدار نہ ہو اور نہ اس کو اجازت ہو، غلام نے کسی عورت سے شادی کر لی، اس کے بعد اس کے آقا نے اس کو بیچ دیا، تو اس کی بیوی کا مہر اس غلام کی گردن پر رہے گا جہاں وہ جائے گا وہی ذمہ دار رہے گا، گو وہ دس مرتبہ بکے، اور دس مالک کے پاس اس کا رہنا ہو، جیسے غلام اگر کسی شخص کا مال ضائع کر دے تو وہ دین اسی غلام کی گردن پر رہے گا، خواہ وہ کہیں بک کر جائے، لیکن اگر عورت کا مہر غلام پر باقی ہے تو اس غلام کی بیوی آقا کی بیع کو فسخ کرا سکتی ہے، کیونکہ مہر بھی شوہر پر بطور دَین کے ہی ہے اور عورت بطور قرض خواہ کے، جیسے وہ غلام جس کو اجازت حاصل ہو اور اس کا آقا اس کو بیچنا چاہے، تو اس کے قرض خواہوں کو اختیار ہے کہ آقا کی بیع کو جائز رکھیں اور اس کی قیمت اپنے قرض میں وصول کریں، اور چاہیں بیع کو فسخ کرائیں۔

طلاق رجعی کا حکم آقا کا اپنے غلام سے یہ کہنا کہ "تم اپنی بیوی کو طلاق رجعی دیدو" دراصل یہ نکاح موقوف اس کی طرف سے اجازت ہے، اس لئے کہ طلاق رجعی بغیر نکاح صحیح نہیں ہو سکتی ہے، اور آقا کا اپنے غلام سے یہ کہنا کہ "تم طلاق دیدو" یا یہ کہنا کہ "اس کو چھوڑ دو" نکاح موقوف کی اجازت نہیں ہوگی، اس لئے کہ طلاق اور فراق کا لفظ چھوڑ دینے میں بھی استعمال ہوتا ہے، یعنی یہ دونوں الفاظ اجازت کے لئے بھی بولے جاتے ہیں اور تردید کے لئے بھی، چنانچہ آقا اگر ان الفاظ کے بولنے کے بعد اپنے غلام کے نکاح کی اجازت دے گا تو بھی نکاح نافذ نہیں ہوگا۔ اس کے برعکس فضولی کا معاملہ ہے یعنی اگر فضولی شخص نے کسی مرد کا کسی عورت سے نکاح کر دیا اور جب اس مرد کو اس نکاح کی خبر پہونچی تو اس نے کہا کہ اس کو طلاق دیدو، تو یہ جملہ نکاح کی اجازت سمجھی جائے گی کیونکہ شوہر کو طلاق دینے کا اختیار ہے وہ طلاق کا حکم دے سکتا ہے اور طلاق بغیر نکاح کے نہیں ہوئی، باقی آقا کو غلام کی بیوی کو طلاق دینے کا اختیار نہیں ہے۔

آقا کو غلام کی اجازت اور آقا کا اپنے غلام کو نکاح کی اجازت دینا نکاح جائز و فاسد دونوں کو شامل ہے لہٰذا غلام کو

اس عورت کے مہر میں فروخت کیا جائے گا جس سے اس نے مولیٰ کی اجازت سے نکاح فاسد کیا پھر اس سے وطی کی، لیکن یہ صاحبین کا کہنا ہے کہ یہ درست ہے کہ آقا نے نکاح کی اجازت دی تھی، مگر یہ اجازت نکاح فاسد کو شامل نہیں ہو گی یہ صرف نکاح صحیح کو شامل ہو گی لہٰذا غلام مہر میں نہیں بیچا جائے گا بلکہ جب وہ آزاد ہو گا تو اس پر مہر لازم ہو گا۔

اگر آقا نے اپنے غلام کو نکاح کی اجازت دی اور فقط صحیح نکاح کی نیت کی، تو اس کی یہ اجازت صرف نکاح صحیح کو شامل ہو گی، اور اسی کے لئے مخصوص ہو گی چنانچہ اگر وہ اس کی صراحت کر دے تو یہ صرف صحیح نکاح کو شامل ہو گی اور اگر صراحت میں نکاح فاسد کو لے لیا ہے تو نکاح فاسد کرنا بھی درست ہو گا اور نکاح صحیح کرنا بھی۔

و لو نكحها ثانيا صحيحا او نكح اخرى بعدها صحيحاً توقف على الاجازة لانتهاء الاذن بمرة وان نوى مرار و لو مرتين صح لانهما كل نكاح العبد ر كذا التوكيل بالنكاح بخلاف التوكيل به فانه لا يتناول الفاسد فلا ينتهى به به يفتى والوكيل بنكاح فاسد لا يملك الصحيح بخلاف البيع ابن ملك و فى الاشباه من قاعدة الاصل فى الكلام الحقيقة الاذن فى النكاح والبيع والتوكيل بالبيع يتناول الفاسد و بالنكاح لا واليمين على نكاح و صلوة و صوم و حج و بيع ان كانت على الماضى يتناولة و ان على المستقبل لا .

غلام کا نکاح آقا کی اجازت پر

آقا نے اپنے غلام کو مطلقاً نکاح کی اجازت دی، اس کے بعد غلام نے پہلے نکاح فاسد کیا، پھر دوبارہ اس سے نکاح صحیح کیا یا نکاح فاسد کے بعد کسی دوسری عورت سے نکاح صحیح کیا۔ تو یہ "نکاح صحیح" آقا کی اجازت پر موقوف ہو گا، اس واسطے کہ اس کی اجازت ایک مرتبہ ایک نکاح کر دینے پر ختم ہو چکی ہے، اگرچہ آقا نے چند مرتبہ نکاح کی نیت کی ہو، تو بھی نکاح ثانی اجازت پر موقوف ہو گا، اور اگر آقا نے اپنی اجازت میں دوبار دو عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی نیت کی، تو یہ دوبار کی نیت بھی صحیح ہو گی اور غلام کو دوسری عورت سے نکاح کرنا صحیح ہو گا اور اس سے زیادہ کی غلام کو اجازت بھی نہیں۔

اسی طرح نکاح میں وکیل بنانا ہے کہ اگر کوئی کسی کو نکاح کرنے کا وکیل بنائے گا تو اس وکیل کو صرف ایک نکاح کرنے کا اختیار ہو گا دوسرے نکاح کا اختیار حاصل نہ ہو گا، البتہ آقا کی اجازت صحیح و فاسد دونوں کو شامل ہوتی ہے لیکن وکیل نکاح کی وکالت صرف نکاح صحیح کو شامل ہو گی فاسد نکاح کی وکالت حاصل نہیں ہو گی، اور اگر وکیل نکاح فاسد کر دے گا تو وہ نکاح نافذ نہیں ہو گا اور نکاح فاسد کرنے سے اس کی وکالت بھی منقطع نہیں ہو گی، اور دوبارہ اگر نکاح صحیح کر دے گا تو وہ نافذ ہو جائے گا۔

اسی طرح جس کو نکاح فاسد کا وکیل بتایا گیا ہے وہ نکاح صحیح کا وکیل نہیں ہو گا اس کے برعکس بیع کا وکیل ہے کہ اگر اس کو بیع فاسد کا وکیل بنایا گیا ہے تو وہ بیع صحیح کا بھی وکیل ہو گا۔

اجازت کا دائرہ

اور اشباہ میں جہاں یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ ہر کلام میں معنی حقیقی ہے نہ کی معنی مجازی وہاں انہوں نے کہا ہے کہ نکاح اور بیع کی اجازت میں اور بیع کی وکالت میں فاسد بھی شامل ہے اور نکاح کی وکالت میں فاسد شامل نہیں ہے۔

اگر کسی نے نکاح یا نماز یا حج یا بیع پر قسم کھائی اگر ماضی کے صیغہ کے ساتھ ہے گذشتہ زمانہ سے متعلق تو یہ قسم فاسد کو بھی

شامل ہوگی اور اگر صیغہ مستقبل کے ساتھ زمانہ آئندہ سے متعلق قسم کھائی تو فاسد کو شامل نہیں ہوگی، یعنی اگر کہا بخدا میں نے نکاح نہیں کیا تو یہ قسم صحیح اور فاسد دونوں کو شامل ہوگی اور اگر کہا بخدا میں نکاح نہیں کروں گا تو یہ قسم صرف نکاح صحیح کو شامل ہوگی، فاسد کو شامل نہیں ہوگی اگر نکاح صحیح کرے گا تو حانث ہوگا اور اس پر کفارہ آئے گا اور نکاح فاسد کرے گا تو وہ حانث نہیں ہوگا اور قسم کا کفارہ نہیں آئے گا اس طرح نماز، روزہ اور بیع میں بھی سمجھ لیا جائے۔

لو زوج عبداً له ماذونا مدیونا صح وساوت المرأة الغرماء ہ فی مهر مثلها والاقل والزائد علیه تطالب به بعد استیفاء الغرماء کدین الصحة مع دین المرض الا اذا باعه منها کما مر

و لو زوج بنته بمکاتبة ثم مات لا یفسد النکاح لانها لم تملك المکاتب بموت ابیها الا اذا عجز فرد فی الرق فحینئذ یفسد للتنافی.

قرضدار غلام کو نکاح کی اجازت

اگر کسی آقا نے اپنے غلام کا نکاح کیا جو ماذون اور قرضدار تھا تو یہ نکاح صحیح ہوگا اور اُس غلام کی بیوی اپنے مہر مثل اور جو مہر اس سے کم ہے اسکے پانے میں دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہوگی یعنی جس طرح اس غلام کی کمائی سے دوسرے قرض خواہ حصے لیں گے ویسا ہی یہ عورت بھی پائے گی اور جو مہر مہر مثل سے زیادہ ہوگا قرض خواہوں کے قرض ادا ہو جانے کے بعد وہ اس کا شوہر سے مطالبہ کرے گی۔

جس طرح کسی شخص پر دو قرض ہوں ایک زمانہ صحت کا اور دوسرا زمانۂ بیماری کا، تو پہلے زمانۂ صحت کا قرض ادا کیا جائے گا پھر اگر کچھ مال بچ رہے گا تو بیماری کے زمانہ کا قرض ادا ہوگا۔

ہاں اگر آقا اس غلام کو اس کی بیوی کے ہاتھ بیچ دے گا، تو باقی مہر کا مطالبہ اس غلام شوہر پر باقی نہیں رہے گا، اس کی صورت یہ ہے کہ ایک آقا نے اپنے قرضدار غلام کا ایک عورت سے ہزار روپیہ مہر پر نکاح کر دیا اور غلام پر پہلا قرض بھی ایک ہزار روپیہ تھا، پھر آقا نے اس غلام کو اسی عورت کے ہاتھ جو اس کی بیوی ہے دو ہزار روپے میں فروخت کر دیا تو وہ دو ہزار پہلے قرض خواہ اور عورت اپنے اپنے حصہ کے مطابق لے لیں گے یعنی ایک ہزار پہلے قرض والے لیں گے اور ایک ہزار بیوی مہر کا لے لیگی اس کے بعد عورت کا جو باقی رہے وہ ساقط ہو جائے گا۔

لڑکی کی شادی مکاتب غلام سے

اگر کسی آقا نے اپنی لڑکی کی شادی اپنے مکاتب غلام سے کر دی اس کے بعد آقا مر گیا تو اس صورت میں نکاح فاسد نہیں ہوگا کیونکہ اس کی بیٹی اپنے باپ کے مر جانے سے مکاتب غلام کی مالک نہیں ہوئی، البتہ جب وہ مکاتب غلام بدلِ کتابت کے روپے ادا کرنے سے عاجز ہو جائے گا اور پھر غلام بنا لیا جائے گا تو نکاح فاسد ہو جائے گا کیونکہ زوجیت اور ملکیت دونوں جمع نہیں ہو سکتیں۔

زوج امته او ام ولده لا تجب علیه بیتوتتها و ان شرطها فی العقد اما لو شرط الحر حریة اولادها فیه صح و عتق کل من ولدته فی هذا النکاح لان قبول المولی الشرط والتزویج علی اعتباره هو معنی تعلیق الحریة بالولادة فیصح فتح و مفاده انه لو باعها او مات عنها قبل الوضع فلا حریة و لو ادعی الزوج الشرط ولا بینة له حلف المولیٰ نهر لکن لا نفقة

و لا سكنى الا بها بان يدفعها اليه و لا يستخدمها و تخدم المولى و يطاء الزوج ان ظفر بها فارغة عن خدمة المولى و يكفي في تسليمها قوله متى ظفرت بها وطيتها نهر فان بواها ثم رجع عنها صح رجوعه لبقاء حقه و سقطت النفقة.

لونڈی کی شادی

آقا نے اپنی لونڈی کا یا اپنی ام ولد کا نکاح کر دیا تو اس کی وجہ سے آقا پر واجب نہیں ہے کہ لونڈی کو اس کے شوہر کے گھر شب باشی کے لئے بھیجے، گو اس نے کاح میں شب باشی کی شرط بھی کیوں نہ کر لی ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ آقا کا حق شوہر کے حق سے مقدم ہے، باقی اس سے پیدا ہونے والی اولاد کی آزادی کی اگر شرط کر لی گئی ہے تو اولاد آزاد ہوگی اور یہ شرط صحیح ہوگی اور اس نکاح سے پیدا ہونے والے سارے بچے آزاد ہوں گے، کیونکہ جب آقا نے اس کی یہ شرط مان لی اور نکاح کر دیا تو یہ آزادی کی تعلیق ہوئی، گویا لونڈی سے کہا کہ اس نکاح سے تم جو بچے جنو گی وہ سب آزاد ہیں، یہ تعلیق درست ہے باقی شب باشی میں تعلیق کا معنی نہیں ہوتا ہے۔

لونڈی کے بچے کی آزادی

اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر آقا نے اس لونڈی کو بیچ دیا یا وہ اس کو چھوڑ کر مر گیا، اور یہ بچے کے پیدا ہونے سے پہلے ہوا تو اس کی اولاد کی آزادی ثابت نہیں ہوگی، اس لئے کہ جب تک تعلیق کرنے والا زندہ ہوتا ہے اس وقت تک تعلیق صحیح ہوتی ہے اور اگر لونڈی کے شوہر نے دعویٰ کیا کہ اولاد کے آزاد ہونے کی شرط ہوئی ہے لیکن اس کے پاس گواہ اور ثبوت نہیں ہے، تو اس صورت میں آقا کو حلف دیا جائے گا۔

لونڈی کا نفقہ

لیکن لونڈی کا نفقہ اور سکنی اس کے شوہر پر شب باشی کے بغیر نہیں ہوتا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ آقا لونڈی کو اس کے شوہر کے حوالہ کر دے اور اس سے خدمت نہ لے، اگر ایسا نہیں ہوا تو لونڈی آقا کی خدمت کرے گی اور جس وقت وہ اپنے آقا کی خدمت سے فارغ ہوگی شوہر موقع پا کر اس سے وطی کرے گا، اور اس کے لئے آقا کا یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ جب تم اپنی بیوی کو دیکھو کہ وہ کام نہیں کر رہی ہے تو اس کے ساتھ ہم بستر ہو لیا کرو۔

آقا نے شب باشی کی اجازت دی پھر اس سے رجوع کر لیا تو اس کا یہ رجوع کرنا صحیح ہوگا، اس لئے مولیٰ کا حق باقی رہتا ہے، لیکن شوہر سے نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

و لو خدمته اى السيد بعد البيتوتة بلا استخدامه او استخدامها نهاراً و اعادها لبيت زوجها ليلاً لا تسقط لبقاء البيتوتة وله اى المولى السفر بها اى بامته و ان ابى الزوج ظهيرية و له اجبار قنه و امته و لو ام ولده.

شب باشی کی آقا نے اجازت دیدی تھی اس کے باوجود مولیٰ کی خواہش کے بغیر خدمت کی، یا مولیٰ نے کہا تھا کہ دن میں وہ خدمت کیا کرے اور رات میں شوہر کے گھر رہے، تو اس صورت میں شوہر سے نفقہ ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ شب باشی کا معاملہ شوہر کے ساتھ باقی ہے۔

آقا کو یہ حق پہونچتا ہے کہ وہ اپنی شادی شدہ لونڈی کو اپنے ساتھ سفر میں لے جائے، اگر چہ اس کا شوہر اس سے انکار ہی کیوں نہ کرے۔

مولیٰ کو اپنے غلام اور لونڈی (خواہ وہ ام والد ہی کیوں نہ ہو) اس کے نکاح میں جبر کا بھی اختیار ہے کہ جبر ڈال کر اس کا

نکاح کرادے وہ زور زبردستی سے نکاح کراسکتا ہے۔

و لا یلزمه الاستبراء بل یندب فلو ولدت لاقل من نصف حول فهو من المولی والنكاح فاسد بحر من الاستيلاد و ثبوت النسب علی النكاح و ان لم یرضیا لا مكاتبه و مكاتبة بل یتوقف علی اجازتهما و لو صغيرين الحاقا بالبالغ فلو ادیا وعتقا عاد موقوفا علی اجازة المولی لا علی اجازتهما لعدم اهلیتهما ان لم یكن عصبة غيره و لو عجزا توقف نكاح المكاتب علی رضی المولی ثانیاً لعود مؤن النكاح عليه و بطل نكاح المكاتبة لانه طؤحل بات علی موقوف فابطله والدليل يعمل العجائب و بحث الكمال هنا غير صائب

لونڈی کے لئے استبراء

مولیٰ پر استبراء (رحم کے خالی ہونے کی معلومات) لازم نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے یعنی جو لونڈی مولیٰ کے تصرف میں تھی اس نے اس کا نکاح کردیا تو مولیٰ کے لئے ضروری نہیں ہے کہ پہلے تین حیض گذروا کر شوہر کے سپرد کرے لہٰذا اگر اس کو چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوگا تو اس کا نسب مولیٰ سے قائم ہوگا، اور نکاح کو فاسد قرار دیا جائے گا، بحر الرائق کے باب الاستیلاد اور ثبوت النسب میں ایسا ہی مذکور ہے۔

لونڈی اور غلام کی شادی

مولیٰ کو اپنی لونڈی اور غلام کے نکاح کے معاملہ میں اُن پر جبر ڈالنے کا اختیار ہے، خواہ وہ دونوں راضی ہوں یا راضی نہ ہوں، لیکن مکاتب غلام اور مکاتب لونڈی پر جبر کا اختیار نہیں ہے، ان دونوں کا نکاح ان کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے، خواہ دونوں نابالغ ہی کیوں نہ ہوں، مکاتبت کی وجہ سے یہ دونوں جبر کے مسئلہ میں بالغ کے درجہ میں ہوجاتے ہیں، لہٰذا مولیٰ کو ان نابالغ پر بھی جبر کا اختیار نہیں ہوگا۔

اگر مکاتب غلام اور لونڈی نے نکاح ہوجانے کے بعد کتابت کا مال ادا کردیا تو وہ شرعاً آزاد ہوگئے، اب آزادی کے بعد نکاح نابالغ غلام لونڈی کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگا، کیونکہ یہ اس کے اہل نہیں، اگر ان کا کوئی عصبہ نہ ہوگا تو ان کا سابق نکاح مولیٰ کی اجازت پر موقوف ہوگا، کیونکہ جب کوئی عصبہ نہ ہو تو خود آزاد کرنے والا عصبہ قرار پاتا ہے۔

مکاتبہ کا نکاح

اگر یہ دونوں بدل کتابت ادا کرنے پر قادر نہ ہوئے تو ان کا نکاح پھر مولیٰ کی اجازت پر ہی موقوف ہوگا کیونکہ یہ پورے طور پر غلام ہوگئے اور جو ایسا غلام لونڈی ہو، اس کا مالک مولیٰ ہی ہوتا ہے، اور اس وقت پہلا نکاح بوجہ عاجزی باطل ہوجائے گا، اور دلیل سے عجیب وغریب امور ثابت ہوتے ہیں، چنانچہ ابن الہمام کی بحث یہاں درست نہیں ہے۔

مسئلہ یہ تھا کہ ایک لونڈی مکاتبہ (جس کو کتابت حاصل تھی) کا نکاح مولیٰ نے اس کے بغیر مرضی کردیا تھا وہ نکاح مکاتبہ کی اجازت پر موقوف تھا لیکن جب وہ مال کتابت کی ادائیگی سے عاجز ہوگئی تو اس کی غلامی عود کر آئی اور مولیٰ کے لئے جائز ہوگیا کہ وہ اس کے ساتھ وطی کرے، اس حلال ہونے یا اس نکاح کو جو موقوف تھا مگر نافذ نہ ہوا تھا باطل کردیا۔ اس پر ابن الہمام کا اعتراض یہ ہے کہ جب مکاتب صغیر آزاد ہوگیا، تو پھر مولیٰ کی اجازت پر اس کو موقوف ماننا معقول نہیں معلوم ہوتا ہے، کیونکہ آزاد ہوجانے کے بعد مولیٰ کی ولایت باقی کہاں رہی، جواب کا حاصل یہ ہے کہ آزادی کے بعد مولیٰ کو حق ولا حاصل ہوتا ہے، یہ ولایت جدیدہ ہے پہلی ولایت ملکیت والی باقی نہیں رہی۔

و لو قتل المولی امته قبل الوطی ولو خطاءً فتح و هو مکلف فلو صبیا لم یسقط علی الراجح سقط المهر لمنعهٖ المبدل کحرة ارتدت و لو صغیرة لا لو فعلت ذلک القتل امرأة و لو امة علی الصحیح خانیة بنفسها او قتلها وارثها او ارتدت الامة او قبلت ابن زوجها کما رجحه فی النهر اذ لا تفویت من المولی او فعله بعده ای الوطی لتقرره و لو فعله بعبده او مکاتبته او مأزونته المدبونة لم یسقط اتفاقاً.

مہر کا ساقط ہونا

شادی شدہ لونڈی کو مولیٰ نے خلوت صحیحہ سے پہلے قتل کر دیا خواہ غلطی و خطا سے ایسا ہوا، اور مولیٰ عاقل بالغ ہے، تو لونڈی کے شوہر سے مہر ساقط ہو جائے گا کیونکہ اس طرح مولیٰ نے اس کے شوہر کو فائدہ اٹھانے سے روک دیا اور مہر اس فائدہ اٹھانے کا ہی بدلہ تھا، جیسے آزاد عورت شادی شدہ وطی سے پہلے جب مرتد ہو جائے تو اس کا مہر ساقط ہو جاتا ہے، اگرچہ وہ لونڈی نابالغہ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ جدائی عورت کی طرف سے پائی گئی۔

لیکن اگر قتل کرنے والا آقا نابالغ ہو تو پھر لونڈی کے شوہر سے مہر ساقط نہ ہوگا، راجح قول مصنف نے اسی کو قرار دیا ہے، اگر خود عورت نے قتل کیا ہے گو وہ عورت لونڈی ہو یا اس عورت کے وارث نے قتل کیا، تو شوہر سے مہر ساقط نہیں ہوگا، یا لونڈی مرتد ہو گئی یا اس نے اپنے شوہر کے لڑکے کا بوسہ لے لیا تو بھی مہر ساقط نہیں ہوگا اس لئے کہ اس وقت مولیٰ کی طرف سے کوتاہی نہیں پائی گئی۔

اسی طرح اگر شادی شدہ لونڈی کو مولیٰ نے قتل کیا مگر وطی کے بعد تو اس صورت میں مہر ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ وطی کی وجہ سے مہر ثابت ہو گیا۔ اور اگر مولیٰ اپنے غلام کو قتل کر دے یا اپنی مکاتبہ کو یا اس لونڈی کو جس کو اجازت دے رکھی تھی اور وہ قرضدار تھی، تو مہر ساقط نہیں ہوگا اس میں سب کا اتفاق ہے۔

والاذن فی العزل و هو الانزال خارج الفرج لمولی الامة لالها لان الولد حقه و هو یفید التقیید بالبالغه و کذا الحرة نهر و یعزل عن الحرة و کذا المکاتبة نهر بحثا باذنها لکن فی الخانیة انه یباح فی زماننا لفسادهٖ قال الکمال فلیعتبر عذر امسقطا لاذنها و قالوا یباح اسقاط الولد قبل اربعة اشهر و لو بلا اذن الزوج و عن امته بغیر اذنها بلا کراهة فان ظهر بها حمل حل نفیه و ان لم یعد قبل بول.

عزل کی حیثیت

عزل کہتے ہیں شوہر وطی کرے اور جب انزال کا وقت آئے تو منی کے قطرات کو عورت کی شرمگاہ میں گرانے کے بجائے باہر لا کر گرائے، اور یہ اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ بچہ پیدا نہ ہو، شادی شدہ لونڈی کا شوہر جب عزل کرنا چاہے گا تو وہ اس کی اجازت اس کے مولیٰ سے لے گا، خود لونڈی سے نہیں لے گا، اس لئے کہ لڑکا جو لونڈی سے پیدا ہوتا ہے وہ مولیٰ کا حق ہوتا ہے اور وہی اس کا مالک ہوتا ہے، چنانچہ اس مسئلہ کا تعلق بالغہ لونڈی سے ہو نابالغہ کو حمل نہیں ہوتا، اس لئے عزل کے سلسلہ میں اجازت کی ضرورت نہیں پڑے گی، لہٰذا آزاد عورت کے باب میں بھی بالغہ ہونے کی قید لگانی چاہئے۔

آزاد عورت اوراسی طرح مکاتبہ لونڈی سے عزل ان کی اجازت سے ان کے شوہر کریں گے، نہر الفائق میں ایسا ہی ہے، لیکن خانیہ میں یہ ہے کہ ہمارے زمانہ میں آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر بھی عزل مباح ہے، کیونکہ اس زمانہ میں فساد عام ہے، گویا جب زمانہ فساد کا ہو تو عورت کی اجازت کے بغیر بھی جائز ہوگا۔

اسقاط حمل فقہاء کہتے ہیں کہ اگر حمل پر چار ماہ نہیں گذرا ہے تو اس سے پہلے پہلے حمل ساقط کرنا مباح ہے، گو شوہر سے اجازت حاصل نہ کی ہو، یہاں کوئی قید ذکر نہیں کی گئی ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ بغیر ضرورت کے اسقاط حمل جائز نہیں ہے (خانیہ کے باب الکراہۃ میں ہے کہ میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ اسقاط حمل مطلقاً مباح ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی حاجی جو حالت احرام میں ہو اگر وہ شکار کا انڈا توڑ دے گا، تو اس پر ضمان عاید کیا جاتا ہے، کیونکہ پرندہ اسی انڈے سے جنم لیتا ہے، جب ایسی بات ہے تو آدمی کے بیج کا جو تیاری کے قریب آچکا ہے بغیر عذر ضائع کرنا کیسے جائز ہوگا، اور بلا عذر ایسا کرنے والا کیونکر گنہگار نہ ہوگا)

عزل کے باوجود حمل اپنی لونڈی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنا جائز ہے، اور اس میں کوئی کراہیت نہیں ہے، لہٰذا اگر کسی نے لونڈی سے عزل کیا اور اس کے باجود اس کو حمل ظاہر ہوا تو اسکے آقا کے لئے یہ جائز ہے کہ کہہ دے میرا نطفہ نہیں ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ عزل کے بعد اور پیشاب سے پہلے پھر اس وقت اس نے وطی نہ کی ہو دوسری شرط یہ ہے کہ لونڈی گھر سے باہر آتی جاتی ہو، اگر پردہ نشین ہے تو حمل کی نفی جائز نہیں ہے اس لئے کہ ہو سکتا ہے عزل کے وقت منی کے کچھ قطرات اندر گرگئے ہوں، تیسری شرط یہ ہے کہ اس کو ظن غالب ہو کہ واقعی وہ حمل اس کے نطفہ سے نہیں ہے۔

و خیرت امته و لو ام ولد و مکاتبته و لو حکما کمعتقة بعض عتقت تحت حرا و عبد و لو کان النکاح برضاها دفعا لزیادة الملك علیها بطلقة ثالثة فان اختارت نفسها فلا مهر لها او زوجها فالمهر لسیدها و لو صغیرة تأخر لبلوغها و لیس لها خیار بلوغ فی الاصح او کانت الامة عند النکاح حرة ثم صارت امة بان یرتد و لحقا بدار الحرب ثم سبیا فاعتقت خیرت عند الثانی خلافا للثالث مبسوط والجهل بهذا الخیار خیار العتق عذر فلو لم تعلم به حتی ارتد و لحقا فعلمت ففسخت صح الا اذا قضی بالحاق و لیس هذا بحکم بل فتویٰ کافی.

خیارِ عتق لونڈی کی شادی چاہے آزاد سے ہو چاہے غلام سے اور گو اسکی رضامندی سے ہوئی ہو، جب اسکو آزادی حاصل ہو جائے گی تو اس کو آزادی کے بعد زمانہ غلامی کے نکاح کے باقی رکھنے اور ختم کرنے کا اختیار ہے، خواہ وہ لونڈی مکاتبہ یا ام ولد ہی کیوں نہ ہو، پوری مکاتبہ ہو یا حکماً مکاتبہ ہو، کہ پوری آزاد نہ ہو، بلکہ کچھ حصہ آزاد ہو چکا ہو اور کچھ غلام ہو۔

اور یہ نکاح باقی رکھنے اور ختم کرنے کا اختیار آزادی کے بعد لونڈی کو اس لئے دیا گیا ہے، کہ پہلے وہ دو طلاق سے بالکلیہ علیحدہ ہو سکتی تھی اور اب وہ تین طلاق سے ختم ہو گی۔ اس لئے اس کو اختیار دیا گیا ہے۔

حق مہر اگر آزاد ہونے کے بعد لونڈی نے نکاح توڑ لیا، تو اگر وطی نہ ہوئی ہو تو اس کو کچھ مہر نہیں ملے گا اس لئے کہ جدائی خود اس کی طرف سے پائی گئی، اور اگر وطی ہو چکی تھی تو اس کا مہر اس کے مولیٰ کو ملے گا، جس نے آزاد کیا، اور جس کی ملکیت کے زمانہ میں شادی ہوئی تھی، اور اگر اس نے نکاح نہیں توڑا اور پہلے شوہر کو باقی رکھا، تو دونوں صورتوں میں مہر مولیٰ کو ملے گا، خواہ وطی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

اور آزاد لونڈی آزاد ہونے کے وقت نابالغہ تھی، تو اس کا اختیار نکاح توڑنے اور رکھنے کا اس کے بالغ ہونے تک موخر رہے گا کیونکہ نابالغی کے فیصلہ کا اعتبار نہیں ہوگا، اور صحیح ترمذہب یہ ہے کہ اس کو خیار بلوغ حاصل نہیں ہوگا۔

لونڈی کو نکاح رکھنے نہ رکھنے کا اختیار اس وقت بھی ہوگا کہ جس وقت اس کا نکاح ہوا تھا اور وہ آزاد تھی، پھر وہ لونڈی ہو گئی، اور اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ میاں بیوی آزاد تھے، کہ دونوں مرتد ہوگئے اور دار الحرب میں جا بسے پھر وہاں سے قید ہو کر دار الاسلام میں لائے گئے، اس کے بعد آزادی حاصل ہوئی۔

خیارِ عتق کا معلوم نہ ہونا آزاد ہونے کے بعد نکاح کے سلسلہ میں عورت کو جو اختیار حاصل ہوتا ہے، اگر کسی عورت کو یہ مسئلہ معلوم نہ ہو تو یہ عذر قابل تسلیم ہے، کیونکہ لونڈی مولیٰ کی خدمت میں مشغول رہتی ہے، مسئلہ سیکھنے کا موقع اسے حاصل نہیں ہوتا ہے البتہ خیار بلوغ یعنی بالغ ہونے کے بعد جو اختیار حاصل ہوتا ہے اس کا نہ جاننا عذر شمار نہیں ہوتا ہے۔

لونڈی کو اختیار حاصل ہونے کا مسئلہ معلوم نہیں تھا، آزاد ہونے کے بعد دونوں میاں بیوی مرتد ہوگئے اور دالحرب سے جا ملے، پھر گرفتار ہو کر یا مسلمان ہو کر وہاں سے دار الاسلام میں آئے، اب اس کو "خیار عتق" کا مسئلہ معلوم ہوا اس کے جاننے کے بعد اس لونڈی نے نکاح فسخ کیا تو اتنی مدت گذر جانے کے باوجود یہ نکاح توڑنا اس کے لئے درست ہوگا، کیونکہ نہ جاننے کا عذر تھا۔ لیکن جب قاضی نے حکم دیا ہو کہ یہ کفار سے مل گئے تو پھر اس فیصلے کے بعد نکاح فسخ کرنا درست نہ ہوگا۔

ولا يتوقف على القضاء و لا يبطل بسكوت ولا يثبت لغلام و يقتصر على مجلس كخيار مخيرة بخلاف خيار البلوغ في الكل فائدة نكح عبد بلا اذن فعتق او باعه فاجاز المشترى نفذ لزوال المانع و كذا حكم الامة و لا خيار لها لكون النفوذ بعد العتق فلم تتحقق زيادة الملك و كذا لو اقترنا بان زوجها فضولى و اعتقها فضولى و اجاز هما المولىٰ و كذا مدبّرة عتقت بموته و كذا ام الولد ان دخل بها الزوج و الا لم ينفذ لان عدتها من المولى تمنع نفاذ النكاح فلو وطى الزوج الامة قبله اى العتق فالمهر المسمىٰ له اى المولى و بعده فلها لمقابلته بمنفعة ملكتها.

خیار عتق میں قضائے قاضی کی ضرورت نہیں خیار عتق قاضی کے حکم پر موقوف نہیں ہوتا ہے اور نہ خاموش رہنے سے وہ باطل ہوتا ہے البتہ نابالغ غلام کے لئے خیار عتق ثابت نہیں ہے، یعنی نابالغ غلام آزاد ہوگا، تو اس کو خیار عتق حاصل نہیں ہوگا یہ اختیار غلام کا بعد آزاد ہونے

کے مجلس علم پر موقوف ہے چنانچہ عورت کو جس مجلس میں اپنی آزادی کا علم ہوا اور اس نے اپنا اختیار آزادی استعمال نہی کیا تو اس کا اختیار باطل ہو گیا، جس طرح وہ عورت جس کو اس کے شوہر نے طلاق دے لینے کا اختیار دیا اور عورت کو علم ہوا، اور اس مجلس میں اختیار استعمال نہیں کیا، تو اس کا اختیار باطل ہو گیا۔ اس کے برعکس خیار بلوغ کا مسئلہ ہے اولاً قضائے قاضی پر موقوف ہے اور دوسرے یہ کہ سکوت سے یہ اختیار باطل ہو جاتا ہے اور یہ آخر مجلس تک ممتد نہیں ہوتا ہے، اور اس باب میں مسئلہ نہ جاننا عذر نہیں ہوتا ہے۔

بلا اجازت نکاح

کسی غلام نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا پھر وہ آزاد ہو گیا، یا آقا نے اسے بیچ ڈالا، خریدار نے اس کے اس نکاح کو نافذ کر دیا تو نکاح جائز ہو جائے گا، کیونکہ جو مانع نکاح تھا وہ جاتا رہا، اور آزاد ہونے کے بعد مولیٰ کا کوئی حق باقی نہیں رہا لہٰذا اس کی اجازت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

لونڈی کا بھی یہی حکم ہے یعنی وہ بھی مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی ہے، لیکن اگر بلا اجازت کر لیا، اور آزاد ہو گئی تو وہ نکاح سابق نافذ ہو جائے گا، اس صورت میں لونڈی کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، کیونکہ نکاح کا نفاذ آزادی کے بعد ہوا ہے، پہلے نہیں، تو ملک کی زیادتی کہ دو طلاق سے تین کی ملکیت حاصل ہو جائے ثابت نہیں ہوئی۔

فسخ نکاح کا اختیار

اسی طرح لونڈی کو اس نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار نہیں، جس کو آزادی اور اجازت نکاح ساتھ ساتھ حاصل ہوئی ہو اس کی صورت یہ ہو کہ ایک فضولی شخص نے اس کا نکاح کر دیا اور دوسرے فضولی نے اس کو آزاد کر دیا اور مولیٰ نے نکاح اور آزادی دونوں کو جائز رکھا اسی طرح اس مدبرہ لونڈی کو بھی فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہے، جس نے اپنا نکاح مولیٰ کی اجازت کے بغیر کیا اور مولیٰ کے مرجانے سے وہ آزاد ہو گئی۔

اسی طرح اس ام ولد کو بھی فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہے، جس نے اپنا نکاح مولیٰ کی بلا اجازت کیا، پھر وہ آزاد ہوئی اگر اس کے ساتھ اس کا شوہر ہم بستر ہو گیا ہے تو نکاح نافذ ہو گیا، اور اگر آزادی سے پہلے جماع نہیں کیا تھا، تو اس کا نکاح نافذ نہیں ہوگا، کیونکہ اگر مولیٰ کے مرنے سے آزاد ہوئی ہے تو اس کی عدت اس کے نفاذ کے لئے مانع ہو جائے گی، اور اگر آزادی سے پہلے اس کا شوہر اس کے ساتھ وطی کر چکا ہے تو اب مولیٰ کی عدت ختم ہو گئی۔

حق مہر

اب اگر آزادی سے پہلے لونڈی کے شوہر نے اس کے ساتھ وطی کی ہے تو مہر معین کا حق مولیٰ کو حاصل ہوگا اور آزاد ہو جانے کے بعد وطی کی ہے تو مہر کی مالک عورت ہوگی کیونکہ مہر دراصل وطی کا بدلہ ہے، اس لئے آزادی کے بعد وطی سے مہر کی مالک عورت ہوگی آقا نہیں ہوگا۔

و من وطی امة ابنه فولدت فلو لم تلد لزم عقرها و ارتكب محرماً ولا يحدّ قاذفه فادعاه الاب و هو حر مسلم عاقل تثبت نسبه بشرط بقاء ملك ابنه من وقت الوطی الی الدعوة و بيعها لاخيه مثلا لا يضر نهر بحثا فصارت ام ولده لاستناد الملك لوقت العلوق و عليه قيمتها و لو فقيراً لقصور حاجة بقاء نسله عن بقاء نفسه و لذا يحل له عند الحاجة الطعام لا الوطئ و يجبر على نفقة ابيه لا على دفع جارية التسريه لا عقرها و قيمة ولدها مالم تكن مشتركة فتجب حصة الشريك و هذا اذا ادعاه وحده فلو مع الابن فان شريكين قدم الاب

والا فالابن و لو ادعی ولد ام ولده المنفی او مدبرته او مکاتبتهٗ شرط تصدیق الابن.

بیٹے کی لونڈی کا استعمال کسی باپ نے اپنے بیٹے کی لونڈی سے وطی کی، جس سے وہ حاملہ ہو گئی اور بچہ جنا، پھر باپ نے اس لونڈی کے بچہ کا دعویٰ کیا، اور حال یہ ہے کہ وہ باپ آزاد اور مسلمان عاقل وبالغ ہے، تو اس سے اس بچہ کا نسب ثابت ہوگا، بشرطیکہ اس کے لڑکے کی ملکیت وطی سے لے کر دعویٰ تک باقی رہی ہو اور وہ لونڈی اس کے باپ کی ام ولد ہو جائے گی، کیونکہ بیٹے کا مال باپ کا مال کہلاتا ہے اور باپ پر اس لونڈی کی قیمت واجب ہو گی اور اگر باپ نے وطی کی اور لونڈی کو بچہ نہیں ہوا، تو وطی کرنے والے باپ پر مہر مثل لازم ہوگا، اور باپ حرام کا مرتکب کہا جائے گا اور اگر کوئی اس کو زنا کی تہمت لگائے گا تو تہمت لگانے والے پر حد قذف جاری نہیں ہو گی۔

اگر اس لونڈی کو مالک نے اپنے بھائی کے ہاتھ بیچ دیا، تو اس سے کچھ نقصان نہیں، اس لئے کہ باپ کے دونوں بیٹے اس کے لئے برابر ہیں، باپ کا حق بیٹے پر بہت ہے، اسی واسطے باپ کے لئے بوقت ضرورت بیٹے کا کھانا کھانا جائز ہے، لیکن بیٹے کی لونڈی سے وطی جائز نہیں ہے۔ چنانچہ لونڈی کے باپ کے حوالہ کرنے پر جبر کا حکم نہیں کیا جائے گا، لیکن باپ کھانے کا محتاج ہو تو بیٹے پر اس کے لئے جبر کرنا درست ہے اور اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ باپ کا نان نفقہ برداشت کرے۔

ایک سوال کا جواب سوال یہ ہے کہ جب مجبوری کے وقت بیٹے پر باپ کے نفقہ کے لئے جبر کی اجازت ہے تو آخر بقائے نسل اور منی کی حفاظت کے لئے جب باپ نے پریشانی دور کرنے کے لئے بیٹے کی لونڈی سے وطی کر لی تو باپ پر لونڈی کی قیمت واجب کیوں قرار دی گئی؟

جواب کا حاصل یہ ہے کہ کھانے میں جان کی حفاظت ہے، اور منی کی حفاظت میں نسل کی بقا ہے اور جان کی حفاظت بقائے نسل پر مقدم ہے، دونوں برابر نہیں ہیں، اس لئے وطی کرنے پر لونڈی کی قیمت واجب قرار دی گئی، لیکن کھانا کھالینے پر قیمت واجب قرار نہیں دی گئی۔ ایک میں لذت نفس ہے اور دوسرے میں جان کا بچانا ہے۔

باپ پر وطی کرنے اور بچہ پیدا ہو جانے کی وجہ سے لونڈی کی قیمت واجب ہے، اس کا مہر مثل اور اس کے بچہ کی قیمت باپ کے ذمہ واجب نہیں ہے، شرط یہ ہے کہ لونڈی خالص لڑکے کی ہو، کوئی اس میں دوسرا شریک نہ ہو، اور اگر دوسرا اس لونڈی میں شریک ہوگا، تو اس کے حصہ کے مطابق مہر مثل واجب ہوگا۔

بچہ کا نسب پہلے مسئلہ میں جو یہ کہا کہ وطی کے بعد باپ نے دعویٰ کیا ہو کہ پیدا ہونے والا بچہ میرے نطفہ سے ہے، اگر یہ دعویٰ تنہا باپ کا ہے، تو اس کی صورت گذر چکی، لیکن اگر باپ کے دعویٰ کے ساتھ بیٹا بھی دعویٰ کرے تو، اگر لونڈی خالص بیٹے کی ہے تب تو بیٹے کا دعویٰ مقدم ہوگا، اور اگر اس لونڈی میں باپ بیٹے دونوں شریک ہوں تو باپ کا دعویٰ مقدم ہوگا۔

اپنے بیٹے کی ام ولد کے سلسلہ میں اگر باپ نے یہ دعویٰ کیا کہ ام ولد کا لڑکا میرا ہے، یا اس کے مدبرہ یا مکاتبہ لونڈی کا بچہ میرا ہے اور اس کا لڑکا ان بچوں کی خود سے نفی کر چکا تھا تو اس کے باپ سے ان بچوں کا نسب اس وقت ثابت ہوگا، جب بیٹا تصدیق کرے گا، ثبوت نسب کی وجہ یہ ہو گی کہ ممکن ہے باپ نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا ہو، خواہ نکاح صحیح، خواہ نکاح فاسد، یا اشتباہ سے وطی کر لینا ہو لیکن اگر بیٹے نے اپنے ام ولد کے بچہ کی نفی نہیں کی تو پھر باپ سے اس کا نسب ثابت نہیں ہو سکے گا۔

وجد صحيح كاب بعد زوال و لايته بموت و كفر و جنون و رق فيه اى فى الحكم المذكور لايكون كالاب قبله اى قبل الزوال المذكور و يشترط ثبوت ولايته من الوطى الى الدعوة ولو تزوجها و لو فاسداً ابوه و لو بالولاية فولدت لم تصر ام ولده لتولده من نكاح و يجب المهر لا القيمة و ولدها حر لمالك اخيه له و من الحيل ان يملك امته لطفله ثم يتزوجها و لو وطى جارية امراته او والده او جده فولدت و ادعاه لا يثبت النسب الا بتصديق المولى فلو كذبه ثم ملك الجارية وقتا ما ثبت النسب و سيجئ فى الاستيلاد.

باپ کی جگہ دادا

باپ کی ولایت جب اس کی موت کے بعد، یا کافر ہو جانے یا مجنون ہونے یا غلام ہو جانے کے بعد ختم ہو جائے تو، اس کی جگہ دادا ہو جاتا ہے، یعنی اگر دادا پوتے کی لونڈی کے بچہ کا دعویٰ کرے، تو پوتے کی تصدیق کے بعد دعویٰ صحیح ہوگا، باپ کی ولایت کے ہوتے ہوئے دادا باپ کی جگہ نہیں ہوگا۔

دادا کا دعویٰ نسب اس وقت ثابت ہوگا، جب دادا کی ولایت وطی کے وقت سے لے کر دعوائے نسب تک رہی ہو۔

باپ کا نکاح بیٹے کی لونڈی سے

اگر باپ نے اپنے بیٹے کی لونڈی سے نکاح کیا، گو نکاح فاسد ہو، اور گو باپ نے نکاح بولایت کیا ہو، اس صورت میں کہ بیٹے کو کسی وجہ سے حق ولایت نہیں حاصل تھی، جیسے مجنون وغیرہ ہو گیا تھا، اب اگر لونڈی کو بچہ ہوا تو اس کے باپ کی امّ ولد نہیں ہوگی، اس لئے کہ بچہ بواسطہ نکاح پیدا ہوا ہے۔ اور باپ پر مہر مثل یا متعین مہر واجب ہوگا، لونڈی کی قیمت واجب نہیں ہوگی، اور لونڈی کا بچہ آزاد ہوگا، کیونکہ اس بچہ کا بھائی اس کا مالک ہوا ہے اس قرابت کی وجہ سے آزاد ہو گیا۔

ام ولد نہ ہونے دینے کا حیلہ

جو شخص لونڈی سے وطی کرنا چاہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی چاہے کہ لڑکا پیدا ہونے سے وہ لونڈی ام ولد نہ بن جائے تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ اپنی لونڈی کو اپنے لڑکے کی ملکیت میں کر دے، خواہ بذریعہ بیع، خواہ بذریعہ ہبہ، پھر اس لونڈی سے نکاح کرے، اب جب بچہ پیدا ہوگا، تو یہ لونڈی باپ کی ام ولد نہیں بنے گی، اور بچہ بوجہ قرابت آزاد ہوگا۔

باپ دادا یا بیوی کی لونڈی سے وطی

اگر کسی نے اپنی بیوی کی لونڈی سے وطی کی، یا اپنے باپ کی، لونڈی سے وطی کی یا اپنے دادا کی لونڈی سے وطی کی پھر اس کو بچہ ہوا، اور وطی کرنے والے نے نسب کا دعویٰ کیا تو نسب ثابت نہیں ہوگا، مگر اس وقت جب لونڈی کا مالک اس کی تصدیق کر دے گا، اور اگر مالک نے اس کی تکذیب کر دی البتہ اگر مدعی لونڈی کا مالک ہو گیا اپنی زندگی میں کسی وقت بھی، تو نسب ثابت ہوگا اور بچہ آزاد ہوگا، یہ مسئلہ آئندہ تفصیل سے آئے گا۔

حرة متزوجة برقيق قالت لمولى زوجها الحر المكلف اعتقه عنى بالف او زادت و رطل من خبر اذا الفاسد هنا كالصحيح ففعل فسد النكاح لتقديم الملك اقتضاء كانه قال بعته

منك او اعتقتهٗ عنك لكن لو قال كذلك وقع العتق عن المامور لعدم القبول كما فى الحواشى السعدية و مفاده انه لو قال قبلت وقع عن الامر و الولاء لها و لزمها الالف و سقط المهر و يقع العتق عن كفارتها ان نوته عنها و لو لم تقل بالالف لايفسد لعدم الملك والولاء له لانه المعتق.

آزاد بیوی کا اپنے غلام شوہر کو خریدنا غلام کی آزاد بیوی نے اپنے شوہر کے مولیٰ سے جو خود آزاد و مکلف تھا، کہا اس کو میری طرف سے ہزار روپیہ یا کچھ زیادہ پر آزاد کر دے، اس کے مولیٰ نے آزاد کر دیا، تو نکاح فاسد ہو جائے گا، اس لئے کہ جب وہ بیوی کی طرف سے آزاد ہوا تو گویا پہلے اس کی بیوی اس کی مالک ہو گئی پھر اس کی طرف سے وہ آزاد ہوا۔ مالک ہوتے ہی اس کا نکاح فاسد ہو گیا۔

ایجاب کے بعد قبول کی شرط لیکن اگر غلام کے مولیٰ نے صراحتاً اس طرح کہا کہ میں نے اس کو تیرے ہاتھ بیچا یا تیری طرف سے اس کو آزاد کیا، تو آزادی مولیٰ کی طرف سے ہو گی، کیونکہ حکم دینے والے کی طرف سے قبول نہیں پایا گیا، گویا صرف ایجاب ہوا، قبول نہیں پایا گیا اس لئے بیع کامل نہیں ہوئی وہ پہلے مسئلہ میں ضمناً بیع منعقد ہو گئی تھی، گویا ضمنی میں قبول کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، اور صراحتاً میں قبول کرنا ضروری ہوتا ہے، اگر بیچنے کے بعد حکم دینے والے نے کہا کہ میں نے قبول کیا، تو بیع مکمل ہو جائے گی، اور آزادی اسی کی طرف سے ہو گی۔

حق ولاء اور اس غلام کی ولاء اس کی آزاد بیوی کو حاصل ہو گی، جس نے آزاد کرادیا ہے، اور اس کو لازم ہو گا کہ اس غلام کے مولیٰ کو ہزار روپیہ ادا کر دے، اور مولیٰ پر جو مہر تھا وہ ساقط ہو جائے گا۔ ولاء یہ ہے کہ اگر آزاد ہونے والے غلام کے مرنے کے بعد اس کا کوئی وارث نہیں ہو گا تو آزاد کرنے والا اس کا وارث قرار پائے گا۔

آزادی عورت کے کفارہ میں ہو سکتی ہے اگر وہ اپنے کفارہ میں آزاد کرنے کی نیت کرے گی۔

اگر آزاد بیوی نے اس طرح نہیں کہا، کہ اس کو ہزار روپیہ کے بدلہ آزاد کرو۔ بلکہ صرف یہ کہا کہ آزاد کر دو، تو پھر اس کا نکاح فاسد نہ ہو گا۔ کیونکہ اس وقت بیوی اپنے غلام شوہر کی مالک نہیں ہو گی اور اس وقت حق ولاء مولیٰ کو حاصل رہے گا۔ اور آزادی اسی کی طرف سے ہو گی۔

باب نكاح الكافر

يشمل المشرك والكتابى و هنا ثلثة اصول الاول ان كل نكاح صحيح بين المسلمين فهو صحيح بين اهل الكفر خلافاً لمالك و يرده قوله تعالىٰ (و امرأته حمالة الحطب، و قوله عليه الصلوٰة والسلام ولدت من نكاح لا من سفاح والثانى ان كل نكاح حرم بين المسلمين لفقد شرطه كعدم شهود يجوز فى حقهم اذا اعتقدوه عند الامام و يقرون عليه

بعد الاسلام والثالث ان کل نکاح حرم لحرمة المحل کمحارم یقع جائزا و قال مشائخ العراق لا بل فاسد والاول اصح و علیه فتجب النفقة و بحد قاذفه واجمعوا علی انهم لا یتوارثون لان الارث ثبت بالنص علی خلاف القیاس فی النکاح الصحیح مطلقاً فیقتصر علیه ابن ملك اسلم المتزوجان بلا سماع شهود او فی عدة کافر معتقدین ذلك اقرا علیه لانا امرنا بترکهم و ما یعتقدون.

کافروں کے نکاح کا بیان

(ا) کافر مشرک اور کتابی دونوں کو شامل ہے، کافروں کے نکاح کے سلسلہ میں تین بنیادی قاعدے ہیں پہلا قاعدہ یہ ہے کہ جو نکاح مسلمانوں میں باہم درست ہے وہ کافروں کے درمیان بھی درست ہے، البتہ امام مالکؒ یہ کہتے ہیں کافروں کا نکاح صحیح نہیں ہوتا ہے، لیکن امام مالکؒ کے اس قول کا رد قرآن کی اس آیت سے ہوتا ہے جس میں ابولہب کی بیوی کو بیوی کہا گیا ہے وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَب ، اسی طرح اس حدیث نبوی سے بھی ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا ولدتُ من نکاح لا من سفاح میں نکاح سے پیدا ہوا، زنا سے پیدا نہیں ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام سے پہلے جو نکاح ہوتا تھا اسے نکاح مانا گیا ہے، دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ نکاح جو مسلمانوں میں باہم شرط کے نہ پائے جانے سے حرام ہے جیسے جب گواہ نہ ہوں، یہ سارے نکاح کافروں کے حق میں جائز ہیں جب کہ وہ اس کے درست ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوں، امام اعظم کا مسلک یہی ہے چنانچہ اگر کافر جوڑا مسلمان ہو جائے تو ان دونوں کو اسلام قبول کرنے کے بعد اسی پہلے نکاح پر باقی رکھا جائے گا جدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوگی، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں ان لوگوں کو جو دونوں میاں بیوی مسلمان ہوئے پہلے نکاح پر ہی باقی رکھا، دوبارہ نکاح نہیں کیا، اور نہ اس کی تفتیش فرمائی کہ تمہارا پہلے کس طرح نکاح ہوا تھا، تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ وہ نکاح جو مسلمانوں میں محل کی حرمت کی وجہ سے حرام ہے جیسے محارم سے نکاح، یہ سارے نکاح کافروں کے جائز ہوں گے اور مشائخ عراق کہتے ہیں درست قرار نہیں دیئے جائیں گے بلکہ وہ فاسد ہوں گے ان میں پہلا قول صحت نکاح والا صحیح ہے، اور اسی قول کی بنیاد پر عورت کا نفقہ واجب ہوگا اور جو تہمت لگائے گا اس پر حد جاری ہوگی۔

کافروں کی وراثت فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کافر نکاح کے راستہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے ہیں کیونکہ زوجین کی وراثت نکاح صحیح میں نص سے ثابت ہوئی ہے جو خلاف قیاس ہے لہٰذا اسی پر منحصر رہے گی، عام نہیں ہوگی (البتہ کافر نسب کی راہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، مثلاً ایک کافر نے اپنی بہن سے نکاح کیا اور مر گیا تو عورت نکاح کی وجہ سے زوجہ کی وارث نہیں ہوگی لیکن بہن ہونے کی وجہ سے وارث ہوگی)

کس نکاح پر باقی رکھا جائے گا دو میاں بیوی جو کافر تھے مسلمان ہوئے اور ان دونوں کا نکاح اس طرح ہوا تھا

کہ نکاح میں گواہ نہیں تھے۔ جنھوں نے ایجاب و قبول سنا ہو، یا عورت اپنے پہلے شوہر کی عدت میں تھی اور اسی حال میں اس کا نکاح ہو گیا تھا اور یہ ایسے نکاح کے درست ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے تو ان کو اس نکاح پر اسلام کے بعد برقرار رکھا جائیگا۔ کیونکہ ہمیں یہی حکم ہے کہ ان کو ان کے معتقدات پر چھوڑ دیں اور باقی رہنے دیں۔

و لو كانا اى المتزوجان اللذان اسلما محرمين او اسلم احد المحرمين او ترافعا الينا وهما على الكفر فرق القاضي اوالذى حكماه بينهما لعدم المحلية و بمرافعة احدهما لا يفرق ببقاء حق الآخر بخلاف اسلامه لان الاسلام يعلو ولا يعلى عليه الا اذا طلقها ثلثا و طلبت التفريق فانه يفرق بينهما اجماعاً كما لو خالعها ثم اقام معها من غير عقد او تزوج كتابية فى عدة مسلم او تزوجها قبل زوج آخر و قد طلقها ثلثا فانه فى هذه الثلثة يفرق من غير مرافعة بحر عن المحيط خلافا للزيلعي والحاوى من اشتراط المرافعة و اذا اسلم احد الزوجين المجوسيين او امرأة الكتابى عرض الاسلام على الآخر فان اسلم فبها و الا بان ابى و سكت فرق بينهما و لو كان الزوج صبيا مميزا اتفاقا على الاصح و الصبية كالصبى فيما ذكر والاصل ان كل من صح منه الاسلام اذا اتى به صح منه الاباء اذا عرض عليه و ينتظر عقل اى تميز غير المميز و لو كان مجنونا لا ينتظر لعدم نهايته بل يعرض الاسلام على ابويه فايهما اسلم تبعه فيبقى النكاح فان لم يكن له اب نصب القاضي. و حيا فيقضع عليه بالفرقة باقانى عن البهمنى عن روضة العلماء للزاهدى.

تفریق کب ہوگی

اگر دو کافر مسلمان ہونے والوں میں دونوں محرم ہوں یا دو محرموں میں سے ایک مسلمان ہوا یا دونوں نے اپنا مقدمہ مسلمان قاضی کے پاس دائر کیا اس طرح کہ وہ دونوں کفر پر قائم ہوں تو قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا اور حَکَم اگر ہے تو وہ، کیونکہ یہ محل نکاح نہیں ہے لیکن دونوں میں سے صرف ایک مقدمہ لائے تو تفریق نہیں کرائی جائے گی، کیونکہ دوسرے کا حق باقی رہا، البتہ ایک مسلمان ہو چکا ہے تو پھر تفریق کرا دی جائیگی اسلئے کہ اسلام بلند ہے پست نہیں ہو سکتا ہے۔

مگر جب مرد نے اپنی عورت کو تین طلاق دی ہو اور عورت تفریق چاہتی ہو تو اس وقت ایک کی نالش سے تفریق کرا دی جائے گی اس پر سبھوں کا اتفاق ہے۔ اس لئے کہ تین طلاق سے نکاح بالکلیہ ختم ہو جاتا ہے جیسے مرد نے عورت سے خلع کیا پھر اس کے ساتھ قیام کیا اور بغیر عقد کے ایسا کیا، یا کافر نے کتابیہ سے نکاح کیا کسی مسلمان کی عدت میں، یا کسی نے عورت سے دوسرے شوہر کے پہلے نکاح کیا حالانکہ وہ اس کو تین طلاقیں دے چکا تھا تو تین صورتوں میں بغیر نالش تفریق کر دی جائے گی، كذا فى البحر عن المحيط خلافا عن الزيلعي، زیلعی وغیرہ کہتے ہیں جب نالش ہوگی تب تفریق کی جائے گی، بغیر نالش تفریق نہیں ہوگی۔

دو کافر میاں بیوی میں ایک کا مسلمان ہونا

دو مجوسی میاں بیوی میں سے ایک مسلمان ہو جائے یا کسی کتابی مرد کی بیوی مسلمان ہو جائے تو اس صورت میں دوسرے پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر اس دوسرے نے اسلام قبول کر لیا تو بہت خوب ہوا کہ نکاح باقی رہ گیا، اور اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا، یا خاموش رہا، تو دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی، اگرچہ شوہر نابالغ سمجھ دار ہو، تو بھی انکار سے تفریق ہو گی، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، سمجھ دار کا مطلب یہ ہے کہ وہ دین اور مذہب کو سمجھتا ہو، بعض نے سات سال عمر اس کے لئے لکھی ہے، مذکورہ احکام میں بچی بچہ کی طرح ہے یعنی اگر کتابی شوہر مسلمان ہو جائے گا اور اس کی بیوی سمجھ دار نابالغہ ہے تو اس سے بھی مسلمان ہونے کو کہا جائے گا اور اگر وہ مسلمان ہو گئی تو نکاح باقی رکھا جائے گا اور مسلمان نہ ہوئی تو تفریق ہو جائے گی اور بنیادی قاعدہ یہ ہے کہ جس کا مسلمان ہونا درست ہے اس کا اسلام لانے سے انکار بھی معتبر مانا جائے گا۔

اور وہ نابالغ لڑکا یا لڑکی جس کو تمیز مذہب کی نہیں ہے، اس کے لئے حکم یہ ہے کہ اسکے تمیز کا انتظار کیا جائے گا، لیکن اگر شوہر پاگل ہے تو اس کے جنون کے اچھے ہونے کا انتظار نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ اس کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، بلکہ ان کے ماں باپ پر اسلام پیش کیا جائے گا ان میں سے اگر کوئی مسلمان ہو جائے گا تو وہ لڑکا اسی کے تابع قرار دے کر مسلمان تسلیم کر لیا جائے گا اور اس طرح نکاح میاں بیوی کے درمیان باقی رہ جائے گا۔ اگر اس کے ماں باپ نہ ہوں تو قاضی اس کی طرف ایک وصی کو مقرر کرے گا پھر اس پر تفریق کا حکم ہو گا۔

و لو اسلم الزوج و هی مجوسیة فتهودت او تنصرت بقی نکاحها کما لو کانت فی الابتداء کذلك لانها کتابیة مآلا و التفریق بینهما طلاق ینقص العدد لو ابی لا لو ابت لان الطلاق لا یکون من النساء و اباء الممیز و احد ابوی المجنون طلاق فی الاصح و هی من اغرب المسائل حیث یقع الطلاق من صغیر و مجنون زیلعی وفیه نظر اذا الطلاق من القاضی و هو علیهما لا منهما فلیسا باهل للایقاع بل للوقوع کما لو ورث قریبه و لو قال ان جننت فانت طالق فجن لم یقع بخلاف ان دخلت الدار فدخلها مجنونا وقع.

شوہر مسلمان ہو اور بیوی کتابیہ

شوہر مسلمان ہو گیا اور اس کی بیوی مجوسی تھی وہ یہودیہ ہو گئی یا نصرانی ہو گئی تو اس کا نکاح باقی رہ جائے گا جیسے اگر پہلے سے مسلمان کی بیوی یہودی یا نصرانی ہو تو یہ نکاح جائز رہتا ہے اور باقی رہتا ہے، اسی طرح جب مجوسیہ یہودیہ یا نصرانیہ ہو گئی تو انجام کے اعتبار سے اہل کتاب ہو گئی۔ اور کتابیہ سے نکاح جائز ہوتا ہے۔

ان دونوں کے درمیان تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہے جو طلاق کے عدد کو کم کر ڈالتا ہے کیونکہ بعد تفریق اگر شادی کرے گا تو تین طلاق کا مالک نہیں ہو گا بلکہ دو ہی کا مالک ہو گا۔ تفریق طلاق کے حکم میں اس وقت ہے جب شوہر اسلام سے انکار کرے، لیکن اگر عورت انکار کرے تو یہ طلاق کے حکم میں نہیں ہے، اس لئے عورتوں کی جانب سے طلاق نہیں ہوا کرتی ہے۔

نابالغ باتمیز شوہر کا انکار اور پاگل شوہر کے ماں باپ کا اسلام کے قبول کرنے سے انکار طلاق کے حکم میں ہے۔ صحیح تر قول یہی ہے اور یہ عجیب و غریب مسائل میں ہے کہ طلاق نابالغ اور مجنون کی طرف سے واقع ہوا یہ نسب میں ہے اور شارح کا کہنا ہے کہ یہ طلاق دراصل قاضی کی طرف سے ہوئی، طلاق اُن دونوں کی طرف سے ڈالی جاتی ہے ان کے اختیار سے نہیں ہوتی اس لئے یہ دونوں طلاق دینے کے اہل قرار نہیں پائے۔ بلکہ طلاق پڑ جانے کے اہل ہیں اس لئے اسے عجیب و غریب مسائل میں شمار کرنا درست نہیں ہے، جیسے یہ نابالغ اور مجنون اگر اپنے قرابت دار کے وارث ہوگئے تو وہ اس کی وجہ سے آزاد ہو جائے گا، تو یہ آزادی دراصل شارع کی طرف سے حاصل ہوئی، نہ کہ صغیر و مجنون کی طرف سے۔

طلاق معلق اگر کسی عاقل بالغ نے اپنی بیوی سے اس طرح کہا کہ اگر میں پاگل ہو جاؤں تو تجھ کو طلاق ہے، پھر وہ پاگل ہوگیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی، اس لئے کہ طلاق شرط کے پائے جانے کے بعد واقع ہوتی ہے یہاں شرط جنون کی تھی اور جب وہ مجنون ہوا تو مکلف باقی نہیں رہا اس کے خلاف اگر اس نے کہا اگر میں گھر میں داخل ہوں تو تجھ کو طلاق ہے اور گھر میں حالت جنون میں داخل ہوا تو طلاق واقع ہو جائے گی، اس لئے کہ طلاق داخل ہونے پر معلق ہے اور یہ پایا گیا تو طلاق واقع ہوئی واقع کی نہیں گئی۔

و لو اسلم احدهما ای احد المجوسین او امراة الکتابی ثمه ای فی دارالحرب و ملحق بها کالبحر الملح لم تبن حتی تحیض ثلثا او تمضی ثلثة اشهر قبل اسلام الآخر اقامة لشرط الفرقة مقام السبب و لیست بعدة لدخول غیر المدخول بها و لو اسلم زوج الکتابیة و لو مآلا کما مر فهی له والمرأة تبین بتباین الدارین حقیقة و حکماً لا بالسبی فلو خرج احدهما الینا مسلماً او ذمیا او اسلم او صار فاذمة فی دارنا او اخرج صبیا و ادخل فی دارنا بانت بتبائن الدار اذ اهل الحرب کالموتی ولا نکاح بین حی و میت و ان سبیا و اخرجا الینا معاً ذمیین او مسلمین او ثم اسلما او صار اذمیین لا تبین لعدم التبائن حتی لو کانت المسبیة منکوحة مسلم او ذمی لم تبن و لو نکحها ثمه ثم حرج قبلها بانت و ان خرجت قبله لا و ما فی الفتح عن المحیط تحریف نهر و من هاجرت الینا مسلمة او ذمیة حائلاً بانت بلا عدةٍ فیحل تزوجها اما الحامل فمتی تضع علی الاظهر لا للعدة بل لشغل الرحم بحق الغیر.

عدت کب گذارے گی اگر دارالحرب میں یا جو دارالحرب سے ملحق ہے میاں بیوی میں سے جو مجوسی تھے کوئی ایک مسلمان ہوگیا یا کسی اہل کتاب کی بیوی مسلمان ہوگئی تو عورت اس وقت تک جدا نہ ہوگی جب تک دوسرے کے اسلام لانے سے پہلے اس کو تین حیض نہ آجائے۔ یا تین مہینے نہ گذر جائیں تاکہ فرقت کی شرط سبب کے قائمقام ہو جائے، قاعدہ میں ایک میاں بیوی میں سے جب مسلمان ہوگیا تو دوسرے پر اسلام پیش ہونا چاہئے اور چونکہ دارالحرب میں پیش نہیں کیا جاسکتا ہے اس لئے تین حیض یا تین ماہ کی مدت درمیان میں رکھی یہ مدت قائمقام اسلام پیش کرنے کے مان لی جائے گی اس حیض اور تین مہینے کو عدت نہیں کہا جائے گا کیوں کہ یہ حکم مدخولہ اور غیر مدخولہ دونوں کے لئے

ہیں، اور یہ مسلم ہے کہ غیر مدخولہ پر عدت نہیں ہے۔

کتابیہ کا شوہر جب مسلمان ہو جائے

اگر کسی کتابیہ عورت کا شوہر مسلمان ہو گیا تو وہ عورت اسی کی باقی رہے گی، کیونکہ کتابیہ سے مسلمان کا نکاح درست ہے کافرہ عورت اپنے شوہر سے دار کے تبائن سے جدا ہو جاتی ہے خواہ یہ تبائن دارین حقیقی ہو خواہ حکمی، مثلاً شوہر دارالاسلام میں ہو اور بیوی دارالحرب میں تو دونوں میں جدائی ہو جائے گی اور تبائن حکمی یہ ہے کہ دارالحرب کا باشندہ دارالاسلام میں بس جانے کے ارادہ سے آئے، واپسی کا قصد نہ ہو، تو اس صورت میں بھی دونوں میں جدائی ہو جائے گی لیکن اگر وہ دارالاسلام میں امان لے کر واپسی کے ارادہ سے آیا ہے تو جدائی نہیں ہو گی۔

اگر دونوں میاں بیوی سے کوئی دارالاسلام میں آگیا خواہ مسلمان ہو کر، خواہ ذمی بن کر، یا وہ اسلام لے آیا، یا ذمی بن گیا، یا دارالحرب سے قید کر کے لایا گیا اور دارالاسلام میں داخل کیا گیا تو اس صورت میں بھی عورت اپنے شوہر سے چھوٹ جائیگی کیونکہ دار کا اختلاف ہو گیا، اسلئے کہ حربی مردہ کے حکم میں ہے اور یہ طے ہے کہ زندہ اور مردہ کے درمیان نکاح نہیں ہوا کرتا ہے۔

تبائن دار کی بحث

کافر میاں بیوی دونوں ساتھ ہی گرفتار ہوئے اور دونوں ساتھ ساتھ دارالاسلام میں آئے ذمی بن کر یا مسلمان ہو کر، یا دونوں ایمان لے کر آئے اور مسلمان ہو گئے یا امان لے کر آئے اور دونوں ذمی بن گئے تو اس صورت میں دونوں میں جدائی نہیں ہو گی، اس لئے کہ تبائن دارین نہیں پایا گیا، یہاں تک کہ اگر قیدی عورت مسلمان کی منکوحہ ہو یا ذمی کی، تو ان میں جدائی نہیں ہو گی، اس میں کسی سے کوئی برائی یا اختلاف دارین نہیں رہا۔

اگر کسی مسلمان نے دارالحرب میں کسی کتابیہ سے نکاح کیا، اور عورت سے پہلے وہاں سے نکل آیا تو عورت اس سے چھوٹ جائے گی اور اگر عورت پہلے نکل آئی تو جدائی نہیں ہو گی اور جو محیط سے فتح القدیر میں منقول ہے وہ تحریف ہے۔

جو عورت مسلمان ہو کر دارالحرب سے دارالاسلام میں آگئی یا ذمیہ بن کر آئی، جب کہ وہ حاملہ نہیں ہے تو وہ اپنے شوہر سے بلا عدت جدا ہو جائے گی لہٰذا اس سے نکاح کرنا درست ہو گا اور اگر ہجرت کر کے آنے والی حاملہ ہے تو اس وقت اس سے نکاح درست ہو گا جب اس کو بچہ پیدا ہو جائے گا اور یہ انتظار برائے عدت نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ اس کی بچہ دانی خالی نہیں ہے، غیر کے حق سے متعلق ہے۔

وارتداد احدهما ای الزوجین فسخ فلا ینقص عددا عاجل بلا قضاء فللموطؤة و لو حکما کل مهرها لتاکده به ولغیرها النصف لومسمی و المتعة و لو ارتد وعلیه نفقة العدة و لا شیٔ من المهر والنفقة سوی السکنی به یفتی لو ارتدت لمجیٔ الفرقة منها قبل تاکده و لو ماتت فی العدة ورثها زوجها المسلم استحساناً و صرحوا بتعزیرها خمسة و سبعین و تجبر علی الاسلام و علی تجدید النکاح زجرا لها بمهر یسیر کدینار و علیه الفتوی ولوالجبة

میاں بیوی میں سے کسی کا مرتد ہونا

مسلمان میاں بیوی میں سے کسی ایک کا مرتد ہو جانا فوری طور پر نکاح کا فسخ ہو جانا ہے جس میں قضائے قاضی کی بھی ضرورت نہیں ہے اور چونکہ یہ فسخ کے حکم میں ہے لہٰذا طلاق کا عدد کم نہ ہو گا، اگر کوئی چند بار مرتد ہوا اور پھر ہر بار مسلمان ہوا اور ہر مرتبہ جدید نکاح

کیاتو اس صورت میں عورت حلال ہو گی، حلالہ کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

لہٰذا جس عورت کے ساتھ وطی ہو چکی ہے اگرچہ وہ وطی حکما ہو جیسے خلوت صحیحہ کا پایا جانا، تو اس صورت میں عورت کل مہر واجب ہو گا کیونکہ وطی حقیقی اور وطی حکمی سے مہر موکد ہو جاتا ہے، مرتد خواہ مرد ہوا، خواہ عورت ہوئی ہو، اور اگر وطی نہیں پائی گئی نہ حقیقی نہ حکمی تو مہر متعین ہونے کی صورت میں شوہر پر نصف مہر واجب ہو گا، اور اگر مہر متعین نہیں ہوا تھا تو متعہ یعنی پوشاک کی تعداد ہو گی، اور مرد مرتد ہوا ہے تو اس صورت میں مرد پر عدت کا نفقہ بھی واجب ہو گا، اور اگر عورت مدخولہ نہیں ہے تو اس پر نہ عدت واجب ہو گی اور نہ نفقہ، اور عورت مرتدہ ہوئی تو مرد پر نہ مہر واجب ہو گا اور نہ نفقہ، البتہ رہنے کا مکان عدت کا مکان عدت بھر دینا ہو گا، اسی پر فتویٰ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جدائی عورت کی طرف سے پائی گئی، اور مہر جس سے پختہ اور مضبوط ہوتا ہے یعنی وطی وہ پائی نہیں گئی، اور اگر وہ مرتدہ عورت اس زمانہ میں فوت ہو جائے گی تو اس کا وارث اس کا مسلمان شوہر ہو گا دلیل استحسان کا تقاضا یہی ہے۔

مرتدہ کی سزا فقہاء نے لکھا ہے مرتدہ عورت کو پچھتر کوڑے سزا کے طور پر لگائے جائیں گے، یہ امام ابو یوسفؒ کا مذہب ہے فتویٰ اسی پر ہے، بطور زجر اس مرتدہ عورت کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اسلام قبول کرے اور پھر اسی شوہر سے جدید نکاح کرے، مگر مہر معمولی رکھا جائے گا، اسی پر فتویٰ ہے یعنی عورت پسند کرے یا نہ کرے دونوں صورتوں میں، البتہ اگر مرد نکاح نہ کرنا چاہے تو اس کو اس عورت سے نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے، اس صورت میں عورت کا دوسرے مرد سے نکاح کر دیا جائے گا۔

و افتی مشائخ بلخ بعدم الفرقة بردتها زجرا و تيسيرا لا سيما التي تقع في المكفر ثم تنكر قال في النهر والافتاء بهذا اولى من الافتاء بما في النوادر لكن قال المصنف و من تصفح احوال نساء زماننا و ما يقع منهن من موجبات الردة مكررا في كل يوم لم يتوقف في الافتاء برواية النوادر اقول و قد بسطت في القنية والمجتبىٰ والفتح والبحر و حاصلها انها بالردة تسترق و تكون فياء للمسلمين عند ابى حنيفة و يشتريها الزوج من الامام او يصرفها اليه لو مصرفا و لو استولى عليها الزوج بعد الردة ملكها و له بيعها مالم تكن ولدت منه فتكون كام الولد نقل المصنف في كتاب الغصب ان عمر رضى الله عنه هجم على نائحة فضربها بالدرة حتى سقط خمارها فقيل له يا اميرالمومنين قد سقط خمارها فقال انها لاحرمة لها و من هنا قال الفقيه ابوبكر البلخي حين مر بنساء على شط نهر كاشفات الرؤس والذراع فقيل له كيف تمر فقال لا حرمة لهن انما الشك في ايمانهن كانهن حربيات و بقى النكاح ان ارتدا معاً بان لم يعلم السبق فيجعل كالغرقى ثم اسلما كذلك استحسانا و فسد ان اسلم احدهما قبل الآخر ولا مهر قبل الدخول والمتاخر هي ولو هو فنصفه و متعة .

عورت کے مرتدہ ہونے کا اثر

مشائخ بلخ کا کہنا ہے کہ عورت کے مرتد ہونے سے جدائی واقع نہیں ہو گی، کیونکہ یہ بھی اس کی ایک سزا ہے اور تاکہ وہ شوہر کے خلاف کوئی حیلہ اختیار نہ کر سکے، اور مخلوق پر آسانی کا بھی یہی تقاضا ہے، بالخصوص وہ عورت جو موجبات کفر کا ارتکاب کرے پھر منکر ہو جائے۔ نہر الفائق میں لکھا ہے کہ اس روایت پر فتویٰ دینا نوادر پر فتویٰ دینے سے بہتر ہے۔

مصنف نے اپنی شرح منح الغفار میں لکھا ہے کہ جو لوگ ہمارے زمانہ کی عورتوں کے حالات پر گہری نظر رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ عورتوں سے کس طرح بار بار ارتداد والے کلمات کا ارتکاب پایا جاتا ہے تو وہ نوادر کی روایت پر فتویٰ دینے میں تردد کے شکار نہیں ہوں گے۔

شارح فرماتے ہیں کہ میرا کہنا یہ ہے کہ نوادر کی روایتیں قنیہ وغیرہ میں بہت مبسوط و مشرح ہیں یعنی فتاویٰ قنیہ، مجتبیٰ، فتح القدیر اور بحر الرائق میں یہ بہت مفصل بیان کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت کو مرتد ہونے کیوجہ سے لونڈی بنا دیا جاتا ہے اور وہ مسلمانوں کے لئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غنیمت بن جاتی ہے، اور اگر وہ غنیمت کا مصرف نہ ہو گی تو شوہر اس کو امام سے خرید لے گا اور اگر مال غنیمت کا مصرف ہے تو شوہر اس کو اپنے مصرف میں لائے، اور اگر ارتداد کے بعد شوہر اس پر مسلط ہو تو وہ اس کا مالک ہو گا، اور اس کے لئے اس کا بیچنا درست ہو گا، لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ شوہر سے اس کو کوئی بچہ پیدا نہ ہوا ہو، اور اگر بچہ ہو چکا ہے تو وہ ام ولد کے مثل ہو جائے گی۔

نافرمان عورت کی حرمت باقی نہیں رہتی

مصنف نے کتاب الغصب میں نقل کیا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ نوحہ اور ماتم کر رہی ہے آپ نے اس کو درّے لگائے اس درّے لگانے میں اس کے سر سے کپڑا گر گیا، لوگوں نے عرض کیا امیر المومنین اس کے سر کا کپڑا گر گیا ہے (اور یہ ظاہر ہے کہ عورت کے سر کا کھلنا جائز نہیں ہے) آپ نے جواب میں فرمایا اس کی اس وقت کوئی عزت و حرمت نہیں ہے اسلئے کہ یہ خدا کی نافرمانی میں مبتلا تھی۔

یہیں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ابو بکر بلخی ایک ایسے نہر کے کنارے سے گذرے جہاں عورتیں سر اور ہاتھوں کو کھولے ہوئے تھیں لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ ایسی جگہ سے کیسے گذرے جہاں عورتیں برہنہ سر اور برہنہ ہاتھ تھیں تو اس کے جواب میں فقیہ موصوف نے کہا کہ اس صورت میں ان کی شرعاً کوئی عزت و حرمت نہیں، ان کے ایمان میں بھی شک ہے گویا وہ حربی عورتوں کے مثل ہیں اور حربی عورتیں لونڈیوں کے حکم میں ہوتی ہیں جن کے لئے سر چھپانا اور ہاتھوں کا ڈھکنا واجب نہیں ہے۔

دونوں میاں بیوی کا مرتد ہونا

اس صورت میں البتہ نکاح باقی رہے گا جب میاں بیوی دونوں ساتھ ساتھ مرتد ہوں اور معلوم نہ ہو سکے کہ کون پہلے ہوا اور کون بعد تو وہ دو ساتھ ڈوبنے والے کے حکم میں ہوں گے، اور کوئی کسی کا وارث قرار نہیں دیا جائے گا اور یہ نکاح باقی رہنا بطور استحسان ہے، قیاس کا تقاضا نہیں ہے۔

لیکن اگر ان میں سے ایک دوسرے سے پہلے مسلمان ہو گا تو نکاح فاسد ہو جائے گا اور یہ اگر خلوت سے پہلے ہوا ہے تو مہر واجب نہیں ہو گا اگر عورت نے بعد میں اسلام قبول کیا ہے۔ اور بعد میں مرد مسلمان ہوا ہے تو نصف مہر واجب ہو گا، اگر مہر نکاح میں مقرر ہوا تھا، لیکن اگر نکاح میں مہر مقرر ہی نہیں ہوا تھا تو پھر متعہ واجب ہو گا، اور اگر خلوت کے بعد ارتداد اور پھر

اسلام پایا گیا ہے تو جتنا مہر مقرر تھا وہ واجب ہوگا۔

والولد یتبع خیر الابوین دیناً ان اتحدت الدار و لو حکما بان کان الصغیر فی دارنا والاب ثمه بخلاف العکس والمجوسی و مثله کوثنی و سائر اهل الشرك شر من الکتابی والنصرانی شر من الیهودی فی الدارین لانه لا ذبیحة له بل یحنق کمجوسی و فی الآخرة اشد عذابا و فی جامع الفصولین لو قال النصرانیة خیر من الیهودیة والمجوسیة کفر لاثباته الخیر لما قبح بالقطعی لکن ورد فی السنة ان المجوسی اسعد حالة من المعتزلة لاثبات المجوسی خالقین فقط وهولاء خالقا لا عدد له بزازیة و نهر.

اولاد، ماں باپ میں مسلمان کے تابع ہوگی

اولاد کو والدین میں سے اسکے تابع قرار دیا جائے گا جو دین کے اعتبار سے بہتر ہو، یعنی اگر باپ مسلمان ہے تو اس کے تابع ہوگا اور اگر ماں مسلمان ہے تو اس کے تابع ہوگا بشرطیکہ ملک متحد ہو، اگرچہ ایسا حکماً ہو اس طرح کہ لڑکا ہمارے ملک (دارالاسلام) میں ہو، اور اس کی ماں ذمیہ ہو اور باپ نے دارالحرب میں اسلام قبول کیا ہو، تو گویا بظاہر اختلاف دارین ہے مگر اس کے باپ کے اسلام قبول کر لینے سے حکماً وہ دارالاسلام میں داخل سمجھا جائے گا لیکن اگر اس کے برعکس ہو کہ لڑکا دارالحرب میں ہو اور باپ دارالاسلام میں مسلمان ہوا ہو تو اس صورت میں لڑکا اسلام میں باپ کا تابع نہیں ہوگا، کیونکہ دار (ملک) کا اختلاف پایا گیا، حقیقتاً بھی اور حکماً بھی۔

کافروں کی تقسیم و درجات

مجوسی اور اسی کی طرح جیسے بت پرست اور دوسرے اہل شرک جن کا دین آسمانی نہیں ہے وہ کتابی سے بدتر شمار ہوں گے کیونکہ اہل کتاب کا دین ان کے دعویٰ کے مطابق آسمانی ہے گو حقیقتاً ایسا نہیں ہے اور اسی وجہ سے ان کا ذبیحہ حلال قرار دیا گیا ہے لیکن مجوسی کا ذبیحہ حلال نہیں ہے تو اگر مجوسی اور کتابی سے مل کر لڑکا پیدا ہوا ہے تو وہ کتابی شمار ہوگا۔

اسی طرح نصرانی یہودی سے بدتر ہے دارالاسلام میں بھی اور دارالحرب میں بھی، کیونکہ نصرانی جانور کو ذبح نہیں کرتے بلکہ گلا گھونٹ ڈالتے ہیں جیسے مجوسی کرتے ہیں، لیکن یہودی ذبح کرتے ہیں اور آخرت میں نصرانی کیلئے سخت تر عذاب آیا ہے۔

جامع الفصولین میں ہے کہ اگر کوئی اس طرح کہے گا کہ نصرانیت یہودیت اور مجوسیت سے بہتر ہے تو وہ بہتری کو ثابت کرنے کی وجہ سے کافر ہو جائے گا، کیونکہ دلیل قطعی میں صراحت ہے کہ تمام ایمان میں بہتر صرف دین اسلام ہے، نہ خیر نصرانیت میں ہے نہ یہودیت میں نہ مجوسیت میں، لیکن حدیث میں آیا ہے کہ مجوسی معتزلہ سے اچھے حال میں ہیں کیونکہ مجوسی صرف دو خالق کو ثابت کرتے ہیں اور معتزلہ بہت سے خالقوں کو ثابت کرتے ہیں کذافی البزازیہ، معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق شر نہیں ہے بلکہ اس کے خالق بندے ہیں، تو اس طرح بہت سے خالق ٹھہرے، اور مجوسی ایک خیر کا خالق مانتے ہیں۔ اور ایک شر کا، پہلے کو یزدان کہتے ہیں اور دوسرے کو اہرمن۔

و لو تمجس ابو صغیرة نصرانیة تحت مسلم بانت بلا مهر و لو کان قد ماتت الام نصرانیة مثلاً و کذا عکسه لم تبن لتناهی التبعیة بموت احدهما ذمیا او مسلما او مرتدا فلم تبطل بکفر الآخر و فی المحیط لو ارتدا لم تبن مالم یلحقا و لو بلغت عاقلة مسلمة ثم جنت فارتدا لم تبن مطلقا مسلم تحته نصرانیة فتمجسا و تنصرا بانت ولا یصح ان ینکح مرتد او مرتدة احدا من الناس مطلقا اسلم الکافر و تحته خمس نسوة فصاعدًا او اختان او ام و بنتها بطل نکاحهن ان تزوجهن بعقد واحد فان رتب فالآخر باطل و خیره محمد والشافعیؒ عملاً بحدیث فیروز قلنا کان تخییره فی التزوج بعد الفرقة بلغت المسلمة المنکوحة و لم تصف الاسلام بانت ولا مهر قبل الدخول و ینبغی ان یذکر اللہ تعالیٰ بجمیع صفاته عندها و تقر بذلك و تمامه فی الکافی.

نابالغہ کے باپ کا اثر

مسلمان کی بیوی نابالغہ نصرانیہ کا باپ اگر مجوسی ہو گیا، تو نصرانیہ بلا مہر بائن ہو جائے گی، کیونکہ یہ نصرانیہ دین میں باپ کے تابع ہوگی، تو حکماً یہ بھی مجوسی قرار پائی، تو اس طرح اس کا نکاح باطل قرار پائے گا اور اگر اس کی ماں نصرانیہ مر چکی ہو اور اس کا باپ مجوسی ہو جائے یا اس کے برعکس نابالغہ نصرانیہ کا باپ نصرانی ہونے کی حالت میں مر چکا ہو اور اس کی ماں مجوسیہ ہو جائے تو اس صورت میں وہ مسلمان شوہر سے جدا نہیں ہوگی کیونکہ تابع ہونے کی بات والدین میں سے ایک کے مرنے سے ختم ہو چکی ہے خواہ مسلمان ہو کر ہو یا ذمی ہو کر یا مرتد ہو کر، اس صورت میں دوسرے کے کافر ہونے سے نکاح نہیں ٹوٹے گا، اور محیط میں یہ ہے کہ نابالغہ کے ماں باپ دونوں مرتد ہو گئے لیکن جب تک یہ دونوں اس کو لے کر دار الحرب میں نہ چلے جائیں اس کے ساتھ مسلمان کا نکاح باقی رہے گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مرتد پر مسلمان ہونے کے لئے جبر کیا جائے گا جب تک وہ دار الاسلام میں موجود ہے، اس لئے نکاح پر اس کا اثر نہیں پڑے گا۔

اگر نابالغہ کتابیہ جو مسلمان کے نکاح میں تھی وہ عاقلہ بالغہ ہو کر مسلمان ہوئی پھر پاگل ہو گئی، اس کے بعد اس کے ماں باپ مرتد ہو گئے تو اس صورت میں وہ اپنے شوہر سے جدا نہیں ہوگی، خواہ اس کے والدین دار الحرب جا چکے ہوں خواہ نہ گئے ہوں، چونکہ وہ خود بوقت بلوغ مسلمان ہوئی ہے اس لئے والدین کے تابع قرار نہیں دی جائے گی، ایک مسلمان کی بیوی نصرانی تھی، یہ دونوں مجوسی ہو گئے یا نصرانی بن گئے تو اس صورت میں نکاح ٹوٹ جائے گا، اور عورت جدا ہو جائے گی۔

مرتد سے نکاح جائز نہیں

مرتد مرد اور مرتدہ عورت سے کسی کا نکاح کرنا درست نہیں ہے خواہ نکاح کرنے والا مسلمان ہو خواہ کافر ہو، خواہ مرتد کسی کے لئے بھی ایسا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ مستحق قتل ہے اس کو مہلت اس لئے دی جاتی ہے کہ شاید وہ پھر مسلمان ہو جائے۔

ایک کافر مسلمان ہوا جس کے پانچ بیویاں ہیں یا اس سے زیادہ ہیں یا اس کے نکاح میں دو حقیقی بہنیں ہوں، یا اس کے نکاح میں ماں بیٹی دونوں ہوں تو ان کا نکاح اس وقت باطل قرار دیا جائے گا جب ایک عقد میں نکاح ہوا تھا اور اگر یکے بعد دیگرے نکاح کیا تھا تو پہلی کا درست ہوگا اور بعد والی کا باطل و ناجائز، پہلی صورت میں چار کا جائز، پانچویں کا باطل، دوسری صورت میں پہلے

جس بہن سے نکاح ہوا تھا وہ جائز دوسری سے باطل، تیسری صورت میں بھی جس سے پہلے کیا تھا جائز دوسری سے باطل اور امام شافعیؒ اور امام محمدؒ اس کو اختیار دیتے ہیں کہ ان میں چار کو رکھ لے پانچویں کو علیحدہ کردے، دو بہنوں میں ایک کو رکھ لے دوسری کو علیحدہ کردے اسی طرح تیسری صورت میں کسی ایک کو رکھ لے دوسری کو علیحدہ کردے، ضحاک بن فیروز کی حدیث ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فیروز دیلمی سے فرمایا کہ ان عورتوں میں چار کو پسند کرلو۔

امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے جواب میں ہم کہیں گے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس کا اختیار دیا تھا کہ ان میں سے کسی چار سے نکاح کرلے کیونکہ سابق نکاح باطل ہو چکا ہے۔

مسلمان منکوحہ عورت بالغ ہوئی اور اسلام کے ارکان بیان نہ کر سکی تو وہ شوہر سے جدا ہو جائے گی اور اگر خلوت نہیں ہوئی ہے تو مہر بھی نہیں ملے گا اور مرد پر فرض ہوگا کہ وہ عورت کے سامنے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات بیان کرے اور اس سے اس کا اقرار کرائے، اگر کرلے تو نکاح قائم رہے گا۔

باب القسم

بفتح القاف القسمة و بالكسر النصيب يجب و ظاهر الآية انه فرض ان يعدل اى ان لا يجوز فيه اى فى القسم بالتسوية فى البيتوتة و فى الملبوس و الماكول والصحبة لا فى المجامعة كالمحبة بل يستحب و يسقط حقها بمرة و يجب ديانة احياناً و لا يبلغ مدة الايلاء الا برضاها و يؤمر المتعبد بصحبتها احيانا و قدرة الطحاوى بيوم و ليلة من كل اربع لحرة و سبع لامة و لو تضررت من كثرة جماعة لم تجز الزيادة على قدر طاقتها والراى فى تعيين المقدار للقاضى فقضٰى بما يظن طاقتها نهر بحثا بلا فرق بين فحل و خصى عنين و مجبوب و مريض و صحيح و صبى دخل بامراته و بالغ لم يدخل بحر بحثا و اقرة المصنف و مريضة و صحيحة و حائض و ذات نفاس و مجنونة لا تخاف و رتقاء و قرناء و صغيرة يمكن وطيها و محرمة و مظاهر و مولىٰ منها و مقابلاتهن و كذا مطلقة رجعية ان قصد رجعتها والا لا بحر.

بیویوں میں مساوات کا قائم رکھنا

قسم قاف کے زبر کے ساتھ قسمت وتقسیم کے معنی میں آتا ہے اور قاف کے زیر کے ساتھ حصہ کے معنی میں۔ یہاں بیویوں میں مساوات رکھنے کا معنی پایا جاتا ہے، بیویوں کے ساتھ عدل و مساوات واجب ہے اور آیت قرآنی سے معلوم ہوتا ہے

کہ یہ عدل مساوات فرض ہے، یعنی یہ کہ بیویوں کے ساتھ ان کے شوہر ظلم وجور نہ رکیں، ان کے ساتھ رات گذارنے، اس کو پہنانے، کھلانے اور محبت وسلوک کرنے میں شوہر کو مساوات کا برتاؤ کرنا چاہئے البتہ جمع کے اندر مساوات نہیں ہے جیسے قلبی محبت کے اندر مساوات ممکن نہیں، کیونکہ وطی نشاطِ طبعی پر موقوف ہے اور محبت آدمی کے اختیار میں نہیں ہے۔

بیوی کے ساتھ وطی

جماع مرد پر واجب نہیں مستحب ہے، ایک دفعہ بھی شوہر نے بیوی کے ساتھ جماع کرلیا ہے تو قضاءً عورت کا حق ساقط ہو جاتا ہے، البتہ دیانۃً بیوی کے ساتھ جماع کرنا کبھی کبھی شوہر پر واجب ہے، ایلاء کی مدت تک (جو چار ماہ ہے) جماع کا ترک نہیں پایا جانا چاہئے، ہاں خود بیوی کی رضامندی سے ایسا ہو تو مضائقہ نہیں، عبادت گذار کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ کبھی کبھی جماع بھی کیا کرے، اسی طرح ہر مشغول کو قاضی حکم دے گا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ کبھی کبھی ضرور ہمبستر ہو، اس کی کوئی خاص مدّت مقرر نہیں ہے، امام طحاوی نے آزاد عورت کے لئے ہر چار دن میں ایک رات صحبت (جماع) کے لئے مقرر کی ہے، اور لونڈی کے لئے ہفتہ میں ایک رات۔

اگر کثرت جماع سے عورت کو نقصان پہنچتا ہو تو عورت کی طاقت سے زیادہ جماع کرنے کی اجازت نہیں ہے، قاضی کو اختیار دیا گیا ہے کہ عورت کی صحت وقویٰ دیکھ کر جماع کی مقدار مقرر کردے تاکہ دونوں میاں بیوی کے حقوق ادا ہوں۔

شوہر پر بیویوں کے پاس رہنے کی تقسیم رات واجب ہے، خواہ شوہر صحیح وتندرست جمع پر قادر ہو، یا شوہر خصی، عنین، مجبوب اور مریض ہو یا وہ ایسا نابالغ ہو جو عورت کے پاس جا چکا ہو، ہر صورت میں تقسیم واجب ہے، تاکہ انس ومحبت پیدا ہو، یا ایسا بالغ جو ابھی عورت سے ہم بستر نہ ہوا ہو، اس کے لئے بھی، جو شوہر جماع پر قادر نہ ہوگا وہ کم از کم انس ومحبت کا برتاؤ اور دلدہی تو کر سکے گا۔

تقسیم شب میں مساوات

تقسیم شب میں مساوات ضروری ہے، اس کی کوئی تمیز اس میں نہیں ہے کہ عورت بیمار ہے یا تندرست، حیض ونفاس والی ہے یا ایسی کم عقل پاگل ہے جس سے نقصان کا اندیشہ نہو، اسی طرح اس میں بھی تمیز نہیں ہے کہ وہ رتقاء یعنی ایسی عورت ہے جس کی شرمگاہ بند ہے، یا اس کی شرمگاہ میں ہڈی ابھر آئی ہے اور جماع کرنا ناممکن ہو، اور اس نابالغہ میں بھی تمیز نہیں کی جائے گی جس کے ساتھ وطی کی جا سکتی ہو، یا وہ محرمہ یعنی حالت احرام میں ہو، یا ایسی بیوی ہے جس کے ساتھ ظہار کیا ہے یا جس کے ساتھ ایلاء کیا ہے، یا ان کے مقابلے والی ہوں، یعنی حالت احرام میں نہ ہوں، یا اس سے ظہار یا ایلاء نہ کیا گیا ہو، اسی طرح وہ عورت جس کو طلاق رجعی دے چکا، اور رجعت کا ارادہ رکھتا ہو، البتہ اگر رجوع کا ارادہ نہ ہو تو باری اور تقسیم شب میں اسکو رکھا نہیں جائیگا، خلاصہ یہ ہے کہ ان تمام منکوحہ عورتوں کے ساتھ شب کی تقسیم میں عدل ومساوات کا معاملہ کرنا شوہر پر واجب ہے، کسی کو نظر انداز کرنا جائز نہیں ہے۔

و لو اقام عند واحدة شهرا فى غير سفر ثم خاصمته الاخرى فى ذلك يؤمر بالعدل بينهما فى المستقبل و هدر ما مضى و ان اثم به لان القسمة تكون بعد الطلب و ان عاد الى الجور بعد نهى القاضى اياه عزر بغير حبس كما فى جوهرة لتقوية الحق و هذا اذا لم يقل انما فعلت ذلك لان خيار الدور الىّ فحينئذٍ يقضى القاضى بقدره نهر بحثا و البكر والثيب والجديدة والقديمة والمسلمة والكتابية سواء لا طلاق الآيه و للامة والمكاتبة و ام الولد والمدبرة

والمبعضة نصف ما للحرة ای من البیتوتة والسکنی معها اما النفقة فبحالهما.

گذشتہ ایام کا عوض

سفر میں نہ ہونے کے باوجود اگر شوہر نے ایک بیوی کے ساتھ ایک ماہ رات گذاری، اس کی وجہ سے دوسری بیوی شوہر سے اس بات پر برسرپیکار ہوئی تو شوہر کو حکم دیا جائے گا کہ آئندہ وہ ایسا نہ کرے بلکہ دونوں میں برابر برابر باری مقرر کرے، جو گذر چکا اس کا عوض نہیں ہے، گو شوہر اس گذشتہ ناانصافی کی وجہ سے گنہ گار ہوگا۔ اس لئے کہ تقسیم بیوی کے طلب کے بعد ہوتی ہے ابتدا میں طلب اس کی طرف سے نہیں پائی گئی تھی، اس لئے گذشتہ دنوں کا عوض نہیں حاصل ہوگا۔

عدم مساوات کی سزا

قاضی کے منع کرنے کے باوجود اگر شوہر ظلم کرے اور مساوات نہ برتے، ایک کے پاس زیادہ رہے اور دوسری کے پاس کم، تو اس کو سزا دی جائے گی، قید نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے ایک کا حق کھویا، اور ممنوع شرعی کا مرتکب ہوا، یہ سزا اس وقت ہوگی جب کہ شوہر نے یہ نہ کہا ہو کہ میں نے ایسا اس وجہ سے کیا کہ مجھ کو باری لگانے پر اختیار تھا، اور دوسری بیوی کے پاس بھی اتنے ہی دن رہوں گا، اس وقت قاضی حکم دے گا کہ جتنے دن پہلی بیوی کے پاس رہ چکا ہے اتنے دن دوسری بیوی کے پاس بھی رات گذارے۔

آیت چونکہ مطلق ہے اس لئے اس باب میں باکرہ ہو کہ ثیبہ، نئی ہو یا پرانی، مسلمان ہو یا کتابیہ سب برابر ہیں، سب کے ساتھ عدل و مساوات ضروری ہے۔ ہاں اگر عورت لونڈی ہو، مکاتبہ ہو، ام ولد ہو یا مدبرہ آزاد عورت کے مقابلہ میں ان کے لئے باری آدھا ہوگی، یعنی آزاد عورت کے پاس اگر دو رات رہے گا، تو لونڈی کے پاس ایک رات، صرف شب باشی میں یہ فرق ہوگا، نفقہ میں یہ بات نہیں ہوگی، نفقہ میاں بیوی کے حالات کے مطابق ہر ایک کا برابر ہوگا۔

ولا قسم فی السفر دفعا للحرج فله السفر بمن شاء منهن والقراعة احب تطییبا لقلوبهن و لو ترکت قسمتها بالکسر ای نوبتها لضرتها صح و لها الرجوع فی ذلک فی المستقبل لانه ما وجب فما سقط و لو جعلته لمعنیة هل له جعله لغیرها ذکر الشافعی لا و فی البحر بحثا نعم و نازعه فی النهر.

سفر میں شوہر کو اختیار

البتہ شوہر جب سفر میں جائے گا تو باری اور تقسیم شب میں مساوات کی بات باقی نہیں رہے گی، تاکہ حرج واقع نہ ہونے پائے، شوہر کو اختیار ہے کہ بیویوں میں سے جس کو چاہے اپنے ساتھ میں لے جائے۔ اور اگر قرعہ اندازی کر کے لے جائے تو یہ سب سے بہتر ہے کہ بیویوں میں سے کسی کو نہ اذیت ہوگی اور نہ شکایت، سب کے دل مطمئن رہیں گے، کہ شوہر کی طرف سے زیادتی نہیں پائی گئی۔

باری کا ہبہ

اگر چند بیویوں میں سے کوئی اپنی باری اپنی سوکن کے لئے دیدے تو یہ درست ہے، گو مستقبل کے اندر بعد میں وہ رجوع کر سکتی ہے، یعنی پہلے دی تھی بعد میں اپنی باری خود لے لے، کیونکہ مستقبل میں حق واجب نہیں ہوتا ہے، لہٰذا اس کے ساقط کرنے سے وہ ساقط بھی نہیں ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی بیوی اپنی باری کسی خاص سوکن کو دیدے تو کیا شوہر کو اختیار ہوگا کہ وہ اس باری کو اس کے سوا دوسری بیوی کے لئے کر دے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شوہر ایسا نہیں کر سکتا ہے اور بحر الرائق میں بحث کے بعد لکھا ہے

کہ شوہر کو اس کا اختیار ہوگا۔ نہر الفائق نے اس کے خلاف لکھا ہے۔

و یقیم عند کل واحدة منهن یوماً و لیلة لکن انما تلزمه التسویة فی اللیل حتی لو جاء للاولی بعد الغروب و للثانیة بعد العشاء فقد ترك القسم و لا یجًا معها فی غیر نوبتها وکذا لا یدخل علیها باللیل الا لعیادتها و لو اشتد ففی الجوهرة لا بأس ان یقیم عندها حتی تشفی او تموت انتهی اذا لم یکن عندها من یونسها ولو مرض هو فی بیته دعا کلا فی نوبتها لانه لو کان صحیحا و اراد ذٰلك ینبغی ان یقبل منه نهر و ان شاء ثلثا ای ثلثة ایام و لیالیها و لا یقیم عند احدٰهما اکثر الا باذن الاخری خلاصة و زاد فی الخانیة والرایٔ فی البداءة فی القسم الیه و کذا فی مقدار الدور هدایة و تبیین و قیده فی الفتح بحثا بمدة الایلاء او جمعة و عممه فی البحر فنظر فیه فی النهر قال المصنف و ظاهر بحثهما انهما لم یطلعا علی ما فی الخلاصة من التقیید بثلثة ایام کما عولنا علیه فی المختصر والله اعلم.

رات میں مساوات ضروری باری بیویوں میں اس طرح تقسیم ہوگی کہ اپنی بیویوں میں سے شوہر ہر ایک کے پاس ایک دن ایک رات رہے، اور تقسیم میں برابری شوہر کے لئے رات میں لازم ہے۔ چنانچہ اگر کسی شوہر نے ایسا کیا کہ مغرب کے بعد ایک کے پاس گیا، اور عشاء کے بعد دوسری کے پاس تو پھر مساوات باقی نہیں رہی، ماحصل یہ ہے کہ رات میں کسی کے ساتھ کمی بیشی نہ کرے، دن میں یہ پابندی نہیں ہے۔ اگر کسی کے پاس دن میں پانچ گھنٹے رہا اور کسی کے پاس ایک گھنٹہ تو اس میں مضائقہ نہیں۔

عورت سے اس کی باری کے سوا دن میں جماع نہ کرے، گو اس کی نوبت دن میں آئے، اس کی بھی اجازت نہیں ہے، اسی طرح رات میں اس کی باری کے سوا دوسری کے پاس نہ جائے، البتہ جب کوئی دوسری بیوی سخت بیمار ہو، تو اس کی عیادت کے لئے جاسکتا ہے اور اس میں بھی مضائقہ نہیں ہے کہ جب تک اس کو آرام نہ ہو اس کے پاس ٹھہرا رہے، یا موت واقع ہو جائے لیکن اس قدر اس کے پاس اس وقت تک ٹھہرنا چاہئے جب اس کے پاس کوئی مونس و غم خوار نہ ہو۔

اگر خود شوہر بیمار ہو تو اس کو حق ہے کہ ہر عوت کو اس کی باری میں گھر کے اندر بلائے، کیونکہ حالت تندرستی میں بھی اس کو اس کا حق ہے کہ ہر ایک کو اپنے پاس بلا سکتا ہے۔

شوہر کو اختیار باری میں جس طرح ایک ایک رات کی باری مقرر کر سکتا ہے اسی طرح اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ ہر ایک کے لئے تین دن تین رات کی باری مقرر کرے، لیکن کسی کے پاس دوسری سے زیادہ قیام نہیں کرنا چاہئے، ہاں اگر دوسری اجازت دیدے تو ایسا کر سکتا ہے، ابتداء کس بیوی سے کرے، اس کا اختیار شوہر کو ہے اسی طرح کتنے دن کی باری مقرر کرے، اس کا اختیار بھی شوہر کو ہی ہے۔

اختیار کے حدود فتح القدیر میں لکھا ہے کہ شوہر کے ہاتھ میں اختیار کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ایک ایک سال کی باری بھی مقرر کرسکتا ہے، بلکہ انھوں نے بحث کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ باری مدت ایلاء سے بڑھنی نہیں چاہئے، بلکہ کہتے ہیں ایک ایک ہفتہ سے زیادہ نہ ہو، چار ماہ کی باری بھی ٹھیک نہیں ہے، ایک ہفتہ سے زیادہ کی باری نقصان دہ ہے، بعضوں نے مطلق رکھا ہے، مگر بیویوں کی رضامندی کی شرط لگائی ہے، اس بات میں پہلی روایت تین تین دن والی مناسب معلوم ہوتی ہے۔

فروع لو کان عمله لیلا کالحارس ذکر الشافعیة انه یقسم نهاراً و هو حسن و حقه علیها ان تطیعه فی کل مباح یامرها به و له معنها من العزل و من اکل ما یتاذّی من رائحته بل و من الحناء والنقش ان تاذی برائحته نهر و تمامه فیما علقته علی الملتقی.

رات میں کام کرنے والا شوہر اگر شوہر رات میں کام کرتا ہو، جیسے رات میں چوکیداری اور پہرہ داری کا کام، اور اس کے کئی بیویاں ہوں تو شوافع ذکر کرتے ہیں کہ ایسا شخص بیویوں کی باری دن میں مقرر کرے، شارح کہتے ہیں کہ شوافع کا یہ قول بہتر اور مناسب ہے۔

بیوی پر اطاعت شوہر کا بیوی پر یہ حق ہے کہ بیوی اپنے شوہر کی ہر مباح چیز میں فرمانبرداری کرے، یعنی جس مباح کام کا شوہر حکم دے اُسے بیوی بجالائے، لیکن جب امر مباح میں شوہر حکم دیدے گا تو حکم کے بعد بیوی پر اس کا بجالانا واجب ہوگا۔

باپ کا حق اگر کسی کی بیوی آرائش کرنا چھوڑ دے یا نماز نہ پڑھے، یا طہارت کا خیال نہ رکھے یا شوہر وطی کے لئے بلائے اور بیوی نہ آئے، تو ان باتوں میں نافرمانی پر شوہر بیوی کو مار سکتا ہے، لیکن اگر بیوی کا باپ معذور اور خدمت کے لئے مجبور ہے اور شوہر اس کو منع کرے کہ وہ باپ کے پاس نہ جائے تو اس صورت میں بیوی کے لئے جائز ہے کہ شوہر کے حکم کے خلاف باپ کی خدمت کے لئے جائے۔ اس کا باپ خواہ مسلمان ہو خواہ غیر مسلم۔

شوہر کی رعایت مرد کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کو سوت کاتنے سے منع کرے، کیونکہ اس کا نفقہ بذمہ شوہر ہے، اور اسی طرح مرد کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اپنی بیوی کو ہر اُس چیز کے کھانے سے روک دے، جس کی بدبو تکلیف دہ ہوتی ہے، جیسے کچی پیاز، کچا لہسن، مولی، حقہ، بلکہ اگر شوہر کو مہندی اور نقش و نگار سے نفرت ہو اور اس کی بو تکلیف دہ ہو تو وہ اپنی بیوی کو مہندی لگانے اور نقش کاری سے بھی منع کرسکتا ہے۔

نکاح کے احکام میں سے ایک حکم اچھی معاشرت بھی ہے کہ شوہر بیوی کے ساتھ ایسا سلوک کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہو بات چیت میں بھی اور کام کاج میں بھی، مرد کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کے جائز جذبات کا پورا لحاظ و پاس رکھے، کہ وہ اس کے ساتھ برابر کا درجہ رکھتی ہے۔

مکتبہ فیض القرآن دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)
Ph. No. (01336) 22401